بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ آمین بالسر

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت و الجماعت:

جب کوئی شخص سورۃ فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہو جائے تو آمین کہے ۔آمین آہستہ کہنا سنت ہے، چاہے وہ شخص امام ہو ،مقتدی ہو یامنفرد۔

(الدر المختار علی حامش رد المحتار ج2ص237 ، فتاوی العالمگیریہ ج1ص82)

مذہب غیر مقلدین:

آمین سورۃ فاتحہ کے تابع ہے۔ جب فاتحہ آہستہ پڑھی جائے تو آمین بھی آہستہ کہی جائے اور جب فاتحہ بلند آواز سے پڑھی جائے تو آمین بھی بلند آواز سے کہی جائے۔ امام اور مقتدی کا یہی حکم ہے ،البتہ اکیلے نماز پڑھنے والا آمین آہستہ کہے گا۔ لہذا ظہر اور عصر میں آمین آہستہ کہی جائے اور فجر، مغرب اور عشا ء میں بلند آواز سے۔ آہستہ آمین کہنے کی کوئی صحیح صریح حدیث نہیں ۔

(صلاۃ الرسول از صادق سیالکوٹی ص158،164 ، نبی کریم ﷺکی نماز ازابو حمزہ ص183، صلاۃ المصطفی از محمد علی جانبازص171 وغیرہ)

فائدہ: بعض غیر مقلدین نےاپنی کتب میں بلند آواز سے آمین کہنے کا اثبات کرتے ہوئے باقاعدہ عنوان قائم کیے ہیں کہ ’’یہودی آمین سے چڑتے ہیں۔‘‘ (صلاۃ المصطفیٰ از محمد علی جانبازص169)

دلائل اہل السنت والجماعت

قرآن کریم:

دلیل : آمین دعا ہے یا اللہ تعالیٰ کا نام، ہر دو صورت میں آہستہ کہنا چاہیے۔

* **آمین دعا ہے:**

(1):قال عزوجل : قال قد أجيبت دعوتكما فاستقيما ولاتتبعان سبيل الذين لايعلمون• (سورۃ یونس:89)

تفسیر:اخرج ابو الشیخ عن ابی ہریرۃ قال کان موسی علیہ السلام اذا دعا امن ھارون علیہ السلام علی دعائہ یقول امین۔

(تفسیر الدرالمنثور للسیوطی ج3 ص 567)

(2):قال عطا, آمین دعا (صحیح البخاری ج1ص 107)

اوردعا میں اصل یہ ہے کہ آہستہ کی جائے:

قال عزوجل : ادعوا ربكم تضرعا وخفية•(سورۃ الاعراف:55)

* **’’آمین‘‘ اللہ تعالیٰ کا نام ہے :**

عن ابی ہریرۃ ومجاہد وحکیم ابن جعفر وھلال بن یساف قالوا امین اسم من اسماء اللہ تعالی ,

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2 ص 316 رقم:15،16،17،18 ماذکروا فی آمین و من کان یقولھا،مصنف عبدالرزاق ج2ص 64رقم:2652،2653،باب آمین)

ذکر اللہ میں اصل سر ہے:

قال عزوجل :واذكر ربك في نفسك تضرعا وخيفة ودون الجهر من القول• (سورۃ الاعراف:205)

فائدہ: جو بات ہم نے بیان کی ہے یہی بات امام فخر الدین الرازی الشافعی رحمہ اللہ م 606ھ نے فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

قال ابوحنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ اخفاء التأمین افضل ،وقال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ اعلانہ افضل ،واحتج ابوحنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ علی صحۃ قولہ قال فی قولہ امین وجہان ,احدھما: انہ دعاء ,والثانی: انہ من اسماء اللہ تعالی ,فان کان دعاء وجب اخفاءہ لقولہ تعالی ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ الخ وان کان اسما من اسماء اللہ

تعالی وجب اخفاءہ لقولہ تعالی: واذکر ربك في نفسك تضرعا وخيفة الاية فان لم يثبت الوجوب فلا اقل من الندبية ونحن نقول بهذا القول۔

(التفسیر الکبیر:ج14ص131 تحت قولہ:ادعوا ربکم)

احادیث مبارکہ

احادیث مرفوعہ:

دلیل1:

قدروی الامام الحافظ المحد ث ابوداؤد الطیالسی م204 ھ قال : حدثنا شعبة ، قال : أخبرني سلمة بن كهيل ، قال : سمعت حجرا أبا العنبس ، قال : سمعت علقمة بن وائل ، يحدث عن وائل ، وقد سمعته من وائل ، أنه صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم فلما قرأ (غير المغضوب عليهم ولا الضالين) قال : « آمين » خفض بها صوته۔

(مسند ابوداؤد الطیالسی ج1ص577 رقم: 1117،مسند احمد ج14 ص285 رقم: 18756)

وقال الحاکم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه۔

قال الذهبي: على شرط البخاري ومسلم ۔

(مستدرک علی الصحیحین ج2ص608رقم:2968باب قراءۃ النبی صلی اللہ علیہ و سلم)

اعتراض:

غیرمقلدین کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ ،امام ابوذرعہ رازی ، امام دار قطنی ،امام بیہقی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے ۔ کیونکہ امام شعبہ اس حدیث میں غلطی کا شکار ہوئے ہیں کہ اس میں راوی حجر ابو السکن ہے لیکن امام شعبہ رحمہ اللہ نے حجر ابو العنبس بیان کیا ہے۔ھکذا قال الترمذی فی جامعہ(ج1 ص168باب ماجاء فی التامین)

جواب نمبر1:

امام شعبہ صحیحین اور سنن اربعہ کے حافظ،متقن ،امیرالمؤمنین فی الحدیث اورثقہ بالاجماع راوی ہیں۔

(التقریب لابن حجر ص301 رقم الترجمہ 2790 وغیرہ)

اور ثقہ راوی کی زیادتی فی السند والمتن عندالجمہور فقہاء ومحدثین مقبول ہے۔

والزیادۃ مقبولۃ،(صحیح البخاری ج1ص201 باب العشر فیما یسقی من ماء السماء والماء الجاری)

أن الزيادة من الثقة مقبولة(مستدرک علی الصحیحین ج1ص307 کتاب العلم)

لہذا امام شعبہ رحمہ اللہ کا حجر ابو العنبس کہنا زیادتی ثقہ ہونے کی وجہ سے مقبول ہے،غلطی نہیں ہے۔

جواب نمبر2:

امام حجر ابو العنبس الکوفی رحمہ اللہ کی دو کنیتیں ہیں-1 :ابو العنبس 2:ابوالسکن

(1)قال الامام ابن ابی حاتم رازی م327 ھ: حجر بن عنبس ابو السکن ویقال ابو العنبس شیخ کوفی مشہور.

(الجرح والتعدیل: ج3 ص 278رقم الترجمہ3483)

(2)قال الامام ابن حبان م354ھ :حجر بن العنبس ابوالسکن الکوفی و ھو الذی یقال لہ حجر ابو العنبس یروی عن علی ووائل بن حجر روی عنہ سلمۃ بن کہیل۔(کتاب الثقات لابن حبان ج4ص177)

(3)قال الامام ابن حجر العسقلانی م852ھ: حجر بن العنبس الحضرمی ابو العنبس ویقال ابو السکن الکوفی۔

قلت[ابن حجر]: وبھذا جزم ابن حبان فی الثقات ان کنیتہ کاسم ابیہ ولکن قال البخاری ان کنیتہ ابوالسکن ،ولا مانع ان یکون لہ کنیتان۔ (تہذیب التہذیب ج1ص677، التلخیص الحبیر ج1 ص237)

لہذا امام شعبہ پر وہم کا اعتراض باطل ہے۔

جواب نمبر 3:

امام شعبہ ”حجر ابو العنبس“ کہنے میں منفرد نہیں بلکہ امام سفیان ثوری بھی ان کی متابعت تامہ کررہے ہیں۔امام سفیان الثوری بھی سلمۃ بن کھیل سے روایت کرتے ہوئے حجر ابو العنبس کہتے ہیں۔ امام ابو داؤد رحمہ اللہ سند بیان کرتے ہیں:

حدثنا محمد بن كثير أخبرنا سفيان عن سلمة عن حجر أبى العنبس الحضرمى عن وائل بن حجر.

(سنن ابی داؤد ج1ص141،142باب التامین وراء الامام)

تنبیہ:امام بخاری رحمہ اللہ نے امام داؤد والی سند سے اس حدیث کو تخریج کیا ہے جو ایک طریق سے سفیان ثوری سے روایت ہے۔لیکن یہاں پر انہوں نے تدلیساً ابوالعنبس کو گرادیاہے۔چنانچہ بیان کرتے ہیں: حدثنا محمد بن كثير و قبيصۃ قالاحدثنا سفيان عن سلمة عن حجر عن وائل بن حجر الخ (جزء القراۃ للبخاری مترجم از مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی ص171رقم الحدیث235)

لہذا یہ اعتراض باطل ہے۔

دلیل2:

وقد روى الامام الحافظ المحدث ابوداؤد السجستانى م 275ھ قال حدثنا مسدد حدثنا يزيد حدثنا سعيد حدثنا قتادة عن الحسن أن سمرة بن جندب وعمران بن حصين تذاكرا فحدث سمرة بن جندب أنه حفظ عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- سكتتين سكتة إذا كبر وسكتة إذا فرغ من قراءة (غير المغضوب عليهم ولا الضالين)

(سنن ابی داؤد: ج1ص113باب السکتۃ عند الافتتاح،جامع الترمذی ج1 ص59 باب ماجاء فی السکتتین،سنن ابن ماجہ ص61 باب ماجاء فی سکتتی الامام)

اسناده صحيح على شرط الشيخين٭

احادیث موقوفہ و مقطوعہ:

دلیل نمبر 1:

قد روى الامام الحافظ المحدث الفقيہ ابوجعفر الطحاوى م321ھ: قال حدثنا سليمان بن شعيب الكيساني قال: ثنا علي بن معبد قال: ثنا أبو بكر بن عياش عن أبي سعيد عن أبي وائل قال: كان عمر وعلي رضي الله عنهما لايجهران ب { بسم الله الرحمن الرحيم } ولابالتعوذ ولابالتأمين٭

(سنن الطحاوی ج1 ص150 باب قراءۃ بسم اللہ فی الصلاۃ ،تہذیب الآثار لابن جریر بحوالہ الجوہر النقی علی سنن البیہقی ج2 ص58باب جہر الامام بالتامین)

اسناده حسن ورواتہ ثقات٭

دلیل نمبر 2:

عن أبي وائل قال:كان علي وابن مسعود لا يجهران ببسم الله الرحمن الرحيم ولا بالتعوذ ولا بآمين.

(المعجم الکبیر ج4ص566،567رقم9201 ،الجوہر النقی علی سنن البیہقی ج2ص58باب جہر الامام بالتامین،المحلی بالآثار ج2ص280مسئلہ نمبر363)

اسناده حسن ورواتہ ثقات٭

دلیل3:

قد روى الامام الحافظ المحدث الفقيہ محمد بن حسن الشيبانى قال اخبرنا ابوحنيفۃ عن حماد عن ابراہيم النخعى قال: اربع يخافت بهن الامام، سبحانک اللهم وتعوذمن الشيطان وبسم اللہ وامين٭

(کتاب الآثار بروایۃ محمد ج1ص162 رقم83باب الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم ،کتاب الآثار بروایۃ ابی یوسف ص21،22 رقم106باب افتتاح الصلوٰۃ ،مصنف عبدالرزاق ج2 ص 57رقم2599 باب ما یخفی الامام)

اسنادہ صحیح و رواتہ ثقات•

اکثر صحابہ کا عمل:

قد قال الامام الحافظ المحدث علاء الدین بن علی بن عثمان ابن الترکمانی م745ھ: والصواب ان الخبر بالجہر بھا و المخافة صحیحان و عمل بکل من فعلیہ جماعة من العلماء و ان کنت مختارا خفض الصوت بھا إذ کان اکثر الصحابة و التابعین علی ذلك• (الجوہر النقی علی سنن البیہقی: ج2ص58 باب جہر الامام بالتامین)

ائمہ مجتہدین:

یہ حضرات مجتہدین رحمہم اللہ آمین بالسر کے قائل تھے۔

1: امام اعظم ابوحنیفہ 150ھ:

اربع یخافت بھن الامام سبحانک اللھم ،وتعوذمن الشیطان ،وبسم اللہ وامین قال محمد: و بہ ناخذ و ھو قول ابی حنیفة رحمہ اللہ.

(کتاب الآثار بروایۃ محمد ج1ص162 رقم83باب الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم)

2: امام سفیان الثوری م161ھ:

قال الامام سفیان الثوری رحمہ اللہ:ثم یقول امین سرا سواء کان اماما اوماموما او منفردا.

(فقہ سفیان الثوری ص561 باب افعال الصلوۃ)

3: امام محمد بن الحسن الشیبانی م189ھ:

اربع یخافت بھن الامام سبحانک اللھم ،وتعوذمن الشیطان ،وبسم اللہ وامین قال محمد: و بہ ناخذ.

(کتاب الآثار بروایۃ محمد ج1ص162 رقم83باب الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم)

4: امام محمد بن ادریس الشافعی م204ھ:

قال الشافعی فی الجدید ان المنفرد والامام والمأموم کل منھم یسر بامین جہریۃٍکانت الصلوۃ اوسریۃٍ

(السعایۃ بحوالہ اوجز المسالک ج2 ص145 باب ماجاء فی التامین خلف الامام)

دلائلِ غیر مقلدین اور ان کا جواب

دلیل1:

حدثنا محمد بن كثير أخبرنا سفيان عن سلمة عن حجر أبي العنبس الحضرمي عن وائل بن حجر قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قرأولا الضالين قال آمين ورفع بها صوته• (سنن ابی داؤد ج1ص134، 135باب التامین)

جواب 1:

اس حدیث کی سند میں ایک راوی سفیان ثوری ہے جو کہ بقول زبیر علی زئی غضب کا مدلس ہے اور مدلس کا عنعنہ صحت حدیث کے لئے مانع ہے۔اور مدلس کا حکم یہ ہے کہ اس کی روایت بغیر تصریح سماع کے قابل عمل نہیں (نور العینین ص148،139،138)

لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب 2:

اس روایت کے ایک راوی امام سفیان ثوری ہیں اور آپ اخفاءِ آمین کے قائل تھے۔(فقہ سفیان الثوری: ص561)

اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے:

عمل الراوی بخلاف روایتہ بعد الروایۃ مما ہو خلاف بیقین یسقط العمل بہ عندنا۔(المنار مع شرحہ ص194)

کہ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس روایت سے عمل کو ساقط کر دیتا ہے۔ لہذا یہ روایت منسوخ ہے۔

جواب3:

آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا یہ عمل برائے تعلیم تھا، آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی دائمی عادت نہ تھی، جیسا کہ اس روایت سے واضح ہوتا ہے:

روی الامام الحافظ المحدث ابو بشر الدولابی الحنفی م310ھ: قال حدثنا الحسن بن علی بن عفان قال حدثنا الحسن بن عطیۃ قال أنبأنا یحیی بن سلمۃ بن کہیل عن ابیہ عن ابی السکن حجر بن عنبس الثقفی قال سمعت وائل بن حجر الحضرمی یقول رأیت رسول اللہ ﷺ حین فرغ من الصلوۃ حتی رأیت خد ہ من ھذا الجانب ومن ھذاالجانب وقرأ غیر المغضوب علیھم ولاالضالین فقال امین یمد بھا صوتہ ما اراہ الا یعلمنا• (الکنیٰ والاسماء للدولابی ج1ص441،442رقم:1558)

اسنادہ حسن ورواتہ ثقاۃ •

جواب 3 پراعتراض:

اس کی سند میں یحیی بن سلمۃ بن کہیل ضعیف راوی ہے ۔

جواب:

امام یحیی بن سلمۃ بن کہیل الکوفی م172او179ھ جامع الترمذی اور صحیح ابن خزیمہ کا مختلف فیہ راوی ہے۔ بعض ائمہ نے جرح کی ہے تو بعض نے ان کی توثیق وتعدیل بھی کی ہے۔ تعدیل و توثیق پیش خدمت ہے:

:1 امام ابن حبان: ذکرہ فی الثقات• (کتاب الثقات لابن حبان ص655 رقم الترجمہ11630)

:2 امام ابن خزیمہ:" صحیح ابن خزیمہ" میں ان کے طریق سے مروی روایت سے وضع الیدین قبل الرکبتین کے نسخ پر احتجاج کیا ہے۔

(صحیح ابن خزیمہ ج1 ص243 رقم628 باب ذکر الدلیل علی أن الأمر بوضع الیدین قبل الرکبتین عند السجود منسوخ)

معلوم ہوا کہ یہ راوی امام ابن خزیمہ کے ہاں بھی ثقہ ہے۔

3: امام حاکم: قال ہذا حدیث صحیح الاسناد• (و فیہ یحیی بن سلمۃ بن کھیل). (المستدرک علی الصحیحین: ج2 ص608 تحت رقم الحدیث 2928)

* خود غیر مقلدین کے ناصر الدین الالبانی نے ترمذی کی ایک روایت کو ''صحیح'' کہا ہے اور اس میں یہی ''یحیی بن سلمۃ بن کھیل'' موجود ہے۔
(راجع جامع الترمذی باحکام الالبانی: تحت رقم الحدیث3805)

محدثین کے ہاں جو راوی مختلف فیہ ہو اس کی روایات حسن درجہ کی ہو تی ہیں-(فتح المغیث: ج3 ص359، قواعد فی علوم الحدیث: ص75)
لہذا یہ روایت حسن ہے-

دلیل 2:

أخبرنا محمد بن عبد الله بن عبد الحكم عن شعيب حدثنا الليث حدثنا خالد عن أبي هلال عن نعيم المجمر قال صليت وراء أبي هريرة فقرأ بسم الله الرحمن الرحيم ثم قرأ بأم القرآن حتى إذا بلغ { غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال آمين فقال الناس آمين.
(سنن النسائی ج1 ص144 قِرَاءَةُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ)

جواب 1:

اس کی سند میں محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم ہے، امام ربعی بن سلیما ن الشافعی نے اسے'' کذاب'' کہا ہے -(تہذیب التہذیب :ج5ص671)

جواب 2:

اس روایت میں جہر کے الفا ظ نہیں اور ''قال'' ،''قیل'' اور ''قول'' وغیرہ سے جہر ثا بت نہیں ہوتا۔اگر ان الفا ظ سے جہر ثا بت ہو تا تو کیا:

أن أبا هريرة كان يكبر في كل صلاة من المكتوبة وغيرها في رمضان وغيره فيكبر حين يقوم ثم يكبر حين يركع ثم يقول سمع الله لمن حمده ثم يقول ربنا ولك الحمد. (صحیح البخاری :ج1ص110 باب يهوي بالتكبير حين يسجد)

اس روایت سےجہر ثا بت ہوتا ہے، کیا غیر مقلدین ''ربنا لک الحمد'' میں جہر کرتے ہیں؟
لہذا یہ روایت آمین با لجہر کی دلیل نہیں -

دلیل 3:

حدثنا محمد بن بشار حدثنا صفوان بن عيسى حدثنا بشر بن رافع عن أبي عبد الله ابن عم أبي هريرة عن أبي هريرة قال ترك الناس التأمين وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قال{ غير المغضوب عليهم ولا الضالين }قال آمين حتى يسمعها أهل الصف الأول فيرتج بها المسجد• (سنن ابن ماجہ :ص62 باب الجہر بآمین)

کہ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ عوام الناس نے آمین چھوڑ دی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم جب ''غیر المغضوب علیہم ولا الضالین'' کہتے تو آمین اتنی بلند آواز سے کہتے کہ پہلی صف کے نمازی آپ کی آواز سن لیتے۔ پس مسجد اس آواز سے گونج اٹھتی۔

جواب 1:

اس کی سند میں ایک راوی بشر بن را فع ہے ، ائمہ حد یث نے اسے ضعیف ومجرو ح قرار دیا ہے-مثلاً:

یحدث بالمنا کیر ، لیس بشئی ،ضعیف فی الحد یث ،لا یتا بع فی حد یثہ ،یضعف فی الحد یث ،منکر الحد یث، لا نری لہ حدیثا قائماً، اتفقوا علی انکا ر حد یثہ، طرح ما روا ہ ، ترک الاحتجاج بہ ، لا یختلف علماء الحد یث فی ذلک•

اور بتصریح ابن حبان ان سے موضوع حدیث بھی آئی ہے ۔(تہذیب لابن حجر :ج1ص421 رقم الترجمہ 825)
لہذا یہ روایت سخت ضعیف ہے ۔
جواب 2:
مسجد نبوی کی چھت چھڑیو ں کی تھی اور ایسی مسجد میں آواز گو نجا نہیں کرتی ۔ تو یہ الفاظ بھی اس کے ضعف پر دلالت کرتے ہیں۔
جواب 3:
اس روا یت میں''تر ک الناس التا مین'' کا جملہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ آمین بالجہر متروک ہے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی سنت کو صحابہ اور تابعین کیسے چھوڑ سکتے تھے؟!رہا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے عمل کو پیش کرنا تو یہ بیان واقعی کے لیے تھا اور اس میں بھی جو آ مین جہرا کا ذکر ہے وہ بطور تعلیم کے ہے۔ (جیسا کہ الکنیٰ و الاسماء للدولابی کے حوالے سے گزر چکا ہے)
دلیل 4:
حدثنا محمد بن يحيى ، حدثنا إسحاق بن إبراهيم ، وهو ابن العلاء الزبيدي ، حدثني عمرو بن الحارث ، عن عبد الله بن سالم ، عن الزبيدي ، قال : أخبرني الزهري ، عن أبي سلمة ، وسعيد ، عن أبي هريرة ، قال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من قراءة أم القرآن رفع صوته ، قال : آمين. ''۔(صحیح ابن خزیمہ :ج1ص313 باب الجہر بآمین عند انقضاء فاتحۃ الکتاب)
جواب1 :
اس روایت میں ایک راوی اسحا ق بن ابرا ہیم الزبیدی ہے ۔ ائمہ نے اس پر جرح کی ہے۔ مثلاً:
لیس بثقہ ، یکذب ، لیس بشئی ، کذبہ محد ث حمص محمد بن عوف الطا ئی۔
(تہذیب التہذیب: ج1ص205رقم التر جمہ 406،میزان الاعتدال:ج1ص190رقم الترجمہ691، المغنی فی الضعفاء:ج 1 ص106 رقم الترجمہ540)
لہذا یہ روایت ضعیف ہے ۔
جواب 2:
اس روایت کی سند میں دوسرا راوی امام زہری ہے جو کہ بقول زبیر علی زئی کے مدلس ہے۔ (نور العینین : ص 118، الحدیث ش32ص23)
اور مدلس بھی طبقہ ثالثہ کاہے ۔ (طبقات المدلسین لابن حجر :ص: 109)
اور زبیر علی زئی نے تصریح کی ہے کہ مدلس کا عنعنہ صحت حدیث کے منافی ہوتا ہے۔ (نور العینین :ص:168)
خود زبیر علی زئی نے اس حدیث کے تحت لکھا:''میری تحقیق میں راجح یہی ہے کہ امام زہری مدلس ہیں۔ لہذا یہ سند ضعیف ہے'' (القول المتین: 26)
جواب 3:
صحیح ابن خزیمہ کے حاشیہ پر مشہورغیر مقلد ناصر الدین البانی کے حوالہ سے لکھا ہے :اسنادہ ضعیف۔
(صحیح ابن خزیمہ :ج1ص313 باب الجہر بآمین عند انقضاء فاتحۃ الکتاب)
دلیل نمبر 5:
أخبرنا أبو طاهر نا أبو بكر نا محمد بن يحيى نا أبو سعيد الجعفي حدثني ابن وهب أخبرني أسامة ـ وهو ابن زيد ـ عن نافع عن ابن عمر كان : إذا كان مع الإمام يقرأ بأم القرآن فأمن الناس أمن ابن عمر ورأى تلك السنة۔
(صحیح ابن خزیمہ :ج1 ص313، ص314 رقم الحدیث 572)
جواب 1:

اس روایت کی سند میں راوی ابو سعید یحیی بن سلیمان الجعفی ہے .اس پر ائمہ نے جرح کی ہے ۔

قال النسائی: لیس بثقۃ ,و قال ابن حبان: ربما اغرب ، و قال ابن حجر :صدوق یخطی ولہ احادیث مناکیر

(تہذیب لابن حجر:ج7ص54 رقم الترجمہ8858 ، تقریب لابن حجر :ص620 رقم التر جمہ7564 ، المغنی فی الضعفأ :ج2 ص518 رقم الترجمہ 6984)

اور دوسرا راوی اسامہ بن زید اللیثی ہے۔ یہ بھی مجروح ہے۔

قال الامام احمد بن حنبل: لیس بشی ,احادیثہ مناکیر ، وقال یحیی بن معین : ضعیف ,وقال ابو حاتم: لا یحتج بہ, وقال النسائی: لیس بقوی ، وقال ابن حبان :یخطی ,وترکہ ابن القطان ۔(تہذیب لابن حجر :ج1 ص199 رقم الترجمہ 392)

لہذا یہ روایت ضعیف ہے ۔

جواب2:

مشہور غیر مقلدناصر الدین البانی نے حاشیہ ابن خزیمہ پر تصریح کی ہے:

قال الألباني : إسناده ضعيف أبو سعيد الجعفي اسمه يحيى بن سليمان صدوق يخطئ وأسامة بن زيد إن كان العدوي فضعيف وإن كان الليثي فهو صدوق يهم وكلاهما يروي عن نافع وعنهما ابن وهب

(حاشیہ ابن خزیمہ :ج:2 :ص:287)

خلاصہ یہ کہ روایت ضعیف ہے ۔

جواب 3:

یہ روایت موقوف بھی ہے اور موقوفات صحابہ غیر مقلدین کے نزدیک حجت نہیں ۔

1:و قول صحابی حجت نباشد(عرف الجادی :ص38، فتاوی نذیریہ:ج:1 :ص:340 ،622)

2: و فعل الصحابی لا یصلح للحجۃ (التاج المکلل از نواب صدیق حسن خان :ص:207)

3: افعال الصحابۃ رضی اللہ عنہم لا تنتہض للاحتجاج بہا۔ (فتاوی نذیریہ بحوالہ مظالم روپڑی: ص 58)

4: صحابہ کا قول حجت نہیں۔ (عرف الجادی: ص 101)

5: صحابی کا کردار کوئی دلیل نہیں اگرچہ وہ صحیح طور پر ثابت ہوں۔ (بدور الاہلہ: ج 1 ص 28)

6:آثار صحابہ سے حجیت قائم نہیں ہوتی۔ (عرف الجادی: ص 80)

7: خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو صحابہ کرام کے آثار کا غلام نہیں بنایاہے۔ (عرف الجادی: ص 80)

8: موقوفات صحابہ حجت نہیں۔ (بدورا لاہلہ: ص 129)

دلیل نمبر 6:

حدثنا العباس بن الوليد الخلال الدمشقي . حدثنا مروان بن محمد وأبو مهر قالا حدثنا خالد بن يزيد بن صبيح المرمي حدثنا طلحة بن عمرو عن عطاء عن ابن عباس قال : ۔ قال رسول الله صلى الله عليه و سلم (ما حسدتكم اليهود على شيء ما حسدتكم على آمين . فأكثروا من قول آمين) (سنن ابن ماجہ :ص:62 باب الجہر بآمین)

جواب 1:

اس حدیث کی سند میں ایک راوی طلحہ بن عمرو المکی جو عندالجمہور سخت ضعیف ہے ائمہ نے اسے ”لا شی ، مترک الحدیث، لیس بشی، ضعیف ، لیس بالقوی عند ہم، لیس بالحافظ, وعامۃ ما یرویہ لا یتابعہ علیہ، وکان ممن روی عن الثقات ما لیس من حدیثہم لا یحل کتب حدیثہم من روایتہ عنہ الا علی جہۃ التعجب“ قرار دیا ہے۔

(تہذیب التہذیب:ج3ص300 رقم الترجمۃ3522،میزان الاعتدال:ج2 ص311 رقم الترجمہ 3812،المغنی فی الضعفاء :ج1ص502 رقم الترجمۃ 2975)

جواب2:

سیدہ عا ئشہ صدیقہ سے مرفوعاًصحیح سند کے ساتھ یو ں الفا ظ بھی آئے ہیں:

ان الیہود قوم حسد وہم لا یحسدو ن علی شئی کما یحسدو ن علی السلام و علی آ مین.

(صحیح ابن خزیمہ :ج1ص315رقم الحد یث:574 باب الجھر بآمین عند انقضاء فاتحۃ الکتاب فی الصلاۃ)

اور ایک روایت میں '' اللہم ربنا لک الحمد '' پر حسد کے جملے بھی آئے ہیں ، مثلاً:

عائشة رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لم يحسدونا اليهود بشیء ما حسدونا بثلاث: التسليم ، و التأمين ، و اللهم ربنا لك الحمد .

(السنن الکبریٰ للبیہقی :ج:2:ص:56 باب التأمین)

تو کیا سارے غیر مقلدین مخا لفت یہود کرتے ہوئے نماز میں ''اللہم ربنا لک الحمد''اور ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ''جہرا کہتے ہیں ؟

دلیل7:

أمن ابن الزبير ومن وراءه حتى إن للمسجد للجة (صحیح البخا ری :ج1ص107 باب جهر الإمام بالتأمين)

جواب 1:

امام بخا ری نے اس کی سند بیا ن نہیں کی بلکہ تر جمۃ الباب میں لا ئے ہیں اور بقول زبیر علی زئی کے ''بے سند بات قابل حجت نہیں -''

(الحدیث شمارہ 59:ص:33)

جواب 2:

یہ روایت ان کتب میں موجود ہے:

[۱]: مصنف عبد الرزاق میں ''عن ابن جریج عن عطاء'' کے طریق سے

اس میں پہلا راوی عبد الرزاق ہے- زبیر علی زئی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اور مصنف عبد الرزاق والی روایت میں عبد الرزاق مدلس اور روایت معنعن...... لہذا یہ سند بھی ضعیف ہے'' (ضرب حق: ش33 ص16)

اور خیر سے عبد الرزاق کی یہ روایت بھی معنعن ہے-

[۲]: مسند الشافعی میں ''مسلم بن خالد عن ابن جریج عن عطاء'' کے طریق سے

اولاً..... اس میں پہلا راوی امام شافعی ہے، آپ خود فرماتے ہیں:

ولا احب ان یجہروا بہا۔ (کتاب الام: ج1 ص277 باب التامین عند الفراغ من قراءۃ ام القرآن)

میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ (مقتدی) بلند آواز سے آمین کہیں۔

جب راوی کا عمل و فتویٰ اپنی مروی کے خلاف ہو تو یہ اس کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے- کیونکہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے:

عمل الراوی بخلاف روایتہ بعد الروایۃ مما ہو خلاف بیقین یسقط العمل بہ عندنا۔ (المنار مع شرحہ ص194)

لہذا یہ روایت ساقط العمل ہے-

ثانیاً..... دوسرا راوی امام شافعی کا استاذ ''مسلم بن خالد'' ہے- یہ ضعیف عند الجمہور ہے:

1: امام ابو داؤد: ضعفہ لکثرۃ غلطہ. (الکاشف للذہبی: ج3 ص121 رقم 5480)

2: امام ابو حاتم الرازی: لیس بذاک القوی، منکر الحدیث......لا یحتج بہ. (الجرح و التعدیل: ج8 ص210 رقم 800)

3: امام بخاری: منکر الحدیث۔ (التاریخ الکبیر: ج7 ص138 رقم 1097، الضعفاء الصغیر: ص485)

4: امام نسائی: مسلم بن خالد الزنجی ضعیف. (الضعفاء المتروکین للنسائی: ص219)

وقال ایضاً: لیس بالقوی فی الحدیث. (تسمیۃ فقہاء الامصار: ص127)

5: امام علی بن المدینی: لیس بشئی. (الجرح و التعدیل: ج8 ص210 رقم 800)

وقال ایضاً:منکر الحدیث. (الکامل لابن عدی: ج8ص7)

6: امام ساجی: کثیر الغلط،کان یری القدر (میزان الاعتدال:ج4 ص323)
7: امام ابن سعد: وکان کثیر الغلطو الخطاء فی حدیثہ (الطبقات الکبریٰ: ج5 ص449)
8: امام ابن حبان: کان مسلم یخطئی احیانا (کتاب الثقات: ج7 ص448)
9: امام عثمان الدارمی: لیس بذاک فی الحدیث (تہذیب التہذیب: ج6 ص256)

10: امام یحیٰ بن معین: فما انکرو ا علیہ حدیثہ عن ابن جریج عن عطاء• (تہذیب التہذیب: ج6ص256)
کہ اس کی روایت ”عن ابن جریج عن عطاء“ منکر ہوتی ہے اور زیر نظر روایت بھی اسی طریق سے ہے۔
11: علامہ عینی: ضعیف (البنایۃ شرح الہدایۃ: ج1 ص635)
12: امام ابو زرعہ الرازی: منکر الحدیث (الضعفاء و المتروکین لابن الجوزی: ج3ص117)
* حتیٰ کہ زبیر علی زئی نے لکھا ہے: ” مسلم بن خالد عند الجمہور ضعیف تھے “ (القول المتین: ص48)
لہذا یہ سند ضعیف ہے۔

جواب 3:

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور دیگر لو گ سب امتی ہیں اور غیر مقلدین کے نزدیک ان کے افعا ل واقوال حجت نہیں ۔ (کما مر)

جواب4:

اس اثر میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ سورۃ فاتحہ کے بعد والی آمین ہے۔ ممکن ہے کہ یہ آمین قنوت نازلہ فی الفجر والی ہو۔ چنانچہ خاتم المحدثین علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و لعلہ حین کان یقنت فی الفجر علی عبد الملک وکان ہو یقنت علی ابن زبیر و فی مثل ھذ ہ الایام تجری المبالغات.

(فیض الباری ج2ص290 باب جہر الامام بالتامین)

جواب 5:

صحیح بخاری کے اس اثر میں أمن ابن الزبیر (فعل ماضی) کا ذکر ہے ، اس سے دوام اور تکرار ثابت نہیں ہوتا۔

جواب6:

حضرت ابن زبیر صغار صحابہ میں سے ہیں۔ ہجرت کے بعد اول مولود فی المدینۃ کہلائے۔ آپ نے آمین بالجہر کا عمل کیا جبکہ کبار صحابہ مثلاً حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت علی کے ہاں اس طرح کی آمین کا ثبوت نہیں ملتا۔اس سے صاف معلوم ہوا کہ ان تمام حضرات کے خلاف یہ عمل اختیار کرنے میں ضرور کوئی مصلحت ہے اور وہ تعلیم ہی ہو سکتی ہے۔ مثلاً حضرت عبد اللہ بن زبیر ہی سے بسم اللہ الرحمن الرحیم جہراً پڑھنے کا اثر منقول ہے۔ علامہ زیلعی نے اس کی مصلحت یہ بیان فرمائی ہے:

قال ابن عبد الهادي: إسناده صحيح، لكنه يحمل على الإعلام بأن قراءتها سنة، فإن الخلفاء الراشدين كانوا يسرون بها، فظن كثير من الناس أن قراءتها بدعة، فجهر بها من جهر من الصحابة ليعلموا الناس أن قراءتها سنة، لا أنه فعله دائما

(نصب الرایۃ: ج 1ص435 باب صفۃ الصلاۃ)
یہی بات ہم آمین بالسر میں کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن زبیر نے آمین جہراً کہ کر لوگوں کو

تعلیم دی کہ اس مقام پر آمین کہنا سنت ہے۔

دلیل نمبر 8:

عن أبي هريرة أن رسول اللہ صلى الله عليه وسلم قال إذا أمن الإمام فأمنوا فإنه من وافق تأمينه تأمين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه وقال ابن شهاب وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول آمين۔

(صحیح البخا ری: باب جهر الإمام بالتأمين)

غیر مقلد کہتے ہیں کہ مقتدی کو پابند کیا گیا ہے کہ جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو۔ ظاہر ہے مقتدی کو آمین کا پتا اس وقت چلے گا جب امام زور سے آمین کہے۔

جواب1:

یہ بات طے شدہ ہے کہ غير المغضوب عليهم ولا الضالين پر آمین کہنا ہے۔ اس لیے جب مقتدی غير المغضوب عليهم ولا الضالين سنتا ہے تو اس کو علم ہو جاتا ہے کہ امام اب آمین کہے گا، لہذا اس سے جہر ثابت نہیں ہوتا۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری فرماتے ہیں:

موضعہ معلوم فلا یستلزم الجہربہ. (بذل المجہود ج2ص105باب التامین وراء الامام)

جواب 2:

دیگر روایات (مثلاً:عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذا قال الإمام{غير المغضوب عليهم ولا الضالين}فقولوا آمين۔صحیح البخاری ج1ص 108)

میں مقتدی کے "آمین" کہنے کو امام کے غير المغضوب عليهم ولا الضالين کہنے پر معلق کیا گیا ہے کہ جب مقتدی "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" سنے تو آمین کہے، تو یہ دلیل ہے کہ آمین آہستہ کہی جائے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں:

بل ہو یدل علی الاسرار و الا فلا یحتاج الی التقدیر ولا الضالین۔ (حاشیۃ بذل المجہود ج2ص104 باب التامین وراء الامام)

جواب3:

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے آمین کہتے ہیں لیکن ان کی آمین ہمیں سنائی نہیں دیتی۔لہذا ان کی موافقت اسی صورت میں ہے کہ جب آمین آہستہ کہی جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیس رکعات تراویح

از افادت: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت و الجماعت :

تراویح بیس رکعت سنت مؤکدہ ہے۔

(رد المحتار: ج2ص496، 597، بدایہ المجتہد ج1ص214، قیام اللیل ص159، جامع الترمذی : ج1 ص166 باب ما جاء في قيام شهر رمضان)

مذہب غیر مقلدین:

تراویح کی تعداد آٹھ رکعت ہے۔ (تعداد رکعات قیا م رمضا ن از زبیر علی زئی، آٹھ رکعت نما ز تراویح از غلام مصطفیٰ ظہیر وغیرہ)

دلائل اہل السنت و الجماعت

احادیث مرفوعہ

دلیل نمبر1: قال الامام الحافظ المحدث أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي (مـ 235 هـ) : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ ، قَالَ : أَخْبَرَنَا إبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ ، عَنِ الْحَكَمِ ، عَنْ مِقْسَمٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج2 ص284 باب کم يصلي فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ. المعجم الکبیر للطبرانی ج5ص433 رقم 11934، المنتخب من مسند عبد بن حمید ص218 رقم 653، السنن الکبری للبیہقی ج2ص496 باب مَا رُوِىَ فِى عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِى شَهْرِ رَمَضَانَ.)

تحقیق السند: اسنادہ حسن و قد تلقتہ الامۃ بالقبول فہو صحیح.

اعتراض: اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ ہے جو عند المحدثین ضعیف ہے۔

جواب1: ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ پر بعض ائمہ نے جرح کی تو ہے لیکن یہ اتنا بھی ضعیف نہیں کہ اس کی روایت کو چھوڑدیا جائے، کیونکہ کئی محدثین نے اس کی توثیق بھی کی ہے۔

1: امام شعبہ بن الحجاج م 160ھ نے ابو شیبہ سے روایت لی ہے۔ (تہذیب الکمال للمزی: ج1 ص268، تہذیب التہذیب : ج1 ص136)

اور غیر مقلدین کے ہاں اصول ہےکہ امام شعبہ اس راوی سے روایت لیتے ہیں جو ثقہ ہو اور اس کی احادیث صحیح ہوں۔

(القول المقبول فی شرح صلوۃ الرسول : ص386، نیل الاوطار: ج1 ص36)

2: امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ الاساتذہ حضرت یزید بن ہارون رحمہ اللہ، ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ کے زمانۂ قضاۃ میں ان کے کاتب تھےاور ان کے بڑے مداح تھے، فرماتے ہیں:’’ماقضی علی الناس یعنی فی زمانہ اعدل فی قضاء منہ‘‘. (تہذیب الکمال ج1ص270)

3: امام ابن عدی فرماتے ہیں: لہ احادیث صالحۃ (تہذیب الکمال ج1ص270)

مزید فرماتے ہیں: وهو وإن نسبوه إلى الضعف خير من إبراهيم بن أبي حية. (تہذیب الکمال ج1ص270)

اور ابراہیم بن ابی حیہ کے بارے میں امام یحیٰ بن معین فرماتے ہیں:شیخ، ثقۃ کبیر. (لسان المیزان ج1ص53، رقم الترجمۃ 127)

لہذا جب ابراہیم بن ابی حیہ ثقہ ہے تو ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ بدرجہ اولی ثقہ ہونا چاہیے۔

جواب2:اس روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو روایت صحت کا درجہ پا لیتی ہے۔ مثلاً

1: قال السیوطی: قال بعضھم یحکم للحدیث بالصحۃ اذا تلقاہ الناس بالقبول وان لم یکن لہ اسناد صحیح. (تدریب الراوی ص29)

2:قال الشیخ العلامۃ محمد انور شاہ الکشمیری:و ذہب بعضہم الی ان الحدیث اذاتاید بالعمل ارتقی من حال الضعف الی مرتبۃ القبول۔ قلت: و ھو الاوجہ عندی. (فیض الباری شرح البخاری: ج3،ص:409 کتاب الوصایا، باب الوصیۃ لوارث)

3: غیر مقلد عالم ثناء اللہ امرتسری نے اعتراف کیا:’’بعض ضعف ایسے ہیں جو امت کی تلقی

بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں“

(اخبار اہل حدیث مورخہ 19 اپریل1907 بحولہ رسائل اعظمی ص331)

لہذا تلقی بالقبول ہونے کی وجہ سے یہ روایت بھی صحیح و حجت ہے۔

جواب نمبر3: اس حدیث کو ابرا ہیم بن عثمان ابوشیبہ سے روایت کرنے والے چا ر محدث ہیں :

1: یزید بن ہارون: (مصنف ابن ابی شیبۃ :ج5 ص225)

2: علی بن جعد :(المعجم الکبیر للطبرانی: ج5ص433 رقم 11934)

3: ابو نعیم فضل بن دکین :(المنتخب من مسند عبد بن حمید: ص218 رقم 653،)

4: منصور بن ابی مزاحم :(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2ص496)

اور یہ چا روں حضرات ثقہ ہیں :

1: یزید بن ہارون :ثقہ ، متقن -(تقریب التہذیب ص637)

2: علی بن جعد:ثقہ، صدوق -(سیر اعلا م النبلاء للذہبی: ج7 ص579)

3: ابو نعیم فضل بن دکین : ثقہ ثبت-(تقریب التہذیب ص475)

4: منصور بن ابی مزاحم :ثقہ - (تقریب التہذیب ص576)

ان ثقہ وعظیم محدثین کا ابرا ہیم بن عثمان ابو شیبہ سے بیس رکعت نقل کرنے میں متفق ہونا قوی تا ئید ہے کہ یہ حدیث ثا بت وصحیح ہے ورنہ یہ ثقہ حضرات اس طرح متفق نہ ہو تے ۔

دلیل نمبر2:

روی الامام المورخ أبو القاسم حمزة بن يوسف السهمي الجرجاني (م427ھ): حدثنا أبو الحسن علي بن محمد بن أحمد القصري الشيخ الصالح رحمه الله حدثنا عبد الرحمن بن عبد المؤمن العبد الصالح قال أخبرني محمد بن حميد الرازي حدثنا عمر بن هارون حدثنا إبراهيم بن الحناز عن عبد الرحمن عن عبد الملك بن عتيك عن جابر بن عبد الله قال خرج النبي صلى الله عليه و سلم ذات ليلة في رمضان فصلى الناس أربعة وعشرين ركعة وأوتر بثلاثة.

(تاریخ جرجان للسہمی ص317، فی نسخۃ 142)

اسناده حسن و رواتہ ثقات۔

فائدہ: اس روایت میں چار رکعت فرض، بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر کا ذکر ہے۔

اعتراض: اس میں دو راوی ہیں؛ محمد بن حمید الرازی اور عمر بن ہارو ن البلخی اور دونوں ضعیف ہیں۔

جواب: یہ حسن الحدیث درجہ کے راوی ہیں۔

محمد بن حمید الرازی : (م248ھ)

آپ ابوداؤد ،ترمذی اور ابن ماجہ کے را وی ہیں - (تہذیب التہذیب: ج5ص547)

اگرچہ بعض محدثین سے جر ح منقول ہے لیکن بہت سے جلیل القدر ائمہ محدثین نے آ پ کی تعدیل و تو ثیق اور مدح بھی فر ما ئی ہے مثلاً:

1: امام فضل بن دکین (م218ھ): عَدَّلَہٗ (تاریخ بغداد: ج2 ص74)

2: امام یحییٰ بن معین (م233ھ): ثقۃ ،لیس بہ باس، رازی کیس.(تاریخ بغداد: ج2 ص74، تہذیب الکمال للمزی: ج8ص652)

3: امام احمدبن حنبل (م241ھ):وثقہ (طبقات الحفاظ للسیوطی ج1ص40)

وقال ایضاً: لایزال با لری علم مادام محمد بن حمید حیاً. (تہذیب الکمال للمزی : ج8ص652)

4: امام محمد بن یحییٰ الذہلی (م258ھ): عَدَّلَہٗ (تاریخ بغداد: ج2 ص73)

5: امام ابو زرعہ الرازی (م263ھ): عَدَّلَہٗ (تاریخ بغداد: ج2 ص73)

6: امام محمد بن اسحاق الصاغانی (م271ھ): عَدَّلَہٗ (سیر اعلام النبلاء: ج8 ص293)

7: امام جعفر بن ابی عثمان الطیالسی (م282ھ): ثقۃ. (تہذیب الکمال : ج8ص653)

8: امام ابو نعیم عبد الملک بن محمدبن عدی الجرجانی(م323ھ): لان ابنَ حمیدٍ من حفاظِ اہلِ الحدیثِ. (تاریخ بغداد: ج2 ص73)

9: امام الدار قطنی (م385ھ): اسناده حسن. [و فیہ محمد بن حمید الرازی]. (سنن الدار قطنی: ص27 رقم الحدیث27)

10: امام خلیل بن عبد اللہ بن احمد الخلیلی (م446ھ): کان حافظاً عالماً بھذا الشان، رضیہ احمد و یحییٰ. (تہذیب التہذیب: ج5 ص550)
11: علامہ شمس الدین ذہبی (م748ھ): العلامۃ، الحافِظ الکبیر. (سیر اعلام النبلاء: ج8 ص292)
وقال ایضاً: الحافظ و کان من اوعیۃ العلم. (العبر فی خبر من غبر: ج1 ص223)
12: علامہ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی (807): " وفی اسناد بزار محمد بن حمید الرازی وھو ثقۃ.(مجمع الزوائد: ج9ص475)
13: حافظ ابن حجر (م852ھ): حافظ ضعیف و کان ابن مَعین حسنَ الرای فیہ. (تقریب التہذیب : ص505)
14: علامہ جلال الدین سیوطی (م911ھ): وثقہ احمد و یحییٰ و غیر واحد. (طبقات الحفاظ للسیوطی: ص216 رقم 479)
15: امام احمد بن عبد اللہ الخزرجی (م923ھ): الحافظ، و کان ابن مَعین حسنَ الرای فیہ. (خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال للخزرجی: ص333)

چونکہ اس پر کلام ہے اور اس کی توثیق بھی کی گئی ہے،لہذا اصولی طور پر یہ حسن درجہ کا راوی ہے ۔

عمر بن ہارو ن البلخی : (م294ھ)

آپ ترمذی اور ابن ماجہ کے را وی ہیں۔ بعض حضرات نے جر ح کی ہے لیکن بہت سے ائمہ نے آپ کی تعدیل وتوثیق اور مدح وثناء میں یہ الفا ظ ارشاد فر ما ئے ہیں:

الحافظ،الامام ،المکثر، عالم خراسان ،من اوعیۃ العلم، کثیر الحدیث ، وارتحل، ثقۃ ،مقارب الحدیث.

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ج1ص249،248،سیر اعلام النبلاء: ج7ص148تا 152،تہذیب التہذیب: ج4ص762 تا 765)

لہذا اصولی طور پر آپ بھی حسن الحدیث درجہ کے راوی ہیں ۔

احادیث موقوفہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تعدادِ رکعتِ تراویح:

حضرت عمر فارو ق رضی اللہ عنہ کے دور خلا فت کی تراویح کی رکعات کی تعدادبیان کر نے والے سات حضرات ہیں۔یہ تمام حضرا ت بیس رکعات ہی روایت کرتے ہیں (مضطرب وضعیف روایات کا کو ئی اعتبار نہیں) ذیل میں روایات پیش خد مت ہیں:

1:حضرت ابی بن کعب:

عن أبي بن كعب أن عمر أمر أبيا أن يصلي بالناس في رمضان فقال إن الناس يصومون النهار ولا يحسنون أن يقرؤا فلو قرأت القرآن عليهم بالليل فقال: يا أمير المؤمنين هذا شيء لم يكن فقال قد علمت ولكنه أحسن فصلى بهم عشرين ركعة.

(مسند احمد بن منیع بحوالہ اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری: ج2 ص424 باب فی قیام رمضان وما روی فی عدد رکعاتہ)

اسنادہ صحیح و رواتہ ثقات.

اعتراض :

آل حدیث نے لکھا: ''یہ روایت اتحا ف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری میں بغیر کسی سند کے احمد بن منیع کے حوالے مذکور ہے۔ سر فرازصفدر ویوبندی لکھتے ہیں کہ ''بے سند با ت حجت نہیں ہو سکتی'' (تعدار رکعات قیا م رمضا ن ص74 از علی زئی غیر مقلد)

ایک اور صاحب نے با زاری زبان استعمال کرتے ہو ئے لکھا:''بے سند روایات وہی پیش کرتے ہیں جنکی اپنی کوئی سند نہ ہو ۔''

(آٹھ رکعت نما ز تراویح ص8)

جواب:

اولاً... الاحادیث المختارہ للمقدسی میں یہ روایت سند کے ساتھ موجود ہے جو کہ پیش خدمت ہے :

أخبرنا أبو عبدالله محمود بن أحمد بن عبدالرحمن الثقفي بأصبهان أن سعيد بن أبي الرجاء الصيرفي أخبرهم قراءة عليه أنا عبدالواحد بن أحمد البقال أنا عبيدالله بن يعقوب بن إسحاق أنا جدي إسحاق بن إبراهيم بن محمد بن جميل أنا أحمد بن منيع أنا الحسن بن موسى نا أبو جعفر الرازي عن الربيع بن أنس عن أبي العالية عن أبي بن كعب أن عمر أمر أبيا أن يصلي بالناس في رمضان الحديث.

[الاحادیث المختارۃ للمقدسی ج3ص367 رقم 1161]

ثانیاً:... علامہ ابن تیمیہ حضرت ابی بن کعب کے بیس رکعت پڑھا نے کو ثا بت مانتے ہیں ،چنانچہ لکھتے ہیں:

قد ثبت ان ابی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث فرأی اکثر من العلماء ان ذلک هو السنۃ لانہ قام بین المہا جر ین والانصار ولم ینکره منکر. (فتاویٰ ابن تیمیہ قدیم: ج1 ص186،فتاویٰ ابن تیمیہ جدید: ج23 ص56)

2:حضرت سائب بن یزید:

1: عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال : كانوا يقومون على عهد عمر في شهر رمضان بعشرين ركعة وإن كانوا ليقرءون بالمئين من القرآن.

(مسند ابن الجعد ص413 رقم الحدیث 2825، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج2ص305 باب قیام رمضان رقم الحدیث 1365،السنن الکبری للبیہقی ج2ص496 باب مَا رُوِىَ فِى عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِى شَهْرِ رَمَضَانَ.)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری.

2: روی مالک من طریق یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید عشرین رکعۃ. (نیل الاوطارللشوکانی ج3ص57)

فائدہ: یہ طریق صحیح البخاری (ج1ص312) پر موجود ہے۔

3: عن السائب بن یزید قال...القیام علی عہد عمر ثلاثۃ وعشرین رکعۃ. (مصنف عبدالرزاق ج4ص201،حدیث نمبر7763)

4: عن السائب بن يزيد قال: كنا نقوم في زمان عمر بن الخطاب بعشرين ركعة والوتر.

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج2ص305 باب قیام رمضان رقم الحدیث 1365)

تصحیح روایت سائب بن یزید:

1: نیز امام نووی نے اس کی سند کو"صحیح" کہا ہے -(مرقات المفاتیح: ج3ص345)

2: علامہ نیموی نے فرمایا:یہ حدیث "صحیح" ہے(التعلیق الحسن علی آثار السنن: ص222)

3: حضرت محمد بن کعب القرظی:

قال محمد بن کعب القرظی کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان عشرین رکعۃ. (قیام اللیل للمروزی ص157)

شبہ :

یہ روایت مرسل ہے، کیو نکہ محمد بن کعب القرظی کی حضرت عمر بن الخطاب سے ملاقات ثا بت نہیں ۔

جواب :

محمد بن کعب القرظی [م 120ھ] خیر القرو ن کے ثقہ محد ث ہیں۔ (تقریب التہذیب ص534)

اور خیر القرو ن کاارسال جمہور محدثین خصوصا احنا ف وموا لک کے ہاں صحت حدیث کے منا فی نہیں ۔

4: حضرت یزید بن رومان:

عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعۃ.

(موطا امام مالک ص98)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم.

شبہ :

غیر مقلد شبہ کرتے ہیں کہ یزید بن رو مان نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پا یا ، اس لئے یہ سند منقطع ہے -(تعداد رکعات قیام رمضا ن ص77)

جواب نمبر1:

یہ اثر موطا امام مالک (ص98) میں موجود ہے اور موطا امام مالک کے متعلق محدثین کی رائے یہ ہے :

قال الشافعي : أصح الكتب بعد كتاب الله موطأ مالك، واتفق أهل الحديث على أن جميع ما فيه صحيح على رأي مالك ومن وافقه، وأما على رأي غيره فليس فيه مرسل ولا منقطع إلا قد اتصل السند

به من طرق أخرى ، فلا جرم أنها صحيحة من هذا الوجه ، وقد صنف في زمان مالك موطآت كثيرة في تخريج أحاديثه ووصل منقطعه ، مثل كتاب ابن أبي ذئب وابن عيينة والثوري ومعمر. (حجۃ اللہ البا لغۃ: ص281، باب طبقات كتب الحديث، و فی نسخۃ: ج1 ص305 قدیمی کتب خانہ)

جواب نمبر2:

یزید بن رو مان م 130ھ ثقہ راوی ہیں -(تقریب التہذیب ص632) اورخیر القرو ن کے ثقہ محدث ہیں-

اور جمہور محدثین خصوصا احنا ف وموا لک کے ہا ں خیر القرو ن کا ارسال وانقطا ع مضر صحت نہیں -(قواعد فی علوم الحدیث للعثما نی ص138وغیرہ) پس اعترا ض باطل ہے ۔

جواب نمبر3:

حافظ ابن حجر عسقلانی فر ما تے ہیں :

وقال الشافعي: يُقْبَلُ إن اعْتَضَد بمجيئه مِن وجهٍ آخرَ يُباينُ الطريقَ الأُولى، مسنَداً أو مرسَلاً.

(نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر: ص101، فی نسخۃ: ص86 مکتبہ رحمانیہ)

اور یزید بن رو مان کے اثر کو دیگر کئی مرسلوں سے تا ئید حاصل ہے (جن کا بیان آگے آرہا ہے) پس یہ اثر اب با لاتفاق مقبو ل ہے ۔

5:حضرت یحیٰ بن سعید:

عن یحییٰ بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلایصلی بھم عشرین رکعۃ. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5ص223)

شبہ :

بعض آل حدیث نے لکھا : یحی بن سعید نے عمر رضی اللہ تعا لیٰ عنہ کو نہیں پایا، لہذا یہ روا یت منقطع ہے -(ملخصاً مقدار قیام رمضا ن ص76)

جواب :

امام یحی بن سعید م 144ھ خیر القرو ن کے ثقہ ونیک محد ث ہیں-(تقریب التہذیب ص622)

اور پہلے وضا حت سے گزرچکا ہے کہ خیر القرو ن کا انقطاع و ارسال عند الجمہور خصوصاً عند الاحنا ف صحت حدیث کے منا فی نہیں ۔پس اثرصحیح ہے ۔

6: :حضرت عبد العزیز بن رفیع

آپ رحمہ اللہ مشہور تابعی ہیں۔ حضرت انس، حضرت ابن زبیر، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ کے شاگرد ہیں، صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ج4 ص189، 190)

آپ فرماتے ہیں:

كَانَ أُبَيّ بْنُ كَعْبٍ يُصَلِّي بِالنَّاس فِي رَمَضَانَ بِالْمَدِينَةِ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلاَثٍ.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج5ص224 کم یصلی فی رمضا ن من رکعۃ)

اسنادہ صحیح و رواتہ ثقات

فائدہ: مشہور قول کے مطابق حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی۔ (تہذیب التہذیب: ج1 ص178) گویا عبد العزیز بن رفیع نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی تراویح کو ذکر کیا ہے، اس لیے ہم ان کی روایت اس باب میں لائے ہیں۔

7: حضرت حسن بصری:

عن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب فی قیام رمضان فکان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔

(سنن ابی داؤد ج1ص203باب القنوت فی الوتر)

اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔

شبہ :

بعض الناس نے لکھا : ”عشرین رکعۃ“ کے الفاظ دیو بندی تحریف ہے۔ محمود الحسن دیوبندی (1268-1339) نے یہ تحریف کی ہے ، ”عشرین لیلۃ“بیس راتیں کی بجا ئے ”عشرین

رکعۃ" بیس رکعتیں کر دیا ۔(آٹھ رکعت نماز تراویح ص9)
بعض نے یو ں لکھا: یہ بات سفید جھوٹ ہے ۔(مقدار رکعات قیام رمضا ن ص30)

جواب :

اولاً :.... حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ ایک غیر مقلد سلطان محمود جلالپوری کے جواب میں فر ما تے ہیں :

’’ ابو داؤد کے دو نسخے ہیں، بعض نسخو ں میں عشرین رکعۃ اور بعض میں عشرین لیلۃ ہے۔ جس طرح قر آ ن پاک کی دو قرأتیں ہو ں تو دونوں کوماننا چا ہیے، ہم دونو ں نسخو ں کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن حیلہ بہا نے سے انکا ر حد یث کے عا دی سلطان محمود جلا لپوری نے اس حدیث کا انکار کر دیا اور الٹا الزا م علماء دیوبند پر لگا دیا ۔‘‘ (تجلیا ت صفدر ج3ص316)

ثانیاً:.... جلیل القدر محدثین و محققین نے اس روا یت کو ’’عشرین رکعۃ‘‘ کے الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے ، مثلاً:

1: علامہ ذہبی نے ابوداؤد کے حوالے سے ’’عشرین رکعۃ‘‘ نقل کیا۔ (سیر اعلام النبلاء ج3ص177،176 تحت تر جمہ ابی بن کعب)

2: علامہ ابن کثیر ۔(جامع المسانید والسنن ج1ص55)

3: الشیخ محمد علی الصابونی ۔(الھدی النبوی الصحیح فی صلوۃ التراویح ص56)

4: شیخ الہند مولانا محمود حسن ۔(سنن ابی داؤدبتحقیق شیخ الہند ج1ص211)

5: نسخہ مطبوع عر ب۔(ص1429 بحوالہ تجلیا ت صفدر ج3ص316)

یہ 5حوالہ جات لاعلم لوگو ں کو چپ کرا نے کے لیے کا فی ہیں ۔

فائدہ : حضرت عمر کے زمانے میں پڑھی جا نے والی تراویح کے چھ راوی گزر چکے ہیں جو ’’عشرین رکعۃ‘‘ نقل کرتے ہیں ، یہ زبر دست تا ئید ہے کہ ’’عشرین رکعۃ‘‘ والا نسخہ ابی داؤد بھی صحیح وثا بت ہے ۔ والحمد للہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے تعدادِ رکعتِ تراویح:

كَانُوا يَقُومُونَ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَكَانُوا يَقْرَءُونَ بِالْمِئِينَ ، وَكَانُوا يَتَوَكَّئُونَ عَلَى عُصِيِّهِمْ فِي عَهْدِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِنْ شِدَّةِ الْقِيَامِ.

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2ص496 باب مَا رُوِىَ فِى عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِى شَهْرِ رَمَضَانَ)

اسناده صحیح علی شرط البخاری و مسلم.

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے تعدادِ رکعتِ تراویح:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورخلافت میں بیس تراویح کو روایت کرنے والے تین حضرات ہیں۔ ان کی مرویات پیش خدمت ہیں:

1: حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما:

حدثنی زید بن علی عن ابیہ عن جدہ عن علی انہ امرالذی یصلی بالناس صلاۃ القیام فی شہر رمضان ان یصلی بھم عشرین رکعۃ یسلم فی کل رکعتین ویراوح مابین کاربع رکعات فیرجع ذوالحاجۃ ویتوضأالرجل وان یوتر بھم من آخر اللیل حین الانصراف. (مسند الامام زیدص159،158، فی نسخۃ: ص155)

2: حضرت ابو عبد الرحمن السلمی:

عن ابی عبدالرحمن السلمی عن علی قال دعا القراء فی رمضان فأمر منھم رجلایصلی بالناس عشرین رکعۃ وکان علی یوتربھم. (السنن الکبری للبیہقی ج2ص496)

شبہ نمبر1:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس میں ایک راوی حماد بن شعیب ضعیف ہے ۔

جواب :

اولاً:... اگرچہ حماد بن شعیب کی بعض ائمہ نے تضعیف کی ہے لیکن دیگر ائمہ نے اس کی تو ثیق بھی کی ہے مثلاً:

1: امام ابن عدی فر ما تے ہیں : یکتب حدیثہ مع ضعفہ (لسا ن المیزان: ج2 ص348)

یعنی اس کی حدیث اس کے ضعف کے باوجود لکھی جا سکتی ہے ۔

ارشاد الحق اثری کے نزدیک ''یکتب حدیث'' کا جملہ الفا ظ تعدیل میں شما ر ہو تا ہے۔(تو ضیح الکلام ج1ص547، فی نسخۃ: ص496)

2: امام ابن حبا ن نے انہیں ثقات میں شما ر کیا ہے ۔(تہذیب الکمال: ج8 ص378)

3: علامہ ابن تیمیہ نے اسی حماد بن شعیب والی روایت سے استدلال کیا ہے۔ (منہا ج السنہ ج2ص224)

4: امام بیہقی نے اس اثر علی کو اثر شتیر بن شکل کی قوت کے لیے روایت کیا ہے جو دلیل ہے کہ یہ امام بیہقی کے نزدیک قوی ہے ۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2ص496)

5: علامہ ذہبی جیسے نا قد فن نے اس پر المنتقیٰ ص542پر سکوت فر ما یا ہے۔ (تجلیا ت صفدر ج3ص323)

6: امام تر مذی حضرت علی سے مروی اس بیس رکعت والی روایت کو صحیح ما نتے ہیں جب ہی تو استدلال کرتے ہیں چنانچہ فر ما تے ہیں : واکثر اہل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرہما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عشرین رکعۃ۔(سنن الترمذی ج1ص166)

لہذا اصولی طور پر حماد بن شعیب حسن الحدیث درجہ کا راوی ہے اور حدیث مقبول ہے ۔

ثانیاً:.... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور کی تراویح کے راوی حضرت حسین اور ابو الحسنا ء بھی ہیں ۔ لہذا اس سند میں اگر ضعف ہو (جبکہ یہ حسن درجہ کی روایت ہے) تو ان مویدات کی وجہ سے ختم ہو جا ئے گا ۔

شبہ نمبر2:

عطا ء بن السائب''مختلط راوی ہے ، حماد بن شعیب ان لوگو ں میں سے نہیں جنہوں نے اس سے قبل الاختلاط سنا ہے۔ (آٹھ رکعت نماز تراویح ص13)

جواب :

اولاً:.... عطا ء بن السائب اگر آخر عمر میں مختلط ہو گئے تھے لیکن اتنے بھی نہیں کہ ان کی احا دیث ضعیف قرار دی جا ئیں بلکہ باجو د اختلاط کے محدثین کے ہا ں ان کی احادیث کم ازکم ''حسن '' درجہ کی ضرور ہیں ۔مثلاً:

1: قال الہیثمی تحت حدیث:''وفیہ عطا ء بن السائب وفیہ کلام وھو حسن الحدیث''(مجمع الزوائد ج3 ص142 ، باب التکبیر علی الجنازۃ)

2: علامہ ذہبی :تابعی مشہور حسن الحدیث (المغنی فی الضعفا ء ج ج2 ص59، رقم الترجمۃ 4121)

3: امام حاکم عطا ء بن السائب کی ایک روایت جسے جریر بن عبد الحمید نے روایت کیا ہے ، کو نقل کر نے کے بعد فر ما تے ہیں: صحیح الاسناد.

(المستدرک للحاکم ج5 ص350، 351 کتاب التوبۃ و الانابۃ)

حالانکہ جریرکا سما ع بعد الاختلاط کا ہے ۔(الشذا الفیاح من علوم ابن الصلاح: ج1ص453 . طبع دار ابن حزم)

معلوم ہو ا آپ اختلاط کے با وجود ''حسن الحدیث'' ہیں ۔

4: حا فظ ابن حجر :وکان اختلط بآخرہ ولم یفحش حتی یستحق ان یعتدل بہ عن مسلک العدول ۔(تہذیب التہذیب ج4 ص493)

کہ عطا ء بن السائب آخر ی عمر میں اختلاط کا شکا ر ہو گئے تھے لیکن اتنے فاحش اور زیا دہ مختلط بھی نہیں ہو ئے کہ وہ اختلاط کی وجہ سے عادل (وثقہ) ہیں راویوں کی راہ سے تجاوز کر جا ئیں۔

5: امام مسلم: انہوں نے عطا ء بن السائب کو مقدمہ مسلم میں قابل اعتماد اور طبقہ ثا نیہ کا راوی شما ر کیا ہے جن سے صحیح مسلم میں روایت لی ہے ۔ (مقدمہ مسلم: ص3)

لہذا یہ حسن الحدیث راوی ہےاور روایت حسن درجہ کی ہے ۔

ثا نیاً : .... اس روا یت کی مؤید دیگر روایات بھی ہیں جن میں حضرت حسین اور حضرت ابو الحسنا ء کے طریق ہیں ۔ پس یہ روایت مؤیدات کی وجہ سے حجت وقابل اعتما د ہے ۔

3:حضرت ابو الحسناء:

عَنْ أَبِي الْحَسْنَاءِ : أَنَّ عَلِيًّا أَمَرَ رَجُلاً يُصَلِّي بِهِمْ فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5ص223، السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2ص497)

اسنادہ حسن

فائدہ: اس روایت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ''حکم'' دینے کا ذکر ہے۔

شبہ : غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ابو الحسنا ء مجہو ل ہے، لہذا روا یت ضعیف ہے ۔

جواب : **اولاً:---** عند الاحناف خیر القرو ن کی جہا لت ، تدلیس اور ارسال جرح ہی نہیں اور شوافع کے ہا ں متا بعت سے یہ جرح ختم ہو جاتی ہے۔ اس روایت میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیس رکعت ترا ویح روا یت کر نے میں ابو الحسنا ء اکیلے نہیں بلکہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور امام ابو عبد الرحمن سلمی بھی یہی روایت کرتے ہیں۔(تجلیا ت صفدر ج3ص324)

ثانیاً:--- ابو الحسنا ء سے دوراوی یہ روایت نقل کر رہے ہیں :

1: عمرو بن قیس ۔(مصنف ابن ابی شیبہ: ج5ص223)

2: ابو سعید البقال ۔(السنن الکبر یٰ للبیہقی: ج2ص497)

اور یہ دونوں با لترتیب ثقہ اور صدوق ہیں۔(تقریب التہذیب ص456وص299)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: من روی عنہ اکثر من واحد ولم یوثق الیہ الاشارۃ بلفظ مستو ر او مجھول الحال.(تقریب التہذیب ص111)

یہاں ابو الحسناء سے بھی دو راوی یہ روایت کر رہے ہیں۔ لہذا اصولی طور پر یہ مجہو ل نہیں بلکہ مستور راوی بنتا ہے ۔غیر مقلدین کا اسے مجہول العین کہہ کر روایت کو رد کرنا شرمناک ہے ۔

الحاصل ابو الحسنا ء مستور راوی ٹھہرتا ہے اور محدثین کے ہا ں قاعدہ ہے کہ مستور کی متا بعت کوئی دوسرا راوی کرے جو مرتبہ میں اس سے بہتر یا برابر ہو تو اس کی روایت حسن ہو جا تی ہے ۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :

'' ومتی تو بع السئی الحفظ بمعتبر کا ن یکون فوقہ او مثلہ لا دو نہ وکذا المختلط الذی لا یتمیزوا المستور والاسنا د المرسل وکذا المدلس صار حدیثہم حسنا لا لذاتہ بل وصفہ باعتبار المجموع '' (نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر:ص120)

ترجمہ : جب سئی الحفظ راوی کی متا بعت کسی معتبر راوی سے ہو جا ئے جو مرتبہ میں اس سے بہتر یا برابر ہو کم نہ ہو۔ اسی طرح مختلط راوی جس کی روا یت میں تمییز نہ ہو سکے اور اسی طرح مستور ،مرسل اور مدلس کوئی تا ئید کر دے تو ان سب کی روا یات حسن ہو جائیں گی اپنی ذا ت کی وجہ سےبلکہ مجمو عی حیثیت کے اعتبا ر سے ۔

ابو الحسنا ء کی متا بعت ابو عبد الرحمن نے کی ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2ص496)

اور یہ ابو الحسنا ء سے بڑھ کر ثقہ راوی ہے۔ اس لئے ابو الحسناء کی یہ روایت جمہور کے نزدیک بھی مقبول ہے ۔

دیگر صحابہ کرام وتابعین عظام

1:حضرت عبداللہ بن مسعودرضی اللہ عنہ:

کان ابن مسعودرضی اللہ عنہ یصلی بنا فی شھر رمضان فینصرف وعلیہ لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعۃ ویوتربثلاث. (قیام اللیل للمروزی ص157)

فائدہ:اس روایت کی مکمل سند عمدۃ القاری شرح البخاری للعلامۃ العینی میں ہے جو کہ یہ ہے:

رواه محمد بن نصر المروزي قال أخبرنا يحيى بن يحيى أخبرنا حفص بن غياث عن الأعمش عن زيد بن وهب قال كان عبد الله بن مسعود . (عمدۃالقاری ج8 ص 246 باب فضل من قام رمضان)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم.

2:حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ:

حضرت عبدالعزیز بن رفیع رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ ویوتربثلاث۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج2ص224 کم یصلی فی رمضا ن من رکعۃ)

اسنادہ صحیح و رواتہ ثقات.

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ:

آپ فرماتے ہیں:

ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثاوعشرین رکعۃ بالوتر۔(مصنف ابن ابی شیبہ: ج5ص224)
اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم.

امام ابراہیم النخعی:

آپ فرماتے ہیں:
ان الناس کانوا یصلون خمس ترویحات فی رمضان.(کتاب الآثار بروایہ ابی یوسف ص41 باب السہو)
اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین

سیدنا شتیر بن شکل:

عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ : أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5ص222)
اسنادہ حسن و رواتہ ثقات

سیدنا ابو البختری :

عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ : أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ فِي رَمَضَانَ وَيُوتِرُ بِثَلاَثٍ.
(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5ص224 باب کم یصلي فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ)
اسنادہ حسن و رواتہ ثقات

سیدنا سویدبن غفلہ:

وَأَخْبَرَنَا أَبُو زَكَرِيَّا بْنُ أَبِى إِسْحَاقَ أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ : مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ أَخْبَرَنَا أَبُو الْخَصِيبِ قَالَ : كَانَ يَؤُمُّنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ فِى رَمَضَانَ فَيُصَلِّى خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ عِشْرِينَ رَكْعَةً.
(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2ص496 باب مَا رُوِىَ فِى عَدَدِ رَكَعَاتِ الْقِيَامِ فِى شَهْرِ رَمَضَانَ)

سیدنا ابن ابی ملیکہ :

حَدَّثَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ نَافِعِ بْنِ عُمَرَ ، قَالَ : كَانَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ يُصَلِّي بِنَا فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً.
(مصنف ابن ابی شیبہ: ج5 ص223، 224. باب کم یصلي فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ)
اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم.

سیدنا سعید بن جبیر:

عن إسماعيل بن عبد الملك قال كان سعيد بن جبير يؤمنا في شهر رمضان فكان يقرأ بالقراءتين جميعا يقرأ ليلة بقراءة بن مسعود فكان يصلي خمس ترويحات. (مصنف عبدالرزاق ج4ص204باب قیام رمضان)

سیدنا علی بن ربیعہ :

عَنْ سَعِيدِ بْنِ عُبَيْدٍ : أَنَّ عَلِيَّ بْنَ رَبِيعَةَ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فِي رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ وَيُوتِرُ بِثَلاَثٍ.
(مصنف ابن ابی شیبہ: ج5ص224 باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)
اسنادہ حسن و رواتہ ثقات.

سیدنا حارث:

عَنِ الْحَارِثِ : أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِي رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلاَثٍ.
(مصنف ابن ابی شیبہ: ج5ص224 باب کم یصلی فی رمضان من رکعۃ)

جمہور علماء کا موقف اور اجماع امت

(1)۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں: اجمع الصحابہ علی ان التراویح عشرون رکعۃ. (المرقات ج3ص346)
وقال ایضاً: فصاراجماعالماروی البیہقی باسناد صحیح انہم کانویقیمون علی عہد عشرین رکعۃ وعلی عہد عثمان وعلی رضی اللہ عنہ.(شرح نقایہ: ج1ص342)
(2)۔ علامہ سید محمد بن محمد الزبیدی المعروف مرتضیٰ بلگرامی فرماتے ہیں:
وبالاجماع الذی وقع فی زمن عمر اخذ ابوحنیفۃ والنووی والشافعی واحمد والجمہور واختارہ ابن عبدالبر.
(اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین للبلگرامی: ج3ص422)
(3)۔ امام ترمذی فرماتے ہیں:
واکثر اہل العلم علی ماروی عن علی وعمر وغیرھما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ و سلم

عشرین رکعۃ.

(سنن الترمذی ج1ص166)

(4)۔مشہورفقیہ، ملک العلماء علامہ ابوبکر الکاسانی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب بدائع الصنائع میں اس اجماع کاتذکرہ ان الفاظ سے کرتے ہیں:

والصحیح قول العامۃ لماروی ان عمررضی اللہ عنہ جمع ابی بن کعب فصیلی بھم فی کل لیلۃ عشرین رکعۃ ولمینکر علیہ احدفیکون اجماعامنھم علی ذلک.

(بدائع الصنائع ج1ص644)

(5)۔مشہورمحدث علامہ ابوزکریا یحیی بن شرف نووی مشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اعلم ان صلاۃ التراویح سنۃ باتفاق العلماء وھی عشرون رکعۃ. (کتاب الاذکارص226)

(6)۔علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وھوقول جمھور العلماء وبہ قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقھاء وھوالصحیح عن ابی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ.

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج8ص246)

(7)۔خاتمہ المحققین وسیع النظر عالم علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(وھی عشرون رکعتہ)ھوقول الجمھور وعلیہ عمل الناس شرقا وغربا. (رد المحتار لابن عابدین الشامی: ج2ص599)

(8)۔استاذ المحدثین فقیہ النفس، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمدگنگوہی قدس اللہ سرہ اپنے رسالہ الحق الصریح میں فرماتے ہیں:

الحاصل ثبوت بست رکعت باجماع صحابہ رضی اللہ عنہ درآخر زمان عمررضی اللہ عنہ ثابت شد پس سنت باشد وکسیکہ از سنت آہ انکار دار وخطاست۔(الحق الصریح ص14)

خلاصہ یہ کہ بیس رکعات کاثبوت اجماع صحابہ سے آخر عہد فاروقی میں ثابت شدہ ہے لہذا یہی سنت ہے اورجوشخص اس کے سنت ہونے کا انکارکرے وہ غلطی پرہے۔

بلاداسلامیہ میں تعداد تراویح

اہل مکہ:

1:قال الامام مالک بن انس: وبمکۃ بثلاث وعشرین (نیل الاوطار ج3ص57)

2:قال الامام عطاء بن ابی رباح المکی التابعی: ادرکت الناس وھم یصلون ثلاث وعشرین رکعۃ بالوتر.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج5ص224)

3:قال الامام محمد بن ادریس الشافعی:ھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ(جامع ترمذی ج1ص166)

اہل مدینہ:

1:حضرت ابن ابی ملیکہ مشہور تابعی ہیں تیس صحابہ کرام کی زیارت کی ہے آپ مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں(تہذیب ج3ص559)

آپ کے متعلق نافع بن عمر فرماتے ہیں :

کان ابن ابی ملیکہ یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعۃ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج5ص223، 224 باب کم یصلي فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ)

2:حضرت داؤد بن قیس رحمہ اللہ جو مدینہ کے رہنے والے تھے مشہور محدث وحافظ تھے، فرماتے ہیں :

ادرکت الناس بالمدینۃ فی زمن عمر بن عبدالعزیز وابان بن عثمان یصلون ستا وثلاثین رکعۃ ویوترون بثلاث.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج5ص224 باب کم یصلي فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ)

فائدہ: 36رکعات تراویح کیسے بنی ؟امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

تشبیھا باھل مکۃ حیث کانوا یطوفون بین کل ترویحتین طوافا ویصلون رکعتیہ ولایطوفون بعدالخامسۃ فاراد اھل المدینۃ مساواتھم فجعلوا مکان کل طواف اربع رکعات. (الحاوی للفتاوی ج1ص336)

گویا ان کی اضافی رکعات تراویح کا حصہ نہ تھیں بلکہ درمیان کی نفلی عبادت میں شامل تھیں۔تراویح فقط بیس رکعات تھیں۔

اہل کوفہ:

کوفہ ایک اسلامی شہر ہے جو عہد فاروقی میں 17ھ میں بحکم امیرالمومنین تعمیر کیا گیا حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے عظیم المرتبت صحابی کو تعلیم وتدریس کے لیے کوفہ شہر بھیجا گیا ۔حضرت علی نے اسے دارالخلافہ بنایا ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس شہر میں چار ہزار حدیث کے طلبہ اور چارسو فقہاء موجود تھے امام بخاری فرماتے کہ میں شمار نہیں کرسکتا کہ کوفہ طلب حدیث کے لیے کتنی مرتبہ گیا ہوں(مقدمہ نصب الرایۃ للکوثری ملخصاً)

1: کوفہ کے مشہور فقیہ ومفتی حضرت ابراہیم بن یزید نخعی فرماتےہیں:

الناس کانوا یصلون خمس ترویحات فی رمضان. (کتاب الاثار براویۃ ابی یوسف القاضی: ص41)

2:مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیر جنہوں حضرت ابن عباس ،حضرت ابن عمر وغیرہ جیسے القدر صحابہ سے علم حاصل کیا، کوفہ ہی میں شہید کیے گئے،آپ کے بارے میں منقول ہے: عن إسماعيل بن عبد الملك قال كان سعيد بن جبير يؤمنا في شهر رمضان فكان يقرأ بالقراءتين جميعا يقرأ ليلة بقراءة بن مسعود فكان يصلي خمس ترويحات. (مصنف عبدالرزاق ج4ص204باب قیام رمضان)

3:حضرت شتیر بن شکل ،حضرت علی کے شاگرد تھے کوفہ میں رہائش پذیر تھے آپ کے بارے میں روایت ہے کہ:

عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ : أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عِشْرِينَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج5ص 222 باب كم يصلي فِي رَمَضَانَ مِنْ رَكْعَةٍ. اسنادہ حسن و رواتہ ثقات)

4: حارث ہمدانی (م65ھ): حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کے شاگرد تھے، کوفہ میں وفات پائی ۔ آپ کے بارے میں روایت ہے:

عَنِ الْحَارِثِ : أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّ النَّاسَ فِي رَمَضَانَ بِاللَّيْلِ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً وَيُوتِرُ بِثَلاَثٍ. (مصنف ابن ابی شیبۃ ج5ص224)

5:مشہور تابعی امام سفیان ثوری کوفہ کے رہنے والے تھے 161ھ میں وفات پائی آپ بھی بیس رکعات تراویح کے قائل تھے،

قال الترمذی رحمہ اللہ : روي عن عمر و علي وغيرهما من أصحاب النبي صلى الله عليه و سلم عشرين ركعة وهو قول الثوري. (سنن الترمذی ج1ص166 باب ما جاء في قيام شهر رمضان)

اہل بصرہ:

حضرت یونس بن عبید جو حضرت حسن بصری اور امام ابن سیرین کے شاگرد اور سفیان ثوری وشعبہ کے استاد ہیں، فرماتے ہیں:

ادرکت مسجدالجامع قبل فتنۃ ابن الاشعث یصلی بھم عبدالرحمن بن ابی بکر وسعید بن ابی الحسن وعمران العبدی کانوا یصلون خمس تراویح. (قیام اللیل للمروزی ص158)

ابن الاشعث کا فتنہ 83ھ میں پیدا بصرہ میں برپا ہوا تھا گویا کہ 83ھ تک بصرہ میں بھی 20رکعات تراویح کا ہی رواج تھا۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور بیس رکعات تراویح

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ :

امام اعظم فی الفقہاء اما م ابوحنیفہ اور آپ کے تمام مقلدین بیس رکعات تراویح کے قائل ہیں۔

1:علامہ ابن رشد اپنی مشہور کتاب بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں:

فاختار ---ابو حنیفۃ--- القیام بعشرین رکعۃ سوی الوتر-(ج1ص214)

2:امام فخرالدین قاضی خان حنفی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں:

عن ابی حنیفۃ: قال القیام فی شھررمضان سنۃ... کل لیلۃ سوی الوتر عشرین رکعۃ خمس ترویحات. (ج1ص112)

3:علامہ ابن عابدین شامی جو فقہ حنفی کے عظیم محقق ہیں، فرماتے ہیں:

(قولہ وعشرون رکعۃ) وھوقول الجمھور وعلیہ عمل الناس شرقاوغربا. (رد المحتار: ج2ص599)

امام مالک بن انس رحمہ اللہ:

امام مالک نے ایک قول کے مطابق بیس رکعت تراوین کو مستحسن کہا ہے چنانچہ علامہ ابن رشد فرماتے ہیں:

واختار ماکل فی احد قولیہ... القیام بعشرین رکعۃ. (بدایۃ المجتہد: ج1ص214)
دوسرا قول چھتیس رکعت کا ہے جن میں بیس رکعت تراویح اور سولہ نفل تھیں۔ (تفصیل گزر چکی ہے)

امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ:

ائمہ اربعہ میں سے مشہور امام ہیں، آپ فرماتے ہیں:
احب الی عشرون... وکذالک یقومون بمکۃ(قیام اللیل ص159)
وقال ایضاً:وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ . (الترمذی ج1ص166 باب ما جاء في قیام شھر رمضان)
مشہور شافعی عالم محقق العصر امام نووی دمشقی فرماتے ہیں:
اعلم ان صلوۃ التراویح سنۃ باتفاق العلماء وھی عشرون رکعۃ۔ (کتاب الاذکارص226)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

آپ مجتہد اور بہت بڑے محدث تھے ۔بیس رکعت تراویح کے قائل تھے۔ چنانچہ فقہ حنبلی کے ممتاز ترجمان امام ابن قدامہ لکھتے ہیں:
والمختار عندابی عبداللہ (احمد بن حنبل)فیھا عشرون رکعۃ وبھذا قال الثوری وابوحنیفہ والشافعی (المغنی: ج2ص366)

مشائخ کرام اور بیس رکعت تراویح

امت مسلمہ میں جو مشائخ کرام گزرے ہیں ان کا عمل واخلاق حسن کردار اس امت کے لیے قابل اتباع ہے ان کی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو وہ بھی بیس رکعت پر عمل پیرا نظر آتے ہیں جو یقیناً رشد وہدایت کی دلیل ہے چند مشہور مشائخ کی تصریحات پیش خدمت ہیں۔
1:شیخ ابو حامد محمد غزالی م 505ھ: التراویح وھی عشرون رکعۃ وکیفیتھا مشھورۃ وھی سنۃ موکدۃ. (احیاء العلوم ج1ص242، 243)
2:شیخ عبدالقادر جیلانی م561ھ: صلوۃ التراویح سنۃ النبی وھی عشرون رکعۃ. (غنیۃ الطالبین ص268،267)
3:شیخ امام عبدالوہاب شعرانی م973ھ: التراویح فی شھر رمضان عشرون رکعۃ (المیزان الکبریٰ: ص217)

حرمین شریفین اور بیس رکعات تراویح

اسلام کے دو مقدس حرم ،حرم مکہ وحرم مدینہ میں چودہ سوسال سے بیس رکعت سے کم تراویح پڑھنا ثابت نہیں بلکہ بیس رکعت ہی متوارث ومتواتر عمل رہا ہے۔چنانچہ مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے سابق قاضی شیخ عطیہ سالم نے مسجد نبوی میں نماز تراویح کی چودہ سوسالہ تاریخ پر''التراویح اکثر من الف عام'' کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف فرماکر ثابت کیا ہے کہ چودہ سوسالہ مدت میں بیس رکعت متواتر عمل ہے اس سے کم ثابت نہیں۔جامعہ ام القری مکہ مکرمہ کی طرف سے کلیۃ الشریعۃ والدراسات الاسلامیۃ مکہ مکرمہ کے استاد شیخ محمدعلی صابونی کا ایک رسالہ الھدی النبوی الصحیح فی صلوۃ التراویح کے نام سے شائع کیا گیا ہے جس میں شیخ صابونی نے عہد خلافت راشدہ سے لے کر عہد حکومت سعودیہ تک مکہ مکرمہ ومسجد حرام میں ہمیشہ بیس رکعات تراویح پڑھے جانےکا ثبوت دیا ہے۔

غیرمقلدین کےدلائل اور ان کے جوابات

نمبر1:

غیر مقلدین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بڑے زور و شور سے پیش کرتے ہیں کہ اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہے۔ روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلمہ بن عبد الرحمن نے ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی نماز رمضان میں کیسی ہوتی تھی؟حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نےجواب دیا:
''ماکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا فلاتسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی اربعا فلاتسئل عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثا''

(صحیح بخاری)

کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے ۔ پہلے چار رکعتیں پڑھے ، پس کچھ نہ پوچھو کتنی حسین و لمبی ہوتی تھیں، اس کے بعد پھر چار رکعت پڑھتے ، کچھ نہ پوچھو کتنی حسین اور لمبی ہوتی تھیں، پھر تین رکعت وتر پڑھتے تھے ۔

جواب نمبر1:

اس روایت سے آٹھ رکعت تراویح پر استدلال باطل ہے، اس لیے کہ:

1: اس میں''رمضان وغیررمضان''میں ہمیشہ گیارہ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے ،غیررمضان میں نہیں۔ حدیث کے جملہ ''ماکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ ''سے یہی بات سمجھ میں آرہی ہے۔

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس سے وہ نماز مراد ہے جو رمضان اور غیر رمضان دونوں میں پڑھی جاتی ہے اور وہ نماز تہجد ہے نہ کہ نماز تراویح[وضاحت آگے آ رہی ہے]

2: اس حدیث میں گیارہ رکعت تنہا پڑھنے کا ذکر ہے نہ کہ جماعت کے ساتھ اورتراویح جماعت سے پڑھی جاتی ہے۔

3: اس میں ایک سلام سے چار رکعت کا ذکر ہے جبکہ تراویح ایک سلام سے دو دو رکعت پڑھی جاتی ہیں۔

جواب نمبر2:

محدثین کے نزدیک بھی یہ حدیث تراویح کے متعلق نہیں ۔ کیونکہ عام طور پر حضرات محدثین کا طرز یہ ہے کہ تہجد کے لیے ''باب قیام اللیل'' اور تراویح کےلیے ''باب قیام رمضان'' قائم کرتے ہیں۔ مثلاً...

نام کتاب	باب تہجد	باب تراویح
صحیح البخاری	باب فضل قیام اللیل	باب فضل من قام رمضان
صحیح مسلم	باب صلوۃ اللیل	باب الترغیب فی قیام رمضان و ہو التراویح
سنن ابی داؤد	باب فی صلوۃ اللیل	باب قیام شهر رمضان
سنن ترمذی	باب فی فضل صلوۃ اللیل	باب ماجاء فی قیام شهر رمضان
سنن نسائی	کتاب قیام اللیل	ثواب من قام وصام
سنن ابن ماجہ	باب ماجاء فی قیام اللیل	باب ماجاء فی قیام شهر رمضان
موطا امام مالک	با ب فی صلوۃ اللیل	باب فی قیام رمضان
موطا امام محمد	با ب فی صلوۃ اللیل	باب قیام شهر رمضان
مشکوۃ شریف	با ب فی صلوۃ اللیل	باب قیام شهر رمضان
ریاض الصالحین	باب فضل قیام اللیل	باب استحباب قیام رمضان وہو التراویح
صحیح ابن حبان	فصل قیام اللیل	فصل فی التراویح
مجمع الزوائد	با ب فی صلوۃ اللیل	قیام رمضان
سنن کبری للبیہقی	با ب فی صلوۃ اللیل	باب فی قیام شهر رمضان
جمع الفوائد	صلوۃ اللیل	قیام رمضان والتراویح وغیر ذالک
قیام اللیل للمروزی	با ب فی صلوۃ اللیل	قیام رمضان
بلوغ المرام	صلوۃ التطوع	قیام رمضان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ روایت کو محدثین نے باب صلوۃ اللیل (یعنی تہجد کے باب) میں ذکر فرمایا ہے ۔مثلاً

صحیح البخاری ج1ص154 کتاب التہجد
صحیح مسلم ج1ص254باب صلاۃ اللیل وعددرکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیل
سنن ابی داؤد ج1ص198باب صلاۃ اللیل
سنن الترمذی ج1ص99 باب ما جاء فی وصف صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ و سلم باللیل
مؤطاامام مالک ص102، 103باب ما جاء فی صلوٰۃ اللیل

سنن النسائی ج1ص237 کتاب قیام اللیل
زاد المعاد لابن القیم ص 127 قیام اللیل
حضرات محدثین کا اس حدیث کو قیام اللیل(یعنی تہجد کے باب) میں ذکر کرنا دلیل ہے کہ یہ تہجد سے متعلق ہے نہ کہ تراویح سے متعلق۔

جواب نمبر 2 پر اعتراض:

اس روایت کو امام بخاری ’’باب فضل من قام رمضان‘‘اور امام محمد’’باب قیام شہر رمضان‘‘میں بھی لائے ہیں ۔معلوم ہوا کہ یہ تراویح کے متعلق ہے ۔

جواب:

امام بخاری اور امام محمد اس روایت کو تہجد اور قیام رمضان وغیرہ میں لائے تاکہ ثابت کریں کہ تہجد جس طرح غیر رمضان میں پڑھی جاتی ہے اسی طرح رمضان میں بھی پڑھی جاتی ہے۔

فائدہ:غیر مقلدین کا خود بھی اس روایت پر عمل نہیں، اس لیے کہ اس روایت میں رمضان اور غیر رمضان میں تین رکعات وتر کا ذکر ہے لیکن غیر مقلدین ایک وتر پڑھ کر گھر کی راہ لیتے ہیں ۔ ع
میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

نمبر2:

غیر مقلدین آٹھ رکعت تراویح پر یہ روایت بھی پیش کرتے ہیں:
عن جابر بن عبداللہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی شہر رمضان ثمان رکعات واوتر ،فلما کانت القابلۃ اجتمعنا فی المسجد ورجونا ان یخرج ،فلم نزل فیہ حتی اصبحنا ثم دخلنا،فقلنا یا رسول اللہ اجتمعنا البارحۃ فی المسجد ورجونا ان تصلی بنا فقال انی خشیت ان یکتب علیکم . (المعجم الصغیر للطبرانی: ج1 ص190)
یہی روایت صحیح ابن خزیمہ (ج1 ص531)،صحیح ابن حبان (ص710 باب الوتر) اور قیام اللیل للمروزی (ص155) میں بھی موجود ہے۔

جواب:

مذکورہ کتب میں یہ روایت دو سندوں سے آتی ہے ۔
1:اسحاق – ابوالربیع - یعقوب قمی -عیسی بن جاریۃ - جابر بن عبداللہ
2:محمد بن حمید الرازی - یعقوب قمی - عیسی بن جاریۃ - جابر بن عبداللہ
ان دونوں طریق میں درج ذیل رواۃ ضعیف و مجروح ہیں۔

عیسی بن جاریہ :

حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کرنے والے صرف ایک راوی ہیں عیسی بن جاریہ ،انہی پر اس روایت کا مدار ہے ، ابن خزیمہ کے حاشیہ پر اس کے بارے میں لکھا ہے:عیسی بن جاریہ فیہ لین(صحیح ابن خزیمۃ ج1ص531)
دیگر محدثین نے بھی اس پر جروح کی ہیں:
1:امام یحیٰ بن معین:لیس بذاک عندہ مناکیر
2:امام نسائی: منکرالحدیث
3:امام ابوداؤد:منکرالحدیث
4:امام نسائی:متروک الحدیث
5:امام ا بن عدی:احادیثہ غیرمحفوظۃ
6:امام ساجی: ذکرہ فی الضعفاء
7:امام عقیلی: ذکرہ فی الضعفاء
(میزان الاعتدال ج3 ص312، تہذیب التہذیب ج5ص193،192)

یعقوب قمی :

یہ راوی دونوں سندوں میں موجود ہے۔ اس کا نام یعقوب بن عبداللہ القمی ہےیہ بھی مجروح راوی ہے ۔
امام دار قطنی فرماتے ہیں:لیس بالقوی. (میزان الاعتدال ج5ص178)

پس یہ روایت ضعیف، متروک اور صحیح روایات کے مقابلے میں نا قابل حجت ہے۔

نمبر3:

حدثنا عبد الاعلی حدثنا یعقوب عن عیسی بن جا ریۃ حدثنا جا بر بن عبد اللہ قال جا ء ابی ابن کعب الی رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فقا ل یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ان کا ن منی اللیلۃ شئی یعنی فی رمضا ن قال وما ذاک یا ابی قال: نسوۃ فی دا ری قلن انا لا نقرأالقرآ ن فنصلی بصلا تک قال فصلیت بھن ثمان رکعات ثم او ترت قال فکا ن شبہ الرضا ء ولم یقل شیئاً. (مسند ابی یعلیٰ: ج3 ص336)

جواب نمبر1:

اس سند میں وہی عیسی بن جا ریہ اور یعقوب القمی موجود ہیں، جو سخت مجرو ح اور ضعیف ہیں۔ ان پر جر ح ہم ما قبل میں ذکر کر آئے ہیں۔ لہذا یہ روایت سخت ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ۔

جواب نمبر2:

اس روایت کے تمام طرق جمع کر یں تو کئی قرا ئن ملتے ہیں کہ اس روایت میں اضطرا ب ہے۔

1: یہ روایت تین کتا بو ں میں ہے۔ مسند احمد میں سرے سے "رمضا ن" کا لفظ ہی نہیں ، مسند ابی یعلی میں" یعنی رمضا ن "کا لفظ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فہم راوی ہے نہ کہ روایت ، قیا م اللیل مروزی میں "فی رمضا ن" کا لفظ ہے جو یقیناً کسی تحتا نی راوی کا ا دراج ہے۔ جب اس روایت میں "فی رمضا ن" کا لفظ ہی مدر ج ہے تو اسے تراویح سے کیا تعلق رہا ؟

2: مسند ابی یعلی اور قیام اللیل للمروزی سے ظا ہر ہو تا ہے کہ یہ واقعہ خو د حضرت ابی بن کعب کا ہے جبکہ مسند احمد کی روایت میں الفا ظ ہیں: عن جا بر عن ابی بن کعب قال جا ء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ و سلم الخ۔۔ [حضرت جابر حضرت ابی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس آیا]جس سے معلو م ہو تا ہے کہ یہ واقعہ کسی اور کا ہے، حضرت ابی بن کعب کا نہیں ۔

3: ۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آٹھ رکعت پڑ ھنےوالا یہ کہتا ہے: "انہ کا ن منی اللیلۃ شئی"[رات مجھ سے یہ کام سرزد ہو گیا] اور "عملت اللیلۃ عملاً "[میں نے آج رات ایسا عمل کیا] ۔معلوم ہو اکہ اس نے اسی رات آٹھ پڑھیں تھیں اس سے پہلے معمول آٹھ کا نہیں تھا، اس لئے تو اس نے کہا کہ میں نے یہ انو کھا کا م کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم خا موش رہے کہ جب یہ خود اس کام کو انو کھا سمجھ رہا ہے تو خوا ہ مخوا ہ اس کی تر دید کیو ں کی جا ئے ۔

نمبر4:

سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں۔ (موطا امام مالک: ص98)

جواب1:

یہاں چند امور قابل غور ہیں۔

امر اول:حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی تراویح کے ناقل یہ راوی ہیں:

نمبر شمار	راوی	تعداد رکعت	ماخذ
1	السائب بن یزید	تفصیل آگے	----
2	یزید بن رومان	23[مع الوتر]	موطا امام مالک
3	عبدالعزیز بن رفیع	20	مصنف ابن ابی شیبہ
4	ابی بن کعب	20	مسند احمد بن منیع
5	یحیی بن سعید	20	مصنف ابن ابی شیبہ
6	محمد بن کعب القرظی	20	قیام اللیل للمروزی
7	حسن بصری	20	سنن ابی داؤد

ان میں سے چھ رواۃ تو بیس رکعت تراویح ہی روایت کرتے ہیں، رہے سائب بن یزید تو

ان کی روایت کی تفصیل درج ذیل ہے:

سائب بن یزید کے تین شاگرد ہیں:

نمبر شمار	راوی	تعداد رکعت	ماخذ
1	یزید بن خصیفہ	20	السنن الکبری
2	حارث بن عبدالرحمن ابی ذباب	23[مع الوتر]	مصنف عبدالرزاق
3	محمد بن یوسف	تفصیل آگے	---

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ سائب بن یزید کے تین شاگردوں میں سےیزید بن خصیفہ بیس اور حارث بن عبدالرحمن ابی ذباب تیئس[مع الوتر] نقل کرتے ہیں ، البتہ محمد بن یوسف نے دو باتوں میں اختلاف کیا ہے ۔

1: یزید بن خصیفہ اور حارث بن عبدالرحمن ابی ذباب قاریوں کی تعداد نہیں بتاتے لیکن محمد بن یوسف نے بتائی ہے کہ دو تھے؛ ابی بن کعب اور تمیم داری ۔

2: اول الذکر دو راوی تراویح بیس ہی نقل کرتے ہیں لیکن اس نے تراویح کی تعداد گیارہ، تیرہ اور اکیس نقل کی ۔

محمد بن یوسف کے شاگردوں کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

نمبر شمار	راوی	تعداد رکعت	ماخذ
1	امام مالک	11	موطا امام مالک
2	یحیی بن سعید القطان	11	مصنف ابن ابی شیبہ
3	عبدالعزیز بن محمد الدَّرَاوَرْدِی	11	سعید بن ابی منصور
4	محمد بن اسحاق	13	قیام اللیل للمروزی
5	داؤد بن قیس وغیرہ	21	مصنف عبدالرزاق

اس سے واضح ہوتا ہے کہ محمد بن یوسف کے پانچوں شاگردوں کے بیانات عدد وکیفیت کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں کہ:

1: پہلے تین شاگرد گیارہ نقل کرتے ہیں اور محمد بن اسحاق تیرہ ،جبکہ پانچواں شاگرد داؤد بن قیس اکیس رکعات نقل کرتا ہے۔

2:امام مالک کی روایت میں گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم ہے عمل کا ذکر نہیں ،یحیی القطان کی روایت میں حکم کا ذکر نہیں ،عبدالعزیز بن محمد کی روایت میں گیارہ رکعت تو ہیں لیکن نہ حکم ہے اور نہ ابی بن کعب اور تمیم داری کا ذکر ۔محمد بن اسحاق کی روایت میں تیرہ رکعت کا ذکر ہے لیکن نہ حکم ہے اور نہ ابی وتمیم کا ذکر،اور داؤد بن قیس کی روایت میں حکم تو ہے لیکن گیارہ کی بجائے اکیس کا ذکر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن یوسف کی یہ روایت شدید مضطرب ہے اور اضطراب فی المتن وجہ ضعف ہوتا ہے:

والاضطراب یوجب ضعف الحدیث. (تقریب النووی مع شرحہ التدریب: ص133 النوع التاسع عشر: المضطرب)

لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب2:

امام مالک کا اپنا عمل اس کے خلاف ہے کیونکہ وہ بیس کے قائل ہیں ۔ علامہ ابن رشد لکھتے ہیں:

واختار مالک فی احد قولیہ ----القیام بعشرین رکعۃ. (بدایۃ المجتہد: ج1ص214)

اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ راوی کا عمل اگر اپنی روایت کے خلاف ہو تو اس بات کی دلیل ہے کہ روایت ساقط ہے۔

(المنار مع شرحہ نور الانوار: ص190)

لہذا یہ روایت ساقط العمل ہے۔

جواب3:

اس روایت کے مرکزی راوی سائب بن یزید کا اپنا عمل اس کے خلاف ہے کیونکہ ان سے

بسند صحیح مروی ہے:

عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمان عمر بن الخطاب بعشرین رکعۃ والوتر۔

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی: ج2ص305کتاب الصلوۃ)

فائدہ:چونکہ یہ روایت تمام رواۃ کی مرویات کے خلاف تھی اس لیے علماء نے اس کے بارے میں دو موقف اختیار کیے ہیں ۔

(۱) ترجیح (۲) تطبیق

ہر ایک کے متعلق محققین کی آراء پیش کی جاتی ہیں:

ترجیح :

اس روایت (گیارہ رکعت)کو راوی کا وہم قرار دے کر مرجوح قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

ان الاغلب عندی ان قولہ احدی عشرۃ وھم (الزرقانی شرح موطا: ج1ص215)

کہ میرے نزدیک غالب (راجح) یہی ہے کہ راوی کا قول ''احدی عشرۃ'' [گیارہ رکعت]وہم ہے۔

تطبیق: بعض حضرات نے یوں تطبیق دی ہے۔مثلاً:

1: قال العینی: لعل ھذا کان من فعل عمر اولا ثم نقلھم الی ثلاث وعشرین. (عمدۃ القاری: ج8ص246)

2: قال علی القاری : وجمع بینھمابانہ وقع اولا (ای احدی عشرۃ رکعۃ فی زمان عمر)ثم استقر الامر علی العشرین فانہ المتوارث

(مرقاۃ المفاتیح: ج3ص345)

3:قال العلامۃ محمد بن علی النیموی: وجمع البیہقی بینھما کانوا یقومون باحدی عشرۃ ثم قاموا بعشرین واوتروا بثلاث وقدعدوا ماوقع فی زمن عمر کالاجماع. (حاشیۃ آثارالسنن ص221)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ترک رفع الیدین فی الصلوۃ

از افادات: متکلمِ اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت و الجماعت احناف:

نماز پنجگانہ شروع کرتے وقت صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا جائے، اس کے علاوہ باقی پوری نماز میں نہ کیا جائے۔ رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتےہوئے رفع یدین کرنا خلاف سنت ہے۔

(بدائع الصنائع ج1 ص208 فَصْلٌ وَأَمَّا سُنَنُهَا فَكَثِيرَةٌ ، فتاویٰ عالمگیری ج 1 ص 72 الْفَصْلُ الثَّالِثُ فِي سُنَنِ الصَّلَاةِ وَآدَابِهَا وَكَيْفِيَّتِهَا)

مذہب غیر مقلدین:

نماز شروع کرتے ہوئے تکبیر تحریمہ کے وقت، رکوع کو جاتے ہوئے، رکوع سے سر اٹھاتےہوئے اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرنا فرض یا واجب ہے۔

(رفع یدین فرض ہےازمسعود احمد غیر مقلد ، فتاوی رفیقیہ از محمد رفیق پسروری حصہ چہارم ص153، مسئلہ رفع یدین از پروفیسر عبد اللہ ، اثبات رفع یدین از خالد گھر جاکھی، نور العینین از زبیر علی زئی ,مجموعہ مقالات پر سلفی تحقیقی جائزہ از رئیس ندوی غیر مقلد ص246)

دلائل اہل السنۃ و الجماعۃاحناف

قرآن مع التفسیر

قال اللہ تعالیٰ: قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ - الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ• (سورۃ المؤمنون:1،2)

تفسیر نمبر1:

قال الامام ابو طاہرمحمد بن یعقوب الفیروزآبادی: اخبرنا عبد اللہ الثقۃ ابن المامور الہرَوی قال اخبرنا ابی قال اخبرنا ابو عبد اللہ قال اخبرنا ابو عبید اللہ محمود بن محمد الرازی قال اخبرنا عمار بن عبد المجید الہرَوی قال اخبرنا علي بن إسحاق السمرقندي عن محمد بن مروان عن الكلبي عن أبي صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال : { الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ}مخبتون متواضعون لایلتفتون یمینا ولاشمالا ولا یرفعون ایدیہم فی الصلاۃ .(تفسیر ابن عباس ص212)

اعتراض:

غیرمقلدین کہتے ہیں کہ تفسیر ابن عباس کی سند میں محمد بن مروان السدی، محمد بن سائب الکلبی اور ابوصالح باذام سخت ضعیف ہیں ۔

جواب:

ایسا ممکن ہے کہ ایک آدمی ایک فن میں ماہر اور ثقہ نہ ہو لیکن دوسرے فن کا امام ہو ۔ اسی حقیقت کے پیش نظر محدثین نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ بعض ائمہ فن حدیث میں تو ناقابل اعتبار ہیں لیکن فن تفسیر میں ان کی روایات قابل قبول ہوتی ہیں۔مثلاً۔۔۔

قال الامام البیہقی : قال یحیی بن سعید یعنی القطان تساهلوا فی التفسیر عن قوم لایوثقونهم فی الحدیث ثم ذکر لیث بن ابی سلیم و جُوَیْبِر بن سعید والضحاک ومحمد بن السائب یعنی الکلبی وقال ہولاء لایحمد حدیثهم ویکتب التفسیر عنهم• (دلائل النبوۃ للبیہقی ج1ص33،میزان الاعتدال للذہبی ج1ص391 فی ترجمۃ جویبر بن سعید ، التہذیب لابن حجر ج1ص398 ترجمۃ جویبر بن سعید)

مذکورہ رواۃ کا تذکرہ ائمہ نے مفسرین کے طور پر کیا ہے لہذا اصولی طور ان کی تفسیری روایات مقبول ہیں، رہا ان پر کلام تو وہ فن حدیث کے بارے میں ہے ۔ائمہ کرام کی تصریحات ان رواۃ کے بارے میں ملاحظہ ہوں۔

محمد بن مروان السدی:

1:قال الامام بدر الدین محمود بن أحمد العینی: وصاحب التفسیر، محمد بن مروان الکوفی وهو أیضًا یعرف بالسدی

(مغانی الأخیار فی شرح أسامی رجال معانی الآثار أبی محمد للغیتابی ج3ص416)

2: قال الحافظ ابن حجر العسقلاني : محمد بن مروان بن عبد الله بن إسماعيل الكوفي السدي الصغير صاحب التفسير عن محمد بن السائب الكلبي-(لسان الميزان لابن حجر ج7 ص375)

3: قال الامام عبد الحي بن أحمد العكري الدمشقي: محمد بن مروان السدي الصغير الكوفي المفسر صاحب الكلبي
(شذرات الذهب لعبد الحي العكري ج1ص318)

محمد بن السائب الكلبی:

1: قال الامام ابن عدی : [محمد بن سائب الکلبی] وهو رجل معروف بالتفسير --- وحدث عن الكلبي الثوريُّ وشعبةُ --- ورضُوْه بالتفسير (الکامل لابن عدی ج6ص2132)

2:قال الذہبی: محمد بن السائب الكلبی، أبو النضر الکوفی المفسر النسابة الاخباري. (میزان الاعتدال ج 3ص 556)

3: قال الحافظ ابن حجر العسقلاني : وهو معروف بالتفسير وليس لاحد أطولُ من تفسيره وحدث عنه ثقاتٌ من الناس ورضُوْه في التفسير .(تہذیب التہذیب ج9 ص 157)

ابو صالح باذام:

1: قال العِجلي: باذام أبو صالح روى عنه إسماعيل بن أبي خالد في التفسير، ثقة وهو مولى أم هانئ-(معرفة الثقات للعجلي ج1 ص 242)

2: قال يحيى بن سعيد: لم ار احدا من اصحابنا ترك ابا صالح مولى ام هانئ لاشعبة ولا زائدة.(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: ج1 ص 135)

لہذا ان روات پر اعتراض باطل ہے۔

تفسیر نمبر 2:

قال الحسن البصری رحمہ اللہ: خاشعون الذین لایرفعون ایدیہم فی الصلوۃ الا فی التکبیرۃ الاولیٰ۔
(تفسیر السمر قندی ج2ص408)

احادیث مبارکہ:

احادیث مرفوعہ :

دلیل نمبر1:

قال الامام الدارقطني م385ھ : [رَوى عَبد الرَّحِيمِ بن سُلَيمان عَن أَبِي بَكرٍ النَّهشَلِيِّ عَن عاصِمِ بن كُلَيبٍ ، عَن أَبيہ] عَن عَلِيٍّ ، عَنِ النَّبيِّ صَلَّى الله عَلَيه وسَلم : أَنَّهُ كان يَرفَعُ يَدَيهِ فِي أَوَّلِ الصَّلاةِ ثُمّ لا يَعُودُ.

اسنادہ صحیح وروانہ ثقاۃ

(کتاب العلل للدارقطنی ج4ص106سوال457)

اعتراض:

یہ حدیث مرفوع نہیں ہے کیونکہ امام دارقطنی نےاسے نقل کر کے فرمایا ہے: وَخالَفَهُ [عَبدَ الرَّحِيمِ بن سُلَيمان] جَماعَةٌ مِنَ الثِّقاتِ --- فَرَووهُ عَن أَبِي بَكرٍ النَّهشَلِيِّ مَوقُوفًا عَلَى عَلِيٍّ. (کتاب العلل للدارقطنی ج4ص106سوال457)

جواب نمبر1:

اس حدیث کو مرفوع بیان کرنے والے امام عبدالرحیم بن سلیمان ہیں - آپ صحیحین اور سنن اربعہ کے ثقہ راوی ہیں- (تقریب التہذیب: ص354)

ان کا اس روایت کو مرفوع بیان کرنا ایک زیادت ہے اور جمہور فقہا ء و محدثین کے نزدیک ثقہ کی زیادتی مقبول ہے؛

1:والزیادۃ مقبولۃ،(صحیح البخاری ج1ص201 باب العشر فیما یسقی من ماء السماء والماء الجاری)

2:أن الزيادة من الثقة مقبولة(المستدرک علی الصحیحین للحاکم ج1ص307 کتاب العلم)

جواب نمبر2:

اگر حدیث کے موقوف اور مرفوع ہونے میں اختلاف ہو جائے توفقہاءا ورمحدثین خصوصا امام بخاری اورامام مسلم رحمہما اللہ کے نزدیک حدیث مرفوع قرار دی جاتی ہے۔

قال الامام النووی: والصحیح طریقۃ الاصولیین والفقہاء و البخاری ومسلم و محققی المحدثین انہ یحکم بالرفع والاتصال لانہا زیادۃ ثقۃ (شرح مسلم للنووی ج1ص282،256)

حدیث علی رضی اللہ عنہ مرفوع ہے اور یہ اعتراض باطل ہے۔

دلیل نمبر2:

روی الامام الحافظ المحدث أحمد بن شعيب أبو عبد الرحمن النسائي م303ھ:قال أخبرنا سويد بن نصر حدثنا عبد الله بن المبارك عن سفيان عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الأسود عن علقمة عن عبد الله قال ألا أخبركم بصلاة رسول الله صلى الله عليه و سلم قال : فقام فرفع يديه أول مرة ثم لم يعد

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم

(سنن النسائی ج1ص158باب ترک ذلک ، السنن الکبری للنسائی ج1ص351،350رقم1099باب ترک ذالک)

دلیل نمبر 3:

روی الامام الحافظ المحدث أحمد بن شعيب أبو عبد الرحمن النسائي م303ھ: قال اخبرنا محمود بن غیلان المروزی حدثنا وکیع حدثنا سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود عن علقمۃ عن عبداللہ انہ قال الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الامرۃ واحدۃ،

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم

(سنن النسائی ج 1 ص162،161باب الرخصۃ فی ترک ذلک ،السنن الکبری للنسائی ص221رقم 645باب الرخصۃ فی ترک ذلک)

دلیل نمبر 4:

روی الامام أبو عيسى محمد بن عيسى الترمذي م 279ھ قال :حدثنا ھناد نا وکیع عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن الاسود عن علقمۃ قال قال عبداللہ بن مسعو د رضی اللہ عنہ: الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی او ل مرۃ

قال [ابوعیسی] وفی الباب عن البراء بن عازب

قال ابوعیسی حدیث ابن مسعودرضی اللہ عنہ،حدیث حسن وبہ یقول غیر واحد من اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو قول سفیان [الثوری] واہل الکوفۃ ۔

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم تغلیباً• (جامع الترمذی ج1ص59باب رفع الیدین عند الرکوع)

وفی نسخۃ الشیخ صالح بن عبد العزیز ص71 باب ماجاء ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع الا فی اول مرۃ رقم الحدیث 257 ، مختصر الاحکام للطوسی ص109رقم 218طبع مکۃ مکرمۃ و فی سنن ابی داؤد ج1ص116باب من لم یذکرالرفع عندالرکوع

اعتراض نمبر 1 :

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کے بارے میں امام عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا:

قد ثبت حديث من يرفع يديه وذكر حديث الزهري عن سالم عن أبيه ولم يثبت حديث ابن مسعود أن النبي صلى الله عليه و سلم لم يرفع [يديه] إلا في أول مرة (جامع الترمذی ج1 ص 59 باب رفع الیدین عند الرکوع) کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔

جواب نمبر1:

حدیث ابن مسعود کےتمام روات ثقہ ہیں۔ اس کے بارے میں امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی یہ جرح غیر مفسر اور غیر مبین السبب ہے۔اصول حدیث کے اعتبار سے ایسی جرح قابل قبول نہیں۔

1: لا یقبل الجرح الا مفسرا (الکفایہ فی علم الروایۃ للخطیب ص:101)

2: إذا كان الجرح غير مفسر السبب فإنه لا يعمل به (صیانۃ صحیح مسلم لابن الصلاح ص96)

3:ولا يقال إن الجرح مقدم على التعديل لأن ذلك فيما إذا كان الجرح ثابتا مفسر السبب وإلا فلا يقبل الجرح إذا لم يكن كذلك

(توجيه النظر إلى أصول الأثرلطاهر الجزائري ج2 ص550)

جواب نمبر 2:

حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ مختلف الفاظ سے مروی ہے۔

1: عن عبد الله قال ألا أخبركم بصلاة رسول الله صلى الله عليه و سلم قال : فقام فرفع يديه أول مرة ثم

لم یعد .

(سنن النسائی ج1ص158باب ترک ذلک)

2: قال عبداللہ بن مسعو د رضی اللہ عنہ الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلی فلم یرفع یدیہ الا فی او ل مرۃ

(جامع الترمذی ج1ص59باب رفع الیدین عند الرکوع)

3: عن عبد الله عن النبي صلى الله عليه و سلم : أنه كان يرفع يديه في أول تكبيرة ثم لا يعود

(سنن الطحاوی ج 1ص162 باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع)

حدیث کے وہ الفاظ جو امام ابن مبارک کی جرح میں مذکور ہیں وہ سنن طحاوی کی روایت سے ملتے جلتے ہیں، باقی روایات سے اس جرح کا کوئی تعلق نہیں۔رہی یہ جرح تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ امام ابن مبارک نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کو روایت کیا ہے (سنن النسائی ج1ص158باب ترک ذلک) ا س میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز کا نقشہ لوگوں کو پڑھ کر دکھایا، لیکن سنن طحاوی میں نماز کا نقشہ نہیں صرف زبانی بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم پہلی مرتبہ رفع یدین کرتے تھے بعد میں نہیں کرتے تھے۔ چونکہ ابن مبارک رحمہ اللہ نے یہ روایت اس طرح سنی تھی (یعنی ابن مسعود کے عمل کے ساتھ) اس لیے اس حدیث پر اعتراض کر دیا جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ سے قولا مروی ہے ۔ حقیقتا دیکھا جائے تو یہ اعتراض بنتا نہیں۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی نماز پڑھ کر دکھانے اور اس کو زبانی بیان کرنے میں کوئی تضاد نہیں، اس لیے کہ یہ ممکن ہے کہ راوی ایک مرتبہ حدیث کو عملا بیان کرے اور دوسری مرتبہ اسے قولا بیان کر دے، یہ حدیث کے غیر ثابت ہونے کی دلیل نہیں۔

جواب نمبر 3:

بالفرض یہ جرح اگر فعلی روایت پر بھی ہو تو ہم کہتے ہیں کہ امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے اس ا عتراض کو نقل کرنے والے ان کے شاگرد سفیان بن عبدالملک المروزی ہیں ۔ (جامع الترمذی ج1ص59باب رفع الیدین عند الرکوع)

اور یہ آپ کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں جیسا کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے:

من کبار اصحاب ابن المبارک(تقریب التہذیب لابن حجر ص:278)

لیکن ان کے ایک اور شاگرد سوید بن نصر المروزی نے اسی حدیث کو آپ ہی سے بلا اعتراض نقل کیا ہے۔(سنن النسائی ج1ص158باب ترک ذلک)

اور یہ آپ کے آخری عمر کے شاگرد ہیں جیسا کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے:

کان راویۃ ابن المبارک (تہذیب التہذیب لابن حجرج:3،ص:110)

معلوم ہوا کہ یہ اشکال آپ کو اول عمر میں تھا جسے آپ نے اپنے قدیمی شاگردوں کو نقل کرایا تھالیکن آخر عمر میں جب آپ نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے یہ روایت سنی تو اپنے صغیر شاگرد سوید بن نصر المروزی کو بلا اعتراض املاء کرائی جیسا کہ سنن النسائی (ج:1ص:157)میں یہ حدیث بلا اعتراض موجود ہے معلوم ہوا کہ آپ نے اس اعتراض سے رجوع فرمالیا تھا۔

جواب نمبر 4:

اس حدیث کو کئی شمار فقہاء اور محدثین نے صحیح اور حسن قرار دیا ہے۔

1:امام ترمذی م 279ھ: حسن۔ وفی نسخۃ: حسن صحیح (جامع الترمذی ج1 ص159 ، شرح سنن ابی داؤد ج2 ص346)

2: امام دار قطنی م385ھ:اسنادہ صحیح (کتاب العلل للدارقطنی ج5ص172سوال804)

3: امام ابن حزم م 456ھ: صَحَّ خَبَرُ ابْنِ مَسْعُودٍ (المحلی بالآثار ج 2ص578)

4: امام ابن القطان الفاسی م 628ھ: والحديث عندي - لعدالة رواته - أقرب إلى الصحة (بیان الوهم والإيهام للفاسی ج5 ص367)

5: امام زیلعی م 762ھ: و الرجوع الی صحۃ الحدیث لوروده عن الثقات (نصب الرایۃ للزیلعی ج1 ص396)

6: امام عینی م855ھ: قد صح (شرح سنن ابی داؤد ج2 ص346)

7: علامہ محمد انور شاہ کشمیری م 1350ھ: رواہ الثلاثۃ و ہو حدیث صحیح۔(نیل الفرقدین ص56)

حتی کہ مشہور غیر مقلد ین نے بھی اس کے صحیح ہونے کی تصریح کی ہے:
1:احمد شاکر المصری غیر مقلد: الحق انہ حدیث صحیح و اسنادہ صحیح علی شرط مسلم (شرح الترمذی ج2 ص43)
2: ناصر الدین البانی :والحق انہ حدیث صحیح و اسنادہ صحیح علی شرط مسلم (مشکوۃ المصابیح بتحقیق الالبانی ج1ص254)
لہذا حدیث بالکل صحیح اور ثابت ہے۔

اعتراض نمبر2:

حدیث ابن مسعود صحیح نہیں ہے کیونکہ اس پر امام ابوداؤد نے اعتراض کیا ہے: قال ابوداؤد: هذا حديث مختصر من حديث طويل وليس هو بصحيح على هذا اللفظ(ابوداؤد ص117باب من لم یذکر الرفع عندالرکوع- رقم الحدیث 748 طبع دارالسلام)

جواب نمبر1:

سنن ابی داؤد کے کئی نسخے ہیں جن میں سے پانچ بہت مشہور ہیں۔
1: نسخہ ابو علی اللؤلوی ---(مکتبہ امدادیہ پاکستان) یہ نسخہ امام ابوداؤد کی وفات والے سال کا ہے اور تمام نسخوں میں سے سب سے زیادہ صحیح ہے،جیسا کہ محشی سنن ابی داؤد نے تصریح کی ہے:
الامام الحافظ ابوعلی محمد بن احمد بن عمرو اللؤوی البصری روی عن ابی داؤد ھذا السنن فی المحرم سنۃ خمس وسبعین وماتین وروایتہ من اصح الروایات لانھا من آخر ما املی ابو داؤد وعلیھا مات (حاشیہ ابی داؤد: ج1ص2)
اس نسخہ میں یہ اعتراض موجوود نہیں ہے۔
2: نسخہ ابن داسۃ --- یہ نسخہ امام ابو سلیمان خطابی نے خود ابو بکر بن داسہ سے روایت کیا ہے اور اس کی شرح ”معالم السنن“ کے نام سے لکھی ہے جو کہ مطبوع ہے۔ یہ اعتراض اس نسخہ میں بھی موجود نہیں ہے۔
3: نسخہ ابو عیسی الرملی--- یہ نسخہ ابن داسہ کے نسخہ سے ملتا جلتا ہے جیسا کہ أبو المنذر خالد بن إبراهيم المصري نے تصریح کی ہے:
ورواية ابن داسة أكمل الروايات، ورواية الرملي تقاربها (مقدمۃ التحقیق شرح سنن ابی داؤد للعینی ج1 ص33)
جب نسخہ داسہ میں یہ اعتراض نہیں ہے تو نسخہ رملی میں بھی نہ ہو گا۔
4: نسخہ ابن الاعرابی--- یہ نسخہ نامکمل ہے ، بہت سی کتب اس میں نہیں ہیں۔
قال أبو المنذر خالد بن إبراهيم المصری: رواية ابن الأعرابي يسقط منها كتاب الفتن والملاحم والحروف والخاتم ونحو النصف من كتاب اللباس وفاته أيضاً من كتاب الوضوء والصلاة والنكاح أوراق كثيرة. (مقدمۃ التحقیق شرح سنن ابی داؤد للعینی ج1 ص33)
5: نسخہ ابن العبد --- ان کا نام ابو الحسن ا بن العبد الانصاری ہے ۔یہ بھی سنن کا ایک نسخہ روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب ج3ص 9)
مندرجہ بالا پانچ نسخوں میں سے یہ اعتراض صرف نسخہ ابن العبد میں ہے جیسا کہ امام مغلطائی نے تصریح کی ہے:
اعترض على هذا بما ذكره أبو داؤد في رواية ابن العبد قال: هذا حديث مختصر من حديثه، وليس بصحيح على هذا اللفظ. (شرح سنن ابن ماجہ للمغلطائی: ص 1467)
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ اعتراض امام ابو داؤد کو اول عمر میں تھا جسے آپ کے شاگرد ابن العبد نے نقل کیا ہے لیکن بعد میں آپ نے اس اعتراض سے رجوع فرما لیا۔ اس لیے باقی نسخوں خصوصا نسخہ ابو علی اللؤلوی میں (جو وفات والے سال کا نسخہ ہے) یہ اعتراض موجود نہیں ہے۔

جواب نمبر2:

اگر اس جرح کو مان بھی کیا جائے تب بھی یہ مبہم ہے اور مبہم جرح قابل قبول نہیں(جیسا کہ حوالہ جات گزر چکے ہیں)

جواب نمبر3:

امام ابو داؤد نے زیر بحث حدیث کوجس طویل حدیث کا اختصار قرار دیا ہے وہ جزء رفع الیدین

للبخاری میں موجود ہے۔

حدثنا الحسن بن الربيع ، حدثنا ابن إدريس ، عن عاصم بن كليب ، عن عبد الرحمن بن الأسود ، حدثنا علقمة أن عبد الله رضي الله عنه قال : « علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلاة : فقام فكبر ورفع يديه ، ثم ركع ، فطبق يديه جعلهما بين ركبتيه فبلغ ذلك سعدا فقال : صدق أخي قد كنا نفعل ذلك في أول الإسلام ثم أمرنا بهذا » . قال البخاري : « وهذا المحفوظ عند أهل النظر من حديث عبد الله بن مسعود (جزء رفع اليدين للبخارى ص 292 رقم الحديث 33)

اگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث کو اس طویل حدیث کا اختصار بھی قرار دیا جائے تو بھی یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا، کیونکہ اگر اس مختصر حدیث میں جو الفاظ (لم یعد وغیرہ) ہیں وہ طویل حدیث میں نہیں تو یہ زیادت ثقہ ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہے [حوالہ جات گزر چکے ہیں]

محدث کبیر مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لو سلم انہ مختصر من هذا الحديث الطويل ففى المختصر زيادۃ لفظ ليس فى الطويل و زيادۃ ثقۃ مقبولۃ عند اہل الحديث (بذل المجہود ج 2ص 22باب من لم يذكر الرفع عند الركوع)

پس یہ اعتراض درست نہیں اور حدیث صحیح ہے۔

فائدہ : سنن ابی داؤد کا نسخہ عرب ممالک میں پہلے دارالفکر بیروت بتحقیق عبدالحمید طبع ہواتھا، اس میں بریکٹ لگا کر اس اعتراض کو لکھا گیاتھالیکن اس کے بعد دارالسلام کے غیرمقلدین نے بریکٹ کو ہٹا کر اسی اعتراض کو متن میں لگا دیا ہے۔

اعتراض نمبر3:

غیر مقلدین خصوصازبیر علی زئی کہتا ہے کہ حدیث ابن مسعود کی سند میں سفیان ثوری ہے جو کہ غضب کامدلس ہے اور مدلس کا حکم یہ ہے کہ اس کی صرف وہی روایت قبول کی جائے گی جس میں وہ سماع کی تصریح کرے یا اس کی کوئی معتبر متابعت موجود ہو اور یہاں سماع کی تصریح نہیں ہے، نیز اس روایت میں یہ عاصم بن کلیب سے منفرد بھی ہے، کوئی معتبر متابعت نہیں ہے۔ لہذا یہ سند ضعیف ہے۔(نورالعینین: ص118 تا 128)

جواب نمبر 1:

امام سفیان ثوری صحیح البخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے ثقہ بالاجماع راوی ہیں اورعند الجمہور یہ طبقہ ثانیہ کے مدلس ہیں جیسا کہ ائمہ حضرات نے ان کو طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔ (جامع التحصيل فى احكام المراسيل لابى سعيد العلائى ص113،طبقات المدلسين لابن حجر ص64،التعليق الامين على كتاب التبيين لاسماء المدلسين لابن العجمى ص92، جزء منظوم فى اسماء المدلسين لبديع الدين غيرمقلد ص89)

اور طبقہ ثانیہ کی تدلیس عندالمحدثین صحت حدیث کے منافی نہیں ہے - پس یہ حدیث صحیح ہے -

جواب نمبر2:

امام سفیان ثوری اس روایت میں متفرد نہیں بلکہ دیگر ثقات بالاجماع روا ت نے ان کی متابعت تامہ کر رکھی ہے، مثلاً۔۔

1: امام ابوبکر النہشلی (م ت س ق)

وَرَوَاهُ أَبُو بَكرِ النَّهشَلِيُّ ، عَن عاصِمِ بن كُلَيبٍ ، عَن عَبدِ الرَّحمَنِ بنِ الأَسوَدِ ، عَن أَبِيهِ ، وعَلقَمَةَ ، عَن عَبدِ الله.

(كتاب العلل للدارقطنى ج5ص172سوال804)

2:امام وکیع بن الجراح (ع)

حدثنا عبد الوارث بن سفيان قال حدثنا قاسم بن أصبغ قال حدثنا عبد الله بن أحمد بن حنبل قال حدثني أبي قال حدثنا وكيع عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الأسود عن علقمة قال قال ابن مسعود(التمہید الابن عبد البر ج4 ص189)

لہذا تفرد کا اعتراض باطل ہے، اور حدیث ابن مسعود صحیح ہے -

دلیل نمبر 5:

روى الامام ابوبكر اسماعيلى قال حدثنا عبد الله بن صالح بن عبد الله أبو محمد صاحب البخاري صدوق ثبت قال : حدثنا إسحاق بن إبراهيم الْمَرْوَزِيُّ ، حدثنا محمد بن جابر السُّحَيْمِيُّ ، عن حماد ، عن إبراهيم ، عن علقمة ، عن عبد الله ، قال : صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي

بکر وعمر ، فلم یرفعوا أیدیهم إلا عند افتتاح الصلاة.
اسناد صحیح ورواتہ ثقات•
(کتاب المعجم لابی بکر الاسماعیلی ج2ص693،692رقم154،مسند ابی یعلی ص922رقم5037)

اعتراض:

غیرمقلدین کہتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن جابر ہیں، ان پر ائمہ نے جرح کی ہے۔ نیز آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہوگیا تھا اور اختلاط کا شکار بھی تھے۔ان کی کتابیں ضائع ہوگئیں تھیں اور یہ تلقین کو قبول کرنے لگے تھے۔ لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب:

محمد بن جابر یمانی عندالجمہور ثقہ وصدوق ہیں ، درج ذیل ائمہ نے ان کی توثیق و مدح فرمائی ہے:

امام عمرو بن علی الفلاس:

قال الفلاس: صدوق كثير الوهم(شرح سنن ابن ماجۃ للمغلطائي: ج1 ص 435، الجرح و التعدیل ج7ص219،)

امام ابو حاتم الرازی:

قال عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازي: وسئل ابی عن محمد بن جابر وابن لهيعة فقال محلهما الصدق ومحمد بن جابراحب إلى من ابن لهيعة. (الجرح و التعدیل ج7ص219، 220)

ابو زرعہ الرازی و امام ابو حاتم الرازی:

قال ابن ابی حاتم الرازي: وسمعت أبي وأبا زرعة يقولان من كتب عنه باليمامة وبمكة فهو صدوق (تہذیب التہذیب ج9ص77)

امام نور الدین الہیثمی:

محمد بن جابر السحيمي وفيه كلام كثير وهو صدوق في نفسه صحيح الكتاب ولكنه ساء حفظه (مجمع الزوائد:ج2 ص 479، ج3 ص 349)

امام عبداللہ بن عدی الجرجانی:

قال الامام أبو أحمد عبدالله بن عدي الجرجاني: وعند إسحاق بن أبي إسرائيل عن محمد بن جابر كتاب أحاديث صالحة وكان إسحاق يفضل محمد بن جابر على جماعة شيوخ هم أفضل منه وأوثق وقد روى عن محمد بن جابر كما ذكرت من الكبار أيوب وابن عون وهشام بن حسان والثوري وشعبة وابن عيينة وغيرهم ممن ذكرتهم ولولا أن محمد بن جابر في ذلك المحل لم يرو عنه هؤلاء الذين هو دونهم وقد خالف في أحاديث ومع ما تكلم فيه من تكلم يكتب حديثه (الکامل لابن عدی ج6ص153)

امام ذہلی:

وقال الذهلي لا بأس به (تہذ یب التہذیب ج9ص75)

امام ابو الولید:

قال ابو الولید: نحن نظلم محمد ابن جابر بامتناعنا من التحديث عنه.(تہذ یب التہذیب ج9ص78)

لہذا محمد بن جابر یمانی سے مروی روایت کم از کم حسن درجہ کی ہے ۔ رہا اختلاط اور کتب کے ضائع ہونے کی وجہ سے تلقین قبول کرنے کا اعتراض توائمہ اصول ان جیسے روات کے متعلق ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں :

امام نووی: وحكم المختلط أنه لا يُحتج بما روى عنه فى الاختلاط أو شك فى وقت تحمله، ويحتج بما روى عنه قبل الاختلاط

(تہذیب الاسماء واللغات للنووی ج1ص242)

امام خطیب بغدادی: محمد بن خلاد الاسکندرانی کے تذکرہ میں ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں:

كل من سمع منه قديما قبل ذهاب كتبه فحديثه صحيح ومن سمع منه بعد ذلك فليس حديثه بذاك (الکفایۃ:ص153)

اور امام ابو زرعہ اور امام ابو حاتم الرازی نے تصریح فرمائی ہے کہ محمد بن جابر سے جس نے یمامہ اور مکہ میں روایت لی ہے وہ اس وقت صدوق تھے۔

و قال عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازي: وسمعت أبي وأبا زرعة يقولان من كتب عنه باليمامة وبمكة فهو صدوق

(تہذ یب التہذیب ج9ص77)

اور ہماری پیش کردہ روایت میں بھی امام اسحاق بن ابراہیم المروزی نے ان سے یمامہ میں روایت

کی ہے جیسا کہ ائمہ نے تصریح کی ہے:
1: قال الامام محمد بن سعد فی ترجمۃ اسحاق بن ابراہیم المروزی : وکان رحل الی محمد بن جابر بالیمامۃ فکتب کتبہ ،وقدم البصرۃ من الیمامۃ بعد موت ابی عوانۃ بیومین او ثلاثۃ (طبقات ابن سعد: ج7ج 7ص353)
2: قال أبو يعقوب إسحاق بن أبي إسرائيل لما انصرفت من اليمامة من عند هذا الشيخ يعنى محمد بن جابر الخ(تاریخ بغداد ج5ص357)
3: قال الامام أبو أحمد عبدالله بن عدي الجرجاني: وعند إسحاق بن أبي إسرائيل عن محمد بن جابر كتاب أحاديث صالحة وكان إسحاق يفضل محمد بن جابر على جماعة شيوخ هم أفضل منه وأوثق الخ (الکامل لابن عدی ج6ص153)

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ محمد بن جابر الیمامی سے اسحاق المروزی کا سماع قبل الاختلاط کا ہے اور انہوں نے سماع حدیث کتاب سے کی ہے۔پس اعتراض باطل ہے۔

دلیل نمبر 6:

روی الامام الاعظم ابوحنیفۃ رحمہ اللہ یقول سمعت الشعبی یقول سمعت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ یقول کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ حتی یحاذی منکبیہ لایعود برفعھما حتی یسلم من صلوتہ،
اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم
(مسند ابی حنیفۃ بروایۃ ابی نعیم ص344رقم225وفی نسخۃ ص156طبع الریاض)

دلیل نمبر 7:

روی الامام أبو داؤد السجستاني :قال حدثنا محمد بن الصباح البزاز نا شریک عن یزید بن ابی زیاد عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ عن البراء ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لایعود،
اسنادہ صحیح علی شرط المسلم
(سنن ابی داؤد ج1ص116باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع ، مسند ابی یعلیٰ ص 400 رقم الحدیث 1690،1691،1692)

اعتراض:

غیرمقلدین کہتے ہیں کہ اس حدیث میں یزید بن ابی زیاد کوفی راوی ضعیف ہے۔کیونکہ اس کا آخری عمر میں حافظہ خراب ہوگیا تھا اور یہ تلقین کو قبول کرتا تھا ۔یہ حدیث تغیر حفظ کے بعد کی ہے نیز ثم "لایعود"کا جملہ ان کےقدماء اصحاب نے بیان نہیں کیا ہے۔پس یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب:

امام یزید بن ابی زیاد کو فی صحیح البخاری تعلیقاً،صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں۔ایک جماعت محدثین نے ثقہ ، صدوق ، عدل قرار دیا ہے مثلاً:
امام جریر بن عبد الولید: يزيد احسنهم استقامة في الحديث (الجرح و التعديل ج9 ص327)
امام أبو داؤد: لا أعلم أحدا ترك حديثه (سیر اعلام النبلاء ج5ص381)
امام ترمذی: یزید بن ابی زیاد سے مروی کئی روایات کو "حسن صحیح" اور کئی جگہ "حسن" قرار دیا۔
(باب ما جاء فی المنی و المذی،باب ما جاء من الرخصة في ذلك[ای الحجامۃللصائم]، باب ما جاء في مواقيت الإحرام لأهل الآفاق ، باب مناقب العباس بن عبد المطلب)
امام احمد بن حنبل: قال كما قال جرير (الجرح و التعديل ج9 ص327)
احمد بن صالح: يزيد بن أبي زياد ثقة لا يعجبني قول من يتكلم فيه (تاریخ الثقات لابن شاہین ص256 ، معرفۃ الثقات للعجلي ج2 ص364)
امام سفیان الثوری: فهو على العدالة والثقة وإن لم يكن مثل منصور والحكم والأعمش فهو مقبول القول ثقة.
(المعرفۃ والتاریخ للفسوی ج 3ص 175)
امام الشیخ ابن دقیق العید: ويزيد بن أبي زياد معدود في أهل الصدق، كوفي، يكنى أبا عبد الله (نصب الرایۃ ج 1ص 477)
امام ابو الحسن: يزيد بن أبي زياد، جيد الحديث (نصب الرایۃ ج 1ص 477)

امام الذہبی.[یزید بن أبي زیاد] الامام المحدث أبو عبد الله، الهاشمي(سیر اعلام النبلاء ج5ص380)

مشہور غیر مقلداحمد محمد شاکر شرح ترمذی میں یزید کی کافی توثیق نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: و الحق انہ ثقۃ

پھر امام شعبہ سے توثیق نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

و ہذا نہایۃ التوثیق من شعبۃ و ہو امام الجرح و التعدیل ... فقد اصاب الترمذی فی تصحیحہ(شرح الترمذی ج1 ص195)

مزیدآگے جا کر لکھتے ہیں:

فمدار الحدیث علی یزید ابن ابی زیاد و ہو ثقۃ صحیح الحدیث و قد تکلمنا علیہ تفصیلا فیما مضی (شرح الترمذی ج2ص409)

لہذا عند الجمہور یزید ثقہ ،صدوق ، عاد ل ہے ، رہا تغیر حفظ اور تلقین قبول کرنے کا اعتراض تو امام ابن حبان نے تصریح کی ہے:

وكان يزيد صدوقا إلا أنه لما كبر ساء حفظه وتغير، فكان يتلقن مالقن، فوقع المناكير في حديثه ... فسماع من سمع منه قبل دخوله الكوفة في أول عمره سماع صحيح (كتاب المجروحين لابن حبان ج3 ص 100)

اس روایت میں آپ کے شاگرد شریک آپ سے ”ثم لایعود“ وغیرہ کا جملہ نقل کیا ہے اور یہی جملہ آپ کے کبار اصحاب نے بھی نقل کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جملہ آپ نے تغیر حفظ سے پہلے نقل کیا ہے، مثلاً:

امام سفیان الثوری:

حدثنا أبو بكرة قال ثنا مؤمل قال ثنا سفيان قال ثنا يزيد بن أبي زياد عن بن أبي ليلى عن البراء بن عازب رضي الله عنه قال : كان النبي صلى الله عليه و سلم إذا كبر لافتتاح الصلاة رفع يديه حتى يكون إبهاماه قريبا من شحمتي أذنيه ثم لا يعود•

(سنن الطحاوی ج 1 ص162)

امام ہشیم بن بشیر:

حدثنا إسحاق حدثنا هشيم عن يزيد بن أبي زياد عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن البراء قال : رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم حين افتتح الصلاة كبر ورفع يديه حتى كادتا تحاذيان أذنيه ثم لم يعد• (مسند ابی یعلی ص400 رقم الحدیث 1691)

امام ابن عیینہ:

عبد الرزاق عن بن عيينة عن يزيد عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن البراء بن عازب مثله وزاد قال مرة واحدة ثم لا تعد لرفعها في تلك الصلاة (مصنف عبد الرزاق ج 2ص 45رقم الحدیث 2534)

امام اسماعیل بن زکریا:

حدثنا يحيى بن محمد بن صاعد نا محمد بن سليمان لوين ثنا إسماعيل بن زكريا ثنا يزيد بن أبي زياد عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن البراء أنه : رأى رسول الله صلى الله عليه و سلم حين افتتح الصلاة رفع يديه حتى حاذى بهما أذنيه ثم لم يعد إلى شيء من ذلك حتى فرغ من صلاته (سنن الدارقطني ص 196 رقم الحدیث 1116)

امام ابن ادریس:

حدثنا إسحاق حدثنا ابن إدريس قال : سمعت يزيد بن أبي زياد عن ابن أبي ليلى عن البراء قال : رأيت رسول الله صلى الله عليه و سلم رفع يديه حين استقبل الصلاة حتى رأيت إبهاميه قريبا من أذنيه ثم لم يرفعهما (مسند ابی یعلی ص400 رقم الحدیث 1692)

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ ”ثم لایعود“ کا جملہ تغیر حفظ سے پہلے کا جسے آپ کے کبار اصحاب نے بھی ذکر کیا ہے، اسے تلقین کا نتیجہ قرار دینا غلط ہے، پس حدیث صحیح ہے۔

دلیل نمبر 8:

روی الامام أبو بکر عبدالله بن الزبیر الحمیدي: قال [حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قال] ثنا الزہری قال اخبرنی سالم بن عبداللہ عن ابیہ قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ حذو منکبیہ واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع راسہ من الرکوع فلایرفع ولا بین السجدتین،

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم

(مسند الحمیدی ج2ص277رقم614طبع بیروت،مسند ابی عوانۃ ج1ص334باب بیان افتتاح الصلوۃ)

اعتراض:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ روایت اثبات رفع الیدین کی تھی مگر حنفیو ں نے تحریف کر کے ترک رفع الیدین کی بنا دی ۔ نسخہ ظا ہریہ دمشقیہ میں اثبات ہی کی ہے ۔ (نور العینین ص68و ص71 وغیرہ)

جواب اول :

یہ روایت ”الحمیدی عن سفیان بن عیینہ “ کے طریق سے مروی ہے ۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو اس طریق سے تخریج نہیں کیا ۔ اپنے ”جزء رفع الیدین“ میں امام حمیدی کے طریق سے موقوف روایت کو تو نقل کیا ہے لیکن مرفوع روایت کو تخریج نہیں کیا، حالانکہ امام بخاری کا ضا بطہ ہے :

قال الحاکم کا ن البخا ری اذا وجد الحدیث عند الحمیدی لا یعود ہ الی غیرہ•

(تقریب التہذیب: ج1 ص288، تہذیب التہذیب: ج3 ص142،جزء رفع الیدین ص272رقم 15)

اگر الحميدي عن سفیان ابن عیینۃ کے طریق والی روایت اثبات رفع الیدین عند الرکوع کی ہو تی تو امام بخاری اس کو ضرور تخریج کرتے۔ ثابت ہوا کہ بالیقین یہ روایت ترک رفع الیدین ہی کی ہے۔پس تحریف والا اعترا ض باطل ہے ۔

جواب نمبر2:

تحریف والا اعتراض اس لیے بھی باطل ہے کہ امام ابو عوانہ نے بھی من طریق سفیان عند الرکوع ترک رفع کی حدیث بھی نقل کی ہے ۔

(مسند ابی عوانۃ ج1ص334)

نیز امام محمد بن حارث القیروانی ااور امام بیہقی نے حضرت ابن عمر ہی سے دیگر طرق سے تر ک رفع الیدین عند الرکوع کی سند اً صحیح حدیثیں نقل کی ہیں ۔ (اخبا ر الفقہاء ص214، مسند ابی عوانہ : ج1 ص334، خلافیات البیہقی بحوالہ شرح سنن ابن ما جہ للمغلطائی: ج5 ص1472)

دلیل نمبر 9:

روی الإمام أبو عوانة يعقوب بن إسحاق الاسفرائني: قال حدثنا عبداللہ بن ایوب الْمُخَرِّمِيُّ و سَعْدان بن نصر وشعیب بن عمر وفی آخَرِينَ قالوا حدثنا سفيان بن عيينۃ عن الزہری عن سالم عن ابیہ قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلوۃ رفع یدیہ حتی یحاذی بھما وقال بعضھم حذو منکبیہ واذا اراد ان یرکع وبعد ما یرفع راسہ من الرکوع لایرفعھما وقال بعضھم ولایرفع بین السجدتین، اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم

(مسند ابی عوانۃ ج1ص334 بيان رفع اليدين في افتتاح الصلاة قبل التكبير بحذاء منكبيه وللركوع ولرفع رأسه من الركوع وأنه لا يرفع بين السجدتين، رقم1251، الخلافيات للبيهقي بحوالہ شرح سنن ابن ماجہ لمغلطائی ج5ص1472باب رفع الیدین اذا رکع واذارفع راسہ من الرکوع)

وقال الامام ابو عبد اللہ المغلطائی: حدیث لاباس بہ• (شرح سنن ابن ماجہ لمغلطائی ج5ص1472)

دلیل نمبر 10:

روی الامام الحافظ ابوعبداللہ محمد بن الحارث الخشنی القیروانی : قال حدثنی عثمان بن محمد قال قال لی عبیداللہ بن یحیی حدثنی عثمان بن سوادۃ ابن عباد عن حفص بن میسرۃ عن زید بن اسلم عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ نرفع ایدِیَنا فی بدء الصلوۃ وفی داخل الصلوۃ عندالرکوع فلما ھاجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینۃ ترک رفع الیدین فی داخل الصلوۃ عندالرکوع وثبت علی رفع الیدین فی بدء الصلوۃ•

اسنادہ صحیح ورواتہ ثقات•

(اخبار الفقہاء والمحدثین للقیروانی: ص214تحت رقم الترجمۃ378طبع بیروت)

اعتراض:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس روایت کے راوی محمد بن حا رث نے روایت ذکر کرنے سے پہلے تصریح کی ہے :

وھو من غرا ئب الحدیث وارا ہ من شواذ ھا (اخبار الفقہاء والمحدثین ص214)

یعنی یہ حدیث غریب بلکہ شا ذ ہے ۔لہذا ضعیف و ناقابل استدلال ہے۔

جواب اول :

غرا بت وجہ ضعف نہیں ہے ۔ایسا ممکن ہے کہ حدیث غریب ہو اور صحیح بھی ہو۔چنانچہ امام حا کم ایک حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

رواه البخاري في الجامع الصحيح --- وهو من غرائب الصحيح (معرفت علوم الحديث :ص:94)

آگے لکھتے ہیں:

رواه مسلم في المسند الصحيح عن أبي بكر بن أبي شيبة وغيره عن سفيان وهو غريب صحيح (معرفت علوم الحديث :ص95)

جواب ثا نی:

غیر مقلدین اگر یہ کہیں کہ عثمان بن سواده (جس کا ترجمہ امام قیروانی لائے ہیں) غریب حدیث لاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری ومسلم کے بہت سے راوی غریب الحدیث ہیں: مثلاً

1:امام احمد بن صبا ح النہشلی ۔۔ثقہ ،حا فظ ، لہ غرا ئب ۔(تقریب ج1ص16)

2: امام ابرا ہیم بن اسحا ق البنانی ۔۔صدوق، يَغْرُبُ (تقریب ص 25ج1)

3:امام اسبا ط بن نصر۔۔۔صدوق ، کثیر الخطاء ، يَغْرُبُ (تقریب ص40ج1)

4ابراہیم بن طحمان الخراسانی۔۔ثقہ ، يَغْرُبُ (تقریب ص29ج1)

5:حکام بن سلم۔۔ثقہ ، لہ غرا ئب (تقریب ص132ج1)

لہذا یہ اعتراض باطل ہے۔

جواب ثا لث :

شا ذ کی دو تعریفیں کی گئیں ہیں :

1: فأما الشاذ فإنه حديث يتفرد به ثقة من الثقات۔(معرفت لعلوم الحديث للحا كم ص119)

یعنی تفرد من الثقات کو شاذ کہا جاتا ہے لیکن یہ تعریف مرجوح ہے، راجح تعریف یہ ہے:

2: قال الشافعي ليس الشاذ من الحديث أن يروي الثقة ما لا يرويه غيره هذا ليس بشاذ إنما الشاذ أن يروي الثقة حديثا يخالف فيه الناس هذا الشاذ من الحديث (معرفت لعلوم الحديث للحا كم ص119، مقدمۃ ابن الصلاح ص76 وغیرہ)

اسی کو حافظ ابن حجر نے راجح فرمایا ہے:

وهذا هو المعتمد في تعريف الشاذ، بحسَبِ الاصطلاح (نزہۃ النظر ص 213، الشرح للقاری ص336)

مخا لفت ثقات والی تعریف جو کہ راجح ہے حدیث ابن عمر پر صا دق نہیں آتی کیو نکہ کسی ثقہ راوی نے ایسی کوئی صحیح حدیث بیان نہیں کی جس میں وفات تک کے الفاظ مروی ہوں۔ لہذا یہ حدیث تفرد من الثقات کے قبیل سے ہے جو جمہور ائمہ فقہاء ومحدثین کے ہا ں بالاتفاق مقبو ل ہے:

قال الجمهور من الفقهاء وأصحاب الحديث زيادة الثقة مقبولة إذا انفرد بها(الکفایہ ص365)

لہذا شاذ وغریب ہونے کی جر ح مردود ہے اور یہ حد یث صحیح اور حجت ہے ۔

دلیل نمبر11:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْروبْنِ عَطَاءٍ اَنَّہٗ كَانَ جَالِسًا مَعَ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ و سلم فَذَكَرْنَا صَلٰوۃَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ و سلم فَقَالَ اَبُوْحُمَيْدِ السَّاعِدِیُّ رضی اللہ عنہما اَنَا كُنْتُ اَحْفَظُكُمْ لِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و سلم رَاَ يْتُہٗ اِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْہِ حَذْوَ مَنْكَبَيْہِ وَاِذَا رَكَعَ اَمْكَنَ يَدَيْہِ مِنْ رُكْبَتَيْہِ ثُمَّ هَصَرَظَهْرَہٗ فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَہٗ اِسْتَوٰى حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَّكَانَہٗ وَاِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْہِ غَيْرَمُفْتَرِشٍ وَّلَا قَابِضَہُمَا الخ

(صحیح البخاری: ج1ص114‘ صحیح ابن خزیمۃ؛ ج1ص298)

اعتراض:

عدمِ ذکر سے نفی ذکر لازم نہیں آتا۔ محمد قاسم نانوتوی(بانی مدرسہ دیوبند)نے لکھا: ”مذکورنہ ہونا معدوم ہونے کی دلیل نہیں۔“ اور سنن ابی داؤد میں حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والے رفع یدین کا ذکر موجود ہے۔

جواب:

اولاً: ہمارا مؤقف یہ ہے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا جائے،اس کے علاوہ

پوری نماز میں رفع یدین نہ کیا جائے۔ صحیح بخاری کی اس حدیث میں حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا ذکر کرتے ہیں،باقی مقامات کا ذکر نہیں کرتے۔اس سے ہمارا مؤقف ثابت ہے۔ نیز حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا قول اس استدلال کے خلاف نہیں،اس لیے کہ اصول ہے:

السکوت فی معرض البیان بیان(مرعاۃ المصابیح لعبیداللہ المبارکپوری ج3 ص385،روح المعانی ج18ص7)

وہ مقام جہاں ایک شے کو بیان کرنا چاہیے،وہاں اس کے بیان کو چھوڑنے کا مطلب اس شے کا عدم بیان کرنا ہوتاہے۔

حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نماز کے اس نقشہ کو بیان فرمارہے ہیں جو دیکھنے سے نظر آتا ہے کمافی الحدیث ''رایتہ'' (میں نے انہیں دیکھا)۔ اگررفع الیدین عندالرکوع وبعد الرکوع ہوتا تو ضرور بیان کرتے ۔معلوم ہو ا کہ یہ رفع یدین نہیں ہوتا تھا۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا قاعدہ مطلق ہے اور ہمارا بیان کردہ اصول ایک قید ''فی معرض البیان''کے ساتھ مقید ہے۔دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔

ثانیاً: ابو داؤد کی محولہ روایت کا تفصیلی جواب تو غیر مقلدین کی دلیل نمبر5 کے تحت آئے گا۔ مختصراً عرض ہے کہ اس روایت میں ایک راوی عبدالحمید بن جعفر ہے جو کہ ضعیف، خطاکار اور قدری ہے۔امام نسائی،امام ابوحاتم،امام سفیان ثوری،امام یحییٰ بن سعید القطان،امام یحییٰ بن معین،امام ابن حبان،امام ترمذی،امام طحاوی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اس پر جرح کی ہے۔نیز یہ روایت منقطع بھی ہے کہ محمد بن عمرو بن عطاء کا سماع حضرت ابوقتادہ سے نہیں اور سنداً متناًبھی یہ روایت مضطرب ہے۔ لہذا یہ روایت نا قابلِ احتجاج ہے۔

دلیل نمبر 12:

روی الامام الحافظ المحدث مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري: حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة وأبو كريب قالا حدثنا أبو معاوية عن الأعمش عن المسيب بن رافع عن تميم بن طرفة عن جابر بن سمرة قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال مالي أراكم رافعي أيديكم كأنها أذناب خيل شمس اسكنوا في الصلاة

(صحیح مسلم ج1ص181باب الامر بالسکون فی الصلوۃ ، السنن الکبری للبیہقی ج2ص280جماع ابواب الخشوع فی الصلوۃ والاقبال علیہا ، صحیح ابن حبان ص584رقم1878باب ذکر مایستحب للمصلی رفع الیدین ، سنن ابی داؤد ج1ص150باب فی السلام،سنن النسائی ج1ص176باب السلام بالایدی فی الصلوۃ)

اعتراض:

غیر مقلدین کہتے ہیں حدیث جا بر بن سمرہ میں اشارہ عند السلام فی التشہد سے منع کیا گیا ہے،ترک رفع الیدین سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی لیے علماء نے اسے باب السلام میں ذکر کیا ہے نہ کہ باب رفع الیدین میں ۔نیز علما ء دیوبند سے پہلےکسی نے بھی اس حدیث سے نفی اور منع رفع یدین پر استدلال نہیں کیا۔

جواب شق 1:

اس حدیث کا ترک رفع الیدین سے تعلق ہے، کیونکہ اس میں ''اسکنوا في الصلاۃ'' کےالفاظ ہیں اورعلامہ بدر الدین عینی اور امام زیلعی نے اس حد یث کے متعلق تصریح کی ہے: انما یقال ذلک لمن یر فع یدیہ فی اثناء الصلوۃ وھو حا لۃ الرکوع او السجود ونحو ذلک

(شرح سنن ابی داؤد للعینی ج3ص297، نصب الرا یہ ج1ص472)

لہذا اس کا تعلق منع رفع یدین کے ساتھ ہے نہ کہ تشہد کے ساتھ ۔

جواب شق2:

علماء نے اس حدیث کو رفع یدین یا ترک رفع یدین کے باب میں بھی ذکر فرمایا ہے، مثلاً۔

1:علامہ زمحشری نے اس حدیث کو ''باب لا تر فع الایدی فی الصلوۃ الا عند افتتاح الصلوۃ'' میں ذکر کیا ہے ۔

(رؤوس المسائل الخلافیہ بین الحنفیۃ والشافعیۃ ج1ص156)

3: امام ابو محمد علی بن زکر یا المنبجی نے اس حدیث کو ''باب لاترفع الایدی عند الرکوع ولا بعد الرفع منہ '' میں ذکر کیا ہے ۔

(اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب ج1ص256)

4: امام ابو الحسن القدوری اس حدیث کو "باب لا ترفع الیدین فی تکبیر الرکوع" میں لائے ہیں -(التجرید للقدوری ج2ص519)

جواب شق3:

علماء و فقہاءنے اس حدیث سے نفی اور منع رفع یدین پر استدلال کیا ہے۔مثلاً:

1: قال الامام النووی: وقال أبو حنيفة والثوري وابن ابى ليلي وسائر اصحاب الرأى لا يعرف يديه في الصلاة الا لتكبيرة الاحرام وهى رواية عن مالك واحتج لهم بحديث البراء بن عازب رضي الله تعالي عنهما... وعن جابر بن سمرة رضي اللله عنه قال " قال رسول الله صلي الله عليه وسلم مالى اراكم رافعي ايديكم

(المجموع شرح المهذب ج3 ص400 فصل في مسائل مهمة تتعلق بقراءة الفاتحة)

2: قال الامام ابن عبد البر: وقد احتج بعض المتأخرين للكوفيين ومن ذهب مذهبهم في رفع اليدين بما حدثنا... عن جابر بن سمرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مالي أراكم(التمهيد لابن عبد البر ج4ص194)

3: امام ابو الحسن القدوری: (التجرید للقدوری ج2ص519 باب لا ترفع الیدین فی تکبیر الرکوع)

4: علامہ زمحشری: (روس المسائل الخلافیہ بین الحنفیۃ والشافعیۃ ج1ص 156باب لا ترفع الایدی فی الصلوۃ الا عند افتتاح الصلوۃ)

5: امام ابو محمد علی بن زکر یا المنبجی: (اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب ج1ص256 باب لاترفع الایدی عند الرکوع ولا بعد الرفع منہ)

6: علامہ زیلعی • (نصب الرایہ ج1ص472)

7:علامہ عینی• (شرح سنن ابی داود ج3ص29)

8:ملاعلی قاری•(فتح باب العنایہ ج1ص258)

دلیل نمبر 13:

روی الامام الحافظ المحدث أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي: قال حدثنا ابن ابی داؤد قال حدثنا نعیم بن حماد قال ثنا الفضل بن موسی قال ثنا ابن ابی لیلی عن نافع عن ابن عمروعن الحکم عن مقسم عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ترفع الایدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصلوۃ وعند البیت وعلی الصفا والمروۃ وبعرفات وبمزدلفۃ عندالجمرتین ۔

وبہ قال حدثنا فہد ثنا الحمانی قال المحاربی عن ابن ابی لیلی عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثلہ،

(سنن الطحاوی ج1ص416باب رفع الیدین عند رؤیۃ البیت،المعجم الکبیرللطبرانی ج5ص428رقم الحدیث 11904،صحیح ابن خزیمۃ ج4ص209رقم2703باب کراہیۃ رفع الیدین عند رؤیۃ البیت)

اعتراض:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ابن عبا س اور ابن عمر کی سند میں قاضی ابن ابی لیلی ہے، اور یہ ضعیف ہے-

جواب:

امام ابن ابی لیلی کی جمہور ائمہ نے تعدیل وتو ثیق کی ہے ،مثلاً

1: امام احمد بن یونس [شیخ البخاری]: كان أفقه أهل الدنيا. (میزان الاعتدال ج4ص175 ، تذکرۃ الحفاظ ج1 ص129)

2: امام زائدة: كان أفقه أهل الدنيا. (سیر اعلام النبلاء ج6 ص311)

3: امام أحمد بن عبدالله العجلی: كان فقيها صدوقا، صاحب سنة، جائز الحديث، قارئا عالما، قرأ عليه حمزة الزيات

(میزان الاعتدال ج4ص175 ، تہذیب التہذیب)

4: امام ابو یوسف القاضی: ما ولى القضاء أحد أفقه في دين الله، ولا أقرأ لكتاب الله، ولا أقول حقا بالله، ولا أعف عن الاموال - من ابن أبي ليلى. (میزان الاعتدال ج4 ص176)

5: امام ابو حاتم الرازی: محله الصدق كان سيئ الحفظ(الجرح و التعدیل ج7ص322)

6: امام ابو زرعہ الرازی: ھو صالح لیس باقوی ما یکون(الجرح و التعدیل ج7ص322)

7: امام عطاء بن ابی رباح: قال ابن أبي ليلى: دخلت على عطاء، فجعل يسألني، فكأن أصحابه أنكروا عليه ذلك، وقالوا: تسأله ؟ قال: وما تنكرون ؟ هو أعلم منى. (ميزان الاعتدال ج4 ص176)

8: حافظ ابن حجر: له ذكر في الاحكام من صحيح البخاري قال أول من سأل على كتاب القاضي البينة ابن أبي ليلى وسوار.

(تہذیب التہذیب ج 5ص706)

9: امام سفیان الثوری: فقهاؤنا ابن أبي ليلى وابن شبرمة (تہذیب التہذیب ج 5ص707)

10: امام ترمذی: کئی مقامات پر اس کی حدیث کو حسن صحیح فرمایا ہے۔

(باب ما جاء في الرجل يقرأ القرآن على كل حال ما لم يكن جنبا،باب ما جاء متى تقطع التلبية في العمرة ، باب ما جاء في كراهية الشرب في آنية الذهب والفضة وغيره)

11: امام ذہبی: حديثه في وزن الحسن (تذکرۃ الحفاظ ج1ص128)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام ابن ابی لیلی عند الجمہو ر فقیہ ، ثقہ ، صدوق اور عادل ہے۔ چونکہ ان پر کچھ جرح بھی ہے (کما مر) اس لیے اصولاً یہ حسن الحدیث درجے کا راوی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ذہبی نے تصریح کی ہے کہ امام ابن ابی لیلی حسن الحدیث ہیں اور جب دیگراحادیث اس کی روایت کی متا بعت کریں تو یہ درجہ صحیح کو پہنچ جائے گی۔یہی بات علامہ شاکر غیر مقلد نے لکھی ہے:

و مثل ہذا [ابن ابی لیلی]لا يَقِلُّ حديثُه عن درجة الحسن المحتج بہ و اذا تابعہ غیره كان الحديث صحيحا

(شرح جامع التر مذی لاحمد محمد شاکر غیر مقلد بحوا لہ نور الصبا ح ج1 ص166، 167)

لہذا یہ اعترا ض باطل ہے اور حدیث حسن درجہ کی ہے اور حجت ہے ۔

احادیث موقوفہ

خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ترک رفع یدین:

دلیل نمبر 1:

روی الامام الحافظ المحدث ابويعلى أحمد بن علي بن المثنى الموصلي التميمي : قال حدثنا اسحاق بن ابی اسرائیل حدثنا محمد بن جابر عن حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر فلم یرفعوا ایدیهم الا عند افتتاح الصلوۃ وقد قال محمد فلم یرفعوا ایدیہم بعدالتکبیرۃ الاولی،

تحقیق السند: اسنادہ حسن و رواتہ ثقات

(مسندابی یعلی ص 922 رقم الحدیث 5036، کتاب المعجم لابی بکر اسماعیلی ج2ص693،692رقم154 ، الکامل لابن عدی ج7ص337 رقم الترجمۃ 1646)

ملحوظہ: اس روایت کے ایک راوی محمد بن جابر پر غیر مقلدین اعتراض کرتے ہیں۔ اس کا جواب احادیث مرفوعہ دلیل نمبر 5 کے تحت گزر چکا ہے۔

دلیل نمبر 2:

روی الامام الحافظ الفقیہ ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی: قال اخبرنا ابوبکر بن عبداللہ النہشلی عن عاصم بن کلیب الجرمی عن ابیہ وکان من اصحاب علی ان علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کان یرفع یدیہ فی التکبیرۃ الاولیٰ التی یفتتح بها الصلوۃ ثم لایرفعهما فی شیئ من الصلوۃ

تحقیق السند: اسنادہ صحیح و رواتہ ثقات۔

(موطا امام محمد ص94باب افتتاح الصلوۃ ،کتاب الحجۃ:ج1ص76باب افتتاح الصلوۃ و ترک الجہر ، المدونۃ الکبری ج1ص166 باب فی رفع الیدین فی الرکوع والاحرام)

اعتراض :

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ یہ روایت منکر ہے، کیونکہ امام بخاری نے عبد الرحمن بن مہدی کا قول نقل فرمایا ہے:

قال عبد الرحمن بن مہدی ذکرت للثوری حدیث النہشلی عن عاصم بن کلیب فا نکرہ(جزء رفع الیدین ص267)

نیز ابو بکر النہشلی ضعیف راوی ہے۔

جواب نمبر1:

امام بخا ری نے امام سفیا ن ثوری سے اس جرح کی سند متصل بیان نہیں کی ۔لہذا اس جرح کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے یہ جرح ناقابل قبول ہے۔مزید یہ کہ امام عبد الرحمن بن مہدی سے امام بخا ری کی ملاقات ثابت نہیں ۔کیو نکہ امام بخا ری کی پیدا ئش سن 194ھ میں بخارا میں ہو ئی اور امام عبدالرحمن بن مہدی کی وفات سن 198 ھ میں بصرہ میں ہو ئی ۔

جواب نمبر2:

اس حدیث کا مدار امام ابو بکر النہشلی کو فی پر ہے جو عند الجمہور ثقہ ، صا لح ، حا فظ ، صدوق ،ثبت ، حسن الحدیث ہیں ۔ آپ صحیح مسلم کے راوی ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج6ص315، تا ریخ الثقات للعجلی ص493،المعرفت والتا ریخ ج3ص237، صحیح مسلم ج1ص213، الجرح والتعدیل ج9ص407)

لہذا حدیث علی صحیح اور حجت ہے ۔

جواب نمبر3:

امام سفیان ثوری کو فی م 161ھ خود تر ک رفع الیدین پر عا مل ہیں۔ (فقہ سفیا ن ثوری ص560، عمدۃ القاری ج4ص380)

اور ترک کی روایت عاصم بن کلیب سے نقل کرتے ہیں۔(سنن النسائی ج 1 ص161،162باب الرخصۃ فی ترک ذلک)

امام ابو بکر نہشلی کو فی (م 166ھ) بھی ترک کی روایت عاصم بن کلیب سے ہی نقل کرتے ہیں (موطا امام محمد ص94)

تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جس روایت کو امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مذہب کی بنیاد بناتے ہیں اس کا انکار کر بیٹھیں؟!! پس یہ جرح باطل ہے۔

دلیل نمبر 3:

روی الامام زید بن علی بن الحسین بن علی الہاشمی عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ عنہ عن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ انہ کان یرفع یدیہ فی التکبیرۃ الاولی الی فروع اذنیہ ثم لایرفعہماحتی یقضی صلوتہ ۔

تحقیق السند: اسنادہ صحیح وراتہ ثقاۃ

(مسند الامام زید ص89 باب التکبیر فی الصلوۃ ،ص149باب الصلوۃ علی المیت و کیف یقال ذلک)

دیگر صحابہ کرام اور ترک رفع یدین :

دلیل نمبر 1:

روی الامام الاعظم ابوحنیفۃ التابعی الکوفی : عن حماد عن ابراہیم عن الاسود ان عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کان یرفع یدیہ فی اول التکبیر ثم لایعود لشیئ من ذالک،

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین۔

(مسند ابی حنیفۃ بروایۃ الحارثی ج2 ص502 رقم الحدیث 801 ،جامع المسانید بروایۃ الخوارزمی ج1ص355رقم1867 ، ،مختصر خلافیات البیہقی لاحمد بن فرح ج2ص77)

دلیل نمبر 2:

روی الامام أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي : قال حدثنا ابوبکر بن عیاش عن حصین عن مجاہد قال ما رایت ابن عمر یرفع یدیہ الا فی اول ما یفتتح ،

تحقیق

السند: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج1ص268رقم13باب من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود)

فائدہ: یہ طریق صحیح بخاری میں بھی موجود ہے: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ [بن عیاش] الخ

(ج1ص274باب الاعتکاف فی العشر الاوسط من رمضان)

دلیل نمبر 3:

روی الامام ابوجعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي : قال حدثنا ابن ابی داؤد قال ثنا احمد بن یونس قال ثنا ابوبکر بن عیاش عن حُصَيْنٍ عن مجاہد قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیہ الا

فی التکبیرۃ الاولیٰ من الصلوۃ۔
تحقیق السند: اسناده صحیح علی شرط الشیخین
(سنن الطحاوی ج1ص163باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود)
فائدہ: یہ طریق صحیح بخاری میں بھی موجود ہے: أَبُو بَكْرٍ [ابْن عَيَّاشٍ]عَنْ حُصَيْنٍ الخ(ج2ص725 بَاب قولہ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ)
اعتراض:
غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک راوی ابو بکر بن عیاش ہے۔ اس کا آخری عمر میں حافظہ خرا ب ہو گیا تھا اور یہ اختلاط کا شکا ر ہو گیا تھا ۔
جواب نمبر1:
امام ابو بکر بن عیاش صحیح بخاری، صحیح مسلم (مقدمہ) اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اورعند الجمہور ثقہ ہیں۔ مثلاً:
امام عبد اللہ بن مبارک: أثنی علیه.
امام احمد بن حنبل: صدوق صالح صاحب قرآن وخبر۔۔ ثقة
امام بخاری: اخرج عنہ فی صحیحہ
امام مسلم: اخرج عنہ فی صحیحہ
امام ابن خزیمۃ: اخرج عنہ فی صحیحہ
عثمان الدارمی: من أهل الصدق والامانة
امام ابوحاتم الرازی: أصح کتابا۔۔ أبو بکر أحفظ منه [ای من عبد الله بن بشر] وأوثق
امام ابن حبان: ذكره في الثقات
امام عبد اللہ بن عدی: لم أجد له حديثا منكرا
امام العجلی: كان ثقة قديما صاحب سنة وعبادة
امام ابن سعد: وكان ثقة صدوقا عارفا بالحديث والعلم
امام ثوری، امام ابن المبارک، امام ابن مہدی: يثنون عليه
امام یعقوب بن شیبۃ: شيخ قديم معروف بالصلاح البارع وكان له فقه كثير وعلم باخبار الناس ورواية للحديث
امام الساجی: صدوق یهم• (تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی: ج7 ص 308 تا ص311)
نیز آپ اس روایت کے بیا ن کر نےمیں منفرد نہیں بلکہ امام محمد حسن بن الشیبانی ثقہ وصدوق نے ان کی متا بعت معنوی کی ہے۔مثلاً:
قال محمد اخبرنا محمد بن الابان بن صالح عن عبد العزیز بن حکیم قال رایت ابن عمر یرفع یدیہ حذاء اذنیہ فی اول تکبیرۃ افتتاح الصلوۃ و لم یرفعہما فیما سوی ذلک۔(موطا امام محمد ص93 باب افتتاح الصلوۃ، کتا ب الحجہ لامام محمد ج1ص76 باب افتتاح الصلوۃ)
پس الزام اختلاط باطل ہے۔
جواب نمبر2:
امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ مختلط راوی کے متعلق ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں:
وحكم المختلط أنه لا يُحتج بما روى عنه فى الاختلاط أو شك فى وقت تحمله، ويحتج بما روى عنه قبل الاختلاط، وما كان فى الصحيحين عنه محمول على الأخذ عنه قبل اختلاطه.(تہذیب الاسماء واللغات للنووی ج1ص242)
یعنی جو راوی اختلاط کا شکار ہو گئے ہوں تو امام بخا ری ومسلم ان کے ایسے شاگردوں کی روایتیں تخریج کرتے ہیں جن کا سما ع قبل الاختلاط والتغیر ہوتاہے ۔ ہماری پیش کردہ روایت ”ابن أبي شيبة عن ابی بکر بن عیاش“ اور”احمد بن یونس عن ابی بکر بن عیاش“ کے طریق سے مروی ہے اور یہی طریق صحیح بخاری میں موجود ہیں۔
1: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ [بن عیاش] الخ (ج1ص274باب الاعتکاف فی العشر الاوسط من رمضان)
2: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ[بن عیاش] الخ (ج2ص725 بَاب قولہ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا

لہذا یہ بات با لتحقیق ثابت ہوئی کہ حدیث ابن عمر من طریق ابی بکر بن عیاش قبل الاختلاط والتغیر کی ہے، پس اعتراض باطل ہے ۔

دلیل نمبر 4:

قال الامام محمد الشیبانی: ان فقیہھم[اہل المدینۃ] مالک بن انس قدروی عن نُعَیْمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الْمُجْمِرِ وابی جعفر القاری انہما اخبراہ ان ابا ہریرۃ رضی اللہ عنہ کان یصلی بہم فیکبر کلما خَفَضَ ورفع ،قالا: وکان یرفع یدیہ حین یکبر ویفتتح الصلوۃ ۔ فہذا حدیثکم[یا اہل المدینۃ] موافق لعلی وابن مسعود رضی اللہ عنہمالا حاجۃ بنا معہما الی قول ابی ہریرۃ ونحوہ ولکنا احتججنا علیکم بحدیثکم• (کتاب الحجۃ للامام محمد ج1ص75باب افتتاح الصلوۃ وترک الجہر ببسم اللہ ،وموطا الامام محمد ص90باب افتتاح الصلوۃ)

تحقیق السند:اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین

دلیل نمبر 5:

قد روی الامام الحافظ المحدث أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي : قال حدثنا ابن فضیل عن عطاء عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال لاترفع الایدی الافی سبع مواطن اذا قام الی الصلوۃ واذا رای البیت وعلی الصفاوالمروۃ وفی عرفات و فی جمع وعند الجمار،

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج1ص 268،267 رقم الحدیث 11باب من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لایعود ،)

1500صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ترک رفع الیدین:

کوفہ وہ اسلامی شہر ہے جسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آباد کیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دارالخلافہ بنایا تھا۔ اس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی تعداد آکر قیام پذیر ہوئی۔ مؤرخین نے ان کی تعداد 1500 بیان کی ہے۔ چنانچہ امام احمد بن عبد اللہ بن صالح العجلی الکوفی م 261ھ فرماتے ہیں:

نزل الکوفۃ الف وخمس مائۃ من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم (تاریخ الثقات للعجلی ص517باب فیمن نزل الکوفۃ وغیرھا من الصحابۃ)

اور کوفہ میں قیام پذیر تمام حضرات نے شروع نماز کے علاوہ رفع یدین چھوڑ دیا تھا، جیسا کہ ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے:

1: قال ابن عبد البر م463ھ : قال الامام ابوعبداللہ محمد بن نصر الْمَرْوَزِيُّ فی کتابہ فی رفع الیدین من الکتاب الکبیر: لانعلم مصرا من الامصار یُنسَب الی اہلہ العلمُ قدیماً ترکوا باجماعہم رفع الیدین عندالخفض والرفع فی الصلوۃ الا اہل الکوفۃ

(التمہید لابن عبدالبر ج4ص187،الاستذکار لابن عبدالبر ج1ص408باب افتتاح الصلوۃ)

2: قال الامام المحدث ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذي : وبہ [ترک رفع الیدین]یقول غیرواحد من اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین وھو قول سفیان واہل الکوفۃ ،

(جامع الترمذی ج1ص59 باب رفع الیدین عندالرکوع،مختصر الاحکام للطوسی ج2ص104)

احادیث مقطوعہ

دلیل نمبر 1:

قد روی الامام الحافظ المحدث أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي : قال حدثنا ابن مبارک عن اشعث عن الشعبی انہ کان یرفع یدیہ فی اول التکبیر ثم لایرفعہما

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط مسلم

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج1ص267باب من کان یرفع یدیہ فی اول التکبیرۃ ثم لایعود، سنن الطحاوی ج1ص164باب التکبیرللرکوع والتکبیر للسجود)

دلیل نمبر 2:

روی الامام الحافظ المحدث أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي : قال حدثنا یحیی بن سعید عن اسماعیل قال کان قیس [بن ابی حازم البجلی الکوفی] یرفع یدیہ اول مایدخل فی الصلوۃ ثم لایرفعہما،

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج1ص267باب من کان یرفع یدیہ فی اول التکبیرۃ ثم لایعود،رقم10)

دلیل نمبر 3:

روی الامام الفقیہ محمد بن الحسن الشیبانی: قال اخبرنا محمد بن ابان بن صالح عن حماد عن ابراہیم النخعی قال لاترفع یدیک فی شیئ من الصلوۃ بعدالتکبیرۃ الاولی

تحقیق السند: اسنادہ صحیح رواتہ ثقات ۔

(موطاالامام محمد ص92باب افتتاح الصلوۃ)

دلیل نمبر 4:

روی الامام الحافظ المحدث أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي : عن الحجاج عن طلحۃ عن خَيْثَمَةَ وابراہیم قال کانا لایرفعان ایدیہما الا فی بدء الصلوۃ ،

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط مسلم

(مصنف ابن ابی شیبہ ج1ص267باب من کان یرفع یدیہ فی اول التکبیرۃ ثم لایعود)

دلیل نمبر 5:

روی الامام ابن ابی شیبۃ: قال حدثنا معاویۃ بن ہشیم عن سفیان بن مسلم الْجُهَنِيّ قال کان ابن ابی لیلی یرفع یدیہ اول شیئ اذاکبر،

تحقیق السند: اسنادہ جید

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج1ص268باب من کان یرفع یدیہ فی اول التکبیرۃ ثم لایعود)

دلیل نمبر 6:

روی الامام ابن ابی شیبۃ قال حدثنا وکیع وابواسامۃ عن شعبۃ عن ابی اسحاق قال کان اصحاب عبداللہ واصحاب علی لایرفعون ایدیہم الافی افتتاح الصلوۃ، قال وکیع ثم لایعودون

اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج1ص267باب من کان یرفع یدیہ فی اول التکبیرۃ ثم لایعود،،الاوسط فی السنن لابن المنذر ج3ص149،148،رقم الحدیث 1391باب ذکررفع الیدین عندالرکوع وعندالرفع)

بلاد اسلامیہ اور ترک رفع الیدین

اہل مدینہ اور ترک رفع الیدین:

امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ مدینہ منورہ کے فقیہ ہیں، آپ فرماتے ہیں:

لا اعرف رفع الیدین فی شیئ من تکبیر الصلوۃ، لا فی خفض ولا فی رفع الا فی افتتاح الصلوۃ۔۔قال ابن القاسم : وکان رفع الیدین عند مالک ضعیفا الا فی تکبیرۃ الاحرام•

(المدونۃ الکبری للامام مالک ج1ص165 باب فی رفع الیدین فی الرکوع والاحرام ،التمہید لابن عبدالبر ج4ص187)

اہل کوفہ اور ترک رفع الیدین:

1: قال الامام الحافظ ابن عبد البر القرطبي م463ھ : قال الامام ابوعبداللہ محمد بن نصر الْمَرْوَزِيُّ فی کتابہ فی رفع الیدین من الکتاب الکبیر: لانعلم مصرا من الامصار یُنسَب الی اہلہ العلمُ قدیماً ترکوا باجماعہم رفع الیدین عندالخفض والرفع فی الصلوۃ الا اہل الکوفۃ (التمہید لابن عبدالبر ج4ص187،الاستذکار لابن عبدالبر ج1ص408باب افتتاح الصلوۃ)

2: وقال ایضاً: فقال مالك فيما روى عنه ا بن القاسم يرفع للإحرام عند افتتاح الصلاة ولا يرفع في غيرھا۔۔ وھو قول الکوفیین ابی حنیفۃ وسفیان الثوری والحسن بن حُيَيّ وسائر فقھاء الکوفۃ قدیماً وحدیثاً•

(الاستذکار لابن عبدالبر ج1ص408 باب افتتاح الصلوۃ ،التمہید لابن عبدالبر ج4ص187)

ائمۃ مجتہدین اور ترک رفع الیدین

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ م 150ھ:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ عنہ اذا افتتح الرجل الصلوۃ کبر ورفع یدیہ حذو اذنیہ فی افتتاح الصلوۃ ولم یرفعھما فی شیئ من تکبیرالصلوۃ غیر تکبیرۃ الافتتاح

(کتاب الحجۃ للامام محمد ج1ص74 باب افتتاح الصلوۃ و ترک الجہر ببسم اللہ ،سنن الطحاوی ج1ص165باب التکبیر للرکوع و التکبیر للسجود الخ)

امام سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ م 161ھ:

قال الامام سفیان الثوری: ویرفع یدیہ الی حذاء اذنیہ مع ھذہ التکبیرۃ ثم لایرفعھما ابدا مع غیر ھذہ التکبیرۃ

(فقہ سفیان الثوری ص560،جزء رفع الیدین للبخاری ص128 رقم الحدیث 133)

امام مالک بن انس المدنی م179ھ:

قال الامام الفقیہ مالک بن انس المدنی :لا اعرف رفع الیدین فی شیئ من تکبیر الصلوۃ، لا فی خفض ولا فی رفع الا فی افتتاح الصلوۃ۔۔قال ابن القاسم : وکان رفع الیدین عند مالک ضعیفا الا فی تکبیرۃ الاحرام

(المدونۃ الکبری للامام مالک ج1ص165 باب فی رفع الیدین فی الرکوع والاحرام ،التمہید لابن عبدالبر ج4ص187)

امام ابو یوسف القاضی م181ھ:

[ترک رفع الیدین مع تکبیرۃ النھوض و تکبیرۃ الرکوع] وھو قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف و محمد رحمہم اللہ تعالی

(سنن الطحاوی ج1ص165 باب التکبیر للرکوع و التکبیر للسجود والرفع من الرکوع الخ)

امام محمد بن حسن الشیبانی م189ھ:

قال الامام ابو سلیمان الجوزجانی رحمہ اللہ: قلت:أ رأیت الرجل اذا صلی ہل یرفع یدیہ فی شیئ من تکبیرۃ الصلوۃ حین یرکع او حین یسجد او حین یرفع راسہ من الرکوع او حین یرفع راسہ من السجود ؟ قال: [الامام محمد بن الحسن الشیبانی] لایرفع یدیہ فی شیئ من ذلک الا فی التکبیرۃ التی یفتتح بہا الصلوۃ•

(کتاب الاصل المعروف بالمبسوط للامام محمد ج1ص13باب افتتاح الصلوۃ وما یصنع الامام ،موطا امام محمد ص90،91،سنن الطحاوی ج1ص165 باب التکبیر للرکوع و التکبیر للسجود والرفع من الرکوع الخ

غیر مقلدین کے دلائل کے جوابات

دلیل نمبر1:

وَحَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْحَافِظُ إِمْلاَءً حَدَّثَنَا أَبُو مُحَمَّدٍ : عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ حَمْدَانَ الْجَلاَّبُ بِهَمَذَانَ حَدَّثَنَا أَبُو حَاتِمٍ : مُحَمَّدُ بْنُ إِدْرِيسَ الرَّازِىُّ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ أَبِى مَرْحُومٍ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ بْنُ حَاتِمٍ عَنْ مُقَاتِلِ بْنِ حَيَّانَ عَنِ الأَصْبَغِ بْنِ نُبَاتَةَ عَنْ عَلِىِّ بْنِ أَبِى طَالِبٍ رَضِىَ اللَّهُ عَنْهُ : قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- (إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) قَالَ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم لِجِبْرِيلَ :« مَا هَذِهِ النَّحِيرَةِ الَّتِى أَمَرَنِى بِهَا رَبِّى عَزَّ وَجَلَّ. قَالَ : إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَحِيرَةٍ ، وَلَكِنَّهُ يَأْمُرُكَ إِذَا تَحَرَّمْتَ لِلصَّلاَةِ أَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ إِذَا كَبَّرْتَ ، وَإِذَا رَكَعْتَ ، وَإِذَا رَفَعْتَ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ ، فَإِنَّهَا صَلاَتُنَا وَصَلاَةُ الْمَلاَئِكَةِ الَّذِينَ فِى السَّمَوَاتِ السَّبْعِ.(السنن الکبری للبیہقی ج2ص76،75 باب رَفْعِ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ رَفْعِ الرَّأْسِ مِنْهُ)

جواب نمبر1:

یہ روایت موضوع ہے، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی ”اسرائیل بن حا تم الرازی“ ہے ۔ اس کے متعلق امام ابن حبان نے تصریح کی ہے کہ یہ موضوع روایات بیان کیا کرتا تھا:

روی عن مقاتل الموضوعات والاوابد والطامات(میزان الاعتدال ج1ص229رقم التر جمہ 977)

اور موضوع روایات کی مثال میں یہی روایت پیش کی ہے۔

امام مطہر بن طاہر المقدسي فرماتے ہیں: إسرائيل بن حاتم ومقاتل بن حبان والإصبع بن نباتة لا تقوم بهم حجة•

(كتاب معرفة التذكرة لابن طاهر المقدسي ص50)

دوسرا راوی ”اَصْبَغ بْن نُبَاتَة“ ہے، یہ بھی سخت مجروح ہے۔مثلاً:

کذاب،لیس بثقۃ،لیس بشئ،متروك، كان يقول بالرجعة، فتن بحب على، فأتى بالطامات، فاستحق من أجلها الترك.

(میزان الاعتدال ج1ص285رقم الترجمہ 1188)

جواب نمبر2:

محققین نے بھی اسے باطل اور ناقابل اعتبار قرار دیا۔امام بیہقی نے اس روایت کو بیان کر نے کے بعد فر مایا:

وَقَدْ رُوِىَ هَذَا وَالاِعْتِمَادُ عَلَى مَا مَضَى (السنن الکبری للبیہقی: ج2ص76)

کہ روایت مروی تو ہے لیکن اعتماد اس روایت پرہے جو پہلے بیان ہو چکی ۔ (یعنی اس روایت پر اعتماد نہیں کیا)

امام ابن حبان اور علامہ ابن الجوزی نے بھی اس روایت کو موضو ع اور باطل قرار دیاہے۔

(کتا ب المجرو حین لابن حبان ج1ص200،الموضوعات لابن جوزی ج2ص24)

دلیل نمبر2:

عَنْ أَبِي قِلاَبَةَ أَنَّهُ رَأَى مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ إِذَا صَلَّى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ الرُّكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ هَكَذَا (صحیح البخاری ج1 ص 102 بَاب رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا كَبَّرَ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ)

جواب نمبر1:

حضرت مالک بن الحویرث سے سجدوں کی رفع یدین بھی مروی ہے:

اذا سجد و اذا رفع راسہ من السجود حتی یحاذی بہما فروع اذنیہ

(سنن النسائی ج 1 ص165 باب رفع الیدین للسجود، سنن النسائی ج 1 ص172 باب رفع الیدین عند الرفع من السجدۃ الاولی، مسند احمد بن حنبل ج3ص533 رقم الحدیث 15606، 15610، السنن الکبری للنسائی ج1ص228 باب رفع الیدین للسجود رقم الحدیث 672،673،674، مسند ابی عوانہ ج1ص336، رقم الحدیث 1263، مشکل الآثار للطحاوی ج2 ص29، رقم الحدیث 631،632،633)

غیر مقلدین خود اس روایت پر پورا عمل نہیں کرتے اور سجدوں کی رفع یدین چھوڑ دیتے ہیں ۔ معلوم ہوا کہ یہ ان کے ہاں بھی معمول بہا نہیں۔

جواب نمبر 2:

حضرت مالک بن الحویرث سن 9 ھ میں 20 دن آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس رہ کر اپنے وطن چلے گئے۔

(صحیح البخاری ج1 ص87،88 مع فتح الباری ج2 ص145، ج8 ص138)

مگر آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ مسلسل رہنے والے صحابہ کرام سیدنا علی ، سیدنا ابن مسعود، سیدنا ابن عمر، سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہم وغیرہم نے واضح گواہی دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم شروع نماز میں تکبیر تحریمہ کی رفع یدین کے علاوہ تمام نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔(دلائل احناف میں ان کے حوالہ جات گزر چکے ہیں)

جواب نمبر3:

اس روایت میں رفع یدین کا ثبوت تو ہے لیکن دوام ثابت نہیں، آپ کا مقصد دوام کو ثابت کرنا ہے۔

دلیل نمبر3:

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلاَةَ وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنْ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذَلِكَ أَيْضًا وَقَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لاَ يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ (صحیح البخاری ج1 ص 102 بَاب رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي التَّكْبِيرَةِ الأُولَى مَعَ الاِفْتِتَاحِ سَوَاءً)

جواب نمبر1:

حضرت عبد اللہ بن عمرسے سجدوں کی رفع یدین، دو سجدوں کے درمیان کی رفع الیدین بلکہ ہر اونچ نیچ کی رفع الیدین بھی مروی ہے:

یرفع یدیہ فی الرکوع و السجود۔۔ کان یرفع یدیہ فی کل خفض ور فع و رکوع و سجود و قیام و قعود بین السجدتین۔۔۔ اذا رکع و اذا سجد۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج1 ص266 باب من کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوۃ، مشکل الآثار للطحاوی ج 2 ص20 رقم الحدیث 24، جزء رفع الیدین للبخاری ص48 رقم 83، المعجم الاوسط للطبرانی ج1 ص83)

غیر مقلدین خود اس روایت پر پورا عمل نہیں کرتے کیونکہ باقی مقامات کی رفع یدین چھوڑ دیتے ہیں ۔ تو یہ ان کے ہاں بھی معمول بہا نہیں۔

جواب نمبر2 :

حضرت عبد اللہ بن عمرسے ترک رفع الیدین عند الرکوع و السجود کی حدیث سندا صحیح موجود ہے (دلائل احناف میں ان کے حوالہ جات گزر چکے ہیں)

معلوم ہوا کہ رفع یدین ترک ہو چکی تھی اسی لیے تو ترک کی احادیث روایت کی ہیں۔

جواب نمبر3:

اس روایت میں رفع یدین کا ثبوت تو ہے لیکن دوام ثابت نہیں، آپ کا مقصد دوام کو ثابت کرنا ہے۔

جواب نمبر4:

یہ حدیث غیر مقلدین کے پورے عمل کی دلیل نہیں۔ اس لیے کہ اس میں ان کے قول و فعل کی یہ باتیں نہیں ہیں:

(1): دس مرتبہ کی نفی اور اٹھارہ کا ثبوت

(2) اس رفع الیدین کی فرض یا واجب ہونے کی تصریح

(3):وفات تک کے لفظ

(4):حدیث کی صحت آپ کی دو دلیلوں یعنی قرآن و حدیث سے

(5):یہ حکم کہ جو یہ رفع یدین نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی

دلیل نمبر4:

حدثنا زهير بن حرب حدثنا عفان حدثنا همام حدثنا محمد بن جحادة حدثني عبد الجبار بن وائل عن علقمة بن وائل ومولى لهم أنهما حدثاه عن أبيه وائل بن حجر أنه: رأى النبي صلى الله عليه وسلم رفع يديه حين دخل في الصلاة كبر وصف همام حيال أذنيه ثم التحف بثوبه ثم وضع يده اليمنى على اليسرى فلما أراد أن يركع أخرج يديه من الثوب ثم رفعهما ثم كبر فركع فلما قال سمع الله لمن حمده رفع يديه فلما سجد سجد بين كفيه۔

(صحيح مسلم ج 1ص 173باب وضع يده اليمنى على اليسرى بعد تكبيرة الإحرام ، رفع اليدين للبخاري ص30، سنن ابی داؤد ج1 ص112 باب رَفْعِ الْيَدَيْنِ)

جواب نمبر 1:

حضرت وائل بن حجر سے ہر تکبیر کے ساتھ اور سجدوں کی رفع یدین کا ثبوت بھی صحیح حدیث میں ہے:

و اذا رفع راسہ من السجود ایضاً رفع یدیہ حتی فرغ من صلوتہ ۔۔ واذا رکع و اذا سجد۔۔ رفع یدیہ مع کل تکبیرۃ

(سنن ابی داؤد ج1 ص112 باب رَفْعِ الْيَدَيْنِ، الآحاد و المثانی لابن ابی عاصم ص78،79 رقم الحدیث 2619، المعجم الکبیر للطبرانی ج9 ص150 رقم الحدیث 17529)

غیر مقلدین خود اس روایت پر پورا عمل نہیں کرتے کیونکہ باقی مقامات کی رفع یدین چھوڑ دیتے ہیں ۔ تو یہ ان کے ہاں بھی معمول بہا نہیں۔

جواب نمبر 2:

حضرت وائل بن حجر جب حجۃ الوداع کے موقع پر تشریف لائے تو واپس جانے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ چند نمازیں پڑھی ہیں۔ان نمازوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ صرف شروع کے رفع الیدین کی تصریح تو کرتے ہیں لیکن باقی مقامات کا رفع الیدین بیان نہیں کرتے۔ اگر باقی مقامات کا رفع الیدین باقی رہا ہوتا تو ضرور بیان کرتے۔ ثابت ہوا کہ باقی مقامات کا رفع الیدین ترک ہو چکا تھا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں ہے:

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِىَّ -صلى الله عليه وسلم- حِينَ افْتَتَحَ الصَّلاَةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيَالَ أُذُنَيْهِ - قَالَ - ثُمَّ أَتَيْتُهُمْ فَرَأَيْتُهُمْ يَرْفَعُونَ أَيْدِيَهُمْ إِلَى صُدُورِهِمْ فِى افْتِتَاحِ الصَّلاَةِ وَعَلَيْهِمْ بَرَانِسُ وَأَكْسِيَةٌ.(سنن ابی داؤد ج1 ص112 باب رَفْعِ الْيَدَيْنِ)

جواب نمبر3:

حضرت وائل بن حجر کے وطن واپس جانے کے 80 یا 90 دن بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی وفات ہوئی۔

(رسول اکرم کی نماز از اسماعیل سلفی ص53)

لہذا ن تین مہینوں میں آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے بالیقین رکوع اور سجود کی رفع یدین ترک کر دی تھی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلسل رہنے والے صحابہ کرام سیدنا علی ، سیدنا ابن مسعود، سیدنا ابن عمر، سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہم وغیرہم سے بسند صحیح مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم شروع نماز میں تکبیر تحریمہ کی رفع یدین کے علاوہ تمام

نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔(دلائل احناف میں ان کے حوالہ جات گزر چکے ہیں)

دلیل نمبر5:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ ح وَحَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى وَهَذَا حَدِيثُ أَحْمَدَ قَالَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ يَعْنِى ابْنَ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنِى مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا حُمَيْدٍ السَّاعِدِىَّ فِى عَشْرَةٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم مِنْهُمْ أَبُو قَتَادَةَ قَالَ أَبُو حُمَيْدٍ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلاَةِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم. قَالُوا فَلِمَ فَوَاللَّهِ مَا كُنْتَ بِأَكْثَرِنَا لَهُ تَبَعًا وَلاَ أَقْدَمَنَا لَهُ صُحْبَةً. قَالَ بَلَى. قَالُوا فَاعْرِضْ. قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلاَةِ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِىَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يُكَبِّرُ حَتَّى يَقِرَّ كُلُّ عَظْمٍ فِى مَوْضِعِهِ مُعْتَدِلاً ثُمَّ يَقْرَأُ ثُمَّ يُكَبِّرُ فَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِىَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَاحَتَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَعْتَدِلُ فَلاَ يَصُبُّ رَأْسَهُ وَلاَ يُقْنِعُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ فَيَقُولُ « سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ». ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِىَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ مُعْتَدِلاً ثُمَّ يَقُولُ « اللَّهُ أَكْبَرُ ». ثُمَّ يَهْوِى إِلَى الأَرْضِ فَيُجَافِى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَثْنِى رِجْلَهُ الْيُسْرَى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا وَيَفْتَحُ أَصَابِعَ رِجْلَيْهِ إِذَا سَجَدَ وَيَسْجُدُ ثُمَّ يَقُولُ « اللَّهُ أَكْبَرُ ». وَيَرْفَعُ رَأْسَهُ وَيَثْنِى رِجْلَهُ الْيُسْرَى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا حَتَّى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ إِلَى مَوْضِعِهِ ثُمَّ يَصْنَعُ فِى الأُخْرَى مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَاذِىَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلاَةِ ثُمَّ يَصْنَعُ ذَلِكَ فِى بَقِيَّةِ صَلاَتِهِ حَتَّى إِذَا كَانَتِ السَّجْدَةُ الَّتِى فِيهَا التَّسْلِيمُ أَخَّرَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَقَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلَى شِقِّهِ الأَيْسَرِ. قَالُوا صَدَقْتَ هَكَذَا كَانَ يُصَلِّى صلى الله عليه وسلم (سنن ابی داؤد ج1ص113 باب افْتِتَاحِ الصَّلاَةِ.)

جواب نمبر1:

اس کی سند میں ایک راوی عبد الحمید بن جعفر ہے ۔ائمہ نے اس پر کلام کیا ہے:

امام ابو حاتم الرازی: لا يحتج به (ميزان الاعتدال للذہبی ج2 ص539)

امام ابن حبان: ربما أخطأ(كتاب الثقات لابن حبان ج7ص122)

امام یحیی بن سعید القطان: يضعفه (الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي ج2 ص84)

امام سفيان الثوری: يضعفه (الضعفاء والمتروكين لابن الجوزي ج2 ص84)

علامہ ابن حجر: رمي بالقدر وربما وهم (تقريب التهذيب ص 333)

امام نسائی: ليس بالقوي (الضعفاء والمتروكين للنسائی ص211)

امام يحی بن معين: وكان يرى القدر (تہذيب الكمال للمزي ج6 ص30)

یہ تقدیر کا منکر بدعتی راوی ہے۔

اور قدریو ں کے متعلق امام مالک بن انس رحمہ اللہ علیہ کا فیصلہ ہے:

لا یصلی خلف القدریۃ ولا یحمل عنہم الحدیث ۔ (الکفایہ فی علم الروایہ ص124)

پس روایت ضعیف ہے۔

جواب نمبر2:

ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح البخاری میں موجود ہے (دلائل اہل السنت احناف میں دلیل نمبر 11 کے تحت موجود ہے)

لیکن اس میں شروع نماز میں رفع الیدین کا تو ذکر ہے بعد والی رفع الیدین کا ذکر نہیں ۔ کیونکہ اس میں عبد الحمید بن جعفر موجود نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ یہ تکبیر تحریمہ والا رفع الیدین عبد الحمید بن جعفر کی خطا ء کی وجہ سےزائد ہوا ہے، پس ناقابل حجت ہے۔

دلیل نمبر 6:

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِىٍّ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ الْهَاشِمِىُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِى الزِّنَادِ عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْفَضْلِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الأَعْرَجِ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِى رَافِعٍ عَنْ عَلِىِّ بْنِ أَبِى طَالِبٍ - رضى الله عنه - عَنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- أَنَّهُ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلاَةِ الْمَكْتُوبَةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَيَصْنَعُ مِثْلَ ذَلِكَ إِذَا قَضَى قِرَاءَتَهُ وَأَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ وَيَصْنَعُهُ إِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ وَلاَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِى شَىْءٍ مِنْ صَلاَتِهِ وَهُوَ قَاعِدٌ وَإِذَا قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ كَذَلِكَ وَكَبَّرَ.۔(سنن ابی داؤد ج1ص115، 116)

جواب:

اس روایت کی سند میں ایک راوی ”عبد الرحمن بن ابی الزناد“ہے جو کہ خطا کار، مضطرب

الحدیث ، ضعیف اور مجروح عند الجمہور ہے۔ ائمہ کی تصریحات:
امام احمد بن جنبل: مضطرب الحدیث (الجرح و التعدیل ج5 ص252)
امام یحییٰ بن معین: لا یحتج بحدیثہ ، ضعیف. (الجرح و التعدیل ج5 ص252، کتاب المجروحین لابن حبان ج2 ص 56)
امام نور الدین الہیثمی: ضعفہ الجمہور (مجمع الزوائد ج4ص406)
امام ابو حاتم الرازی: یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ (الجرح و التعدیل ج5 ص252)
امام النسائی: ضعیف (الضعفاء والمتروکین للنسائی ص207)
امام ابن حبان: کان ممن ینفرد بالمقلوبات عن الاثبات، وکان ذلك من سوء حفظه وکثرة خطئه (کتاب المجروحین : ج2 ص 56)
امام علی بن المدینی: کان عند أصحابنا ضعیفا (تاریخ بغداد ج10 ص228)
امام عبد الرحمن بن المہدی: خطط علی أحادیث عبد الرحمن بن أبي الزناد (تاریخ بغداد ج10 ص228)
امام محمد بن سعد: کان یضعف لروایته عن أبیه (تاریخ بغداد ج10 ص228)
امام صالح بن محمد: قد روی عن أبیه أشیاء لم یروها غیره (تاریخ بغداد ج10 ص228)
امام زکریا بن یحیی الساجي: فیه ضعف (تاریخ بغداد ج10 ص228)
علامہ ابن حجر: صدوق، تغیر حفظہ لما قدم بغداد (تقریب لابن حجر)
پس روایت ضعیف ہے۔

نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع صحیح السند روایت میں صرف تکبیر تحریمہ کی رفع یدین کا ذکر ہے(دلائل احناف میں دلیل نمبر1) معلوم ہوا کہ اس میں رفع یدین کا ذکر کرنا عبد الرحمن بن ابی الزناد کی خطا کی وجہ سے ہے جو ناقابل حجت ہے۔

دلیل نمبر7:

حضرت عبد اللہ بن زبیر فرماتے ہیں:

صلیت خلف أبی بکر الصدیق رضی الله عنه فکان یرفع یدیه إذا افتتح الصلاة ، وإذا رکع ، وإذا رفع رأسه من الرکوع ، وقال أبو بکر : صلیت خلف رسول الله -صلى الله عليه وسلم- فکان یرفع یدیه إذا افتتح الصلاة ، وإذا رکع ، وإذا رفع رأسه من الرکوع. (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص73)

جواب نمبر1:

اولاً........ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے با سندِ حسن ترک رفع یدین ثابت ہے۔
(دیکھیے دلائل اہل السنت و الجماعت ؛مرفوع دلیل نمبر5)
ثانیاً........ اس کی سند میں ایک راوی ابو النعمان محمد بن فضل سدوسی المعروف ''عارم''ہے۔ تقریباً 213ھ میں اس کا حافظہ متغیر ہوگیا تھا [المیزان للذہبی: ج4 ص7 وغیرہ] جس کی وجہ سے یہ اختلاط کا شکار ہو گیا تھا اور اس کی عقل زائل ہو گئی تھی۔ اس لیے اس راوی پر امام بخاری رحمہ اللہ اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ سمیت دیگر بہت سے محدثین نے یہی جرح کی ہے۔ مثلاً:

1: امام بخاری ؒم652:

محمد بن الفضل ابو النعمان السدوسی البصری یقال لہ عارم تغیر بآخرہ۔(تاریخ الکبیرللبخاری ج1ص208رقم الترجمۃ 654)

2: امام ابو داود م275 ھ (الضعفاء الکبیر للعقیلی ج4ص122،121)
3: امام ابوحاتم الرازی م277ھ (الجرح والتعدیل للرازی ج8ص70،69، سیراعلام النبلا ء للذہبی ج7ص464)
4: امام موسی بن حماد (الضعفاء الکبیر للعقیلی ج4ص122،الکفایہ فی علم الروایہ للخطیب ص136)
5: امام ابراھیم الحربی م285 ھ (الکفایہ فی علم الروایہ للخطیب136،الکواکب النیرات لا بن الکیال ص99)
6: امام عقیلی م322ھ (الضعفا ء الکبیر للعقیلی ج4ص121وغیرہ)
7: امام ابن ابی حاتم الرازی م327ھ (الجرح والتعدیل للرازی ج8ص69)
8: امام امیۃ الا ھوازی (الضعفا ء الکبیر للعقیلی ج4ص123 وغیرہ)
9: امام ابن حبان م354ھ (تہذیب التہذیب لابن حجر ج5ص258، سیر اعلام النبلاء للذہبی ج7ص465، الضعفاء والمتروکین لابن جوزی ج2ص91-92)

11: امام ابو الولید الباجی م474ھ (التعدیل والتجریح للباجی ج2ص676،675)
12: امام ابن الجوزی م598ھ (الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج3ص92،91)
13: امام ابن الصلاح م642ھ (مقدمۃ ابن الصلاح ص368)
14: امام نووی 676 (تقریب مع التدریب ج2ص329، 323)
15: امام ابو الحجاج المزی م742ھ (تہذیب الکمال للمزی ج9ص273، 272)
16: امام ذہبی م748ھ (العبر للذہبی ج1ص195،تذکرۃ الحفاظ للذہبی ج1ص301)
17: امام ابن کثیر الدمشقی م774 ھ (اختصار علوم الحدیث: ص239)
18: امام عراقی م804ھ (فتح المغیث للعراقی ص460،459،454)
19: امام ابن حجر عسقلانی م852ھ (تقریب لابن حجر ج2ص547، تہذیب لا بن حجر ج5ص258)
20: امام ابوبکر سیوطی م911ھ (تدریب الراوی للسیوطی ج2ص323،329)
21: امام احمد بن عبداللہ الخزرجی م923ھ (خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال للخزرجی ص356)
22: امام محمد بن احمد الکیال م926ھ (الکواکب النیرات فی معرفۃ من اختلط من الرواۃ الثقات لابن الکیال ص98،97)
23: امام ابن العماد الحنبلی م1089ھ (شذرات الذہب لابن العماد ج2ص159)

مندرجہ بالا ائمہ کے نزدیک محمد بن فضل سدوسی مختلط اور متغیر الحافظہ راوی ہے اور اس مخلتلط راوی [محمد بن فضل]کے بارے میں امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ایک قاعدہ بیان کیا ہے:

اختلط فی آخر عمرہ حتی کان لا یدری مایحدث بہ فوقع فی حدیثہ المناکیر الکثیرۃ فیجب التنکب عن حدیثہ فیما رواہ المتأخرون فان لم یعلم ھذا من ھذا ترک الکل ولا یحتج بشئ منہا• (تہذیب التہذیب لابن حجر ج5ص258)

اس قاعدے سے معلوم ہوا کہ محمد بن فضل کا جو شاگرد قدماء [اول عمر کے شاگرد] میں سے نہ ہو بلکہ متاخرین شاگردوں میں سے ہو تو اس سے مروی روایت متروک قرار پائے گی۔ زیر بحث روایت میں ان سے روایت کرنے والے محمد بن اسماعیل السلمی قدماء شاگردوں میں سے نہیں ہیں بلکہ متاخرین شاگردوں میں سے ہیں۔چنانچہ مشہورمحدث علامہ نیموی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فیہ النعمان محمد بن فضل السدوسی و ھو ثقۃ تغیر بالآخرۃ رواہ عنہ ابو اسماعیل السلمی و ھو لیس من اصحابہ القدماء• (التعلیق الحسن: ص114)

لہذا یہ روایت ضعیف اور ناقابلِ حجت ہے۔

جواب نمبر2:

غیر مقلد تیسری رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کرتے ہیں - [نماز نبوی ص206، آپ کے مسائل اور ان کا حل از مبشر ربانی غیر مقلد:ص120]

اور اس ضعیف روایت کا متن دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تین مقام کی رفع یدین تو موجود ہے، چوتھے مقام(تیسری رکعت کے شروع میں)کی رفع یدین کا نام و نشان تک نہیں۔

معلوم ہوا یہ روایت خود غیر مقلدین کے ''عمل'' کو بھی ثابت نہیں کرتی۔ پس اسے پیش کرنا اپنے موقف اور عمل سے جہالت کی دلیل ہے۔

دلیل نمبر8:

عن أنس أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کان یرفع یدیہ إذا دخل في الصلاۃ وإذا رکع (سنن ابن ماجۃ ج1ص62)

جواب نمبر1:

اس کی سند میں ایک راوی ''حمید الطویل'' ہے جو کہ مدلس ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صیغہ ''عن'' سے روایت کر رہا ہے۔علامہ ابن حجر نے اس کو طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔(طبقات المدلسین لابن حجر ص86 رقم الترجمہ71)

اور مدلس کا عنعنہ غیر مقلدین کے نزدیک صحت حدیث کے منافی ہوتا ہے۔

جواب نمبر2:

یہ روایتِ مدلس ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت انس پر موقوف ہے۔ امام الدارقطنی لکھتے ہیں:

لم یروہ عن حمید مرفوعا غیر عبد الوھاب والصواب من فعل أنس

(سنن الدار قطنی ص290 باب ذکر التکبیر ورفع الیدین عند الافتتاح والرکوع والرفع منہ)

امام طحاوی لکھتے ہیں:

وأما حديث أنس بن مالك رضي الله عنه فهم يزعمون أنه خطأ وأنه لم يرفعه أحد إلا عبد الوهاب الثقفي خاصة والحفاظ يوقفونه على أنس رضي الله عنه (سنن الطحاوی ج1 ص باب التكبير للركوع والتكبير للسجود)

جبکہ غیر مقلدین کے نزدیک صحابی کا قول و عمل حجت نہیں ہے:

1: افعال الصحابۃ رضی اللہ عنہم لا تنتہض للاحتجاج بھا۔ (فتاوی نذیریہ بحوالہ مظالم روپڑی: ص 58)
2: صحابہ کا قول حجت نہیں۔ (عرف الجادی: ص 101)
3: صحابی کا کردار کوئی دلیل نہیں اگرچہ وہ صحیح طور پر ثابت ہوں۔ (بدور الاہلہ: ج 1 ص 28)
4:آثار صحابہ سے حجیت قائم نہیں ہوتی۔ (عرف الجادی: ص 80)
5: خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو صحابہ کرام کے آثار کا غلام نہیں بنایاہے۔ (عرف الجادی: ص 80)
6: موقوفات صحابہ حجت نہیں۔ (بدورا لاہلہ: ص 129)

جواب نمبر3:

اس روایت کےدیگرطرق میں"اذا قام بین الرکعتین"،"کل خفض ورفع"، "واذا سجد وفی السجود" کے الفاظ موجود ہیں جن میں دو رکعتوں کے درمیان، ہر اٹھنے اور بیٹھنے کی حالت میں ، سجدوں میں جاتے اور سجدوں سے اٹھتے ہوئے رفع الیدین کرنے کا ذکر اورثبوت موجود ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج1ص266،مسند ابی یعلی ج6ص399رقم3752،سنن دارقطنی ج1ص292رقم1104،معجم الشیوخ ابن الاعرابی ج2ص326رقم1997،المحلی بالآثار ج3ص9،الاحادیث المختارہ لمقدسی ص52،51رقم2026،2025،معجم الاوسط للطبرانی ج1ص19)

اور غیر مقلدین ان پر عمل پیرا نہیں ہیں۔ لہذا جب یہ روایت ان کے ہاں بھی معمول بھا نہیں تو ہمارے لیے حجت کیوں بنا رہے ہیں؟ فما ہو جوابکم فہو جوابنا

دلیل نمبر9:

نا محمد بن عصمة ، نا سوار بن عمارة ، نا رُدَيْحُ بْنُ عَطِيَّةَ، عن أبي زرعة بن أبي عبد الجبار بن معج قال رأيت أبا هريرة فقال لأصلين بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم لا أزيد فيها ولا أنقص فأقسم بالله إن كانت لهي صلاته حتى فارق الدنيا قال : فقمت عن يمينه لأنظر كيف يصنع ، فابتدأ فكبر ، ورفع يده ، ثم ركع فكبر ورفع يديه ، ثم سجد ، ثم كبر ، ثم سجد وكبر حتى فرغ من صلاته قال : أقسم بالله إن كانت لهي صلاته حتى فارق الدنيا(معجم الشیوخ لابن الاعرابی ج1ص131،130رقم144)

جواب نمبر1:

اولاً:۔۔۔ اس کی سند میں ایک راوی "محمد بن عصمۃ" ہے ،اس کے حالات معلوم نہیں ہوئے اور نہ ہی اس کی ثقاہت وعدالت ثابت ہے۔ جہالت وجہ ضعف ہے۔ اور بتصریح امام نووی: لا یقبل روایۃ المجھول (مقدمہ مسلم ص11) مجہول کی روایت حجت نہیں ہے حتی کہ علی زئی صاحب نے خود اس کی تصریح کی ہے :"مجھے اس کے حالات نہیں ملے۔" (نورالعینین از زبیر علی زئی ص 338)

ثانیاً:۔۔۔ اس میں دوسرا راوی "سوار بن عمارۃ" ہے ۔ اسے اگرچہ بعض نے ثقہ کہا ہے لیکن ابن حبان نے فرمایا ہے: ربما خالف۔

(کتاب الثقات لابن حبان ج8 ص302 ، تہذیب التہذیب ج2ص454)

ثالثاً:۔۔۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی "رُدَیح بن عطیہ" ہے ۔علامہ ابن حجر فرماتے ہیں: لا یتابع فیما یروی (تہذیب التہذیب ج2ص161)

کہ اس کی کوئی راوی متابعت نہیں کرتا۔

جواب نمبر2:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح سے مروی ہے کہ آپ شروع والا رفع یدین تو کرتے تھے، باقی ہر اٹھنے بیٹھنے میں تکبیر تو کہتے تھے لیکن رفع یدین مروی نہیں ہے۔(احناف کے دلائل میں "دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم اور ترکِ رفع یدین" کے تحت دلیل نمبر4)

لہذا آپ کی پیش کردہ ضعیف روایت اس صحیح کے سامنے مرجوح ہے۔

جواب نمبر3:

اس ضعیف روایت میں رکوع سے اٹھنے اور تیسری رکعت کے شروع کا رفع یدین موجود نہیں ہے جبکہ غیر مقلدین ان مقامات کا رفع الیدین کرتے ہیں۔ تو یہ روایت ضعیف ہونے کے باوجود غیر مقلدین کے عمل کی دلیل ہر گز نہیں۔

دلیل نمبر10:

حدثنا الحميدي ، أنبأنا الوليد بن مسلم ، قال سمعت زيد بن واقد يحدث عن نافع أن ابن عمر ، « كان » إذا رأى رجلا لا يرفع يديه إذا ركع ، وإذا رفع رماه بالحصى (جزء رفع اليدين للبخارى ص10رقم15)

جواب نمبر1:

غیرمقلدین کے ہاں قول صحابی حجت نہیں ہے۔ (حوالہ جات گزر چکے ہیں)

جواب نمبر2:

اس کی سند میں ولید بن مسلم ہے جو کہ طبقہ رابعہ کا مدلس ہے (طبقات المدلسين لابن حجر ص134رقم الترجمہ127)

اور حضرات ائمہ نے ان پر جرح بھی کی ہے :مثلاً:

وكان الوليد كثير الخطاء، اختلطت عليه أحاديث ما سمع وما لم يسمع وكانت له منكرات (تہذیب لابن حجر ج6ص99،98)

وذكره ابن الجوزى والذہبى فى الضعفاء (الضعفاء والمتروكين لابن الجوزى ج3ص187،المغنى فى الضعفاء للذہبى ج2ص501رقم6888)

لہذا یہ روایت ان وجوہات کی بناء پر ضعیف ومتروک ہے،حجت نہیں۔

جواب نمبر3:

اس روایت میں ہر اونچ نیچ کی رفع یدین کا بھی ثبوت ہے اور ظاہر ہےکہ اس میں سجدوں کی رفع یدین بھی ہے۔

(مسند الحميدى ج2ص278،277رقم615،سنن دار قطنى ج1ص292رقم1105)

اس پر آپ کا بھی عمل نہیں۔ فما ہو جوابکم فہو جوابنا

دلیل نمبر11:

حدثنا مسدد ، حدثنا عبد الواحد بن زياد ، عن عاصم الأحول قال : رأيت أنس بن مالك رضي الله عنه « إذا افتتح الصلاة كبر ، ورفع يديه ، ويرفع كلما ركع ورفع رأسه من الركوع » (جزء رفع اليدين للبخارى ص43، رقم الحديث 66)

جواب:

اولاً۔۔ غیرمقلدین کے ہاں قول صحابی حجت نہیں ہے۔ (حوالہ جات گزر چکے ہیں)

ثانیاً۔۔ اس موقوف روایت میں سند صحیح کے ساتھ سجدوں کی رفع یدین کا ذکر بھی آیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج1ص304رقم2باب فی رفع الیدین بین السجدتین،جزء رفع الیدین ص60رقم106)

آپ کا اس پر عمل نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک یہ موقوف اثر حدیث مرفوع کے مقابلے میں مرجوح ہے۔

دلیل نمبر12:

رواه البيهقي في سننه من جهة بن عبد الله بن حمدان الرقي ثنا عصمة بن محمد الأنصاري ثنا موسى بن عقبة عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا افتتح الصلاة رفع يديه، وإذا ركع، وإذا رفع رأسه من الركوع، وكان لا يفعل ذلك في السجود، فما زالت تلك صلاته حتى لقي الله تعالى انتهى. رواه عن أبي عبد الله الحافظ عن جعفر بن محمد بن نصر عن عبد الرحمن بن قريش بن خزيمة الهروي عن عبد الله بن أحمد الدمجي عن الحسن به.

(بحوالہ نصب الرایہ ص483،صلوۃ الرسول ص201،اثبات رفع یدین لخالد گھرجاکھی ص87،86،84، رسول اکرم ﷺ کا صحیح طریقہ نماز: ص331 ط صہیب اکیڈمی شیخوپورہ، حدیثِ نماز از عبد المتین میمن جونا گڑھی: ص125ط مکتبہ عزیزیہ لاہور)

جواب نمبر1:

اس کی سند میں ایک راوی "امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ" ہیں جو کٹر شافعی مقلد ہیں ،اور مقلد آپ کے ہاں مشرک ہوتا ہے۔

دوسرا راوی عبداللہ بن احمد الدمحبی ہے یہ مجہول ہے۔

تیسرا راوی حسن بن عبداللہ الرقی یہ بھی مجہول العین ہے۔
کتب اسماء الرجال میں ان کی تعدیل ثابت ہے نہ توثیق اور مجہول راوی کی روایت نا قابل قبول ہوتی ہے۔ ائمہ کی تصریحات:
امام شافعی: لم يكلف الله أحدا أن يأخذ دينه عن من لا يعرفه (کتاب القراءۃ خلف الامام للبیہقی ص129)
امام بیہقی: ولسنا نقبل دين الله تعالى عمن لا يعرفه أهل العلم بالحديث بالعدالة (کتاب القراءۃ خلف الامام للبیہقی ص157)
امام نووی : لا يقبل رواية المجهول (شرح مسلم مقدمہ مسلم ص11)
لہذا یہ روایت بوجہ جہالت رواۃ غیرمقبول ہے۔

جواب نمبر2:

یہ روایت موضوع، من گھڑت اور کذب محض ہے کیونکہ اس میں دو راوی ہیں جو سخت مجروح اور حدیث گھڑنے والے ہیں۔ ان رواۃ کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل کی آراء ملاحظہ فرمائیں:

راوی نمبر ۱: عبد الرحمٰن بن قریش ابن خزیمۃ الہروی
[۱]: ابو الفضل احمد بن علی بن عمرو السلیمانی: اتہمہ السلیمانی بوضع الحدیث• (میزان الاعتدال: ج2ص513رقم الترجمہ4692)
[۲]:ابو بکرالخطیب البغدادی(قال): في حديثه غرائب• (تاریخ بغداد ج8ص300)

راوی نمبر ۲: عصمہ بن محمد انصاری
[۱]: ابن سعد (قال): وکان عندھم ضعیفا فی الحدیث• (طبقات ابن سعد ج7ص239، تاریخ بغداد ج10ص210)
[۲]: یحیی ابن معین(قال): کان کذاباً، یروی احادیث کذبا... من اکذب الناس ... یضع الحدیث•
(تاریخ بغداد ج10ص210، میزان الاعتدال ج3ص75، الضعفاء الکبیر للعقیلی ج3ص340)
[۳]: ابوحاتم الرازی(قال) :لیس بالقوی• (میزان الاعتدال ج3ص75)
[۴]: العقیلی(قال): یحدث بالاباطیل عن الثقات• (الضعفاء الکبیر للعقیلی ج3ص340، میزان الاعتدال ج3ص75)
[۵]: ابن عدی (قال): کل حدیثه غیر محفوظ وھو منکر الحدیث• (الکامل لابن عدی ج7ص89، میزان الاعتدال ج3ص76)
[۶]: الدارقطنی (قال):متروک•(تاریخ بغداد ج10ص210، میزان الاعتدال ج3ص75)

جواب نمبر3:

اس روایت کومحققین اور خود غیر مقلدین علماء نے موضوع قرار دیا ہے۔
1:قال الامام محمد بن علی النیموی م1322ھ:رواہ البیہقی وھوحدیث ضعیف بل موضوع (آثار السنن للنیموی ص118)
2: مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کذب [یہ روایت جھوٹی ہے] (نیل الفرقدین: ص36)
3: عطاء اللہ حنیف غیر مقلد: وحدیث البیہقی مازالت۔۔ضعیف جداً (تعلیقات سلفیہ علی النسائی: ج1ص104)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترک قراءت خلف الامام

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت والجماعت احناف:

مقتدی کے لیے امام کے پیچھے سورت فاتحہ اور اس کے بعد والی سورت کی قراءت کرنا مکروہ تحریمی ہے، خواہ نماز جہری ہو یا سری بلکہ اسے خاموش رہنے کا حکم ہے۔

الدر المختار میں ہے: (وَالْمُؤْتَمُّ لاَ يَقْرَأُ مُطْلَقًا) وَلاَ الْفَاتِحَةَ فِي السِّرِّيَّةِ اتِّفَاقًا...... (فَإِنْ قَرَأَ كُرِهَ تَحْرِيمًا) ......(بَلْ يَسْتَمِعُ) إذَا جَهَرَ (وَيُنْصِتُ) إذَا أَسَرَّ•

(الدر المختار مع رد المحتارج2ص326، 327، کذا فی اللباب فی شرح الکتاب للمیدانی ج1ص39)

مذہب غیر مقلدین:

امام کے پیچھے سورۃفاتحہ پڑھنا فرض ہے، بغیر سورت فاتحہ پڑھے نماز نہیں ہوتی اور اس کے بعد والی سورت پڑھنا منع ہے۔

* محمد رئیس ندوی ۔ جامعہ سلفیہ بنارس (انڈیا) :

”امام کے پیچھے مقتدی کو صرف سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے ، اس سے زیادہ ممنوع ہے۔“(مجموعہ مقالات پر تحقیقی سلفی جائزہ: ص388)

* حافظ محمد گوندلوی۔ شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ گوجرانوالہ:

” اور ہماری تحقیق میں فاتحہ خلف الامام ہر نماز میں جہری ہو یا سری ، فرض ہے اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔“

(خیر الکلام فی وجوب الفاتحۃ خلف الامام: ص33)

* ڈاکٹر شفیق الرحمٰن :

”جو شخص نماز میں اکیلا ہو یا جماعت کے ساتھ، امام ہو یا مقتدی ، مقیم ہو یامسافر ، فرض پڑھ رہا ہو یا نوافل، امام سورۃ فاتحہ پڑھ رہا ہو یا کوئی اور سورۃ، بلند آواز پڑ ھ رہا ہو یا آہستہ اگر اسے سورۃ فاتحہ آتی ہو یا پھر بھی نہ پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔“

(نماز نبوی: ص150)

* فتاویٰ علماءِ حدیث ؛ ترتیب وتالیف ابو الحسنات علی محمد سعید :

”امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے ، بغیر سورۃ فاتحہ پڑھے نماز نہیں ہوتی ۔“ (ج3ص112)

دلائل اہل السنت والجماعت

قرآن کریم مع التفسیر:

قال اللہ عزوجل: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ • (سورۃ الاعراف :204)

اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔

قال أحمد: فالناس على أن هذا في الصلاة وعن سعيد بن الْمُسَيِّبِ و الحسن و إبراهيم و محمد بن كعب و الزهري أنها نزلت في شأن الصلاة وقال زيد بن أسلم و أبو العالية كانوا يقرأوْن خلف الإمام فنزلت : (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ) وقال أحمد في رواية أبي داوٗد : أجمع الناس على أن هذه الآية في الصلاة ولأنه عام فيتناول بعمومه الصلاة۔ (المغنی لابن قدامۃ ج2ص117، مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ ج22ص150)

تفسیر نمبر 1:

قَدْ اخرج الامام المحدث أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي م 458 ھ :أخبرنا أبو الحسن علي بن أحمد بن عبدان أنا أحمد بن عبيدا لصَّفَّارُ ، نا عبيد بن شَرِيكٍ ، نا ابن أبي مريم ، نا ابن لَهِيعَةَ ، عن عبد الله بن هُبَيْرَةَ ، عن عبد الله بن عباس ، « أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قرأ في الصلاة فقرأ أصحابه وراءه فخلطوا عليه فنزل (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا) فهذه في المكتوبة » ثم قال ابن عباس : « وإن كنا لا نستمع لمن يقرأ إنا إذًا لأجفىٰ من الحمير » (کتاب القراءۃ للبیہقی ص109رقم الحدیث:255)

تحقيق السند: اسناده حسن ورواته ثقات۔

اعتراض :
اس کی سند میں ایک راوی عبد اللہ بن لھیعہ بن عقبہ ضعیف و مجروح ہے ۔لہذا یہ روایت حجت نہیں ۔
جواب:
اولاً۔۔۔ امام عبد اللہ بن لھیعہ بن عقبہ بن فرحان (م174 ھ) صحیح مسلم ،سنن ابی داؤد ، جامع الترمذی ، سنن ابن ماجہ وغیرہ کے راوی ہیں، یہ مختلف فیہ راوی ہیں ۔ بعض حضرات نے اگرچہ ان پر کلام کیا ہے لیکن بہت سے ائمہ نے ان کو الحافظ،الامام الکبیر، عالم، محدث، العلا مۃ، محدث الد یار المصریۃ قرار دیا ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: لم یکن بمصر مثل ابن لھیعۃ وکثرت حدیثہ و ضبطہ واتقانہ
(العِبَر فی خبر مَنْ غَبَر للذھبی ج؛ 1 ؛ص؛135 ، تذکر ۃ الحفاظ للذھبی ؛ج؛ 1 ص؛174 ،سیر اعلام النبلاء للذھبی ج؛6؛ص284 ، التھذیب لابن حجر ؛ج3ص622 رقم الترجمہ 4134 ، التقریب لابن حجر :ص353 رقم الترجمہ3563)
محدثین کے ہاں جو راوی مختلف فیہ ہو اس کی روایات حسن درجہ کی ہو تی ہیں-(فتح المغیث للسخاوی : ج۳ ص۳۵۹، قواعد فی علوم الحدیث: ص75)
لہذا یہ روایت حسن ہے۔
امام ابو عیسی ترمذی رحمہ اللہ ایک حدیث کی سند نقل کرتے ہیں:
حدثنا قتیبۃ ثنا ابن لھیعۃ عن یزید بن ابی حبیب عن ابی الخیر عن عقبۃ بن عامر قال الخ
(جامع الترمذی ؛ج1ص؛288 باب ماجاء ما یحل من اموال اھل الذمۃ)
اس کے بعدفرماتے ہیں: " ھذا حدیث حسن " اور اس میں ابن لھیعۃ موجود ہے۔
اور علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کئی مقامات پر ابن لھیعۃ کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ مثلاً
1: وعن جابر رضي الله عنه قال : أمر النبي صلى الله عليه و سلم سُحَيْمًا أَنْ يُؤَذِّنَ في الناس أن " لا يدخل الجنة إلا مؤمن "
رواه أحمد وفيه ابن لهيعة وإسناده حسن (ج1ص213 باب فی الاسلام و الایمان)
2: وعن عبد الله بن الحارث أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال : لوددت أن بيني وبين أهل نجران حجابا من شدة ما كانوا يجادلونه.
رواه البزار والطبراني في الكبير وفيه ابن لهيعة وحديثه حسن (ج1ص387 باب فی المعضلات و المشکلات)
3: وعن معاوية بن خديج قال : سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول : غدوة في سبيل الله أو روحة خير من الدنيا وما فيها ۔
رواه أحمد والطبراني وفيه ابن لهيعة وهو حسن الحديث وبقية رجاله ثقات (ج3ص428 باب فضل الغدوۃ والروحۃ فی سبیل اللہ)
ثانیاً۔۔۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الحسن وھوفی الاحتجاج کالصحیح عند الجمھور
(اختصار فی علوم الحدیث لابن کثیر: ص 39النوع الثانی)
نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح موقو فاً روایت مروی ہے جو اس کی موید ہے۔
أخبرنا أبو زكريا بن أبي إسحاق المزكي ، أنا أبو الحسن أحمد بن محمد بن عَبْدُوس ، نا عثمان بن سعيد نا عبد الله بن صالح ، حدثني معاوية بن صالح ، عن علي بن أبي طلحة ، عن ابن عباس ، في قوله : « (وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا) يعني في الصلاة المفروضة »
(کتاب القراءۃ للبیھقی :ص109 رقم الحدیث 254)
ایک مقام پرزبیر علی زئی غیر مقلد نے مر فو ع ضعیف کو بوجہ موقوف صحیح کے حسن قرار دیا ہے (نورالعینین لعلی زئی ص333) جبکہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاًضعیف نہیں بلکہ حسن ہے تو یہ موقوف صحیح کی وجہ سے مزید قوی بن جائے گی۔لہذا یہ روایت حسن لذاتہ ہے اور ترک قراءت خلف الامام پر واضح دلیل ہے ۔
فائدہ: خود غیر مقلد عالم زبیر علی زئی صاحب نے جامع الترمذی کی ایک حدیث کو ''صحیح'' کہا ہے اور اس میں یہی ابن لھیعہ موجود ہے۔

(دیکھیے جامع الترمذی باحکام علی زئی. رقم1589 ص505)

تفسیر نمبر 2:

قال الامام الحافظ أبو محمد عبد الرحمن بن محمد أبي حاتم بن إدريس بن المنذر التميمي الحنظلي الرازي م 327 ھ: حدثنا يونس بن عبد الاعلى انبا ابن وهب ، ثنا أبو صخر عن محمد بن كعب القرظی : قال كان رسول الله (صلى الله عليه وسلم) إذا قرا في الصلاة اجابه من وراءه إن قال بسم الله الرحمن الرحيم قالوا مثل ما يقول حتى تنقضي الفاتحة والسورة فلبث ما شاء الله ان يلبث ثم نزلت : وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ فقرَاَ وانْصَتُوا .

(تفسیر ابن ابی حاتم الرازی ج4ص259رقم9493)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط مسلم

اعتراض:

یہ روایت مرسل ہے کیونکہ محمد بن کعب القرظی (م40ھ علی الاصح) تابعی ہیں صحابی نہیں، اور مرسل حجت نہیں۔

جواب:

مرسل عند الجمہور حجت اور قابل قبو ل ہے ۔

1: قال الامام أبو جعفر مُحَمَّدُ بْنُ جَرِيرٍ الطَّبَرِىُّ م 310ھ: واجمع التابعون باسر هم على قبول المرسل ولم يات عنهم انكاره ولا عن احد من الائمة بعد هم الى راس الماتين (قواعد فی علوم الحدیث للعثمانی: ص 146 ،ص147)

2: قد قال الامام عبد الرحمن الشہیر بابن رجب الحنبلی م795ھ: قد استدل كثير من الفقہا ء بالمرسل--- و حُكِيَ الاحتجاج بالمرسل عن اهل الكوفة وعن اهل العراق جملةً و حكاه الحاكم عن ابراہیم النخعی و حماد بن ابی سلیمان وابی حنیفة و صاحبیہ(شرح علل الترمذی لابن رجب ص244)

3: وقال الامام المحدث ظفر احمد العثمانی م1394ھ : اما الاجماع فهوان الصحابة والتابعين اجمعوا على قبول المراسيل من العدل (قواعد فی علوم الحدیث ص؛140)

نیز اس مرسل کی تائید حدیث ابن عباس متصل مرفوع سے بھی ہوتی ہے [جو تفسیر نمبر1 کے تحت گزر چکی ہے] لہذا یہ مرسل حجت ہے ۔

اعتراض:

عبدالرحمن مبارکپوری صاحب نے لکھا ہے کہ آیت ”واذا قرء القرآن“ مکی ہے اور امام کے پیچھے قراءۃ کرنے کا حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہوا ہے۔ لہٰذا متقدم حکم سے متاخر حکم کے خلاف استدلال درست نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی روایات موجود ہیں جو مدینہ میں قراءۃ خلف الامام کے جواز پر دلالت کرتی ہیں ۔ مثلاً:

1: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شخص امام کے پیچھےسورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی (مؤطاامام مالک ص67)

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ 7ھ میں مسلمان ہوئے تھے (تلخیص الحبیر ص114)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ مدنی ہیں اور انہوں نے قراءۃ خلف الامام کا ذکر کیا ہے (تحقیق الکلام ج2ص28ملخصاً)

جواب:

یہ اعتراض درحقیقت کوئی وزن نہیں رکھتا ۔

اولاً:--- آپ کا عمل قراءت خلف الامام پر اس وجہ سے ہے کہ اس کے راوی صحابہ مدنی ہیں تو پھر وہ کثیر صحابہ کرام مثلاًحضرت ابوموسی اشعری، حضرت جابر بن عبداللہ ،حضرت انس بن مالک ،حضرت زید بن ثابت ، رضی اللہ عنہم جو مدنی ہیں ان سے (اور خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی) ترک قراءۃ خلف الامام کی روایتیں مروی ہیں ان پر آپ کا عمل کیوں نہیں؟

ثانیاً:--- سورہ اعراف مدنی ہے۔جیسا کہ علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر ج4ص254میں اور نواب صدیق حسن خان صاحب اپنی تفسیر فتح البیان ج3ص393میں لکھتے ہیں کہ سورہ اعراف مدنی ہے۔ کیونکہ

اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت یہود کا واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے اور ظاہر ہے کہ یہود کا مرکز مدینہ طیبہ میں تھا نہ کہ مکہ مکرمہ میں ۔

نیز اس آیت کا شان نزول بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (مدنی صحابی) سے یہی مروی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔ پس ترک قراءت خلف الامام کا حکم مدنی ہی ہے۔

ثالثاً۔۔ لیجیے ہم یہ بھی تصریح پیش کر دیتے ہیں کہ خاص یہی آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے ایک روایت نقل کرتے ہیں :

أخبرنا أبو عبد الله محمد بن عبد الله الحافظ رحمه الله أنا عبد الرحمن بن الحسن القاضي ، نا إبراهيم بن الحسين ، نا آدم بن أبي إياس ، نا ورقاء ، عن ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ ، عن مجاهد ، قال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الصلاة فسمع قراءة فتى من الأنصار فنزل وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا (کتاب القراءۃ للبیہقی ؛ص107رقم الحدیث 248)

اس روایت میں ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب قراءت فرما رہے تھے تو ایک انصاری نوجوان کی قراءت سنی تب یہ آیت نازل ہوئی اور یہ بات واضح ہے کہ انصار مدینہ منورہ ہی میں تھے۔

رابعاً۔۔ اگر آیت کو مکی بھی قرار دیا جائے تب بھی ہمارے مدعی پر کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ کئی آیات ایسی ہیں جن کا نزول مکرر ہوا ہے یعنی جو مکہ و مدینہ دونوں میں نازل ہوئیں اور مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آیت مکہ و مدینہ دونوں میں نازل ہوئی، اس لیے کہ نماز جس طرح مدینہ میں مشروع تھی اسی طرح ابتداء اسلام میں مکہ میں بھی تو مشروع تھی۔ مکہ میں ترک قراءت کا مسئلہ سمجھانے کے لیے یہ آیت پہلی مرتبہ نازل ہوئی اور مدینہ میں یہی مسئلہ سمجھانے کے لیے دوبارہ نازل ہوئی[جیسا کہ مدنی صحابی سے مروی ہے]

احادیث مبارکہ

احادیث مرفوعہ:

دلیل نمبر1:

حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة حدثنا أبو أسامة حدثنا سعيد بن أبي عروبة ح وحدثنا أبو غسان المسمعي حدثنا معاذ بن هشام حدثنا أبي ح وحدثنا إسحاق بن إبراهيم أخبرنا جرير عن سليمان التيمي كل هؤلاء عن قتادة في هذا الإسناد [عن يونس بن جبير عن حطان بن عبد الله الرقاشي] بمثله [إن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبنا فبين لنا سنتنا وعلمنا صلاتنا فقال إذا صليتم فأقيموا صفوفكم ثم ليؤمكم أحدكم فإذا كبر فكبروا وإذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين] وفي حديث جرير عن سليمان عن قتادة من الزيادة وإذا قرأ فأنصتوا

[حاصل السند و المتن: حدثنا إسحاق بن إبراهيم أخبرنا جرير عن سليمان التيمي عن قتادة عن يونس بن جبير عن حطان بن عبد الله الرقاشي قال صليت مع أبي موسى الأشعري صلاة ----- فقال أبو موسى أما تعلمون كيف تقولون في صلاتكم إن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبنا فبين لنا سنتنا وعلمنا صلاتنا فقال إذا صليتم فأقيموا صفوفكم ثم ليؤمكم أحدكم فإذا كبر فكبروا وإذا قرأ فأنصتوا وإذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين]

(صحیح مسلم ج1ص174باب التشہد فی الصلاۃ)

اعتراض نمبر1:

اس کی سند ایک راوی سلیمان التیمی ہے جو کہ ''مدلس'' ہے اور مدلس کا عنعنہ صحت حدیث کے منافی ہوتا ہے۔

جواب1:

امام سلیمان التیمی م 143 ھ صحیح البخاری وصحیح مسلم کے ثقہ بالاجماع ،حافظ، متقن اور ثبت راوی ہیں ۔ ان کی تدلیس کی وجہ سے اس روایت کو ناقابل قبول قرار دینا درست نہیں۔ اس لیے کہ:

اولاً: اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ صحیحین کے مدلس کی تدلیس عند المحدثین صحت حدیث کے منافی نہیں کیونکہ وہ دوسری جہت سے سماع پر محمول ہوتی ہیں۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واعلم أن ما كان فی الصحيحين عن المدلسين بعن ونحوها فمحمول على ثبوت السماع من جهة

أخرى۔

(مقدمہ شرح صحیح مسلم للنووی ج1 ص18)

اور یہ روایت صحیح مسلم کی ہے ، لہذا تدلیس مضر نہیں۔

ثانیاً: امام سلیمان التیمی نے"حدثنا قتادۃ" کے الفاظ سے سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔ دیکھیے---

1: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ النَّضْرِ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ قَالَ سَمِعْتُ أَبِی(سلیمان التیمي) حَدَّثَنَا قَتَادَةُ--- (سنن ابی داؤد: ج1 ص148 باب التشہد)

2: حدثنا سليمان بن الأشعث السجستاني قال ثنا عاصم بن النضر قال ثنا المعتمر قال سمعت أبي (سليمان التيمي) قال ثنا قتادة--- (مسند ابی عوانہ: ج1 ص360 رقم الحدیث 1339)

ثالثاً: عند الاحناف خیر القرون کی تدلیس صحتِ حدیث کے منافی نہیں۔ (قواعد فی علوم الحدیث:ص159)

لہذا اعتراض باطل ہے۔

اعتراض نمبر2:

اس روایت میں "واذاقرءفانصتوا " کی زیادت سلیمان التیمی کے علاوہ کسی اور راوی سے مروی نہیں، لہذا یہ زیادتی شاذہے۔ پس یہ روایت ناقابل قبول ہے ۔

جواب:

یہ اعتراض بھی چند وجوہ سے باطل ہے۔

اولاً: امام سلیمان التیمی بالاجماع ثقہ ہیں اور "وإذا قرأ فأنصتوا" کے بیان کرنے میں یہ جماعتِ ثقات کی مخالفت نہیں کر رہے بلکہ ایک زائد چیز کو بیان کر رہے ہیں جو کہ "شاذ" نہیں بلکہ زیادتی ثقہ ہے اور جمہور فقہا ء و محدثین کے نزدیک زیادتی ثقہ مقبول ہے۔

1: والزیادۃ مقبولۃ،(صحیح البخاری ج1ص201 باب العشر فیما یسقی من ماء السماء والماء الجاری)

2:أن الزيادة من الثقة مقبولة(مستدرک علی الصحیحین للحاکم ج1ص307 کتاب العلم)

لہذا امام سلیمان التیمی کا "واذاقرءفانصتوا " کی زیادت روایت کرنا ان کے ثقہ ہونے کی وجہ سے مقبول ہے، پس اعتراض باطل ہے۔

ثانیاً: "واذاقرءفانصتوا " کی زیادت بیان کرنے میں امام سلیمان التیمی منفرد نہیں بلکہ دیگر روات نے بھی ان کی متابعت تامہ کر رکھی ہے۔مثلاً

امام ابو عبید ہ الحداد :

روی الإمام أبو عوانة يعقوب بن إسحاق الاسفرائني م316ھ :حدثنا سهل بن بحر الجُنْدَيْسابُوري قال ثنا عبد الله بن رشيد قال ثنا ابوعبيدة عن قتادة عن يونس بن جبير عن حطان بن عبد الله الرقاشي عن أبي موسى الأشعري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (إذا قرأ الإمام فأنصتوا وإذا قال: (غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّين) فقولوا أمين)

(مسند ابی عوانہ ج1ص360رقم1341بیان اجازۃ القراءۃ الخ،)

عمر بن عامر اور سعید بن ابی عروبہ:

حدثنا أبو حامد محمد بن هارون الحضرمي ثنا محمد بن يحيى القطعي ثنا سالم بن نوح ثنا عمر بن عامر وسعيد بن أبي عروبة عن قتادة عن يونس بن جبير عن حطان بن عبد الله الرقاشي قال صلى بنا أبو موسى فقال أبو موسى : إن رسول الله صلى الله عليه و سلم كان يعلمنا إذا صلى بنا قال إنما جعل الإمام ليؤتم به فإذا كبر فكبروا وإذا قرأ فأنصتوا۔

(سنن الدار قطنی: ص217 رقم الحدیث 1235، السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2 ص155 باب من قال یترک المامون القراءۃ الخ)

لہذا شاذ ہونے والا یہ اعتراض باطل ہے۔

اعتراض نمبر3:

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی سند میں دوسرا راوی "قتادہ" ہے جو کہ مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے، مدلس کا عنعنہ صحت حدیث کے منا فی ہوتا ہے ۔

جواب:

امام قتادہ بن دعامہ م 117ھ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے ثقہ بالاجماع راوی ہیں۔ ان کی تدلیس کی وجہ سے اس روایت کو ناقابل قبول قرار دینا درست نہیں۔ چند وجوہ سے:

اولاً: اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ صحیحین کے مدلس کی تدلیس عند المحدثین صحت حدیث کے منافی نہیں کیونکہ وہ دوسری جہت سے سماع پر محمول ہوتی ہیں۔ (امام نووی رحمہ اللہ کا حوالہ گزر چکا ہے) اور یہ روایت صحیح مسلم کی ہے ، لہذا تدلیس مضر نہیں۔

ثانیاً: امام قتادہ بن دعامہ نے حدیث ابی موسی اشعری میں تحدیثاً سماع کی تصریح کی ہے ۔ دیکھیے---

حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ النَّضْرِ حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ قَالَ سَمِعْتُ أَبِى حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ أَبِى غَلاَّبٍ يُحَدِّثُهُ عَنْ حِطَّانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الرَّقَاشِىِّ بِهَذَا الْحَدِيثِ زَادَ « فَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا » (سنن ابی داؤد ج1 ص147 باب التشھد ، صحیح ابی عوانہ ج1 ص360 رقم الحدیث 1339)

ثالثاً: امام قتادہ کا شمار ان مدلسین میں ہوتا ہے جن کی تدلیس کسی بھی کتاب میں صحت حدیث کے منافی نہیں ۔ امام حاکم فرماتے ہیں:

فمن المدلسين من دلس عن الثقات الذين هم في الثقة مثل المحدث أو فوقه أو دونه إلا أنهم لم يخرجوا من عداد الذين يقبل أخبارهم فمنهم من التابعين أبو سفيان طلحة بن نافع و قتادة بن دعامة وغيرهما۔ (معرفت علوم الحدیث: ص103)

علامہ ابن حزم محدثین کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے ان مدلسین کی فہرست بتاتے ہیں جن کی روایتیں باوجود تدلیس کے صحیح ہیں اور ان کی تدلیس سے صحت حدیث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

منهم كان جلة أصحاب الحديث وأئمة المسلمين كالحسن البصري وأبي إسحاق السبيعي وقتادة بن دعامة وعمرو بن دينار وسليمان الأعمش وأبي الزبير وسفيان الثوري وسفيان بن عيينة۔ (الاحکام لابن حزم ج2،ص141 ،142 فصل من یلزم قبول نقلہ الاخبار)

لہذا حدیث ابی موسی اشعری رضی اللہ عنہ بالکل صحیح اور حجت ہے۔

فائدہ: زبیر علی زئی غیر مقلد نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:((صحیح))۔ (نصر الباری از علی زئی ص283)

حدیث نمبر2:

قد روى الامام أبو عبدالله محمد بن يزيد ابن ماجة القزويني م 273ھ:حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة . حدثنا أبو خالد الأحمر عن ابن عجلان عن زيد بن أسلم عن أبى صالح عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم (إنما جعل الإمام ليؤتم به . فإذا كبر فكبروا . وإذا قرأ فأنصتوا . وإذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين•

تحقيق السند: اسناده صحیح علی شرط البخاری ومسلم

(سنن ابن ماجۃ:ص61 باب اذا قرء الامام فانصتوا، ،سنن النسائی ج1ص146 باب تاویل قولہ عزوجل وذاقرء القران فاستمعوالہ وانصتوا)

اعتراض:

اس کی سند میں ایک راو ی محمد بن عجلان ہے جو کہ مدلس ہے اور یہ حضرت ابو ہریرہ کی روا یت میں اختلاط کا شکار ہو گیا تھا ، نیز ایک راوی ابو خالد الاحمر ”فاذا قرء فانصتوا“ کی زیادتی نقل کرنے میں منفرد ہے۔ لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

شق اول (تدلیس)کاجواب:

امام محمد بن عجلا ن المدنی م148ھ صحیح بخا ری معلقاً، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں۔ ثقہ عند الجمہور، فقیہ، صدوق اور کثیر الحدیث ہیں۔ (تہذیب لابن حجر ج5،ص442، 443)ان کی تدلیس صحت حدیث کے منافی نہیں، چند وجوہ سے:

<u>وجہ اول:</u> امام بخاری رحمہ اللہ اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کیا اور صرف ابوخالد الاحمر کے تفرد کا تذکرہ تو کیا ہے لیکن محمد بن عجلان کی تدلیس کی وجہ سے حدیث کے ضعیف ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

قال البخاری :ولا یعرف ھذا[فانصتوا]من صحیح حدیث ابی خالد الاحمر(جزء القراءۃ للبخاری ص59رقم267)

~~قال ابوداود :وهذه الزيادہ "واذا قرء فانصتوا" ليست بمحفوظۃ ،الوهم عندنا من ابی خالد۔ (سنن ابی داود~~ ج1ص96)

اگر محمد بن عجلان کی تدلیس صحت حدیث کے منافی ہوتی تو یہ حضرات اس کو ضرور ذکر فرماتے ۔

وجہ ثانی: علامہ شمس الدین الذہبی رحمہ اللہ م748ھ محمد بن عجلان کی متعدد معنعن روایتوں کی تصحیح کرتے ہیں ، مثلاً

1:حدثنی ابن عجلان عن القعقاع ،(تعلیقات الذہبی فی التلخیص ج1ص43)

2:ثنا ابن عجلان عن سعید المقبری ،(تعلیقات الذہبی فی التلخیص ج1ص 131، 185)

3:عن محمد بن عجلان عن سمی۔(تعلیقات الذہبی فی التلخیص ج1ص 352)

4:عن ابن عجلان عن عیاض بن عبداللہ (تعلیقات الذہبی فی التلخیص ج1ص 382)

شق ثانی (اختلاط)کاجواب:

جہاں تک اختلاط کے اعتراض کا تعلق ہے، تو یہ بھی چند وجوہ سے قابل التفات نہیں ۔

وجہ اول:

اس لیے کہ اگرچہ بعض حضرات نے محمد بن عجلان کی ان روایات پر کچھ کلام کیا ہے جو بطریق سعید المقبری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہیں اور ان روایات کی وجہ سے ہی ان کے اختلاط کا قول کیا ہے۔(کتاب العلل للترمذی ج2ص716،تہذیب التہذیب ج5ص742)

لیکن امام ابن حبان اور علامہ ذہبی رحمہمااللہ نے اس کی پر زور تردید فرمائی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج5ص742،میزان الاعتدال ج4ص204)

بلکہ امام ابن حبان نے تو تصریح کی ہے:فهذا مما حمل عنہ قدیما قبل اختلاط صحیفتہ،(تہذیب التہذیب ج5ص742)

کہ ابن عجلان عن سعید عن ابیہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایات اس کے صحیفہ کے اختلاط سے پہلے کی ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اختلاط صحیفہ کا اعتراض سعیدمقبری کے طریق پر تھا جس کا جواب ائمہ نے دیا۔ لیکن ہماری پیش کردہ روایت تو سعید مقبری کے طریق سے نہیں بلکہ زید بن اسلم کے طریق سے ہے۔لہذا اعتراض باطل ہے۔

وجہ ثانی :

امام محمد بن عجلا ن المدنی کے دو متابع موجود ہیں:

1: خارجہ بن مصعب:

وَقَدْ رَوَاهُ خَارِجَةُ بْنُ مُصْعَبٍ أَيْضًا يَعْنِى عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ.(السنن الکبری للبیہقی ج2ص157)

2: یحیی بن العلاء الرازی:

وَقَدْ رَوَاهُ يَحْيَى بْنُ الْعَلاَءِ الرَّازِىُّ كَمَا رَوَيَاهُ. (السنن الکبری للبیہقی ج2ص157)

وجہ ثالث:

امام نووی رحمہ اللہ مختلط راوی کے متعلق ایک قاعدہ بیان کرتے ہیں :

وحكم المختلط أنه لا يُحتج بما روى عنه فى الاختلاط أو شك فى وقت تحمله، ويحتج بما روى عنه قبل الاختلاط، وما كان فى الصحيحين عنه محمول على الأخذ عنه قبل اختلاطه.(تہذیب الاسماء واللغات للنووی: ج1ص242)

ہماری پیش کردہ روایت ابوخالد الاحمر عن ابن عجلان کے طریق سے ہے اور یہی طریق صحیح مسلم ج1ص216پر موجود ہے۔،جو دلیل ہے کہ ابن عجلان کی وہ روایات جو ابوالاحمر سے مروی ہیں، قبل الاختلاط مروی ہیں۔لہذا اعتراض باطل ہے۔

شق ثالث (تفرد) کا جواب:

اس روایت کے راوی ابو خالد الاحمر ”فاذا قرء فانصتوا“ کے جملے میں متفردبھی ہوں تب بھی روایت قابل قبول ہے، اس لیے کہ ابوخالد الاحمر صحاح ستہ کے ثقہ بالاتفاق راوی ہیں۔(تہذیب التہذیب ج3ص20)

لہذا اصول حدیث کی رو سے ان کی زیادتی قابل قبول ہے(حوالہ جات پہلے گزر چکے ہیں۔)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابوخالد الاحمراس زیادتی کے نقل کرنے میں متفرد نہیں، بلکہ محمد بن سعد الانصاری الاشہلی جو ثقہ ہیں، وہ بھی اس زیادتی کو نقل فرماتے ہیں :

أخبرنا محمد بن عبد الله بن المبارك قال حدثنا محمد بن سعد الأنصاري قال حدثني محمد بن عجلان عن زيد بن أسلم عن أبي صالح عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : إنما الإمام ليؤتم به فإذا كبر فكبروا وإذا قرأ فأنصتوا قال أبو عبد الرحمن كان المخرمي يقول هو ثقة يعني محمد بن سعد الأنصاري (سنن النسائی ج1ص146باب تاویلہ قولہ عزوجل وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ)

حدیث نمبر 3:

اخرج الامام المحدث أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي م 458 ھ :أخبرنا أبو عبد الله الحافظ ، أنا أبو بكر بن إسحاق الفقيه ، أنا أحمد بن بشر بن سعد المرثدي ، نا فضيل بن عبد الوهاب ، نا خالد يعني الطحان ، ح قال أبو عبد الله : وأخبرني أبو بكر بن عبد الله ، نا الحسن بن سفيان ، نا محمد بن خالد بن عبد الله الواسطي ، نا أبي ، عن عبد الرحمن بن إسحاق ، عن سعيد المقبري ، عن أبي هريرة ، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : « كل صلاة لا يقرأ فيها بأم الكتاب فهي خداج إلا صلاة خلف إمام »

(کتاب القراءۃ للبیہقی: ص195رقم433)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح ورواتہ ثقات

اعتراض :

اصل روایت میں”إلا صلاة خلف إمام“ کے الفاظ نہیں ہیں ، جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے عبد الرحمن بن یعقوب سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا موقوف اثر نقل کیا ہے:

عن أبي هريرة قال: كل صلاة لا يقرأ فيها بفاتحة الكتاب فهي خداج فقلت: وإن كنت خلف إمام؟ فقال: اقرأ في نفسك. (کتاب القراءۃ للبیہقی: ص195 رقم الحدیث429)

اور اس میں یہ جملہ مذکور نہیں۔ یہ جملہ خالد الطحان کی خطا کی وجہ سے زائد ہو گیا ہے، لہذا قابل حجت نہیں۔

جواب اول :

امام خا لد الطحان صحیح بخا ری ،صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے ثقہ با لاجماع را وی ہیں۔

(تقریب التہذیب لا بن حجر:ص224 رقم 1647)

ان کا ”إلا صلاة خلف إمام“ کے الفاظ نقل کرنا خطا نہیں بلکہ زیادتی ثقہ ہےاور جمہور فقہا ء و محدثین کے نزدیک ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔ (حوالہ جات گزر چکے ہیں) پس حدیث کا یہ جملہ قابل حجت ہے ۔

جواب ثا نی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس مرفوع حدیث ”إلا صلاة خلف إمام“کے کئی مرفوع اور موقوف شواہد دیگر اسانید وکتب میں موجود ہیں۔مثلاً....

1: رواه الخلال بإسناده عن جابر أن النبي صلى الله عليه و سلم قال : [كل صلاة لا يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج إلا أن تكون وراء الإمام] وقد روي أيضا موقوفا عن جابر(المغنی لابن قدامہ :ج:2:ص:118 مسألة القراءة خلف الإمام)

2: عن جابر مرفوعاً۔۔(سنن الطحا وی :ج1،ص: 159،الفوائد لا بن منده :ج:2:ص:143)

3: عن جابر موقوفاً۔۔

(مو طا امام مالک :ص66 ،مؤطا امام محمد :ص:95، مسائل احمد بروایت عبد اللہ :ص78،سنن التر مذی :ج:1:ص:71 ،وقال التر مذی هذا حديث حسن صحيح)

لہذاثابت ہوا کہ حد یث ابی ہریرہ میں ”الا صلاۃ خلف امام“کے الفا ظ صحیح و ثابت ہیں۔

فائدہ: ہماری پیش کردہ مرفوع روایت میں ”الا صلاۃ خلف امام“ کے الفاظ ثابت ہیں وللہ الحمد، رہا مخالفین کی طرف سے پیش کردہ موقوف اثر اور اس میں یہ الفاظ ”اقرء فی نفسک“ کی مراد تو یہ غیر مقلدین کے دلائل کے جوابات کے تحت (دلیل نمبر3 کے ذیل میں) آ رہا ہے۔

حدیث نمبر 4:

روی الامام ابو محمد یوسف بن یعقوب : عن ابیہ [ابی یوسف] عن ابی حنیفۃ عن موسی بن

ابی عائشۃ عن عبد اللہ بن شداد بن الھاد اللیثی ابی الولیدعن جابر بن عبداللہ ان رجلا قرء خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الظہر او العصر قال قال: فاوما الیہ رجل فنہاہ فابی فلما انصرف قال اتنہانی ان اقرءخلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتذاکرنا ذالک حتی سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من صلی خلف امام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ.

(مسند ابی حنیفہ بروایۃ القاضی ابی یوسف: ص23رقم الحدیث 113)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم.

اعتراض:

یہ روایت موصول نہیں ہے بلکہ مرسل ہے۔ اس لیے کہ دیگر محدثین مثلاً جریر، سفیان اور شریک وغیرہ اسے مرسل روایت کرتے ہیں (یعنی عن جابر بن عبد اللہ کے واسطےکے بغیر) صرف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی اسے موصولاً بیان کرتے ہیں ۔نیز حافظ ابن الہمام نے مسند احمد بن منیع کے جس نسخہ سے یہ روایت نقل کی ہے (فتح القدیر: ج 1ص 346) اس میں کاتب کی غلطی کی وجہ سے عبد اللہ بن شداد کے بعد ”عن جابر“ کا جملہ زیادہ ہو گیا ہے، حقیقۃً یہ روایت مرسل ہے۔

جواب شق اول:

یہ دعوی کہ دیگر محدثین اس روایت کو مرسل بیان کرتے ہیں اور صرف امام ابو حنیفہ ہی اسے موصولاً بیان کرتے ہیں ، باطل ہے۔ اس لیے کہ:

اولاً...... امام سفیان ثوری اورخود امام شریک نےامام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی متابعت تامہ کر رکھی ہے۔

قَالَ أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ : أَنبَأَنا إِسْحَاقُ الأَزْرَقُ ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ وَشَرِيكٌ ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ ، عَنْ عَبْدِ الله بْنِ شَدَّادٍ ، عَنْ جَابِرٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ الله صَلَّى الله عَلَيه وسَلَّم : مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ .

وقال الامام البو صیری صحیح علی شرط الشیخین

(اتحاف الخیرہ المھرۃ للبوصیری ج:2 ،ص216 حدیث نمبر 1832 ، فتح القدیر لابن الھمام :ج1:ص:346)

لہذا یہ دعویٰ کرنا کہ اس روایت کو تنہا امام ابو حنیفہ ہی موصولاً بیان کرتے ہیں اور اس میں ان کا کوئی ساتھی نہیں ہے، محض باطل ہے۔

ثانیاً...... امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس روایت کو نقل کرنے والے بھی اس کو موصول ہی بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هذا حديث رواه جماعة من أصحاب أبي حنيفة رحمه الله عنه موصولا۔(کتاب القراءۃ للبیہقی ص333)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: هَكَذَا رَوَاهُ جَمَاعَةٌ عَنْ أَبِى حَنِيفَةَ مَوْصُولاً.(السنن الکبری للبیہقی ج2ص159)

لہذا مرسل ہونے کا اعتراض باطل ہے۔

جواب شق ثانی:

اس روایت میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ صحیح اسانید میں موجود ہے، جیسا کہ امام احمد بن ابی بکر بوصیری م840ھ اور امام ابن الہمام م861ھ نے ذکر فرمایا ہے۔ ان کے دور سے اب تک کسی مشہور محدث نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔ لہذا محض تخمینہ و گمان سےمحدثین پر یہ الزام کہاں درست ہے کہ انہوں نےیہ الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیے ہیں۔

احادیث موقوفہ

حدیث نمبر1:

عبد الرزاق عن عبد الرحمن بن زيد بن أسلم عن أبيه قال۔۔أخبرني أشياخنا أن عليا قال من قرأ خلف الإمام فلا صلاة له قال [عبد الرزاق] وأخبرني موسى بن عقبة أن رسول الله صلى الله عليه و سلم وأبو بكر وعمر وعثمان كانوا ينهون عن القراءة خلف الإمام۔

(مصنف عبدالرزاق ج2ص90،91رقم2813باب القراءۃ خلف الامام)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح و رواتہ ثقات

حدیث نمبر2:

روی الامام الحافظ المحدث أبو بکر عبد الله بن محمد بن أبي شیبة العبسي الکوفي م235ھ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الأَصْبَهَانِيُّ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بن الأصبهاني ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى ، عَنْ عَلِيٍّ ، قَالَ : مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الإِمَامِ فَقَدْ أَخْطَأَ الْفِطْرَةَ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج3ص278رقم الحدیث 3802باب من کرہ القراءۃ خلف الامام)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح ورواتہ ثقات

حدیث نمبر3:

عبد الرزاق عن منصور عن أبي وائل قال جاء رجل إلى عبد الله فقال: يا أبا عبد الرحمن! أقرأ خلف الإمام؟ قال: أنصت للقرآن فإن في الصلاة شغلا وسيكفيك ذلك الإمام• (مصنف عبدالرزاق ج2ص89، 90رقم2806باب القراءۃ خلف الامام)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم

اعتراض:

یہ اثر مطلق ہے اس میں فاتحہ کا بالخصوص ذکر نہیں ۔

جواب:

مطلق کی نفی سے مقید کی نفی خود بخود ہوجاتی ہے ۔لہذا جب قراءت کی نفی ہوگئی تو فاتحہ اور فاتحہ کے بعد والی سورۃ کی نفی ہوگئی۔

حدیث نمبر 4:

مَالِك عَنْ أَبِي نُعَيْمٍ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ يَقُولُ مَنْ صَلَّى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلاَّ وَرَاءَ الإِمَامِ-(مؤطا امام مالک ص66باب ماجاء فی ام القران ،مؤطا امام محمد ص95 باب القراءۃ فی الصلوۃ خلف الامام)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم

حدیث نمبر5:

مَالِك عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ،كَانَ إِذَا سُئِلَ هَلْ يَقْرَأُ أَحَدٌ خَلْفَ الإِمَامِ قَالَ إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ خَلْفَ الإِمَامِ فَحَسْبُهُ قِرَاءَةُ الإِمَامِ وَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيَقْرَأْ،قَالَ وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ لاَ يَقْرَأُ خَلْفَ الإِمَامِ

(مؤطا امام مالک ص68باب ترک القراءہ خلف الامام ،مؤطا امام محمد ص95باب القراءۃ فی الصلوۃ خلف الامام)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم

اعتراض:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اُس اثر سے تعارض ہے جس میں انہوں نے امام کے پیچھے قراءت کی اجازت دی ہے، چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمررضی اللہ عنہما سے سنت کے زیادہ بڑے عالم تھے، اس لیے حضرت عمررضی اللہ عنہ کے اثر کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر پر ترجیح ہوگی۔

جواب:

اگر تعارض کا یہی مفہوم ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لاکھوں بلکہ کروڑوں درجے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنت کے زیادہ عالم تھے، اس لیے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے پیچھے قراءت سے منع فرمایا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ترجیح ہوگی۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کا جواب آگے آرہاہے۔

حدیث نمبر 6:

قال الامام الحافظ المحدث أبو محمد بدر الدین محمود بن أحمد بن موسی بن أحمد العینی م855ھ: وذكر الشيخ الإمام عبد الله بن يعقوب الحارني السيذموني في كتاب (كشف الأسرار) عن عبد الله بن زيد بن أسلم عن أبيه قال كان عشرة من أصحاب رسول الله ينهون عن القراءة خلف الإمام أشد النهي أبو بكر الصديق وعمر الفاروق وعثمان بن عفان وعلي بن أبي طالب وعبد الرحمن بن عوف وسعد ابن أبي وقاص وعبد الله بن مسعود وزيد بن ثابت وعبد الله بن عمر وعبد الله بن عباس رضي

اللہ تعالی عنہم۔ (عمدۃ القاری للعینی ج4ص449باب وجوب القراءۃ للامام والماموم)

احادیث مقطوعہ

حدیث نمبر 1:

عن أبي إسحاق أن علقمة بن قيس قال وددت أن الذي يقرأ خلف الإمام ملىء فوه قال أحسبه قال ترابا أو رَضْفًا۔

(مصنف عبدالرزاق ج2ص90رقم2811باب القراءۃ خلف الامام ،کتاب الحجۃ لمحمد ج1ص90باب القراءۃ خلف الامام ،مؤطا امام محمد ص100باب القرءۃ فی الصلوۃ خلف الامام)

تحقیق السند: اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم۔

حدیث نمبر2:

روی الامام الحافظ المحدث أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي م235ھ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ ، قَالَ : أَخْبَرَنَا إسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ ، عَنْ وَبَرَةَ ، عَنِ الأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ ، أَنَّهُ قَالَ : وَدِدْت أَنَّ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الإِمَامِ مُلِئَ فُوهُ تُرَابًا.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج3ص279 رقم3810 من كره القِرَاءَةَ خَلْفَ الإِمَامِ. ، مصنف عبدالرزاق ج2ص90رقم2810 باب القراءة خلف الإمام)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری ومسلم۔

حدیث نمبر3:

روی الامام الحافظ المحدث أبو بكر عبد الله بن محمد بن أبي شيبة العبسي الكوفي م235ھ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ ، عَنْ أَشْعَثَ ، عَنْ مَالِكِ بْنِ عُمَارَةَ ، قَالَ : سَأَلْتُ ، لاَ أَدْرِي ، كَمْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ عَبْدِ اللهِ كُلُّهُمْ يَقُولُ : لاَ يُقْرَأُ خَلْفَ إمَامٍ ، مِنْهُمْ عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ.(مصنف ابن ابی شیبۃ ج3ص280 رقم الحدیث3819من كره القِرَاءَةَ خَلْفَ الإِمَامِ. ،التعلیق الحسن للنیموی ص108)

تحقیق السند: اسنادہ حسن

جمہور کا موقف اور اجماع امت

1: روی الامام الحافظ المحدث أبو داؤد سليمان بن الأشعث السجستاني م 275ھ: حَدَّثَنَا الْقَعْنَبِىُّ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ أُكَيْمَةَ اللَّيْثِىِّ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم انْصَرَفَ مِنْ صَلاَةٍ جَهَرَ فِيهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ « هَلْ قَرَأَ مَعِى أَحَدٌ مِنْكُمْ آنِفًا ». فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ « إِنِّى أَقُولُ مَا لِى أُنَازَعُ الْقُرْآنَ ». قَالَ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- فِيمَا جَهَرَ فِيهِ النَّبِىُّ صلى الله عليه وسلم بِالْقِرَاءَةِ مِنَ الصَّلَوَاتِ حِينَ سَمِعُوا ذَلِكَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم

(سنن ابی داؤد ج1ص127باب من کرہ القرءۃبفاتحۃ الکتاب اذا جھر الاما م)

2: قال الامام الحافظ المحدث الفقیہ ابو الحسن علي بن أبي بكر بن عبد الجليل المرغینانی م593ھ: ولنا قوله عليه الصلاة والسلام من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة وعليه إجماع الصحابة رضي الله عنهم۔

(الہدایۃ شرح البدایۃ ج1ص121، 122فصل فی القراءۃ)

صاحب ہدایہ کے اس قول پر امام ابومحمد محمود بن احمدالعینی الحنفی م855ھ فرماتے ہیں:

قال صاحب (الهداية) من أصحابنا وعلى ترك القراءة خلف الإمام إجماع الصحابة فسماه إجماعاً باعتبار اتفاق الأكثر ومثل هذا يسمى إجماعا عندنا۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للعینی ج4ص449باب وجوب القراءۃ)

ائمہ مجتہدین اور ترک قراءۃ خلف الامام

1: امام اعظم فی الفقہاء ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی م150ھ:

قال محمد رحمہ اللہ: لا قراءۃ خلف الامام فیما جھر فیہ ولا فیما لم یجھر بذ لک جاءت عامۃ الآثار و ھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی۔ (مؤطا امام محمد: ص96،97 باب القراءۃ فی الصلوۃ خلف الامام،کتاب الحجۃ لمحمد ج1ص87 باب القراءۃ خلف الامام)

2: امام سفیان الثوری م161ھ :

قال الثوری رحمہ اللہ: ولا یقرء الماموم خلف الامام شیئا لا الفاتحۃ و لا السورۃ۔

(فقہ سفیان الثوری ص562تحت لفظۃ: صلاۃ، المغنی لابن قدامۃ ج2ص118 مسئلۃ نمبر 183)

3: امام مالک بن انس المدنی م179ھ:
جہری نمازوں میں قراءۃ خلف الامام کے قائل نہیں تھےاور سری نمازوں میں وجوب کے قائل نہیں تھے۔
وقال مالک: الامر عندنا انہ لا یقرء مع الامام فیما جھر فیہ الامام بالقراءۃ۔
(التمہید لابن عبدالبر ج4ص439 تحت رقم الحدیث 236 ، مؤطاامام مالک ص68 باب ترک القراءۃ خلف الامام فیما جھر فیہ)

قال محمد عبد الرحمن المبارکفوری: وکذلک الامام مالک و الامام احمد لم یکونوا قائلین بوجوب قراءۃ الفاتحۃ خلف الامام فی جمیع الصلوات۔ (تحفۃ الاحوذی ج2ص251 باب ما جاء فی ترک القراءۃ خلف الامام)

4: امام ابویوسف یعقوب القاضی م182ھ :
[ترک القراءۃ خلف الامام]و ھو قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف و محمد رحمہم اللہ تعالی۔
(سنن الطحاوی ج1ص159باب القراءۃ خلف الامام ،فتح الملہم ج2ص20 المسئلۃ الثانیۃ)

5: امام محمد بن الحسن الشیبانی م189ھ :
قال محمد رحمہ اللہ: لا قراءۃ خلف الامام فیما جھر فیہ ولا فیما لم یجھر بذ لک جاءت عامۃ الآثار۔
(مؤطا امام محمد ص97 باب القراءۃ فی الصلوۃ خلف الامام ، سنن الطحاوی ج1ص159باب القراءۃ خلف الامام)

5: امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل البغدادی م241ھ :
جہری نمازوں میں قراءۃ خلف الامام کے قائل نہیں تھے اور سری نمازوں میں وجوب کے قائل نہ تھے۔
قال الامام عبد اللہ بن احمد بن حنبل: سمعت ابي سئل عن الرجل يصلي خلف الامام فلا يقرأ خلفه قال اعجب الي ان يقرا فإن لم يقرأ يجزئه۔
و قال ایضاً: سمعت ابي يقول اذا قرأ الامام فأنصت قلت فالركعتين الاخريين اذا لم يسمع الامام يقرأ فقرأ هو في نفسه قال نعم ان شاء قرأ وان شاء لم يقرأ۔ (مسائل احمد بروایۃ عبداللہ ص78،المغنی ج2ص118)

ابواب محدثین اور ترک قراءۃ خلف الامام

ائمہ محدثین رحمہم اللہ کی یہ عادت ہے کہ وہ پہلے ان احادیث کو ذکر کرتے ہیں جو ان کے نزدیک منسوخ ہوتی ہیں، پھر ان احادیث کو ذکر کرتے ہیں جو ان کے ہاں ناسخ ہوتی ہیں۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ م676ھ اس قاعدہ کو یوں ذکر کرتے ہیں:
ذکر مسلم فی ھذاالباب الاحادیث الواردۃ بالوضوء مما مست النار ثم عقبھا بالاحادیث الواردۃ بترک الوضوء مما مست النار فکانہ یشیرالی ان الوضوء منسوخ وھذہ عادۃ مسلم وغیرہ من ائمۃ الحدیث یذکرون الاحادیث التی یرونھا منسوخۃ ثم یعقبونھا بالناسخ۔ (شرح مسلم للنووی ج1ص156 باب الوضوء مما مست النار)

محدثین کرام رحمہم اللہ تعالی نے قر ءا ت کے مسئلہ میں بھی یہی اسلوب اختیار فرمایاہے کہ پہلےقراءت خلف الامام کی احادیث لائے ہیں اور بعد میں ترک قراءت خلف الامام کی، جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ قراءت خلف الامام منسوخ ہے۔
1 :امام مالک بن انس المدنی م 179 ھ نے پہلے "القراءۃ خلف الامام فیما لا یجہر فیہ بالقراءۃ"اور بعد میں "ترک القراءۃ خلف الامام فیما جہر فیہ "کا باب باندھا ہے (مؤطا امام مالک ص66 ،68)
2: ۔ امام محمد بن حسن الشیبانی م 189 ھ نے پہلے اثبات قراءۃ کی احادیث کو اور بعد میں ترک قراءۃ کی احادیث کو بیان کیا۔
(مؤطا امام محمد :ص94 تا ص 102 باب القراءۃ فی الصلوۃ خلف الامام)
3:امام عبد الرازاق بن الہمام م211 ھ نے پہلے قراءۃ خلف الامام کی احادیث اور بعد میں ترک کی احادیث کو ذکر کیا۔
(مصنف عبدالرازاق ؛ج2 ص 82 الی ص92 باب القراءۃ خلف الامام)
4:امام ابو بکر ابن ابی شیبہ م235 ھ نے پہلے "من رخص فی القراءۃ خلف الامام " کا باب باندھا اور بعد میں"من کرہ القراءۃ خلف الامام" کا باب باندھا ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج3 ص 267، 273)
5: امام محمد بن اسمعیل البخاری م؛256 ھ نے اپنے جزء "القراءۃ" میں پہلے قراءۃ خلف الامام کی

احادیث کو ذکر کیا اور آخر میں ترک قراءۃ کی احادیث کو بیان کیا ۔
6: امام ابن ماجہ القزوینی م 273 ھ نے پہلے" باب القراءۃ خلف الامام" باندھا اور قراءۃ کی احادیث کو ذکر کیا ، بعد میں "باب اذا قرء الامام فانصتوا" باندھا اورترک قراءت کی احادیث کو بیان کیا ۔ (سنن ابن ماجہ ؛ج؛1 ص 60 ،61)
7:امام ابو داؤد و سلیمان الاشعث م 275 ھ نے پہلے" باب من رای القراءۃ اذا لم یجہر " باندھا اور قراءۃ کی احادیث کو ذکر کیا ، پھر"باب من لم یر القراءۃ اذا لم یجھر" باندھا اور احادیث ترک کو بیان کیا ۔ (سنن ابی داؤد ؛ج1؛ص127)
8: امام ابو عیسی الترمذی م؛279 ھ نے پہلے" باب ما جاء فی القراءۃ خلف الامام " باندھااور قراءت کی احادیث کو ذکر کیا ، بعد میں "باب ما جاء فی ترک القراءۃ خلف الامام اذا جھر بالقراءۃ"ترک کا باب باندھا اور احادیث کو بیان کیا۔ (جامع الترمذی ؛ج 1 ص 69، ص71)
9: امام ابو عبداللہ عبد الرحمن النسائی م 303 ھ نے پہلے "ایجاب قراءۃ فاتحۃ الکتاب فی الصلوۃ" کا باب باندھا اور قراءت کرنے کی احادیث کو ذکر کیا، بعد میں" ترک القراءۃ خلف الامام فیما لم یجھر فیہ" اور " ترک القراءۃ خلف الامام فیما جھر بہ " کے ابواب باندھےاور احادیث ترک قراءت کو بیان فرمایا۔(سنن النسائی ج؛1ص؛145 ،146)
10 :امام ابو جعفر الطحاوی م ؛ 321 ھ نے پہلے قراءت کی احادیث کو ذکر کیا ، بعد میں ترک قراءت کی احادیث کو بیان کیا۔
(سنن الطحاوی ؛ج؛1 ص157 تا 160 باب القراءۃ خلف الامام)

<u>سوال:</u>منسوخ حکم پر تو عمل جائز نہیں ، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر فقہاء تو اس کے قائل گزرے ہیں۔ اس کا مطلب کہ وہ ایک ناجائز کام کرتے تھے۔

<u>جواب:</u> اگر نسخ منصوص ہو تو اس پر عمل گناہ ہے اور اگر نسخ اجتہادی ہو تو مجتہد کے لیے گناہ نہیں بلکہ اجر واحد ہے، اور یہ نسخ بھی نسخ اجتہادی کی قسم میں سے ہے لہذا ان مجتہدین کے لیے گناہ نہیں۔

غیر مقلدین کے دلائل کے جوابات

<u>دلیل نمبر 1:</u>

قال تعا لی: وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ• (سورۃ الاعراف :205)
حضرت زید بن اسلم تابعی نے اس آیت سے استدلال کیا ہےکہ مقتدی امام کے پیچھے ہو تو سورۃ فاتحہ کی قراءۃ آہستہ کرے ۔

عبد العزيز بن محمد قال : سمعت زيد بن أسلم يقول : في قوله (وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا) قال : « الذي يكون خلف الإمام قال الله : (واذكر ربك في نفسك) » قال : « يقول : اذكر ربك وأنصت في نفسك » فأخبر بأنه مأمور بالإنصات والذكر معا فيكون الأمر بالإنصات راجعا إلى ترك الجهر دون ترك الذكر في النفس الذي هو دون الجهر من القول
(کتاب القراءۃ للبیہقی ص:121، 122 رقم الحدیث 293)

<u>جواب اول:</u>

اولاً:...... اس آیت سے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے پر استدلال کرنا باطل ہے۔ اس لیے کہ یہ تفسیر صحیح حدیث، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور محمد بن کعب القرظی کی صحیح تفسیر[جو کہ ماقبل میں گرز چکی ہیں] کے مخالف ہے۔ نیز اس آیت میں امام کا لفظ ہے نہ مقتدی کا، اسی طرح نہ قراءۃ کا اور نہ سورۃ فاتحہ کا۔تو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے پر استدلال کیسے درست ہوا؟؟

ثانیاً:...... حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ کا استدلال ذکر فی النفس کے متعلق ہے، اس میں فاتحہ کا ذکر ہی نہیں تو اس سے استدلال کیسے؟!

<u>جواب ثانی:</u>

اس روایت کی سند یوں ہے: أخبرنا أبو عبد الله الحافظ أنا أبو علي الحافظ نا أبو عمرو الْحَرَشِيّ نا الفضل بن محمد الشعراني نا إبراهيم بن حمزة نا عبد العزيز بن محمد قال : سمعت زيد بن أسلم الخ

اس سند میں ایک راوی فضل بن محمد شعرانی ہے ۔ائمہ نے ان پر جرح کی ہے :تکلموا فیہ، فرماه بالکذب ،انہ کان غالیاً فی التشیع.

(میزان الاعتدال للذہبی: ج3ص356 رقم6378، المغنی فی الضعفاء للذہبی ج:2:ص:195 رقم 4940)

دوسرا راوی عبد العزیز بن محمد ہے۔ گو بعض نے انکو ثقہ کہا ہے، لیکن بہت سے ائمہ نے ان پر جر ح بھی کی ہے ۔ مثلاً:

اذا حدث من حفظہ یہم،لیس ھو بشئی ، اذا حد ث من حفظہ جاء ببواطیل ،لا یحتج بہ ،سیئی الحفظ ، وربما قلب ، فر بما حدث من حفظہ الشئی فیخطی ، لیس با لقوی ، وکا ن یخطئی ، انہ کثیر الوہم فجعل یلحن لحناً منکراً.

(میزا ن الاعتدال للذہبی :ج2ص553 رقم التر جمۃ 4781،تہذیب لا بن حجر :ج4ص204 رقم التر جمہ4830)

لہذا یہ روایت ضعیف ہے، قابل استدلال نہیں۔

دلیل نمبر 2:

حدیث: عبادہ بن صامت مر فو عاً :لا صلوۃ لمن لم یقراء بفاتحۃ الکتاب (بخاری و مسلم)

اس حدیث کا عموم ہر اس نماز کو شامل ہے جو کوئی شخص اکیلے پڑھتا ہے، یا امام کے پیچھے پڑھتا ہے، اس کا امام قراءت بالسر کر رہا ہو یا قراءت بالجہر کرے۔(نصر الباری از علی زئی غیر مقلد ص45، فا تحہ خلف امام از علی زئی غیر مقلد ص34)

لفظ من عام ہے جس میں امام، منفرد اور مقتدی سب داخل ہیں۔(ابکار المنن ص120، تحقیق الکلام ج1ص11)

جواب اول :

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فر مایا : الحدیث اذا لم تجمع طر قہ لم تفہمہ والحدیث یفسر بعضہا بعضا

(الجا مع لاخلاق الرا وی للخطیب: ص370 رقم1651)

کہ جب تک حدیث کے طرق جمع نہ کر لیں اس وقت تک حدیث کا معنی نہیں سمجھ سکتے، کیونکہ ایک حدیث دوسری حدیث کی تشریح کرتی ہے۔

اس اصو ل کے تحت ہم نے حدیث عبا دہ کے مختلف طرق جمع کیے، جن میں یہ الفا ظ آئے ہیں:

" لا صلوۃ لمن لم یقرء بفا تحۃ الکتا ب فصاعداً "(خلق افعال العبا د للبخا ری ص67، صحیح مسلم ج1ص169، سنن ابی داؤد :ج1 ص126)

نیز اس روایت کے کئی شوا ہد بھی موجو دہیں ۔

1: عن ابی ہریرۃ مرفوعًا: لا صلوۃ الا بقرءاۃ فا تحۃ الکتاب فما زاد•

(سنن ابی داؤد :ج1ص 126 با ب من تر ک القر ءاۃ فی صلوتہ ، صحیح ابن حبان :560رقم الحد یث 1788،کتا ب القراءۃ للبیہقی :ص14،13)

2: عن ابی سعید الخدری مرفوعاً: امر نا ان نقرء بفا تحۃ الکتا ب وما تیسر•

(سنن ابی داؤد :ج1ص 126 با ب من تر ک القراءۃ فی صلوتہ ، صحیح ابن حبا ن :560 رقم الحدیث 1788 ،کتا ب القراءۃ للبیہقی :ص15 رقم الحدیث32-35)

3: عن أبي سعيد مرفوعا: لا صلاة لمن لم يقرأ في كل ركعة بالحمد لله وسورة في فريضة أو غيرها

(سنن ابن ماجۃ ص60 باب القراءۃ خلف الامام، کتا ب القراءۃ للبیہقی :ص:16، رقم الحدیث 37،36)

تمام طرق جمع کرنے سے معلوم ہوا کہ اس روایت کا مخاطب وہ شخص ہے جو دو نو ں سورتیں [یعنی سورۃ فاتحہ اور دوسری سورت]پڑ ھتا ہے اور وہ امام یا منفرد ہوتا ہے مقتدی نہیں، لہذا مقتدی اس کا مخا طب نہیں ۔پس یہ روایت مقتدی پر وجوب قر ءاۃ کی دلیل نہیں ۔

جواب ثا نی:

اولاً کلمہ "من "کے متعلق علماء اصول مثلاً امام سرخسی وغیرہ فر ماتے ہیں:

وھی عبارۃ عن ذات من یعقل وھی تحتمل الخصوص والعموم۔ (اصو ل السرخسی :ج1ص155، نور الانوا ر :ص84)

قرآن مجید میں بھی لفظ "من" کئی مقامات پر خصوص کے لیے آیا ہے۔ مثلاً۔۔

1: قال عز وجل: وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ۔(سورۃ الشوریٰ:5)

اور دوسرے مقام پر تصریح فرما دی کہ فرشتے صرف مومنین کے لیے ہی دعا کرتے ہیں:

وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا الآيہ۔(سورۃ المومن:7)
معلوم ہوا کہ یہاں من یہاں عمو م کے لیے نہیں بلکہ خصوص کے لیے ہے۔
2: قال عز وجل: أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ أَمْ أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ(الملک:16،17)
یہاں مَنْ ہے اور مراد صرف اللہ تعالی کی ذات ہے۔
لہٰذا اس حدیث میں لفظ "مَنْ" بھی خصوص کے لیے ہے جیسا کہ مشہور محد ث علامہ ابن عبد البر نے ''التمہید '' میں اس کی تصریح فر مائی ہے:
عن عبا دۃ رضی اللہ عنہ وهو محتمل للتاويل...... خا ص وواقع على من صلى وحده او كا ن اماماً•(ج:4ص449،448)
لہٰذا لفظ ''مَنْ''کو عا م سمجھ کر اس سے مقتدی پر قرءات واجب کر نا باطل ہے ۔

جواب ثالث:

اس حدیث کی مراد دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم و ائمہ حضرات سے یہی منقول ہے کہ یہ حدیث منفرد کے لیے ہے۔ مثلاً:
1: قال جا بر بن عبد اللہ: اذا کا ن وحده -(جا مع التر مذی:ج1ص71باب ماجاء فی تر ک القراءۃ خلف الامام)
2: سید نا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی فر ما یا کہ یہ حکم اکیلے آد می کیلئے ہے -(مؤطا امام مالک بحوا لہ احسن الکلام :ج2ص39)
3:-امام سفیا ن بن عیینہ جو اس حد یث کے راوی ہیں فر ماتے ہیں: لمن یصلی وحده
(تفسیر سفیان بن عیینہ :ص202 ، سنن ابی داؤد :ج1ص126،التمہید لابن عبد البر:ج4ص449)
4:قال امام احمد بن حنبل: اذا کا ن وحده -(جامع الترمذی :ج1ص71 باب ماجاء فی تر ک قرءۃ خلف الامام)
5:امام ابوبکر اسماعیلی فر ما تے ہیں :کان وحده -(بذل المجهود الشیخ سہا رنپوری :ج2ص54)
6: امام ابن عبد البر فر ماتے ہیں : عن عبا دۃ رضی اللہ عنہ وهو محتمل للتاويل ---- خا ص وواقع على من صلى وحده او كا ن اماماً ۔
(التمہید لا بن عبد البر :ج4ص449،448 ،الاستذکار :ج1ص470)
7:قال الامام ابن قدا مۃ المقدسی :فهو محمول على غير المأموم-(المغنی لابن قدا مہ :ج2ص118)
8:شیخ محدث سہا رنپوری نے بھی اس کی مراد: اذا کا ن وحده بیا ن فر مائی ہے -(بذل المجهود :ج2ص52)
9:امام اہل السنہ شیخ الحدیث مولانامحمدسرفراز خا ن صفدر رحمہ اللہ نے اس کی مراد اکیلا آدمی بیا ن کی ہے -(احسن الکلام :ج2ص40)

دلیل نمبر 3:

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من صلى صلاة لم يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج ثلاثا غير تمام فقيل لأبي هريرة إنا نكون وراء الإمام فقال اقرأ بها في نفسك. (صحیح مسلم وغیرہ)

جواب حصہ اول :

اس حدیث کے مرفوع حصہ میں "مقتدی" کے لفظ نہیں ہیں،اور ائمہ حضرات نے تصریح کی ہے :
و کذلک حدیث ابی ہریرۃ[فهو محمول على غير المأموم]- (المغنی لابن قدامۃ ج2ص118)
کہ یہ حد یث مقتدی کے علا وہ پر محمو ل ہے ۔ نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دیگر مفسر روایات میں بھی اس بات کی تصریح ہے کہ امام کی قراءت کے وقت مقتدی خاموش رہے۔ مثلاً
1: عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم (إنما جعل الإمام ليؤتم به . فإذا كبر فكبروا . وإذا قرأ فأنصتوا . وإذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين
(سنن ابن ماجۃ: ص61 باب اذا قرء الامام فانصتوا)
2: عن أبي هريرة ، قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : « كل صلاة لا يقرأ فيها بأم الكتاب فهي خداج إلا صلاة خلف إمام »(کتاب القراءۃ للبیہقی ص 170،171رقم404)
قاعدہ ہے کہ مبہم کے مقابلے میں مفسر حدیث کو دیکھا جائے گا۔
قال الامام البخا ری: والمفسر يقضى على المبهم(صحیح البخا ری :ج1ص201)
قال ابن حجر العسقلانی: لا يقبل الحديث المبهم -(شرح نخبۃ الفکر :ص98)

لہٰذا یہ روایت قراءت خلف الامام کی دلیل نہیں۔

جواب حصہ ثانی :

اولاً:۔۔اس حد یث میں" اقرء بھا فی نفسک" حضرت ابو ہریرہ کا موقوف قول ہے ،جیسا کہ امام بخا ری اور امام بیہقی رحمہما اللہ کی روایات سے معلوم ہوتا ہے ۔

فقلت[أبو السائب] : يا أبا هريرة : فإني أكون أحيانا وراء الإمام قال : فغمز ذراعي ثم قال : اقرأ بها يا فارسي في نفسك۔

(جزء القرءۃ مترجم للبخا ری :ص:80)

وقال: يا ابن الفارسي: اقرأ بها في نفسك• (کتا ب القر ءۃ للبیہقی :ص196 رقم431)

جبکہ غیر مقلدین کے نزدیک صحابی کا قول و عمل حجت نہیں ہے:

1: افعال الصحابۃ رضی اللہ عنہم لا تنتہض للاحتجاج بھا۔ (فتاوی نذیریہ بحوالہ مظالم روپڑی: ص 58)

2: صحابہ کا قول حجت نہیں۔ (عرف الجادی: ص 101)

3: صحابی کا کردار کوئی دلیل نہیں اگرچہ وہ صحیح طور پر ثابت ہوں۔ (بدور الاہلہ: ج 1 ص 28)

4:آثار صحابہ سے حجیت قائم نہیں ہوتی۔ (عرف الجادی: ص101)

5: خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو صحابہ کرام کے آثار کا غلام نہیں بنایاہے۔ (عرف الجادی: ص 80)

6: موقوفات صحابہ حجت نہیں۔ (بدورا لاہلہ: ص 129)

ثا نیا :۔۔فی نفسک کا معنی قر آن وحدیث میں منفرد واکیلے کے لئے بھی آیا ہے۔ مثلا۔۔۔

1: قال عز وجل: وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلاً بَلِيغًا(النساء :63)

قال الامام المفسر أبو الفضل محمود الألوسي البغدادی: وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ أي قل لهم خاليا لا يكون معهم أحد

(روح المعانی ج 3ص69)

قال الامام المفسر علاء الدين علي بن محمد بن إبراهيم البغدادي الشهير بالخازن: وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ إذا خلوت بهم قَوْلاً بَلِيغًا (تفسیر خازن ج 1ص398)

قال الامام المفسر أبو العباس أحمد بن محمد بن المهدي الشاذلي الفاسي: (وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ) ، أي : خاليًا بهم (قَوْلاً بَلِيغًا) يبلغ إلى قلوبهم•

(البحر المديد للفاسي ج2 ص62)

2: حضر ت ابو ہریرہ سے حد یث قدسی مروی ہے :

فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلأٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلأٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ•

(صحیح البخا ری :ج:2:ص:1101 بَاب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى وَيُحَذِّرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ ،صحیح مسلم :ج:2:ص:343 باب فضل الذكر والدعاء والتقرب إلى الله تعالى)

لہذا حضر ت ابو ہریرہ کی اس حدیث میں کا معنی" اکیلا ومنفرد" ہے ،یعنی حضرت ابو ہریرہ نے اپنے شا گرد أبو السائب کو فر مایا جب تم اکیلے ہو تو قر ءاۃ کر لیا کرو۔اس معنی سے یہ حدیث دیگر تفاسیر و احادیث سے متعارض نہیں ہوتی۔ اگر غیر مقلدین والا معنی مراد لیں تو ان میں باہم تعارض لازم آتاہے۔ پس اس روایت سے غیر مقلدین کا استدلال باطل ہے۔

ثالثاً۔۔ اقرء بھا فی نفسک کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ دل میں غور و فکر کر لیا کرو۔

دلیل نمبر 4:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ النُّفَيْلِىُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ مَكْحُولٍ عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- فِى صَلاَةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ « لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُونَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ ». قُلْنَا نَعَمْ هَذَا يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ «لاَ تَفْعَلُوا إِلاَّ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لاَ صَلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا». (سنن ابی داؤد ج1ص 127 باب مَنْ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ فِى صَلاَتِهِ ،جامع التر مذی ج1ص70 باب ما جاء في القراءة خلف الإمام)

جواب نمبر 1:

اس کی سند میں ایک راوی محمد بن اسحا ق بن یسار ہے ،جو عند الجمہور ضعیف، مجرو ح ، کذاب ، دجال ، شیعہ ، معتزلی اور قدری تھا۔

(میزان الاعتدال للذہبی :ج3ص152تا ص458، تہذیب التہذیب لابن حجر: ج5ص439، تقریب التہذیب لا بن حجر: ج2ص498)

نیز محمد بن اسحا ق بن یسار مدلس بھی تھا۔ (طبقات المدلسین :ص:132الطبقۃ الرا بعۃ ، الفتح المبین لعلی زئی ص:72)
اور بتصریح علی زئی غیر مقلدمدلس کا عنعنہ صحت حدیث کے منا فی ہو تا ہے(نور العینین لعلی زئی ص:148)
لہذا یہ روایت ضعیف و ناقابل حجت ہے۔

جواب نمبر2:

اس میں دوسرا را وی "مکحو ل" ہے ۔ بتصریح ائمہ یہ بھی مدلس ہے(طبقات المدلسین ص:113 المرتبۃ الثا لثہ، الفتح المبین لعلی زئی ص 64)
نیز امام ابن سعد فرماتے ہیں: ضعفہ جماعۃ (میزان الاعتدال ج4 ص378)
علامہ ذہبی فرماتے ہیں: قلت: ھو صاحب تدلیس و قد رمی بالقدر-(میزان الاعتدال ج4 ص378)
پس روایت ضعیف ہے۔

جواب نمبر3:

اس کی ایک دوسری سند میں ایک راوی نا فع بن محمود بن الربیع ہے ، ان سے خلف الامام کی روایت کےعلاوہ کوئی روایت مروی نہیں۔ امام ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار تو کیا ہے لیکن ساتھ یہ تصریح بھی کر دی ہے:حدیثہ معلل-(میزان الاعتدال للذہبی ج5ص7)
کہ اس کی حدیث معلول ہے۔
قال الطحاوی: لا یعرف فکیف یصح او یکون سندہ حسنا. (الجوہر النقی علی البیہقی ج2ص165)
قال ابن عبد البر: نافع مجھول.(تہذیب التہذیب ج6ص519)
قال ابن قدامۃ: فانہ غیر معروف. (المغنی لابن قدامۃج2ص118)
قال ابن حجر: مستور من الثالثۃ. (التقریب لابن حجر ص588)
ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ یہ راوی مجہول ہے۔ اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ مجہول کی روایت سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔ چنانچہ مجہول کے متعلق امام نووی نے تصریح کی ہے:
فالجمہور علی انہ لا یحتج بہ• (مقدمہ شرح صحیح مسلم للنووی :ص17)
امام بیہقی رحمہ اللہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:
ولم یکلفنا اللہ تعالی أن نأخذ دیننا عمن لا نعرفه•(کتا ب القراءۃ للبیہقی :ص395)
لہذا یہ روایت قابل استدلال نہیں۔

جواب نمبر4:

یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا، بعد میں اس سے منع کر دیا گیا، جیسا کہ ہمارے دلائل میں محمد بن کعب القرظی کی تفسیر گزر چکی ہے۔

دلیل نمبر 5:

حدثنا محمود قال : حدثنا البخاري قال : حدثنا يحيى بن يوسف ، قال : أنبأنا عبد الله ، عن أيوب ، عن أبي قلابة ، عن أنس ، رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى بأصحابه ، فلما قضى صلاته أقبل عليهم بوجهه ، فقال : « أتقرءون في صلاتكم والإمام يقرأ ؟ » فسكتوا فقالها ثلاث مرات ، فقال قائل أو قائلون : إنا لنفعل قال : « فلا تفعلوا وليقرأ أحدكم بفاتحة الكتاب في نفسه » (جزء القراءۃ للبخاری مترجم: ص182 رقم الحدیث 255 ، السنن الکبریٰ للبیہقی :ج2 ص 166، کتاب القراءۃ للبیہقی :ص57،58)

جواب اول :

اس کی سند میں ایک راوی ابو قلابہ ہے۔ گو ثقہ تھا لیکن غضب کا مدلس تھا -(طبقات المدلسین لابن حجر 39 ، الفتح المبین لعلی زئی ص20)
قال العجلی: فیہ نصب یسیر(تقریب لابن حجرص339) یعنی یہ ناصبی تھا۔
قال العلامۃ الذھبی: ثقۃ فی نفسہ الا انہ یدلس عمن لحقھم و عمن لم یلحقھم و کان لہ صحف یحدث منھا و یدلس•
(میزان الاعتدال للذہبی: ج2ص383)
اور بتصریح علی زئی غیر مقلد مدلس کا عنعنہ صحت کے منافی ہوتا ہے (نور العینین ص:148)
لہذا یہ روایت ضعیف و ناقابل حجت ہے ۔
فائدہ: بعض الناس کا یہ کہنا کہ "یہ پہلے طبقے کا مدلس ہے جس کی تدلیس کو برداشت کیا گیا

ہے" قطعاً باطل ہے، اس لیے کہ ابو قلابہ جب "عمن لم یلحقہم" سے بھی تدلیس کرتے ہیں تو پھر کسی طبقہ میں بھی ہوں تو کس طرح قابل برداشت ہوں گے؟! اس صریح عبارت کو بھی دیکھا جائے، نرا طبقہ ہی نہ دیکھا جائے۔

جواب ثانی:

اس کی سند میں اضطراب ہے۔مثلاً:

1:عن ابی قلابۃ عن انس. (جزء القراءۃ للبخاری مترجم ص؛182 رقم الحدیث 255)

2:عن ابی قلابۃ عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم. (جزء القراءۃ للبخاری مترجم: ص183 رقم الحدیث 256، السنن الکبریٰ للبیہقی :ج2 ص 166)

3:عن أبي قلابة عن محمد بن أبي عائشة عن رجل من أصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم.
(سنن الدار قطنی: ص 223، السنن الکبریٰ للبیہقی :ج2ص166)

4:عن أبي قلابة عن ابی ہریرۃ . (سنن الدار قطنی: ص 223)

امام سیوطی فرماتے ہیں: الاضطراب یو جب الضعف. (تدیب الراوی للسیو طی:ج1ص223)

لہذا یہ روایت ضعیف اور نا قابل حجت ہے ۔

جواب ثالث:

"فی نفسہ" کا مطلب یہ ہے کہ جب اکیلے نماز پڑھو تو اسے پڑھا کرو۔ (اس معنی پر شواہد از قرآن وحدیث ماقبل میں گزر چکے ہیں)

دلیل نمبر6:

حدثنا محمود قال : حدثنا البخاري قال ، وقال لنا آدم : حدثنا شعبة ، حدثنا سفيان بن حسين ، سمعت الزهري ، عن ابن أبي رافع ، عن علي بن أبي طالب ، رضي الله عنه أنه كان يأمر ويحب أن يقرأ خلف الإمام في الظهر والعصر بفاتحة الكتاب ، وسورة سورة وفي الأخريين بفاتحة الكتاب.

(جزء القراءۃ للبخاری مترجم ص67 رقم الحدیث 54، سنن الدار قطنی ص214 رقم الحدیث 1217، السنن الکبری للبیہقی ج2ص 168)

جواب نمبر 1:

اولاً-- دلائل اہل السنت و الجماعت احناف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سند صحیح کے ساتھ گزر چکا ہے کہ آپ قراءت خلف الامام سے منع فرماتے تھے۔

ثانیاً-- اس اثر کی سند میں سفیان بن حسین ہے۔ ائمہ نے ان پر کلام کیا ہے۔ مثلاً--

قال أحمد: ليس بذاك في الزهري.
وقال عثمان ابن سعيد: سألت يحيى عنه فقال: ثقة، وهو ضعيف الحديث عن الزهري.
وروى ابن أبى خيثمة، عن ابن معين: ثقة في غير الزهري
وقال عثمان بن أبى شيبة: ثقة، لكنه مضطرب في الحديث قليلا.
وقال ابن سعد: ثقة يخطئ في حديثه كثيرا.
وقال أبو حاتم: صالح الحديث يكتب حديثه، ولا يحتج به
وقال النسائي: ليس به بأس إلا في الزهري.
وقال ابن حبان: يروى عن الزهري المقلوبات
وقال ابن عدى: هو... فى الزهري روى أشياء خالف الناس.
قال ابن معين: لم يكن بالقوى.

(میزان الاعتدال ج 2ص157)

قال ابن حجر:ثقة في غير الزهري.

(تقریب التہذیب لابن حجر ص277)

اور یہ روایت بھی سفیان بن حسین عن الزہری کے طریق سے مروی ہے۔ لہذا ضعیف اور ناقابل حجت ہے۔

جواب نمبر 2:

اس روایت میں سورۃ فاتحہ اور دوسری سورت دونوں کے پڑھنے کا ذکر ہے ۔ لہذا یہ اثر فریق مخالف کے لیے سود مند نہیں۔

دلیل نمبر 7:

وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ ، أنا أبو بكر بن إسحاق ، أنا عبد الله بن محمد ، نا عمرو بن زرارة ، نا إسماعيل ، عن ليث ، عن عبد الرحمن بن ثروان ، عن الهذيل بن شرحبيل ، عن ابن مسعود ، رضي الله عنه أنه « قرأ في العصر خلف الإمام في الركعتين الأوليين بأم القرآن وسورة » (کتاب القراۃ للبیہقی ص196)

جواب1:

یہ اثر ضعیف ہے۔اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے۔ اس پر ائمہ نے جرح کی ہے۔ مثلاً۔۔

قال أحمد: مضطرب الحديث

وقال يحيى والنسائي: ضعيف.

وقال ابن حبان: اختلط في آخر عمره.

وقال ابن معين: ليث أضعف من عطاء بن السائب.

وقال مؤمل بن الفضل: سألت عيسى بن يونس عن ليث بن أبي سليم، فقال: قد رأيته وكان قد اختلط،

(میزان الاعتدال ج3ص413،414)

جواب نمبر 2:

اس کی سند میں ایک راوی عبد الرحمن بن ثروان ہے۔ اس پر امام احمد نے جرح کی ہے۔

قال عبدالله بن أحمد: سألت أبى عنه فقال: هو كذا وكذا - وحرك يده، وهو يخالف في أحاديث.

عن أحمد قال: لا يحتج به.

وقال أبو حاتم: لين.

(میزان الاعتدال ج2ص490)

پس اثر ضعیف ہے۔

جواب نمبر 3:

یہ اثر خود غیر مقلدین کےعمل کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اس میں ظہرعصر کی نماز کی تخصیص ہے اور وہ بھی صرف پہلی دو رکعتوں میں اور فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت کا بھی ذکر ہے جو غیر مقلدین کو کسی طرح بھی سود مند نہیں۔

دلیل8:

عن یزید بن شریک سالت عمر بن الخطاب: اَاَقرَءُ خلف الامام؟ قال: نعم• قال: اِنْ قرأتَ یا امیرَالمؤمنین؟ قال: وان قراءتُ•

(جزء القرءاۃ للبخاری ص65)

جواب نمبر1:

دلائل احناف کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر گزر چکا ہے کہ وہ قراءت سے منع فرماتے تھے۔ اگر یہ پیش کردہ اثر صحیح بھی ہوجائے تب بھی غیرمقلدین کو سودمند نہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اثر مختلف الفاظ سے کتب میں مذکور ہے ۔ان میں سورہ فاتحہ کے علاوہ قرآن کریم کے کسی حصہ کا ذکر بھی موجود ہے ۔مثلاً۔۔

فاتحۃ الکتاب وشیئا(کتاب القراءۃ للبیہقی ص620)

بفاتحۃ الکتاب ومعھا(کتاب القراءۃ ص61،السنن الکبریٰ للبیہقی ج2ص167)

بفاتحۃ الکتاب وشیئ معھا(کتاب القراءۃ ص 61)

بفاتحۃ الکتاب ومعھا شیئ(جامع المسانید ج1ص346)

ظاہر بات کہ غیرمقلد صرف فاتحہ کے وجوب کے قائل ہیں ،مازاد کے جواز کے بھی قائل نہیں ۔لہذا یہ اثر انہیں سود مند نہیں۔

جواب2:

اس اثر میں قراءت کی صرف اجازت واختیار کا ذکر ہے جبکہ فریق مخالف اسے واجب سمجھتا ہے
۔

جواب3:

قراءۃ خلف الامام کے بارے میں حضرت عمررضی اللہ عنہ نے نہی بھی ثابت ہے (کما مر)اور یہاں فاتحہ ومازاد علی الفاتحہ کی اجازت بھی ثابت ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ یہ حکم آپ منفرد کو دینا چاہتے تھے،راوی سے غلطی ہوئی کہ اسے مقتدی کے حق میں نقل کردیا۔

غیر مقلدین کے چند شبہات کے جوابات

شبہ نمبر 1:

زبیر علی زئی غیر مقلد نے ملا جیون الحنفی رحمہ اللہ کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ اس آیت ''فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ''(سورۃ المزمل :20) کے عموم سے مقتدی پر قراءت واجب ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

''اس آیت کے بارے میں ملا جیون حنفی (متوفی ۱۱۳۰ھ) لکھتے ہیں:

فا ن الاول بعمومہ یو جب القرءاۃ علی المقتدی ۔

پس بے شک پہلی آیت(آیت مذکورہ بالا) اپنے عموم کے ساتھ مقتدی پر قراءت واجب کرتی ہے۔''

(فا تحہ خلف الامام از زبیر علی زئی:ص:32)

جواب:

اولاً ---وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ والی آیت اوراس کے تحت تفاسیر صحیحہ ، احادیث مبارکہ ،فقہاء کرام خصوصا فقہاء احناف اور اجماع امت اکثری سے واضح ہوا ہےکہ مقتدی کوقراءۃ خلف الامام سے منع کر دیا گیا ہے ۔

ثا نیاً--- فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ کا شان نزول نماز تہجد ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے:

قَالَ فِى الْمُزَّمِّلِ (قُمِ اللَّيْلَ إِلاَّ قَلِيلاً نِصْفَهُ) نَسَخَتْهَا الآيَةُ الَّتِى فِيهَا (عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ) وَنَاشِئَةُ اللَّيْلِ أَوَّلُهُ وَكَانَتْ صَلاَتُهُمْ لأَوَّلِ اللَّيْلِ يَقُولُ هُوَ أَجْدَرُ أَنْ تُحْصُوا مَا فَرَضَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ مِنْ قِيَامِ اللَّيْلِ

(سنن ابی داؤد ج:1 ص 192 باب نَسْخِ قِيَامِ اللَّيْلِ وَالتَّيْسِيرِ فِيهِ ، اعلام المو قعین لابن القیم ج:2 ص 327 ، نیل الاوطار للشوکانی ص:243)

اور نماز تہجد اکیلے پڑھی جاتی ہے ، جماعت کے ساتھ نہیں ، لہذا فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ سے مقتدی پرقراءت واجب کرنا باطل و مردود ہے۔

ثالثا ----ملا جیون رحمہ اللہ م: 1130 ھ حنفی مقلد ہیں مطلق مجتہد نہیں ۔ یہ شیخ ملا جیون رحمہ اللہ کا ذاتی تفرد ،سہو یا وہم ہے جو تفاسیر صحیحہ ، احادیث مبارکہ ،فقہاء کرام خصوصا فقہاء احناف کےخلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے ۔ خود زبیر علی زئی نے ایک مقام پر لکھا: ''ہم ان حوالوں سے بری ہیں اور یہ حوالے ہمارے مفتیٰ بہا نہیں ہیں'' (الحدیث ش86 ص36 جولائی 2011ء)

شبہ نمبر2:

فاتحہ قراءۃ نہیں، بلکہ قراءۃ فاتحہ کے بعد والی سورتوں کی ہوتی ہے۔ لہذا فاتحہ پڑھنے سے ان احادیث کی مخالفت لازم نہیں آتی جن میں قراءت سے منع کیا گیا ہے۔

جواب:

فاتحہ قراءت ہے، احادیث ملاحظہ ہوں:

1:عن أَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ إِسْكَاتَةً ---فَقُلْتُ بِأَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللَّهِ إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ مَا تَقُولُ قَالَ أَقُولُ اللَّهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ-

(صحیح البخاری ج1ص103 باب بَاب مَا يَقُولُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ)

غیر مقلدین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ دعا تکبیر تحریمہ اور فاتحہ کے درمیان پڑھی جاتی ہے ۔ لہذا یہاں فاتحہ ہی کو قراءت کہا گیا ہے۔ اگر غیر مقلد اس پر مصر ہوں کہ فاتحہ کے بعد والی سورت ہی قراءت ہے تو انہیں چاہیے کہ فاتحہ ختم کر کے تکبیر کہیں، پھر اللہم باعد والی دعا پڑھیں۔

2: امام بخاری رحمہ اللہ نے بَاب وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ قائم فرمایا ہے اور اس کے تحت لا

صَلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ والی حدیث ذکر کی ہے۔ معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہاں فاتحہ قراءت ہے۔

3: عن أنس قال : كان النبي صلى الله عليه و سلم وأبو بكر وعمر رضي الله عنهما يستفتحون القراءة بالحمد لله رب العالمين۔

(سنن النسائی ج1 ص143 باب البداءة بفاتحة الكتاب قبل السورة)

4: عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستفتح الصلاة بالتكبير والقراءة بالحمد لله رب العالمين۔

(صحيح مسلم ج1ص194 باب أعضاء السجود والنهي عن كف الشعر)

شبہ نمبر3:

فاتحہ قرآن نہیں ہے ۔دلیل آیت: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ (الحجر:87)[ہم نے آپ کو سبع مثانی یعنی سورۃ فاتحہ اور قرآن عظیم عطاء کیا] غیرمقلدین کہتے ہیں کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے فاتحہ اور قرآن دونوں الگ الگ ہیں ۔لہذا قرآن کی قراءۃ کے وقت خاموش رہنے کا حکم ہے نہ کہ فاتحہ کی قراءت کے وقت۔

جواب1:

اگر فاتحہ کو قرآن نہ مانا جائے تو قرآن کی سورتوں کی تعداد 114 نہیں رہے بلکہ 113ہوجائے گی۔ حالانکہ قرآن کی 114سورتیں ہونے پر اجماع ہے۔

1: امام بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی رحمہ اللہ م 794ھ لکھتے ہیں:

واعلم أن عدد سور القرآن العظيم باتفاق أهل الحل والعقد مائة وأربع عشرة سورة كما هي في المصحف العثماني أولها الفاتحة وآخرها الناس۔

(البرهان في علوم القرآن ص251)

2: امام سیوطی رحمہ اللہ م 911ھ لکھتے ہیں:

أما سوره فمائة وأربع عشرة سورة بإجماع من يعتد به ،(الاتقان فی علوم القرآن ج1 ص64)

3: علامہ عبد الرحمن بن محمد بن قاسم حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: أجمَعوا على أنَّ القُرآنَ : مِئَةٌ وأربَعَ عَشَرَةَ سُورَةً (مقدمۃ التفسیر ص2)

اگر فاتحہ کو قرآن کی سورۃ شمار نہ کیا جائے تو اجماع کی مخالفت لازم آئیگی۔

جواب2:

سبعاً من المثانی (سورہ فاتحہ)قرآن مجید میں داخل تھی لیکن اسے علیحدہ ذکرکرنے کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس کی عظمت وشان اجاگر ہوجائےیہی اسلوب قرآن کریم میں دیگر مقامات پر ہے مثلاً:

قال تعالی : تَنَزَّلُ الْمَلاَئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ (القدر :4)

یہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام ملائکہ میں داخل تھے لیکن انہیں علیحدہ ذکر صرف مرتبہ ومقام بتانے کے لیے کیا۔

شبہ نمبر 4:

اگر امام کا قر آ ن پڑھنا مقتدیو ں کے لئے کا فی ہے اور مقتدیو ں کو قر اءۃ منع ہے، تو پھر تشہد میں " رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ " امام بھی پڑھتا ہے اور مقتدی بھی پڑ ھتے ہیں۔ حالا نکہ یہ بھی تو قر آ ن ہے ؟

جواب :

تشہد میں" رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ "پڑھنے کی دو حیثیتیں ہیں :

(1) یہ قر آ ن ہے ۔

(2) یہ دعا ہے ۔

امام ومقتدی" رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ " دعا ہو نے کی حیثیت سے پڑھتے ہیں، نہ کہ قر آ ن وقراءۃ ہونے کی حیثیت سے ۔

شبہ نمبر 5:

امام کی قراءت کےوقت اگر خا موش رہنا اور امام کی قرا ءۃ کو غور سے سننا ضروری ہے، تو آ

پ لو گ فجر کی جماعت کے وقت سنتیں کیو ں پڑھتے ہیں؟ اس وقت بھی تو امام کی قراءۃ ہو رہی ہو تی ہے اور آپ لو گ سن رہے ہو تے ہیں ۔

جواب:

اما م کی قر ءۃ کے وقت خا موش رہنا اور غور سے سننا ان نماز یو ں کے لئے ضروری ہے جو اس امام کی قتداء میں نماز پڑھ رہے ہو ں، ہر نمازی کے لئے ضروری نہیں ۔ جمہور صحا بہ کرا م رضی اللہ عنہم سے یہی تفسیر منقول ہے ۔چنانچہ امام عبد اللہ بن احمد نسفی م 710ھ فر ما تے ہیں:

وجمہور الصحا بۃ علی انہ فی استماع المؤ تم. (مدار ک التنزیل للنسفی: ج2ص133)

با قی رہا فجر کی سنتیں پڑھنے والا نمازی، تو وہ امام کی اقتداء نہیں کر رہا ہو تا ۔

شبہ نمبر 6:

فاتحہ دعا ہے ۔جب نمازی فا تحہ پڑھتا ہے تو اللہ تعا لی سے دعا کرتا ہے ،لیکن آپ لوگو ں کا امام تو فا تحہ پڑھتا ہے مقتدی نہیں پڑھتے ۔ان کی نماز اس دعا اور منا جات سے خا لی ہو تی ہے ؟

جواب:

قاعدہ ہے کہ انسان انفراداً انفراداً کسی کی خد مت میں حا ضر ہوں تو اپنا مدعا انفراداً بیا ن کرتے ہیں اور جب وفد کی صورت میں کسی کی خد مت میں اپنا مدعا بیان کریں تو ایک کو اپنا نمائندہ بنادیتے ہیں۔ وہی نمائندہ عرض ومعروض کرتا ہے ۔بعینہ اسی طرح جب نمازی الگ الگ نماز پڑھتے ہیں تو ہر ایک فاتحہ پڑھتا ہے اور جب جما عت سے پڑھتے ہیں تو ایک کو نمائندہ (امام)بنا دیتے ہیں۔ اس کا عرض ومعروض کرنا (فاتحہ پڑھنا) سب کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس لئے ہر ایک کو علیحدہ پڑھنے کی ضرور ت نہیں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ تقلید

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

ابتدائیہ:

:1 شریعت کے دو اجزاء ہیں؛ (1) عقائد (2) مسائل
عقائد میں بنیادی عقیدہ ”توحید“ ہے جبکہ مسائل میں بنیادی مسئلہ ”تقلید“ ہے۔

:2 سورۃ الفاتحہ ام الکتاب یعنی قرآن مجید کا خلاصہ ہے۔ اس میں بنیادی دو مسئلے ہیں، آدھی میں توحید اور آدھی میں تقلید۔

مسئلہ تقلید کو سمجھنے کیلئے چارچیزوں کاسمجھنا ضروری ہے:

نمبر1: تعریف تقلید

نمبر2:دلائل تقلید

نمبر3:تقلیدپر ہونے والے شبہات کے جوابات

نمبر4:ترک تقلید کے نقصانات

فائدہ: تقلید کی اہمیت

اہمیت نمبر1: تمام اختلافی مسائل کی بنیاد تقلید اور ترک تقلید ہے۔ اگریہ حل ہوجائیں تو تمام مسائل حل ہوتے چلے جاتے ہیں ۔

اہمیت نمبر2: اگرتقلید(بڑوں پر اعتماد)والا مزاج بن جائے تو امت میں اتحاد ہوسکتاہے ۔

اہمیت نمبر3: اس دور میں منکرین تقلید نے تقلید کو عقیدہ کی حیثیت دی ہے، مقلدین پر کفر وشرک کے فتوے لگائے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس مسئلہ میں تیاری عقیدے کی حیثیت سے کرنی چاہیے۔

واقعہ شیخوپورہ : ایک بچہ جس نے اپنی ممانی غیر مقلدن سے مناظرہ کیا کہ تقلید ایمان ہے یا شرک؟ اگر ایمان ہے تو تمہارا نظریہ ختم ،اگر شرک ہے تو میرے ماموں سے نکاح ختم ،کیونکہ وہ مقلد ہے ۔

ان تین اہمیتوں کی وجہ سے سب سے پہلے مسئلہ تقلید کوذکر کرناچاہیے۔

نمبر ۱: تعریف تقلید

تقلید کا لغوی معنی:

:1 القلادۃ التی فی العنق... ومنہ التقلید فی الدین. (مختار الصحاح لمحمد بن ابی بکر الرازی ص560)

:2التقلید لغۃً جعل القلادۃ فی العنق. (کشاف اصطلاحات الفنون ج2ص1178)

فائدہ:

قلادہ کامعنی ”پٹہ“ بھی ہے اور” ہار“ بھی۔

:1 قلادہ بمعنی **”پٹہ“**

قَالَتْ عَمْرَةُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا... أَنَا فَتَلْتُ قَلَائِدَ هَدْيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيَّ ثُمَّ قَلَّدَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيْهِ. (صحیح البخاری ج1ص230 باب من قلد القلائد بیدہ)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أَفْتِلُ قَلَائِدَ الْغَنَمِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الحدیث.(صحیح البخاری :ج1 ص230 باب تقلید الغنم)

:2 قلادہ بمعنی **”ہار “**

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ هَلَكَتْ قِلَادَةٌ لِأَسْمَاءَ فَبَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طَلَبِهَا رِجَالاً فَحَضَرَتْ الصَّلَاةُ وَلَيْسُوا عَلَى وُضُوءٍ وَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَصَلَّوْا وَهُمْ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ فَذَكَرُوا ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ زَادَ ابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ اسْتَعَارَتْ مِنْ أَسْمَاءَ. (صحیح البخاری: ج2 ص874 باب استعارۃ القلائد)

ان میں سے پہلی دوروایتوں میں قلادہ ”پٹہ“ کے معنی میں اور آخر ی روایت میں ”ہار“ کے معنی میں استعمال ہواہےلہٰذا اس کامعنی صرف پٹہ کرنا دجل اوربددیانتی ہے۔ حجۃ اللہ فی الارض رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی نور اللہ مرقدہ فرماتےتھے کہ تقلید ”قلادہ“ سے ہے۔ اگرجانورکے گلے میں ہو تو”پٹہ“ اور اگر انسان کے گلے میں ہو تو ”ہار

’’کہلاتاہے۔ اب جانور جانور وں والا معنی کرتے ہیں اور انسان انسانوں والا۔ع پسند اپنی اپنی نظر اپنی اپنی

فائدہ نمبر 1:

اگرتقلید کامعنی ’’پٹہ‘‘ہی لیاجائے تو لفظ ِتقلید باب تفعیل سے ہے جو کہ متعدی ہے، جس کا معنی ہے’’پٹہ ڈالنا‘‘ اور پٹہ آدمی ہمیشہ دوسرے کے گلے میں ڈالتاہے، اپنے گلے میں کبھی نہیں ڈالتا۔ تو ہم مقلد غیر مقلدین کے گلے میں پٹہ ڈالنے والے ہیں اور ہار بندہ کبھی دوسرے کے گلے میں ڈالتاہے اور کبھی اپنے گلے میں ۔

عرف عام میں انسان کے اوصاف کو بیان کرنے کیلئے کسی جانور سے تشبیہ دی جاتی ہے؛بہادر کو شیر ،تیز کو چیتا، سست کو گینڈا، سست رفتار کو کچھوا،تیز رفتار اور اچھلنے والے کو خرگوش ،چالاک کو لومڑی ، بزدل کو گیڈر اور بے وقوف کو گدھاکہتے ہیں ۔غیر مقلدین بے وقوف یعنی گدھے ہیں ۔

وجہ تشبیہ: قرآن کریم میں ہے :

الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُون (المؤمنون: 2)

اس کی تفسیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ما فرماتے ہیں:مخبتون متواضعون لایلتفتون یمیناًولاشمالاًولایرفعون ایدیھم فی الصلوٰۃ (تفسیر ابن عباس: ص212)

یعنی نماز میں رفع یدین کرنا خشوع کے خلاف ہے اور دوسری آیت میں ہے :

وَاِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ اِلاَّ عَلَى الْخَاشِعِيْنَ (البقرہ :45)

نماز خاشعین کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بھاری ہے۔

(1): گدھے کی ٹانگیں ٹھیک ہوتی ہیں ، جب پیٹھ پر وزن آئے تو ٹانگیں چوڑی ہوجاتی ہیں اور کھل جاتی ہیں۔غیر مقلدین کی ٹانگیں ٹھیک ہوتی ہیں لیکن جب رفع الیدین والی نماز کا بوجھ آتاہے توٹانگیں کھل جاتی ہیں ۔

(2): گدھے کی پشت پر پانچ من گندم لادوتو وہ اٹھالےگا لیکن اگر سرپر ایک چھوٹاساکپڑا رکھ دو توفوراًسر جھٹک کرگرادےگا۔غیر مقلد چارپانچ کپڑے جسم پر اٹھالےگا مگر سر پر ایک چھوٹی سی ٹوپی بھی نہ رکھے گا۔

فائدہ نمبر 2:

غیر مقلد ’’قلادہ‘‘ کے ایک معنی پر زور دیتا ہے، دوسرا معنی جہالت کی وجہ سے جانتا نہیں یا ضد کی وجہ سے مانتا نہیں۔ بالکل اسی طرح منکر حیات النبی صلی اللہ علیہ و سلم بھی موت کے ایک ہی معنی ’’خروج روح‘‘ پر زور دیتا ہے دوسرا معنی ’’حبس روح‘‘ والا جہالت کی وجہ سے جانتا نہیں یا ضد کی وجہ سے مانتا نہیں اور مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ دونوں معنی جانتے بھی ہیں اور مانتے بھی ہیں۔ موت کا معنی قبض ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: اِنَّ اللّٰہَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِينَ شَاءَ (صحیح البخاری: رقم الحدیث 595) اور قبض کی دو صورتیں ہیں؛ (1) حبس اور (2) خروج، نبی کے لیے ’’حبس روح‘‘ اور امتی کے لیے ’’خروج روح‘‘۔

تقلیدکااصطلاحی معنیٰ:

1:التقلید اتباع الانسان غیرہ فیما یقول او یفعل معتقدا للحقیۃ من غیر نظر الی الدلیل کاَنَّ ہذا المتَّبِعَ جعل قولَ الغیر او فعلَہ قلادۃً فی عنقہ من غیر مطالبۃِ دلیل.

(کشاف اصطلاحات الفنون ج2ص1178،التعاریف للمناوی ص199)

2:حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلا دے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔

(الاقتصاد از حضرت تھانوی رحمہ اللہ ص10)

3:متکلم اسلام حضرت مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ تقلید کا معنی یہ بیان فرماتے ہیں:

مسائل اجتہادیہ میں غیرمجتہد کا ایسے مجتہد کے مفتیٰ بہ مسائل کو بلامطالبہ دلیل مان لینا جس کا مجتہد ہونا دلیل شرعی سے ثابت ہو اور اس کا مذہب اصولاً وفروعاً مدون ہوکر مقلد کے پاس تواتر کے ساتھ پہنچا ہو۔

فوائدقیود:

نمبر 1 : مسائل شرعیہ دوقسم کے ہیں :

(1): واضح ، (2): غیرواضح (اجتہادی)

غیرواضح کی کئی ا قسام ہیں:

قسم نمبر1 : غیرمنصوصہ

مثال نمبر 1: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنْصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.(المائدہ: 90)

یہاں شراب منصوص ہے اوربھنگ غیر منصوص۔

مثال نمبر 2: مکھی کھانے میں گرجائے توکیاکریں؟ یہ حدیث میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهُ ثُمَّ لِيَطْرَحْهُ فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ شِفَاءً وَفِي الْآخَرِ دَاءً.

(صحیح البخاری: کتاب الطب بَاب إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي الْإِنَاءِج2 ص860)

لیکن اگرمچھر وغیرہ گرجائے تو اس کاحکم مذکور نہیں ،لہذا مچھر کا حکم یہاں غیر منصوص ہے۔

قسم نمبر2: منصوصہ متعارضہ

مثال نمبر1: بیوہ کی عدت

1: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (البقرۃ: 234)

2: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ (البقرۃ: 240)

مثال نمبر2: مسئلہ آمین

1: عن وائل بن حجر قال : سمعت النبي صلى الله عليه و سلم قرأ (غير المغضوب عليهم ولا الضالين) فقال آمين ومد بها صوته.

(جامع الترمذی: ج1 ص57 باب ماجاء فی التامین)

2: عن علقمة بن وائل عن أبيه أن النبي صلى الله عليه و سلم قرأ (غير المغضوب عليهم ولا الضالين) فقال آمين وخفض بها صوته. (جامع الترمذی : ج 1ص58 باب ماجاء فی التامین)

قسم نمبر 3: مسائل منصوصہ مجملہ

مثال نمبر1:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ الآیۃ.(المائدۃ: 6)

مثال نمبر2:

عن ابن مسعود : أن النبي صلى الله عليه و سلم قال إذا ركع أحدكم فقال في ركوعه سبحان ربي العظيم ثلاث مرات فقد تم ركوعه وذلك أدناه وإذا سجد فقال في سجوده سبحان ربي الأعلى ثلاث مرات فقد تم سجوده وذلك أدناه.

(جامع الترمذی: ج1 ص60 باب ماجاء فی التسبیح فی الرکو ع والسجود)

قسم نمبر4: مسائل منصوصہ محتملۃ المعانی

مثال نمبر1 : معنی قروء

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ. (البقرۃ: 228)

مثال نمبر 2:

عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب إن الناس قد استعجلوا في أمر قد كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم.

(صحیح مسلم ج 1ص477 باب طلاق الثلاث)

قال النووی: فالأصح أن معناه أنه كان في أول الأمر اذا قال لها أنت طالق أنت طالق ولم ينو تأكيداً ولا استئنافاً يحكم بوقوع طلقة لقلة ارادتهم الاستئناف بذلك فحمل على الغالب الذي هو ارادة التأكيد. (شرح النووی: ج1ص 478)

قسم نمبر5: مسائل منصوصہ غیر متعینۃ الاحکام

یعنی مسئلہ نص میں ہو مگر اس کا حکم (فرض ،واجب وغیرہ)نص میں نہ ہو، مجتہد حکم بیان کرتاہے اورمقلد اس حکم میں تقلید کرتا ہے۔

مثال نمبر1:

(1) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلاَةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ. (سورۃ المائدۃ: 6)

(2) وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا. (سورۃ المائدۃ: 2)

مثال نمبر2:

(1) إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا...... وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ. (صحیح البخاری :ج:1:ص:101 بَاب إِيجَابِ التَّكْبِيرِ وَافْتِتَاحِ الصَّلاَةِ)

(2) سَوُّوا صُفُوفَكُم. (صحیح البخاری: ج1 ص100 باب اقامۃالصف من تمام الصلاۃ)

توتقلید ان پانچ قسم کے مسائل اجتہادیہ میں ہوگی۔

<u>نمبر2:</u> تقلید غیر مجتہد کرتاہے ،مجتہد پر کسی کی تقلید واجب نہیں ۔جس طرح نبی پر کسی کا کلمہ پڑھنا فرض نہیں ہوتا کیونکہ وہ خود نبی ہوتاہے۔

<u>نمبر3:</u>تقلید ایسے مجتہد کی ہوگی جس کا مجتہد ہونا دلیل شرعی (قرآن ،حدیث ،اجماع)سے ثابت ہو۔

<u>**قرآن :**</u>جیسے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کامجتہد ہونا۔

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ . فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلاًّ آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا. (الانبیاء: 78، 79)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کابدر کے موقع پر اجتہاد ی رائے دینا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّهُ يُرِيدُ الآخِرَةَ وَاللّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ.(الانفال:67)

قال عمر : وافقت ربي في ثلاث في مقام إبراهيم وفي الحجاب وفي أسارى بدر. (صحیح مسلم: باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ)

عن أنس بن مالك قال قال عمر بن الخطاب رضي الله عنه : وافقت ربي في ثلاث قلت يا رسول الله هذا مقام إبراهيم لو اتخذناه مصلى فأنزل الله تعالى Ïوَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّىÏ وقلت يا رسول الله لو حجبت نساءك فإنه يدخل عليك البر والفاجر فأنزل الله آية الحجاب Ïوَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍÏ وقلت في أسارى بدر اضرب أعناقهم فاستشار أصحابه فأشاروا عليه بأخذ الفداء فأنزل الله Ïمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الأَرْضِÏ الآية.

(المعجم الصغیر للطبرانی:ج 2ص110)

<u>**حدیث :**</u>حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کامجتہد ہونا ،چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن بھیجا تو فرمایا :

كَيْفَ تَقْضِى إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ أَقْضِى بِكِتَابِ اللَّهِ. قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِى كِتَابِ اللَّهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِى سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَلاَ فِى كِتَابِ اللَّهِ قَالَ أَجْتَهِدُ بِرَأْيِى وَلاَ آلُو. فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم صَدْرَهُ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِى وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ لِمَا يُرْضِى رَسُولَ اللَّهِ.(سنن ابی داؤد: باب اجتہاد الرای فی القضاء)

<u>**اجماع:**</u> ائمہ اربعہ کامجتہد ہونا ۔

<u>نمبر4:</u>تقلید مفتٰی بھا مسائل واقوال میں ہوگی ،غیرمفتی بھاکااحترام ضروری مگر تقلیدمفتٰی بھامیں ہی میں ہو گی۔جس طرح ضعیف احادیث کااحترام ضروری مگر ضعیف کے مقابلے میں عمل صحیح پر ،منسوخ احادیث کا احترام ضروری مگر عمل ناسخ پر۔

<u>نمبر5:</u>بلامطالبہ دلیل تسلیم کرنا۔ تقلید نام ہے بادلیل بات کوبلا مطالبہ دلیل مان لینایعنی مجتہدکے پاس دلیل موجود ہوتی ہے لیکن مقلددلیل کا مطالبہ نہیں کرتا ۔

<u>نمبر6:</u>تقلید ایسے مجتہد کی ہوگی جس کامذ ہب اصولاًوفروعاًمدون ہو ، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بہت سارے حضرات مجتہدتھے مگران کامذہب مدون نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تقلید نہیں کی جاتی۔

<u>نمبر7:</u>مجتہد کامذہب تواتر کے ساتھ مقلدکے پاس پہنچاہو اورتواتر میں سندکی ضرورت نہیں ہوتی۔

1:قال الحافظ ابن حجر: والمتواتر لا يبحث عن رجاله ، بل يجب العمل به من غير بحث. (شرح نخبۃ الفکر:ص29)
2: قال السیوطی: المتواتر فإنه صحيح قطعا ولا يشترط فيه مجموع هذه الشروط. (تدریب الراوی: ص34)
3:قال محمد بن ابراہیم الشہیر بابن الحنبلی الحنفی: ومن شانہ ان لا یشترط عدالۃ رجالہ بخلاف غیرہ.(قفو الاثر: ص46)
فقہ کو بھی تواتر کادرجہ حاصل ہے،لہذا اس کی سند کامطالبہ کرنااصول سے جہالت کی دلیل ہے کیونکہ تواتر کے بعدسندکامطالبہ نہیں کیا جاتا۔

نمبر ۲:دلائل تقلید

تقلید مطلق کے دلائل

آیات قرآنیہ:

آیت نمبر1:

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ. صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ. (سورۃ الفاتحۃ)
کہ اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔
* صراط مستقیم کی تفسیر ''صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' سے کی ہے نہ کہ ''صراط القرآن والحدیث'' سے،''صراط اهل العلم و العمل'' سے کی ہے نہ کہ ''صراط العلم'' سے اور یہی تقلید ہے۔
* ''صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' میں چار شخصیات ہیں کما قال تعالیٰ: Ĩوَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَĨ (سورۃ النساء: 69)

آیت نمبر2:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ الآیۃ (سورۃ النساء: 59)
اولی الامرسے مراد ''فقہاء ''ہیں۔
1: روی عن جابر بن عبد اللہ و ابن عباس روایۃ، و الحسن و عطاء و مجاہد انہم اولو الفقه والعلم. (احکام القرآن للجصاص ج2 ص298)
2: عن معاوية بن صالح ، عن علي بن أبي طلحة ، عن ابن عباس قوله : وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ يعني : اهل الفقه والدين
(تفسیر ابن ابی حاتم ج3ص69)

<u>فائدہ:</u> قال الحاکم: تفسیر الصحابی الذی شہد الوحی و التنزیل عند الشیخین حدیث مسند. (مستدرک الحاکم: ج2 ص383)

<u>اعتراض :</u> آیت کا یہ حصہĨ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ Ĩ تقلید کی تردید کرتاہے۔

<u>جواب :</u>

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں :
و قولہ تعالیٰ عقیب ذلک Ĩ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ Ĩ یدل علی ان اولی الامر ہم الفقہاء لانہ امر سائر الناس بطاعتہم ثم قال: Ĩ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ Ĩ فامر اولی الامر برد المتنازع فیہ الی کتاب اللہ و سنۃ نبیہ اذا کانت العامۃ و من لیس من اہل العلم لیست ہذہ منزلتہم لانہم لا یعرفون کیفیۃ الرد الی کتاب اللہ و السنۃ و وجوہ دلائلہما علی احکام الحوادث فثبت انہ خطاب للعلماء
(احکام القرآن للجصاص ج 2 ص299)

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:
و الظاہر انہ خطاب مستقل موجہ للمجتہدین. (تفسیر فتح البیان ج 2ص 308 بحوالہ تقلید کی شرعی حیثیت ص18)

آیت نمبر3:

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ. (سورۃ النساء:83)
امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
أن العامي عليه تقليد العلماء في أحكام الحوادث (احکام القرآن للجصاص ج2 ص305)
مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

فی الآیۃ اشارۃ الی جواز القیاس (فتح البیان ج 2ص330)

سوال: یہ آیت جنگ کے بارے میں ہے۔

جواب: العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب. (کشف الاسرار: باب حکم الاجماع 3/ 376، تفسیر القرطبی: سورۃ الاعراف،الایۃ31)

کہ الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوگا نہ کہ سببِ نزول کے خاص واقعہ کا۔

آیت نمبر4:

فَلَوْلاَ نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ. (التوبہ :122)

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فأَوْجَبَ الحذَرَ بإنذارِهم وأَلْزَمَ المُنذَرِينَ قُبولَ قولِهِمْ. (احکام القرآن للجصاص ج 2 ص304)

آیت نمبر5:

فَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ (النحل: 43)

علامہ آلوسی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

واستدل بها أيضا على وجوب المراجعة للعلماء فيما لا يعلم وفي الإكليل للجلال السيوطي أنه استدل بها على جواز تقليد العامي في الفروع (روح المعانی ج 8ص 148)

احادیث مبارکہ:

حدیث نمبر1:

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ. (صحيح البخارى: ج2 ص1092 باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ)

حدیث نمبر2:

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِى عَوْنٍ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أَخِى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أُنَاسٍ مِنْ أَهْلِ حِمْصَ مِنْ أَصْحَابِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَبْعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِى إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ أَقْضِى بِكِتَابِ اللَّهِ. قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِى كِتَابِ اللَّهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِى سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم وَلاَ فِى كِتَابِ اللَّهِ قَالَ أَجْتَهِدُ بِرَأْيِى وَلاَ آلُو. فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم صَدْرَهُ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِى وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ لِمَا يُرْضِى رَسُولَ اللَّهِ. (سنن ابی داؤد ج2ص149باب اجتہاد الرای فی القضاء)

تصحیح الحدیث:

1: قال ابن عبد البر: وحديث معاذ صحيح مشهور (جامع بيان العلم: ج2ص94)

2: قال ابن تيمية: بإسناد جيد• (مقدمۃ فی التفسیر لابن تیمیہ: ص93)

3: قال ابن القيم: وهذا إسناد متصل ورجاله معروفون بالثقة (اعلام الموقعين: ج 1ص202)

فوائدحدیث:

نمبر1:حضرت معاذبن جبل کویمن بھیجا ،معلوم ہواکہ ہربندہ قرآن وحدیث خود نہیں سمجھ سکتا۔

نمبر2:"فان لم تجد"اور"فان لم یکن" میں فرق۔

نمبر3:اس میں پرویزیت اور غیرمقلدیت کی تردید ہے۔

نمبر4:اس حدیث میں اجتہاد کے جواز کی دلیل ہے۔

نمبر5:"فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدرہ "آپ نے بغیرکسی واسطہ سینے پر ہاتھ مارا اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی چادر پر ہاتھ لگایا جیسا کہ روایت میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنْسَاهُ قَالَ ابْسُطْ رِدَاءَكَ فَبَسَطْتُهُ قَالَ فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ ضُمُّهُ فَضَمَمْتُهُ فَمَا نَسِيتُ شَيْئًا بَعْدَهُ. (صحيح البخارى:باب حفظ العلم)

اور ان دونوں میں فرق واضح ہے۔

نمبر6:اجتہاد پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کاشکرادافرمایا۔

حدیث نمبر3:

قَالَ الْعِرْبَاضُ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً

بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ فَقَالَ قَائِلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا فَقَالَ « أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِى فَسَيَرَى اخْتِلاَفًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِى وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ ».

(سنن ابی داؤد: کتاب السنۃ- باب فی لزوم السنۃ)

تحقیق السند:

1: قال ا لترمذی: هذا حدیث صحیح (جامع الترمذی: باب ما جاء فی الاخذ بالسنۃ واجتناب البدع)

2: قال الحاکم: هذا حدیث صحیح لیس له علة (مستدرک الحاکم: ج1 ص177 رقم الحدیث329)

3: قال الذهبی: صحیح لیس له علة(التلخیص علی المستدرک: ج1 ص177 رقم الحدیث329)

چندفوائد:

1:خلیفہ راشد کی سنت اور اجتہاد میں فرق

2: بیک وقت خلیفہ راشد ایک ہوتا ہے

3:"تمسکوابها"فرمایا " تمسکوابهما"نہیں فرمایا

حدیث نمبر4:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي.

(جامع الترمذی: باب ما جاء فی افتراق الامۃ)

تحقیق السند:

1: قال الترمذی: هذا حدیث حسن غریب مفسر. (جامع الترمذی: ج ص باب ما جاء فی افتراق الامۃ)

2: قال الالبانی: حسن (جامع الترمذی باحکام الالبانی: تحت ح2641)

حدیث نمبر5:

عن علي قال قلت : يا رسول الله إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولا نهي فما تأمرنا قال تشاورون الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأي خاصة.

(المعجم الاوسط للطبرانی: ج2 ص172 رقم الحدیث1618)

تحقیق السند:

قال الطبرانی: لم يرو هذا الحديث عن الوليد بن صالح إلا نوح• (المعجم الاوسط للطبرانی: ج2 ص172 رقم الحدیث1618)

اماالوليد بن صالح فقد ذكره ابن حبان في الثقات (کتاب الثقات : ج5ص 491 ، ج7ص551)

واما نوح بن قیس فقد وثقه یحیی بن معین (لسان المیزان: ج7 ص415)

ولذا قال الہیثمی بعد ان اورده: رواه الطبراني في الأوسط ورجاله موثقون من أهل الصحيح•(مجمع الزوائد: ج1 ص179)

حدیث نمبر6:

عَنْ كَثِيرِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ أَبِى الدَّرْدَاءِ فِى مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ إِنِّى جِئْتُكَ مِنْ مَدِينَةِ الرَّسُولِ -صلى الله عليه وسلم- لِحَدِيثٍ بَلَغَنِى أَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ. قَالَ فَإِنِّى سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ « مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلاَئِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِى السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِى الأَرْضِ وَالْحِيتَانُ فِى جَوْفِ الْمَاءِ وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلاَ دِرْهَمًا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ ».

(سنن ابی داؤد: کتاب العلم- باب الحث علی طلب العلم)

تحقیق السند:

1: قال المناوی: هو حدیث صحیح. (فیض القدیر: ج4 ص504)

2: قال ابن الملقن: هَذَا الحَدِيث صَحِيح (البدر المنير: ج7 ص687)
3: قال الهیثمی: رجاله موثقون (مجمع الزوائد: ج1 ص335)

تقلید شخصی کے دلائل

آیت کریمہ:

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (لقمان:15)

﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾ أي اتبع دين من أقبل إلى طاعتي وهو النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه وقيل من أناب إلي يعني أبا بكر الصديق. (تفسیرالخازن ج 3 ص471)

فائدہ :سبیل صیغہ واحد ہے ،جوکہ تقلیدشخصی پر دال ہے ۔

احادیث مبارکہ:

حدیث نمبر1:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَتْ امْرَأَةٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهَا أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْهِ قَالَتْ أَرَأَيْتَ إِنْ جِئْتُ وَلَمْ أَجِدْكَ كَأَنَّهَا تَقُولُ الْمَوْتَ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ لَمْ تَجِدِينِي فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ.
(صحیح البخاری ج1 ص516 باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت متخذا خلیل)

حدیث نمبر2:

عَنْ هُزَيْلَ بْنِ شُرَحْبِيلَ قَالَ سُئِلَ أَبُو مُوسَى عَنْ بِنْتٍ وَابْنَةِ ابْنٍ وَأُخْتٍ فَقَالَ لِلْبِنْتِ النِّصْفُ وَلِلْأُخْتِ النِّصْفُ وَأْتِ ابْنَ مَسْعُودٍ فَسَيُتَابِعُنِي فَسُئِلَ ابْنُ مَسْعُودٍ وَأُخْبِرَ بِقَوْلِ أَبِي مُوسَى فَقَالَ لَقَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنْ الْمُهْتَدِينَ أَقْضِي فِيهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلِابْنَةِ النِّصْفُ وَلِابْنَةِ ابْنٍ السُّدُسُ تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ فَأَتَيْنَا أَبَا مُوسَى فَأَخْبَرْنَاهُ بِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ لَا تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هَذَا الْحَبْرُ فِيكُمْ.
(صحیح البخاری ج2 ص997 باب المیراث ابنۃ ابن مع ابنۃ)

حدیث نمبر3:

عُلَيِّ بْنِ رَبَاحٍ ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ فِي الْجَابِيَةِ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ، ثُمَّ قَالَ : مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنِ الْقُرْآنِ فَلْيَأْتِ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ , وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ ، عَنِ الْفَرَائِضِ فَلْيَأْتِ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ , وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ ، عَنِ الْفِقْهِ فَلْيَأْتِ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ , وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ ، عَنِ الْمَالِ فَلْيَأْتِنِي فَإِنَّ اللَّهَ جَعَلَنِي خَازِنًا وَقَاسِمًا.
(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج17 ص484باب ما قالوا فیمن یبدا بہ فی الاعطیۃ، اسنادہ صحیح)

نمبر۳:تقلیدپر ہونے والے شبہات کے جوابات

شبہ نمبر1: قرآن کریم میں ہے : الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا.(المائدۃ:3)

توجب دین مکمل ہوگیا توتقلید کی کیاضرورت ہے؟ نیز فقہ حنفی تکمیلِ دین کے خلاف ہے۔

جواب:

1: مراد اصول کی تکمیل ہے۔
2: تکمیل کا عرفی معنیٰ مراد ہے، جس طرح کے الیوم کاعرفی معنیٰ مراد ہے۔
3: اگرتکمیل ہوگئی توجوآیات اس کے بعد نازل ہوئیں اورجوارشادات پیغمبر علیہ السلام نے فرمائے کیا وہ دین کا حصہ نہیں ہوں گے؟!

شبہ نمبر2: قرآن کریم میں لفظ" تقلید"نہیں، اگرتقلیدواجب ہوتی تو یہ لفظ قرآن میں ضرور ہوتا۔

جواب: قرآن مجید میں " تقلید"کالفظ نہیں تقلیدکامعنیٰ ہے، جس طرح " توحید "کالفظ نہیں توحیدکامعنیٰ ہے۔جب فن ایجادہوتاہے تواصطلاحات ایجادہوتی ہیں جس طرح اصطلاحات نحو و صرف وغیرہ۔

شبہ نمبر3: قرآن کریم کی کئی آیات میں بڑوں کی تقلید سے روکاگیااور اس کی مذمت کی گئی ہے۔مثلاً

1: وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا (البقرۃ: 170)
2: وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلاَ(الاحزاب:67)

جواب:

[۱]: پوری آیت یوں ہے:

ﵟوَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَ يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلاَ يَهْتَدُونَﵞ

اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آباء و اجداد اگر علم و فہم سے عاری اور راہِ ہدایت سے بھٹکے ہوئے ہوں تو ان کے راستے کی اتباع مذموم ہے جبکہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ علم و عقل سے متصف اور راہِ ہدایت پر تھے۔

[۲]: تقلید کی دوقسمیں ہیں: 1:تقلیدمحمود 2:تقلیدمذموم

قرآن وحدیث سمجھنے کے لیے آباء کی بات ماننا یہ تقلید"محمود" ہے اور قرآن وحدیث کے مقابلے میں آباء کی بات ماننا یہ تقلید"مذموم" ہے۔ اس طرح کی آیات میں تقلیدمذموم کی تردید کرتی ہیں نہ کہ تقلید محمود کی۔

شبہ نمبر 4: کیاتقلید خیرالقرون میں تھی؟ اگرتھی توکس امام کی تھی؟

جواب : اعلام الموقعین میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھاہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تقریباً130 حضرات مجتہد تھے، باقی ان کے بتائے ہوئےاجتہادی مسائل کی تقلید کرتےتھے۔

شبہ نمبر 5: قرآن کریم میں ہے: هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا (الحج:78) تم کہتے ہو ہم حنفی شافعی وغیرہ ہیں ۔

جواب:

[1]: کفارکے مقابلہ میں ہم " مسلمان" ، اہل بدعت کےمقابلے میں ہم " اہلسنت والجماعت" اور اجتہادی اختلاف میں ہم " حنفی" ہیں۔ جس طرح بیرون ملک میں ہم پاکستانی ہیں اوراندرون ملک میں پنجابی،سندھی ،بلوچی،اورصوبائی سطح پر ضلع وغیرہ کانام۔ تو قرآن مجید میں "مسلمین" بمقابلہ "کافرین" ہے نہ کہ بمقابلہ حنفی و شافعی۔

[2]: اگرخودکوحنفی کہناغلط ہے تومحمدی ،سلفی ،اثری کیوں کہتے ہو!

شبہ نمبر 6: ایک مسئلہ میں چار ائمہ کااختلاف ہوجائے توچاروں حق پرکیسے ہوتے ہیں ؟ حالانکہ حق ایک ہوتاہے۔

جواب:

[۱]: یہ حق بمقابلہ" خطاء" ہے نہ کہ بمقابلہ "باطل" جس میں حق پر اجران اورخطاء پراجرواحد ملتاہے۔ کما جاء فی الحدیث:

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ (صحیح البخاری: باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ)

[۲]: عنداللہ حق ایک ہے اور عندالناس چاروں حق ہیں ۔ مثال: تحری قبلہ ۔

[۳]: یہ اختلاف اجتہادی مسائل میں ہے جو معیوب نہیں۔اسکی مثالیں:

مثال1: وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ . فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلاًّ آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا. (الانبیاء: 78، 79)

مثال 2: غزوہ خندق کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الأَحْزَابِ لاَ يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلاَّ فِي بَنِي قُرَيْظَةَ فَأَدْرَكَ بَعْضُهُمْ الْعَصْرَ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لاَ نُصَلِّي حَتَّى نَأْتِيَهَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ نُصَلِّي لَمْ يُرِدْ مِنَّا ذَلِكَ فَذُكِرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِنْهُمْ. (صحیح البخاری: ج2ص591 باب مرجع النبي صلى الله عليه و سلم من الأحزاب ومخرجه إلى بني قريظة الخ)

مثال 3: عن أبي سعيد : أن رجلين تيمما وصليا ثم وجدا ماء في الوقت فتوضأ أحدهما وعاد لصلاته ما كان في الوقت ولم يعد الآخر فسألا النبي صلى الله عليه و سلم فقال للذي لم يعد أصبت السنة وأجزأتك صلاتك وقال للآخر أما أنت فلك مثل سهم جمع. (سنن النسائی ج2 ص74 ،75باب التيمم لمن يجدالمآء بعدالصلوٰۃ)

شبہ نمبر 7: فقہ حنفی کے بہت سارے مسائل ایسے ہیں جن میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ اورامام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیاہے۔

جواب:

[۱]: ایک مجتہد دوسرے مجتہد سے اختلاف کرے یہ جائز ہے جس طرح حضرت داؤد اورحضرت سلیمان علیہماالصلوٰۃ والسلام کااجتہادی اختلاف۔ غیرمجتہد کامجتہد سے اختلاف کرنا جائزنہیں۔

[۲]: امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کاقول حقیقت میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کاقول ہی ہوتاہے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے رد المحتار کے مقدمہ میں فرمایا کہ ایک مسئلہ میں امام صاحب کا ایک قول ہو اور آپ کے شاگردوں کا کوئی دوسرا قول اس کے خلاف ہو تو وہ شاگردوں کا قول دراصل آپ ہی کا قول ہوتاہے، شاگردوں کی طرف نسبت محض رائے کی موافقت کی وجہ سے ہوتی ہے۔علامہ شامی رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں:

قَالَ فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ مِنْ كِتَابِ الْجِنَايَاتِ قَالَ أَبُو يُوسُفَ : مَا قُلْت قَوْلاً خَالَفْت فِيهِ أَبَا حَنِيفَةَ إلاَّ قَوْلاً قَدْ كَانَ قَالَهُ ...

وَفِي آخِرِ الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ : وَإِذَا أَخَذَ بِقَوْلِ وَاحِدٍ مِنْهُمْ يَعْلَمُ قَطْعًا أَنَّهُ يَكُونُ بِهِ آخِذًا بِقَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ ، فَإِنَّهُ رَوَى عَنْ جَمِيعِ أَصْحَابِهِ مِنْ الْكِبَارِ كَأَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَزُفَرَ وَالْحَسَنِ أَنَّهُمْ قَالُوا : مَا قُلْنَا فِي مَسْأَلَةٍ قَوْلاً إلاَّ وَهُوَ رِوَايَتُنَا عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَقْسَمُوا عَلَيْهِ أَيْمَانًا غِلاَظًا فَلَمْ يَتَحَقَّقْ إذًا فِي الْفِقْهِ جَوَابٌ وَلاَ مَذْهَبٌ إلاَّ لَهُ كَيْفَ مَا كَانَ.

(رد المحتار: ج1ص159مطلب صح عن الامام انہ قال اذا صح الحدیث فہو مذہبی)

شبہ نمبر8: قرآن کریم میں ہے : وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر:7)
اگرتقلید بھی ضروری ہوتی تواس میں مجتہدین کی بات ماننے کابھی حکم ہوتا۔

جواب:

1: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُم الآیۃ (النساء: 59)اور وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (لقمان:15)میں مجتہدین کی بات ماننے کابھی حکم ہے۔

2: نیز جس پیغمبر کی بات ماننے کاحکم اسی آیت میں ہے اسی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کاارشاد ہے کہ:

عن علي قال قلت : يا رسول الله إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولا نهي فما تأمرنا قال تشاورون الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأي خاصة (المعجم الاوسط للطبرانی: ج1ص 441 رقم الحدیث 1618)

شبہ نمبر9: قرآن کریم میں ہے: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُوا (آل عمران:103)چارائمہ نے دین کوچارٹکڑوں میں بانٹ دیاہے، ایک اسلام کوچارحصوں میں تقسیم کردیا،یہ تقسیم تقلید ہی کاثمرہ ہے۔

جواب: تمام ائمہ کی منزلِ مقصود اسلام ہے۔ یہ چار فقہیں تو بمنزلہ راستہ کے ہیں۔ منزل تک پہنچنے کے چارراستے ہیں۔نیز اگر ان چارائمہ کی تقلید سے آزادی دیدی جائے توپھر ہربندہ مستقل فرقہ ہوگا۔

شبہ نمبر10: کیاقرآن وحدیث میں ان چارائمہ کی متعلق کہاگیا ہے کہ ان کی تقلید کرو؟

جواب :

1: نفس تقلیدکاحکم ہے جو بھی مجتہد میسر ہو جیسے جماعت کا حکم ہے جو بھی امام میسر ہو، قراءت کا حکم ہے جو بھی قاری میسر ہو۔

2: ایک امام کے پیچھے نمازپڑھنے کاحکم کہاں ملاہے اورسات قراتوں میں سے ایک قرأت پرتلاوت کرنےکا حکم کہاں ہے؟

شبہ نمبر11: ان چار ائمہ سے پہلے لوگ کس کے مقلد تھے؟

جواب : مکہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی، مدینہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی، کوفہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی، بصرہ میں حضرت انس رضی

اللہ عنہ کی اور یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی تقلیدہوتی تھی۔ اس دورمیں مقلد تھے تقلیدکالفظ نہیں تھا۔

شبہ نمبر 12: جب مجتہدین کئی گزرے ہیں توتقلید ان چارہی کی کیوں ؟

جواب : قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تقلید کاحکم دیتے ہوئے فرمایا: وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ. (لقمان:15)

اتباع سبیل کیلئے علم سبیل ضروری ہے اور ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی مجتہد کے مسائل جزئیات و فروعات مدون نہیں۔

شبہ نمبر 13: ان چارمیں سے صرف ایک ہی کی تقلید کیوں؟

جواب : تاکہ مذہبی آزادی کے نام پر فسادنہ ہو اورعبادات میں خلل نہ آئے۔مثال ایک بندہ کے جسم سے خون نکل آئے اور وہ کہے کہ میں اس مسئلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کاقول لیتاہوں، اسکے بعد عورت کوچھوئےاور کہے کہ میں اس مسئلے میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول لیتاہوں۔

شبہ نمبر 14: ان چارائمہ میں سے صرف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تقلیدکیوں کرتے ہو جبکہ حق سب کوکہتےہو؟

جواب :

1: امام صاحب نے صحابہ رضی اللہ عنہم کودیکھا،روایات سنی۔
2: آپ کی فقہ شورائی ہے۔
3: آپ مدون اول ہیں۔
4: آپ عجمی ہونے کے ساتھ ماہر عربی ہیں۔
5: عرب و عجم کے سنگم ”کوفہ“ میں ہیں۔

شبہ نمبر 15: شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والانصاف ان الترجیح للشافعی فی هذه المسئلۃ ونحن مقلدون یجب علیناتقلیدامامنا ابی حنیفۃ. (تقریرترمذی: ص36)

جواب :

1: حق کبھی بمقابلہ باطل ہوتا ہے ا ور کبھی بمقابلہ خطاء، یہاں بمقابلہ خطاء ہے جس میں ایک اجر ضرور ہے۔
2: عقیدت میں اجرکواجران پرترجیح دی ہے۔مثال مسجدحرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے اورمسجدنبوی میں پچاس ہزار نماز کے برابر۔ لیکن بندہ مسجد نبوی میں جاتاہے اور عقیدت کیوجہ سے اجران کو چھوڑدیتاہے۔

شبہ نمبر16: غیرمقلدین کہتے ہیں کہ شوافع بھی رفع یدین کرتےہیں ہم بھی کرتے ہیں، آپ کہتے ہیں کہ شوافع کو اجرملےگا غیرمقلدین کونہیں ملےگا۔ رفع یدین تو دونوں کاایک ہے، ایک درست دوسرا غلط کیوں؟

جواب:

1: ماہر غیرماہر کا فرق ہے۔مثلاً ایک ڈاکٹر ماہر ہے اور ایک عطائی ہے۔ اگرماہر آ پریشن کرے اور مریض ٹھیک ہوجائے تو اس کے لیےاجران ہیں اور اگر ٹھیک نہ ہو تو اجر کا مستحق بہرحال ہے بخلاف عطائی کے کہ اگر اس کا آپریشن نا کام ہو جائے تو اس کو سزا ملتی ہے اور اگر ٹھیک بھی ہو جائے تب بھی قابل گرفت ہے۔ یہی حال شوافع اور غیر مقلدین کا ہے۔ شوافع ماہر مجتہد کے اجتہاد پر عمل پیرا ہیں جن کے لیے اجر تو بہرحال ہے اور غیر مقلدین کا مسئلہ اگر ظاہرا شوافع سے ملتا ہے لیکن عطائی ڈاکٹر کی طرح قابل مواخذہ ہیں۔
2: شوافع دیانت دار ہیں جبکہ غیر مقلد بد دیانت ہیں۔

اصول: ایک مسئلہ میں دو حدیثیں ہوں اور فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم فرمائیں تو مسئلہ حدیث کا اور فیصلہ نبی کا ورنہ مسئلہ فقہ کا اور فیصلہ مجتہد کا۔

شبہ نمبر17: احناف حضرات کہتے ہیں رفع یدین منسوخ ہے۔ جب منسوخ ہے تو شوافع کو

منسوخ پر عمل کرنے سے اجرکیوں ملتاہے؟

جواب: منسوخ کی دو قسمیں ہیں: (1):منسوخ منصوص، (2): منسوخ اجتہادی

منسوخ منصوص :جیسے كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها (سنن ابن ماجہ ص112باب ماجاء فی زیارۃ القبور)

منسوخ اجتہادی: جیسے الوضوء مما مست النار.

اگر منسوخ منصوص ہوتو عمل کرنے پر اجرنہیں، اگراجتہادی ہوتو دوشرطوں کےساتھ اجرہے:

1:عمل کرنے والا مجتہدہو 2:مقلدہو

شبہ نمبر18: فقہ بدعت ہے کیونکہ بعد کی پیدا وار ہے۔

جواب: دور نبوت میں موجود تھی مگر ظاہر امام صاحب کے دور میں ہوئی۔

نمبر۴:ترک تقلید کے نقصانات

دنیاوی : تقلید نہ کریں تو دنیا میں دین پر عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔

1:بیمارکوخون دیناقرآن وحدیث میں نہیں ہے، تقلیدکرےگاتوایمان جائےگا نہ کرےگا توباپ جائےگا۔

2:ٹیلی فون پرنکاح قرآن وحدیث میں نہیں، تقلیدکرےگاتوایمان جائےگا نہ کرےگا تو جان (لڑکی) جائےگی۔

قبر:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتُوُلِّيَ وَذَهَبَ أَصْحَابُهُ حَتَّى إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَأَقْعَدَاهُ فَيَقُولَانِ لَهُ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ فَيُقَالُ انْظُرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنْ النَّارِ أَبْدَلَكَ اللَّهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنْ الْجَنَّةِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا وَأَمَّا الْكَافِرُ أَوْ الْمُنَافِقُ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ فَيُقَالُ لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ ثُمَّ يُضْرَبُ بِمِطْرَقَةٍ مِنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً بَيْنَ أُذُنَيْهِ فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ (صحیح البخاری ج1ص 178 باب المیت یسمع خفق النعال)

قوله لَا دَرَيْتَ وَلَا تَلَيْتَ اى لا علمت بنفسك بالاستدلال و لا تلوت القرآن او المعنى لا اتبعت العلماء بالتقليد فيما يقولون (حاشیۃ صحیح البخاری: ج1 ص 178)

اخروی عذاب وعتاب :

قال اللہ تعالیٰ: وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ (سورۃ الملک:10)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م1239ھ) فرماتے ہیں :بعض حضرات مفسرین کرام نے نسمع کوتقلیدپراور نعقل کو تحقیق واجتہاد پرمحمول کیاہے۔ ان دونوں لفظوں سے یہی مراد ہے کہ یہ دونوں نجات کےذریعے ہیں۔ (تفسیرعزیزی اردو ج3 ص23)

تقلیدشخصی کوترک کرنے کےنقصانات:

ووجهه انه لو جاز اتباع أي مذهب شاء لا فضى إلى ان يلتقط رخص المذاهب متبعا هواه ويتخير بين التحليل والتحريم والوجوب والجواز وذلك يؤدى إلى انحلال ربقة التكليف بخلاف العصر الاول فانه لم تكن المذاهب الوافية بأحكام الحوادث مهذبة وعرفت: فعلى هذا يلزمه ان يجتهد في اختيار مذهب يقلده على التعيين.

(المجموع شرح المہذب ج1ص498،499 فصل ۔فی آداب المستفتی وصفتہ و احکامہ)

اب اگرتقلیدمطلق کادروازہ کھول دیاجائےاورلوگ مجتہدین کے ایسے ایسے مسائل تلاش کرکے ان کی تقلید شروع کردیں تو اس کانتیجہ بلاشبہ وہی ہوگاجسے علامہ نووی رحمہ اللہ نےشرعی احکام کی پابندیوں کے بالکل اٹھ جانےسے تعبیرکیاہے۔مثلاً :

[1]: امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ کے نزدیک اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

(شرح مسلم للنووی: ج1 ص158 باب الوضوء من لحوم الابل)

جبکہ احناف کے ہاں وضوء نہیں ٹوٹتا۔

[2]: امام شافعی کے نزدیک (ایک قول کے مطابق) بیوی کو مطلقاً ہاتھ لگانے سے وضوء ٹوٹ

جاتا ہے۔ (بذل المجھود للسہارنفوی: ج1 ص107)

جبکہ احناف کے ہاں نہیں ٹوٹتا۔

[3]: جسم سے خون نکل کر بہہ پڑے تو احناف کے نزدیک وضوء ٹوٹ جاتا ہے جبکہ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک وضوء نہیں ٹوٹتا۔

(بذل المجھود: ج1 ص121)

[4]: امام احمد بن حنبل کے نزدیک ذکر کو ہاتھ لگانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

(الحاشیۃ الشریفیۃ علی المشکوٰۃ للسید الشریف الجرجانی: ج1 ص277 مکتبۃ البشریٰ)

جبکہ احناف کے ہاں وضوء نہیں ٹوٹتا۔

[5]: احناف کے ہاں نماز میں قہقہہ لگانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے جبکہ شوافع کے ہاں نہیں ٹوٹتا۔ (المنتقیٰ شرح المؤطا لابی الولید الباجی: ج1 ص51)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ طلاق ثلاثہ

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت و الجماعت:

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں یا ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاقیں تین شمار ہوتی ہیں، بیو ی خاوند پر حرام ہو جاتی ہے اور بغیر حلالہ شرعی کے شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہوتی۔ (الہدایہ ج 2ص 355 باب طلاق السنۃ، فتاویٰ عالمگیریہ ج1 ص 349کتاب الطلاق الباب الاول)

مذہب غیر مقلدین:

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاق یا ایک کلمہ سے دی گئی تین طلاق ایک شمار ہوتی ہے۔

1: غیر مقلد عا لم نواب صدیق حسن خان تین طلاقوں کے متعلق چا ر اقوال نقل کر تے ہوئے آخری قول یوں لکھتے ہیں:

الرا بع انہ یقع واحدۃ رجعیۃ من غیر فرق بین المدخو ل بھا وغیرھا...وھذا اصح الاقوال. (الروضۃ الندیہ:ج2ص50)

تر جمہ :چوتھا قول یہ ہے کہ(تین طلاق دینے سے)ایک طلاق رجعی واقع ہو تی ہے مدخو ل بھا اور غیر مد خول بھا کے فر ق کئے بغیر اور یہی قول تمام اقوال سے صحیح ہے ۔

2:غیر مقلدین کے ’’ شیخ الاسلام ‘‘ ابو الوفاء ثنا ء اللہ امر تسری اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں :

’’ ایک مجلس میں دی ہو ئی تین طلا ق ایک طلاق رجعی کا حکم رکھتی ہے۔‘‘(فتاویٰ ثنائیہ:ج2ص215)

فائدہ:

شیعوں اور مرزائیوں کا مذہب بھی یہی ہے کہ تین طلاق ایک شمار ہوتی ہیں۔ حوالہ جات پیش خدمت ہیں:

مذہب شیعہ :

1: مشہور شیعی عا لم ابو جعفر محمد بن الحسن بن علی الطو سی لکھتے ہیں :

والطلاق الثلاث بلفظ وا حد او فی طہر واحد متفرقاً لا یقع عندنا الا وا حدۃ. (المبسوط فی فقہ الامامیہ:ج5ص4)

تر جمہ: تین طلا قیں ایک لفظ سے دی گئی ہو ں یا ایک طہر میں علیحدہ علیحدہ دی گئی ہو ں ہما رے نزدیک صرف ایک طلا ق وا قع ہو تی ہے ۔

2:۔محمد بن علی بن ابرا ہیم المعروف ابن ابی جمہور لکھتے ہیں :

وروی جمیل بن دراج فی صحیحہ عن احدہما علیہما السلام قال: سألتہ عن الذی یطلق فی حا ل طہر فی مجلس واحد ثلاثاً؟قال: ھی واحد ۃ .(عوالی اللآلی العزیزیہ:ج3ص378)

تر جمہ:جمیل بن درا ج نے اپنی کتا ب ”صحیح“ میں امام باقر یا امام صا دق سے روا یت نقل کی ہے کہ میں نے ان سے اس شخص کے با رے میں پوچھا جو اپنی بیوی کو حا لت طہر میں ایک مجلس میں تین طلاقیں دیتا ہے تو انہو ں نے جوا ب دیا کہ ایک طلاق واقع ہو گی ۔

مذ ہب مرزائیت:

(1) مرزائیوں نے اپنی نام نہاد فقہ’’ فقہ احمدیہ ‘‘کے نا م سے شائع کی ہے جسے نو(9) اراکین پر مشتمل ایک کمیٹی نے مرتب کیا ہے اس میں دفعہ 35 کی تشریح میں لکھا ہے:

’’ لہذا فقہ احمدیہ کے نزدیک اگرتین طلاقیں ایک دفعہ ہی دے دی جائیں تو ایک رجعی طلاق متصور ہوگی۔‘‘(فقہ احمد یہ :ص80)

(2) مرزائیوں کے لاہور گروپ کے سربراہ محمد علی نے اپنی تفسیر بیا ن القر آ ن میں یو ں لکھا ہے:

’’طلاق ایک ہی ہے خواہ سو دفعہ کہے یا تین دفعہ اور خواہ اسے ہر روز کہتا جا ئے یا ہر ما ہ میں ایک دفعہ کہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑ تا ۔‘‘

(بیان القر آن از محمد علی:ج1ص136)

دلائل اہل السنت و الجماعت

﴿قر آ ن مجید﴾

دلیل نمبر 1:

﴿أَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ (سورۃ البقرہ :229)

استدلال:

[1]: امام محمد بن اسما عیل البخا ری (م256ھ) تین طلا ق کے وقوع پر مذکورہ آیت سے استدلال کر تے ہوئے باب قائم فرماتے ہیں:

''با ب من اجاز طلاق الثلاث''[وفی نسخۃ :باب من جوز طلاق الثلاث] لقولہ تعالیٰ : أَلطَّلَاقُ مَرَّتَان فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ .'' (صحیح البخاری: ج2 ص791)

[2]: امام ابو بکر احمد الرازی الجصاص (م307ھ) فرماتے ہیں:

قولہ تعا لیٰ : ﴿أَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ يدل علیٰ وقوع الثلاث معاً مع كونہ منهيا عنها•

(احکام القر آ ن للجصا ص :ج1 ص527ذکر الحجاج لایقاع الثلاث معا)

[3]: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصا ری القرطبی (م671ھ) اس آ یت کی تفسیر کر تے ہو ئے فر ماتے ہیں:

قال علماؤنا واتفق ائمۃ الفتویٰ علیٰ لزوم ایقاع الطلاق الثلاث فی کلمۃ واحدۃ• (الجا مع لاحکا م القر آن:ج1ص492)

اعتراض:

آیت میں لفظ''مرتان''بمعنی ''مرۃ بعد مرۃ'' ہے، اس کا معنی اب یوں بنے گا کہ ایک طلاق دی پھر کچھ عرصہ بعد دوسری طلاق بھی دے دی۔ تو یہ آیت متفرق مجالس میں دی گئی طلاق کے متعلق ہے۔ اس سے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے وقوع پر استدلال کرنا درست نہیں۔

جواب:

یہاں ''مرتان'' بمعنی ''اثنتان'' ہے یعنی طلاق دوبار دینی ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی (م1270 ھ) فرماتے ہیں:

وهذا يدل على أن معنى مرتان إثنتان(روح المعانی ج2 ص135)

نیز قرآن و حدیث میں کئی ایسی مثالیں ہیں مثلاً....

1: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ. (صحیح البخاری ج1 ص27 بَاب الْوُضُوءِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ)

کیا اس کا یہ معنی کیا جائے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک عضو ایک مجلس میں دھویا اور دوسرا عضو دوسری مجلس میں؟! نہیں، بلکہ ایک ہی مجلس میں دھونا مراد ہے۔

2: عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَبْدُ إِذَا نَصَحَ سَيِّدَهُ وَأَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ كَانَ لَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ . (صحیح البخاری ج1 ص346 بَاب الْعَبْدِ إِذَا أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَنَصَحَ سَيِّدَهُ)

نیز یہ اصول بھی قابل غور ہے کہ اگر ''مرتان'' سے افعال کا بیان ہوگا تو اس وقت تعداد زمانی یعنی یکے بعد دیگرے کے معنیٰ میں ہوگا۔کیونکہ دو کلاموں کا ایک وقت میں اجتماع ممکن نہیں ہے۔مثلاً جب کوئی یہ کہے کہ''اَكَلْتُ مَرَّتَيْنِ''تو اس کا لازمی طور پر معنیٰ یہ ہوگا کہ میں نے دوبار کھایا۔اس لئے کہ دو اکل یعنی کھانے کے دو عمل ایک وقت میں نہیں ہو سکتے اور جب ''مرتان''سے اعیان یعنی ذات کا بیان ہوگا تو اس وقت یہ''عددین''دو چند اور ڈبل کے معنیٰ میں ہوگا۔کیونکہ دو ذاتوں کا ایک وقت میں اکٹھا ہونا ممکن ہے۔

دلیل نمبر 2:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ﭑفَإِنْ طَلَّقَهَا فَلاَ تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهﭐ .(سورۃ البقرۃ:230)

استدلال:

[1]: مشہور صحابی اور مفسر قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت سے

استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اِنْ طَلَّقَهَا ثَلاَثًا فَلاَ تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًاغَيْرَهُ۔ (السنن الکبری للبیہقی: ج7ص376 باب نکاح المطلقۃ ثلاثا)

[2]: مشہور فقیہ امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَالْقُرْآنُ يَدُلُّ_وَاللّٰهُ اَعْلَمُ _عَلٰى اَنَّ مَنْ طَلَّقَ زَوْجَةً لَهُ دَخَلَ بِهَا اَوْلَمْ يَدْخُلْ بِهَاثَلاَثًالَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ''

(کتاب الام للامام محمد بن ادریس الشافعی: ج2ص1939)

فائدہ:

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ نے الفاظ ''ثلاثاً'' بیان فرمائےہیں کہ اگر خاوند نے تین طلاقیں دی ہوں تو تینوں واقع ہوں گی، یاد رہے یہ لفظ''ثلاثا'' ہے نہ کہ ''ثالثۃ''

[3]: علامہ ابن حزم اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قول اللہ تعالیٰ: ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلاَ تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ فَهٰذَا يَقَعُ عَلَى الثَّلاَثِ مَجْمُوعَةً وَمُفَرَّقَةً، وَلاَ يَجُوزُ أَنْ يُخَصَّ بِهٰذِهِ الآيَةِ بَعْضُ ذٰلِكَ دُونَ بَعْضٍ بِغَيْرِ نَصٍّ.. (المحلیٰ لابن حزم: ج9 ص394 کتاب الطلاق مسألۃ1945)

کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلاَ تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ ان تین طلاقوں پربھی صادق آتا ہے جو اکٹھی ہوں اور ان پر بھی سچا آتا ہے جو متفرق طور پر ہوں، اور بغیر کسی نص کے اس آیت کو تین اکٹھی طلاقوں کو چھوڑ کر صرف متفرق کے ساتھ مخصوص کر دینا صحیح نہیں ہے۔

اعتراض:

''فان طلقها''کے عموم سے اکٹھی تین طلاقیں خارج ہیں کیونکہ شریعت میں اس طرح مجموعی طلاق دینا منع ہےتو جو طلاق ممنوع ہے وہ واقع کیسے ہوگی؟اس سے شریعت کی ممانعت کا کوئی معنیٰ نہ رہے گا۔

جواب: یہاں دو چیزیں ہیں۔ 1: جواز 2: نفاذ

تین طلاقیں اکٹھی دینا جائز تو نہیں لیکن نافذ ہو جاتی ہیں، جواز اور ہے اور نفاذ اور۔ مثلاً حیض کی حالت میں طلاق دینا ممنوع اور ناجائز ہے لیکن اگر کسی نے دے دی تو نافذ ہوجاتی ہے۔ (دیکھیےصحیح البخاری: ج2 ص790)

دلیل نمبر 3:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لاَ تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلاَ يَخْرُجْنَ إِلاَّ أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لاَ تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا.

(سورۃ الطلاق:1)

استدلال:

[1]: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت سے تین طلاقوں کے وقوع پر استدلال کرتے ہیں:

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَجَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ إِنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاَثًا. قَالَ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ رَادُّهَا إِلَيْهِ.

ثُمَّ قَالَ يَنْطَلِقُ أَحَدُكُمْ فَيَرْكَبُ الْحَمُوقَةَ ثُمَّ يَقُولُ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ وَإِنَّ اللَّهَ قَالَ (وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا) وَإِنَّكَ لَمْ تَتَّقِ اللَّهَ فَلَمْ أَجِدْ لَكَ مَخْرَجًا عَصَيْتَ رَبَّكَ وَبَانَتْ مِنْكَ امْرَأَتُكَ وَإِنَّ اللَّهَ قَالَ (يَا أَيُّهَا النَّبِىُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ) فِى قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ. (سنن ابی داؤد: ج1 ص315 باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث، السنن الکبریٰ للبیہقی: ج7ص331 باب الاِخْتِيَارُ لِلزَّوْجِ أَنْ لاَ يُطَلِّقَ إِلاَّ وَاحِدَةً)

قال الحافظ ابن حجر: اسناده صحیح. (تعلیق المغنی : ص430 بحوالہ عمدۃ الاثاث: 72)

قال الالبانی: صحیح. (سنن ابی داؤد باحکام الالبانی: تحت ح2199)

[2]: امام نووی (م676ھ) اس آیت سے جمہور کے استدلال کو یوں نقل کرتے ہیں:

واحتج الجمھور بقولہ تعالیٰ ﴿وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لاَ تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا﴾ قالوا معناہ أن المطلق قد یحدث لہ ندم فلا یمکنہ تدارکہ لوقوع البینونۃ فلو کانت الثلاث لا تقع لم یقع طلاقہ ھذا الا رجعیا فلا یندم.

(شرح النووی علی صحیح مسلم: ج1 ص478)

احا دیث مبا رکہ

احا دیث مرفوعہ:

دلیل نمبر 1:

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا اَنّ رَجُلاً طَلّقَ امْرَأَتَہُ ثَلٰثاً فَتَزَوّجَتْ فَطَلّقَ فَسُئِلَ النّبِیُّ صَلّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلّمَ اَتَحِلُّ لِلْاَوّلِ؟ قَالَ:لَاحَتّٰی یَذُوْقَ عُسَیْلَتَہَا کَمَا ذَاقَ الْاَوّلُ•

(صحیح البخاری ج2ص791باب من اجاز طلاق الثلاث، صحیح مسلم ج1 ص463 باب لا تحل المطلقۃ ثلاثا لمطلقھا ،السنن الکبری للبیہقی ج7 ص334 باب ما جاء فی امضاء الطلاق الثلاث و ان کن مجموعات)

استدلال:

1:امام بخاری ،امام مسلم (کی ”الصحیح“ پر امام نووی) اور امام بیہقی رحمہم اللہ کا باب باندھنا

2: حا فظ ابن حجر عسقلا نی (م852ھ) اور علامہ بدر الدین عینی (م855ھ) لکھتے ہیں:

فا لتمسک بظا ہر قولہ طلقہا ثلاثاً فا نہ ظا ہر فی کو نہا مجموعۃ. (فتح الباری لا بن حجر ج9ص455، عمدۃ القاری: ج14ص241)

کہ امام بخاری کا استدلال(کہ تین طلاقیں تین شمار ہوتی ہیں) اس روا یت کے الفا ظ ”طلقہا ثلاثاً“ سے ہے کیو ں کہ یہ الفاظ اس بارے میں بالکل ظاہر ہیں کہ اس شخص نے تین طلا قیں اکٹھی دی تھیں۔

دلیل نمبر 2:

عَن ابْنِ شِہَابٍ اَنّ سَہْلَ بْنَ سَعْدٍ السَاعِدِیّ اَخْبَرَہُ......قَالَ عُوَیْمَرُرَضِیَ اللہُ عَنْہُ کَذَبْتُ عَلَیْھَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! اِنْ اَمْسَکْتُہَا فَطَلّقَھَا ثَلاَ ثًا قَبْلَ اَنْ یّامُرَہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلّمَ (وَفِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ دَاوُدَ)قَالَ:فَطَلّقَھَاثَلاَثَ تَطْلِیْقَاتٍ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلّمَ فَاَنْفَذَہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلّمَ.

(صحیح البخاری ج2ص791 باب من اجاز طلاق الثلاث، سنن ابی داوٗد ج 1ص324 باب فی اللعان،صحیح مسلم ج1 ص489،488: کتا ب اللعا ن ، سنن النسائی :ج2ص107 کتا ب الطلاق باب بدء اللعا ن جا مع الترمذی :ج1ص227،226ابواب الطلاق واللعا ن،باب ماجا ء فی اللعا ن)

فائدہ: سنن ابی داؤد والی روایت کو غیر مقلد عالم ناصر الدین البانی صاحب نے ”صحیح“ کہا ہے۔ (تحت حدیث2250)

استدلال:

1: امام بخاری رحمہ اللہ کا باب باندھنا

2: امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی یہ روایت ”فَاَنْفَذَ ہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و سلم.“

دلیل نمبر3:

عَنْ مَحْمُودَ بْنِ لَبِيدٍ قَالَ أُخْبِرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاَثَ تَطْلِيقَاتٍ جَمِيعًا فَقَامَ غَضْبَانًا ثُمَّ قَالَ أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ حَتَّى قَامَ رَجُلٌ وَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَلاَ أَقْتُلُهُ.

(سنن النسائی: ج2 ص99 باب الثلاث المجموعۃ وما فیہ من التغلیظ)

تحقیق السند :

1:قال ابن القیم: اسنادہ علی شرط مسلم-(زاد المعاد ج5ص24 فصل فی حکمہ ﷺ فیمن طلق ثلاثا)

2:قال العلامۃ الماردینی: وقد ورد في ھذا الباب حدیث صحیح صریح فاخرج النسائي في باب الثلاث المجموعۃ وما فیہ من التغلیظ بسند صحیح عن محمود بن لبید. (الجوہر النقی علی البیہقی ج7 ص333 باب الاختیار للزوج ان لا یطلق الا واحدۃ)

3:قال ابن حجر:رواتہ مؤثقون-(بلوغ المرام ص442)

4:قال ابن کثیر: اسنادہ جید. (بحوالہ نیل الاوطار ج 6ص240، باب ما جاء في طلاق البتۃ وجمع الثلاث واختیار تفریقھا)

استدلال:

1: آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا اکٹھی تین طلاق دینے کی خبر سن کرسخت غصہ کا اظہار فرمانا تین طلاق کے واقع ہونےکی مستقل دلیل ہے کیونکہ اگر تین طلاقیں ایک ہوتیں اور خاوند کو رجوع کا حق باقی رہتا تو شدید غصہ کی کوئی وجہ نہیں تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم یہ فرما دیتے کہ ایک طلاق ہوئی ہے، تم رجوع کر لو۔

2: اگر تین طلاق واقع نہ ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ و سلم ضرور ان کو رد فرما دیتے اور صراحت فرما دیتے کہ تین طلاقیں واقع نہیں ہوئی ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا رد فرمانا کہیں منقول نہیں جس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے تین طلاقوں کو نافذ کر دیا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن العربی فرماتے ہیں:

إن فيه التصريح بأن الرجل طلق ثلاثا مجموعة ولم يرده النبي صلى الله عليه و سلم بل امضاه•

(فتح الباری: ج9 ص451 باب من جوز طلاق الثلاث)

3: امام نسائی رحمہ اللہ کا ''الثلاث المجموعۃ وما فیہ من التغلیظ'' کے عنوان سے باب باندھنا ۔

دلیل نمبر 4:

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ نَاعَبْدُاللّٰہِ بْنُ عُمَرَرَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا أَنَّہُ طَلَّقَ امْرَأَتَہُ تَطْلِیقَۃً وَہِیَ حَائِضٌ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ یُتْبِعَہَا بِتَطْلِیقَتَیْنِ أُخْرَاوَیْنِ عِنْدَ الْقَرْئَیْنِ الْبَاقِیَیْنِ فَبَلَغَ ذٰلِکَ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ : یَا ابْنَ عُمَرَ مَا ھٰکَذَا أَمَرَ اللّٰہُ إِنَّکَ قَدْ أَخْطَأْتَ السُّنَّۃَ وَالسُّنَّۃُ أَنْ تَسْتَقْبِلَ الطُّہْرَ فَتُطَلِّقَ لِکُلِّ قُرْءٍ. قَالَ : فَأَمَرَنِی رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَرَاجَعْتُہَا ثُمَّ قَالَ:« إِذَا ہِیَ طَہرَتْ فَطَلِّقْ عِنْدَ ذٰلِکَ أَوْ أَمْسِکْ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ! رَأَیْتَ لَوْاَنِّیْ طَلَّقْتُہَاثَلَاثاً کَانَ یَحِلُّ لِیْ أَنْ اُرَاجِعَہَا؟قَالَ لَاکَانَتْ تَبِیْنُ مِنْکَ وَتَکُوْنُ مَعْصِیَۃً• (سنن الدارقطنی: ص652 حدیث نمبر3929)

تحقیق السند:

1: علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

وهذا إسناد قوي . (تنقیح کتاب التحقیق فی احادیث التعلیق للذہبی: ج2 ص205)

2: یہ حدیث امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کی ہے، جس کے متعلق علامہ نور الدین الہیثمی لکھتے ہیں:

رواه الطبراني وفيه علي بن سعيد الرازي قال الدارقطني : ليس بذاك وعظمه غيره وبقية رجاله ثقات.

(مجمع الزوائدج4 ص618 باب طلاق السنۃ وکیف الطلاق)

علامہ ہیثمی نے اس روایت کے راویوں کو ثقہ کہا ہے البتہ ''علی بن سعید الرازی'' کے متعلق امام دار قطنی کا جو قول نقل کیا ہے اس کی فنی حیثیت جاننے کے لیے علامہ شمس الدین ذہبی کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں، علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

حافظ رحال جوال . قال الدارقطني: ليس بذاك. تفرد بأشياء. قلت: سمع جبارة بن المغلس، وعبد الاعلى بن حماد. روى عنه الطبراني، والحسن بن رشيق، والناس. قال ابن يونس: كان يفهم ويحفظ.

(میزان الاعتدال: ج3 ص143رقم الترجمۃ 5553)

حافظ ابن حجر عسقلانی اسی راوی کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقال مسلمة بن قاسم.. وكان ثقة عالما بالحديث. (لسان المیزان ج 4 ص231 رقم الترجمہ 615)

اس سے معلوم ہوا کہ امام دار قطنی کے علاوہ کسی اور نے ان علی بن سعید الرازی کے بارے میں کلام نہیں کیا اور دارقطنی کا یہ کلام بھی نرم الفاظ میں ہے بڑے درجہ کا کلام نہیں ہے جسے علامہ ذہبی نے تفرد اور انفرادی رائے قرار دیا ہے اور اس راوی کو ''حافظ'' فرما کر اس کی توثیق کی۔ مزید یہ کہ اسرائیل بن یونس نے بھی ان کو ''ثقہ'' قرار دیا ہے اور مسلمہ بن قاسم نے بھی ان کو ''ثقہ'' قرار دیا ہے۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اس روایت کی یہ سند بھی صحیح ہے۔ اس روایت کی صحت کی مزید تائید حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ:

فكان ابن عمر إذا سئل عن الرجل يطلق امرأته وهی حائض يقول ......أما أنت طلقتها ثلاثا فقد عصيت ربك فيما أمرك به من طلاق امرأتك وبانت منك. (صحیح مسلم ج1ص476 باب تحریم طلاق الحائض)

اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ بات حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ و سلم ہی سے سنی تھی کیونکہ یہ ویسے الفاظ ہیں جیسے دارقطنی اور طبرانی کی

مرفوع روایت میں ہیں۔

دلیل نمبر 5:

عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفْلَةَ قَالَ كَانَتْ عَائِشَةُ الْخَثْعَمِيَّةُ عِنْدَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَمَّا أُصِيْبَ عَلِيٌّ وَبُوْيِعَ الْحَسَنُ بِالْخِلَافَةِ قَالَتْ : لِتَهْنِئْكَ الْخِلَافَةُ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَقَالَ : يُقْتَلُ عَلِيٌّ وَ تُظْهِرِيْنَ الشَّمَاتَةَ اذْهَبِي فَأَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا قَالَ: فَتَلَفَّعَتْ نِسَاجَهَا وَقَعَدَتْ حَتّٰى انْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَبَعَثَ إِلَيْهَا بِعَشْرَةِ آلَافٍ مُتْعَةً وَ بَقِيَّةٍ بَقِيَ لَهَا مِنْ صَدَاقِهَا فَقَالَتْ : مَتَاعٌ قَلِيْلٌ مِنْ حَبِيْبٍ مُفَارِقٍ فَلَمَّا بَلَغَهُ قَوْلُهَا بَكٰى وَقَالَ لَوْلَاأَنِّيْ سَمِعْتُ جَدِّيْ أَوْحَدَّثَنِيْ أَبِيْ أَنَّهُ سَمِعَ جَدِّيْ يَقُوْلُ أَيُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ ثَلَاثًا مُبْهَمَةً أَوْثَلَاثًا عِنْدَ الْاَقْرَائِ لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ لَرَاجَعْتُهَا.

(سنن الدارقطنی ج651 حدیث نمبر3927 کتاب الطلاق و الخلع و الطلاق)

فائدہ:

بعض الناس نے اس روایت کے تین راویوں پر جرح کرتے ہوئے اس روایت کو ضعیف ٹھہرانے کی کوشش کی ہے۔ ان تین راویوں کے بارے میں تحقیقی بات عرض ہے کہ ان پر بعض محدثین کی صرف جرح نہیں ہے بلکہ کئی جید ائمہ محدثین نے ان کی تعدیل و توثیق بھی فرمائی ہے۔ ذیل میں ہم ان کے بارے میں ائمہ کی تعدیل و توثیق پیش کرتے ہیں۔

(1) محمد بن حمید الرازی

آپ ابوداؤد ،ترمذی اور ابن ماجہ کے را وی ہیں - (تہذیب التہذیب: ج5ص547)

اگرچہ بعض محدثین سے جر ح منقول ہے لیکن بہت سے جلیل القدر ائمہ محدثین نے آ پ کی تعدیل و تو ثیق اور مدح بھی فر ما ئی ہے مثلاً:

1: امام فضل بن دکین (م218ھ): عَدَّلَہٗ. (تاریخ بغداد: ج2 ص74)

2: امام یحییٰ بن معین (م233ھ): ثقۃ ،لیس بہ باس، رازی کیس.(تاریخ بغداد: ج2 ص74، تہذیب الکمال للمزی: ج8ص652)

3: امام احمدبن حنبل (م241ھ):وثقہ (طبقات الحفاظ للسیوطی ج1ص40)

وقال ایضاً: لایزال با لری علم مادام محمد بن حمید حیاً. (تہذیب الکمال للمزی : ج8ص652)

4: امام محمد بن یحییٰ الذہلی (م258ھ): عَدَّلَہٗ. (تاریخ بغداد: ج2 ص73)

5: امام ابو زرعہ الرازی (م263ھ): عَدَّلَہٗ. (تاریخ بغداد: ج2 ص73)

6: امام محمد بن اسحاق الصاغانی (م271ھ): عَدَّلَہٗ. (سیر اعلام النبلاء: ج8 ص293)

7: امام جعفر بن ابی عثمان الطیالسی (م282ھ): ثقۃ. (تہذیب الکمال : ج8ص653)

8: امام ابو نعیم عبد الملک بن محمدبن عدی الجرجانی(م323ھ): لان ابنَ حمیدٍ من حفاظِ اہلِ الحدیثِ. (تاریخ بغداد: ج2 ص73)

9: امام الدار قطنی (م385ھ): اسنادہ حسن. [و فیہ محمد بن حمید الرازی]. (سنن الدار قطنی: ص27 رقم الحدیث27)

10: امام خلیل بن عبد اللہ بن احمد الخلیلی (م446ھ): کان حافظاً عالماً بھذا الشان، رضیہ احمد و یحییٰ. (تہذیب التہذیب: ج5 ص550)

11: علامہ شمس الدین ذہبی (م748ھ): العلامۃ، الحافِظ الکبیر. (سیر اعلام النبلاء: ج8 ص292)

وقال ایضاً: الحافظ و کان من اوعیۃ العلم. (العبر فی خبر من غبر: ج1 ص223)

12: علامہ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی (807): ” وفی اسناد بزار محمد بن حمید الرازی وھو ثقۃ.(مجمع الزوائد: ج9ص475)

13: حافظ ابن حجر (م852ھ): حافظ ضعیف و کان ابن مَعین حسنَ الرای فیہ. (تقریب التہذیب : ص505)

14: علامہ جلال الدین سیوطی (م911ھ): وثقہ احمد و یحییٰ و غیر واحد. (طبقات الحفاظ للسیوطی: ص216 رقم 479)

15: امام احمد بن عبد اللہ الخزرجی (م923ھ): الحافظ، و کان ابن مَعین حسنَ الرای فیہ. (خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال للخزرجی: ص333)

(2) سلمہ بن الفضل

1: امام یحیی بن معین:ثقہ

وقال ایضاً: لا باس بہ (”لا باس بہ“ کلمہ توثیق ہے)

2: علامہ ابن سعد : ثقہ، صدوق
3: امام ابن عدی: عنده غرائب وافراد ولم أجد في حديثه حديثا قد جاوز الحد في الانكار وأحاديثه متقاربة محتملة [ان کی حدیث میں غرائب اور افراد تو ہیں لیکن میں نے ان کی کوئی حدیث ایسی نہیں دیکھی جو انکار کی حد تک پہنچی ہو، ان کی حدیثیں متقارب اور قابل برداشت (یعنی قابل قبول)ہیں۔]
4: امام ابن حبان: ذکرہ فی الثقات
5: امام ابو داؤد: ثقۃ
6: امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: لا أعلم إلا خيرا. (یہ تمام اقوال تہذیب التہذیب ج2ص752 رقم 2938 سے لیے گئے ہیں)

(3) عمرو بن ابی قیس

5-1: امام بخاری نے تعلیق میں ان سے روایت کیا ہے اور امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے ان سے روایت لی ہے۔
(تہذیب التہذیب: ج5ص83 رقم 6007)
6: امام ابن حبان : ذکرہ فی الثقات (کتاب الثقات: رقم الترجمۃ9766)
7: امام عبدا لصمد بن عبد العزیز المقری: (قال) دخل الرازيون على الثوري فسألوه الحديث فقال: أليس عندكم الازرق ؟ يعني عمرو بن أبي قيس. (الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم الرازی: ج6 ص333 رقم 1409)
8: امام ابو داؤد: في حديثه خطأ (وقال فی موضع آخر) لا بأس به. (تہذیب التہذیب: ج5 ص84 رقم 6007)
9: امام عثمان بن ابی شیبہ : لا بأس به (تہذیب التہذیب: ایضاً)
10: امام ابو بکر البزار: مستقيم الحديث (تہذیب التہذیب: ایضاً)

اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جس راوی کی ثقاہت و ضعف میں اختلاف ہو تو اس کی روایت حسن درجہ کی ہوتی ہے، قواعد فی علوم الحدیث میں ہے:

اذا کان رواۃ اسناد الحدیث ثقات وفیہم من اختلف فیہ: اسنادہ حسن، او مستقیم او لا باس بہ.
(قواعد فی علوم الحدیث: ص75 نقلاً عن مقدمۃ الترغیب و الترہیب و نصب الرایۃ و التعقبات للسیوطی و تہذیب التہذیب تحت ترجمہ عبد اللہ بن صالح)

لہذا اصولی طور پر یہ روایت حسن درجہ کی ہے۔ علامہ ہیثمی نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا:

و فی رجالہ ضعف و قد وثقوا• (مجمع الزوائد ج4ص625 باب متعۃ الطلاق)

گویا علامہ ہیثمی بھی اسی اصول کے تحت اس روایت کو حسن درجہ کا فرما رہے ہیں۔

<u>ایک ضروری وضاحت:</u>

ائمہ محدثین کی آراء اور اصولیین کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ یہ روایت حسن درجہ سے کم نہیں۔ بالفرض اس روایت میں کچھ ضعف بھی ہو تو جمہور ائمہ کے تعامل اور اجماع سے یہ حدیث صحیح ثابت ہو جاتی ہے۔ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں:

وإذا ورد حديث مرسل أو في أحد ناقلِيه ضعيف فوجدنا ذلك الحديث مجمعا على أخذه والقول به علمنا يقينا أنه حديث صحيح لا شك فيه. (توجیہ النظر الی اصول الاثر:ج1 ص141)

کہ جب کوئی مرسل روایت ہو یا کوئی ایسی روایت ہو جس کے راویوں میں سے کسی میں کوئی ضعف ہو لیکن اس حدیث کو لینے اور اس پر عمل کرنے کے سلسلہ میں اجماع واقع ہو چکا ہو تو ہم یقینا یہ جان لیں گے کہ یہ حدیث ''صحیح'' ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

چونکہ تین طلاقوں کے تین ہونے پر اجماع ہے (جیسا کہ اس پر عنقریب حوالہ جات پیش کیے جائیں گے) اس لیے اگر اس حدیث کے کسی راوی میں ضعف بھی ہو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں، ایسی حدیث صحیح شمار ہو گی۔ اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے علامہ زاہد بن الحسن الکوثری نے حافظ ابن رجب الحنبلی سے اس روایت کے متعلق تصحیح نقل کی ہے کہ حافظ ابن رجب فرماتے ہیں:

اسنادہ صحیح• (الاشفاق للکوثری ص38)

لہذا البانی صاحب وغیرہ کا اس تصحیح کو نہ ماننا اور علامہ کوثری پر بلا وجہ طعن کرنا یقینا غلط اور محدثین کے مذکورہ اصولوں سے نا واقفیت کی دلیل ہے۔

احادیث موقوفہ

دلیل نمبر 1:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اِذَااُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِيْ مَجْلِسٍ أَوْجَعَهُ ضَرْبًا وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج9ص519 باب من کرہ ان یطلق الرجل امرأتہ ثلاثا۔ رقم الحدیث18089)

اسنادہ صحیح ورواتہ ثقات.

دلیل نمبر 2:

عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ : أَنَّ بَطَّالاً كَانَ بِالْمَدِينَةِ فَطَلَّقَ امْرَأَتَهُ أَلْفًا فَرُفِعَ ذَلِكَ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ : إِنَّمَا كُنْتُ أَلْعَبُ فَعَلاَهُ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِالدِّرَّةِ وَقَالَ : إِنْ كَانَ لَيَكْفِيكَ ثَلاَثٌ. (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج7 ص334 باب ما جاء فی امضاء ا لطلاق الثلاث)

اسنادہ صحیح ورواتہ ثقات.

دلیل نمبر 3:

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي تِحْيٰى قَالَ : جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عُثْمَانَ فَقَالَ : إِنِّي طَلَّقْت امْرَأَتِي مِاةً ، قَالَ : ثَلاَثٌ يُحَرِّمْنَهَا عَلَيْك ، وَسَبْعَةٌ وَتِسْعُونَ عُدْوَانٌ. (مصنف ابن ابی شیبہ :ج9ص522باب ما جا ء یطلق امرأتہ مائۃ او الف فی قول وا حد. رقم 18104)

اسنادہ صحیح و رجالہ ثقات.

تنبیہ: بعض نسخوں میں معاویہ بن ابی تحییٰ کے والد کا نام ”ابی تحیی“ کے بجائے ”ابی یحیی“ (یا کے ساتھ) لکھا گیا ہے لیکن امیر الحافظ نے ”ابی تحیی“ (تا کے ساتھ) ضبط کیا ہے۔ (الاکمال لابن ماکولا: ج1 ص507) اور شیخ عوامہ کے طرز بیان سے بھی اسی کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ (حاشیۃ مصنف ابن ابی شیبۃ: ج9 ص522)

دلیل نمبر 4:

عن علقمة قال جاء رجل إلى بن مسعود فقال إني طلقت امرأتي تسعة وتسعين وإني سألت فقيل لي قد بانت مني فقال بن مسعود لقد أحبوا أن يفرقوا بينك وبينها قال فما تقول رحمك الله - فظن أنه سيرخص له - فقال ثلاث تبينها منك وسائرها عدوان.

(مصنف عبدالرزاق: ج6 ص307 رقم 11387 باب المطلق ثلاثا ،سنن سعید بن منصور: ج1 ص261 کتاب الطلاق باب التعدی فی الطلاق رقم 1963)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم

دلیل نمبر 5:

عن سالم عن بن عمر قال من طلق امرأته ثلاثا طلقت وعصى ربه.

(مصنف عبدالرزاق: ج 6 ص307 رقم 11388 باب المطلق ثلاثاً)

اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین.

(فی روایۃ) عَنْ نَافِعٍ قَالَ : قَالَ ابْنُ عُمَرَ : مَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاَثًا ، فَقَدْ عَصَى رَبَّهُ ، وَبَانَتْ مِنْهُ امْرَأَتُهُ.

(مصنف ابن ابی شیبہ: ج9 ص520 باب من کرہ ان یطلق الر جل امراتہ ثلاثاًفی مقعد واحد. رقم 18091)

دلیل نمبر 6:

عن انس بن مالک فیمن طلق امراتہ ثلاثاً قبل ان یدخل بھا قال لا تحل لہ حتیٰ تنکح غیرہو فی روایۃ ھی ثلاث.

(سنن سعید بن منصور :ج 1ص 264 رقم الحدیث 1974، 1973 ،مصنف عبدالرزاق: ج 6 ص261 ،269 باب طلاق البکر)

اسنادہ صحیح علی شر ط البخاری و مسلم.

دلیل نمبر 7:

عَنْ وَاقِعِ بْنِ سَحْبَانَ قَالَ : سُئِلَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاَثًا فِي مَجْلِسٍ ؟ قَالَ : أَثِمَ بِرَبِّهِ ، وَحُرِّمَتْ عَلَيْهِ امْرَأَتُهُ.

(مصنف ابن ابی شیبہ : ج9 ص519من کرہ ان یطلق الرجل امراتہ ثلاثا فی مقعد واحد واجاز ذلك علیہ. رقم 18087)

اسنادہ صحیح و رواتہ ثقات.

دلیل نمبر 8:

عن نعمان بن أبي عياش قال سأل رجل عطاء بن يسار عن الرجل يطلق البكر ثلاثا فقال إنما

~~طلاق البکر واحدۃ فقال لہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص أنت قاص الواحدۃ تبینھا والثلاث تحرمھا حتی~~ تنکح زوجا غیرہ

(مصنف عبدالرزاق: ج 6 ص 262رقم الحدیث11118 باب الطلاق البکر ،مؤطا امام مالک: ص521 باب الطلاق البکر ، سنن سعید بن منصور: ج1 ص 264 رقم الحدیث 1975 باب التعدی فی الطلاق)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم ۔

دلیل نمبر9:

مالک عن یحیی بن سعید عن بکیر بن عبد اللہ بن الاشجع انہ اخبرہ عن معاویۃ بن ابی عیاش الانصاری انہ کان جالسا مع عبد اللہ بن الزبیر و عاصم بن عمرقال فجاءھما محمد بن ایاس بن البکیر فقال ان رجلا من اھل البادیۃ طلق امراتہ ثلاثا قبل ان یدخل بھا فما ذا تریان فقال عبد اللہ بن الزبیر ان ھذا الامر ما بلغ لنا فیہ قول فاذہب الی ابن عباس و ابی ہریرۃفانی ترکتہما عند عائشۃفسلمہما ثم ائتنا فذہب فسئلھما فقال ابن عباس لا بی ھریرۃ افتہ یا ابا ھریرۃ فقد جآ ء تک معضلۃ فقال ابو ھریرۃ الواحدہ تبینھا والثلاث تحرمھا حتی تنکح زوجاًغیرہ وقال ابن عباس مثل ذلک

(مؤطا امام مالک: ص521 باب طلاق البکر،ومؤطا امام محمد: ص263 باب الرجل یطلق امرأتہ ثلاثاً قبل ان یدخل بھا ،مصنف عبد الرزاق: ج 6 ص 262 رقم الحدیث 11115 باب طلاق البکر)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم.

دلیل نمبر10:

عن الحکم أن علیا وبن مسعود وزید بن ثابت قالوا إذا طلق البکر ثلاثا فجمعھا لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ فإن فرقھا بانت بالأولی ولم تکن الأخریین شیئا.

(مصنف عبد الرزاق :ج 6 ص 264 رقم الحدیث 11127 باب طلاق البکر ، سنن سعید بن منصور: ج 1 ص 266 باب التعدی فی الطلاق رقم الحدیث 1080، المحلیٰ بالآثار لابن حزم: ج 9 ص498 ،497 کتاب الطلاق)

اسنادہ صحیح علی شرط البخاری و مسلم.

دلیل نمبر11:

حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ ، قَالَ : حدَّثَنَا عُبَیْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمْر .(ح) وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِیَاسِ بْنِ بُکَیْرٍ ، عَنْ أَبِي هُرَیْرَةَ ، وَابْنِ عَبَّاسٍ ، وَعَائِشَةَ ؛ فِي الرَّجُلِ یُطَلِّقُ امْرَأَتَهُ ثَلاَثًا قَبْلَ أَنْ یَدْخُلَ بِهَا ، قَالُوا : لاَ تَحِلُّ لَهُ حَتَّى تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَهُ.

(مصنف ابن ابی شیبہ :ج9 ص536باب فی الرجل یتزوج المرأۃ ثم یطلقھا ثلاثا قبل ان یدخل بھا. رقم 18159)

اسنادہ صحیح علی شر ط البخا ری ومسلم.

احادیث مقطوعہ

دلیل نمبر1:

عن ابرا ہیم فی الرجل یقول لامرأتہ انت طالق ثلاث قبل ان یدخل بھا قال ان اخرجھن جمیعاً لم تحل لہ فاذا اخرجہن تتری بانت باولیٰ والثنتان لیستا بشئی ‘‘۔ (سنن سعید بن منصور :ج1ص266،رقم 1980 باب التعدی فی الطلاق، مصنف عبد الرزاق :ج6ص261)

اسنادہ صحیح علی شر ط البخا ری ومسلم .

دلیل نمبر2:

عن ابن المسیب اذا طلق الرجل البکر ثلاثاً فلا تحل لہ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ.

(مصنف عبد الرزاق:ج6:ص261رقم الحدیث11110باب طلاق البکر)

اسنادہ صحیح علی شر ط البخا ری ومسلم.

دلیل نمبر3:

عَنَ الزُّهْرِيِّ ؛ فِي رَجُلٍ یُطَلِّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا جَمِیعًا ، قَالَ : إنَّ فَعَلَ فَقَدْ عَصَى رَبَّهُ ، وَبَانَتْ مِنْهُ امْرَأَتُهُ.

(مصنف ابن ابی شیبہ:ج9ص520 باب من کرہ ان یطلق الرجل امرأتہ ثلاث. رقم 18092)

اسنادہ صحیح علی شر ط البخا ری ومسلم.

دلیل نمبر4:

عن الحسن انہ قال فی من طلق امرأتہ ثلا ثاً قبل ان ید خل بھا قال رغم انفہ بلغ حدہ حتیٰ تنکح زوجا غیرہ
(سنن سعید بن منصور :ج1ص267 رقم الحدیث 1088باب التعدی فی الطلاق)
اسنادہ صحیح علی شر ط البخا ری ومسلم.

دلیل نمبر5:
عن الشعبی قال فی الرجل یطلق البکر ثلا ثاً جمیعا فلم ید خل بھا قال لا تحل لہ حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ فا ن (قال) انت طا لق ، انت طالق، فقد بانت بالاولیٰ لیخطبھا.
(مصنف عبد الرزاق :ج6ص264 باب طلاق البکر)
اسنادہ صحیح علی شر ط البخا ری ومسلم.

اجماع امت

[۱]: امام ابو بکر احمد الرازی الجصاص (م307ھ):
فالکتاب والسنة وإجماع السلف توجب إیقاع الثلاث معا.
(احکام القر آ ن للجصا ص :ج1 ص527ذکر الحجاج لایقاع الثلاث معا)

[۲]: امام ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر (م319ھ):
وَأَجْمَعُوْا عَلٰی أَنَّ الرَّجُلَ اِذَا طَلَّقَ اِمْرَأَتَہُ ثَلاَ ثًا أَنَّھَالاَتَحِلُّ لَہُ اِلاَّبَعْدَ زَوْجٍ عَلٰی مَاجَاءَ بِہٖ حَدِیْثُ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ•
(کتاب الاجماع لابن المنذر ص92)

[۳]: امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی (م321ھ):
مَنْ طَلَّقَ اِمْرَأَتَہُ ثَلاَثاً فَاَوْقَعَ کُلاًّفِیْ وَقْتِ الطَّلاَقِ لَزِمَہُ مِنْ ذٰلِکَ.... فَخَاطَبَ عُمَرُبِذٰلِکَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَفِیْھِمْ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَرَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمُ الَّذِیْنَ قَدْعَلِمُوْامَاتَقَدَّمَ مِنْ ذٰلِکَ فِیْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَلَمْ یُنْکِرْہُ عَلَیْہِ مِنْھُمْ مُنْکِرٌوَلَمْ یَدْفَعْہُ دَافِعٌ• (سنن الطحاوی ج2ص34باب الرجل یطلق امر أتہ ثلاثاً معا،ونحوہ فی مسلم ج1 ص477)

[۴]: امام ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک المعروف بابن بطال (م449ھ):
اتفق أئمة الفتوی علی لزوم إیقاع طلاق الثلاث في کلمة واحدة... والخلاف في ذلك شذوذ وإنما تعلق به أهل البدع ومن لا یُلتفتُ إلیه لشذوذه عن الجماعة. (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری:ج9 ص 390 باب من اجاز طلاق الثلاث)

[۵]: حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م852ھ):
فالراجح في الموضعین تحریم المتعة وایقاع الثلاث للاجماع الذي انعقد في عهد عمر علی ذلك ولا یحفظ أن أحدا في عهد عمر خالفه في واحدة منهما... فالمخالف بعد هذا الإجماع منابذ له والجمهور علی عدم اعتبار من أحدث الاختلاف بعد الاتفاق. (فتح الباری: ج9 ص453 باب من جوز طلاق الثلاث)

[۶]: قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م1225ھ):
اَجْمَعُوْاعَلیٰ اَنَّہُ مَنْ قَالَ لِامْرَأَتِہٖ أَنْتِ طَالِقٌ ثَلاَثاً یَقَعُ ثَلاَثٌ بِالْاِجْمَاعِ. (التفسیر المظہری ج1ص300)

اعتراض:
محمد رئیس ندوی لکھتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تمام مجتہدین کسی مسئلہ پر متفق ہوں لیکن ایک مجتہد کی رائے کچھ اور ہو تو اجماع منعقد ہی نہیں ہوتا اور نہ یہ حجت شرعیہ ہے،یہ جمہور کا مذہب ہےاور مسئلہ طلاق میں تو حضرت ابن عباسؓ،طاؤس اور ابن تیمیہ،ابن قیم،داؤد ظاہری وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ تین طلاق ایک واقع ہوتی ہے۔تو پھر یہ اجماع کیسے ہوا اور کیونکر حجت ہوا؟
(تنویر الآفاق ص297تا215 ملخصاً)

جواب:
اولاً ....تین طلاق کے تین ہونے پر اجماع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوا،اس وقت حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص بھی اس کا مخالف نہیں تھالہذا یہ حجت ہوا۔
ثانیاً.......:اجماع کی تعریف یہ ہے :
(1) اتفاق المجتہدین من امة محمدیة علیہ السلام فی عصر علیٰ حکم شرعی-(توضیح تلویح: ج2

ص522)

(2) اتفاق المجتهدين من امة محمد صلی اللہ علیہ و سلم فی عصر علی امر دینی۔(مجموعة قواعد الفقہ ص160 لمحمد عميم الاحسان)

تقریباً یہی تعریف ہر کتاب میں ملتی ہے۔ اجماع کی اس تعریف میں حضرات صحابہ کرام کے اجماع سے لے کر ساتویں صدی تک کے اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماع شامل ہے ۔علامہ ابن تیمیہ،ابن القیم جیسے افراد کی رائے شاذ ہے،اجماع میں مخل نہیں۔

ثالثاً........:جن شخصیات کا نام اعتراض میں درج ہے ان میں حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا فتویٰ ہے کہ تین طلاقیں تین ہیں۔

(مصنف عبدالرزاق:ج6 ص308رقم11392)

اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے:

عمل الراوی بخلاف روایتہ بعد الروایۃ مما ہو خلاف بیقین یسقط العمل بہ عندنا. (المنار مع شرحہ ص190)

کہ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس روایت سے عمل کو ساقط کر دیتا ہے۔ لہٰذا یہ روایت منسوخ ہے۔

حضرت طاؤس کا قول حسین ابن علی الکرابیسی نے ’’ادب القضاۃ‘‘ میں نقل کیا ہے کہ وہ بھی تین طلاق کے تین ہونے کے قائل ہیں-رہے ابن تیمیہ ،ابن قیم ،داؤد ظاہری تو اولاً وہ مجتہد نہیں تھے،پھر یہ ان کا تفرد تھا جس کا اس وقت کے علماء نے رد کردیا ہے-لہٰذا ان کے اختلاف سے اجماع پر زد نہیں پڑتی۔

رابعاً.........:امت کے اکثر مجتہدین کسی بات پر متفق ہوجائیں تو اس پر بھی اجماع کا اطلاق کیاجاتاہے۔

قال العلامہ بدر الدين العينی: فمن هذا قال صاحب (الهداية) من أصحابنا وعلى ترك القراءة خلف الإمام إجماع الصحابة فسماه إجماعا باعتبار اتفاق الأكثر ومثل هذا يسمى إجماعا عندنا. (عمدۃ القاری ج 4ص449 باب وجوب القراءۃ)

حضرات فقہا ء کرا م رحمہم اللہ

امت مسلمہ کے جید فقہا ء کرا م خصوصاً حضرات ائمہ ار بعہ رحمہم اللہ تعا لیٰ کے نزدیک بھی تین طلا قیں تین ہی شما ر ہو تی ہیں :

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت (م150ھ)

قال محمد بن الحسن الشیبانی: بهذا ناخذ وهو قول ابی حنیفۃ والعامۃ من فقہائنا لانہ طلقہا ثلاثاً جمیعاً فوقعن علیہا جمیعاً معاً. (مؤطا امام محمد:ص263، سنن الطحاوی:ج2ص34، 35، شرح مسلم:ج1 ص478)

امام مالک بن انس المدنی (م 189ھ)

قال مالک بن انس: فان طلقہا فی کل طہر تطلیقۃ او طلقہا ثلاثاً مجتمعات فی طہر لم یمس فیہ فقد لزمہ.

(التمہید لابن عبد البر :ج6ص58،المدونۃ الکبریٰ:ج2ص3، شرح مسلم للنووی:ج1ص478)

امام محمد بن ادریس الشا فعی (م 204ھ)

قال الشافعی: وَالْقُرْآنُ يَدُلُّ_وَاللّٰہُ اَعْلَمُ _عَلٰی اَنَّ مَنْ طَلَّقَ زَوْجَۃً لَہٗ دَخَلَ بِھَا اَوْلَمْ یَدْخُلْ بِھَاثَلَاثًالَمْ تَحِلَّ لَہٗ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجاً غَیْرَہٗ. (کتاب الام للامام محمد بن ادریس الشافعی: ج2ص1939)

امام احمد بن حنبل (م241ھ)

قال احمد بن حنبل: ومن طلق ثلاثا فی لفظ واحد فقد جہل و حرمت علیہ زوجتہ ولا تحل لہ ابدا حتی تنکح زوجا غیرہ.

(کتا ب الصلوٰۃ: ص47 طبع قاہرہ بحوالہ عمدۃ الاثاث: ص30)

جمہور علماء تابعین و غیرہ

قال العلامۃ بدر الدين العينی: ومذهب جماهير العلماء من التابعين ومن بعدهم منهم الأوزاعي والنخعي والثوري وأبو حنيفة وأصحابه ومالك وأصحابه والشافعي وأصحابه وأحمد وأصحابه وإسحاق وأبو ثور وأبو عبيد وآخرون كثيرون على أن من طلق امرأته ثلاثا وقعن• (عمدۃ القاری: ج14 ص236 باب من اجاز طلاق الثلاث)

غیر مقلدین کے دلائل کا جواب

دلیل نمبر1:

عن ا بن طاوس عن أبيه عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب إن الناس قد استعجلوا في أمر قد كانت لهم فيه أناة فلو أمضيناه عليهم فأمضاه عليهم. (صحیح مسلم ج1 ص477،ص478، مصنف عبد الرزاق ج6ص305)

و من طریق آخر ففیہ ابن جریج.

جواب نمبر1:

امام نووی نے فرمایا ہے:

فالأصح أن معناه أنه كان في أول الأمر اذا قال لها أنت طالق أنت طالق أنت طالق ولم ينو تأكيدا ولا استئنافا يحكم بوقوع طلقة لقلة ارادتهم الاستئناف بذلك فحمل على الغالب الذي هو ارادة التأكيد فلما كان في زمن عمر رضي الله عنه وكثر استعمال الناس بهذه الصيغة وغلب منهم ارادة الاستئناف بها حملت عند الاطلاق على الثلاث عملا بالغالب السابق إلى الفهم منها في ذلك العصر. (شرح مسلم للنووی: ج1ص478)

کہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی صحیح مراد یہ ہے کہ شروع زمانہ میں جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ’’انت طالق، انت طالق، انت طالق‘‘ کہہ کر طلاق دیتا اور دوسری اور تیسری طلاق سے اس کی نیت تاکید کی ہوتی نہ استیناف کی، تو چونکہ لوگ استیناف کا ارادہ کم کرتے تھے اس لیے غالب عادت کا اعتبار کرتے ہوئے محض تاکید مراد لی جاتی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگوں نے اس جملہ کا استعمال بکثرت شروع کیا اور عموماً ان کی نیت طلاق کے دوسرے اور تیسرے لفظ سے استیناف ہی کی ہوتی تھی، اس لئے اس جملہ کا جب کوئی استعمال کرتا تو اس دور کے عرف کی بناء پر تین طلاقوں کا حکم لگایا جاتا تھا۔

تنبیہ: یہ اس صورت میں ہے کہ جب ’’انت طالق‘‘کو تین بار کہے ۔اگر ’’انت طالق ثلاثاً‘‘کہے تو پھر تین ہی واقع ہو جائیں گی۔

جواب نمبر2:

اس حدیث میں طلاق کی تاریخ بیان کی جارہی ہے کہ عہد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام سے لے کر ابتدائے عہد فاروقی تک لوگ یکجا تین طلاقیں دینے کے بجائے ایک طلاق دیا کرتے تھے، خلافت فاروقی کے تیسرے سال سے لوگوں نے جلد بازی شروع کردی کہ ایک طلاق دینے کے بجائے تین طلاقیں اکٹھی دینے لگےتو وہ تینوں طلاقیں نافذ کردی گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ اس پر واضح قرینہ ہیں، آپ فرماتے ہیں:

إن الناس قد استعجلوا في أمر قد كانت لهم فيه أناة

کہ لوگوں کو جس کام میں سہولت تھی انہوں نے اس میں جلد بازی شروع کر دی ہے۔

اگر ابتداء سے تین طلاق کا رواج ہوتاتو پھر استعجال اور اناۃ کا کوئی معنی نہیں بنتا۔ لہذا اس حدیث میں ’’۔۔طلاق الثلاث واحدۃ‘‘ کا مطلب ’’تین طلاقوں کے بجائے ایک طلاق دینا‘‘ ہے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں آ کر مسئلہ بدل گیا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ طلاق دینے کے معاملے میں لوگوں کی عادت بدل گئی تھی۔ اگر یہ مراد لیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے فیصلے کو منسوخ فرما کر تین طلاقوں کو تین شمار کیا ہے تو یہ مطلب انتہائی غلط ہے، کیونکہ اگر یہی معاملہ ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر اجماع نہ فرماتے بلکہ اس فیصلہ کا انکار کرتے حالانکہ کسی سے بھی انکار منقول نہیں۔ یہی مطلب محدثین نے بیان کیا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

المراد أن المعتاد في الزمن الأوَل كان طلقة واحدة وصار الناس في زمن عمر يوقعون الثلاث دفعة فنفذه عمر فعلى هذا يكون اخبارا عن اختلاف عادة الناس لا عن تغير حكم في مسألة واحدة قال المازري وقد زعم من لا خبرة له بالحقائق أن ذلك كان ثم نسخ قال وهذا غلط فاحش لأن عمر رضي الله عنه لا ينسخ ولو نسخ وحاشاه لبادرت الصحابة إلى انكاره

(شرح مسلم للنووی: ج2ص478)

ترجمہ: مراد یہ ہے کہ پہلے ایک طلاق کا دستور تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ تینوں طلاقیں بیک وقت دینے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں نافذ فرما دیا۔ اس طرح یہ حدیث لوگوں کی عادت کے بدل جانے کی خبر ہے نہ کہ مسئلہ کے حکم کے بدلنے کی اطلاع ہے۔ امام مازری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حقائق سے بے خبر لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ "تین طلاقیں پہلے ایک تھیں، پھر منسوخ ہو گئیں"یہ کہنا بڑی فحش غلطی ہے، اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے فیصلہ کو منسوخ نہیں کیا، -حاشا-اگر آپ منسوخ کرتے تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے انکار کے در پے ضرور ہو جاتے۔

علامہ محمد انور شاہ کشمیری اس حدیث کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں:

ای کان الناس یطلقون واحدۃ بدل الثلاث و یکتفون بواحدۃ للتطلیق، وکانوا لا یطلقون ثلاثاً خلاف السنۃ، وہم کانوا علی ذلک الیٰ خلافۃ عمر حتیّٰ صاروا فی عہدہ یطلقون ثلاثاً دفعۃ خلاف السنۃ، فامضاہ عمر علیہم و ہذا احد معنی الحدیث ذکرہ النووی فی شرح مسلم. (معارف السنن: ج5 ص471)

کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگ تین طلاقیں دینے کے بجائے ایک طلاق دینے پر اکتفاء کرتے تھے، تین طلاقیں جو کہ خلاف سنت ہیں نہیں دیتے تھے۔ یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت تک چلتا رہا یہاں تک کہ لوگ خلافِ سنت تین طلاقیں اکٹھی دینے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا۔ حدیث کا ایک یہی مطلب امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔

<u>فائدہ:</u>

حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کا یہ مطلب لینے پر(کہ لوگ تین طلاقوں کی بجائے ایک طلاق دیتے تھے) قرآن و حدیث سے دو نظیریں بھی پیش کی ہیں:

<u>نظیر نمبر1:</u> اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا﴾ (سورۃ ص:5)

ترجمہ: (کافر یہ کہتے ہیں:) کیا اس (پیغمبر) نے سارے معبودوں کو ایک معبود میں تبدیل کر دیا ہے؟

علامہ کشمیری فرماتے ہیں:

فہم لم یریدوا بقولہم ہذا انہ صلی اللہ علیہ و سلم آمن بآلہۃ ثم جعلہم واحدا، و انما یریدون انہ جعل الہاً واحدا بدل آلہۃ. (معارف السنن: ج5 ص472)

ترجمہ: کفار کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم پہلے تمام آلہہ پر ایمان لائے پھر ان کو ایک کر دیا، بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے تمام آلہہ کو چھوڑ کر ایک کو اپنا لیا ہے۔

<u>نظیر نمبر2:</u> آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا فرمان ہے:

من جعل الھموم ھما واحدا ھم آخرته كفاه الله هم دنياه الخ (سنن ابن ماجۃ: باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ۔ عن عبد اللہ بن مسعود)

ترجمہ: جو شخص اپنی تمام فکروں کو ایک فکر یعنی آخرت کی فکر بنا لے اللہ تعالیٰ دنیوی پریشانیوں اور فکروں سے اس کی کفایت فرماتے ہیں الخ

علامہ کشمیری فرماتے ہیں:

فلیس المراد اختیار الہموم ثم جعلہا واحدۃ، و انما المراد انہ اختار ہماً واحداً بدل ہموم کثیرۃ.

(معارف السنن: ج5 ص472)

کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان پہلے تمام غموں کا روگ لگا لے پھر ان سب کو ایک غم میں تبدیل کر دے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسان غموں کے انبار کو چھوڑ کر ایک آخرت کی فکر کو اپنا لے۔

<u>جواب نمبر3:</u>

امام احمد بن حنبل نے فر مایا: الحدیث اذا لم تجمع طر قہ لم تفہمہ والحدیث یفسر بعضہا بعضا.

(الجا مع لاخلاق الرا وی للخطیب: ص370 رقم1651)

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سنن ابی داود میں ہے، جس میں راوی سے سوال کرنے والا شخص ایک ہی ہے یعنی ابو الصّہباء، اور دونوں روایتوں کے الفاظ

بھی تقریباً ملتے جلتے ہیں۔ روایت یہ ہے:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ بَلَى كَانَ الرَّجُلُ إِذَا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاَثًا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا جَعَلُوهَا وَاحِدَةً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- وَأَبِى بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ إِمَارَةِ عُمَرَ. (سنن ابی داؤد: ج1 ص317 باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث)

اس روایت کی اسناد صحیح ہے۔ (زاد المعاد لابن القیم: ج4 ص1019-فصل: فی حکمہ صلی اللہ علیہ وسلم فیمن طلق ثلاثا بکلمۃ واحدۃ، عمدۃ الاثاث: ص94)

اسی طرح صحیح مسلم کے راوی طاؤوس یمانی کی خود اپنی روایت میں بھی غیر مدخول بہا کی قید موجود ہے۔ علامہ علاء الدین الماردینی (م745ھ) لکھتے ہیں:

ذكر ابن أبى شيبة بسند رجاله ثقات عن طاوس وعطاء وجابر بن زيد انهم قالوا إذا طلقها ثلاثا قبل ان يدخل بها فهى واحدة. (الجوہر النقی: ج 7ص331)

ان دونوں روایات میں "قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا" (غیر مدخول بہا) کی تصریح ہے ۔ معلوم ہوا کہ حدیث صحیح مسلم مطلق نہیں بلکہ "غیر مدخول بہا" کی قید کے ساتھ مقید ہے۔ ایسی عورت کو خاوند الگ الگ الفاظ (أنت طالق أنت طالق أنت طالق) سے طلاق دے تو پہلی طلاق سے ہی وہ بائنہ ہو جائے گی اور دوسری تیسری طلاق لغو ہوجائے گی، اس لیے کہ وہ طلاق کا محل ہی نہیں رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے دور، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں غیر مدخول بہا کو طلاق دینے کا یہی طریقہ رائج تھا اس لیے ان حضرات کے دور میں غیر مدخول بہا کو دی گئی ان تین طلاقوں کو ایک سمجھا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں لوگ ایک ہی جملہ میں اکٹھی تین طلاقیں دینے لگے(یعنی انت طالق ثلاثا) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب تین ہی شمار ہوں گی، کیونکہ غیر مدخول بہا کو ایک ہی لفظ سے اکٹھی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

جواب نمبر4:

اگر وہی مطلب لیا جائے جو غیر مقلدین لیتے ہیں کہ تین طلاق ایک ہوتی ہے تو یہ مطلب لینا اس روایت ہی کو شاذ بنا دیتا ہے، اس لیے کہ یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اورحضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جملہ شاگرد آپ سے تین طلاق کا تین ہونا ہی روایت کرتے ہیں، صرف طاؤس ایسے ہیں جو مذکورہ روایت نقل کرتے ہیں۔ تصریحات محققین ملاحظہ ہوں:

(1): قال الامام احمد بن حنبل: كل أصحاب ابن عباس رووا عنه خلاف ما قال طاوس.

(نیل الاوطار للشوکانی ج6ص245 باب ما جاء فی طلاق البتۃ)

(2): قال الامام محمد ابن رشد المالکی: بأن حديث ابن عباس الواقع في الصحيحين إنما رواه عنه من أصحابه طاوس ، وأن جلة أصحابه رووا عنه لزوم الثلاث منهم سعيد بن جبير ومجاهد وعطاء وعمرو بن دينار وجماعة غيرهم.

(بدایۃ المجتہد ج2ص61 کتاب الطلاق، الباب الاول)

تنبیہ: حدیث ابن عباس صحیحین میں نہیں ،صرف صحیح مسلم میں ہے۔

(3): قال البیہقی: فَهَذِهِ رِوَايَةُ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَعَطَاءِ بْنِ أَبِى رَبَاحٍ وَمُجَاهِدٍ وَعِكْرِمَةَ وَعَمْرِو بْنِ دِينَارٍ وَمَالِكِ بْنِ الْحَارِثِ وَمُحَمَّدِ بْنِ إِيَاسِ بْنِ الْبُكَيْرِ وَرُوِّينَاهُ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِى عَيَّاشٍ الأَنْصَارِىِّ كُلُّهُمْ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ أَجَازَ الطَّلاَقَ الثَّلاَثَ وَأَمْضَاهُنَّ

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج7 ص338 باب مَنْ جَعَلَ الثَّلاَثَ وَاحِدَةً)

چونکہ طاوس کی یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تمام شاگردوں کی روایت کے خلاف ہے اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ اس روایت کو اپنی صحیح میں نہیں لائے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَتَرَكَهُ الْبُخَارِىُّ وَأَظُنُّهُ إِنَّمَا تَرَكَهُ لِمُخَالَفَتِهِ سَائِرَ الرِّوَايَاتِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج7 ص338 باب مَنْ جَعَلَ الثَّلاَثَ وَاحِدَةً)

الحاصل یہ روایت طاوس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تمام شاگردوں کے خلاف روایت کی ہے اور تمام شاگرد تین کا تین ہونا ہی نقل کرتے ہیں، اس لیے طاوس کی یہ روایت ان سب کے مقابلے میں شاذ، وہم، غلط اور ناقابلِ حجت ہے۔

جواب نمبر5:

خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنا فتوی اس روایت کے خلاف ہے۔ کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ تین طلاق کو تین ہی فرماتے ہیں:
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ أَنَّہُ أَتَاہُ رَجُلٌ فَقَالَ طَلَّقْتُ اِمرَأتِیْ ثَلاَ ثًا فَقَالَ عَصَیْتَ رَبَّکَ وَحَرُمَتْ عَلَیْکَ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجاًغَیْرَکَ.
(جامع المسانید ج 2ص148، السنن الکبری للبیہقی: ج7 ص337 واسنادہ صحیح)
اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے:
عمل الراوی بخلاف روایتہ بعد الروایۃ مما ہو خلاف بیقین یسقط العمل بہ عندنا۔
(المنار مع شرحہ ص194، قواعد فی علوم الحدیث للعثمانی ص 202)
کہ راوی کا روایت کرنے کے بعد اس کے خلاف عمل کرنا اس روایت پر عمل کو ساقط کر دیتا ہے۔
لہذا اس اصول کی رو سے بھی مذکورہ روایت قابلِ عمل نہیں ہے۔

جواب نمبر6:

اس روایت کی ایک سند میں ایک راوی''طاؤس یمانی'' ہے۔ امام سفیان ثوری ، امام ابن قتیبہ،اور امام ذہبی نے اسے شیعہ قرار دیا ہے۔
(سیر اعلام النبلاء ج5 ص27،26، المعارف لابن قتیبہ ص268،267)
دوسرا راوی ''ابن جریج'' ہے۔ یہ شیعہ ہے اور اس پر متعہ باز ہونے کی جرح بھی ہے۔
(تذکرۃ الحفاظ ج1ص128، سیر اعلام النبلاءج5ص497،میزان الاعتدال للذہبی ج2ص509)
مذکورہ دونوں راویوں کو کتب شیعہ میں بھی شیعہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ '' طاؤس '' کو رجال کشی لابی جعفر طوسی ص55، ص101، رجال طوسی لابی جعفر طوسی ص94 میں اور ''ابن جریج''کو رجال کشی ص280، رجال طوسی ص233 اور اصحاب صادق رقم 162 میں شیعہ کہا گیا ہے۔
اصول حدیث کا قاعدہ ہے جسے حافظ ابن حجر عسقلانی یوں بیان کرتے ہیں:
الا ان روی ما یقوی بدعتہ فیرد علی المختار.
(شرح نخبۃ الفکر مع شرح ملا علی القاری ص159، مقدمہ فی اصول الحدیث لعبد الحق الدہلوی ص67)
کہ بدعتی راوی کی روایت اگر اس کی بدعت کی تائید کرتی ہو تو نا قابل قبول ہوتی ہے۔

جواب نمبر7:

خود غیر مقلدین کے فتاوی میں ہے :'' یہ کہ مسلم کی یہ حدیث امام حازمی و تفسیر ابن جریر و ابن کثیر وغیرہ کی تحقیق سے ثابت ہے کہ یہ حدیث بظاہرہ کتاب و سنت صحیحہ و اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم وغیرہ ائمہ محدثین کے خلاف ہے لہذا حجت نہیں'' (فتاوی ثنائیہ ج2 ص219)

جواب نمبر8:

صحیح مسلم میں روایت موجود ہے :
قال عطاء قدم جابر بن عبد الله معتمرا فجئناه في منزله فسأله القوم عن أشياء ثم ذكروا المتعة فقال نعم استمتعنا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر. و فی روایۃ اخری: حتی نہی عنه عمر .
(صحيح مسلم ج 1ص451 باب نكاح المتعة وبيان أنه أبيح ثم نسخ ثم أبيح ثم نسخ واستقر تحريمه إلى يوم القيامة)
پس جو جواب اس جابر رضی اللہ عنہ کی متعۃ النساء کے جواز و عدم کا جواب ہے وہی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اگر اس کو بھی جائز مانتے ہو تو کیا متعۃ النساء کو بھی جائز مانو گے؟!

جواب نمبر9:

غیر مقلدین کا موقف ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک کہنے کا ہے لیکن صحیح مسلم کی اس روایت میں کہیں بھی ''ایک مجلس'' کا ذکر نہیں ہے۔ لہذا یہ غیر مقلدین کی دلیل بن ہی نہیں سکتی .

دلیل نمبر 2:

أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِى بَعْضُ بَنِى أَبِى رَافِعٍ مَوْلَى النَّبِىِّ -صلى الله عليه وسلم- عَنْ عِكْرِمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَلَّقَ عَبْدُ يَزِيدَ - أَبُو رُكَانَةَ وَإِخْوَتِهِ - أُمَّ رُكَانَةَ وَنَكَحَ امْرَأَةً مِنْ مُزَيْنَةَ فَجَاءَتِ النَّبِىَّ -صلى الله عليه وسلم- فَقَالَتْ مَا يُغْنِى عَنِّى إِلاَّ كَمَا تُغْنِى هَذِهِ الشَّعْرَةُ. لِشَعْرَةٍ أَخَذَتْهَا مِنْ

رَأْسِهَا فَفَرِّقْ بَيْنِي وَبَيْنَهُ فَأَخَذَتِ النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم- حَمِيَّةٌ فَدَعَا بِرُكَانَةَ وَإِخْوَتِهِ ثُمَّ قَالَ لِجُلَسَائِهِ « أَتَرَوْنَ فُلاَنًا يُشْبِهُ مِنْهُ كَذَا وَكَذَا مِنْ عَبْدِ يَزِيدَ وَفُلاَنًا يُشْبِهُ مِنْهُ - كَذَا وَكَذَا ». قَالُوا نَعَمْ. قَالَ النَّبِىُّ -صلى الله عليه وسلم- لِعَبْدِ يَزِيدَ « طَلِّقْهَا ». فَفَعَلَ ثُمَّ قَالَ « رَاجِعِ امْرَأَتَكَ أُمَّ رُكَانَةَ وَإِخْوَتِهِ ». فَقَالَ إِنِّى طَلَّقْتُهَا ثَلاَثًا يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ « قَدْ عَلِمْتُ رَاجِعْهَا ». وَتَلاَ (يَا أَيُّهَا النَّبِىُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ).

(سنن ابی داؤد ج1 ص316، 317 باب نَسْخِ الْمُرَاجَعَةِ بَعْدَ التَّطْلِيقَاتِ الثَّلاَثِ)

جواب:

اولاً...... اس کی سند میں ”بَعْضُ بَنِى أَبِى رَافِعٍ“ ہے جو کہ مجہول ہے، لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

(1) قال النووی: وأما الرواية التي رواها المخالفون أن ركانه طلق ثلاثا فجعلها واحدة فرواية ضعيفة عن قوم مجهولين.

(شرح صحیح مسلم: ج 1ص 478)

(2) قال ابن حزم: ما نعلم لہم شیئا احتجوا بہ غیر ہذا و ہذا لا یصح لانہ عن غیر مسمی من بنی ابی رافع و لا حجۃ فی مجہول.

(المحلی لابن حزم ج9ص391)

ثانیاً...... حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں بجائے ”تین طلاق“ کے ”طلاق بتہ“ (تعلق ختم کرنے والی) کا لفظ ہے، یعنی انہوں نے طلاق بتہ دی تھی۔ چنانچہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ حضرت رکانہ کی اس روایت کوجس میں ”بتہ“ کا لفظ ہے، نقل کر کے فرماتے ہیں:

وَهَذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاَثًا لأَنَّهُمْ أَهْلُ بَيْتِهِ وَهُمْ أَعْلَمُ بِهِ.

(سنن ابی داؤد ج1 ص317)

کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت (جس میں ”بتہ“ کا لفظ ہے) ابن جریج کی روایت سے زیادہ صحیح ہےجس میں آتا ہے کہ انہوں نے تین طلاقیں دی تھیں، کیونکہ ”بتہ“ والی حدیث ان کے گھر والے بیان کرتے ہیں اور وہ اس کو زیادہ جانتے ہیں۔

قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

أثبت ما روي في قصة ركانة أنه طلقها البتة لا ثلاثا•

(نیل الاوطار: ج6 ص245 باب ما جاء فی طلاق البتۃ وجمع الثلاث واختیار تفریقہا)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ”طلاق بتہ“ دی تھی نہ کہ ”تین طلاق“ اور طلاق بتہ سے بھی صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ چونکہ طلاق بتہ میں ایک طلاق کی نیت کرنے کی بھی گنجائش ہوتی ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے بھی ان کی اس نیت کی تصدیق فرمائی اور انہیں دوبارہ اس خاتون سے رجوع کی اجازت دے دی۔

الغرض فریق مخالف کی پیش کردہ روایت سخت ضعیف اور حد درجہ کمزور ہے۔ مزید یہ کہ اس سے تو تین طلاقوں کا ثبوت بھی نہیں ہوتا چہ جائیکہ تین کو ایک قرار دے کر پھر خاوند کو رجوع کا حق دیا جائے۔ لہذا صحیح، صریح روایات اور اجماع امت کے مقابلہ میں ایسی روایت پیش کرنا غلط، باطل اور انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

دلیل نمبر 3:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَلَّقَ رُكَانَةُ بْنُ عَبْدِ يَزِيدَ أَخُو الْمُطَّلِبِ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ فَحَزِنَ عَلَيْهَا حُزْنًا شَدِيدًا قَالَ فَسَأَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ طَلَّقْتَهَا قَالَ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا قَالَ فَقَالَ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ قَالَ فَرَجَعَهَا فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَرَى أَنَّمَا الطَّلَاقُ عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ. (مسند احمد ج1ص347 رقم2391)

جواب:

یہ روایت بھی قابل احتجاج نہیں۔

اولاً...... اس کی سند میں ایک راوی ”محمد بن اسحاق“ ہے جس پر ائمہ محدثین و وغیرہ نے سخت جرح کر رکھی ہے۔

(1) امام نسائی: لیس بالقوي.(الضعفاء و المتروکین للنسائی: ص201 رقم الترجمۃ513)

(2) امام دارقطنی:لا یحتج بہ.

(3) امام سلیمان التیمی: کذاب.

(4) امام ہشام بن عروۃ: كذاب.
(5) امام یحییٰ القطان: أشهد أن محمد بن إسحاق كذاب.
(6) امام مالك: دجال من الدجاجلة. (میزان الاعتدال: ج4 ص47، 48)
وقال ایضاً: محمد بن إسحاق كذاب. (تاریخ بغداد: ج1 ص174)
(7) خطیب ابو بکر بغدادی: أما كلام مالك في بن إسحاق فمشهور غير خاف على أحد من أهل العلم بالحديث.
(تاریخ بغداد: ج1 ص174)
(8) علامہ شمس الدین ذہبی: أنه ليس بحجة في الحلال والحرام. (تذكرة الحفاظ: ج1 ص130)
(9) حافظ ابن حجر عسقلانی: وابن إسحاق لا يحتج بما ينفرد به من الأحكام فضلا عما إذا خالفه من هو أثبت منه.
(الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ لابن حجر العسقلانی: ج1 ص265 باب الاحرام)
* نواب صدیق حسن خان غیر مقلد ایک سند کے بارے میں کہ جس میں محمد بن اسحاق واقع ہے، لکھتے ہیں:
در سندش ہمان محمد بن اسحاق است، و محمد بن اسحاق حجت نیست۔ (دلیل الطالب: ص239)
محمد بن اسحاق کا ضعیف، متکلم فیہ اور کذاب ہونا تو اپنی جگہ، مزید براں کہ اسے خطیب بغدادی، امام ذہبی اور امام ابن حجر رحمہم اللہ نے شیعہ بھی قرار دیا ہے۔ (تاریخ بغداد ج 1ص174، سیر اعلام النبلاء: ج 7ص23 ، تقریب : ص498 رقم 5725)
کتب شیعہ میں بھی اس کو شیعہ کہا گیا ہے۔(رجال کشی : ص280، رجال طوسی ص281)
اوراصول حدیث کا قاعدہ ہے : ان روی ما یقوی بدعتہ فیرد علی المختار. (شرح نخبۃ الفکر مع شرح ملا علی القاری ص159)
کہ بدعتی راوی کی روایت اگر اس کی بدعت کی تائید کرتی ہو تو نا قابل قبول ہوتی ہے۔
چونکہ شیعہ حضرات کے نزدیک ایک مجلس کی تین طلاق ایک شمار ہوتی ہے (جیسا کہ باحوالہ گزرا) اور یہ روایت ان کے اس عمل کی تائید کرتی ہے۔ لہذا اصول مذکور کے تحت یہ روایت ناقابلِ قبول ہو گی۔
ثانیاً...... اس کی سند میں ایک دوسرا راوی ”داؤد بن حصین“ ہے۔ یہ بھی سخت مجروح اور متکلم فیہ راوی ہے۔
(1) امام ابو زرعہ: لین.
(2) امام سفیان ابن عیینہ: کنا نتقی حدیثه.
(3) محدث عباس الدوري: كان داود بن الحصين عندي ضعيفا. (میزان الاعتدال: ج2 ص7)
(4) امام ابو حاتم ا لرازی: ليس بالقوي.
(5) امام ساجی: منكر الحديث.
(6) امام جوزجانی: لا يحمد الناس حديثه. (تہذیب التہذیب: ج2 ص349، 350)
(7، 8) امام ابو داؤد و امام علی بن المدینی: أحاديثه عن عكرمة مناكير. (میزان الاعتدال: ج2 ص 7)
اور زیر بحث روایت بھی عکرمہ ہی سے مروی ہے۔
اس روایت میں تنہا محمد بن اسحاق ہوتا تو اس کے ضعیف اور ناقابلِ احتجاج ہونے کے لیے کافی تھا لیکن داؤد بن حصین نے اس کے ضعف کو مزید بڑھا کر اسے ناقابلِ حجت بنا دیا ہے۔
ثالثاً...... اصل بات یہ ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو ”طلاق بتہ“ دی تھی نہ کہ تین طلاق اور نیت بھی صرف ایک طلاق کی تھی، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے رجوع کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ علامہ ابن رشد فرماتے ہیں:
وأن حديث ابن إسحاق وهم وإنما روى الثقات أنه طلق ركانة زوجه البتة لا ثلاثا. (بدایۃ المجتہد: ج2 ص61)
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
أن أبا داود رجح أن ركانة إنما طلق امرأته البتة كما أخرجه هو من طريق آل بيت ركانة وهو تعليل قوي
(فتح الباری:ج9 ص450 باب من جوز الطلاق الثلاث)
الحاصل فریق مخالف کی یہ روایت ضعیف و کذاب راویوں سے مروی ہے جو کہ صحیح، صریح

روایات اور اجماع امت کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے۔

غیر مقلدین کے ایک شبہہ کا جائزہ

شبہہ:

بعض غیر مقلد یہ کہا کرتے ہیں (ملاحظہ وہ فتاویٰ ثنائیہ ج2 ص54 وغیرہ) کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اس فیصلے پر نادم تھےجس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ حکم شرعی بھی نہ تھا اور صحیح بھی نہ تھا ورنہ ندامت کا کیا مطلب؟! یہ حضرات ایک روایت بھی بیان کرتے ہیں:

قال الحافظ أبو بكر الاسماعيلي في مسند عمر : أخبرنا أبو يعلى : حدثنا صالح بن مالك : حدثنا خالد بن يزيد بن أبي مالك عن أبيه قال : قال عمر بن الخطاب رضي الله عنه : ما ندمت على شيء ندامتي على ثلاث : أن لا أكون حرمت الطلاق

(اغاثۃ اللہفان)

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے کسی چیز پر ایسی ندامت نہیں ہوئی جتنی تین چیزوں پر ہوئی ہے (ان میں سے ایک یہ ہے کہ) میں طلاق کو حرام قرار نہ دیتا الخ

جواب:

اولاً...... اس روایت میں دو راوی سخت مجروح ہیں:

1: خالد بن یزید بن ابی مالک

جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح راوی ہے۔

(1، 2) امام احمد بن حنبل و امام یحییٰ: لیس بشئ. [محض ہیچ ہے]

(3) امام نسائی: لیس بثقة. [وہ ثقہ نہیں ہے]

(4) امام دارقطنی: ضعیف. [وہ ضعیف ہے]

(5) امام ابن حبان: كان يخطئ كثيرا وفي حديثه مناكير لا يعجبني الاحتجاج به إذا انفرد عن أبيه. [کثرت سے خطا کر جاتا تھا اور اس کی حدیث میں ثقہ راویوں کی مخالفت ہوتی تھی۔ مجھے پسند نہیں کہ جب وہ اکیلا اپنے باپ سے روایت کرے تو میں اس کی روایت کو دلیل بناؤں]

(6) امام جرح و تعدیل امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

لم یرض أن يكذب على أبيه حتى كذب على أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم. [یہ صرف اسی بات پر راضی نہ ہوا کہ اپنے باپ ہی پر جھوٹ بولے حتیٰ کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی کذب بیانی شروع کر دی]

(7) امام ابو داؤد: ضعیف، متروک الحدیث [یہ ضعیف اور متروک الحدیث تھا]

(8- 10) امام ابن الجارود ، امام ساجی ، امام عقیلی: ان تینوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(تہذیب التہذیب لابن حجر ج2 ص301، 302، میزان الاعتدال للذہبی: ج1 ص594، الضعفاء و المتروکین لابن الجوزی ج1 ص251 رقم 1096)

2: یزید بن ابی مالک:

یہ لین الحدیث اور مدلس تھا، وہم کا شکار بھی تھا اور ان لوگوں سے روایت کرتاتھا جن سے ملاقات بھی ثابت نہیں۔

(کتاب المعرفۃ للفسوی ج1 ص354، میزان الاعتدال للذہبی ج4 ص 401، المغنی فی الضعفاء ج2 ص 543، التقریب لابن حجر: ص639 رقم 7748)

زیر نظر روایت میں یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کر رہا ہے۔ اس کی پیدائش 60ھ ہےاور حضرت عمر رضی اللہ عنہ 24ھ میں شہید ہوئے۔ گویا اس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی ثابت نہیں۔

ثانیاً...... زیر نظر منقطع روایت لین الحدیث، مجروح، ضعیف اور متروک الحدیث راویوں سے مروی ہونے کے ساتھ ساتھ مجمل بھی ہے، طلاق کی کسی قسم (ایک یا تین) کی تفصیل نہیں۔ لہذا اس سے استدلال باطل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسجد میں جماعت ثانیہ کاحکم

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت والجماعت:

وَيُكْرَهُ تَكْرَارُ الْجَمَاعَةِ بِأَذَانٍ وَإِقَامَةٍ فِي مَسْجِدِ مَحَلَّةٍ لاَ فِی مَسْجِدِ طَرِيقٍ اَوْ مَسْجِدٍ لاَ اِمَامَ لَہُ وَلاَ مُؤَذِّنَ.

(الدر المختار مع رد المحتار: ج 2ص342)

ترجمہ: مسجد محلہ میں اذان و اقامت کے ساتھ دوسری جماعت مکروہ (تحریمی) ہے، البتہ مسجد طریق یا ایسی مسجد جس کا امام و مؤذن مقرر نہ ہو اس میں دوسری جماعت جائز ہے۔

أَيْ تَحْرِيمًا لِقَوْلِ الْكَافِي لاَ يَجُوزُ وَالْمَجْمَعُ لاَ يُبَاحُ وَشَرْحُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ إنَّهُ بِدْعَةٌ كَمَا فِي رِسَالَةِ السِّنْدِيِّ.

(رد المحتار: ج2 ص342)

جس مسجدکا امام اورمقتدی متعین ہوں وہاں جب ایک مرتبہ اذان واقامت سے جماعت ہوجائے تو پھراس مسجد میں نمازپڑھنا مکروہ تحریمی ہے ہاں اگر مسجدطریق ہوتواس میں دوبارہ جماعت کروانےکی گنجائش ہے۔

علامہ جمال الدین زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ونقل عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ انہ قال لایجوز اعادۃ فی مسجد لہ امام راتب.(نصب الرایۃ: ج2ص857کتاب الصلوۃ باب الامامۃ)

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے یہ بات نقل کی گئی ہے کہ جس مسجد کا امام متعین ہو اس مسجد میں دوبارہ نماز ناجائز ہے۔

مذہب غیرمقلدین:

(ایک ہی مسجد میں) جماعت ثانیہ بلکہ ثالثہ ورابعہ بھی جائز ہے تکرارجماعت فی مسجدواحد حدیث صحیح سے ثابت ہے اورکراہت بھی اسکی کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ (فتاوی ثنائیہ ج1ص635، فتاوی علماءحدیث ج3ص50)

دلائل اہل السنت والجماعت

دلیل نمبر1:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال والذی نفسی بیدہ لقد ہممت ان امربحطب یحطب ثم امربالصلوۃ فیوذن لہا ثم امررجلا فیا م الناس ثم اخالف الی رجال فاخرق علیہم بیوتہم.

(صحیح البخاری: ج1ص89باب وجوب الصلوۃ الجماعۃ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میرا دل چاہتا ہے کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں پھر کسی کو حکم دوں وہ نماز کے لیے اذان کہے پھر کسی اور کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرائے پھر میں ان لوگوں کی طرف (جو نماز سے پیچھے رہ جاتےہیں) جاؤں پس ان کے گھروں کو جلا ڈالوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی جماعت میں شریک ہونا ضروری ہے کیونکہ اگردوسری جماعت بلاکراہت جائز ہوتی توآپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھنے پراتنی سختی کا اظہار نہ فرماتے۔

دلیل نمبر2:

عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل من نواحی المدینۃ یرید الصلوٰۃ فوجد الناس قد صلوافمال الی منزلہ فجمع اہلہ فصلی بہم. (المعجم الاوسط للطبرانی: ج3ص284 رقم 4601)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب ایک جگہ سے تشریف لائے اور آپ کا ارادہ نماز پڑھنے کا تھا آپ نے لوگوں کو اس حال میں پایا کہ وہ نماز پڑھ چکے تھے چنانچہ آپ گھر تشریف لے گئے اور گھر والوں کو اکٹھا کر کے نماز پڑھائی۔

اگربلاکراہت نمازجائز ہوتی توآپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدکی فضیلت حاصل کرتے۔

اعتراض:

اس حدیث کی سندمیں ایک راوی ولیدبن مسلم مدلس ہے. لہٰذا اس روایت سے استدلال درست نہیں ہے۔

جواب نمبر1:

امام طبرانی رحمۃ اللہ نے معجم اوسط میں مذکورہ حدیث دوطریق سے نقل کی ہے اور دونوں میں ولیدبن مسلم کی تحدیث اورسماع کی صراحت موجود ہے دونوں طریق ملاحظہ فرمائیں ۔

طریق نمبر1 : حدثناعبدان بن احمدقال حدثناھشام بن خالدالدمشقی قال حدثنا الولید بن مسلم قال اخبرنی ابومطیع معاویہ بن یحی عن خالدالحذاء عن عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ. (المعجم الاوسط للطبرانی ج3ص284 من اسمہ عبدان رقم الحدیث 4601)

طریق نمبر2: حدثنامحمد بن ھارون قال حدثناھشام بن خالدالارزق قال حدثنا الولید بن مسلم قال حدثنا معاویہ بن یحی عن خالدن الحذاء عن عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ الخ. (المعجم الاوسط للطبرانی ج5ص132 من اسمہ محمدرقم الحدیث 6820)

جواب نمبر2:

اس روایت کے راویوں کی علامہ ہیثمی نے توثیق کی ہے اور خود غیرمقلدین کےمشہورعالم ناصرالدین البانی نے اس کی تحسین کی ہے۔

قال الہیثمی رواہ الطبرانی فی الکبیروالاوسط ورجالہ ثقات. (مجمع الزوائد ج2ص173 باب فیمن جاءالی المسجدفوجدالناس قدصلوّا)

قال الالبانی قلت وھوحسن. (تمام المنۃ فی التعلیق علی فقہ السنہ ص155)

دلیل نمبر3:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من توضا فاحسن وضوءہ ثم راح فوجد الناس قدصلوااعطاہ اللہ عزوجل مثل اجرمن صلاھاوحضرھا لا ینقص ذالک من اجرھا شیئا. (سنن ابی داؤد: ج 1ص 90)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم جس آدمی نے اچھی طرح سے وضو کیا پھر مسجد کی طرف آیا دیکھاکہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں تو اللہ عز وجل اس کو بھی اتنا اجر عطاء فرمائیں گے جتنا نماز باجماعت پڑھنے کا ثواب ملتا ہے اور س نماز پڑھنے والے کے اجر میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔

دلیل نمبر4:

عن ابراہیم النخعی قال قال عمر لایصلّٰی بعدصلوۃ مثلھا؟(مصنف ابن ابی شیبہ: ج4ص293 باب من کرہ ان یصلّٰی بعدالصلاۃ مثلھا رقم الحدیث 6050)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک نماز کے بعد اس جیسی نماز نہ پڑھی جائے۔

تشریح حدیث: فقہاءکرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں:

لایصلّٰی بعدصلوۃ مثلھا.

ایک نمازکے بعداس جیسی دوسری نمازنہ پڑھی جائے۔

اس کے ظاہری معنی مرادنہیں ہیں ورنہ اس سے لازم آئے گا کہ فجرکی دوسنتیں پڑھنے کے بعددوفرض نہ پڑھیں جائیں کیونکہ بعدوالی دورکعتیں پہلی دورکعتوں جیسی ہیں ، اسی طرح ظہرکی چار رکعتیں پڑھ کرچارفرض نہ پڑھے جائیں کیونکہ وہ بھی سنتوں جیسی ہیں اسی طرح عصرکی چارسنتیں پڑھ کرعصر کے چارفرض نہ پڑھے جائیں وہ بھی توپہلی چاررکعتوں کی طرح ہیں ، اس لئے اس حدیث کے یہ معنی لینازیادہ بہترہے کہ جب ایک مرتبہ جماعت ہوجائے تودوسری جماعت نہ کروائی جائے۔

تصریحات فقہاء کرام :

نمبر 1:علامہ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی (م 786ھ) تحریرفرماتے ہیں:

من مشائخنامن قال المرادبہ الزجرعن تکرارالجماعات فی المساجد وھوحسن. (العنایہ شرح الہدایہ: ج1ص400)

ترجمہ:ہمارے بعض مشائخ کا کہناہے کہ اس سےمرادمساجدمیں تکرارجماعت سے روکنا ہے اوریہی معنی مرادلینا زیادہ بہتر ہے۔

نمبر2: علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ (م855ھ) فرماتے ہیں:

قیل المرادبہ الزجرعن تکرارالجماعۃ فی المساجدوقال الشیخ وھوتاویل حسن. (رمزالحقائق فی شرح کنز الدائق ج1ص47)

ترجمہ: اس سے مرادمساجد میں تکرارجماعت سے روکنا ہے شیخ فرماتے ہیں: یہ اس کی ایک بہترین تاویل ہے۔

نمبر3: علامہ کمال الدین محمدبن عبدالواحدالمعروف بابن الھمام (م861ھ) فرماتے ہیں:

ھومحمول علی تکرارالجماعۃ فی المسجدعلی ھیئۃ الاولیٰ او علی النھی عن قضاءالفرائض مخافۃالخلل فی المودیٰ فانہ مکروہ. (شرح فتح القدیر: ج1ص476 فصل فی القراءۃ بعد ازباب النوافل)

ترجمہ: یہ حدیث محمول ہے مسجد میں پہلی ہیئت کے مطابق دوبارہ جماعت کروانے پر یافرض نمازکو کسی خلل پڑجانے کے اندیشے کی وجہ سے لوٹانے سے روکنے پر کیونکہ یہ دونوں مکروہ ہیں۔

نمبر4: حکیم الامت مجددالملت مولانااشرف علی تھانوی (م 1362ھ) فرماتے ہیں:

قلت واقرب تفاسیرہ حملہ علی تکرارالجماعۃ فی المسجد. (جامع الآثار ص37)

ترجمہ: میں کہتا ہوں اس کی قریب ترین تفسیریہ ہے کہ اسے مسجدمیں تکرارجماعت پر محمول کیاجائے ۔

دلیل نمبر5:

عن سلیمان یعنی مولیٰ میمونۃ قال اتیت ابن عمرعلی البلاط وھم یصلون فقلت الاتصلی معھم ؟ قال قد صلیت انی سمعت رسول اللہ علیہ وسلم لاتصلوا صلوۃ فی یوم مرتین. (سنن ابی داؤدج1ص93باب اذاصلی فی جماعۃ ثم ادرک جماعۃ یعید)

ترجمہ: حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزار کردہ غلام حضرت سلیمان فرماتے ہیں کہ میں (مدینہ طیبہ میں) مقام بلاط میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ آپ ان کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھ رہے؟ آپ نے فرمایا: میں نماز پڑھ چکا ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم ایک نماز ایک دن میں دو مرتبہ نہ پڑھو۔

تشریح حدیث: فقہاء کرام نے اس حدیث کومسجد میں جماعت ثانیہ کی نہی پرمحمول کیاہے وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمررضی اللہ عنہما نے جماعت میں شریک نہ ہونے کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ ”میں نمازپڑھ چکاہوں“ اورحضورصلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

لاتصلواصلوۃ فی یوم مرتین.

اس کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں:

نمبر1: آپ نے پہلی نمازجماعت کے ساتھ پڑھی ہواورآپ اس شخص کیلئے جس نےایک مرتبہ نمازجماعت کے ساتھ پڑھی ہو دوسری مرتبہ نمازجماعت کے ساتھ پڑھنے کومکروہ سمجھتے ہوں اس لیے جماعت میں شریک نہ ہوئے ہوں۔

نمبر2: یہ جماعت ثانیہ ہواورآپ جماعت ثانیہ میں شریک ہونے کومکروہ سمجھتے ہوں اس لیے آپ جماعت میں شریک نہیں ہوئے۔ ہمارے فقہاء نے اس دوسری صورت کوترجیح دی ہے۔

وجہ ترجیح: آپ کے فرمان ”میں نمازپڑھ چکاہوں“سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ آپ نے فرض نمازتنہاپڑھی تھی اورجوشخص تنہافرض پڑھ لے تواس کیلئے جائز اور مستحب یہ ہے کہ وہ جماعت کوپائے توجماعت کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے جماعت میں شریک ہوجائے۔ اس لحاظ سے چاہیے تویہ تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمررضی اللہ عنہما جماعت میں شریک ہوجاتے لیکن آپ جماعت میں شریک نہیں ہوئے اسکی یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ یہ جماعت ثانیہ ہورہی تھی جسے

آپ صحیح نہیں سمجھتے تھے اس لیے شریک نہ ہوئے۔ نیز اس کی تائید جلیل القدرتابعین بالخصوص آپ کے صاحبزادے حضرت سالم رحمہ اللہ کے فتوےسے بھی ہوتی ہے:

عن عبدالرحمٰن بن المجبرقال ،دخلت مع سالم بن عبداللہ مسجدالجحفۃ وقدفرغوا من الصلوۃ فقالوا الاتجمع الصلو ۃ فقال سالم لا تجمع صلوۃ واحدۃ فی مسجدواحد مرتین. (المدونۃ الکبری ص181کتاب الصلوۃ فی المسجدتجمع الصلوۃ فیہ مرتین)

ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن بن مجبر فرماتے ہیں کہ میں حضرت سالم بن عبد اللہ کے ساتھ مسجد جحفہ گیا، وہاں لوگ نماز سے فارغ ہو چکے تھے، لوگ کہنے لگے:آپ (دوسری) جماعت کیوں نہیں کروا لیتے؟ حضرت سالم نے فرمایا: ایک مسجد میں ایک نماز کی دو مرتبہ نہیں کروائی جا سکتی۔

تحقیق السند: قال العلامہ العثمانی ورجالہ کلہم ثقات (اعلاءالسنن ج4ص280باب کراھیۃ تکرارالجماعۃ فی مسجدمحلہ)

دلیل نمبر6:

عن ابراھیم ان علقمۃ والاسوداقبلامع ابن مسعودالی مسجد فاستقبلھم الناس قد صلوافرفع بہماالی البیت فجعل احدھماعن یمینہ والآخرعن شمالہ ثم صلی بہما. (مصنف عبدالرزاق ج2ص272رقم الحدیث 3895باب الرجل یؤم الرجلین)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت علقمہ اور حضرت اسود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے تشریف لائے لوگوں نے ان کا اس حال میں استقبال کیا کہ وہ نماز پڑھ چکے تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت علقمہ اور حضرت اسود کو لے کر گھر تشریف لے گئے اور ایک کو دائیں جانب اور ایک کو بائیں جانب کھڑا کیا اور ان دونوں کو نماز پڑھائی۔

غیر مقلدین کے پیشواناصر الدین البانی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

فلوکانت الجماعۃ الثانیۃ فی المسجد جائزۃ مطلقا لما جمع ابن مسعود فی البیت مع ان الفریضۃ فی المسجد افضل کماہو معلوم ثم وجدت مایدل علی ان ھذاالاثر فی حکم المرفوع الخ. (تمام المنتہ فی التعلیق علی فقہ السنتہ ص155)

کہ اگرجماعۃ ثانیہ مسجد محلہ میں مطلقاجائز ہوتی توحضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گھرمیں جماعت نہ کرواتے کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ مسجد میں فرض اداکرنا افضل ہے اورمجھے ایک حدیث ایسی ملی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ موقوف حدیث حکما مرفوع ہے۔

قال الالبانی: بسند حسن عن ابراھیم. (تمام المنتہ ص155)

دلیل نمبر 7:

عن الحسن قال کان اصحاب محمدصلی اللہ علیہ وسلم اذادخلواالمسجدوقد صلی فیہ صلوافرادیٰ.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج5ص55باب من قال یصلون فرادیولایجمعون رقم الحدیث 7188)

ترجمہ: امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابہ جب مسجد میں داخل ہوتے اور اس میں نماز ہوچکی ہوتی تو اکیلے اکیلے نماز پڑھتے تھے۔

دلیل نمبر8:

عن عبدالرحمٰن المجبرقال دخلت مع سالم بن عبداللہ مسجد الجحفۃ وقدفرغوامن الصلوۃ فقالوا الاتجمع الصلوۃ فقال سالم لا تجمع صلوۃ واحدۃ فی مسجد واحد مرتین وقال ابن وھب واخبرنی رجال من اہل العلم عن ابن شہاب ویحی بن سعیدوربیعۃ (ابن ابی عبدالرحمٰن)واللیث مثلہ. (المدونۃ الکبری ص181کتاب الصلوۃ فی المسجدتجمعالصلوۃ فیہ مرتین)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمان مجبر کہتے ہیں میں حضرت سالم بن عبداللہ کے ساتھ مسجد جحفہ میں داخل ہوا اور لوگ نماز سے فارغ ہوچکے تھے لوگوں نے کہا کیا آپ جماعت نہیں کراسکتے، تو حضرت سالم نے فرمایا ایک نماز کی ایک ہی مسجد میں دوبارہ جماعت نہیں ہوسکتی، اور ابن وہب کہتے ہیں کہ مجھے اہل علم نے ابن شہاب اور یحیی بن سعید اور ربیعہ بن ابی عبدالرحمان اور لیث سے اسی طرح خبر دی ہے۔

تحقیق السند: قال العلامۃ العثمانی: ورجالہ کلہم ثقات. (اعلاءالسنن ج4ص280 باب کراھیۃ تکرارالجماعۃ فی مسجدمحلہ)

دلیل نمبر9:

قال الامام البخاری وکان الاسوداذافا تتہ الجماعۃ ذھب الی مسجداٰخر . (صحیح البخاری ج1ص89)

ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسود سے جب جماعت فوت ہوجاتی تو دوسری مسجد کی طرف تشریف لے جاتے تھے۔

غیرمقلدین کے مستندعلماءکے نزدیک جماعت ثانیہ جائزنہیں

نمبر1:

غیرمقلدین کے مقتدرعلامہ ناصر الدین البانی لکھتے ہیں:

وبالجملۃ فالجمہورعلی کراھیۃ اعادۃ الجماعۃ فی المسجدبالشرط السابق وھوالحق ولایعارض ھذاالحدیث المشہور الا رجل یتصدق علی ھذافیصلی معہ. (تمام المنتہ فی التعلیق علی فقہ السنتہ ص157)

ترجمہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ جمہور (فقہاء کرام اور دیگر ائمہ عظام) شرطِ سابق کے ساتھ(کہ مسجد میں امام اور مؤذن مقرر ہو) مسجدِ محلہ میں دوبارہ جماعت کرانے کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور یہی بات حق بھی ہے اور اس موقف کے خلاف وہ مشہور حدیث پیش نہ کی جائے جس میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جو اس پر صدقہ کرے کہ اس کے ساتھ نماز پڑھ لے۔

نمبر2:

غیرمقلدعالم علامہ احمدشاکرتحریرفرماتے ہیں:

والذی ذھب الیہ الشافعی من المعنی فی ھذاالباب صحیح جلیل ینبئ عن نظرثاقب ،وفھم دقیق وعقل دراک لروح الاسلام ومقاصدہ. (شرح ترمذی الجامع الصحیح ج1ص431ابواب الصلوۃ)

ترجمہ: اس مسئلہ میں جو موقف حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنایا ہے وہ نہایت صحیح اور جلیل القدر ہے جو آپ کے دور رس نگاہ، گہرے فہم اور اسلام کی روح اور اس کے مقاصد کا مشاہدہ کرنے والی عقل کی دلیل ہے۔

نمبر3:

غیر مقلد عالم مولانا عبدالجبارسلفی نے تعددجماعت کی مضرتیں کے عنوان سے ایک طویل مضمون لکھا ہے جس میں یہ ثابت کیا کہ جماعت ثانیہ مسجد محلہ میں جائز اوردرست نہیں ہے اوریہ مضمون غیرمقلدین کے آرگن ہفت روزہ الاعتصام لاہورجلد47شمارہ نمبر40میں شائع ہوچکا ہے (20اکتوبر1995ء)

جماعت ثانیہ کی کراہت کی عقلی وجوہ:

پہلی وجہ: اگرجماعت ثانیہ کی اجازت دے دی جائے تواس سے پہلی جماعت کی تقلیل لازم آئے گی اورپہلی جماعت کی تقلیل عندالشرع ایک مکروہ امرہے اورضابطہ ہے کہ جوچیزامرمکروہ کا سبب بنتی ہے وہ بھی مکروہ ہوتی ہے۔ لہٰذاجماعت ثانیہ جوجماعت اولیٰ کی تقلیل کا سبب ہے وہ بھی مکروہ ہوگی۔

دوسری وجہ: اگرجماعت ثانیہ کی اجازت دیدی جائے توجماعت ثالثہ اورجماعت رابعہ کی ممانعت کی بھی کوئی دلیل نہ ہوگی اوریوں سلسلہ غیرمتناہی حدتک چل پڑے گااورجماعت کا صرف نام رہ جائے گااجتماعیت ختم اورانفرادیت پیداہوجائے گی جبکہ شریعت میں اجتماعیت مطلوب ہے۔

تیسری وجہ: اگرجماعت ثانیہ کی اجازت دیدی جائے توجن نمازوں کے بعد سنن اورنوافل ہیں ان میں مشغول ہونے میں خلل لازم آتا ہے کیونکہ جب جہری نمازمیں امام تکبیرات اورقراءت کریگا تولازمی امر ہے کہ اس سے باقی نمازپڑھنے والے حضرات کی نمازمیں خلل پیداہوتا ہے اورکس کی نمازمیں شرعاوعقلاخلل اندازی اورتشویش پیداکرنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذاجماعت ثانیہ کی گنجائش نہیں نکلتی ۔

دلائل غیرمقلدین اوران کے جوابات

دلیل نمبر1:

عن ابی سعیدقال قدجاءرجل وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایکم یتجرعلیٰ

ھذافقام رجل وصلی معہ.

(ترمذی ج1ص53فی الجماعۃ فی مسجدقد صلی فیہ)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص (مسجد میں) اس وقت آیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نماز پڑھ چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: تم میں سے کون شخص اس پر صدقہ کر کے ثواب حاصل کرے گا؟ تو ایک شخص (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کھڑے ہوئے اور اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

جواب نمبر1:

یہ ایک خاص اورجزوی واقعہ ہے اس سے ہرایک کیلئے جماعت ثانیہ پراستدلال درست نہیں ہوسکتا کیونکہ اگریہ واقعہ اذن عام کی حیثیت رکھتا تویقیناصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاعمل اس کےمطابق ہوتا حالانکہ صحابہ کرام میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں کہ وہ تکرارجماعت پرکاربند رہے ہوں یہی وجہ ہے کہ اس ایک واقعہ کے علاوہ پورےذخیرہ احادیث میں کوئی ایک ایسی مثال نہیں ملتی کہ مسجدنبوی میں دوسری جماعت کی گئی ہو۔

جواب نمبر2:

اس واقعہ کاجماعت ثانیہ سے تعلق ہی نہیں ہے کیونکہ عرف میں جماعت ثانیہ اس جماعت کوکہتے ہیں جس میں امام اورمقتدی دونوں فرض پڑھنے والے ہوں اورمذکورہ واقعہ میں امام مفترض جبکہ مقتدی متنفل ہے۔ چنانچہ اسی بات کی صراحت غیرمقلدین کے پیشواعلامہ ناصرالدین البانی نے بھی کی ہے،وہ لکھتے ہیں:

ولایعارض ھذاالحدیث المشھور الارجل یتصدق علی ھذافیصلی معہ وسیاتی فی الکتاب. (ص277)

فان غایۃ مافیہ حض الرسول صلی اللہ علیہ وسلم احد الذین کانواصلوامعہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الجماعۃ الاولیٰ ان یصلی وراءہ تطوعافھی صلوۃ متنفل وراء مفترض وبحثنا انماھوفی صلوۃ مفترض وراءالمفترض فاتتھم الجماعۃ الاولیٰ ولایجوزقیاس ھذہ علی تلک لانہ قیاس مع الفارق من وجوہ. (تمام المنۃ فی التعلیق علی فقہ السنۃ: ص157)

ترجمہ: اور اس موقف کے خلاف وہ مشہور حدیث پیش نہ کی جائے جس میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جو اس پر صدقہ کرے کہ اس کے ساتھ نماز پڑھ لے؟! کیونکہ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے ان لوگوں میں سے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ پہلی جمات میں شرکت کی تھی ایک شخص کو اس پر ابھارا ہے کہ وہ اس آنے والے کے پیچھے نفل نماز پڑھ لے۔ پس یہ تو یہ صورت ہوئی کہ ایک نفل نماز پڑھنے والا فرض نماز پڑھنے والے کی اقتداء میں نماز پڑھے جبکہ ہمارے بحث تو اس میں ہے کہ ایک فرض نماز پڑھنے والا دوسرے فرض نماز پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے اور وہ دونوں ایسے ہوں جن سے پہلے جماعت رہ گئی ہو اور اس دوسرے مسئلہ کو پہلے مسئلہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ یہ متعدد وجوہ سے قیاس مع الفارق ہے۔

جواب نمبر3:

اس حدیث کے الفاظ ہی جماعت ثانیہ کی ناپسندید گی پردلالت کرتے ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایکم یتحیر. (وفی روایۃ) یتصدق.

یعنی یہ شخص تاخیرکیوجہ سے جماعت کے ثواب کامستحق تونہیں تھا لیکن جیسے کسی کوصدقہ دیکر اس پراحسان کیا جاتاہے ایسے ہی کوئی شخص اس کے ساتھ شریک ہوکر اس پرجماعت کے ثواب کا صدقہ اوراحسان کردے۔

نیز اگرجماعت ثانیہ پسندیدہ ہوتی توآپ صلی اللہ علیہ وسلم کاارشادمبارک کچھ اس طرح ہوتا جب جماعت سےپیچھےرہ جاؤتودوسری جماعت کرلیاکرو یاکوئی اورایساکلمہ ہوتا جس سے جماعت ثانیہ کی پسندیدگی ظاہرہوتی لیکن یہاں تواس کےہم معنی کوئی لفظ بھی نہیں فرمایابلکہ آپ علیہ السلام نے فرمایا ایکم تم میں سے کوئی ایک اس پرصدقہ کرے گویا زیادہ کی شرکت بھی ناپسند تھی اور صحابہ کرام نے بھی اس بات کو سمجھا اوران میں سے صرف ایک ہی شخص نے شرکت کی ورنہ سب دوڑ پڑتے۔

دلیل نمبر2:

جاء انس بن مالک الیٰ مسجد قد صلی فیہ فاذن واقام وصلی جماعۃ. (بخاری ج1ص89باب فضل صلوۃ الجماعۃ)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کی غرض سے ایک مسجد میں تشریف لائے، وہاں نماز ہو چکی تھی، آپ کے اذان و اقامت کہہ کر جماعت سے نماز پڑھی۔

جواب نمبر1:

یہ حدیث متنامضطرب ہے لہٰذااس سے استدلال درست نہیں ہے۔ السنن الکبری للبیہقی کی روایت میں مسجدبنی رفاعۃ کاذکرہے اورمسندابی یعلی موصلی کی روایت میں مسجدبنی ثعلبہ ،، کاذکرہے نیزمصنف ابن ابی شیبہ کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کاامامت کیلئے مقتدیوں کے درمیان کھڑے ہونے کاذکر ہے اوربیہقی کی روایت میں کہ انہوں نے آگے بڑھ کرنمازپڑھائی تفصیل ملاحظہ فرمائیں سنن کبری بیہقی کی روایت:

عن الجعدابی عثمان الیشکری قال صلیناالغداۃ فی مسجدبنی رفاعۃ جلسنافجاء انس بن مالک فی نحومن عشرین من فتیانہ فقال اصلیتم ؟ قلنانعم فامربعض فتیانہ فاذن واقام ثم تقدم فصلی بہم. (ج3ص70باب الجماعۃ فی مسجدقد صلی فیہ)

ترجمہ: حضرت جعد ابو عثمان یشکری فرماتے ہیں: ہم مسجد بنو رفاعہ میں صبح کی نماز پڑھ کر بیٹھے ہی تھے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیس نوجوانوں کے ساتھ حاضر ہوئے، فرمانے لگے: کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے کہا: جی ہاں!! تو آپ نے اپنے ایک ساتھی کو حکم دیا، اس نے اذان و اقامت کہی، پھر آپ آگے بڑھے اور اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی۔

مسندابی یعلی کی روایت:

عن الجعدابی عثمان قال مرّبناانس بن مالک فی مسجدبنی ثعلبہ فقال اصلیتم ؟ قال قلنانعم ،وذاک صلوۃ الصبح ،فامررجلافاذن واقام ثم صلی باصحابہ. (مسندابی یعلی ص812رقم الحدیث 4354تذکرۃ سعیدبن سنان)

ترجمہ: حضرت جعد ابو عثمان فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہمارے پاس مسجد نبی ثعلبہ کے پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے ہاں میں جواب دیا اور یہ صبح کی نماز تھی۔ چنانچہ آپ نے ایک آدمی کو حکم دیا تو اس نے اذان و اقامت کہی، پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت:

عن الیحی قال جاءنا انس بن مالک وقدصلینا الغداۃ فاقام الصلوۃ ثم صلی بہم فقام وسطھم.

(ج5ص54باب فی القوم یجیئون الی المسجدوقدصلی فیہ)

ترجمہ: حضرت یحییٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس وقت تشریف لائے جب ہم صبح کی نماز پڑھ چکے تھے۔ پھر آپ نے اپنے ساتھیوں کے درمیان کھڑے ہو کر ان کو نماز پڑھائی۔

جواب نمبر2:

اس حدیث میں جس مسجدکاذکرہے اس میں یہ احتمال غالب ہے کہ یہ مسجدطریق تھی، اس احتمال پرکئی قرینہ جات ہیں:

قرینہ نمبر 1: مسجدبنی ثعلبہ اورمسجدبنی رفاعہ عہد نبوت میں معروف مساجدمیں سے نہیں تھی علامہ عینی اورعلامہ سمہودی کی تحقیق کے مطابق عہدنبوت میں چالیس مساجدکاتذکرہ آتا ہے ان چالیس میں نہ مسجدبنی ثعلبہ کاذکر ہے اورنہ ہی مسجدبنی رفاعہ کاذکرہے لہٰذاغالب گمان یہی ہے کہ وہ مسجدطریق تھی اورمسجدطریق میں جماعت ثانیہ پرکوئی اختلاف نہیں ہے۔

قرینہ نمبر2: بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ بیس افرادکےساتھ مسجدمیں تشریف لائے ۔ فجاء انس بن مالک فی نحومن عشرین من فتیانہ.(سنن کبری للبیہقی ج3ص70باب الجماعۃ فی مسجدقدصلی فیہ)

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کہیں جارہےہوں گے اورمسجدطریق میں آپ نے جماعت کروائی ہوکیونکہ مسجد محلہ میں بیک وقت بیس آدمی جماعت سےرہ جائیں اورزمانہ بھی خیرالقرون کا ہوسمجھ میں نہیں آتا اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجدطریق تھی۔

قرینہ نمبر3: اس روایت میں صراحت ہے کہ آپ نے باقاعدہ اذان واقامت کے ساتھ جماعت کروائی تھی اورمسجدمحلہ میں اذان واقامت کے ساتھ جماعت ثانیہ کاکوئی بھی قائل نہیں ہے۔ لہٰذااس سے بھی یہی معلوم وثابت ہواکہ یہ مسجدمحلہ نہ تھی بلکہ مسجدطریق تھی۔

دلیل نمبر3:

عن سلمۃ ابن کھیل ان ابن مسعود دخل المسجدوقدصلوافجمع بعلقمہ ومسروق والاسود.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج5ص54رقم الحدیث 7182)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن کھیل سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں تشریف لائے تو لوگ نماز پڑھ چکے تھے۔ آپ نے حضرت علقمہ، حضرت مسروق اور حضرت اسود کے ساتھ جماعت کروائی۔

جواب نمبر1:

اس روایت سےبھی جماعت ثانیہ کےجوازپراستدلال درست نہیں ہے کیونکہ اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علقمہ، حضرت مسروق اورحضرت اسودبھی مفترض تھے بلکہ الفاظ روایت ”ان ابن مسعود دخل“ سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ حضرات نمازپڑھ چکے تھے صرف حضرت عبد اللہ بن مسعودکی نمازرہ گئی تھی چنانچہ یہ صورت بھی متنفل کی مفترض کے پیچھے اقتداء والی بنتی ہے جبکہ مسئلہ یہ ہے کہ مفترض کی اقتداء مفترض کے پیچھے ہواوروہ اس روایت سے ثابت نہیں ہوتی، لہٰذااس سےاستدلال درست نہیں ہے ۔

جواب نمبر2:

یہ حدیث موقوف ہے اورغیرمقلدین کاضابطہ ہے کہ موقوفات صحابہ حجت نہیں ہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

1: افعال الصحابۃ رضی اللہ عنہم لا تنتہض للاحتجاج بہا. (فتاوی نذیریہ بحوالہ مظالم روپڑی: ص 58)
2: صحابہ کا قول حجت نہیں۔ (عرف الجادی: ص 101)
3: صحابی کا کردار کوئی دلیل نہیں اگرچہ وہ صحیح طور پر ثابت ہوں۔ (بدور الاہلہ: ج 1 ص 28)
4:آثار صحابہ سے حجیت قائم نہیں ہوتی۔ (عرف الجادی: ص 80)
5: خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو صحابہ کرام کے آثار کا غلام نہیں بنایاہے۔ (عرف الجادی: ص 80)
6: موقوفات صحابہ حجت نہیں۔ (بدورا لاہلہ: ص 129)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حفاظت قرآن

از افادات:متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

قرآن کریم آسمانی کتابوں میں سب سے بلند اور ممتاز اس سبب سے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کسی تحریف اور تبدیلی سے محفوظ رکھنے کا خود ذمہ لیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ نہ لیا ہوتا تو اس میں بھی تحریف اور تبدیلی کا وہی حال ہوتا جو سابقہ آسمانی کتابوں کا ہوا ، کیونکہ سابقہ آسمانی کتابوں کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے انہی لوگوں کو سونپی تھی جن کی طرف اللہ نے وہ کتابیں اتاری تھیں۔

قرآن کریم کو اس عظیم خوبی کے ذریعے دوسری آسمانی کتابوں سے بلند اور ممتاز کرنے کی حکمت یہ ہے کہ یہ آسمانی کتابوں میں سے آخری کتاب ہے اور آسمانی کتابوں کے سلسلے کو ختم کرنے والی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے لیے ایسے اسباب تیار اور مہیا فرمائے جو اس کے علاوہ کسی بھی اور کتاب کے لیے میسر نہیں تھے۔

ان اسباب میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے پہلے خلیفہ حضرت ابو بکرصدیق رضی اللہ عنہ کا قرآن کولکھا ہوا جمع کرنا تھا۔ ان اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے تیسرے خلیفہ حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ کا تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی رضا مندی سے قرآن کو ایک کتاب کی صورت میں ثابت شدہ قراءتوں کے مطابق جمع فرمایا، پھر اس کے نسخے لکھوا کر تمام ملکوں میں روانہ فرمائے ۔ ان اسباب میں سے سب سے بڑا اور معجزاتی سبب قرآن مجید کو زبانی یاد کرنا ہے۔

حفاظت کے چند دلائل :

آیت1:

إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون. (سورۃ الحجر:9)

تفاسیر:

* أنه هو الذي أنزل الذكر، وهو القرآن، وهو الحافظ له من التغيير والتبديل. (تفسیر ابن کثیر تحت هذه الآیۃ)

* ﴿وإنا له لحافظون﴾ من التبديل والتحريف والزيادة والنقص. (تفسیر جلالین)

* وإنا له لحافظون (الضمير في له يرجع إلى الذكر يعني , وإنا للذكر الذي أنزلناه على محمد لحافظون يعني من الزيادة فيه , والنقص منه والتغيير والتبديل والتحريف , فالقرآن العظيم محفوظ من هذه الأشياء كلها لايقدر أحد من جميع الخلق من الجن والإنس أن يزيد فيه , أو ينقص منه حرفا واحدا أو كلمة واحدة , وهذا مختص بالقرآن العظيم بخلاف سائر الكتب المنزلة فإنه قد دخل على بعضها التحريف , والتبديل والزيادة والنقصان. (تفسیر خازن)

آیت2:

إن الذين كفروا بالذكر لما جاءهم وإنه لكتاب عزيز. لايأتيه الباطل من بين يديه ولامن خلفه تنزيل من حكيم حميد. (سورۃ فصلت:41، 42)

’’من بین یدیہ ‘‘سے مراد عالم بالاسے حضور علیہ السلام تک جن واسطوں سے قرآن پہنچا وہ معتبر ہیں، شیطانی وساوس سے محفوظ ہیں اور ’’ومن خلفہ‘‘ سے مراد آپ علیہ السلام سے امت تک جن واسطوں سے دین پہنچا وہ واسطے بھی معتبر ہیں۔

یا ’’من بین یدیہ ‘‘ وقت نزول اور ’’ومن خلفہ ‘‘بعد رحلت رسول ۔

’’لایاتیہ الباطل ‘‘... ’’باطل‘‘ خلافِ حق چیزکو کہتے ہیں، تحریف بھی چونکہ خلافِ حق ہے

اس لئے یہ قرآن میں نہیں ہوسکتی ۔

آیت3:

لاتحرك به لسانك لتعجل به. إن علينا جمعه وقرآنه .(سورۃ القیامۃ:16، 17)

* حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں :

حفظ قرآن کہ موعود حق است بااین صورت ظاهر شد کہ جمع آں درمصاحف کنند.

(ازالۃ الخفاءعن خلافۃ الخلفاء: مقصد اول فصل سوم ج1ص193)

ترجمہ :قرآن کی حفاظت جس کاوعدہ خداوند نے (''انالہ لحافظون'' میں) کیا، وہ اس شکل میں پورا ہوا کہ مصاحف میں لوگ اس کو جمع کریں۔

* مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں :

اس آیت سے بھی قرآن مجید کا ہر قسم کی تحریف سے محفوظ ہونا ثابت ہوتا ہےاور تحریف کی رسائی قرآن تک محال ونا‌ممکن ثابت ہوتی ہے کیونکہ جب قرآن کا مصحف میں جمع کرانا اور اس کے درس کا دنیا میں قائم رکھنا خدانے اپنے ذمہ لیا اور ظاہر ہے کہ یہ سب ذمہ داریاں اصلی قرآن کے لئے ہیں۔ لہٰذا ناممکن ہے کہ وہ محرف صورت میں جمع ہو محرف درس قائم رہے ورنہ خلف وعید لازم آئے گا۔ (تحفہ اہل سنت ص337)

فائدہ: ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وأنزلت عليك كتابا لا يغسله الماء .

(صحيح مسلم باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة وأهل النار)

ترجمہ:اے میرے پیغمبر! میں نے آپ پر ایک ایسی کتاب نازل کی جس کو پانی دھو نہیں سکتا۔

اس کی شرح کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

این کنایہ است ازانکہ اگر مساعی بنی آدم صرف شوند درمحوقرآن قادر نشوند برآں .

(ازالۃ الخفاءعن خلافۃ الخلفاء مقصد اول فصل سوم ج1ص193)

ترجمہ :اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمام انسان مل کربھی قرآن کو مٹانے کی کوشش کریں تب بھی نہیں مٹاسکتے۔ (کیونکہ حفاظت کا ذمہ خود خالق نے لیا)

روافض؛ قائلین تحریف قرآن

چند ابتدائی باتیں:

[1]: روافض کے مذہب کی بنیادوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ راویانِ دین اور ناقلینِ قرآن کی پہلی جماعت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جھوٹے تھے ۔ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد چند اشخاص کے علاوہ سب مرتد ہو گئے تھے۔ نعوذ باللہ من ذلک

[2]: اس بات پر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ تقریباً روافض کا بھی اتفاق ہے کہ موجود ہ قرآن جو ہمیشہ سے پڑھا جا رہا ہے یہ حضرات خلفاء ثلاثہ کی محنت اور ان کے اہتمام سے جمع ہو ا اور ان حضرات نے اس مصحف کو پوری دنیا میں پھیلایا ہے۔ روافض خلفاء ثلاثہ کو بے دین اور دشمنِ دین سمجھتے ہیں تو ان کے دور میں جمع کیا ہوا قرآن کیسے درست ہو سکتا ہے؟!

[3]: روافض کی معتبر کتب میں تقریباً دو ہزار روایات ایسی ہیں جو اس موجودہ قرآن کو محرف بتاتی ہیں اور ان روایات کو رافضی مصنفین نے اپنے زعم کے مطابق ائمہ معصومین سے نقل کیا ہے۔ بلکہ باقر مجلسی کی تحریرات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کی روایات عقیدہ امامت کی طرح متواتر ہیں۔ چنانچہ ایک روایت نقل کرکے لکھتے ہیں:

فالخبر صحیح ولایخفی ان هذا الخبر وکثیر من الاخبار الصحیحۃ صریحۃ فی نقص القرآن وتغییره ، وعندی ان الاخبار فی هذاالباب متواترۃ معنی وطرح جمیعها یوجب رفع الاعتماد عن الاخبار راسابل ظنی ان الاخبار فی هذاالباب لایقصر عن اخبار الامامۃ.(مرآۃ العقول: ج4ص857)

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے۔ نیز یہ روایت اور دیگر کئی ایک صحیح روایات تحریف قرآن پر صراحتاً دال ہیں ۔میرے نزدیک مسئلہ تحریف کی روایات متواتر معنوی ہیں، ان تمام روایات کو ترک کرنے سے پورے فن حدیث سے اعتماد ختم ہوجائے گا ۔میرے علم کے مطابق مسئلہ تحریف

کی روایات مسئلہ امامت سے کم نہیں ۔

اسی طرح نعمت اللہ جزائرینے لکھا:

ان تسلیم تواترها عن الوحی الالٰہی وکون الکل قد نزل بہ الروح الامین یفضی الی طرح الاخبار المستفیضۃ بل المتواترۃ الدالۃ بصریحها علی وقوع التحریف فی القرآن کلاما ومادۃ واعرابا مع ان اصحابنا رضوان اللہ علیهم قداطبقوا علی صحتها والتصدیق بها. (انوار نعمانیہ ج2ص311)

ترجمہ: اگر اس موجودہ قرآن کو اصلی مان لیا جائے تو ان تمام متواتر روایات کو چھوڑنا پڑے گا جو اس بات کی دلیل ہیں کہ قرآن کریم کی عبارت، الفاظ اور اعراب میں تحریف کی گئی ہے۔ نیز ہمارے شیعہ ان روایات کی صحت پر متفق ہیں اوران کی تصدیق بھی کرتے ہیں۔

[4]: یہ روایات روافض کے محدثین نے ائمہ معصو مین کی طرف منسوب کی ہیں۔ اس کے برخلاف قرآن کے کامل اور غیر محرف ہونے کی کوئی روایت امام معصوم سے نہیں ملتی ۔

[5]: اہل تشیع کے چند گنتی کے علماء کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ تحریف قرآن کے قائل نہیں تھے لیکن ان کا قول چند وجوہ سے معتبر نہیں:

۱: ائمہ معصومین کے مقابلہ میں ان کے قول کی کوئی حیثیت نہیں ۔

۲: ان کا یہ قول تقیہ کی وجہ سے ہے کیونکہ انہوں اپنی تائید میں ائمہ معصومین کی کوئی روایت پیش نہیں کی۔

۳: جن روایات سے تحریف ثابت ہے ان کا جواب نہیں دیا اور نہ ہی قائلین پر کوئی حکم لگایا ۔

۴: روایات کو ضعیف تو کہا ہے مگر وجہ ضعف بیان نہیں کی۔

ثبوت قول تحریف از کتب شیعہ:

[1]: انہم اثبتوا فی الکتاب مالم یقلہ اللہ لیلبسوا علی الخلیقۃ . (الاحتجاج طبرسی ص 295)

ترجمہ:انہوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے قرآن میں وہ باتیں بڑھادیں جو اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی تھیں تاکہ مخلوق خداکو فریب دیں۔

[2]: دفعہم الاضطرار، بورود المسائل علیہم عمالا یعلمون تاویلہ الی جمعہ وتالیفہ وتضمینہ من تلقائہم ما یقیمون بہ دعائم کفرھم. (الاحتجاج ص 305)

ترجمہ:لوگوں نے جب صحابہ سے وہ مسائل پوچھے جن کو وہ نہیں جانتے تھے تو مجبوراًانہیں قرآن جمع کرنا پڑا۔ پھر انہوں نے قرآن میں وہ باتیں بڑھائیں جن سے ان کے کفر کے ستونوں کو تقویت ملی۔

[3]: ولو شرحت لک کلما اسقط وحرف وبدل مما یجری ھذا المجری لطال وظہر ما تحظر التقیۃ اظہارہ .

(الاحتجاج ص 300،301)

ترجمہ :قرآن کی جو آیتیں ختم کی گئی اور جن آیات میں ردوبدل کی گئی اگر وہ سب میں بیان کردوں تو بات لمبی ہوجائے گی اور جس چیز سے تقیہ مانع ہے وہ ظاہر ہوجائے گی۔

[4]: قال ابو جعفر علیہ السلام لولاانہ زید فی کتاب اللہ ونقص منہ ما خفی حقنا علی ذی حجا. (فصل الخطاب ص 85)

ترجمہ: امام محمد باقر فرماتے ہیں: اگر قرآن میں کمی بیشی [تحریف] نہ کی گئی ہوتی تو کسی عقلمند انسان پہ ہمارا حق مخفی نہ ہوتا۔

[5]: وعن ابی ذر الغفاری رضی اللہ عنہ انہ لما توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ جمع علی القرآن وجاءبہ الی المہاجرین و الانصار وعرضہ علیہم کما قد اوصاہ بذالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ فلما فتحہ ابوبکر خرج فی اول صفحۃ فتحہا فضایح القوم فوثب عمر وقال یا علی اردده فلا حاجہ لنا

فیہ فاخذہ علی علیہ السلام وانصرف ثم احضروا زید بن ثابت وکان قاریا للقرآن فقال لہ عمر ان علیا جاءنا بالقرآن وفیہ فضایح المہاجرین و الانصار وقدر اینا ان نولف القرآن ونسقط منہ ماکان فیہ فضیحۃ وھتک للمہاجرین والانصار فاجابہ زید الی ذالک ۔ اقول والاخبار فی آیات خاصۃ من التحریف اکثر من ان احصیھا. (فصل الخطاب ص 86)

ترجمہ:حضرت ابو ذر غفاری فرماتے ہیں: حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کی وصیت کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ نے اصلی قرآن ایک جگہ جمع کیا اور اس کو مہاجرین وانصار کے سامنے پیش کیا۔ حضرت ابوبکر نے جب اس کا پہلا صفحہ کھولا تو دیکھا اس میں قوم (صحابہ) کی برائیوں کا تذکرہ تھا جنہیں دیکھ کر حضرت عمر نے فوراًکہا: علی! آپ یہ قرآن لے جائیں ،ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ حضرت علی وہ قرآن لے کر چلے گئے۔ بعد میں ابوبکر وعمر نے قرآن کریم کے قاری حضرت زید بن ثابت کو بلاکر کہا کہ علی ہمارے پاس قرآن لے کر آیا تھا جس میں مہاجرین وانصار کی برائیوں کا تذکرہ تھا، ہمارا خیال ہے کہ ہم لوگ ایک ایسا قرآن جمع کریں جس سے صحابہ کی برائیوں کو ختم کردیاجائے۔ حضرت زید ان حضرات کے حکم پر قرآن میں تحریف کرنے کے لئے تیا ر ہوگئے ۔ میں (یعنی کرمانی) کہتا ہوں: قرآن کریم میں تحریف کی روایات بے شمارہیں۔

[6]: شیعہ عالم محمد محسن فیض کاشانی نے لکھا:

آنچہ از مجموع اخباری کہ گذشت واحادیث دیگری کہ از طریق اھل بیت علیھم السلام نقل شدہ است استفادہ می شود ، اینست کہ " این قرآنی کہ ھم اکنون در اختیار ما است تمام وکمال آنگونہ نیست کہ بر محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم نازل شدہ است ، بلکہ در قرآن کنونی زیادتی ھست کہ خلاف ما انزل للہ می باشد واز شق دوّم بخشی تحریف شدہ برخی مغیر معنی وبخش کثیری ھم محذوف می باشد. (ترجمہ تفسیر شریف صافی ج1ص67)

ترجمہ : مذکورہ اخبار اور ان کے علاوہ اور بھی بہت ساری احادیث جو اہل بیت کے طریق سے مروی ہیں، سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ قرآن مجید جو ہمارے پاس ہے یہ وہی قرآن نہیں ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا بلکہ اس میں ایسی زیادتی کردی گئی ہے جو اصل قرآن کے خلاف ہے۔ دوسرا یہ بھی کہ یہ موجود قرآن محرف ہے ، بعض جگہ تحریف معنوی کی گئی ہے اور بہت سارے مقامات حذف کر دیےگئے ہیں ۔

[7]: مقبول حسین دہلوی نے ’’ذالک بانہم کرھوا ما انزل اللہ‘‘ کی تفسیر میں لکھا ہے:

تفسیر قمی میں جناب امام محمد باقر سے منقول ہے کہ جبرائیل امین نے جناب رسول خدا کویہ آیت پہنچائی ’’ذالک بانہم کرھوا ما انزل اللہ فی علی‘‘ مگر مرتدین نے نام اڑاد دیا۔ پس اس کا نتیجہ بھگتیں گے جو آگے بیان فرمایا ہے ’’فاحبط اعمالھم‘‘ . (ترجمہ مقبول ص 809)

[8]: ’’وتجعلون رزقکم أنکم تکذبون‘‘ کی تفسیر میں لکھا ہے :

تفسیر قمی میں ہے کہ جناب امیر المؤمنین نے سورہ واقعہ تلاوت فرمائی تو اس آیت کو یوں تلاوت فرمایا ’’وتجعلون شکرکم انکم تکذبون‘‘ جب ختم کر چکے تو ارشاد فرمایا: میں جانتا تھا کہ کوئی کہنے والا ضرور کہےگا کہ یہ آیت یوں کیوں پڑھی؟ میں نے اس کو اس طرح اس لیے پڑھا کہ جناب رسولِ خدا کو اسی طرح تلاوت فرماتے سنا اور لوگوں کی یہ حالت تھی کہ جب بارش ہوتی تو وہ یہ کہتے کہ فلاں اور فلاں ستارے کے سبب ہم پہ بارش ہوئی، اس پر خدائے تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ’’وتجعلون شکرکم انکم تکذبون‘‘۔ نیز جناب امام جعفر صادق سے بھی منقول ہے کہ ان حضرات کے سامنے ’’وتجعلون رزقکم ‘‘ پڑھا گیا توآپ نے فرمایا کہ اصل تو ’’تجعلون شکرکم‘‘ ہے۔

(ترجمہ مقبول: ص 857)

[9]: شیعوں کے نزدیک آیات قرآنیہ کی تعداد :کلینی نے حضرت امام جعفرصادق کی طرف منسوب کرکے لکھا ہے:

ان القرآن الذی جآء بہ جبرئیل علیہ السلام الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشر الف آیۃ . (اصول کافی ج2ص605)

فریقِ مخالف کے شبہات اور ان کا ازالہ

شبہات اور ان کے جوابات سے پہلے چند باتیں ذہین نشین ہونی چاہیے:

[1]: جس طرح کتب شیعہ میں ائمہ معصومین کے اقوال موجود ہیں کہ موجودہ قرآن محرّف اور تبدیل شدہ ہے، اصلی نہیں ہے اسی طرح اہل سنت پر الزام تب ثابت ہوگا جب نبی علیہ السلام سے کوئی روایت پیش کی جائے کہ یہ قرآن اصلی نہیں بلکہ تحریف شدہ ہےکیونکہ اہل سنت نبی کے علاوہ کسی کو بھی معصوم نہیں مانتے ۔

[2]: کتب شیعہ میں تحریف کی روایات بقولِ شیعہ مصنفین؛ متواتر ہیں۔ لہٰذا ان کا حق بنتا ہے کہ کتبِ اہل السنت سے متواتر روایات پیش کریں، اخبار احاداور ضعیف روایات کو پیش نہ کریں۔

[3]: جو روایت یاعبارت پیش کریں اس میں یہ الفاظ ہوں کہ موجودہ قرآن اصلی نہیں بلکہ محرف ہے، اختلاف قراءت یا منسوخ کی بات نہ ہو۔

شبہہ نمبر1:

قرآن مجید کا ایک حصہ ایسا تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھا، جس کو بکری کھا گئی تھی۔ ابن ماجہ میں روایت ہے:

عن عائشة: قالت لقد نزلت آية الرجم ورضاعة الكبير عشرا . ولقد كان في صحيفة تحت سريري .

فلما مات رسول الله صلى الله عليه و سلم وتشاغلنا بموته دخل داجن فأكلها. (سنن ابن ماجۃ: باب رضاع الکبیر)

جواب نمبر 1:

اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جن آیات کا تذکرہ فرمایا ہے، یہ باجماع امت وہ آیتیں ہیں جن کی تلاوت منسوخ ہو چکی ہے۔ جیسا کہ محققین نے تصریح کی ہے:

چنانچہ امام علامہ آلوسی بغدادی فرماتے ہیں:

أن جميع ذلك منسوخ. (روح المعانی ج4ص254 تحت الآیۃ)

ترجمہ: یہ منسوخ ہے۔

خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس کے منسوخ ہونے کی قائل ہیں۔ لہذا اگر انہوں نے یہ آیات کسی کاغذ پر لکھ کر رکھی ہوئی تھیں تو اس کا منشاء سوائے ایک یادگار کے تحفظ کے اور کچھ نہ تھا، ورنہ اگر یہ آیات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک قرآن کریم کا جزء ہوتیں تو وہ کم از کم ان کو تو یاد تھیں، وہ ان کو قرآن کریم کے نسخوں میں درج کراتیں ۔لیکن انہوں نے ساری عمر ایسی کوشش نہیں کی، اس سے صاف واضح ہے کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک یہ آیات محض ایک علمی یادگار کی حیثیت رکھتی تھیں اور قرآن کریم کی دوسری آیات کی طرح اس کو مصحف میں درج کرانے کا کوئی اہتمام ان کے پیش نظر بھی نہیں تھا۔ لہذا اس واقعہ سے قرآن کریم کی حفاظت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

جواب نمبر2:

ابن ماجہ کی اس روایت میں چند راوی ضعیف ہیں۔

ایک راوی "**عبد الاعلیٰ**" ہے۔ ائمہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

* امام شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لم یکن بالقوی. (میزان الاعتدال للذہبی ج2ص90)
* امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قدریا لم یکن بالقوی (تہذیب التہذیب لابن حجر ج3 ص96)
* امام ابن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: و لم یکن بالقوی فی الحدیث . (طبقات ابن سعد ج7)

دوسرا راوی "محمد بن اسحاق" ہے۔ ا س کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل نے یہ رائے دی ہے:

متهم بالقدر، يتشيع، يحدث عن المجهولين الاحاديث الباطلة، كان يدلس ،كذاب ،معتزلی ،دجال ،ليس بحجة۔

(تہذیب التہذیب لابن حجر ج ص39، میزان العتدال للذہبی ج3ص21،22 ،تاریخ بغداد ج1ص230)

ترجمہ: اس پر قدری ہونے کا الزام ہے، شیعہ بھی تھا، مجہول لوگوں سے باطل احادیث روایت کرتا

تھا، تدلیس بھی کرتا تھا، جھوٹا، معتزلی، دجال تھااور احادیث میں حجت بھی نہیں تھا۔

جواب نمبر3:

محققین نے اس روایت کو باطل قرار دیا ہے، لہذا یہ روایت حجت نہیں۔

1: مشہور فقیہ اور اصولی امام ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی المتوفی سنہ 490ھ نسخ کے متعلق علمی بحث کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ بالا روایت کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لا أصل هذا الحديث. (اصول السرخسی ج 2ص80)

کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں، یعنی یہ حدیث ثابت ہی نہیں۔

2:امام ابو البرکات النسفی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فمن تأليفات الملاحدة والروافض. (تفسیر المدارک للنسفی ج 3ص 234)

ترجمہ: یہ روایت روافض کی کارستانی ہے۔

3: شیخ محمد اطاہر بن عاشور اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

فمن تأليفات الملاحدة والروافض اه (التحریر والتنویر ج21 ص 247)

ترجمہ: یہ روایت روافض کی کارستانی ہے۔

4:امام فخر الاسلام بزدوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وأما حديث عائشة... أنه لا أصل لهذا الحديث.(کشف الاسرار ج3ص909)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث [جس میں بکری کے صحیفہ کھانے کا ذکر ہے] کی کوئی اصل نہیں۔

5: امام ابو محمدعبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فأما رضاع الكبير عشرا فنراه غلطا .(تأویل مختلف الحديث ص310)

ترجمہ: رضاع کبیر والی حدیث کو ہم غلط [غیر ثابت] سمجھتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت باطل ہے، اس کو لے کر قرآن کے بارے میں یہ نظریہ رکھنا کہ اس کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا غلط ہے۔

شبہہ نمبر2:

اہل السنت والجماعت کی کتب میں بھی موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذ تین کو قرآن نہیں سمجھتے تھے ۔

جواب:

[1]: اس قول کی نسبت ابن مسعود کی طرف صحیح نہیں ۔

* قال فخر الدين الرازی: والأغلب على الظن أن نقل هذا المذهب عن ابن مسعود نقل كاذب باطل.
(تفسیر کبیر ج1ص131سورۃ الفاتحۃ)

* قال النووی : أجمع المسلمون علي أن المعوذتين والفاتحة وسائر السور المكتوبة في المصحف قرآن وأن من جحد شيئا منه كفر وما نقل عن ابن مسعود في الفاتحة والمعوذتين باطل ليس بصحيح عنه
(المجموع شرح المہذب ج3ص396فصلفي مسائل مهمة تتعلق بقراءة الفاتحة وغيرها في الصلاة)

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اس قول کی نسبت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف کرنا درست نہیں۔

[2] اگر بالفرض والمحال اس قول کی نسبت آپ کی طرف مان بھی لی جائے تو اہلِ علم کے بقول اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ یہ سورتیں جھاڑ پھونک کے لیے اتری ہیں، لہٰذا ان کو مصحف میں نہ لکھا جائے۔ آپ ان کے مطلق کلام الہٰی ہونے کےہر گز منکر نہیں ۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال القاضي أبو بكر لم يصح عنه أنها ليست من القرآن ولا حفظ عنه إنما حكها وأسقطها من مصحفه

إنكارا لكتابتها لا جحدا لكونها قرآنا لأنه كانت السنة عنده ألا يكتب في المصحف إلا ما أمر النبي بإثباته فيه ولم يجده كتب ذلك ولا سمعه أمر به. (الاتقان فی علوم القرآن ج1ص212)

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

معوذتین کے قرآن ہونے پر تمام صحابہ کا اجماع ہے اور ان کے عہد سے آج تک بتواتر ثابت ہے، صرف ابن مسعودسے نقل کرتے ہیں کہ وہ ان دوسورتوں کواپنے مصحف میں نہیں لکھتے تھے ۔لیکن واضح رہے کہ ان کو بھی ان سورتوں کے کلام اللہ ہونے میں شبہ نہ تھا، وہ مانتے تھے کہ یہ اللہ کاکلام ہے اور لاریب آسمان سے اترا ہے مگر ان کے نازل کرنے کا مقصدرقیہ اور علاج تھا،معلوم نہیں کہ تلاوت کی غرض سے اتاری گئی یانہیں، اس لئے ان کومصحف میں درج کرنا اور اور اس قرآن میں شامل کرنا جس کی تلاوت نمازوغیرہ میں مطلوب ہے خلاف احتیاط ہے۔

(تفسیر عثمانی ج2ص944،945)

[3]: بقول علامہ آلوسی رحمہ اللہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول (کہ ان کو مصحف میں نہ لکھاجائے) سے رجوع کر لیا تھا۔

ولعل ابن مسعود رجع عن ذالک. (روح المعانی ج30 ص279)

اس پر قرینہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی جو متواتر آیتیں ہیں ان میں متعدد سندیں حضرت ابن مسعود کے واسطہ سے حضور علیہ السلام تک پہنچی ہیں خصوصاً کوفہ کے تین قاری؛ عاصم ، حمزہ اور کسائی، ان کی سندیں جن واسطوں سے آپ علیہ السلام تک پہنچتی ہیں ان میں ایک نام حضرت ابن مسعود کا بھی ہے اور ان تینوں کی قراءت میں معوذ تین قرآن کا حصہ ہیں۔ تو اگر استاد کی قرات میں یہ قرآن کا حصہ نہ تھے تو شاگردوں کی قراءت میں کیسے آگیا؟ اسی بات کو علامہ ابن حزم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :

هذا كذب علي ابن مسعود موضوع وإنما صح عنه قراءة عاصم عن زر عن ابن مسعود وفيها الفاتحة والمعوذتان.

(المجموع شرح المہذب ج3ص396)

وأما قولهم أن مصحف عبد الله ابن مسعود خلاف مصحفنا فباطل وكذب وإفك مصحف عبد الله بن مسعود إنما فيه قراءته بلا شك وقراءته هي قراءة عاصم المشهورة عند جميع أهل الإسلام في شرق الدنيا وغربها نقرأ بها كما ذكرنا

(الفصل فی الملل والاھواء والنحل لابن حزم ج2ص65)

شبہہ نمبر3:

سنی عالم علامہ محمد انور شاہ کشمیری نے اپنی کتاب "فیض الباری"میں لکھا ہے :

واعلم ان فی التحریف ثلاثۃ مذاہب، ذہب جماعۃ الی ان التحریف فی الکتب السماویۃ قد وقع بکل نحو فی اللفظ والمعنی جمیعاً وھو الذی مال الیہ ابن حزم وذہب جماعۃ الی انکار التحریف اللفظی راسا فالتحریف عندہم کلہ معنوی، قلت: یلزم علی ہذا المذہب ان یکون القرآن ایضا محرفاً فان التحریف المعنوی غیر قلیل فیہ ایضاً والذی تحقق عندی ان التحریف فیہ لفظی ایضاً اما انہ عن عمد منہم او لمغلطۃ. (فیض الباری: ج3 ص3945)

جواب:

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے یہ عبارت حضرت ابن عباس سے منقول اس روایت کی تشریح میں ذکر فرمائی ہے:

عن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما قال يا معشر المسلمين كيف تسألون أهل الكتاب وكتابكم الذي أنزل على نبيه صلى الله عليه وسلم أحدث الأخبار بالله تقرءونه لم يشب وقد حدثكم الله أن أهل الكتاب

بدلوا ما كتب الله وغيروا بأيديهم الكتاب فقالوا هو من عند الله {ليشتروا به ثمنا قليلا} أفلا ينهاكم ما جاءكم من العلم عن مساءلتهم ولا والله ما رأينا منهم رجلا قط يسألكم عن الذي أنزل عليكم.

(صحیح البخاری: ج1ص329- باب لا یسأل اہل الشرک عن الشہادۃ وغیرہا)

اس روایت میں اہلِ کتاب کی تحریف کا ذکر ہے اور حضرت کشمیری رحمہ اللہ نے بھی اپنی مذکورہ عبارت میں پچھلی کتب سماویہ میں اہل کتاب کی تحریف کا ذکر فرمایا ہے جیساکہ اس عبارت میں"ان التحریف فی الکتب السماویۃ"کے الفاظ سے واضح ہے، اس کے بعد آخر میں"ان التحریف فیہ لفظی" میں "فیہ" کی ضمیر حدیث ابن عباس میں "ما کتب اللہ"کی طرف راجع ہے، قرآن کی طرف نہیں کیونکہ حضرت شاہ صاحب پچھلی کتب سماویہ میں ہی اختلاف مذاہب بیان کرر ہے ہیں، اور پھر "والذی تحقق عندی"سے پچھلی کتب کی تحریف میں اختلافی مذاہب میں قول محقق ذکر فرمارہے ہیں، نیز اس سے اگلی عبارت "اما انہ عن عمد منہم" میں "منہم" کی ضمیر غائب کا مرجع بھی حدیث ابن عباس میں "اہل الکتاب" ہونا واضح ہے۔

ایک عمومی شبہ :

اگر شیعہ حضرات تحریفِ قرآن کے قائل ہیں تو وہ اس موجودہ قرآن کی تلاوت کیوں کرتے ہیں، اپنے گھروں میں کیوں رکھتے ہیں؟

جواب:

اس کا جواب خود کتب شیعہ میں موجود ہے۔ اصول کافی میں ہے کہ امام جعفر صادق نے ایک آدمی سے قرآن پاک کے اصلی الفاظ سنے تو فرمایا:

کف عن ھذہ القراءۃ اقراکمایقراالناس حتی یقوم القائم فاذاقام القائم قرا کتاب اللہ علی حدہ.

(اصول کافی:ج4ص444)

کہ ابھی اس طرح مت پڑھو ! بلکہ جس طرح لوگ تلاوت کرتے ہیں آپ بھی اسی طرح تلاوت کرو، ہاں! جب امام مہدی آئے گا تو قرآن کو اصلی طریقہ پر پڑھے گا ۔

اس طرح ترجمہ مقبول میں مقبول حسین دہلوی نے نقل کیا کہ ایک آدمی نے حضرت علی المرتضیٰ کے سامنے ایک آیت پڑھی، آپ نے منع فرمایا کہ آیت ہے اس طرح جس طرح تم نے پڑھی ہے مگر ابھی اس طرح نہ پڑھو ، کسی نے عرض کیا: پھر حضور! اسے بدل کیوں نہیں دیتے۔ فرمایا کہ آج اس کا موقع نہیں ہے کہ قرآن مجید کی اصلاح کر کے عوام الناس کو ہیجان میں لایا جائے، ائمہ علیہم السلام میں یہ حق مخصوص جناب صاحب الامر علیہ السلام کا ہے کہ قرآن مجید کو اسی حد پر پڑھوائیں گے جس حد پر وہ زمانہ جناب رسول خدا میں پڑھا جاتا تھا ۔

(ترجمہ مقبول ص 854 سورۃ واقعہ آیت وطلح منضود)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عقیدہ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت والجماعت:

حضورعلیہ السلام وفات کے بعداپنی قبراطہر میں بتعلق روح زندہ ہیں ،روضہ اقدس پرپڑھاجانے والا صلوۃ وسلام خودسنتے ہیں ،جواب دیتے ہیں اور دورسے پڑھاجانے والا صلوۃ وسلام آپ کی خدمت اقدس میں بذریعہ ملائکہ پہنچایاجاتاہے۔

مذہب اہل بدعت :

1: مولوی شہاب الدین خالدی اهل السنت والجماعت اور اشاعت کےعقیدہ حیات انبیاء علیہم السلام میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جمعیت اشاعت التوحیدوالسنۃ کا قرآن کریم اور احادیث صریحہ کی رو سے یہ موقف ہے کہ اس مٹی والے جسم سے روح نکلنے کے بعد نہ تو وہ روح اس قبرمیں مدفون جسم میں واپس آتی ہے اور نہ ہی اس مدفون جسم سے روح کا کوئی تعلق قائم ہوتا ہے جسکی بناء پر یہ جسم دیکھتا ہو اور سنتا ہو اور سن کر جواب دیتا ہو ۔ (عقائد علمائے اسلام ص91)

2: سجاد بخاری صاحب لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا جسد عنصری کے ساتھ نہیں تھا بلکہ جسد مثالی کے ساتھ تھا ۔ (اقامۃ البرہان ص168)

3: عطاء اللہ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں:

علماء میں سے دوسرا طبقہ ایسے "شرفاء"پر مشتمل ہے جو حق کو پہچانتے ہیں اور شرک وبدعات کی حقیقت سے پوری طرح باخبر ہیں لیکن اپنے ذاتی مفاد ،چندوں کے لالچ،جھوٹے وقاراور خانقاہی نظام کو بر قرار رکھنے کے لئے زبانوں پر چپ کی مہریں لگائے ہوئے ہیں انہو ں نے اپنے خطبوں اور بیانات میں کبھی توحید کی حقیقت اور شرک کی وضاحت نہیں فرمائی بلکہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ،سماع موتیٰ اور بزرگوں کے وسیلے جیسے موضوعات پر دلائل (بزعم خود)دے کر الٹا شرک کے دہقان بنے ہوئے ہیں ۔ (شرک کیا ہے ص4)

اسی رسالہ میں بندیالوی صاحب نے حضور علیہ السلام کی حیات فی القبر کے عقیدہ کو شرک فی الحیاۃ قرار دیا ہے ۔ (شرک کیا ہے ص44)

خلاصہ کلام: منکرین حیات الانبیاء علیہم السلام کے نزدیک...

1: حضور علیہ السلام سمیت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کےمبارک اجسام وفات کے بعد محفوظ تو ہیں مگرزندہ نہیں

2: ان حضرات کو ایک اور جسم دیا جاتا ہے جس کے ساتھ وہ عبادت وغیرہ کرتے ہیں حیات بھی اسی کو ملتی ہے

3: جسم عنصری کو زندہ ماننا سبب شرک بلکہ شرک فی الحیات ہے

دلائل اہل السنت والجماعت

قرآن مجید مع التفسیر

آیت نمبر1:

وَلاَ تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لاَ تَشْعُرُونَ. (البقرۃ آیت 154)

تفسیر نمبر1:

قاضی ثنا ء اللہ پانی پتی (م1225ھ) فرماتے ہیں:

فذهب جماعة من العلماء إلى ان هذه الحيوة مختص بالشهداء والحق عندى عدم اختصاصها بهم بل حيوة الأنبياء أقوى منهم وأشد ظهورا اثارها في الخارج حتى لا يجوز النكاح بأزواج النبي صلى الله عليه وسلم بعد وفاته بخلاف الشهيد.

(تفسیر مظہری ج:1ص:152)

یعنی بعض علماء کے نزدیک اس آیت میں جس حیات کا ذکرہے وہ صرف شہداء کو ملتی ہے

~~لیکن صحیح قول کے مطابق انبیاء کو حیات شہداء سے بھی بڑھکر ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ شہید~~ کی بیوی سے نکاح جائز ہے مگرنبی کی بیوی سے جائز نہیں۔

تفسیرنمبر2:

شیخ عبد الحق حقانی دہلوی رحمہ اللہ(م1336 ھ) فرماتے ہیں:

کبھی پاک روحوں کا اثر جسم خاکی تک بھی پہنچتا ہے اور یہ جسم سڑتا ،گلتا نہیں جیسا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اور شہدائے عظام کے اجساد سے ظاہر ہوا ہے... لیکن اس حیات میں انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام بھی شریک ہیں اور اس کے درجات متفاوت ہیں ۔
(تفسیر حقانی : ج1ص594)

تفسیر نمبر3:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (م1362ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں :

اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے مثل زواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں ۔
(بیان القرآن: ج1ص97)

تفسیر نمبر4:

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع (م1396ھ)فرماتے ہیں:

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اسلامی روایات کی رو سے ہر مرنے والے کو برزخ میں ایک خاص قسم کی حیات ملتی ہے جس سے وہ قبر کے عذاب یا ثواب کو محسوس کرتا ہے اس میں مؤمن و کافر یا صالح و فاسق میں کوئی تفریق نہیں لیکن اس حیات برزخی کے مختلف درجات ہیں ایک درجہ تو سب کو عام اور شامل ہے کچھ مخصوص درجے انبیاء علیہم السلام و صالحین کے لئے مخصوص ہیں اور ان میں بھی باہمی تفاضل ہے....اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے حکیم الامت کی بیان القرآن والی تفسیر نقل فرما ئی ہے کہ یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں۔ (معارف القرآن: ج1 ص397)

آیت نمبر2:

وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ. (آل عمران آیت 169)

تفسیرنمبر1:

امام تقی الدین علی بن عبد الکافی سبکی (م756ھ) فرماتے ہیں:

والکتاب العزیز یدل علی ذالک ایضاً قال اللہ تعالیٰ:" وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ "(آل عمران 169)واذاثبت ذلک فی الشہید ؛ثبت فی حق النبی صلی اللہ علیہ وسلم بوجوہ :احدھا: ان ھذہ رتبۃ شریفۃ اعطیت للشہید کرامتہ ، ولا رتبۃ اعلی من رتبۃ الانبیاء ، ولاشک ان حال الانبیاء اعلیٰ واکمل من حال جمیع الشھداء ، فیستحیل ان یحصل کمال للشھداء ، ولا یحصل للانبیاء ، لا سیما ھذا الکمال الذی یوجب زیادہ القرب و الزلفیٰ والنعیم ، والانس بالعلی الاعلیٰ۔

الثانی ان ھذہ الرتبۃ حصلت للشھداء اجرا علی جھادھم ، وبذلھم انفسھم للہ تعالیٰ ، والنبی صلی اللہ علیہ وسلم ھوالذی سن لنا ذلک ودعانا الیہ وھدانا لہ باذن اللہ تعالیٰ و توفیقہ ، وقد قال صلی اللہ علیہ وسلم من سن سنۃ حسنۃ ، فلہ اجرھا واجر من عمل بھا الی یوم القیامۃ ، ومن سن سنۃ سیئۃ ، فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بھاالی یوم القیامۃ -----الثالث : ان انبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید ، فانہ صلی اللہ علیہ وسلم لما سم بخیبر واکل من الشاۃ المسمومۃ ، وکان ذلک سما قاتلا من ساعتہ ، مات منہ بشر ابن البراء رضی اللہ عنہ ، وبقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ذلک معجزۃ فی حقہ ؛ صارالم السم یتعاھدہ الی ان مات بہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ الذی مات فیہ " مازالت اکلۃ خیبر تعاودنی ، حتیٰ کان الان اوان قطعت ابہری.

(شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم ص:403تا406)

تفسیر نمبر2:

امام حافظ محمد بن عبد الرحمن سخاوی شافعی (م902ھ) فرماتے ہیں:

ومن ادلۃ ذلک ایضاًقولہ تعالیٰ " وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ "فان الشہادۃ حاصلۃ لہ صلی اللہ علیہ وسلم علی اتم الوجوہ لانہ شہید الشہداء ، وقد صرح ابن عباس وابن مسعود و غیرہما رضی اللہ عنہم بانہ صلی اللہ علیہ وسلم مات شہیداً. (القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع ص:173)

تفسیر نمبر3:

علامہ جلال الدین سیوطی (م911 ھ) فرماتے ہیں:

وقد قال تعالیٰ فی الشہداء " وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ "والانبیاء اولی بذلک فہم اجل و اعظم ، وما من نبی الا وقد جمع مع النبوۃ وصف الشہادۃ ، فید خلون فی عموم لفظ الایۃ. (الحاوی للفتاویٰ: ص556)

تفسیر نمبر4:

مشہو رغیر مقلد عالم قاضی محمد بن علی شوکانی(م1250ھ) لکھتے ہیں :

وورد النص في كتاب الله في حق الشهداء أنهم أحياء يرزقون وأن الحياة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالأنبياء والمرسلين وقد ثبت في الحديث أن الأنبياء أحياء في قبورهم رواه المنذري وصححه البيهقي وفي صحيح مسلم عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال مررت بموسى ليلة أسري بي عند الكثيب الأحمر وهو قائم يصلي في قبره . (نیل الاوطار ج:3ص:263)

تفسیر نمبر5:

شیخ الدکتور احمد بن عطیہ الغامدی(م1434ھ) امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”حیاۃ الانبیاء“ کے مقدمۃ التحقیق میں لکھتے ہیں:

ماثبت فی القرآن الکریم من نص علی حیاۃ الشہداء فی قولہ تعالیٰ " وَلاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ "والرسل اکمل من الشہداء بدون شک ولذلک کانوا احق بالحیاۃ منہم .

(مقدمۃ التحقیق علی حیاۃ الانبیاء: ص:35)

آیت نمبر3:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلاَّ لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا, (النساء64)

تفسیر:

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (م774ھ) اور دیگر مفسرین لکھتے ہیں:

وقوله وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا يرشد تعالى العصاة والمذنبين إذا وقع منهم الخطأ والعصيان أن يأتوا إلى الرسول صلى الله عليه وسلم فيستغفروا الله عنده،ويسألوه أن يستغفر لهم فإنهم إذا فعلوا ذلك تاب الله عليهم ورحمهم وغفر لهم ولهذا قال لَوَجَدُوا اللّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا

وقد ذكر جماعة منهم الشيخ أبو نصر بن الصباغ في كتابه "الشامل" الحكاية المشهورة عن العُتْبي قال كنت جالسا عند قبر النبي صلى الله عليه وسلم فجاء أعرابي فقال السلام عليك يا رسول الله سمعت الله يقول وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا وقد جئتك مستغفرا لذنبي مستشفعا بك إلى ربي ثم أنشأ يقول:

يا خيرَ من دُفنَت بالقاع أعظمُه فطاب منْ طيبهنّ القاعُ والأكَمُ
نَفْسي الفداءُ لقبرٍ أنت ساكنُه فيه العفافُ وفيه الجودُ والكرمُ

ثم انصرف الأعرابي فغلبتني عيني فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم في النوم فقال يا عُتْبى الحقْ الأعرابيّ فبشره أن الله قد غفر له.

(تفسیرابن کثیر ج 2ص348 الدرالمنثورج 2ص474 القول البدیع ص167،168،کتاب الایضاح فی مناسک الحج والعمرۃ نووی ص:454،455، حاشیہ علی شرح الایضاح ابن حجر المکی ص:489، کتاب المناسک ملا علی قاری ص:512)

واقعہ کی تحسین کرنے والے حضرات:

1 :قال الامام المحدث ابو زکریا النووی (م 676 ھ): ومن احسن ما یقول ما حکاہ اصحابنا عن العتبی مستحسنین لہ.

(کتاب الایضاح فی مناسک الحج والعمرۃ للنووی: ص454)

2:قال الامام تقی الدین علی بن عبد الکافی السبکی (م756ھ): وحکایۃ العتبی فی ذالك مشهورۃ وقدحکاها المصنفون فی المناسك من جمیع المذاهب والمورخون وکلهم استحسنوها ورأوها من آداب الزائر وما ینبغی لہ. (شفاء السقام ص236،235)

3:قال الامام علی بن احمد السمهودی (م911ھ): ومن أحسن ما یقول ما حکاہ أصحابنا عن العتبيّ مستحسنین له.

(خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفی ج1ص56)

فائدہ نمبر1:

حکیم الامت حضرت تھانوی (م1362ھ)فرماتے ہیں:

مواہب میں بسند اما م ابوالمنصورصباغ ،ابن النجاراورابن عساکر اورابن الجوزی رحمهم اللہ تعالی محمدبن حرب ہلال سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کرکے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اورزیارت کرکےعرض کیا کہ یاخیرالرسل اللہ تعالی نے آپ پر سچی کتاب نازل فرمائ جس میں ارشاد فرمایاہے: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا اورمیں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتاہوا اورآپ کے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتاہوا آیاہوں پھردوشعرپڑھے الخ اوران محمدبن حرب کی وفات 228ہجری میں ہوئ ہے غرض زمانہ خیرالقرون کاتھا اورکسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں پس حجت ہوگیا۔ (نشرالطیب فی ذکرالنبی الحبیب ص243،242)

فائدہ نمبر2:

یہ حکم آج بھی باقی ہے

1: وبالکتاب لقوله تعالی ولو إنهم إذ ظلموا أنفسهم جاءوك الآیة لحثه علی المجيء إلیه والاستغفار عنده واستغفاره للجاءین وهذه رتبة لا تنقطع بموته... وقد فهم العلماء من الآیة العموم واستحبوا لمن أتی القبر أن یتلوها ویستغفر الله تعالی وأوردوا حکایة العتبي الآتیة في کتبهم مستحسنین لها. (خلاصة الوفاء باخبار دار المصطفی ج1ص45)

2: والآیة وان وردت فی اقوام معینین فی حالة الحیاة فتعم بعموم العلة کل من وجد فیه ذالك الوصف فی الحیاة وبعدالموت ولذالك فهم العلماء من الآیة العموم فی الحالتین واستحبوا لمن أتی الی قبره صلی الله علیه وسلم أن یتلوا هذه الآیة ویستغفرالله تعالی . (شفاء السقام ص235)

3: قرآن مجیدکی سورۃ نساء آیت 64(وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ) کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصرہوں یابعدکے امتی ہوں اورتخصیص ہوتوکیونکرہوآپ کاوجودتربیت تمام امت کے لئے یکساں‌رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کاآپ کی خدمت میں آنااوراستغفارکرنااورکراناجب ہی متصورہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبرمیں زندہ ہوں -(آب حیات ص52)

4: علامہ ظفر احمد عثمانی (م 1394ھ)فرماتے ہیں:

فثبت أن حکم الآیة باق بعد وفاته صلی الله علیه وسلم فینبغی لمن ظلم نفسہ أن یزور قبره ویستغفر الله عنده فیستغفر له الرسول. (اعلاءالسنن ج10ص498)

5: مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع (م1396ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے دعا مغفرت کر دیں اس کی مغفر ت ضرور ہو جائے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیوی حیات کے زمانے میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم سے ہے ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین روز بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آکر گر گیا اور زار زار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار رسو ل اللہ کی خدمت میں حاضر ہو جائے او رر سول اس کےلئے دعاۓ مغفرت کردیں تو اس کی مغفرت ہو

جائے گی۔ اس لئے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں اس وقت جو لوگ حاضر تھے ان کا بیان ہے کہ اس کے جوان میں روضہ اقدس کے اندر سے یہ آواز آئی " قد غفرلک" یعنی مغفرت کردی گئی۔ (معارف القرآن: ج2 ص456-460)

فائدہ نمبر3:

آیت سے حیات پر استدلال کرنے والے چندحضرات:

1: حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (م 1297ھ) فرماتے ہیں:

سو ایک تو ان میں سے یہ آیت ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصرہوں یابعدکے امتی ہوں اورتخصیص ہوتوکیونکرہوآپ کاوجودتربیت تمام امت کے لئے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کاآپ کی خدمت میں آنااوراستغفارکرنااورکراناجب ہی متصورہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبرمیں زندہ ہوں ۔ (آب حیات ص52)

2: شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی (م 1394ھ) فرماتے ہیں:

احتج القائلون بانہا مندوبۃ بقولہ تعالیٰ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ ووجہ الاستدلال بہا انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث. (اعلاءالسنن ج10ص498)

3: شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی (م 1402ھ) فرماتے ہیں:

واستدلوا علیٰ انہا مندوبۃ بقولہ تعالیٰ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ والنبی حی فی قبرہ بعد موتہ... واذا ثبت انہ حی بعد وفاتہ فالمجئی الیہ بعد وفاتہ کالمجئی الیہ قبلہ.

(اوجزالمسالک ج2ص339،338)

آیت نمبر4:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ . (الانفال33)

اس آیت کی تفسیر میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع (م1396ھ)فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کادنیا میں ہونا قیامت تک باقی رہے گا کیونکہ آپ کی رسالت قیامت تک کے لیے ہے نیزآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی زندہ ہیں گواس زندگی کی صورت سابق زندگی سے مختلف ہے اور یہ بحث لغواور فضول ہے کہ ان دونوں زندگیوں میں فرق کیا ہے... خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کااپنے روضہ میں زندہ ہونااورآپ کی رسالت کا قیامت تک رہنا اس کی دلیل ہے کہ آپ قیامت تک دنیا میں ہیں اس لیے یہ امت قیامت تک عذاب سے مامون رہے گی۔ (معارف القرآن ج4ص225)

آیت نمبر5:

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللّٰهِ وَلاَ أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا. (سورۃ الاحزاب آیت 53)

تفسیر نمبر1:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م1225ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

وجاز ان يكون ذلك لاجل ان النبي صلى اللّه عليه وسلم حيّ فی قبره ولذلك لم يورث ولم يتئم أزواجه عن أبى هريرة قال قال رسول اللّه صلى اللّه عليه وسلم من صلى علىّ عند قبرى سمعته ومن صلّى علىّ نائيا أبلغته رواه البيهقي فی شعب الايمان.

(تفسیر مظہری ج7 ص373)

تفسیر نمبر2:

حکیم الامت حضرت تھانوی (م1362ھ)فرماتے ہیں:

(نبی علیہ السلام کی حیات)حیات نا سوتی کے قریب قریب ہے چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع بھی ہیں دیکھئے زندہ کی بیوی سے نکاح جائز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح جائز نہیں۔ (خطبات حکیم الاسلام: ج5 ص33)

آیت نمبر6:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ . (سورۃ الحجرات آیت 2)

اس آیت کی تفسیر میں مولانا محمد مالک کاندھلوی (م1409ھ) فرماتے ہیں:

احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد میں دو شخصوں کی آواز سنی تو ان کو تنبیہ فرمائی اور پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے ہو معلوم ہوا کہ یہ اہل طائف ہیں تو فرمایا اگر یہاں مدینے کے باشندے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا (افسوس کی بات ہے) تم اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس حدیث سے علماء امت نے یہ حکم اخذ فرمایا ہے کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام آپ کی حیات مبارکہ میں تھا اسی طرح کا احترام و توقیر اب بھی لازم ہے کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں حی (زندہ) ہیں۔

(معارف القرآن تکملہ ج:7 ص؛487)

عقیدہ حیاۃ الانبیاء علیہم السلام اور احادیث مبارکہ

حدیث نمبر1:

روی الامام الحافظ ابو یعلیٰ الموصلی حدثنا أبو الجهم الأزرق بن علي حدثنا يحيى بن أبي بكير حدثنا المستلم بن سعيد عن الحجاج عن ثابت البناني : عن أنس بن مالك : قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : (الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون)

(مسند ابی یعلیٰ ج:6 ص:147 ، رقم الحدیث 3425، تاریخ اصبہان ج:2ص:44، مجمع الزاوئد ج:8 ص:386، فیض القدیر ج:3ص:239، حاشیہ ابن حجر مکی ص:481حیاۃ الانبیاء بیہقی ص؛70-72-74 ، شفاء السقام ص:391)

مصححین ومستدلین:

1: امام ابو بکر البیہقی (م458ھ) نے یہ روایت کئی طرق سے سے نقل کر کے استدلال کیا ہے۔ (حیاۃ الانبیاء)

2: امام تقی الدین علی بن عبد الکافی بن علی السبکی الشافعی (م756ھ) نے مختلف اسانید وطرق کے ساتھ یہ روایت نقل کرکے اس سے عقیدہ حیات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر استدلال کیا اور آخر میں رواۃ کی توثیق بھی بیان کی ہے ۔ (شفاء السقام ص:392،391)

3: امام ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان المعروف نور الدین ہیثمی (م807ھ) فرماتے ہیں:

رواه أبو يعلى والبزار ورجال أبو يعلى ثقات. (مجمع الزوائد ج:8 ص:386)

4: امام احمد بن ابی بکر بن اسماعیل البوصیری (م840ھ) اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے باب باندھتے ہیں:

باب الأنبياء أحياء في قبورهم. (إتحاف الخيرة المهرة ج7ص145 كتاب علامات النبوة رقم الباب 68)

5: مشہور محدث وناقد امام ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی شافعی (م852ھ) فرماتے ہیں:

وقد جمع البيهقي كتابا لطيفا في حياة الأنبياء في قبورهم أورد فيه حديث أنس الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون أخرجه من طريق يحيى بن أبي كثير وهو من رجال الصحيح عن المستلم بن سعيد وقد وثقه أحمد وبن حبان عن الحجاج الأسود وهو بن أبي زياد البصري وقد وثقه أحمد وبن معين عن ثابت عنه وأخرجه أيضا أبو يعلى في مسنده من هذا الوجه.

(فتح الباری ج:6ص:594-595)

6: مدینہ منورہ کے مؤرخ ومفتی امام ابو الحسن علی بن عبد اللہ بن احمد الحسنی الشافعی المعروف امام سمہودی (م911ھ) فرماتے ہیں:

ولأبن عدي فی کامله وأبي بعلي برجال ثقات عن أنس رضي الله عنه مرفوعا الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون وصححه البيهقي. (خلاصۃ الوفاءج1ص43)

7: امام جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی (م911ھ)نے اس حدیث کو مختلف کتب سے نقل کرکے حضرات محدثین کی توثیق بیان کرکے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ (جامع الاحادیث ج11ص43رقم الحدیث 10213)

8: سلطان المحدثین ملا علی القاری الحنفی (م1014ھ) فرماتے ہیں:

وصح خبر الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون. (مرقات ج:3 ص:415)

9: علامہ محمد عبد الرؤوف المناوی (م1031ھ) فرماتے ہیں:
عن أنس بن مالك ،وهو حديث صحيح. (فيض القدير ج:3 ص:239)

10: علامہ علی بن احمد بن نور الدین عزیزی (م1070ھ) لکھتے ہیں:
وهوحديث صحيح. (السراج المنيرج2ص134بحوالہ تسکین الصدورص213)

11: امام محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی (م1122ھ) فرماتے ہیں:
وجمع البيهقي كتابا لطيفا في حياة الأنبياء وروى فيه بإسناد صحيح عن أنس مرفوعا الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون. (شرح زرقانی ج4ص357)

12: مشہور غیر مقلد عالم محمد بن علی المعروف قاضی شو کانی (م1250ھ) لکھتے ہیں:
وقد ثبت في الحديث : (أن الأنبياء أحياء في قبورهم) رواه المنذري وصححه البيهقي. (نيل الاوطار ج:3 ص:263)
وقال ایضاً: لأنه صلى الله عليه وسلم حي في قبره وروحه لا تفارقه لما صح أن الأنبياء أحياء في قبورهم.

(تحفۃ الذاکرین للشوکانی: ج1ص42)

13: خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری (م1352ھ) فرماتے ہیں:
وفی البیهقی عن انس وصححہ ووافقہ الحافظ فی المجلد السادس ان الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون.

(فیض الباری ج:2 ص:64)

اس کے بعد حضرت نے اس حدیث سے عقیدہ حیات پر استدلال کیا ہے

14: عظیم مفسر ومحدث علامہ شبیراحمدعثمانی (م1369ھ) فرماتے ہیں :
وقد جمع البيهقي كتابا لطيفا في حياة الأنبياء في قبورهم أورد فيه حديث أنس الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون أخرجه من طريق يحيى بن أبي كثير وهو من رجال الصحيح (الخ)

(فتح الملہم ج:2 ص:388 مکتبہ دارالعلوم کراچی ،ج1ص329مکتبہ رشیدیہ کراچی باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اس کے بعد حضرت نے تمام روات کی توثیق نقل کرکے اس سے عقیدہ حیات انبیاء علیہم السلام پر استدلال کیا ہے ۔

15: استاذالعلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری (م1390ھ)اور دیگر مفتیان خیر المدارس ملتان کے فتاویٰ پر مشتمل خیر الفتاویٰ کے نام سے کتاب شائع ہوئی اس میں دارالعلوم دیوبند کے حوالہ سے عقیدہ حیات انبیاء علیہم السلام پر تفصیلی فتویٰ موجود ہے جس میں دیگر دلائل کے ساتھ ساتھ اس حدیث مبارک سے بھی اس عقیدہ پر استدلال کیا گیا ہے اور مختلف اہل علم سے اس حدیث کی صحت نقل کرکے آخر میں لکھا کہ:امام ابو یعلیٰ کے طریق سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جمہور محدثین کرام اس کی تصحیح کرتے ہیں کسی حدیث کے صحیح ہو نے کے لئے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ ہوں اور جمہور محدثین اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔ (خیرالفتاوی ج1ص98)

16: حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے حکم سے لکھی جانے والی کتاب اعلاء السنن میں علامہ ظفر احمد عثمانی (م1394ھ) اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: رواہ ابویعلیٰ برجال ثقات . (اعلاء السنن ج10ص505)

17: شیخ الحدیث مولانا زکریاکاندھلوی (م1402ھ) فرماتے ہیں:
اور یہ حدیث کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں ، نمازیں پڑھتے ہیں صحیح ہے ۔ (فضائل درود شریف 67)

18: امام اہل سنت شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمدسرفرازخان صفدر (م 1430ھ) نے مختلف اہل علم سے اس حدیث کی صحت نقل کرکے استدلال کیا ہے ۔ (تسکین الصدورص212)

19: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدیر جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کی زیر نگرانی شائع ہونے والے فتاویٰ حقانیہ میں اس حدیث سے عقیدہ حیات پر استدلال کیا گیا ہے۔ (فتاویٰ حقانیہ ج1ص158)

20: ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے بھی اس کو ”صحیح“ کہا ہے ۔ (حاشیہ مسند ابی یعلیٰ ج:3 ص:379)

اعتراض نمبر1:

حجاج بن الأسود عن ثابت البناني نكرة ما روى عنه فيما أعلم سوى مستلم بن سعيد فأتى بخبر منكر عنه عن أنس في أن الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون رواه البيهقي. (ميزان الاعتدال ج2ص200،199)

اس اعتراض کی تین شقیں ہیں:

1:حجاج مجہول ہے - 2:مستلم بن سعید کے علاوہ کسی اور نے روایت بیان نہیں کی۔ 3:ان دونوں کا نتیجہ کہ روایت منکر ہے -

جواب:

نمبر1: حافظ ابن حجر عسقلانی (م852ھ) نے علامہ شمس الدین ذہبی (م748ھ) کی اس جرح کا جواب دیا ہے کہ حجاج کی توثیق ائمہ سے منقول ہے اور ان کے شاگرد بھی کئی ہیں فرماتے ہیں:

روى عن ثابت وجابر بن زيد وأبي نضرة وجماعة وعنه جرير بن حازم وحماد بن سلمة وروح بن عبادة وآخرون

قال أحمد ثقة ورجل صالح وقال بن معين ثقة وقال أبو حاتم صالح الحديث وذكره بن حبان في الثقات فقال حجاج بن أبي زياد الأسود من أهل البصرة كان ينزل القسامل روى عن أبي نضرة وجابر بن زيد روى عنه عيسى بن يونس وجرير بن حازم.

(لسان المیزان ج2ص175)

جب توثیق اور شاگرد مل گئے تو تیسری شق روایت منکر ہے والی خود بخو د ختم ہوگئی۔

نمبر2: نیز امام ذہبی سے بھی حجاج کی توثیق منقول ہے : قال الذهبی حجاج ثقة. (تلخیص علی المستدرك ج4ص472)

نمبر3: امام ذہبی کاعقیدہ حیات الابنیاء علیہم السلام کے بارے میں کیا ہے؟ ملاحظہ کیجیے۔ آپ رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں:

والنبي صلى الله عليه وسلم فمفارق لسائر أمته في ذلك، فلا يبلى، ولا تأكل الارض جسده، ولا يتغير ريحه، بل هو الآن، وما زال أطيب ريحا من المسك، وهو حي في لحده حياة مثله في البرزخ، التي هي أكمل من حياة سائر النبيين، وحياتهم بلا ريب أتم وأشرف من حياة الشهداء الذين هم بنص الكتاب (أحياء عند ربهم يرزقون) [آل عمران: 169]

(سیر اعلام النبلاء: تحت ترجمۃ الامام وکیع بن الجراح)

اعتراض نمبر2:

الأزرق بن علي الحنفي أبو الجهم صدوق يغرب. (تقريب التهذيب: رقم الترجمہ301)

جواب:

ان الغرابۃلا تنافی الصحۃ ویجوز ان یکون الحدیث صحیحا غریبا. (مقدمۃ المشکوٰۃ للشیخ عبد الحق: ص6)

نیز ابوالجہم کامتابع عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن ابی بکیر موجود ہے۔ (تاریخ اصبہان ج2ص44)

اعتراض نمبر3:

یہ حدیث قرآن کی آیت ”واعبد ربک حتیٰ یاتیک الیقین“ کے خلاف ہے، لہٰذا حجت نہیں۔

جواب:

عبادت کی دو قسمیں ہیں:

1:عبادت تکلیفی جو دنیامیں ہوتی ہے

2:عبادت تلذذی جو صرف دنیاتک محدود نہیں بلکہ یہ قبر اورآخرت میں بھی ہوگی

قرآن میں تکلیفی کا حکم ہے اور حدیث میں تلذذی کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ علامہ بدر الدین عینی حنفی (م855ھ) فرماتے ہیں:

فإن قلت ما الداعي إلى عبادتهم بعد الموت وموضع العبادة دار الدنيا، قلت حببت إليهم العبادة فهم متعبدون بما يجدونه من دواعى أنفسهم لا بما يلزمون به.

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: باب التلبیۃ اذا انحدر فی الوادي)

اعتراض نمبر4:

مسند ابی یعلی طبقہ ثالثہ کی کتاب ہے جس کے بارے میں مولانا سرفراز خان صفدر کافیصلہ ہے کہ اس طبقہ کی کتب کی احادیث عقیدہ اور عمل میں حجت نہیں۔

جواب:

امام اہل السنت رحمہ اللہ کی مکمل عبارت کو اگر دیکھا جائے تو یہ اشکال جڑ سے ہی ختم ہوجاتا ہے حضرت کی تصریحا ت ملاحظہ فرمائیں۔

1: ایک جگہ اہل بدعت کی تردید میں فرماتے ہیں: یہ روایتیں کتب حدیث کے اس طبقہ کی ہیں جن میں بجز باسند اور صحیح احادیث کے جن پر امت کا تعامل ہے اکثر احادیث کو محدثین ہرگز قبول نہیں کرتے نہ عقیدہ میں اور نہ عمل میں۔ (راہ سنت ص173)

2: دوسری جگہ اس طبقہ کی کتب کی تردید کر کے فرماتے ہیں "ہاں اگر اصول حدیث کے رو سے اس طبقہ کی کوئی حدیث سندا صحیح ثابت ہو تو اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ (گلدستہ توحید ص144)

3: تیسری جگہ بھی تردید کر کے فرماتے ہیں: ”نوٹ: اگر ان مذکورہ کتب میں کوئی ایسی روایت ہو جو سندا صحیح ہو اور قران کریم اور صحیح احادیث سے متعارض نہ ہو اور علی الخصوص جب کہ اکثر امت اور جمہور اہل اسلام کااس پر تعامل بھی ہو تو اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے اور نہ یہ بات محل نزاع ہے اس لیے خلط مبحث کا شکار نہ ہوں اور نہ جاہل متعصب معترضین کی طرف توجہ کریں۔ (دل کا سرور ص175)

حدیث نمبر2:

حدثنا هداب بن خالد وشيبان بن فروخ قالا حدثنا حماد بن سلمة عن ثابت البناني وسليمان التيمي عن أنس بن مالك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أتيت وفي رواية هداب مررت على موسى ليلة أسري بي عند الكثيب الأحمر وهو قائم يصلي في قبره. (صحیح مسلم ج:2 ص:268، باب من فضائل موسیٰ)

حدیث نمبر3:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَوْفٍ حَدَّثَنَا الْمُقْرِئُ حَدَّثَنَا حَيْوَةُ عَنْ أَبِى صَخْرٍ حُمَيْدِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُسَيْطٍ عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَىَّ إِلاَّ رَدَّ اللَّهُ عَلَىَّ رُوحِى حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلاَمَ .

(سنن ابی داؤد ج:1 ص: 286 ،السنن الکبری باب زِيَارَةِ قَبْرِ النَّبِىِّ صلى الله عليه وسلم،مسند احمدرقم 10815،مسنداسحاق بن راہویہ رقم 526،

مصححین ومستدلین:

1: امام نووی (م676ھ) فرماتے ہیں:

وروينا فيه أيضا بإسناد صحيح عن أبي هريرة أيضا ، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " ما من أحد يسلم علي إلا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام. (کتاب الاذکار ص:152)

2: حافظ ابن تیمیہ (م728ھ) نے مختلف مقامات پر اس حدیث کو نقل کرکے اس کی صحت بیان کی اور بعض مقامات پر استدلال بھی کیا ہے مثلاً:

والأحاديث عنه بأن صلاتنا وسلامنا تعرض عليه كثيرة مثل ما روى أبو داود في سننه من حديث أبي صخر حميد بن زياد عن يزيد بن عبد الله بن قسيط عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال ما من أحد يسلم علي إلا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام صلى الله عليه و سلم وهذا الحديث على شرط مسلم .

(اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم: ص324)

ایک جگہ یہی حدیث نقل کرکے فرماتے ہیں: وَهُوَ حَدِيثٌ جَيِّدٌ. (الفتاوی الکبری ج2ص427)

وَقَدْ احْتَجَّ أَحْمَدُ وَغَيْرُهُ بِالْحَدِيثِ الَّذِي رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُد بِإِسْنَادِ جَيِّدٍ مِنْ حَدِيثِ حيوة بْنِ شريح الْمِصْرِيِّ حَدَّثَنَا أَبُو صَخْرٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ قسيط عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ : (مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إلاَّ رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلاَمَ. (مجموع الفتاوی ج1ص233)

3: تقی الدین علی بن عبد الکافی ابن علی السبکی (م756ھ) . (شفاء السقام ص:161)

4: امام ابن کثیر (م774ھ): وصححه النووي في الأذكار. (تفسیرابن کثیرتحت الآیہ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ الآیۃ)

5: حافظ ابن حجر عسقلانی (م852ھ) فرماتے ہیں:
ما من أحد يسلم علي إلا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام ورواته ثقات. (فتح البارى ج:6 ص:596)
6: علامہ محمد بن عبد الرحمٰن سخاوی رحمہ اللہ (م902ھ). (القو ل البدیع ص:161)
7: امام علی بن احمد السمہودی (م911ھ): ولأبي داود بسند صحيح عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعا ما من أحد يسلم عليّ إلا ردّ الله عليّ روحي حتى أرد عليه السلام. (خلاصۃ الوفاء:ج1ص42)
8: علامہ علی بن احمد بن نور عزیزی (م1070ھ) : اسناده حسن. (السراج المنیر ج3ص297بحوالہ تسکین الصدورص295)
9: علامہ عبد الرؤف مناوی (م1031ھ): (ما من أحد يسلم علي إلا رد الله علي) ----(روحي) يعني رد علي نطقي لأنه حي على الدوام وروحه لا تفارقه أبدا لما صح أن الأنبياء أحياء في قبورهم (حتى أرد) غاية لرد في معنى التعليل أي من أجل أن أرد (عليه السلام) هذا ظاهر في استمرار حياته لاستحالة أن يخلو الوجود كله من أحد يسلم عليه عادة. (فیض القدیر ج5ص596)
وقال ایضاً: واسناده صحيح. (التیسیر بشرح الجامع الصغیر ج2ص690)
10: علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی (م1122ھ): ما من أحد يسلم علي إلا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام أخرجه أبو داود ورجاله ثقات. (شرح زرقانی ج4ص357)
11: شمس الحق عظیم آبادی(م1329ھ): ما من أحد يسلم علي إلا أرد عليه السلام لأني حي أقدر على رد السلام.
(عون المعبود: ج6ص19)
12: ناصر الدین البانی صاحب غیر مقلد(م1420ھ) : حسن. (سنن ابی داؤد: باب زِيَارَةِ الْقُبُورِ)

ردروح کا مطلب:

1: قال الامام البیہقی (م458ھ): قَالَ: " مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلاَّ رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلاَمَ "، ومَعْنَاهُ وَاللهُ أَعْلَمُ، " إِلاَّ وَقَدْ رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوحِي فَأَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلاَمَ . (شعب الایمان رقم 4161)
2: قال الحافظ ابن حجر عسقلانی (م748ھ): ووجه الإشكال فيه أن ظاهره أن عود الروح إلى الجسد يقتضي انفصالها عنه وهو الموت وقد أجاب العلماء عن ذلك بأجوبة...الرابع المراد بالروح النطق فتجوز فيه من جهة خطابنا بما نفهمه الخامس أنه يستغرق في أمور الملأ الأعلى فإذا سلم عليه رجع إليه فهمه ليجيب من سلم عليه. (فتح الباری ج6ص488)
3: قال الامام زين الدين عبد الرؤوف المناوي(م1031ھ): ما من أحد يسلم علي الا رد الله علي روحي) أي رد علي نطقي لانه حي دائما وروحه لا تفارقه لان الانبياء أحياء في قبورهم (حتى أرد) غاية لرد في معنى التعليل أي من أجل أن أرد (عليه السلام) ومن خص الرد بوقت الزيارة فعليه البيان.
(التیسیر بشرح الجامع الصغیر ج2ص690)
4: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (م1362ھ) فرماتے ہیں:
اس حیات میں شبہ نہ کیاجاوے کیونکہ مراد یہ ہے کہ میری روح جو ملکوت وجبروت میں مستغرق تھی جس طرح کہ دنیا میں نزول وحی کے وقت کیفیت ہوتی تھی اس سے افاقہ ہوکر سلام کی طرف متوجہ ہوجاتا ہوں اس کو رد روح سے تعبیر فرمادیا۔ (نشرالطیب: ص200)
اور ان مشاغل کے ایک وقت میں اجتماع سے تزاحم کا وسوسہ نہ کیاجاوے کیونکہ برزخ میں روح کو پھر خصوصاً روح مبارک بہت وسعت ہوتی ہے۔ (نشر الطیب: ص200)
5: شیخ العرب والعجم حضرت مولاناحسین احمد مدنی (م1377ھ) فرماتے ہیں:
(الف): ابوداؤدکی روایت میں ”رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوحِیْ“ فرمایاگیاہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ” مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلاَّ رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اُسَلِّمَ عَلَیْہِ اوکما قال“ اگرلفظ ”اِلَیَّ رُوْحِیْ“ فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہو سکتا تھا، ”اِلٰی“ اور ” عَلٰی“ کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا، ” عَلٰی“ استعلاء کے لئے ہے اور ”اِلٰی“ نہایتِ طرف کے لئے ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتاہے کہ صلوٰۃ وسلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا، نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہوگئی تھی اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹا گیا ہے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدارج قرب ومعرفت میں ہر وقت ترقی پزیر ہیں اس لئے توجہ الی اللہ کا انہماک اور استغراق دوسری جانب کی توجہ کو کمزور کر دیتا ہے، چونکہ اہل استغراق کی حالتیں روزانہ مشاہدہ ہوتی ہیں مگر جب رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو رحمۃللعلمین بنایا گیا ہے اس لئے بارگاہِ الوہیت سے درود بھیجنے والے پر رحمتیں نازل فرمانے کے لئے متعدد مزایا میں ایک مزیت یہ بھی عطاء فرمائی گئی ہے کہ خود سرور کائنات علیہ السلام کو اس استغراق سے منقطع کرکے درود بھیجنے والے کی طرف متوجہ کردیا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے متوجہ ہو کر دعا فرماتے ہیں۔

(ب): اگر بالفرض وہی معنی لیے جائیں جو آپ سمجھے ہیں اور " عَلٰی" اور "اِلٰی" میں کوئی فرق نہ کیا جائے تب بھی یہ روایت دوامِ حیات پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اندورون نماز اور بیرونِ نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو، اس لئے دوامِ حیات لازم آئے گا۔

(مکتوباب شیخ الاسلام حصہ اول ص248تا252)

حدیث نمبر4:

أخبرنا عبد الوهاب بن عبد الحكم الوراق قال حدثنا معاذ بن معاذ عن سفيان بن سعيد ح وأخبرنا محمود بن غيلان قال حدثنا وكيع وعبد الرزاق عن سفيان عن عبد الله بن السائب عن زاذان عن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : إن لله ملائكة سياحين في الأرض يبلغوني من أمتي السلام .

(سنن نسائی باب السلام على النبي صلى الله عليه و سلم، صحيح ابن حبان رقم 914 ذكر البيان بأن سلام المسلم على المصطفى صلى الله عليه و سلم يبلغ إياه ذلك في قبره،مسنداحمدرقم 10529،سنن دارمی 2774 باب في فضل الصلاة على النبي صلى الله عليه و سلم،مسند ابی یعلی رقم 5213،)

مصححین:

1:امام ابو عبد اللہ الحاکم (م405ھ) (المستدرک ج:3 ص:197)
2: علامہ محمد بن احمد بن عبد الہادی الحنبلی (م 744ھ) (الصارم المنکی ص:192)
3: امام شمس الدین الذہبی (م748ھ) (تلخیص علی المستدرک ج:3 ص:197)
4: امام نور الدین الہیثمی (م 807ھ). (مجمع الزوائد ج:8 ص:595)
5: امام محمد بن عبد الرحمن سخاوی شافعی (م902ھ). (القول البدیع ص: 159)
6: امام علی بن احمد السمہودی (م911ھ): وللبزاز برجال الصحيح عن ابن مسعود رضي الله عنه مرفوعا أن لله تعالى ملائكة سياحين يبلغوني عن أمتي. (خلاصۃ الوفاءج1ص43)
7: ناصر الدین الالبانی (م1420ھ): صحیح. (سنن النسائی: باب السلام علی النبی صلی اللہ علیہ و سلم)
8:قال شعيب الأرنؤوط : إسناده صحيح على شرط مسلم. (صحيح ابن حبان رقم 914 ذكر البيان بأن سلام المسلم على المصطفى صلى الله عليه و سلم يبلغ الخ)
9:قال حسين سليم أسد : إسناده صحيح. (سنن دارمی 2774 باب فی فضل الصلاة علی النبی صلی اللہ علیہ و سلم)

حدیث نمبر5:

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَزِيدَ بْنِ جَابِرٍ عَنْ أَبِى الأَشْعَثِ الصَّنْعَانِيِّ عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- « إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ قُبِضَ وَفِيهِ النَّفْخَةُ وَفِيهِ الصَّعْقَةُ فَأَكْثِرُوا عَلَىَّ مِنَ الصَّلاَةِ فِيهِ فَإِنَّ صَلاَتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَىَّ ». قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلاَتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ يَقُولُونَ بَلِيتَ. فَقَالَ « إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الأَرْضِ أَجْسَادَ الأَنْبِيَاءِ ».

(سنن ابی داؤد ج:1 ص:157،باب تَفْرِيعُ أَبْوَابِ الْجُمُعَةِ)

مصححین ومستدلین:

1: امام ابو عبد اللہ الحاکم (م405ھ). (المستدرک ج:1 ص:569 ،رقم الحدیث 1068)
2: حافظ ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن عربی (543): حدیث حسن . (التذکرۃ:ج1ص204)
3: حافظ عبد الغنی بن عبد الواحد المقدسی (م600ھ) (القول البدیع ص:167)
4: حافظ ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی منذری (م656ھ) (القول البدیع ص:163)
5:امام نووی (م676ھ). (کتا ب الاذکار ص:150 ،رقم الحدیث 345)
6: امام شمس الدین الذہبی (م748ھ) (تلخیص علی المستدرک ج:1 ص:568)
7:حافظ ابن ا لقیم (م751ھ): ومن تأمل هذا الإسناد لم يشك في صحته لثقة رواته وشهرتهم وقبول الأئمة

أحاديثهم.

(جلاء الافہام ج1ص80)

8: حافظ ابن کثیر دمشقی (م774ھ): وقد صحح هذا الحديث ابن خزيمة وابن حبان والدارقطني، والنووي في الأذكار.

(تفسیرابن کثیرتحت الآیہ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ الخ)

9:حافظ ابن حجر عسقلانی (م852ھ): و صححہ ابن خزیمہ وغیرہ. (فتح الباری ج:6 ص؛595)

8: علامہ بدر الدین العینی (م855ھ): ا لموت ليس بعدم إنما هو انتقال من دار إلى دار فإذا كان هذا للشهداء كان الأنبياء بذلك أحق وأولى مع أنه صح عنه أن الأرض لا تأكل أجساد الأنبياء عليهم الصلاة والسلام.

(عمدۃ القاری :باب ما یذکر فی الاشخاص والخصومۃ بین المسلم والیہودي)

10: ملا علی القاری (م1014ھ): فالأنبياء في قبورهم أحياء. (مرقات ج5ص32)

حدیث نمبر6:

حدثنا عمرو بن سواد المصري حدثنا عبد الله بن وهب عن عمرو بن الحارث عن سعيد بن أبي هلال عن زيد بن أيمن عن عبادة بن نسي عن أبي الدرداء قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم أكثروا الصلاة علي يوم الجمعة . فإنه مشهود تشهده الملائكة . وإن أحدا لن يصلي علي إلا عرضت علي صلاته حتى يفرغ منها قال قلت وبعد الموت ؟ قال: وبعد الموت . إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء . فنبي الله حي يرزق. (سنن ابن ماجہ ص:118 باب ذکر وفاتہ صلی اللہ علیہ و سلم،تحریرات حدیث ص331)

مصححین:

1:قال الحافظ عبد العظیم المنذری(م656ھ): اسناده جيد. (ترجمان السنۃ: ج3 ص297)

2:قال ابو البقاء محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ الدمیری (م808ھ): رجالہ ثقات . (فیض القدیر: ج2 ص111)

3:حافظ ابن حجر عسقلانی (م852ھ): رجاله ثقات. (تہذیب التہذیب ج:2 ص:537، تحت الترجمہ زید بن ایمن)

4: امام علی بن احمد السمہودی (م911ھ): ولابن ماجة بإسناد جيد عن أبي الدرداء رضي الله عنه مرفوعا أكثروا الصلاة عليّ يوم الجمعة. (خلاصۃ الوفاءج1ص43)

5:ملا علی قاری (م1014ھ). (مرقاۃ ج:3 ص: 415)

6:قاضی محمد بن علی شو کانی (م1250ھ): وقد أخرج ابن ماجه بإسناد جيد. (نیل الاوطار ج:3 ص:263)

7: شمس الحق عظیم آبادی غیر مقلد(م1329ھ): وقد أخرج ابن ماجه بإسناد جيد أنه صلى الله عليه و سلم قال لأبي الدرداء إن الله عز و جل حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء. (عون المعبودج3ص261)

حدیث نمبر7:

وقال أبو الشيخ في كتاب الصلاة على النبي حدثنا عبد الرحمن بن أحمد الأعرج حدثنا الحسن بن الصباح حدثنا أبو معاوية حدثنا الأعمش عن أبي صالح عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي من بعيد أعلمته.

(جلاءالافہام ص54 مشکوۃ باب الصلاۃ علی النبي صلی اللہ علیہ وسلم وفضلها، تحریرات حدیث ص330)

مصححین ومستدلین :

1: قال الحافظ ابن حجر عسقلانی (م852ھ): وأخرجه أبو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد بلفظ من صلى على عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيا بلغته. (فتح الباری ج6ص488)

2: قال الامام محمد بن عبد الرحمن السخاوی (م902ھ): قال ابن القيم انه غريب قلت وسنده جيد.

(القول البدیع ص160)

3: قال الامام ابوالحسن علی بن محمد العراقی (م963ھ): وسنده جيد كما نقله السخاوی عن شيخه الحافظ ابن حجر.

(تنزیہ الشریعۃ: ج1ص381)

4:قال الملاعلی القاری (م1014ھ): ورواہ أبو الشیخ وابن حبان في کتاب ثواب الأعمال بسند جید.
(مرقاۃ شرح مشکوۃ ج4ص21)

وعن أبي هريرة قال قال رسول الله من صلى علي عند قبري سمعته أي سمعا حقيقيا بلا واسطة.
(المرقاۃ: ج4ص21)

5: قال الامام عبد الرؤف المناوی (م1031ھ) : من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى علي نائيا) أي بعيدا عني (أبلغته) أي أخبرت به من أحد من الملائكة وذلك لأن روحه تعلقا بمقر بدنه الشريف وحرام على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء.
(فیض القدیر ج6ص220)

6:قال القاضی ثناء الله(م1225ھ): قلت وجاز ان یکون ذلك لاجل ان النبي صلى اللّٰه علیه وسلم حیّ فی قبره ولذلك لم یورث ولم یتئم أزواجه عن أبی هریرة قال قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه علیه وسلم من صلى علیّ عند قبری سمعته ومن صلّی علیّ نائیا أبلغته رواه البیهقي فی شعب الایمان. (التفسیر المظہری: ج7ص373)

7:قال العلامہ شبیر احمد العثمانی(م1369ھ): واخرجہ ابوالشیخ فی کتاب الثواب بسندجید. (فتح الملہم ج1ص330)

حدیث نمبر8:

حدثنا أحمد بن عيسى حدثنا ابن وهب عن أبي صخر أن سعيدا المقبري أخبره أنه سمع أبا ه ريرة يقول : سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول : والذي نفس أبي القاسم بيده لينزلن عيسى بن مريم إماما مقسطا وحكما عدلا فليكسرن الصليب وليقتلن الخنزير وليصلحن ذات البين وليذهبن الشحناء وليعرضن عليه المال فلا يقبله ثم لئن قام على قبري فقال: يا محمد لأجيبنه.
(مسند ابی یعلیٰ ص:1149 رقم الحدیث 6577 ،المطالب العالیہ باب علامات الساعۃ)

وليأتين قبري حتى يسلم علي ولأردن عليه.
(المستدرک ج3ص490 رقم 4218)

مصححین:

1: امام ابو عبد اللہ الحاکم (م405ھ): ھذا حدیث صحیح الإسناد ولم یخرجاہ. (المستدرک رقم 4218)
2: علامہ نور الدین ہیثمی(م 807ھ): رواہ أبو یعلی ورجالہ رجال الصحیح. (مجمع الزوائد: ج8 ص387 رقم الحدیث 13813)
3: حسین سلیم اسد : إسنادہ صحیح. (مسند ابی یعلیٰ: ص1149 رقم الحدیث 6577)

احادیث حیاۃ الانبیاء متوا تر ہیں:

1: امام سیوطی فرماتے ہیں:

فاقول حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عند نا علماً قطعیاً لما قا م عند نا من الادلۃ فی ذلک و تو اترت بہ الاخبار . ((الحاوی للفتاویٰ ص:554))

2 : وَسُئِلَ رضي اللَّهُ عنه عن حديث أَحْمَدَ وَأَبِي دَاوُد وَالْبَيْهَقِيِّ ما من أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إلاَّ رَدَّ اللَّهُ إلَيَّ وفي رِوَايَةٍ عَلَيَّ رُوحِي حتى أَرُدَّ عليه السَّلاَمَ ما الْجَوَابُ عنه مع الْإِجْمَاعِ على حَيَاةِ الْأَنْبِيَاءِ كما تَوَاتَرَتْ بِهِ الْأَخْبَارُ. (الفتاوی الکبریٰ: ج2ص135)

3: ”نظم المتناثر فی الحدیث المتواتر“ میں بھی حیاۃ الانبیاء علیہم السلام کی احادیث کو متواتر کہا گیا ہے۔

اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جب کسی مسئلے کی احادیث کو تواتر کا درجہ حاصل ہو جائے تو اس کی سند پر بحث کر نا جائز نہیں۔

- ♣ والمتواتر لا يُبْحثُ عن رجاله أي عن صفاتهم بل يجب العمل به من غير بحث . (شرح نخبۃ الفکرلعلی القاری ج1ص186)
- ♣ ولذلك يجب العمل به من غير بحث عن رجاله. (تدریب الراوی ج2ص176)
- ♣ المتواتر فإنه صحيح قطعا ولا يشترط فيه مجموع هذه الشروط(تدریب الراوی ج1ص68)
- ♣ ومن شأنه أن لا يشترط عدالة رجاله بخلاف غيره . (قفوالاثرلابن الحنبلی ج1ص46)
- ♣ لأن المتواتر لا يُسأل عن أحوال رجاله. (شرح نخبة الفکرلعلی القاری ج1ص161)
- ♣ و من شانہ ان لا یشترط عدالۃ رجالہ بخلاف غیرہ. (قواعد فی علوم الحدیث ص:32)

آثارصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

اثر نمبر1: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لاَ يُذِيقُكَ اللَّهُ الْمَوْتَتَيْنِ أَبَدًا. (صحیح بخاری ج1ص517)

مستدلین :

♣ قوله لا يذيقك الله الموتتين بضم الياء من الإذاقة وأراد بالموتتين الموت في الدنيا والموت في القبر وهما الموتتان المعروفتان المشهورتان فلذلك ذكرهما بالتعريف وهما الموتتان الواقعتان لكل أحد غير الأنبياء عليهم الصلاة والسلام فإنهم لا يموتون في قبورهم بل هم أحياء وأما سائر الخلق فإنهم يموتون في القبور ثم يحيون يوم القيامة ومذهب أهل السنة والجماعة أن في القبر حياة وموتا فلا بد من ذوق الموتتين لكل أحد غير الأنبياء وقد تمسك بقوله لا يذيقك الله الموتتين من أنكر الحياة في القبر وهم المعتزلة ومن نحا نحوهم.

(عمدۃ القاری ج:11 ص:403 کتاب فضائل الصحابہ)

♣ واحسن من هذا الجواب ان يقال ان حياته صلى الله عليه و سلم في القبر لايعقبها موت بل يستمر حيا والأنبياء احياء في قبورهم ولعل هذا هو الحكمة في تعريف الموتتين حيث قال لايذيقك الله الموتتين المعروفتين المشهورتين الواقعتين لكل أحد غير الأنبياء. (فتح الباری ج7ص29)

♣ والا حسن ان يقال ان حياتہ صلى اللہ عليہ وسلم لا يتعقبہا موت بل يستمر حياً والانبياء احياء فی قبورهم.

(حاشیہ بخاری ج:1 ص:517)

♣ قال الكرمانی : ويحتمل ان يراد ان حياتک فی القبر لايعقبها موت فلاتذوق مشقة الموت مرتين بخلاف سائر الضلق فانهم يموتون فی القبر ثم يحيون يوم القيامة .

٠الکنز المتواری ج14ص162)

اثر نمبر2: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

عَنْ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهَذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا قَالَ مَنْ أَنْتُمَا أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا قَالاَ مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لأَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(صحیح بخاری ج1ص67 بَاب رَفْعِ الصَّوْتِ فِي الْمَسَاجِدِ)

♣ أنه عليه السلام في قبره حي وقال تعالى لا ترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي الحجرات

(مرقاة المفاتيح باب المساجد ومواضع الصلاة)

اثر نمبر3، 4: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتِي الَّذِي دُفِنَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي فَأَضَعُ ثَوْبِي فَأَقُولُ إِنَّمَا هُوَ زَوْجِي وَأَبِي فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَاللَّهِ مَا دَخَلْتُ إِلاَّ وَأَنَا مَشْدُودَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِي حَيَاءً مِنْ عُمَرَ. (مسنداحمد رقم 25660)

وقد كانت عائشة رضي الله عنه تسمع الوتد أو المسمار يضرب في بعض الدور المطيفة بالمسجد فترسل إليهم لا تؤذوا رسول الله صلى الله عليه وسلم. (خلاصۃ الوفاء: ج1ص166)

اثر نمبر5: حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ

عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ مَالِكِ الدَّارِ , قَالَ : وَكَانَ خَازِنَ عُمَرَ عَلَى الطَّعَامِ , قَالَ : أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ , فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم , فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللهِ , اسْتَسْقِ لأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا , فَأَتِيَ الرَّجُلُ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ لَهُ : ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلاَمَ , وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مستسقون قُلْ لَهُ : عَلَيْك الْكَيْسُ , عَلَيْك الْكَيْسُ , فَأَتَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ , ثُمَّ قَالَ : يَا رَبِّ لاَ آلُو إلاَّ مَا عَجَزْت عَنْهُ. (مصنف ابن ابی شیبۃ: باب ما ذكر في فضل عمر بن الخطاب رضي الله عنہ)

اجماع امت اور عقیدہ حیات انبیاءعلیہم السلام

1 : قال أبو بكر محمد بن الحسين بن عبد الله الآجُرّيُّ البغدادي (م360ھ):

وقد روي عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه أنه لما حضرته الوفاة ، قال لهم : إذا مت وفرغتم من جهازي فاحملوني حتى تقفوا بباب البيت الذي فيه قبر النبي صلى الله عليه وسلم ، فقفوا بالباب وقولوا : السلام عليك يا رسول الله ، هذا أبو بكر يستأذن فإن أذن لكم وفتح الباب ، وكان الباب مغلقا ، فأدخلوني

فادفنوني ، وإن لم يؤذن لكم فأخرجوني إلى البقيع وادفنوني . ففعلوا فلما وقفوا بالباب وقالوا هذا : سقط القفل وانفتح الباب ، وسمع هاتف من داخل البيت : أدخلوا الحبيب إلى الحبيب فإن الحبيب إلى الحبيب مشتاق. (الشریعہ للآجری ج5ص70، تفسیر کبیر ج:21 ص:87 ، سورۃ کہف آیت : أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ،تفسیرالسراج المنیرج2ص288،تفسیرنیسابوری ج5ص167،غرائب القرآن ج4ص416،سیرت حلبیہ ج3ص393)

2 : امام محمد بن عبد الرحمن سخاوی (م902 ھ) فرماتے ہیں:

و نحن نؤمن و نصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حیی یرزق فی قبرہ... والاجماع علی ھذا. (القول البدیع ص:172)

3 : محمد بن علان الصدیق الشافعی (1057ھ) فرماتے ہیں:

والاجماع علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم حیی فی قبرہ علی الدوام. (دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین ج:7 ص:195-196)

4: شیخ داؤد سلیمان البغدادی (م1299 ھ) فرماتے ہیں:

وروی البیھقی وغیرہ باسانید صحیحۃ عند صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون وورد ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء وقد اطبق العلماء علی ذالك. (المنحۃ الوھبیۃ فی رد الوھابیۃ ص:6)

5: شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی (م1052ھ) فرماتے ہیں:

بباید حیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس رادروئے خلاف نیست حیات جسمانی دنیاوی حقیقی نہ حیات معنوی روحانی. (اشعۃ اللمعات ج:1 ص:574)

9: قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (م 1322ھ) فرماتے ہیں:

انبیاء کو اسی وجہ سے مستثنی کیا گیا ہے کہ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں - (فتاویٰ رشیدیہ ص:173)

10 : حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (م1362ھ)فرماتے ہیں:

بہر حال یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں - (اشرف الجواب ص:321 وفی نسخہ ص:225)

11 : مولانا محمد ادریس کاندھلوی (م 1394ھ) فرماتے ہیں:

تمام اھل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں -

(سیرت المصطفیٰ ج:3 ص:249)

12 : مولاناخیرمحمد جالندھری فرماتے ہیں:

عالم برزخ میں جملہ انبیاء علیہم السلام کی حیات حقیقیہ دنیویہ بجسدھم العنصری کا مسئلہ اہل سنت والجماعت میں متفق علیہ مسئلہ ہے -

(القول النقی فی حیات النبی ص30)

13: مفکراسلام مفتی محمود (م1400 ھ)فرماتے ہیں:

یہ امر بھی علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسلم اورمجمع علیہ ہے کہ بحالت موجود یعنی عالم برزخ میں آپ جسمانی حیات سے زندہ ہیں۔ (القول النقی فی حیات النبی 32)

<u>فائدہ :</u> اگر کسی عقیدہ یا مسئلہ پر اجماع ہو جائے تو اجماع کا درجہ سند سے بھی زیادہ قوی ہوتا ہے یعنی اس مسئلہ کی احادیث پر سندی بحث کی ضرورت ہی نہیں رہتی -

♣ قال الامام ابن عبد البر المالکی (م463ھ):

وقد روي عن جابر بن عبد الله بإسناد لا يصح أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "الدينار أربعة وعشرون قيراطا" وهذا الحديث وإن لم يصح إسناده ففي قول جماعة العلماء به وإجماع الناس على معناه ما يغني عن الإسناد فيه .

(التمہید لابن عبد البر ج20 ص145)

♣ سلطان المحدثین ملا علی القاری (م1014ھ) فرماتے ہیں:

وقد قال عطاء الإجماع أقوى من الإسناد . (المرقاۃ شرح المشکاۃ لملا علی القاري ج1 ص 117)

♣ غیر مقلدین کے پیشوا علامہ محمد بن علی شوکانی (م1250ھ) لکھتے ہیں:

وقد اتفق أهل الحديث على ضعف هذه الزيادة لكنه قد وقع الإجماع على مضمونها.

(الدراری المضیۃ شرح الدرر البہیۃ للشوکانی: ج1 ص19)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

وفي إسناده إبراهيم بن محمد شيخ الشافعي وهو ضعيف وقد وقع الإجماع على ما أفادته الأحاديث
(الدراری المضیۃ شرح الدرر البہیۃ للشوکانی: ج1 ص19)

فائدہ فی اہمیۃ الاجماع:

♣ علامہ ابن تیمیہ (م728ھ) فرماتے ہیں:

إنّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللّهِ صَلّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ أَجْمَعُوا عَلَى تَحْرِيمِ هَذِهِ الْحِيَلِ وَإِبْطَالِهَا، وَإِجْمَاعُهُمْ حُجّةٌ قَاطِعَةٌ يَجِبُ اتّبَاعُهَا بَلْ هِيَ أَوْكَدُ الْحُجَجِ وَهِيَ مُقَدّمَةٌ عَلَى غَيْرِهَا، وَلَيْسَ هَذَا مَوْضِعُ تَقْرِيرِ ذَلِكَ، فَإِنّ هَذَا الأَصْلَ مُقَرّرٌ فِي مَوْضِعِهِ، وَلَيْسَ فِيهِ بَيْنَ الْفُقَهَاءِ بَلْ وَلاَ بَيْنَ سَائِرِ الْمُؤْمِنِينَ الّذِينَ هُمْ الْمُؤْمِنُونَ خِلاَفٌ،
(الفتاوی الکبریٰ لابن تیمیہ: ج6ص162)

♣ امام محمد بن محمد الغزالی (م505ھ) فرماتے ہیں:

يجب على المجتهد في كل مسألة أن يرد نظره إلى النفي الأصلي قبل ورود الشرع ثم يبحث عن الأدلة السمعية المغيرة فينظر أول شيء في الإجماع فإن وجد في المسألة إجماعا ترك النظر في الكتاب والسنة فإنهما يقبلان النسخ والإجماع لا يقبله فالإجماع على خلاف ما في الكتاب والسنة دليل قاطع على النسخ إذ لا تجتمع الأمة على الخطأ. (المستصفی للغزالی ج1ص374)

♣ امام فخر الدین محمد بن عمرالرازی (م604ھ) فرماتے ہیں:

احتج نفاة القياس بهذه الآية فقالوا : المكلف إذا نزلت به واقعة فإن كان عالماً بحكمها لم يجز له القياس ، وإن لم يكن عالماً بحكمها وجب عليه سؤال من كان عالماً بها لظاهر هذه الآية ، ولو كان القياس حجة لما وجب عليه سؤال العالم لأجل أنه يمكنه استنباط ذلك الحكم بواسطة القياس ، فثبت أن تجويز العمل بالقياس يوجب ترك العمل بظاهر هذه الآية فوجب أن لا يجوز. والله أعلم.

وجوابه : أنه ثبت جواز العمل بالقياس بإجماع الصحابة ، والإجماع أقوى من هذا الدليل.(تفسیر کبیر للرازی: ج20ص37)

عقیدہ حیات الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اورمذاہب اربعہ

ائمہ احناف:

علامہ بدر الدین العینی(م855ھ)

فإنهم لا يموتون في قبورهم بل هم أحياء... ومذهب أهل السنة والجماعة أن في القبر حياة وموتا فلا بد من ذوق الموتتين لكل أحد غير الأنبياء. (عمدۃ القاری ج:11 ص:403 کتاب فضائل الصحابہ)

ملاعلی قاری (م1014ھ)

أن الأنبياء أحياء في قبورهم فيمكن لهم سماع صلاة من صلى عليهم. (مرقات ج5ص32)

علامہ حسن بن عمار بن علی الشر نبلالی (م 1069ھ)

ومما هو مقرر عند المحققين أنه صلى الله عليه و سلم حي يرزق ممتع بجميع الأعمال والعبادات غير أنه حجب عن أبصار القاصرين عن شريف المقامات... ينبغي لمن قصد زيارة النبي صلى الله عليه و سلم أن يكثر من الصلاة عليه فإنه يسمعها أو تبلغ إليه.

(مراقی الفلاح ص430 فصل : في زيارة النبي صلى الله عليه و سلم على سبيل الاختصار تبعا لما قال في الاختيار)

علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی (م1252ھ)

ولا يخفى ما في كلامه من إيهام انقطاع حقيقتها بعده فقد أفاد في الدر المنتقى أنه خلاف الإجماع

قلت وأما ما نسب إلى الإمام الأشعري إمام أهل السنة والجماعة من إنكار ثبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان والمصرح به في كتبه وكتب أصحابه خلاف ما نسب إليه بعض أعدائه لأن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام أحياء في قبورهم وقد أقام النكير على افتراء ذلك الإمام العارف أبو القاسيم القشيري في كتابه شكاية السنة وكذا غيره كما بسط ذلك الإمام ابن السبكي في طبقاته الكبرى في ترجمة الإمام الأشعري . (حاشیۃ ابن عابدین ج4ص151)

ائمہ مالکیہ:

امام علی بن احمد السمہودی (م911ھ):

ولا شك في حياته صلى الله عليه وسلم بعد الموت وكذا سائر الأنبياء عليهم السلام حياة أكمل من حياة الشهداء التي أخبر الله بها في كتابه العزيز وهو صلى الله عليه وسلم سيد الشهداء وأعمال الشهداء في ميزانه.

(خلاصۃ الوفاء:ج1ص43)

ائمہ شوافع:

امام تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب بن علی سبکی(م 771ھ):

ومن عقائدنا أن الأنبياء عليهم السلام أحياء فى قبورهم فأين الموت... وصنف البيهقى رحمه الله جزءا سمعناه فى حياة الأنبياء عليهم السلام فى قبورهم واشتذ نكير الأشاعرة على من نسب هذا القول إلى الشيخ.

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ج385،384)

حافظ ابن حجرعسقلانی (م852ھ):

واحسن من هذا الجواب ان يقال ان حياته صلى الله عليه و سلم في القبر لايعقبها موت بل يستمر حيا والأنبياء احياء في قبورهم ولعل هذا هو الحكمة في تعريف الموتتين حيث قال لايذيقك الله الموتتين المعروفتين المشهورتين الواقعتين لكل أحد غير الأنبياء . (فتح الباری ج7ص29)

وإذا ثبت أنهم أحياء من حيث النقل فإنه يقويه من حيث النظر كون الشهداء أحياء بنص القرآن والأنبياء أفضل من الشهداء. (فتح الباری ج6ص595)

فائدہ:

ائمہ شوافع میں سے امام جلال الدین سیوطی اورامام ابو بکر البیہقی نے اس موضوع پر مستقل کتاب تحریر فرمائی ہے۔

ائمہ حنابلہ:

امام ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامۃ المقدسی(م620ھ)

ويستحب زيارة قبر النبي صلى الله عليه و سلم لما روى الدارقطني بإسناده عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من حج فزار قبري بعد وفاتي فكأنما زارني في حياتي... عن أبي هريرة أن النبي صلى الله عليه و سلم قال : ما من أحد يسلم علي عند قبري إلا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام... ويروى عن العتبي قال : كنت جالسا عند قبر النبي صلى الله عليه و سلم فجاء إعرابي فقال : السلام عليك يا رسول الله سمعت الله يقول : (ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاؤوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما وقد جئتك مستغفرا لذنبي مستشفعا بك إلى ربي ثم أنشأ يقول :

(يا خير من دفنت بالقاع أعظمه ... فطاب من طيبهن القاع والأكم)
(نفسي الفداء لقبر أنت ساكنه ... فيه العفاف وفيه الجود والكرم)

ثم انصرف الإعرابي فحملتني عين فنمت فرأيت النبي صلى الله عليه و سلم في النوم فقال : عتبي الحق الإعرابي فبشره أن الله قد غفر له ... ثم تأتي القبر فتولى ظهره القبلة وتستقبل وتقول : السلام عليك أيها النبي صلى الله ورحمة الله وبركاته... اللهم إنك قلت وقولك الحق : (ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاؤوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما) وقد أتيتك مستغفرا من ذنوبي مستشفعا بك إلى ربي فأسألك يا رب أن توجب لي المغفرة كما أوجبتها لمن أتاه في حياته.

(المغنی لابن قدامہ ج3ص600،599)

حافظ ابن تیمیہ الحنبلی (م728ھ)

وَهُوَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْمَعُ السَّلَامَ مِنْ الْقَرِيبِ وَتُبَلِّغُهُ الْمَلَائِكَةُ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ عَلَيْهِ مِنْ الْبَعِيدِ.

(مجموع الفتاوی ج27ص384)

عقیدہ حیات الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور اکابرین دیو بند

قام العلوم والخیرات حضرت مولانامحمدقاسم ناتوتوی:

♣ رسول اللہ ﷺ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام بالیقین قبرمیں زندہ ہیں آپ اب تک بقید حیات ہیں پرشیعہ نہ سمجھیں توکیاکیجیے؟

(ہدیۃ الشیعۃ ص359)

♣ انبیاء کرام علیہم السلام کوانہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبارسے زندہ سمجھتاہوں۔ (لطائف قاسمیہ ص3)

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشیداحمدگنگوہی:

آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں ونبی اللّٰہ حی یرزق،اس مضمون حیات کو بھی مولوی محمدقاسم صاحب سلمہ اللہ تعالی نے اپنے رسالہ آب حیات میں بمالامزیدعلیہ ثابت کیاہے۔ (ھدایۃ الشیعہ ص49)

حضرت مولانااحمدعلی السہارنیوری:

والاحسن ان یقال ان حیاتہ صلی اللہ علیہ و سلم لایتعقبہا موت بل یستمرحیاوالانبیاء احیاء فی قبورھم.

(بخاری شریف ج1ص517حاشیہ)

شیخ الہند حضرت مولانامحمودحسن دیوبندی:

♣''المہندعلی المفند''پرتصدیقی دستخط کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وھومعتقدناومعتقدمشائخناجمیعالاریب فیہ. (المہندعلی المفندص74)

♣ تقدیرالکلام مامن احدیسلم علی الاردعلیہ السلام لانی حی اقدرعلی ردالسلام ۔ (حاشیہ سنن ابی داؤد:ج1ص286)

♣ قولہ ان اللّٰہ حرم علی الارض ای منعہاوفیہ مبالغۃ لطیفۃ اجسادالانبیاء ای من ان تاکلہافالانبیاء فی قبورھم احیائ.

(حاشیہ سنن ابی داؤد: ج1ص157)

فخرالمحدثین مولاناخلیل احمدسہارنیوری:

♣ ان نبی اللّٰہ صلی اللہ علیہ و سلم حی فی قبرہ کماان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم.

(بذل المجہودشرح ابی دائود'ج2ج ص117باب مایقول فی التشھد)

♣ زائرین جو بے با کانہ اونچی آواز سے صلاۃ سلام پڑھتے اس سے آ پ کو بہت تکلیف ہوتی اور فرمایا کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں اور ایسی آواز سے سلام عرض کرنا بے ادبی اور آپ کی ایذاء کا سبب ہے لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں ۔ (تذکرہ الخلیل ص:370)

رئیس المفسرین مولاناحسین علی الوانی واں بھچروی:

عن ابی الدرداءرضی اللہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ و سلم اکثروالصلوۃ علی یوم الجمعۃ فانہ مشھودتشہدہ الملائکۃ ان واحدالن یصلی علی الاعرضت علی صلا تہ حین یفرغ منھاقال قلت وبعدالموت قال: وبعد الموت: ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللّٰہ حی یرزق وقدصنف السیوطی رسالۃ انباء الاذکیاء فی حیات الانبیائ۔

(تحریرات حدیث علی اصول التحقیق ص331'رسالہ درود شریف' حدیث نمبر8 ط: اشاعت اکیڈمی پشاور)

حکیم الامت مولانااشرف علی تھانوی:

♣ حضرت ابودردا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایااللہ تعالیٰ نے زمین پرحرام کردیاہے کہ وہ انبیاء کرام کے جسموں کوکھاسکے پس خداکے پیغمبرزندہ ہوتے ہیں اور ان کورزق دیاجاتاہے روایت کیا اسکو ابن ماجہ نے ۔

فائدہ:پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا۔ (نشرالطیب ص199)

♣ بہرحال یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیھم لسلام قبرمیں زندہ رہتے ہیں۔ (اشرف الجوا ب ص 321)

♣ حضورﷺ کی قبرمبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسداطہراسکے اندرموجودہے۔بلکہ خودحضورﷺ یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندرتشریف رکھتے ہیں ۔کیونکہ آپ ﷺ قبرمیں زندہ ہیں۔ قریب قریب تمام اہل حق اس پرمتفق ہیں۔ صحابہ کا بھی یہی اعتقادہے۔ حدیث بھی نص ہے کہ ان نبی اللّٰہ حی فی قبرہ یرزق۔ (اشرف الجواب ص319،318)

♣ حضور ﷺ قبرشریف میں زندہ ہیں۔ (اشرف الجواب ص222)

♣ آپ ﷺ بنص حدیث قبرمیں زندہ ہیں۔ (التکشف ص675)

خاتم المحدثین حضرت مولانا سید محمد انورشاہ کشمیری:

وفی البیھقی عن انسؓ وصححہ ووافقہ الحافظ (ابن حجرؒ)فی المجلدالسادس ان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون.

(فیض الباری علی صحیح البخاری ج2‘کتاب الصلوٰۃ باب رفع الصوت ص64)

شیخ العرب والعجم حضرت مولاناسیدحسین احمدمدنی:

یہ اکابرعلماء دیوبندوفات ظاہری کے بعدانبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ مثبت بھی ہیں اوربڑے زوروشورسے اس پردلائل قائم کرتے ہیں۔ متعددرسائل اس بارہ میں تصنیف فرماچکے ہیں۔رسالہ آب حیات نہایت ہی مسبوط رسالہ خاص اس مسئلہ کے لئے لکھاگیاہے (معلوم ہواکہ آب حیات لکھنے کی غرض صرف ردروافض ہی نہیں بلکہ اثبات عقیدہ حیات النبیؐ بھی تھا)نیز ھدیۃ الشیعہ‘اجوبہ اربعین حصہ دوئم اوردیگررسائل مطبوعہ مصنفہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ العزیز اس مضمون سے بھرے ہوئے ہیں۔

(نقش حیات ص160)

حضرت مولانامفتی محمد کفایت اللہ دہلوی:

اس خیال اوراعتقادسے نداکرناکہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک مجلس مولودمیں آتی ہے اسکاشریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت نہیں اورکئی وجہ سے یہ خیال باطل ہے اول یہ کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ قبرمبارک میں زندہ ہیں جیساکہ اہل سنت والجماعت کامذہب ہے توپھرآپﷺ کی روح مبارک کامجالس میلادمیں آنابدن سے مفارقت کرکے ہوتاہے ؟یاکسی اور طریقے سے؟اگرمفارقت کرکے ماناجائے توآپﷺ کاقبرمطہرمیں زندہ ہوناباطل ہوتاہے یاکم ازکم اس زندگی میں فرق آناثابت ہوتاہے تویہ صورت علاوہ اس کے کہ بے ثبوت ہے باعث توہین ہے نہ موجب تعظیم۔ (کفایت المفتی ‘ج1ص169‘177ط :دارالاشاعت کراچی)

شیخ الاسلام علامہ شبیراحمدعثمانی:

♣ قرآن کریم کی آیت”وَمَاکَان لَکُمْ اَنْ تُؤْ ذُوْارَسُوْلَ اللّٰہِ وَلاَ اَنْ تَنْکِحُوْآاَزْوَاجَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ اَبَدًا“ (سورۃ احزاب 53) کے تحت لکھتے ہیں:

”اس مسئلہ کی نہایت محققانہ بحث حضرت مولانامحمدقاسم نانوتویؒ کی آب حیات میں ہے۔“ (تفسیرعثمانی ص567)

♣ آیت ”وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلٰى هٰؤُلَاءِ“ (سورۃ نحل آیت 89) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”حدیث میں آیاہے کہ امت کے اعمال ہرروزحضورﷺ کے روبروپیش کئے جاتے ہیں آپ اعمال خیرکودیکھ کرخداکاشکر ادا کرتے ہیں اوربداعمالیوں پرمطلع ہوکرنالائقوں کے لئے استغفارفرماتے ہیں۔“ (تفسیرعثمانی ص366)

♣ ودلت النصوص الصحیحۃ علی حیات الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام.

(فتح الملھم شرح صحیح مسلم ج1 ص325کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللہ ﷺ الی السموات وفرض الصلوٰت)

حضرت مولانامنظوراحمدنعمانی:

سب کے نزدیک مسلم اوردلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اورخاص کرسیدالانبیاء ﷺ کواپنی قبورمیں زندگی حاصل ہے ۔ (معارف الحدیث ج5ص280)

شیخ الحدیث حضرت مولانامحمدزکریاکاندھلوی:

♣ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔(خصائل نبویﷺ شرح شمائل ترمذی ص252باب ماجاء فی میراث رسول اللہ)

♣ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبورمیں زندہ ہیں علامہ سخاوی نے قول بدیع میں لکھا ہے ہم اس پرایمان لاتے ہیں اوراس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضورﷺاقدس زندہ ہیں اپنی قبرشریف میں ۔اورآپ کے بدن اطہرکوزمین نہیں کھاسکتی اوراس پر(امت مسلمہ کا)اجماع ہے۔ امام بیہقیؒ نے انبیاء کی حیات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایاہے اورحضرت انسؓ کی حدیث ہے الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون کہ انبیاء اپنی قبروں‌میں زندہ ہوتے ہیں اورنمازپڑھتے ہیں۔علامہ سخاویؒ نے اس کی

مختلف طرق سے تخریج کی ہے۔ (فضائل درودشریف ص25)

مفتی اعظم دارالعلوم دیوبندحضرت مولانامفتی عزیزالرحمن:

انبیاء علیہم السلام کی حیات قوی ترہےاور نصوص صرف انبیاء علیہم السلام اور شہداءکی حیات میں واردہیں۔حدیث شریف میں ہے: ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجسادالانبیاء فنبی اللہ حیی یرزق الحدیث۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند مکمل ومدلل ‘ج5 ص319)

فخرالاسلام حضرت مولانافخرالدین احمد:

باب رفع الصَّوْتِ فِی المسجد حدثناعلیّ بن عبداللّٰہِ بن جعفربن نجیح المدینی قال نایحیی بن سعیدنِ القطان قال ناالجعیدبن عبدالرّحمٰن قال حدّثنی یزیدبن خصیفۃ عن السّائب بن یزیدقال کنت قائمافی المسجدفحصبنی رجل فنظرت الیہ فاذاعمربن الخطّاب فقال اذھب فأتنی بھٰذین فجئتہ بھمافقال ممّن انتما اومن این انتماقالامن اھل الطّائف قال لوکنتمامن اھل البلدلاوجعتکماترفعانِ اصواتکمافی مسجدرسول اللّٰہِ صلّی اللّٰہُ علیہ وسلّم.

مزاراقدس کے احترام میں صحابہ کاعمل:۔

حضرت عمرؓ کاارشاد ترفعان اصواتکما الخ احترام مسجدکے ساتھ قرآن کریم کی آیت لاترفعوااصواتکم فوق صوت النبی ولاتجھروالہ بالقول کجھربعضکم لبعض (الحجرات2)سے بھی ماخوذہے کہ اے ایمان والو!اپنی آوازوں کو پیغمبرعلیہ السلام کی آوازسے بلندنہ کرواورنہ ان کے سامنے اس طرح زورسے بولوجیسے آپس میں بولتے ہو‘پیغمبرعلیہ السلام کی زندگی میں بھی یہی حکم تھااوروفات کے بعدبھی یہی حکم ہے کیونکہ آپ قبرشریف میں بھی حیات سے متصف ہیں‘حضرت عمرؓ کی رائے توروایاتِ باب سے معلوم ہوگئی کہ وہ وفات کے بعدبھی قبرشریف کے قریب بلندآوازسے بولنے پرتنبیہ فرمارہے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں بھی یہی منقول ہے کہ وہ مسجدنبویﷺ میں بلندآوازسے بولنے پر نکیر فرماتے اورکہتے کہ تم نے رسول اللہﷺ کوقبرشریف میں اذیت پہنچائِی‘ حضرت علی نے ایک مرتبہ اپنے دروازے کے لئے کواڑ بنوائے تو حکم دیا کہ انہیں اتنی دور بیٹھ کر بنایا جائے کہ انکی آواز مسجد نبوی میں نہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر مبارک میں تکلیف نہ ہو، حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ اگرحجرہ اطہرکے قریب کسی دیوارمیں کیل ٹھوکنے کی آوازآتی تو فوراً کسی قاصدکوبھیج کرمنع کرادیتی تھیں لاتوذوارسول اللہ (ﷺ) کہ رسول اللہ ﷺ کوتکلیف مت پہنچاؤ۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے یہ تمام اقوال وافعال تقی الدین سبکی کی شفاء السقام میں موجودہیں۔حیات انبیاء کے مسئلہ پرتفصیلی گفتگو کسی اورموقع پرکی جائے گی۔ انشاء اللہ

(ایضاح البخاری‘ شرح بخاری شریف‘ جلد3‘ص269)

حکیم الاسلام حضرت مولاناقاری محمدطیب قاسمی:

♣ برزخ میں انبیاء کی حیات کامسئلہ معروف ومشہوراورجمہورعلماء کااجماعی مسئلہ ہے۔علماء دیوبندحسب عقیدہ اھلسنت والجماعت برزخ میں انبیاء کرام کی حیات کے اس تفصیل سے قائل ہیں۔ کہ نبی کریمﷺ اورتمام انبیاء کرام وفات کے بعداپنی اپنی پاک قبروں میں زندہ ہیں۔اوران کے اجسام کے ساتھ انکی ارواح مبارکہ کاویساہی تعلق قائم ہے جیساکہ دینوی زندگی میں قائم تھاوہ عبادت میں مشغول ہیں نمازیں پڑھتے ہیں انہیں رزق دیاجاتاہے اوروہ قبورمبارکہ پرحاضرہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ علماء دیوبندنے یہ عقیدہ قرآن وسنت سے پایاہے۔ اوراس بارے میں ان کے سوچنے کاطرز بھی متوارث رہاہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج7ص181)

♣ وفات کے بعدنبی کریمﷺ کے جسداطہرکوبرزخ (قبرشریف)میں بتعلق روح حیات حاصل ہے اوراس حیات کیوجہ سے روضۂ اقدس پرحاضرہونے والے کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ (خطبات حکیم الاسلام ج7 ص187، ماہنامہ تعلیم القرآن اگست 1962 ص27-28)

♣ احقراوراحقرکے مشائخ کامسلک وہی ہے جوالمہندمیں بالتفصیل مرقوم ہے۔ یعنی برزخ میں جناب رسول اللہﷺ اورتمام انبیاء بجسدعنصری زندہ ہیں۔ جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیوبندسے ہٹے ہوئے ہیں۔ (رحمت کائنات ص32)

♣ تسکین الصدورپرتصدیقی دستخط کرتے ہوئے ارشادفرماتے ہیں:

”رسالہ نافعہ تسکین الصدورسے استفادہ نصیب ہوا۔ اس کی وقعت وعظمت کے لئے یہ کافی

ہے کہ وہ مولانا سرفرازخانؒ صاحب کی تالیف ہے جو اپنی محققانہ ومعتدلانہ طرز تالیف میں معروف ہیں۔ تسکین الصدور ٗحقیقت یہ ہے کہ اس موضوع کے مسائل میں تسکین الصدورہی ہے جس سے روحی اورقلبی تسکین ہوجاتی ہے۔ جس جس مسائل پرکلام کیاگیاہے وہ اپنی جگہ نہ صرف یہ کہ اھل السنت والجماعت کے مسلک اورمذہب منصورکے مطابق ہی نہیں بلکہ فی نفسہٖ اپنے تحقیقی رنگ کیوجہ سے پوری جامعیت کے ساتھ منضبط ہوگئے ہیں اوران سے دلوں میں سرور اورآنکھوں میں نور پیداہوتا ہے ۔ حق تعالیٰ مؤلف ممدوح کوتمام مسلمانوں‌کی طرف سے جزائے خیرعطاء فرمائے اوران کے علم وعرفان اورعمل وایمان میں روز افزوں ترقیات عطاء فرمائے آمین۔“ (تسکین الصدورص20)

فخرالمحدثین حضرت مولانا ظفراحمدعثمانی:

لاشک فی حیوتہ بعدوفاتہ وکذاسائرالانبیاء احیاء فی قبورھم حیاتہم اکمل من حیاۃ الشہدائ.
(اعلاء السنن ج10ص505)

رئیس المفسرین حضرت مولانامحمدادریس کاندھلوی:

♣ تمام اہلسنت والجماعت کااجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔
(سیرت المصطفیٰ ج3ص162)

♣ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ودیگرانبیاءکرام قبروں میں زندہ ہیں۔ (سیرت المصطفیٰ ج3ص168)

♣ احادیث متواترہ سے انبیاء کرام کی جوحیات ثابت ہے وہ حیات فی القبور ہے نہ کہ حیات فی السمٰوات ۔ (سیرت المصطفیٰ ج3ص169)

مفتی اعظم دارالعلوم دیوبندحضرت مولانامفتی مہدی حسن شاہجہان پوری:

آپﷺ اپنے اپنی قبرمبارک میں ا پنے جسدمبارک کے ساتھ زندہ ہیں۔ مزارمبارک کے ساتھ آپﷺ کاخصوصی تعلق بجسدہ وروحہ ہے۔ جواس کے خلاف کہتاہے وہ غلط کہتاہے بدعتی ہے۔ اس کے پیچھے نمازمکروہ ہے۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ جنکاانکارنہیں کیاجاسکتاہے جوانکارکرتاہے وہ خارج ازااھلسنت والجماعت ہے۔ (خیرالفتاویٰ ج1ص124 ٗتسکین الصدورص49/50)

فقیہ الامت حضرت مولانامفتی محمود حسن گنگوہی:

(رسول اللہﷺ کی)قبراطہرمیں زندہ ہونے کی بحث مستقل ہے۔ علماء حق کی تحقیق یہ ہے کہ زندہ تشریف فرماہیں۔

(فتاویٰ محمودیہ باب مایتعلق بحیات الانبیاء ج1ص532-533)

امام الاولیاء حضرت مولانااحمدعلی لاہوری:

کئی برس ہوئے حضرت مولانااحمدعلی لاہوری ؒصاحب سے مولانا غلام اللہ خان صاحب نے اپنے ہاں تقریرکی غرض سے تاریخ لی۔ جب تاریخ نزدیک آگئی توحضرت مولانااحمدعلی لاہوری نے ان کوفرمایا۔ کہ تم مسئلہ حیات میں اکابردیوبند اور سلف کامسلک کاترک کرچکے ہو۔ اسی لئے اگرمیں آئونگاتومسئلہ حیات بیان کرونگا اور فرمایاکہ یہ مسئلہ وہ سمجھ سکتاہے جس کوعقیدت ہویابصیرت حاصل ہو ٗبصیرت تم کو حاصل نہیں اورعقیدت تم کورہی نہیں۔چنانچہ حضرت لاہوریؒ پھرراولپنڈی تشریف نہ لے گئے۔
(حیات انبیاء کرام ازمولانامفتی عبدالشکورترمذی ص:20ط: المکتبۃ الاشرفیہ لاہور)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمدشفیع عثمانی:

♣ آیت مبارکہ ”وَمَاکَان لَکُمْ اَنْ تُؤْ ذُوْارَسُوْلَ اللّٰہِ وَلاَ اَنْ تَنْکِحُوْآاَزْوَاجَہٗ مِنْ بَعْدِہٖ اَبَدًا“ (سورۃ احزاب 53) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

رسول اللہﷺ اپنی قبرشریف میں زندہ ہیں۔آپ ﷺ کی وفات کادرجہ ایساہے جیسے کوئی زندہ شوہرگھرسے غائب ہو۔ اس بناء پرآپﷺ کی ازواج کاوہ حال نہیں جوعام شوہروں کی وفات پران کی ازواج کاہوتاہے۔ (معارف القرآن ج7ص203)

♣ آیت مبارکہ ”یَا ایّھَا النبیُّ اِنَّااَرْسَلْنٰکَ شَاہِدًا وَ مُبَشّرًا وَنَذِیْرًا “ (سورۃ احزاب 45) کی تفسیرمیں فرماتے ہیں:

تمام انبیاء کرام خصوصاًرسول کریمﷺ اس دنیاسے گذرنے کے بعدبھی اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہے۔ (معارف القرآن ج7ص177)

مرشدالعلماء والصلحاء مولاناعبداللہ بہلوی:

ہمارے اکابرواسلاف دیوبند رحمہم اللہ تعالی عنہم ہمارے مرشدین نقشبندیہ ‘قادریہ‘چشتیہ‘سہروردیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی اعتقادہے کہ حضورﷺ دنیاوی وفات کے بعدقبرمبارک میں جسمانی روحانی حیات سے زندہ ہیں۔ (القول النقی ص29)

مفکراسلام حضرت مولانامفتی محمود:

نبی کریمﷺ اورتمام انبیاءعلیہم السلام اپنی قبورمطہرہ میں حیات ہیں۔ (فتاویٰ مفتی محمودج1ص350)

حضرت مولانا غلام غوث ہزارو ی:

انبیا ء اکرام کے بارہ میں انحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ قبروں میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں ،قریب سے درو د و سلام سنتے اور اسکا جواب بھی دیا کرتے ہیں اس کتاب میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی جارہی ہے - یہاں سے ان حضرا ت کی کم علمی واضح ہو جاتی ہے - جو مسکہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شر ک قرار دیتے ہیں شرک تو تب ہوتا کہ کسی کو ایسا زندہ مان لیا جاتا جس کی حیات خدا تعالیٰ کی عطا نہ ہو اسکے گھر کی ہو پھر اس پر کبھی موت طاری نہ ہو مگر یہ تو کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں ہے کیا جو پیغمبر دنیا میں زندہ تھے وہ شرک تھا ؟ کیا قیامت میں ہم سب زندہ ہوں گے اورزندہ بھی ایسے کہ پھر کبھی نہ مریں گے کیا وہ شرک ہو جائے گا؟پھراگر اللہ تعالیٰ کسی کو درمیان میں ،قبر میں بھی پوری یاادھوری زندگی عطا فر ما دیں وہ کیسے شر ک ہو گیا؟ جبکہ علماء دیوبند نہ تو آنحضر ت ﷺ کی وفات ہوجانے کا انکا ر کرتے ہیں نہ پیغمبروںکی حیات کواللہ تعالیٰ کی عطاء کردہ ہونے سے انکارکرتے ہیں۔ صر ف آپؐ کے ارشا د کے مطابق قبروں میں انبیا ء کرام کی حیات اور نما ز پڑھنے اور سلام و درود سننے کا اقرار کرتے ہیں تو کیا آنحضرت ﷺ کے ارشاد کو ماننا شرک ہے ؟ اللہ تعالیٰ ایسی جہالت اور ضد سے بچائے (آمین)

(تسکین الصدور ص207،206)

حضرت مولانا محمدیوسف بنوری:

حضرات انبیاء کرام کی حیات بعدالممات کامسئلہ صاف ومتفقہ مسئلہ تھا۔ شہداء کی حیات بنص قرآن ثابت تھی۔ اوردلالۃ النص سے انبیاء کرام کی حیات قرآن سے ثابت تھی اوراحادیث نبویہ سے عبارت النص کے ذریعہ ثابت تھی۔ لیکن براہواختلافات اورفتنوں کاکہ ایک مسلمہ حقیقت زیربحث آکرمشتبہ ہوگئی کتنے تاریخی بدیہات کوکج بحثیوں نے نظری بنادیااورکتنے حقائق شرعیہ کوکج فہمی نے مسخ کرکے رکھ دیایہ دنیاہے اوردنیاکے مزاج میں داخل ہے کہ ہردور میں کج فہم اورکج رواورکج بحث موجودہوتے ہیں زبان بندکرناتواللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے۔ ملاحدہ وزنادقہ کی زبان کب بندہوسکی۔ (تسکین الصدورص22-23)

مولانامفتی جمیل احمدتھانوی:

آٹھ‘ دس سال سے حضرات انبیاء کرام کی حیات کاانکاربعض ایسے عالموں کی طرف سے شائع ہونے لگاجوکہ ہمارے اپنے شمار ہوتے تھے۔ بہت ہی جی چاہتاتھاکہ کوئی اللہ کابندہ اس مسئلہ کی پوری پوری تحقیق لکھ دے ......خودتوکم صحت کم فرصت کم استعداداس سے قاصرتھا۔ بس دل میں یہ تمناموجزن تھی حضرت مولانا سرفرازخانؒ صاحب نے بڑی محنت اورجانفشانی اور عرق ریزی سے یہ تحقیق مکمل کردی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میری وہ دلی تمنامولاناکے ہاتھوںپوری فرمادی اس لئے حرف حرف مزے لے لے کرپڑھتاچلاگیاہربحث پردل باغ باغ ہوتا گیا اور دعاؤں میں سرشارہوتارہا..... الحمدللہ جیسادل چاہتاتھایہ کام انجام پاگیا۔ احادیث کے اسنادکی صحت اورمفہومات کی تحقیقات‘شبہات کے جوابات ماشاء اللہ نورعلی نورہے۔اللہ تعالیٰ حضرت مصنف کوبہترین جزاوں سے دونوں جہانوںمیں سرفرازفرمائیں اورمشتبہ آنکھوں کے لئے کتاب کوسرمۂ بصیر ت بنائیں۔ (تسکین الصدورص27-26)

حافظ الحدیث حضرت مولانامحمدعبداللہ درخواستی:

ھو حی فی قبرہ کحیاۃ الانبیاء ۔وحرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء حیاتھم اعلی واکمل من الشھداء ۔وشانھم ارفع فی الارض والسماء

(انوار القرآن حافظ الحدیث نمبراگست ،ستمبر،اکتوبر،نومبر۲۰۰۲ص۱۲۲)

تسکین الصدورکی تقریظ میں لکھتے ہیں :اپنے موضوع میں مسلک اھل السنت والجماعت کے بیان میں کافی وشافی ہے۔ (تسکین الصدورص27)

خواجہ خواجگان حضرت مولاناخواجہ خان محمدؒ:

حضرت خواجہ صاحب اپنے ایک مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں:

قرون اولیٰ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین سے لے کرآج تک جمیع علماء کرام کااجماعی طورپرحیات النبیﷺ کے متعلق جوعقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت اقدس نبی کریمﷺ اورسب انبیاء وفات کے بعداپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اوران کے ابدان مقدسہ بعینھامحفوظ ہیں اورجسدعنصری کیساتھ عالم برزخ میں ا ن کوحیات حاصل ہے اورحیات دنیوی کے مماثل ہے صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں روضۂ اقدسﷺ پرجودرودشریف پڑھے وہ بلاواسطہ سنتے ہیں اورسلام کاجواب دیتے ہیں۔ حضرات دیوبندکابھی یہی عقیدہ ہے ۔ اب جواس مسلک کے خلاف کرے اتنی بات یقینی ہے کہ اسکااکابردیوبندکے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جوشخص اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف رات دن تقریربھی کرے اوراپنے آپ کودیوبندی بھی کہے یہ بات کم ازکم ہمیں توسمجھ نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کوصراط مستقیم اوراکابردیوبندکے مسلک کے صحیح پابندبناکراستقامت نصیب فرماوے۔ (مجلہ ’’صفدر‘‘گجرات شیخ المشائخ نمبر‘ص686-687)

حضرت مولانامفتی احمدسعیدصاحب:

(مفتی جامعہ عربیہ سراج العلوم سرگودھا)

’’مسئلہ حیاۃ انبیاء بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس مسئلہ پرتمام علماء محدثین وفقہاء ومفسرین اور چاروں اماموں کے مقلدین بلکہ اہل ظواہر غیرمقلدین بھی متفق ہوں تواس مسئلہ میں ایک جدیدطریق اختیارکرنا تحقیق نہیں بلکہ علماء امت کی تضحیک ہے۔ خدمت اسلام نہیں تذلیل اہل ایمان ہے۔ اگرجمہورسلف صالحین پراعتمادنہیں تو دین تمہاراخانہ زادنہیں۔ ‘‘ (حیات النبیﷺ اورمذاہب اربع ص'4)

استادالعلماءحضرت مولاناخیرمحمدجالندھری:

عالم برزخ میں جملہ انبیاء علیہم السلام کی حیات حقیقیہ دنیویہ بجسدھم العنصری کا مسئلہ اہل سنت والجماعت میں متفق علیہ مسئلہ ہے ۔

(القول النقی فی حیات النبی ص30)

وکیل اھلسنت حضرت مولاناقاضی مظہرحسین:

اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ موت کے بعد اللہ تعالی انہیں انبیاء کرام علیہم السلام کے جسم مبارک کو حیات عطا کرتے ہیں اسی جسم میں حیات ہوتی ہے جوجسم اس دنیا میں تھا ۔ (یاد گار خطبات ص101)

پاسبان مسلک دیوبند حضرت مولانامحمدعلی جالندھری:

آنحضرت ﷺ کواس دنیاسے انتقال فرمانے کے بعدعالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ روح مبارک کے تعلق سے اسی دنیوی جسداطہرکے ساتھ ہےجوروضۂ انور میں محفوظ وموجودہیں۔اسی تعلق کی وجہ سے روضہ ٔ انورپرپڑھے گئے درودوسلام کوبغیر کسی واسطے کے علی الدوام خودسماعت فرماتے ہیں۔ اسی عقیدہ کوہمارے اکابرنے المہند میں حیات دنیویہ برزخیہ سے تعبیر کیا ہے۔

(سوانح وافکارمولانامحمدعلی جالندھریؒ ص324)

فقیہ العصرمولانامفتی رشیداحمدلدھیانوی:

احتج القائلون بانہامندوبۃ بقولہ تعالٰی ولوانہم اذظلمواانفسہم جاؤک فاستغفرواللّٰہ واستغفرلھم الرسول الایۃ وجہ الاستدلال بہانہ حیﷺ فی قبرہ بعدموتہ کمافی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم.

(احسن الفتاویٰ ج4ص561ط: مکتبۃ الرشیدکراچی)

شہیداسلام حضرت مولانامحمدیوسف لدھیانوی شہید:

♣ میرااورمیرے اکابرکاعقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ روضہ ٔ اطہرمیں حیات جسمانی کے ساتھ حیات ہیں اوریہ حیات برزخی ہے، آنحضرتﷺ درودوسلام پیش کرنے والوں کےسلام کاجواب دیتے ہیں اور وہ تمام امور جن کی تفصیل اللہ ہی کومعلوم ہے ،بجالاتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کوحیات برزخیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حیات برزخ میں حاصل ہے اور اس حیات کا تعلق روح اور جسددونوں کے ساتھ ہے ۔ (آپ کے مسائل اوران کاحل ج1ص299)

♣ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص سیدالانبیاء سیدناحضرت محمد رسول اللہ ﷺ کااپنی قبرشریفہ میں حیات ہونااورحیات کے تمام لوازم کے ساتھ متصف ہونابرحق اورقطعی ہے اوراس پرامت کااجماع ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کاحل ج1ص261‘جدیدتخریج شدہ ایڈیشن)

استادالحدیث حضرت مولاناسیدبدرعالم مہاجرمدنی:

غرض آپﷺ کی اورجملہ انبیاء علیہم اسلام کی قبرمیں حیات کادلائل کے ساتھ ہم کوقطعی علم ہے اوراس بارے میں تواترکے درجے کوحدیثیں پہنچ چکی ہیں۔ (ترجمان السنۃ ج3ص302حدیث نمبر1073ط: ایچ ایم سعیدکمپنی کراچی)

حضرت مولانامفتی عبدالرحیم لاجپوری:

انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اورنمازپڑھتے ہیں اورانکو رزق دیاجاتاہے ۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے جسموں کو زمین پرحرام کردیاہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ‘کتاب العقائدج8ص32ط مکتبہ رحمانیہ لاہور)

شیخ الحدیث حضرت مولانامحمدشریف کشمیریؒ:

’’اگرروضۂ اقدس پرصلوٰۃ وسلام پڑھاجائے توآپ ﷺخودسنتے ہیں‘بلکہ جمیع اہل السنۃ والجماعۃ اس کے قائل ہیں اورسب اکابر دیوبندکایہی عقیدہ ہے جوشخص اس عقیدے کوعقائدشرکیہ یابدعیہ میں شمارکرتاہے وہ بالکل جاہل اورپرلے درجے کااحمق اورملحد ہے۔ وہ حقیقت شرک سے قطعاًناآشناہے۔مسلمانوں کوایسے شخص سے دور رہنا چاہیے‘‘۔ (خیرالفتاویٰ ج نمبر1باب مایتلعق بالایمان والعقآئد ص128-129)

فقیہ العصرحضرت مولانامفتی عبدالشکورترمذی:

حضرات انبیاء کرام کی انکی قبروں میں زندگی متفق علیہ عقیدہ کی حیثیت سے ایک طے شدہ حقیقت ہے۔ اکابراھلسنت میں سے کوئی شخص بھی ایسانہیں ملتاجسے انبیاء کرام خصوصاً حضرت محمدﷺ کی حیات فی القبرکاانکارکیاہو۔ اورقبرمبارک میں آپﷺ کی روح مبارک کے جسداطہرسے اتصال وتعلق کی نفی کی ہو۔ بلکہ اس عقیدہ پراجماع ہے کہ قبرمیں روح مبارک کاجسداطہرسے ایساتعلق اور اتصال ثابت ہے جس سے جسم مبارک میں حیات اورسماع کی قوت حاصل ہے۔ اورقبرمبارک کے قریب سے سلام کہنے والوں کاسلام آپﷺ بنفس بنفیس خودسماعت فرما لیتے ہیں۔ (حیات انبیاء کرامﷺ ص113ط: مکتبہ اشرفیہ لاہور)

حضرت مولاناصوفی عبدالحمیدصاحب سواتیؒ:

ان النبی حی فی قبرہ کہ اللہ کانبی ﷺ قبرمیں زندہ ہیں۔ یہ زندگی محض روحانی زندگی نہیں کیونکہ روح تو ابوجہل کی بھی زندہ ہے بلکہ نبی کی زندگی کمال درجے کی زندگی ہے اس برزخی زندگی کے متعلق سلف کے دومسلک ہیں۔

اگرآپﷺ کی روح مبارک علیین میں ہے تواسکاتعلق قبرکے ساتھ بھی ہےاسی لئے حضورعلیہ السلام کاارشادہے۔ من صلی علی عندقبری سمعتہ ومن صلیٰ[علی] نائیاابلغتہ یعنی جوشخص میری قبرپرآکردرودپڑھے گاتومیں اس کوسنتاہوں اورجودورسے پڑھے گاوہ مجھ تک پہنچایاجائے گامعراج کے واقعہ والی روایت بھی حیات النبیﷺ کی تصدیق کرتی ہے۔

(معالم العرفان فی دروس القرآن ج 15ص341-342‘ ط:مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ)

شیخ الحدیث مولاناسلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ:

انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔ یہ عقیدہ نہ صرف علماء دیوبندکاہے بلکہ تمام امت کاہے۔

(کشف الباری شرح صحیح بخاری‘کتاب المغازی ص125ط:مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمدرفیع عثمانی صاحب :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کاتعلق جسم اطہرکےساتھ شہیدسے بھی زیادہ ہے ،اتنازیادہ ہےکہ کسی اور کی روح کو اپنے جسم سے اتناتعلق نہیں ہوتا چنانچہ احادیث سے ثابت ہے کہ آپ کی قبرشریف پرحاضر ہوکر جوآپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے آپ اسے خودسنتے ہیں اورجواب عنایت فرماتے ہیں۔ (فتاوی دارالعلوم کراچی ج1ص100)

شیخ الاسلام مفتی محمدتقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ:

ان الاصل فی ھذہ المسئلہ قول اللہ تبارک وتعالیٰ: ولاتقولولمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لاتشعرون ولماثبت الحیاۃ للشہداء ثبت للانبیاء بدلالۃ النص لان مرتبۃ الانبیاء اعلیٰ من مرتبۃ الشہداء بلاریب...وقدوردفی ھذا الباب حدیث صریح...عن انسؓ قال قال رسول اللہﷺ: الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ... وبالجملۃ فان ھذہ الاحادیث مع حدیث الباب (مررت علی موسیٰ الخ ...) تدل علی کون الانبیاء احیاء بعدوفاتھم وھومن عقائدجمہوراھل السنۃ والجماعۃ...وانماالمقصودحیاتہم بمعی ان لاارواحھم تعلقا قویاباجسادھم الشریفۃ المدفونۃ فی القبورولہذاالتعلق القوی حدثت لاجسادھم خصائص کثیرۃ من خصائص الاجسادمثل سماع السلام وردہ...

(تکملہ فتح الملھم ج5ص30-28ط:دارالعلوم کراچی)

منکر ین حیات کا حکم

♣ الغرض میر ااور میرے اکابر کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ مطہرہ میں حیات جسمانی کے ساتھ حیات ہیں یہ حیات برزخی ہے مگر حیاۃ دنیاوی سے قوی تر ہے جو لو گ اس مسئلہ کا انکار کرتے ہیں ان کا اکابر علماء دیوبند اور اساطین امت کی تصریحات کے مطابق علماء دیوبند سے تعلق نہیں ہے اور میں ان کو اہل حق میں سے نہیں سمجھتا اور وہ میرے اکابر کے نزدیک گمراہ ہیں ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز نہیں اور اس کے ساتھ کسی قسم کا تعلق روا نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل تخریج شدہ ج:1 ص:295)

♣ ہمارے نزدیک اہل السنت والجماعت کے اس عقیدہ حیات کا منکر کافر نہیں گمراہ ہے ۔ (سوانح وافکار حضرت جالندھری ص:326)

♣ مفکراسلام مفتی محمود فرماتے ہیں:

یہ عقیدہ کہ آپ کاجسداطہرساکن وصامت قبرمبارک میں صحیح وسلامت موجود ہے اور اس سے افعال وحرکات کا صدور نہیں ہوتا عقیدہ فاسدہ ہے اورتمام علماء اہل السنت والجماعت کے عقیدہ اورعلماءدیوبند کے مسلک کے خلاف ہے ۔ (القول النقی ص32)

ایک شخص نے مفتی محمود رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ ،،جوآدمی قبرمیں حضور کی حیات کامنکرہو،روضئہ اقدس پرالصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ کہنے کاقائل نہ ہواورحضورکی ذات کونورکہتاہواس کے بارے میں کیا حکم ہے [مفہوما]

حضرت مفتی صاحب تینوں مسائل میں مسلک اہل السنت والجماعت کی وضاحت کےبعدفرماتے ہیں: ”بلاتاویل اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے نمازمکروہ تحریمی ہے ۔“ (فتاوی مفتی محمود ج1ص354،353)

♣ مولانا نصیرالدین غورغشتوی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

پنج پیریان قرآن کریم میں تحریف کرتے ہیں اورآیات واردہ فی حق المشرکین مومنوں پرصادق کرتے ہیں ۔ان سے قرآن کریم کا ترجمہ نہ کرنااوران جیسے فاسد عقائد والوں کے پیچھے نماز نہ پڑھناکسی دیندارمتقی کے پیچھے پڑھو۔ (سوانح مولانا غورغشتوی ص170)

♣ حضرت خواجہ خان محمد صاحب اپنے ایک مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں:

قرون اولیٰ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین سے لے کرآج تک جمیع علماء کرام کااجماعی طورپرحیات النبیﷺ کے متعلق جوعقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت اقدس نبی کریمﷺ اورسب انبیاء وفات کے بعداپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اوران کے ابدان مقدسہ بعینہامحفوظ ہیں اورجسدعنصری کیساتھ عالم برزخ میں ا ن کوحیات حاصل ہے اورحیات دنیوی کے مماثل ہے صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں روضۂ اقدسﷺ پرجودرودشریف پڑھے وہ بلاواسطہ سنتے ہیں اورسلام کاجواب دیتے ہیں۔ حضرات دیوبندکابھی یہی عقیدہ ہے ۔ اب جواس

مسلک کے خلاف کرے اتنی بات یقینی ہے کہ اسکااکابردیوبندکے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جوشخص اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف رات دن تقریربھی کرے اوراپنے آپ کودیوبندی بھی کہے یہ بات کم ازکم ہمیں توسمجھ نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کوصراط مستقیم اوراکابردیوبندکے مسلک کے صحیح پابندبناکراستقامت نصیب فرماوے۔ (مجلہ ’’صفدر‘‘گجرات شیخ المشائخ نمبر‘ص686-687)

♣ شیخ الحدیث مولاناسلیم اللہ خان دامت برکاتھم فرماتے ہیں:

حضرات صحابہ کرام سے لیکر آج تک تمام ہی علماء کامسلک حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کارہاہے ،علماءدیوبندبھی اسی کے قائل ہیں، جوشخص حیات کی بجائے ممات کاعقیدہ رکھتا ہے اس کا علماء دیوبند سے کوئی تعلق نہیں۔ (خوشبووالاعقیدہ حیات النبی ص21)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دو ہاتھ سے مصافحہ

از افادات متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

اہل السنت و الجماعت کا موقف:

السنۃ فی المصافحۃ بکلتا یدیہ.

(الدر المختار: ج9 ص629 باب الاستبراء و غیرہ)

ترجمہ: دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے ۔

غیر مقلدین کا موقف:

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے اور دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے والے ناواقف لوگ ہیں۔

(ایک ہاتھ سے مصافحہ از عبد الرحمن مبارکپوری: ص6ملخصاً، التحفۃ الحسنیٰ از حکیم محمد اسرائیل سلفی)

دلائل اہل السنت و الجماعت:

دلیل نمبر1:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ’’الصحیح ‘‘ میں ایک باب قائم فرمایا ہے:
’’باب المصافحۃ‘‘ [مصافحہ کرنے کا باب]اور اس کے تحت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے:

عَلَّمَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ وَكَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ. (صحیح البخاری: ج2 ص926)

ترجمہ:نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے التحیات اس حالت میں سکھائی کہ میرا ہاتھ نبی علیہ السلام کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں ثابت کیا کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تعلق مصافحہ کے ساتھ ہے، اس کے متصل بعد ایک اور باب قائم فرمایا: ’’باب الأخذ بالیدین‘‘ [(مصافحہ کرتے وقت)دو ہاتھوں سے پکڑنے کا باب] اور اسی حدیث کودوبارہ اس باب میں ذکر فرمایا ہے، جس سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا ثابت ہے۔ نیز مصافحہ دونوں ہاتھوں سے اس طرح کیا جائے کہ ہاتھوں کو پکڑا جائے نہ یہ کہ آدمی اپنے ہاتھ دوسرے کے ہاتھ پر رکھ دے۔ لفظ ’’اخذ‘‘ کا یہی مفہوم ہے۔

اعتراض نمبر1:

حکیم محمد اسرائیل لکھتے ہیں:

اس حدیث کا مصافحہ سے ذرا بھی تعلق نہیں۔ (التحفۃ الحسنیٰ: ص39)

مزید لکھتے ہیں:

سخت تعجب ہے ان مقلدین احناف پر کہ جو احادیث صحیحہ سے مصافحہ ثابت ہوتا ہے اس کے انکاری ہیں اور جو حدیث سے ثابت نہیں ہوتا اسے ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کرتے ہیں اور بخاری شریف کی دہائی دے کرجاہل عوام کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر ان کو معلوم رہے کہ یہ حدیث دانی اور حدیث فہمی نہیں بلکہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ ایک مذاق ہے۔(التحفۃ الحسنیٰ: ص38)

جواب:

غیر مقلدین بظاہر تو احناف سے عناد، بغض اور مخالفت ظاہر کرتے ہیں لیکن دراصل یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کھر ی کھری سنانے کے مترادف ہے۔ ’’باب المصافحۃ‘‘ قائم کرنے اور اس کے تحت حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ لانے کے سرخیل تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں تو ثابت یہی ہوا کہ غیر مقلدین کا روئے سخن احناف کی طرف نہیں بلکہ بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف ہے۔ معلوم ہوا ان غیر مقلدین کا امام بخاری سے تعلق ہے نہ صحیح بخاری سے۔

لہٰذا ہم غیر مقلدین سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ :

امام بخاری رحمہ اللہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مصافحہ ثابت کرتے ہیں اور آپ اس کے منکر ہیں، آپ بتائیں کہ دونوں میں سے حق پر کون ہے اور باطل کون؟!

اعتراض نمبر2:

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقط ایک ہتھیلی آں حضرت کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔ تو ظاہر ہے کہ اس دلیل سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے والوں کا دعویٰ کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتا۔ (ایک ہاتھ سے مصافحہ: ص44)

جواب:

اولاً۔۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تو دوہاتھ تھے، لہذا ہمیں سنت نبویہ اختیارکرنی چاہیے۔
ثانیاً۔۔ جب دوہاتھوں سے مصافحہ کیاجائے تودرمیان میں ایک ہاتھ آتاہے، دوسراباہرکی جانب رہتاہے، اس لیے دوہاتھ سے مصافحہ کرنے والاکہہ سکتاہے کہ میراہاتھ اس کے دوہاتھوں کے درمیان تھا، یہی کچھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ لہذا اس سے یہ تو ثابت ہو ا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا مگر یہ ہرگز ثابت نہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا صرف ایک ہاتھ تھا۔ اور یہ کیسے ہوسکتاہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہاتھ ہوں اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کاایک ہاتھ ہو؟ کیونکہ بڑے چھوٹے کے حوالےسے بھی اس صورت کودیکھاجائےتوبڑی بے ادبی اورگستاخی ہے کہ بڑاآدمی دوہاتھ سے مصافحہ کرے اورچھوٹاایک ہاتھ سے اور یہاں توامتی اورنبی صلی اللہ علیہ وسلم کامعاملہ ہے!
ثالثاً۔۔ باقی رہی یہ بات کہ حضرت ابن مسعودرضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ کاذکر کیوں فرمارہے ہیں تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیاتھا بلکہ اس وجہ سے کہ دوہاتھ سےمصافحہ کرتے وقت آپ کا جوہاتھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہاتھوں کے درمیان آیاتھا آپ بطوراظہارمسرت کے اپنے اس ہاتھ کی خصوصیت بتارہے ہیں کہ میرایہ ہاتھ اتنا خوش نصیب ہےجوسردارعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہاتھوں کے درمیان آیاہے۔

اعتراض نمبر3:

عبد الرحمن مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں:

امام بخاری کی مجرد تبویب سے دونوں ہاتھوں کے مصافحہ کا ثابت نہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ مصنفین کی تبویب ان کا دعویٰ ہوتا ہے، جو بلا دلیل کسی طرح قابلِ قبول نہیں۔ (ایک ہاتھ سے مصافحہ: ص52)

جواب:

محترم! یہ مجرد دعویٰ نہیں بلکہ ترجمۃ الباب ہی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث اور امام حماد بن زید اور امام عبد اللہ بن مبارک تبع تابعین حضرات کا عمل مبارک بھی نقل فرمایا ہے اور سے ترجمۃ الباب کا حصہ بنایا ہے۔یاد رہے کہ تبع تابعی بھی اس دور کا ہے جس کے خیر القرون ہونے کی گواہی خود حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے دی ہے اگرچہ تابعی کا عمل فن حدیث کی روشنی میں بھی خود حدیث ہے، کیونکہ حدیث کی تعریف ہے:

الحدیث ہو قول النبی صلی اللہ علیہ و سلم والصحابی والتابعی و فعلہم و تقریرہم.

(خیر الاصول فی حدیث الرسول للشیخ خیر محمد الجالندھری: ص7. مترجم عربی)

ترجمہ: حضرت رسول اللہ خدا صلی اللہ علیہ و سلم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین کے قول و فعل و تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔

مزید اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا عمل لائے تو اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟!

دلیل نمبر2:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی"باب الأخذ بالیدین" میں دو مشہور محدثین کا عمل ذکر فرمایا ہے ۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَصَافَحَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ابْنَ الْمُبَارَكِ بِيَدَيْهِ

(صحیح البخاری ج2 ص926)

ترجمہ:امام حماد بن زید نے حضرت عبد اللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

استدلال:

الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے:
قولہ صَافَحَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ابْنَ الْمُبَارَكِ بِيَدَيْهِ: اشارۃ الی ان ذلک ہو المعروف بین الصحابۃ و التابعین۔
(ج37 ص364 تحت العنوان: مصافحہ)
ترجمہ: امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ"حماد بن زید نے ابن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ میں معروف و مشہور عمل تھا۔
فائدہ: امام حماد بن زید اور امام عبد اللہ بن مبارک تبع تابعین ہیں، معلوم ہوا کہ دور صحابہ رضی اللہ عنہم سے دو ہاتھ سے مصافحہ دور تابعین تک متوارث چلا آ رہاہے اور یہ متوارث عمل دلیل ہے کہ مصافحہ دو ہاتھ سے کرنا سنت ہے۔

تعریف سنت :

1:امام ابوبکر محمد بن احمد السرخسی الحنفی فرماتے ہیں:
واما السنۃ فھی الطریقۃالمسلوکۃ فی الدین.
(اصول سرخسی ج 1 ص113)
ترجمہ: سنت دین میں جاری طریقہ کو کہتے ہیں۔
2: شیخ عبد الحق الحقانی فرماتے ہیں:
السنۃ الطریقۃالمسلوکۃفی الدین سواء سلکہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوالصحابۃ.
٠النامی بشرح الحسامی)
ترجمہ: سنت دین میں جاری طریقہ کو کہتے ہیں چاہے اسے نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے جاری فرمایا ہو یا آپ کے صحابہ نے۔

اعتراض:

حکیم محمد اسرائیل سلفی لکھتے ہیں:
جب صحابی کا قول ہی حجت نہیں ہوتا تو تابعین اور تبع تابعین کے اقوال کیونکر حجت ہو سکتے ہیں؟ (التحفۃ الحسنیٰ)

جواب:

1: قول صحابی حجت نہ ہو تو حدیث کا وجود ختم ہو جائے گا۔
2: قول صحابی حجت نہ ہو تو دین پر اعتبار ختم ہو جائے گا۔
3: یہ اعتراض امام بخاری رحمہ اللہ پر ہے کہ وہ غیر حجت کے فعل و عمل کو صحیح بخاری میں کیوں لائے۔
4: یہ محض عمل تابعی نہیں بلکہ عمل رسول کے توارث کی ایک شکل ہے۔
5: امام حماد بن زید اور امام عبد اللہ بن مبارک دونوں بزرگ دو ہاتھوں سے مصافحہ کر رہے ہیں، کیا یہ حضرات آپ کے موقف کے مطابق ناواقف ہیں؟؟ نیز بتائیں کہ یہ حضرات دو ہاتھ سے مصافحہ کر کے سنی رہے یا بدعتی ٹھہرے؟!
فائدہ: امام بخاری رحمہ اللہ کے والد سے بھی دو ہاتھ سے مصافحہ نقل کرنا ثابت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں اپنے والد محترم کے حالات میں لکھتے ہیں:
رای حمادَ بنَ زید، صافح ابنَ المبارک بکلتا یدیہ۔
(التاریخ الکبیر للبخاری: ج1 ص323 تحت ترجمۃ اسماعیل بن ابراہیم)
ترجمہ: حضرت اسماعیل (والد امام بخاری) نے حضرت حماد بن زید کو دیکھا کہ انہوں نے عبد اللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔
تبع تابعین کے اس فعل کو پیش کر کے مشرک ہوئے یا سنی رہے؟؟

دلیل نمبر3:

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے بیعت کے وقت بھی مصافحہ فرمایا ہے جیسا کہ روایت میں تصریح ہے:
اخرج ابو نعیم فی کتاب المعرفۃ من حدیث لہیۃ بنت عبد اللہ البکریۃ قالت: وفدتُ مع ابی علٰی

النبی صلی اللہ علیہ و سلم فبایع الرجال و صافحہم و بایع النساء و لم یصافحہن(التعلیق الممجد لعبد الحی اللکھنوی: ص394 باب ما یکرہ من مصافحۃ النساء)

ترجمہ: ابو نعیم نے کتاب المعرفۃ میں لہیعہ بنت عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کیا کہ میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے مردوں سے بیعت لی اور ان سے مصافحہ کیا اور عورتوں سے بیعت لی لیکن ان سے مصافحہ نہیں کیا۔

اور یہ مصافحہ دو ہاتھ سے ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت عبد الرحمن بن رزین فرماتے ہیں:

مررنا بالربذة فقيل لنا ها هنا سلمة بن الأكوع فأتيته فسلمنا عليه فأخرج يديه فقال بايعت بهاتين نبي الله صلى الله عليه و سلم.

(الادب المفرد للبخاری:ص289 رقم الحدیث973 باب تقبیل الید)

ترجمہ: ہم مقامِ ربذہ کے قریب سے گزر رہے تھے کہ ہمیں بتایا گیا کہ یہاں حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ رہتے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم سب نے ان کو سلام کیا۔ (دوران گفتگو) انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ نکالے (یعنی ہمیں دکھائے) اور فرمایا: ان دونوں ہاتھوں سے میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی بیعت کی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت آتی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْتَحِنُ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِ مِنْ الْمُؤْمِنَاتِ بِهَذِهِ الْآيَةِ بِقَوْلِ اللَّهِ { يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ إِلَى قَوْلِهِ غَفُورٌ رَحِيمٌ } قَالَ عُرْوَةُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ أَقَرَّ بِهَذَا الشَّرْطِ مِنْ الْمُؤْمِنَاتِ قَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ بَايَعْتُكِ كَلَامًا وَلَا وَاللَّهِ مَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِي الْمُبَايَعَةِ مَا يُبَايِعُهُنَّ إِلَّا بِقَوْلِهِ قَدْ بَايَعْتُكِ عَلَى ذَلِكِ

(صحیح البخاری:ج2 ص726 باب إذا جاءکم المؤمنات مهاجرات)

ترجمہ:آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس جو عوررتیں آتیں آپ ان کا امتحان اس آیت کے مطابق لیتے ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاۗءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓي اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَـيْــــًٔـا﴾ [ترجمہ:اے پیغمبر ! جب تمہارے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ خدا کے ساتھ نہ تو شرک کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی اور نہ نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے خدا سے بخشش مانگو ۔ بیشک خدا بخشنے والا مہربان ہے]حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جو عورتیں یہ شرائط قبول کر لیتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم ان سے فرماتے کہ میں نے تم سے زبانی بیعت کر لی۔بخدا آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا ہاتھ بیعت لیتے وقت کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ و سلم عورتوں بیعت کے وقت صرف زبان سے بیعت فرماتے تھے۔

اور بیعت کا مصافحہ دونوں ہاتھوں سے فرماتے تھے۔ چنانچہ اس روایت کے لفظ "قَدْ بَايَعْتُكِ كَلَامًا" کے تحت علامہ عینی فرماتے ہیں:

(قد بایعتک کلاما)... کان یبایع بالکلام ولا یبایع بالید کالمبایعۃ مع الرجال بالمصافحۃ بالیدین.

(عمدۃ القاری شرح البخاری:ج13 ص396 کتاب التفسیر، تحت سورۃ الممتحنۃ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم عورتوں کو زبانی بیعت کرتے تھے، ہاتھ کے ساتھ بیعت نہیں کرتے تھے جیسے مردوں کو دو ہاتھ کے مصافحہ کے ساتھ بیعت کرتے تھے۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

(قد بایعتک کلاما) ای بالکلام لا بالید کما کان یبایع الرجال بالمصافحۃ بالیدین.

(ارشادالساری: ج7 ص 380 کتاب التفسیر، تحت سورۃ الممتحنۃ)

ترجمہ: یعنی زبانی بیعت مراد ہے نہ کہ ہاتھ کے ساتھ جیسے مردوں کو دو ہاتھ کے مصافحہ کے ساتھ بیعت کرتے تھے۔

اور بوقتِ بیعت دونوں ہاتھوں کا تذکرہ دلیل نمبر3 کے تحت آ چکا ہے۔ لہذا مباکپوری صاحب کی یہ کہنا کہ "ان دونوں صاحبوں کا یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے ، انہوں نے اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں لکھی ہے" بالکل باطل ہے۔ (ایک ہاتھ سے مصافحہ: ص59) وللہ الحمد

دلیل نمبر4: تصریحات فقہاء کرام:

1: در مختار میں علامہ علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:
السنۃ فی المصافحۃ بکلتا یدیہ. (الدر المختار: ج9 ص629 باب الاستبراء وغیرہ)
ترجمہ: دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے۔
2: مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں علامہ عبد الرحمن بن محمد بن سلیمان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:
والسنۃ فی المصافحۃ بکلتا یدیہ. (مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر: ج4 ص204 کتاب الاضحیۃ)
ترجمہ: دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے۔
3: الفقہ الاسلامی و ادلۃ میں علامہ الشیخ الدکتور وہبۃ الزہیلی فرماتے ہیں:
والسنۃ فی المصافحۃ بکلتا یدیہ. (الفقہ الاسلامی و ادلۃ: ج4 ص2660 تحت لفظۃ: اللمس)
ترجمہ: دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے۔

اعتراض:

درمختار میں یہ مسئلہ کتاب "قنیہ" سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مصنف مختار بن محمود الزاہدی اعتقاداً معتزلی تھا۔ قنیہ غیر معتبر اور غیر مستند ہے۔
(ایک ہاتھ سے مصافحہ: ص12)

جواب:

قنیہ اتنی بھی غیر معتبر نہیں جتنا غیر مقلدین نے سمجھ رکھا ہے بلکہ قنیہ کا صرف وہ حوالہ غیر معتبر ہو گا جس کی تائید دیگر کتب سے نہ ہوتی ہو۔ چنانچہ علامہ عبد الحئی لکھنوی لکھتے ہیں:
و تصانیفہ غیر معتبرۃ ما لم یوجد مطابقتہا لغیرہا
(الفوائد البہیۃ لعبد الحئی اللکھنوی: ص213)
اسی طرح وہ حوالہ بھی غیر معتبر ہو گا جو دیگر کتب سے ٹکرائے۔ چنانچہ علامہ عبد الحئی لکھنوی ہی ایک مقام پر لکھتے ہیں:
لا عبرۃ لما یقولہ الزاہدی اذا خالف غیرَہ. (النافع الکبیر لعبد الحئی اللکھنوی: ص31)
مسئلہ مذکورہ کی تائید مذکورہ احادیث و آثار اور فقہ کی دیگر کتب سے ہوتی ہے ۔ پس موصوف کا شبہ باطل ہے۔ و للہ الحمد

غیر مقلدین کے دلائل

دلیل نمبر1:

احادیث میں مصافحہ کی روایات میں ہاتھوں یا ہتھیلیوں کے لیے مفرد کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً
1: حضرت عبد اللہ بن بسر کہتے ہیں: ترون یدی ہذہ؟ صافحت بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم.
(مسنداحمد: رقم الحدیث17686)
ترجمہ: تم لوگ میرے اس ہاتھ کو دیکھتے ہو؟ میں نے اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے مصافحہ کیا ہے۔
2: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: صافحت بکفی ہذہ بکف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فما مسست خزا و لا حریرا الین من کفہ. (کتاب العجالۃ فی ا لاحادیث المسلسلۃلابی الفیض الفادانی: ص12)
ترجمہ: میں نے اپنی اسی ہتھیلی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے مصافحہ کیا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی ہتھیلی سے زیادہ نہ کسی خز (ریشم اور اون سے بنُا ہوا کپڑا)کو اور نہ کسی ریشمی کپڑے کو پایا۔
(ایک ہاتھ سے مصافحہ از عبد الرحمن مبارکپوری: ص15)

جواب:

اولاً۔۔۔ مفرد کا صیغہ دو طریقوں سے استعمال ہوتا ہے:
1: بطورِ معنی مفرد یعنی اکیلے معنیٰ کے لیے
2: بطورِ معنی جنس یعنی کئی افراد کے معنیٰ کے لیے
معنی مفرد کی مثال:

حدیث مبارک میں ہے:
عن جابر بن عبد اللہ قال : أتی رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم بسارق فقطع یده.
(سنن الدار قطنی: ص562 رقم الحدیث3356 کتاب الحدودو الدیات و غیرہ)
ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس ایک چور کو لایا گیا تو آپ نے اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا۔
اس حدیث میں"یدہ" سے مراد ایک ہاتھ ہے۔

جنس کی مثال:

1: حدیث مبارک میں ہے:
اللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِی قَلْبِی نُورًا وَاجْعَلْ فِی لِسَانِی نُورًا وَاجْعَلْ فِی سَمْعِی نُورًا وَاجْعَلْ فِی بَصَرِی نُورًا
(سنن ابی داود: ج1 ص192 باب فی صلاۃ اللیل)
ترجمہ: اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرما، میری زبان میں نور پیدا فرما، میری آنکھوں میں نور پیدا فرما، میرے کانوں میں نور پیدا فرما، میری آنکھوں میں نور پیدا فرما۔

2: حدیث مبارک میں ہے:
الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ. (صحیح البخاری: ج 1ص6 باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ)
ترجمہ: کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔

3: حدیث مبارک میں ہے:
مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَراً فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ
(صحیح مسلم: ج1 ص51 باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان الخ)
ترجمہ: جو تم میں سے برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے ، یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔

4: اردو زبان میں بھی بعض مرتبہ صیغہ مفرد سے معنی جنس مراد ہوتا ہے۔ جیسے "میں نے اسے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے" اور "میں نے اپنے کان سے تمہاری بات سنی ہے" وغیرہ۔
ان احادیث میں اعضاء جسم میں سے بصر (یعنی آنکھ)، سمع (یعنی کان) اور ید (یعنی ہاتھ) اگر مفرد استعمال ہوئے ہیں لیکن ان سے مراد دونوں آنکھیں، دونوں کان اور دونوں ہاتھ ہیں۔
اس تمہید کے بعد جواب یہ ہے کہ مذکورہ احادیث جو غیر مقلدین پیش کرتے ہیں، ان میں "ید" یا "کف" سے مراد معنی مفرد نہیں بلکہ معنی جنس ہے، یعنی اس سے مراد دونوں ہاتھ ہیں۔
اس پر کئی قرائن ہیں:

قرینہ 1:

امت کا متوارث عمل دونوں ہاتھ سے مصافحہ کا ہے جیسا کہ دلائل اہلسنت و الجماعت (دلیل نمبر1) میں گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حماد بن زید، حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہم اللہ کا عمل مبارک دو ہاتھ سے مصافحہ تھا۔

قرینہ2:

فقہاء و محدثین کی تصریحات (دلائل اہلسنت و الجماعت کی دلیل نمبر4)

قرینہ3:

حدیث میں ہے:
عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ إِلاَّ غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ أَنْ يَفْتَرِقَا
(جامع الترمذی:ج2 ص102 باب ما جاء فی المصافحۃ)
ترجمہ:حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بھی دو مسلمان ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے الگ ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔
تو کیا صرف ایک ہاتھ سے گناہ جھاڑنے کی ضرورت ہے اور دوسرے ہاتھ سے گناہ

دلیل نمبر2:

کئی احادیث میں ہے کہ صحابی کہتے ہیں کہ ہم نے ایک ہاتھ سے بیعت کی اور خود تصریح کرتے ہیں کہ یہ داہنا ہاتھ تھا۔ مثلاً:

1: حضرت عمرو بن العاص سے روایت میں ہے:

فلما جعل الله الإسلام في قلبي أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله أبسط يدك لأبايعك فبسط يمينه فقبضت يدي فقال (ما لك يا عمرو) فقلت أردت أن أشترط فقال (تشترط ماذا) قلت يغفر لي قال (أما علمت يا عمرو أن الإسلام يهدم ما كان قبله وأن الهجرة تهدم ما كان قبلها (صحیح ابی عوانۃ: رقم الحدیث200)

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی حقانیت کو ڈالا تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں آیا اور عرض کی: یا رسول اللہ! اپنے ہاتھ کو بڑھائیے ،میں آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نےاپنے داہنے ہاتھ کو بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا۔ آپ نے فرمایا: اے عمرو!تجھے کیا ہوا ہے؟میں نے کہا: میری ایک شرط ہے۔ آپ نے فرمایا: کس بات کی ؟ میں نے عرض کی کہ اس بات کی کہ میری مغفرت کی جائے۔ آپ نے فرمایا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ اسلام سے پہلے جتنے گناہ ہوتے ہیں اسلام لانے سے وہ سارے ختم ہو جاتے ہیں اور ہجرت پہلے گناہوں کا ختم کر دیتی ہے۔

2: ربیعۃ بن کلثوم حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ سَمِعْتُ أَبَا غَادِيَة يَقُولُ بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُو سَعِيدٍ فَقُلْتُ لَهُ بِيَمِينِكَ قَالَ نَعَمْ (مسند احمد: رقم20666)

ترجمہ: ربیعہ بن کلثوم کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی کہ میں نے ابو غادیہ سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے بیعت کی ہے۔ میں نے ابو غادیہ سے کہا: کیا آپ نے اپنے داہنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے بیعت کی تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں۔

معلوم ہوا مصافحہ ایک ہاتھ سے ہے۔

جواب:

اولاً۔۔ بیعت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا معمول دو ہاتھ سے مصافحہ کا تھا:

1: عبد الرحمن بن رزين قال : مررنا بالربذة فقيل لنا ها هنا سلمة بن الأكوع فأتيته فسلمنا عليه فأخرج يديه فقال بايعت بهاتين نبي الله صلى الله عليه و سلم

(الادب المفرد للبخاری: ص289 باب تقبیل الید ، رقم الحدیث973)

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن رزین فرماتے ہیں کہ ہم مقامِ ربذہ کے قریب سے گزر رہے تھے کہ ہمیں بتایا گیا کہ یہاں حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ رہتے ہیں۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم سب نے ان کو سلام کیا۔ (دورانِ گفتگو) انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ نکالے (یعنی ہمیں دکھائے) اور فرمایا: ان دونوں ہاتھوں سے میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی بیعت کی ہے۔

2:علامہ بدر الدین عینی (م855ھ) فرماتے ہیں:

(قد بایعتک کلاما)۔۔ کان یبایع بالکلام و لا یبایع بالید کالمبایعۃ مع الرجال بالمصافحۃ بالیدین

(عمدۃ القاری شرح البخاری: ج13 ص396کتاب التفسیر، تحت سورۃ الممتحنۃ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم عورتوں کو زبانی بیعت کرتے تھے، ہاتھ کے ساتھ بیعت نہیں کرتے تھے جیسے مردوں کو دو ہاتھ کے مصافحہ کے ساتھ بیعت کرتے تھے۔

3: علامہ احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی (م923ھ):

(قد بایعتک کلاما) ای بالکلام لا بالید کما کان یبایع الرجال بالمصافحۃ بالیدین

(ارشادالساری: ج7 ص 380 کتاب التفسیر، تحت سورۃ الممتحنۃ)

ترجمہ: یعنی زبانی بیعت مراد ہے نہ کہ ہاتھ کے ساتھ جیسے مردوں کو دو ہاتھ کے مصافحہ کے ساتھ بیعت کرتے تھے۔

باقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے ”یمین“ (دائیں ہاتھ) کا ذکر کرنا اس وجہ سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے ”یمین“ (دائیں ہاتھ) کو صحابی کے دونوں ہاتھوں نے پکڑا تھا۔

لہٰذا مندرجہ بالا روایات میں بھی مصافحہ بیعت سے مراد دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا ہے، دایاں ہاتھ بطورِ تبرک ذکر کیا۔

دلیل نمبر3:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکہ چلے جانے کے بعد بیعۃ الرضوان ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ میرا داہنا ہاتھ عثمان کا ہاتھ ہے، پھر آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کے لیے ہے۔

اس حدیث سےبھی ایک ہاتھ کا مصافحہ کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ آپ کا ایک داہنا ہاتھ تو بجائے ایک ہاتھ عثمان کے تھا اور دوسرا خود آپ کا۔ فتفکر۔ (ایک ہاتھ سے مصافحہ از عبد الرحمٰن مبارک پوری:ص24)

جواب:

بیعت کے لیے کیا جانے والا مصافحہ دو ہاتھ سے ہوتا ہے، دلائل گزر چکے ہیں۔ رہا حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا ایک ہاتھ سے بیعت کا اظہار کرنا تو وہ اس وجہ سےنہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم ایک ہاتھ سے مصافحہ بیان کرنا چاہتے تھے بلکہ وجہ یہ تھی کہ ہاتھ بھی دو اور آدمی بھی دو، اب ایک ہاتھ ایک ہی آدمی کی طرف سے ہونا تھا۔

آپ ایک ہاتھ سے بیعت کر کے انتقامِ قتل پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نمائندگی کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔

کیا غیر مقلدین کے نزدیک ایک فوت شدہ آدمی کی طرف سے بیعت کی جا سکتی ہے؟ کیونکہ اس وقت خبر یہی مشہور تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو چکے ہیں۔

فائدہ: ہمارے بعض مشائخ کی کتب میں روحانی فیض، فوت شدہ پیر سے بیعت وغیرہ کا ذکر ملتا ہے تو غیر مقلد تڑپ اٹھتے ہیں، لیکن یہاں ایک فوت شدہ آدمی سے ایک شرعی مسئلہ کے ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ فوا اسفا

دلیل نمبر4:

لغت میں مصافحہ کا معنی ہے:

1: المصافحۃُ ہی الافضاء بصفحۃ الید الی صفحۃ الید (المرقاۃ: ج8 ص458 باب المصافحۃ و المعانقۃ)

ترجمہ: مصافحہ کا معنی ہے: ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی سے ملانا۔

2: ہی مفاعلۃ من الصفحۃ، و المراد بہا الافضاء بصفحۃ الید الی صفحۃ الید (فتح الباری: ج11 ص66 باب المصافحۃ)

ترجمہ: مصافحہ کا لفظ ''صفح'' سے ہے، اس سے مراد ایک ہتھیلی کو دوسری ہتھیلی سے ملانا۔

لہٰذا یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب انسان ایک ہاتھ سے مصافحہ کرے۔

جواب:

1: مصافحہ کا لغوی معنی کچھ بھی ہو ہم شرعی احکام میں معنی شرعی کے پابند ہیں نہ کہ معنی لغوی کے اور شرعی معنی دو ہاتھ سے مصافحہ کرنا ہے۔ لہٰذا لغوی معنی کاسہارا لے کر شرعی معنی کو نہیں چھوڑاا جا سکتا۔

2: اگر محض ہتھیلی کا ہتھیلی سے رکھنا مراد ہو تو پھر پکڑنا نہیں چاہیے بلکہ ہتھیلی کو ہتھیلی سے ملانا ہی کافی ہونا چاہیے۔

3: محض ہاتھ کا تذکرہ ہے تو اس میں ''دایاں'' کا معنی زیادہ کرنا کون سا لغوی معنی پر عمل کرنا ہے۔

4: لغوی معنی مراد لینا ہے تو حدیث میں مصافحہ کے لیےایک لفظ ''ید'' ملتا ہے اور لغت میں ''ید'' انگلیوں سے لے کر کندھے تک کو کہتے ہیں۔ چنانچہ المعجم الوسیط میں ہے:

الید: من اعضاء الجسد وھی من المنکب الی اطراف الاصابع

(المعجم الوسیط: ص1122)

کہ''الید'' (ہاتھ)جسم کا ایک عضو ہے اور یہ کندھے سے لے کر انگلیوں کے کناروں تک ہوتا ہے۔

اور القاموس الوحید(اردو) میں ہے:

الید:ہاتھ، اس کا اطلاق مونڈھے سے انگلیوں کے کنارے تک ہوتا ہے، مونث ہے۔

(القاموس الوحید: ص924)

پھر غیر مقلدین کو چاہیے کہ صرف ہاتھ نہ ملائیں بلکہ پورا بازو ملائیں تاکہ بتا چلے کہ عمل بالحدیث ہو رہا ہے۔

5: دو ہاتھ ملانے میں بھی تو ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے ہاتھ سے مل جاتی ہے تو دو ہاتھ سے مصافحہ میں بھی تو یہی لغوی معنی پایا جا رہا ہے تو غیرمقلدین کو ایک ہاتھ پر ہی اصرار کیوں؟!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سر ڈھانپ کر نماز پڑھنا

از افادات متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

اہل السنت و الجماعت کا موقف:

اہل السنت و الجماعت کے ہاں نماز پڑھتے وقت سر کو ڈھانپنا چاہیے، چاہے پگڑی کے ذریعے ہو یا ٹوپی کے ذریعے۔ ہاں اگر مجبوری ہو مثلاً کپڑا نہ مل رہا ہو تو الگ بات ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اہل السنت و الجماعت بغیر سر ڈھانپے نماز کو بالکل باطل قرار نہیں دیتے (جیسا کہ بعض غیر مقلدین یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اہل السنت و الجماعت کے ہاں ننگے سر نماز پڑھنے سے نماز باطل ہوتی ہے) بلکہ اسے خلافِ ادب، خلاف سنت، مکروہ اور نا پسندیدہ قرار دیتے ہیں۔

غیر مقلدین کا موقف:

غیر مقلدین کے اکابر کا موقف یہی ہے کہ سر ڈھانپ کر نماز پڑھی جائے ، ننگے سر نماز پڑھنا جیسا کہ آج کل یہ رسم عام پھیل رہی ہے ، اسے غیر مقلد اکابرین نے بھی بد رسم ، ہر لحاظ سے ناپسندیدہ اور مکروہ لکھا ہے۔(ان کےاقوال آگے آرہے ہیں) لیکن موجود غیر مقلدین کا ایک بہت بڑا طبقہ ننگے سر نماز پڑھتا نظر آرہا ہے اور طرفہ تماشہ یہ کہ اسے ”سنت“ سے تعبیر کرتا ہے ۔ اس موقف پر ان کے عمل کے علاوہ کتب بھی ہیں جیسا کہ حال ہی میں شائع ہونے والی ایک کتاب”کون کہتا ہے کہ ننگے سر نماز نہیں ہوتی“ مؤلفہ عبدالرحمٰن صاحب غیر مقلد کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

1 ننگے سر نماز پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ (ص 14)

2 چاہیے یہ تھا کہ حنفی علماء بھی کبھی کبھی سر ننگے جماعت کرایا کریں تاکہ لوگوں کو اس سنت صحیحہ کا علم ہوجائے۔ (ص15)

3 اس مسئلہ میں وسعت ہے ، سر ڈھانکنا بھی سنت ہے اور نہ ڈھانکنا بھی سنت ہے۔ (ص23)

دلائل اہل السنت و الجماعت:

اہل السنت و الجماعت کا موقفِ مذکور مندرجہ ذیل دلائل سے ثابت ہے۔

دلیل نمبر1:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ•

(الاعراف:31)

ترجمہ: ہر نماز کے وقت خوبصورت لباس پہنو۔

آیت کی تفسیر و تشریح:

1: علامہ ابن تیمیہ الحنبلی رحمہ اللہ (م728ھ) لکھتے ہیں:

وَاللّٰهُ تَعَالَى أَمَرَ بِقَدْرٍ زَائِدٍ عَلَى سَتْرِ الْعَوْرَةِ فِي الصَّلَاةِ، وَهُوَ أَخْذُ الزِّينَةِ، فَقَالَ: (خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ) فَعَلَّقَ الْأَمْرَ بِاسْمِ الزِّينَةِ لَا بِسَتْرِ الْعَوْرَةِ•

(الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیہ: ج5 ص326)

ترجمہ:اللہ تعالیٰ نے نماز کے لیے ستر عورت(اعضاءستر کے ڈھانپنے)کے علاوہ ایک زائد حکم بھی دیاہے اوروہ ہے اچھا لباس پہننا، چنانچہ فرمایا کہ ہر نماز کے وقت خوبصورت لباس پہنو۔

اور اس کی تشریح خود حنبلی مذہب میں یوں ہے:

قال التميمي الثوب الواحد يجزئ والثوبان أحسن والأربع أكمل : قميص وسراويل وعمامة وإزار•

(المغنی لابن قدامہ: ج2ص136)

ترجمہ:ابو الحسن التمیمی فرماتے ہیں: ایک کپڑا نماز کے جواز کے لیے کافی ہے دوکپڑے بہتر ہیں چارکپڑے ہوں تونماز اورزیادہ کامل ہوگی ،چارکپڑے یہ ہیں قمیض، پاجامہ، پگڑی اورتہبند۔

2: شیخ الاسلام الشیخ محمد زاہد بن الحسن الکوثری رحمۃ اللہ علیہ (م1371ھ)فرماتے ہیں :

ولا شک ان الفظ الزینۃ یتناول غطاء الروؤس تناولا اولیا فیکون ماموربہ فی الآیۃ وتوھم

اقتصار الآیۃ علی سبب نزولھا من زجر اھل الجاھلیۃ الذین کانوا یطوفون بالکعبۃ وھم عراۃ من جمیع ملابسھم ابتعاد عن منھج اھل الاستنباط من ان العبر بشمول اللفظ لا بخصوص السبب ولذا تری اھل المذاہب مجمعین علی استحباب لبس القلنسوۃ والرداء والازار فی الصلاۃ کما شرح المنیۃ 349 ومجموع النووی ص3-173 وغیرھما•

(مقالات الکوثری: ص 171)

ترجمہ: اور یہ وہم کرنا کہ ’’یہ آیت تو جاہلیت کے لوگوں کو کعبے کاتمام کپڑے اتار کا ننگا طواف کرنے پر تنبیہ کرنے کے لیے نازل ہوئی تھی لہذا اس کا حکم ننگے طواف کرنے کے ساتھ خاص رہے گا‘‘ یہ استنباط کے بنیادی اصول سے بہت دور کی بات ہے، کیونکہ اعتبار لفظ کے شامل ہونے کا ہوتا ہے نہ کہ سبب کے خاص ہونے کا اور اسی وجہ سے آپ دیکھتے ہیں کہ تمام مسالک کے حضرات ٹوپی، قمیص اور پائجامہ میں نماز پڑھنے کے مستحب ہونے پر متفق ہیں، جیسے کہ منیہ کی شرح: ص 349 اور مجموع النووی: ج3ص 173 وغیرہ میں مذکور ہے۔

3: شیخ محمد بن صالح بن محمد عثیمین لکھتے ہیں :

والذی جاء فی القرآن (يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ)(اعراف) فامر اللہ تعالی باخذ الزینۃ عند الصلاۃ واقل ما یمکن لباس یواری السواۃ وما زاد علی ذالک فھو فضل والسنۃ بینت ذلک علی سبیل التفصیل واذا کان الانسان یستحی ان یقابل ملکا من الملوک بثیاب لاتستر اونصف بدنہ ظاھر فکیف لا یستحی ان یقف بین یدی ملک الملوک عزوجل بثیاب غیر مطلوب منہ ان یلبسھا ولھذا قال عبد اللہ بن عمر تخرج الی الناس وانت حاسرا لراس؟ قال: لا، قال: فاللہ احق ان تتجمل لہ ھذا صحیح لمن عادتھم انھم لا یحسرون عن رؤوسھم•

(الشرح الممتع علی زاد المستقنع للعثیمین باب شروط الصلاۃ منھا العورۃ)

ترجمہ: اور قرآن مجید میں ارشاد ہے: اے بنی آدم! ہر سجدہ کے وقت (یعنی نماز) اپنی زینت لے لیا کرو۔ پس اللہ تعالی نے اس آیت میں نماز کے وقت زینت اختیار کرنے کا حکم فرمایا جس کا کم از کم درجہ ایسا لباس ہے جس سے ستر چھپ جائے اور اس سے زیادہ لباس کی فضیلت ہے اور سنت نے اس کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے اور جب انسان اس بات سے شرم کرتا ہے کہ وہ بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کے سامنے ایسے کپڑوں میں آئے جو ستر کو چھپائے ہوئے نہ ہو یا اس کے بدن کا آدھا حصہ کپڑوں سے چھپا ہوا نہ ہو تو انسان کو اس بات سے کیوں نہیں شرم آنی چاہیے کہ وہ تمام بادشاہوں کے بادشاہ اللہ عزوجل کے سامنے ایسے کپڑوں میں کھڑا ہو جس کا پہننا اس کی طرف سے مطلوب نہیں ۔اور اسی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام حضرت نافع سے جب انہیں ننگے سر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا، فرمایا تھا کہ اپنا سر ڈھانک لیجئے کیا آپ لوگوں کے سامنے ننگے سر جانا گوارہ کریں گے ؟ نافع نے کہا کہ نہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالی تو دوسروں کے مقابلے میں جمال وزینت کے زیادہ مستحق ہیں ۔اور یہ بات ان لوگوں کے لیے صحیح ہے جن کی عادت یہ ہے کہ وہ اپنے سر ننگے نہیں کرتے اور لوگوں کے سامنے ننگے سر جانا گوارہ نہیں کرتے۔

4: غیرمقلد عالم جناب سید نذیرحسین دہلوی لکھتے ہیں:

اس آیت﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ سے ثابت ہواکہ ٹوپی اورعمامہ سے نمازپڑھنا اولیٰ ہے، کیونکہ لباس سے زینت ہے اگر عمامہ یا ٹوپی رہتے ہوئے تکاسلا۔(سستی کی وجہ سے)برہنہ(سر)نماز پڑھے تومکروہ ہے۔

(فتاویٰ نذیریہ ج 1ص240)

ایک اورمقام پرلکھتے ہیں:

احکم الحاکمین نے اپنے دربارمیں حاضر ہونے کی نسبت یہ حکم کیاہے کہ ﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ یعنی تم لوگ ہر نماز کے وقت اپنے کپڑے لے لیاکرو یعنی کپڑے پہن کرنماز پڑھاکرواورکپڑے میں عمامہ بھی داخل ہے کیونکہ عمامہ ایک مسنون کپڑاہے۔

(فتاویٰ نذیریہ ج3ص373)

5: غیرمقلد عالم عبیداللہ خان عفیف لکھتے ہیں:

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَى الآیۃ• يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ الآیۃ•

کوئی ان دونوں آیات کی جوبھی تفسیر کرے مگر ان دونوں کے اطلاق اورعموم سے علی

~~الاقل الحکم لعموم اللفظ لا بخصوص السبب، پورا لباس زیب تن نمازپڑھنانماز کی شان اوراس کے~~ آداب میں شامل ہے اورہمارے عرف میں تین کپڑے پگڑی، تہبنداورقمیض پورالباس کہلاتے ہیں۔
(فتاویٰ محمدیہ ترتیب غیرمقلد عالم مولوی مبشر احمد ربانی ج1ص379)

دلیل نمبر2:

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:
رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ فِي الشِّتَاءِ فَرَأَيْتُهُمْ فِي الْبَرَانِسِ وَالأَكْسِيَةِ، وَأَيْدِيهُمْ فِيهَا•
(المعجم الکبیر للطبرانی: ج9 ص157 حدیث نمبر 17564)

ترجمہ: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سردی کے موسم میں حاضر ہوا تو میں نے ان کو دیکھا کہ وہ لمبی ٹوپیوں اور چادروں میں (نماز پڑھتے) تھے اور ان کے ہاتھ چادروں کے اندر رہتے تھے۔

دلیل نمبر3:

حضرت فَلتان بن عاصم الجرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:
اتیت النبي صلى الله عليه و سلم فرأيتهم يصلون في الأكسية و البرانس وأيديهم فيها من البرد•
(معجم الصحابۃ لابن قانع : ج2ص152 رقم الحدیث 1372)

ترجمہ:میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے(حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام)کو دیکھا کہ وہ چادریں اوڑھے اور ٹوپیاں پہنے نماز پڑھ رہے تھے اور ان کے ہاتھ سردی کی وجہ سے چادروں کے اندر تھے ۔

دلیل نمبر 4:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ دَهْنَ رَأْسِهِ وَتَسْرِيحَ لِحْيَتِهِ ، وَيُكْثِرُ الْقِنَاعَ حَتَّى كَأَنَّ ثَوْبَهُ ثَوْبُ زَيَّاتٍ.
(شمائل الترمذی:ص4-باب ما جاء فی ترجل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک پر کثرت سے تیل لگایا کرتے تھے اور داڑھی مبارک میں کثرت سے کنگا کیا کرتے تھے اور سر پر کثرت سے کپڑا اوڑھے رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ کا وہ کپڑا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا تیلی کا کپڑا ہے۔

دلیل نمبر5:

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت ہے:
ما رایت احد ادوم قناعا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی کَاَنَّ مِلْحَفَتَہ مِلْحَفَۃُ زیّات•
(تاریخ بغداد: ج5 ص372 تحت ترجمۃ بکربن السَّمَیْدَعِ ابو الحسن)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو ہمیشگی کے ساتھ سر ڈھانپتے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ آپ کا رومال تیلی کے رومال کی طرح ہوتا تھا ۔

دلیل نمبر6:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:
کا ن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر القناع ویکثر الدھن راسہ ویسرح لحیتہ بالماء•
(شعب الایمان للبیہقی: ج5 ص226 فصل فی اکرام الشعر)

ترجمہ:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر پر کثرت سے رومال اوڑھ رکھتے تھے اور سر مبارک پر کثرت سے تیل لگایا کرتے تھے اور اپنی داڑھی کو پانی سے صاف فرمایا کرتے تھے۔

فائدہ: اس روایت میں سر ڈھانکے جانے والے کپڑے کے بارے میں تیل کے اثرات کا ذکر نہیں جس سے معلوم ہوا کہ آپ کے معمول میں یہ تین کام مستقلاً تھے یعنی [1] ہمیشہ سر ڈھانپنا [2] تیل لگانا[3] ڈاڑھی کو پانی سے صاف کرنا۔ لہذا یہ کہنا درست نہ ہو گا کہ "حضور صلی اللہ علیہ و سلم کپڑا صرف اس لیے رکھتے تھے کہ چونکہ آپ ہمیشہ تیل لگایا کرتے تھے" اس لیے کہ اس روایت میں یہ کام مستقلاً ثابت ہو رہا ہے۔

نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم جب خارج صلاۃ سر ڈھانپنے کا اتنا اہتمام فرماتے تھے تو داخلِ صلاۃ (جو کہ احکم الحاکمین کے سامنے حاضری کی حالت ہے) اس کا

کس قدر اہتمام فرماتے ہوں گے۔ فتفکر

دلیل نمبر7:

عَنْ عَلِيٍّ ، قَالَ : إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَحْسِرِ الْعِمَامَةَ عَنْ جَبْهَتِهِ.(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج2ص500باب من کرہ السجود علی کور العمامۃ)

ترجمہ:حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایاکہ جب تم میں سے کوئی ایک نماز پڑھے تواپنی پیشانی سے پگڑی کو ہٹائے۔

دلیل نمبر8:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ ؛ أَنَّهُ كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلاَةِ حَسَرَ الْعِمَامَةَ عَنْ جَبْهَتِهِ.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج2ص499 باب من کرہ السجود علی کور العمامۃ)

ترجمہ:حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تواپنی پیشانی سے پگڑی ہٹالیتے۔

دلیل نمبر9:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَقَالَ الْحَسَنُ كَانَ الْقَوْمُ يَسْجُدُونَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَيَدَاهُ فِي كُمِّهِ•

(صحیح البخاری: ج1 ص56 باب السجود علی الثوب فی شدۃ الحر)

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قوم (یعنی صحابہ کرام زمین کے گرم ہونے کی وجہ سے)عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرتے تھے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عَنِ الْحَسَنِ ، قَالَ : إِنَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَسْجُدُونَ وَأَيْدِيهِمْ فِي ثِيَابِهِمْ ، وَيَسْجُدُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ عَلَى عِمَامَتِهِ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج2ص497 باب فی الرجل یسجد ویداہ فی ثوبہ)

ترجمہ: امام حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آنحضرتﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نماز میں سجدہ کرتے تھے ان کے ہاتھ کپڑوں میں ہوتے اور ان میں سے کوئی آدمی اپنی ٹوپی اورپگڑی پرسجدہ کرتاتھا۔

دلیل نمبر10:

حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں :

رَأَيْتُ الأَسْوَدَ يُصَلِّي فِي بُرْنُسِ طَيَالِسِهِ ، يَسْجُدُ فِيهِ ، وَرَأَيْت عَبْدَ الرَّحْمَن ، يَعْنِي ابْنَ يَزِيدَ ، يُصَلِّي فِي بُرْنُسٍ شَامِيٍّ يَسْجُدُ فِيهِ.

مصنف ابن ابی شیبہ: ج2 ص495، 496 باب فی الرجل یسجد و یداہ فی ثوبہ

ترجمہ:میں نے حضرت اسود کو دیکھا کہ وہ اپنی چادر کے ساتھ جڑی ہوئی ٹوپی میں نماز پڑھ رہے تھے اور سجدہ بھی اسی میں کر رہے تھے اور میں نے عبد الرحمن بن یزید کو شامی لمبی ٹوپی میں نماز پڑھتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔

مذاہبِ اربعہ کے حوالہ جات:

مذہبِ حنفی:

1: والمستحب أن يصلي في ثلاثة ثياب من أحسن ثيابه قميص وأزرار وعمامة•

(مراقی الفلاح لحسن بن عمار الشرنبلالی: ص124)

ترجمہ: مستحب یہ ہے کہ خوبصورت کپڑوں میں نماز ادا کی جائے یعنی قمیص، تہبند اور پگڑی میں۔

2: لو صلى مكشوف الرأس، وهو يجد ما يستر به الرأس؛ إن كان تهاوناً بالصلاة يكره•

(المحیط البرہانی:ج5 ص137)

ترجمہ: اگر سر ڈھانپنے کے لیے کپڑا موجود ہو اس کے باوجود اسے محض اہمیت نہ دیتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھے تو یہ مکروہ ہے۔

مذہبِ مالکی:

والسنۃ فی حق الرجل ان یستُر جمیع جسدہ علی الوجہ المشروع فیہ فہو مطلوب بذلک لاجل الامتثال ثم العمامۃ علی صفتہا کما تقدم ذکرہ• (المدخل لابن الحجاج: ج1 ص142 فصل فی اللباس)

~~ترجمہ: مرد کے حق میں سنت یہ ہے کہ وہ شرعی طریقہ کے مطابق اپنے جسم کو ڈھانپے اور اللہ~~
کے احکام کی بجا آوری کے پیش نظر یہی بات مطلوب ہے، پھر بیان کردہ طریقہ کے مطابق پگڑی باندھ کر سر کو ڈھانپا جائے جیسا کہ اس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔

مذہبِ شافعی:

1: قال أصحابنا يستحب ان يصلي الرجل في أحسن ثيابه المتيسرة له ويتقمص ويتعمم•

(المجموع شرح المہذب للنووی: ج4ص196 باب ستر العورۃ)

ترجمہ: ہمارے حضرات شوافع کہتے ہیں کہ آدمی کو جو خوبصورت لباس میسر ہو وہ پہن کر نماز پڑھے، قمیض بھی پہنے اور پگڑی بھی باندھے۔

2: وَيُسَنُّ لِلرَّجُلِ أَنْ يَلْبَسَ لِلصَّلَاةِ أَحْسَنَ ثِيَابِهِ وَيَتَقَمَّصَ وَيَتَعَمَّمَ•

(تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج: ج6 ص265 باب شروط الصلاۃ)

ترجمہ: آدمی کے لیے نماز میں اچھے سے اچھا لباس پہننا سنت ہے ، قمیص پہنے، پگڑی کے ساتھ سر کو ڈھانپے۔

3: ويسن لرجل والإمام أبلغ أن يصلى في ثوبين مع ستر رأسه ولا يكره في ثوب واحد يستر ما يجب ستره•

(الاقناع لمحمد الشربینی: ج1 ص88)

ترجمہ: آدمی کے لیے سنت یہ ہے کہ دو کپڑوں میں نماز پڑھے اور سر بھی ڈھانپے، اور امام کے لیے تو یہ حکم اور بھی زیادہ تاکید رکھتا ہے اور ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جس سے واجب ستر ڈھانکا جا سکے، مکروہ نہیں ہے۔

مذہبِ حنبلی:

ويستحب للرجل حرا كان أو عبدا أن يصلي في ثوبين ذكره بعضهم إجماعا. قال ابن تميم وغيره مع ستر رأسه بعمامة•

(المبدع شرح المقنع لبرہان الدین ابراہیم بن محمد:ج1 ص312)

ترجمہ: آزاد یا غلام کے لیے دو کپڑوں میں نماز پڑھنا مستحب ہے اور بعض علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ابن تمیم وغیرہ نے کہا ہے کہ پگڑی کے ساتھ سر کو چھپانے کے علاوہ دو کپڑے مراد ہیں۔

غیر مقلدین کے اکابر کی تصریحات:

[1]: سید نذیرحسین دہلوی صاحب:

آپ لکھتے ہیں:

اس میں کلام نہیں کہ عمامہ کے ساتھ نماز پڑھناافضل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ وصحابہ کرامﷺ ومن بعد هم عام طورعمامہ کی موجودگی میں عمامہ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے حضرت امام مالک فرماتے ہیں:

ادرکتُ فی مسجدِ رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سبعین مُحَنَّکًا و اِنَّ احدَہم لَو ائتُمِنَ علٰی بیت المال لکان بہ امیناً•

ترجمہ: حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ کی مسجد میں ستر کے قریب آدمی دیکھے جنہوں نے سرپرپگڑیاں باندھ رکھی تھی اوران میں سے ایک اس درجہ کا آدمی تھاکہ اگر اس بیت المال پرامین بنایاجائے توامین ثابت ہو،علمانے بھی یہ لکھاہے کہ نماز باعمامہ مستحب وافضل ہے۔

”رفع الالتباس عن مسائل اللباس“ میں ہے: شک نہیں کہ نماز باعمامہ کوبے عمامہ پرفضیلت ہے باعتباروقاروسکینہ واتباع سنت کے،حدیث عبادہ میں فرمایاہے کہ:

علیکم بالعِمامۃ فانها سِیْمَاءُ الملائکۃ•

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ:پگڑی سرپررکھاکروکیونکہ یہ فرشتوں کالباس ہے

اورحدیث رکانہ میں فرمایا ہے:

فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس (رواہ الترمذی)

ترجمہ:رسول اللہﷺ نے فرمایاہمارے اورمشرکین کے درمیان یہ فرق ہے کہ ہمارے عماموں کے

نیچے ٹوپیاں ہوتی ہیں......

ایک اورفتویٰ میں لکھاہے کہ : جمعہ کی نماز ہویاکوئی اورنماز رسول اللہﷺ اورصحابہ کرامؓ عمامہ باندھ کرنماز پڑھتے تھے اورعمامہ باندھنادربار شاہی کے منافی نہیں ہے بلکہ اسی شہنشاہ احکم الحاکمین نے اپنے دربارمیں حاضر ہونے کی نسبت یہ حکم کیاہے کہ﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ یعنی تم لوگ ہرنماز کے وقت اپنے کپڑے لے لیاکرو یعنی اپنے کپڑے پہن کرنماز پڑھاکرو اورکپڑے میں عمامہ بھی داخل ہے کیونکہ عمامہ ایک مسنون کپڑاہے۔

(فتاویٰ نذیریہ: ج3ص372، 373)

[2]: ثناءاللہ امرتسری صاحب:

موصوف لکھتے ہیں:

صحیح مسنون طریقہ نماز کاوہی ہے جوآنحضرت ﷺ سے بالدوام ثابت ہواہے یعنی بدن پرکپڑے اورسرڈھکاہواہوپگڑی سے یاٹوپی سے۔

(فتاویٰ ثنائیہ: ج1ص522 تا 523)

[3]: سید محمدداؤد غزنوی صاحب:

آپ نے اپنے والد بزرگوار امام عبدالجبار کاننگے سرنماز کے خلاف فتویٰ نقل کرکے آخر میں اپنی رائے کایوں اظہارکیاہے:

ابتداءعہد اسلام کوچھوڑ کرجب کہ کپڑوں کی قلت تھی اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گذری جس میں باصراحت یہ مذکورہوکہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے یاصحابہ کرام نے مسجدمیں اوروہ بھی نماز باجماعت میں ننگے سرنماز پڑھی ہوچہ جائیکہ معمول بنالیاہو، اس لیے اس بدرسم کوجوپھیل رہی ہے بند کرناچاہیے۔

اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تونماز مکروہ ہوگی، اگر تعبد اورخضوع وخشوع وعاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تویہ نصاریٰ کے ساتھ تشبہ ہوگا، اسلام میں ننگے سر رھناسوائے احرام کے تعبد یاخضوع وخشوع کی علامت نہیں اوراگر کسل و سستی کی وجہ سے ہے تومنافقوں کی ایک خلقت سے تشابہ ہوگا۔ وَلاَ يَأْتُونَ إِلاَّ وَهُمْ كُسَالَىٰ (نماز کوآتے ہیں توسست اورکاہل ہوکر)غرض ہرلحاظ سے یہ ناپسند یدہ عمل ہے۔

(ہفت روزہ الاعتصام ج11شمارہ نمبر18 وفتاویٰ علمائے حدیث: ج4ص291)

[4]: عبدالمجیدسوہدروی صاحب:

لکھتےہیں: بطورفیشن لاپرواہی اورتعصب کی بناءپر مستقل اورابدالآباد کے لیے یہ (ننگے سر نمازپڑھنے والی)عادت بنالیناجیسا کہ آج کل دھڑلے سے کیاجارہاہے ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے نبیﷺ نے خود یہ عمل نہیں کیا۔

(اہلحدیث سوہدرہ ج15شمارہ22وفتاوی علمائے حدیث: ج4ص281)

[5]: ابوسعید شرف الدین دہلوی:

آپ لکھتے ہیں: بحکم ﴿خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾اور رسول اللہﷺ کاسرپرعمامہ رکھنے سے عمامہ سنت ہے اورہمیشہ ننگے سرکونماز کاشعاربنانابھی ایجادبندہ ہے(یعنی بدعت ہے)اورخلاف سنت ہے گاہے چنیں جس کاحکم اورہے شعارکااورپس اول جائز ثانی ایجاد۔

(فتاویٰ ثنائیہ: ج1ص590)

مزید لکھتے ہیں:

بعض کاشیوہ ہے کہ گھر سے ٹوپی یاپگڑی سرپررکھ کرآتے ہیں اورٹوپی یاپگڑی قصدااتارکرننگے سرنماز پڑھنے کواپناشعار بنارکھاہے اورپھراس کوسنت کہتے ہیں بالکل غلط ہے یہ فعل سنت سے ثابت نہیں ہاں اس فعل کومطلقا ناجائز کہنابھی بیوقوفی ہے۔ [ہم بھی مطلقاً عدم جواز کے قائل نہیں کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے جائز ہے ۔ناقل] ایسے ہی برہنہ سرکوبلاوجہ شعاربنانابھی خلاف سنت ہے اورخلاف سنت بے وقوفی ہی توہوتی ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ: ج1ص521)

[6]: مولوی محمد اسماعیل سلفی:

موصوف نے ننگے سرنماز کی عادت کے خلاف بڑاطویل،مدلل،زوردار اورفکرانگیزفتویٰ دیاہے، چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

ننگے سرنماز کی عادت، عقل اورفہم کے خلاف ہے عقل مند اورمتدین آدمی کواس سے پرہیز کرناچاہیے۔

آنحضرتﷺ صحابہ کرامؓ اوراہل علم کاطریقہ وہی ہے جواب تک مساجد میں متوارث اور معمول بہاہے کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گزری جس سے اس عادت کاجواز ثابت ہوخصوصاًباجماعت فرائض میں بلکہ عادت مبارک یہی تھی کہ پورے لباس سے نماز ادا فرماتے تھے عام ذہن کے لوگوں کو(فی ثوب واحد)اس قسم کی احادیث سے غلطی لگی ہے کہ ایک کپڑے میں نماز(ادا)کی جائے توسرننگارہے گاحالانکہ ایک کپڑے کواگر پوری طرح لپیٹاجائے تو سر ڈھکاجاسکتاہے۔غرض کسی حدیث سے بھی بلاعذرننگے سرنماز کوعادت اختیارکرناثابت نہیں محض بے عملی یابدعملی یاکس کی وجہ سے یہ رواج پڑرہاہے بلکہ جہلاتواسے سنت سمجھنے لگے ہیں العیاذ باللہ کپڑاموجود ہوتوسر ننگے نماز اداکرنایاضد سے ہوگایاقلت عقل سے نیز یہ ثابت ہوتاہے کہ اچھے کپڑوں کے ساتھ تجمل سے نماز پڑھنامستحب اورمسنون ہے آیت ﴿ خُذُوا زِينَتَكُمْ ﴾ کے مضمون سے بھی اسی سے وضاحت ہوجاتی ہے۔ ان تمام گزارشات سے مقصد یہ ہے کہ سر ننگارکھنے کی عادت اوربلاوجہ ایساکرنااچھافعل نہیں یہ عمل فیشن کے طورپرروز بروز بڑھ رہاہے یہ اوربھی نامناسب ہے۔۔

ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل وفراست سے متعلق ہے اگر اس جنس لطیف سے طبعیت محروم نہ ہوتوننگے سرنمازویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔

(فتاویٰ علماءحدیث ج4ص286تا289)

[7]: مولوی عبدالستار:

نائب مفتی محکمۃ القضاء الاسلامیہ ، جماعت غرباءاہلحدیث لکھتے ہیں:

ٹوپی یاعمامہ کے ساتھ نماز پڑھنی اولیٰ وافضل ہے کیونکہ ٹوپی اورعمامہ باعث زیب وزینت ہے۔

(فتاویٰ ستاریہ ج3ص59)

[8]: سید محب اللہ شاہ راشدی:

سید محب اللہ شاہ راشدی غیرمقلد نے حافظ نعیم الحق نعیم کے فتویٰ کہ ننگے سرنماز ہوجاتی ہے، کارد بڑے پرزورانداز اورتحقیقی لب ولہجہ سے کیاہے فتوی بڑاطویل ہے، چند اقتباسات حاضرخدمت ہیں:

”یہ کہنا کہ سر ڈھانپنے پر پسندیدہ ہونے کاحکم نہیں لگایاجاسکتاہے، اس سے راقم الحروف کو اختلاف احادیث کے تبتع سے معلوم ہوتاہے کہ اکثر وبیشتر اوقات آنحضرتﷺ اورصحابہ کرامؓ سرپرعمامہ باندھے رہتے یاٹوپیاں ہوتی تھیں اورراقم الحروف کے علم کی حدتک سوائے حج وعمرہ کوئی ایسی صحیح حدیث دیکھنے میں نہیں آئی جس میں یہ ہوکہ آنحضرت ﷺ ننگے سر گھومتے پھرتے تھے یا کبھی سرمبارک پرعمامہ وغیرہ تھالیکن مسجد میں آکرعمامہ وغیرہ اتارکررکھ لیااورننگے سرنمازپڑھنی شروع کی۔

اگر یہ آنحضرتﷺ کاپسندیدہ معمول نہ ہوتاتو جس طرح سرپرعمامہ یاٹوپی کاثبوت مل رہاہے اس طرح ننگے سر چلتے پھرتے رہنے یاننگے سرنماز پڑھنے کے متعلق بھی روایات ضرورمل جاتیں لیکن اس قسم کی ایک روایت بھی میرے علم میں نہیں آئی، جب یہ آنحضرتﷺ کاپسندیدہ معمول ہواتویہ عمل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کاپسند ہوگا۔سرڈھانپ کرچلتے پھرتے یانمازوغیرہ پڑھنے کوپسندیدہ قرارنہ دیناصحیح معلوم نہیں ہوتا اسی طرح ہم نے بڑے بڑے علماءوفضلاءکو دیکھا کہ وہ اکثر وبیشتر سرڈھانپ کرچلتے پھرتے اور نماز پڑھتے ہیں یہ آج کل جونئی نسل خصوصا اہل حدیث جماعت کے افراد کامعمول بنارکھاہے اسے چلتے ہوئے فیشن کااتباع توکہاجاسکتاہے۔ مسنون نہیں یاکسی چیز کے جائز ہونے کایہ مطلب ہے کہ مندوبات و مستحبات کوبالکل ترک کر دیا جائے لیکن آج کل کے معمول سے تویہ ظاہر ہورہاہے کہ کتب احادیث میں جوجومندوبات ومستحبات، سنن ونوافل کے ابواب موجود ہیں یہ سراسر فضول ہیں اورہمیں صرف جواز اور رُخص پر ہی عمل کرناہے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے ہمیں کیاضرورت پڑی ہے کہ ان(یعنی حنفیوں) کے لیے مستحبات کاخاتمہ بھی کردیں اورننگے سر نماز پڑھنے کاکوئی دائمی معمول بنالیںپھراگر یہی مقصودتھا تو گھر سے ہی ننے سر آتے اورنماز پڑھ لیتے لیکن یہ عجیب طرفہ تماشا ہے کہ گھر

سے توٹوپی وغیرہ سر پررکھ آتے ہیں لیکن مسجد میں داخل ہوکرسرسے ٹوپی وغیرہ اتارکرایک طرف رکھ دیتے ہیں۔ اورنماز شروع کردیتے ہیں۔اب عوام میں یہ غلط فہمی پھیلتی جاتی ہے کہ گھر سے توٹوپی وغیرہ سرپررکھ کر آنا چاہیے لیکن مسجد میں آکراس کو اتار دینا چاہیے اورننگے سرہی نمازپڑھنی چاہیے۔ کیونکہ یہی سنت رسول ﷺ ہے اس لیے کہ اہلحدیث جماعت کے بہت سے افراد کااس پرعمل ہے۔اب آپ ہی سوچیں کہ یہ کتنی بڑی غلطی ہے اوریہ محض اہلحدیثوں کے طرز عمل سے ہی پیداہورہی ہے حالانکہ صحیح توکجامجھے توایسی ضعیف حدیث بھی نہیں ملی جس میں یہ ہوکہ آنحضرت ﷺ گھرسے تواس حال میں نکلے کہ سرپرعمامہ وغیرہ تھالیکن مسجد میں آتے ہی اس کو اتار لیا اور ننگے سرنماز پڑھی، پھراس کودائمی اورمستمرہ معمولات میں سے بنانے کی وجہ سے لوگوں کوکیایہ خیال نہ گزرتاہوگاکہ آنحضرت ﷺ کی سنت ہے تواس غلط فہمی کے دورکرنے کے لیے بھی کیایہ اہم وپسندیدہ بات نہیں کہ اکثر وبیشتر سرڈھانپ دیاجائے خواہ نمازمیں خواہ اس سے باہر تاکہ یہ غلطی رفع ہوجائے۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے جواز کے ثبوت سے اس کانزلہ یہ حضرات صرف اسی بیچاری ٹوپی وغیرہ پرہی کیوں گرانے پرمصرہیں۔ اگر ننگے سر نماز پڑھنے کے مسنون ہونے کامدارآپ حضرات ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی حدیث پرہی رکھتے ہیں توبسم اللہ آپ گھر سے ہی ایک کپڑے میں آئیں اور نماز بھی پڑھ لیں اوریہ اچھی ستم ظریفی ہے کہ گھر سے توقمیض،شلوار،کوٹ، وغیرہ پہن کرآتے ہیں اورمسجد میں دخول کے بعد صرف پگڑی یاٹوپی اتارکرنمازپڑھنی شروع کردی، یاللعجب۔

مجھے توسرڈھانپنا ہرحال میں بہتر اولی اورمستحب و مندوب نظرآتاہے۔

(الاعتصام، مجریہ22 دسمبر 1989ءج45شمارہ27)

[10]: مولوی عبیدا للہ عفیف:

موصوف لکھتے ہیں:

قرآن مجید کے اطلاق، رسول اللہ ﷺ کے ارشاد،صحابہ کرامؓ کی تصریحات، شارحین حدیث کی تحقیقات اورشیخ امام ابن تیمیہ ودیگر مفتیان عظام کے فتاویٰ جات زیب قرطاس کرنے کے بعد اتمام حجت کے طورپرعملی توارث بھی پیش کردینا نامناسب نہ ہوگاسوواضح رہے کہ رسول اللہﷺ صحابہ کرام سلف صالحین اوراہل علم کاطریق وہی رہاہے جو شروع سے اب تک مساجد میں متوارث ومعمول بہاچلاآرہاہے یعنی رسول اللہﷺ اورسلف صالحین کی عادت یہی تھی کہ پگڑی یاٹوپی سمیت پورے لباس میں نماز ادافرماتے تھے لیجئے پڑھیئے اوراس غلط رواج پرکچھ غورفرمائیے!

ایک اورمقام پرلکھتے ہیں:

خلاصہ کلام یہ ہے اس (ننگے سر نماز پڑھنے)کورسول اللہﷺ کی سنت اورعادت مبارک سمجھنا صحیح نہیں بلکہ اس جواز کوشعاربنالینابد رسم اورایجادبندہ(یعنی بدعت) ہے اورعافیت اس کے ترک ہی میں ہے۔ پس پورالباس قمیض،تہبنداورپگڑی وغیرہ پہن کراوربن ٹھن کرنماز پڑھنی چاہیے،کیونکہ رسول اللہﷺ کی عادت مستمرہ اورسلف وخلف اہل علم کامتواترعمل یہی رہاہے کہ وہ پگڑی اورٹوپیوں کے ساتھ نمازپڑھاکرتے تھے اوریہی طریق سنت اورافضل ہے۔ کوئی ایسی مرفوع حدیث صحیح اورصریح میرے ناقص علم ومطالعہ میں نہیں گزری جس سے اس عادت اور فیشن کاثبوت ملتا ہوچہ جائے کہ اس رواج اوربدرسم کوسنت کہاجائے یااس کوسنت باورکرانے کے لیے اشہب قلم کو مہمیز کی جائے اوراضطراب کاباب اس سے الگ ہے۔

(فتاویٰ محمدیہ بترتیب مبشر احمد ربانی: ج1ص385)

غیر مقلدین کے شبہات

غیر مقلدین اس مسئلہ میں چند شبہات پیش کرتے ہیں اور احادیث وآثار سے غلط استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً

شبہ نمبر1:

حضرت عمر وبن ابی سلمہ سے روایت ہے :

رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی ثوب واحد مشتملاً بہ فی بیت ام سلمۃ•

(بخاری ومسلم)

غیر مقلدین کہتے ہیں : عربی میں ”اشتمال“ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک چادر بدن پر اس طرح لپیٹی جائے کہ دائیں طرف کا کنارہ بائیں طرف کے کندھے پر لے جاکر گردن کے پیچھے سےدونوں کونوں کو باندھ دیتے ہیں۔ اس صورت میں ضرور دونوں بازو اور سر بھی ننگا ہوتا ہے۔

(کون کہتا ہے ؟:ص 15)

جواب نمبر1:

اس حدیث کا مطلب سمجھنے کےلیے ایک اور حدیث دیکھی جائے گی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رأيته يصلي في ثوب واحد مُتَوَشِّحًا به•

(صحيح مسلم: رقم الحديث518)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو دیکھا کہ آپ ایک کپڑے کے دونوں کنارے اپنے اوپر الٹ پلٹ کیے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

اس حدیث کے لفظ ”تو شیخ“ کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ پورے بدن کو لمبے کپڑے سے اس طرح ڈھانپا جائے کہ سر پر بھی یہ کپڑا آجائے۔ چنانچہ البحر الرائق میں ہے :

التَّوْشِيحُ أَنْ يَكُونَ الثَّوْبُ طَوِيلاً يَتَوَشَّحُ بِهِ فَيَجْعَلُ بَعْضَهُ على رَأْسِهِ وَبَعْضَهُ على مَنْكِبَيْهِ وَعَلَى كل مَوْضِعٍ من بَدَنِهِ

(البحر الرائق: ج2 ص44باب ما يفسد الصلاة و ما يكره فيها)

ترجمہ: ”توشیح“ کا مطلب یہ ہے کہ ایک لمبے کپڑے کو اس طرح لپیٹا جائے کہ اس کا کچھ حصہ سر پر ہو، کچھ دونوں کندھوں پر ہو اور (جہاں تک ممکن ہو) بدن کے ہر حصہ پر ہو۔

المحیط البرہانی میں ہے:

قال نجم الدين في «كتاب الخصائل»: قلت لشيخ الإسلام: إن محمداً يقول في «الكتاب» لا بأس بأن يصلي في ثوب واحد متوشحاً به، وقال: مراد محمد أن يكون ثوباً طويلاً يتوشح به فيجعل بعضه على رأسه وبعضه على منكبيه، وعلى كل موضع من بدنه أما ليس فيه تنصيص على إعراء الرأس والمنكبين•

(المحیط البرہانی: کتاب الصلاۃ ، فی الفصل بین الاذان و الاقامۃ)

ترجمہ: امام نجم الدین النسفی اپنی تالیف ”کتاب الخصائل“ میں لکھتے ہیں: میں نے شیخ الاسلام ابو لحسن السُغْدی البخاری سے پوچھا کہ امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ نے اپنی تالیف ”الکتاب“ میں لکھا ہے کہ اگر نمازی ایک کپڑے کو توشیحاً لپیٹ کر نماز پڑھے تو کوئی حرج نہیں (اس کا مطلب کیا ہے؟) تو انہوں نے جواب دیا کہ امام محمد رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ ایک لمبے کپڑے کو اس طرح لپیٹا جائے کہ اس کا کچھ حصہ سر پر ہو، کچھ دونوں کندھوں پر ہو اور (جہاں تک ممکن ہو) بدن کے ہر حصہ پر ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سر اور کندھے ننگے ہوں۔

لہذا اس دوسری حدیث سے معلوم ہو گیا کہ ایک کپڑے میں نماز اس طرح نہیں تھی کہ سر ننگا رہے جیسا کہ غیر مقلدین نے سمجھ رکھا ہے بلکہ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہوئے سر بھی ڈھانپا جاسکتا ہے جیسا کہ توشیح کے معنی سے واضح ہوتا ہے۔

جواب نمبر2:

یہ بیان جواز کےلیے ہے ۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وھذا کلہ دلیل لبیان الجواز •

(شرح مسند بی حنیفۃ لعلی القاری ج1ص164)

ترجمہ: یہ بیان جواز کے لیے ہے۔

جواب نمبر3

یہ مجبوری کی حالت تھی کہ اس وقت کپڑوں کی قلت تھی لوگ غریب تھے ۔ چنانچہ مسند احمد میں حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے:

الصَّلاَةُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ سُنَّةٌ كُنَّا نَفْعَلُهُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلاَ يُعَابُ عَلَيْنَا فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ إِنَّمَا كَانَ ذَاكَ إِذْ كَانَ فِي الثِّيَابِ قِلَّةٌ فَأَمَّا إِذْ وَسَّعَ اللَّهُ فَالصَّلاَةُ فِي الثَّوْبَيْنِ أَزْكَى•

(مسند احمد بن حنبل: ج15 ص472 رقم الحديث21173)

ترجمہ: ایک کپڑے میں نماز ہم حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے دور میں پڑھتے تھے لیکن اس وقت ہم پر کوئی بھی عیب نہ دھرتا تھا ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ اس لیے تھا کہ اس وقت کپڑوں کی قلت تھی (لوگ غریب تھے) لیکن آج کے دور میں اللہ نے ہمیں وسعت دی ہے تو نماز دو کپڑوں میں بہتر ہے۔

معلوم ہو اکہ اس مسئلے کا تعلق سر ڈھانپنے سے نہیں بلکہ اس کا تعلق وسعت کے ساتھ ہے۔

جواب نمبر4:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود غیر مقلد عالم سے اس حدیث کا طلب بیان کر دیا جائے ممکن ہے گھر کی گواہی کے سامنے سر تسلیم خم ہوجائے۔ مولوی محمد اسماعیل سلفی لکھتے ہیں:

آنحضرتﷺ صحابہ کرامؓ اوراہل علم کاطریقہ وہی ہے جواب تک مساجد میں متوارث اور معمول بہاہے کوئی مرفوع حدیث صحیح میری نظر سے نہیں گزری جس سے اس عادت کاجواز ثابت ہوخصوصاًباجماعت فرائض میں بلکہ عادت مبارک یہی تھی کہ پورے لباس سے نماز ادا فرماتے تھے عام ذہن کے لوگوں کو(فی ثوب واحد)اس قسم کی احادیث سے غلطی لگی ہے کہ ایک کپڑے میں نماز(ادا)کی جائے توسرننگارہے گاحالانکہ ایک کپڑے کواگر پوری طرح لپیٹاجائے تو سر ڈھکاجاسکتاہے۔غرض کسی حدیث سے بھی بلاعذرننگے سرنماز کی عادت اختیارکرناثابت نہیں محض بے عملی یابدعملی یاکس کی وجہ سے یہ رواج پڑرہاہے بلکہ جہلاتواسے سنت سمجھنے لگے ہیں۔

(فتاویٰ علماءحدیث ج4ص286تا289)

شبہ نمبر2:

زیارت بیت اللہ کے وقت سر ننگا رکھنا ضروری ہوتا ہے جو دلیل خشوع ہے اور نماز میں بھی خشوع و خضوع مطلوب ہے۔ لہذا نماز میں بھی سر ننگا رکھنا جائز ہے۔

جواب:

اس کے جواب میں ہم ناصر الدین البانی صاحب کی عبارت پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں:

وأما استدلال بعض إخواننا من أنصار السنة في مصر على جوازه قياسا على حسر المحرم في الحج فمن أبطل قياس قرأته عن هؤلاء الإخوان كيف والحسر في الحج شعيرة إسلامية ومن مناسكه التي لا تشاركه فيها عبادة أخرى ولو كان القياس المذكور صحيحا للزم القول بوجوب الحسر في الصلاة لأنه واجب في الحج وهذا إلزام لا انفكاك لهم عنه إلا بالرجوع عن القياس المذكور ولعلهم يفعلون

(تمام المنۃ فی التعلیق علی فقہ السنۃ: ج1 ص165)

ترجمہ: اور رہا مصر میں ہمارے سنت کے پیروکار بھائیوں کا ننگے سر کے جواز کو حج میں احرام والے شخص کے ننگے سر ہونے پر قیاس کرنا جو میں نے پڑھا ہے، بالکل باطل ہے اور یہ قیاس صحیح کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ حج میں ننگے سر رہنا اسلامی شعار ہے اور حج کے ان مناسک میں سے ہے کہ جن میں کوئی دوسری عبادت شریک نہیں ۔اور اگر مذکورہ قیاس صحیح ہوتا تو پھر نماز میں سر ننگا کرنے کاقول لازم ہو گا (نہ کہ محص جائز) کیونکہ حج میں (بحالت احرام) یہ واجب ہے اور یہ ایسا الزام ہے کہ ان لوگوں کے لیے اس سے چھٹکارے کا کوئی راستہ نہیں سوائے اس کے کہ وہ اپنے مذکورہ قیاس سے رجوع کریں اور شائد کہ وہ اپنے قیاس سے رجوع کر لیں۔

شبہ نمبر 3:

خود فقہ کی کتابوں میں ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا اگر خشوع کےارادے سے ہو تو درست ہے ۔ مثلاًمنیۃ المصلی میں ہے :

وان یصلی حاسرا راسہ تکا سلاً ولا باس اذا فعلہ تذللاً وخشوعاً•

(منیۃ المصلی فصل کراھیۃ الصلاۃ)

ترجمہ:ننگے سر نماز پڑھنا اگر سستی کی وجہ سے ہے تو مکروہ ہے اور اگر عاجزی وخشوع کےارادے سے پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔

جواب:

غیر مقلدین فقہاءکرام کی ان عبارات کا مطلب نہیں سمجھے اس لیے اس غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ہم شیخ ابراہیم حلبی (م956ھ) کی حلبی کبیر شرح منیۃ المصلی سے اس کا مطلب پیش کرتے ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں: (ولا باس اذا فعلہ) ای کشف الراس(تذللاً وخشوعاً) لان ذلک ھو المقصود الاصلی فی الصلوٰۃ وفی قولہ : لہ باس بہ اشارۃ الی ان الاولی ان لا یفعلہ وان یتذلل ویخشع بقلبہ فانھما من افعال القلب•

(حلبی کبیر ص 349 کراھیۃ الصلاۃ)

ترجمہ:اور اگر عاجزی او رخشوع کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھے تو حرج نہیں اس لیے کہ عاجزی اور خشوع ہی نماز میں مقصود اصلی ہے اور یہ جو فرمایا کہ حرج نہیں اس کہنے میں اشارہ ہے کہ افضل یہی ہے کہ عاجزی وخشوع کی صورت میں بھی سر ننگا نہ کرے اور عاجزی وخشوع اپنے دل میں اختیار کرے کیونکہ یہ دونوں دل کے اعمال ہیں۔

منیۃ المصلی کی شرح حلبی صغیر میں ہے : وفی قولہ لاباس اشارۃ الی ان الاولیٰ ان لا یفعلہ لان فیہ ترک اخذ الزینۃ الما مور بھا مطلقاً فی الظاہر•

(حلبی صغیر : فصل کراھیۃ الصلاۃ)

ترجمہ: اور یہ جو فرمایا کہ ”حرج نہیں“ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ افضل یہی ہے کہ عاجزی وخشوع کی صورت میں بھی سر ننگا نہ کرے کیونکہ سر ننگا کرنے میں اس زینت کو چھوڑنا لازم آتا ہے جس کا شریعت کی طرف سے بظاہر ہر حال میں حکم دیا گیا ہے (یعنی خواہ خشوع ہو یا نہ ہو) ۔

مطلب یہ ہے کہ خواہ کسی کی عاجزی یا خشوع کی نیت ہو بھی تب بھی افضل یہی ہے کہ نماز ننگے سر نہ پڑھے بلکہ سر ڈھانپ کر پڑھے تاکہ زینت جس کا حکم خد تعالیٰ نے دیا ہے کو ترک کرنا لازم نہ آئے۔

<u>تنبیہ:</u>

یہاں تو غیر مقلدین خشوع کا بہانہ کرکے ننگے سر نماز کے دعوے کر رہے ہیں لیکن قرآن کی آیت ” الذین ھم فی صلاتھم خٰشعون“ میں جب خشوع کا حکم ہوتا ہے اور حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری اس کی تفسیر عدم رفع یدین فی الصلاۃ سے کرتے ہیں تو غیر مقلدین رفع یدین کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ کیسی دورخی پالیسی ہے؟

<u>غیر مقلدین کا ایک عمومی و عوامی اشکال:</u>

اگر ننگے سر نماز پڑھنا بے ادبی ہے تو پھر حج و عمرہ کرنے والے کو بھی بے ادب کہو کیونکہ وہ بھی ننگے سر ہوتا ہے۔

<u>جواب:</u>

شریعت اعمال بجالانے کا نام نہیں بلکہ اداء پیغمبر صلی اللہ علیہ و سلم کا نام ہے۔ اگر اعمال اداءِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و سلم کے مطابق ہیں تو دین ہیں اور اگر اداء پیغمبر صلی اللہ علیہ و سلم کے مطابق نہ ہوں تو یہ دین نہیں ہے۔ مثلاً:

(1): رمضان المبارک کے دنوں میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک نہ کھانے کا نام روزہ ہے۔ اگر کوئی بندہ غروب آفتاب کے بعد بھی کھانے سے رک جائے تو یہ دین نہیں بلکہ موجبِ گناہ ہے، کیونکہ اداء پیغمبر صلی اللہ علیہ و سلم کے خلاف ہے ۔

(2): 29 یا 30 رمضان تک روزے رکھنا اداء پیغمبر کے مطابق ہے اس لیے مطابق شریعت ہے ۔اگر کوئی شخص یکم شوال کو بھی روزہ رکھے تو یہ خلافِ شریعت ہے اس لیے کہ اداء پیغمبر نہیں۔

اب اداء پیغمبر صلی اللہ علیہ و سلم نماز میں سر ڈھانپنا اور عمرہ میں سر ننگا رکھنا ہے۔ لہذا نماز میں سر ڈھانپنا اور حج و عمرہ میں سر ننگا رکھنا ہی عین ادب ہے کیونکہ ادء پیغمبر صلی اللہ علیہ و سلم کے مطابق ہے۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنت و بدعت

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

سنت و بدعت پر گفتگو کے لیے چند رہنما اصول:

اصول نمبر1:

مجدد الف ثانی فرماتےہیں: دنیا بدعات کے سمندر میں غوطہ لگا چکی ہے اور محدثات کی تاریکیوں میں مطمئن ہے رفع بدعت اور تکلم با حیا سنت کا دعوی کون کرسکتا ہے اس زمانہ کے اکثر علماء تو بدعات کے حامی اور سنت کے مٹانے والے ہیں بدعات کے شیوع اور کثرت کو تعامل قرار دیتے ہیں اور اس کے جوازبلکہ استحسان کا فتوی صادر کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بدعت پھیل جائے اور گمراہی عام ہوجائے تو تعامل بن جاتا ہے یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ کسی چیز کا ایسا تعامل اس کے حسن ہونے کی دلیل نہیں جز این نیست کہ وہ تعامل بہتر ہے جو صدر اول سے معمول بہا ہو یا اس پر تمام لوگوں کا اجماع ثابت ہو۔ (فتاویٰ رضویہ: ج28ص235)

اب معلوم ہوگیا کہ بریلوی حضرات جو مختلف بدعات کے ثبوت میں اپنے علماء کا عمل پیش کردیتے ہیں وہ بقول فاضل بریلوی حجت نہیں۔

اصول نمبر2:

اول جمعہ یا عیدین کا خطبہ پڑھ کر اردو میں ترجمہ کرنا اقول وباللہ التوفیق میں اللہ تعالی کی توفیق سے کہتا ہوں قضیہ نظریہ ہے کہ یہ امر عیدین میں بہ نیت خطبہ ہو تو ناپسند ہے اور اس کا ترک احسن اور بعد ختم خطبہ نہ بنیت خطبہ بلکہ قصد پندو نصیحت جدا گانہ تو جائز و حسن اور جمعہ میں مطلقا مکروہ و نامستحسن دلیل حکم و وجہ فرق یہ کہ زمان برکت نشان رسالت عہد صحابہ کرام و تابعین عظام وائمہ اعلام تک تمام قرون و طبقات میں جمعہ و عیدین کے خطبے ہمیشہ خالص زبان عربی میں مذکور و ماثور اور باانکہ زمانہ صحابہ میں بحمدللہ تعالی اسلام صدہا بلاد عجم میں شائع ہوا۔ جوامع بنیں، منابر نصب ہوئے، با وصف تحقیق حاجت کبھی کسی عجمی زبان میں خطبہ فرمانا یا دونوں زبانیں ملانا مروی نہ ہوا تو خطبے میں دوسری زبان کا خلط سنت متوارثہ کا مخالف و مغیر ہے اور وہ مکروہ - (فتاویٰ رضویہ: ج8ص322)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام و تابعین و ائمہ کے مبارک دور میں نہ ہونا یہ دلیل ہے عدم مشروعیت کی۔

اصول نمبر 3:

مستحب کی تعریف در مختار میں یوں ہے:

وھو مافعلہ النبی صلی اللہ علیہ و سلم مرۃ وترکہ اخری و ما احبہ السلف. (در مختار: کتاب الطہارۃ ارکان الوضوء اربعۃ)

اس تعریف کی رو سے جن بدعات کو بریلویوں نے مستحب بنایا ہوا وہ ثابت کر کے دکھائیں مثلا اذان کے بعد یا قبل درود شریف کو جو یہ پڑھتے ہیں و ہ مستحب کہتےہیں کیا اس طرح اذان سے پہلے یا بعد موذن سے پڑھوانا مستحب کی تعریف اس پر فٹ آئے گی علی ھذا القیاس ۔

اصول نمبر4:

مولوی غلام مہر علی صاحب لکھتے ہیں:

جس کام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا مگر بغیر کسی عذر کے کبھی اسے ترک بھی فرمایا وہ سنت اور جس کام پر مواظبت نہ فرمائی بلکہ اس کام کو خود کبھی نہ کیا صرف اس کی ترغیب فرمادی تو یہ مستحب ہے امام ابن ہمام نے تحریر میں مستحب کی یہی تعریف کی ہے اور یہی اولی ہے۔

(تحقیقات غلام مہر علی ص16)

اصول نمبر5:

المستحب مارغب فیہ الشارع ولم یوجبہ • (طریق الفلاح ص288 از پیر نصیر الدین گولڑوی)

اب ان مستحب کی مختلف تعاریف سے بریلوی انگوٹھے چومنے قبر پر اذان اذان کے ساتھ

صلوٰۃ و سلام وغیرہا پڑھنے کو ذرا مستحب ثابت کریں پتہ چل جائے گا۔

اصول نمبر6:

مولانا کرم الدین دبیر صاحب مرحوم (ان کو بریلوی حضرات نے اپنے اکابر میں شمار کیا ہے تفصیل کے لیے دیکھیے تذکرہ اکابر اہل السنت مصنفہ عبدالحکیم شرف قادری) لکھتے ہیں:

ہم شیعہ بھائیوں سے پوچھتے ہیں کہ تعزیہ مرثیہ خوانی کا شروع کس پیغمبر یا امام سے ہوا اگر کسی نبی یا امام یا صحابی سے اس کی ابتداء ثابت نہیں تو ماننا پڑے گا کہ یہ سب کچھ بدعات محرمہ سے ہے۔ (آفتاب صداقت ص309، 310 ۔ بحث ماتم کا بیان ورد)

ہم بھی جملہ بدعات کے متعلق ہی کہتے ہیں کہ ائمہ اربعہ تک کسی صحابہ پیغمبر سے اپنی بدعات ثابت کرو ورنہ بدعات محرمہ مانو۔

اصول نمبر7:

دلیل عام سے خاص مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔

☼ علامہ دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اما احدثتہ الروافض من عید ثالث سموہ عیدالغدیر وکذالک الاجتماع اقامۃ اشعارہ فی وقت مخصوص علی شئی لم یثبت شرعا وقریب من ذالک ان تکون العبادۃ من جہۃ الشرع مرتبۃ علی وجہ مخصوص فیرید بعض الناس ان یتحدث فیہا امرا اخر لم یرد بہ الشرع زاعما انہ یدرجہ تحت عموم فہذا لا یستقیم لان الغالب علی العبادات التعبد و ماخذہا التوقیف

(احکام الاحکام باب فضل الجماعۃ و وجوبہا)

شیعوں نے جو تیسری عید جسےعید غدیر کہتے ہیں ایجاد کی ہے اس کے لیے اجتماع کرنا اور اس کے لیے شعار بنانا وقت مخصوص میں ہیت مخصوص کے ساتھ شرعا ثابت نہیں۔ اور اسی کے قریب قریب یہ بات بھی ہے کہ کوئی عبادت بھی کسی خاص طریقے سے شرعا ثابت ہو اور بعض لوگ اس میں کچھ تبدیلی کردیں اور یہ کہیں کہ یہ بھی عموم کے نیچے داخل ہے تو ان کا یہ گمان غلط ہے کیونکہ عبادات میں اکثر امر تعبدی اور اس کا ماخذ توقیف ہے۔

☼ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

لان ذکر اللہ تعالی او قصد بہ التخصیص بوقت دون وقت او بشیئ دون بشیئ لم یکن مشروعا حیث لم یرد بہ الشرع لانہ خلاف الشرع• (البحر الرائق: ج2ص159)

☼ امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

منہا التزام الکیفیات والہیئات المعینۃ کالذکر بہیئۃ الاجتماع علی صوت واحد... منہا التزام العبادات المعینۃ فی اوقات معینۃ لم یوجد لہا ذلک التعین فی الشرعیۃ •(الاعتصام ج1ص34)

☼ علامہ ابو شامہ فرماتےہیں :

لا ینبغی تخصیص العبادات باوقات لم یخص بہا الشرع • (الباعث علی انکار الحوادث ص148)

معلوم ہوگیا کہ اپنی طرف سے اذان کو قبر پر درود کو اذان کے ساتھ ایصال ثواب کو ہر چاند کی 11 کو و غیرہا من البدعات جائز نہیں۔

اصول نمبر8:

جو عمل سنت و بدعت میں متردد ہوجائے اس کا ترک کیا جائے گا۔

دیکھیے:شامی ج1ص600 ، عالمگیری، المبسوط سرخسی ج2ص146، فتح القدیر ج1ص521

اور یہی بات فتاوی رضویہ میں بھی ہے۔

اذا تردد الحکم بین سنۃ و بدعۃ کان ترک السنۃ راجحا علی فعل البدعۃ • (فتاویٰ رضویہ قدیم ج3ص230 برکاتی پبلشرز)

معلوم ہوگیا جملہ بدعات کو اگر سنت بھی سمجھا جائے تو بھی اختلاف اور تردد بین السنۃ والبدعۃ کی وجہ سے متروک ہوگا۔

اصول نمبر9:

بعض اعمال عوام الناس کو بچانے کے لیے بھی ممنوع ہو جاتے ہیں:

جیسے لوگ نمازوں کے بعد سجدہ شکر ادا کرتے ہیں یہ مکروہ ہے کیونکہ عوام الناس اسے سنت واجب سمجھنے لگ جاتے ہیں اور ہر وہ مباح کام جو سنت و واجب سمجھا جانے لگے وہ

ممنوع ہے۔
(غنیہ شرح منیہ ص617، عالمگیری ج1ص196، دارالفکر بیروت، مرقات ج3ص26 رشیدیہ کوئٹہ)
اس سے معلوم ہواکہ اگر بعض باتوں کو فقہاء نے کہیں مستحب لکھ دیا ہو مگر عوام یا کسی طبقہ کے سنت یا واجب سمجھنے سے ممنوع ہو جائے گا۔

اصول نمبر10:

علامہ سیوطی فرماتےہیں:
فالذین اخطئوا فیہما مثل الطوائف من اہل البدع اعتقدوا مذاہب باطلۃ وعمدوا الی القران فتاولوہ علی رایہم ولیس لہم سلف من الصحابۃ والتابعین لا فی رایہم ولا فی تفسیرہم.... من عدل عن مذاہب الصحابہ والتابعین و تفسریہم الی مایخالف ذلک کان مخطئا فی ذلک بل مبتدعا لانہم کانوا اعلم بتفسیرہ و معانیہ کما انہم اعلم بالحق الذی بعث اللہ بہ و رسولہ • (الاتقان فی علوم القران ج2ص178 سہیل اکیڈمی اردو ج2ص402)
مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
سلف صالحین اہل السنت والجماعت نے قران و حدیث سے جو مطالب و معانی سمجھے ہیں ان کے بر خلاف معنی و مفہوم اپنے پیٹ سے یان کرنا درجہ اعتبار سے ساقط ہے اس لیے کہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے غلط عقیدہ کے لیے قران و سنت کو بنیاد و اصل سمجھتا ہے اور اپنے کوتاہ و ناقص فہم کی بنیاد پر قران وحدیث کے خلاف واقعہ معانی و مطالب اخذ کرتا ہے۔
(مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر286 بحوالہ الجراحات علی المزکرفات ص88 از پیر محمد چشتی چترالی بشاوری)
بریلویوں کی مصدقہ کتاب میں ہے کہ :
غیر مقلدین مل کر بتائیں کہ زیر بحث آیت وان لیس للانسان الا ماسعیٰ سے کس معتبر محدث مفسر نے فاتحہ خلف الامام کی فرضیت پر استدلال کیا ہے اگر نہیں کیا تو پھر اپنے مذہب کی خاطر تفسیر بالرائے سے باز رہو اللہ سے ڈرو۔ (نصرۃ الحق ج1ص231)
معلوم ہوا کہ بدعات و رسومات کو ثابت کرنے کے لیے بریلوی آئے دن جو مختلف آیات و احادیث پڑھتے ہیں اہل السنۃ والجماعت کے معتمد و مسلم اکابرین و صحابہ کرام نے تو یہ استدلال نہیں کیے تو یہ بھی بدعتی ہونے کی دلیل ہے۔

اصول نمبر11:

اہل بدعت اپنی بدعات کو قرآن وسنت سے ثابت کرنیکی بجائے فقہ حنفی کے مفتی بہ مسائل سے ثابت کریں ۔کیونکہ :
1: مفتی احمد یار نعیمی گجراتی لکھتے ہیں:
ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول وفعل اپنے لیے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے - (جاء الحق: 20 قادری پبلشرز لاہور)
2: ابوالبرکات قادری لکھتے ہیں:
مقلد کو یہ جائز نہیں کہ اپنے امام کی رائے کے خلاف قرآن عظم وحدیث شریف سے احکام شرعیہ خود نکال کر ان پر عمل کرنے لگے مقلدوں کیلئے یہی ضروری ہے کہ جس امام کی تقلید کر رہے ہیں اسی کے مذہب کا مفتی بہ قول معلوم کرکے اسی پر عمل کریں ۔
(رسائل ومناظرے ابوالبرکات ص634،635)
3: مولوی احمد رضا خان لکھتے ہیں:
ہم مقلدوں کو جائز نہیں کہ حدیثو ں پر عمل کرکے اشارے کی جرأت کریں ۔(فتاوی رضویہ ج27ص85)
4: مولوی عبد الغفور شرقپوری لکھتے ہیں:
فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ مسئلہ واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ ذکر بالجہر جس کے باعث کسی نمازی یا سوتے یا مریض کی ایذا وتشویش ہو یا ریا آنے کا اندیشہ ہو ناجائز ہے ۔تو ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس کے خلاف یا مخالفت میں قرآن کریم کی آیات واحادیث مبارکہ سے استدلال واستنباط کریں نہ ہمار ایہ مذہب نہ ہم اس کے اہل فقہ کی کتابوں کو چھوڑ کر براہ راست قرآن وحدیث سے استدلال غیر مقلد انہ روش ہے ۔
(نمازی کے پاس بآواز ذکر جائز ہے یا نہیں ص38)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

انہوں نے قرآن کریم کی آیات مبارکہ اور احادیث مبارکہ پیش کی نہیں اس کے جواب میں تو اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ یہ حضرات مجتھد وغیر مقلد نہیں کہ قرآن وحدیث سے براہ راست استدلال کرسکیں بلکہ مقلد ہیں حنفی ہیں انہیں چاہیے کہ فقہ حنفی کی کتب سے حوالہ پیش کریں ۔ (نمازی کے پاس بآواز ذکر جائز ہے یا نہیں ص40)

فائدہ: یہ کتاب مندرجہ ذیل بریلوی اکابر کی مصدقہ ہے :

(۱)اشرف آصف جلالی ، (۲) سعید احمد اسعد، (۳)مفتی احمدعلی بریلوی، (۴)ابوالخیر حیدرآبادی، (۵)گل احمد عتیقی، (۶)مفتی محمد خان، (۷)غلام سرورقادری، (۸) اشرف نقشبندی ناظم اعلی جامعہ صدیقہ رضویہ دار وغے والالاہور، (۹)عبداللطیف مجددی شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ لاہور۔

:5 مفتی احمد یار لکھتے ہیں:

ہمارے دلائل یہ روایتیں نہیں ہماری اصل دلیل تو امام اعظمؒ کا فرمان ہے ۔ (جاءالحق ج2ص91)

اصول نمبر12:

اکثر کا قول لیا جائے گا

:1 فالعبرۃ بما قالہ الاکثر•(فتاوی رضویہ قدیم ج9 ص245)

ایک جگہ لکھتے ہیں:

” خلاف مذہب بعض مشائخ مذہب کے قول پر عمل نہیں ہم نے العطایا النبویہ میں اسکی بہت سی نقول ذکر کیں ۔حلبی علی الدر باب صلوۃ الخوف میں ہے : لایعمل بہ لانہ قول البعض ، اس پر عمل نہ کیا جائے کہ یہ بعض کا قول ہے ۔ (فتاوی رضویہ ج9 ص365)

معلوم ہوا بعض مشائخ فقہ حنفی کے اقوال پر اکثر اور جمہور کو ترجیح ہوگی ۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مشائخ میں سے کوئی بدعت کی تائید بھی کر دے تو حجت نہ ہو گی اور وہ مشائخ میں سے خارج بھی نہ ہو گا۔

اصول نمبر13:

جس امر سے مصطفے ﷺبے عذر مانع بالقصد احتراز فرمائیں وہ ضرور امر شرعی ومشروع نہیں ہوسکتا ۔ (فتاوی رضویہ ج9 ص346)

اصول نمبر14:

فاضل بریلوی لکھتے ہیں ۔جو حضور ﷺ کےعہد میں ہوتا ہے وہی حق وباطل کے درمیان امتیاز ہے ۔ (شمائم العنبر ص149)

اصول نمبر15:

فاضل بریلوی لکھتے ہیں :

ان الخرقۃ التی یمسح بھا الوضوء بدعۃ محدثۃ یجب ان تکرہ لانھا لم تکن فی عھد رسول اللہ ﷺ ولااحد من الصحابۃ والتابعین قبل ذلک• (فتاوی رضویہ ج1ص333)

اصول نمبر16:

جو کوئی امر مستحب پر جیسے نماز کے بعد داہنی طرف پھر کر بیٹھنا مستحب ہے اصرار کرے اور اس کو واجب سمجھے وہ بے شک شیطان سے گمراہی کا حصہ لینے والا ہے ۔ (رسائل میلاد محبوب ص81،دین مصطفے ص372،رد سیف یمانی ص164)

محمود رضوی شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف لکھتے ہیں:

جو شخص کسی امر مستحب کو ضروری سمجھے اور رخصت پر عمل نہ کرے تو شیطان کا داؤاس پر چل گیا ۔کہ شیطان نے اسے گمراہ کردیا۔

آگے لکھتے ہیں:

جب کسی مستحب کو ضروری سمجھنے کا یہ حکم ہے تو اندازہ لگاؤ کسی بدعت یا مکروہ کو ضروری سمجھنے والے کا کیا حال ہوگا ۔

(دین مصطفے : ص372)

اصول نمبر17:

☼ جائز بات فتنے کی وجہ سے ناجائز ہوجاتی ہے ۔ (فتاوی رضویہ ج11ص237)
☼اگر فتنے کا خوف ہو تو مستحب کام کو ترک کرنا ہوگا ۔ (ذکر والی نعت خوانی از الیاس قادری ص19)
☼ مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: غیر ضروری بات عبادات کو فسادات کی وجہ دے چھوڑ دینا چاہیئے ۔(نورالعرفان- سورۃانعام:109)

اصول نمبر18:

عام دلیل سے خاص عبادت ثابت نہ ہوگی جیسے کوئی نماز کا حکم لیکر چھٹی نماز کا اضافہ کرنا چاہئیے یا درود شریف پڑھنے والی آیت لیکر اذان کے اندر درود شریف پڑھانا چاہیے یا اذان واقامت کے فضائل لیکر جنازے کی نماز کیلئے اذان واقامت شروع کردے یا عیدین کے موقع پر اذان واقامت شروع کردے یا ذکر کے فضائل لیکر اس سے اذان سے پہلے یااقامت سے پہلے افضل الذکر لاالہ الااللہ شروع کردے ۔اسی طرح اذان کے فضائل سے قبر پر اذان اور درودشریف کے فضائل سے اذان کے ساتھ درود اور ذکر کے فضائل سے نماز کے بعد ذکر اجتماعی صورت میں ثابت نہ ہوگا ۔اور نہ ہی مصافحہ کے فضائل سے نمازوں کے بعد مصافحہ ثابت ہوگا ۔

اس اصول سے پہلے والے اصولوں سے معلوم ہوگیا کہ بریلوی حضرات اپنی بدعات کو واجب سمجھنے اور ان کے ساتھ واجب جیسا معاملہ کرنیکی وجہ سے شیطانی گمراہی سے حصہ پاچکے ہیں ۔اگر بریلوی انہیں ضروری نہ سمجھتے تو نہ کرنے والوں سے مناظرے نہ کرتے اور نہ ہی انہیں برا بھلا کہتے سیجیئ بیانہ.

اور اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ اصل اشیاء میں اباحت کی بات جب بریلوی پیش کرے اور اس سے کسی بدعت کو ثابت کرنا چاہے تو یہ بات بھی اس سے منوالی جائے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت اور فقہ حنفی وصحابہ کرام سے تو یہ ثابت نہیں جب بدعت پر اتفاق ہوگیا تو آگے جانیکی ضرورت ہی کیا ہے ؟

اور دوسری بات یہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے کا مطلب اشیاء ہے نہ کہ احکام اور تیسری بات یہ ہے اس سے ثابت کرکے آپ نے اسے مباح کیا اور مباح کامطلب بہار شریف میں تو یوں ہے کہ جس کا کرنا نہ کرنا یکساں ہو یعنی کرنے پر ثوا ب نہ ہو اور نہ کرنے پر گناہ نہ ہو ۔تو اس جیسے فعل پر جھگڑا کیوں؟

یا ر لوگ جب ہر طرف سےجب مبہوت ہوجاتے ہیں تو پھر بدعت حسنہ کا سہار الیتے ہیں تو ہم انکی خدمت میں یوں عرض کردیتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر نے ارشاد فرمایا :

کل بدعۃ ضلالۃ وان رآھاالناس حسنۃ• (کتاب الباعث للمحدث ابوشامہ شافعی ص75)

کہ ہر بدعت گمراہی ہوتی ہے چاہے لوگ اسے بدعت حسنہ کہیں ۔

تویار لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ جب سیدنا عمر ان والد گرامی فرماتے ہیں:

نعمت البدعۃ ھذہ •(بخاری)یعنی تراویح کی ایک جماعت کا قائم ہو نا بدعت ہے اچھی ۔

تو ہم یوں عرض کر دیتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا :

علیکم بسنتی وسنۃالخلفاء الراشدین المھدیین• (سنن ابن ماجہ)

کہ میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامو۔

تو معلوم ہوگیا کہ جیسے سرکارطیبہ ﷺکے عمل مبارک کو جس پر امت چلتی ہے سنت کہتے ہیں اسی طرح خلفاء راشدین کے اعمال مبارکہ کو بھی سنت کہیں گے ۔

مولوی فیض احمداویسی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں خلفائے راشدین کے کاموں کو سنت کہا گیا اس کو پکڑنے کی تاکید فرمائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ ان کے کام بدعت نہیں ۔ (بدعت حسنہ کا ثبوت ص21)

آگے لکھتے ہیں:خلفائے راشدین کی سنت حقیقۃً سنت نبوی ہے ۔ (بدعت حسنۃ کاثبوت ص23)

آگے لکھتے ہیں: ایجادات صحابہ کرام کو سنت کہتے ہیں ۔ (بدعت حسنہ کاثبوت ص25)

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: عرف عام میں ایجادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں بدعت نہیں بولتے ۔(جاءالحق ص216)

تو معلوم ہوگیا کہ تراویح ایک جماعت سے قائم کروانا سنت تھا بدعت نہ تھا پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا عمر نے کہا کیوں تو جوابا عرض ہے کہ ان کی پوری بات علامہ ابن رجب حنبلی

نے اور دیگر کئی حضرات نے نقل کی ہے کہ
هذه بدعة فنعمت البدعة ان كانت• (جامع العلوم والحکم بحوالہ کتاب البدعۃ از طاہر القادری بریلوی: ص429)
یعنی اگر یہ بدعت ہوتی تو اچھی ہوتی ۔
کنز العمال میں بھی صلاۃ التراویح میں یہ روایت شرط کے ساتھ "لئن کانت ہذہ البدعۃ فنعمت البدعۃ" ہے۔
جب بدعت ہے ہی نہیں تو اچھی ہونے کا سوال ہی نہیں،جیسے نبی پاک ﷺ نے فرمایا :
لو کان بعدی نبی لکان عمر یا فرمایا لو عاش ابراھیم لکان نبیا•
اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا توعمر ہوتا اور اگر ابراھیم زندہ رہتا تو نبی ہوتا ۔
نہ آپ علیہ السلام کے بعد نبوت کا دروازہ کھلا تھا اور نہ ہی سیدنا عمر نبی بنے اور نہ ہی ابراھیم علیہ السلام زندہ رہے اورنہ ہی نبی بنے ایسے ہی سمجھیے کہ نہ ہی سیدنا عمر کی جماعت واحد کی پابندی بدعت تھی اور نہ ہی حسنۃ ٹھہری بلکہ سنت ہی ہے ۔ شاید کوئی یوں کہہ دے نبی پاکﷺ نے فرمایا :
من سن فی الاسلام حسنۃ فلہ اجرھا واجرھا من عمل بھا الخ
یعنی جس نے اسلام میں اچھا طریقہ جاری کیا اسکو اس جاری کرنے کا بھی اجر ملے گا ااور اس پر جو جو عمل کرے گا اس کا بھی اجر ملے گا ۔تو ہم جوابا یہ کہیں گے ابن ماجہ شریف ص19پر یہ روایت یوں ہے کہ :
من احیاسنۃ من سنتی قد امیتت بعدی ۔
یعنی جس نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا تو میرے بعد مردہ ہوچکی تھی الخ
تو معلوم ہوا کہ اس کا مطلب بدعت کا ایجاد کرنا نہیں بلکہ سنت طیبہ کا زندہ کرنا مراد ہے ۔
اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس فرمان ذیشان کا سبب صدقہ کی ترغیب دینا ہے کہ جو صدقہ میں پہل کرے گا اپنا بھی اجر لے گا اور بعد والوں کے اجر کے برابر بھی اجر پائے گا ۔
تیسری بات یہ ہے کہ مجتہدین کے لیے اس میں خوشخبری ہے۔

<u>رضاخانی وسوسہ:</u>

اسی طرح یار لوگ یوں بھی کہہ دیتے ہیں کہ حدیث ہے کہ جس کو مسلمان پسند کریں وہ خدا کے نزدیک بھی پسند ہے ۔لہذا بدعات کاایجاد کرنا برا نہیں ۔

<u>جواب:</u>

تو ہم جواباً عرض کرتے ہیں ہم مسلمان ان بدعات سے بچنا پسند کرتے ہیں، لہٰذا ان سے بچنا ہی خدا کے ہاں بھی پسندیدہ ہے ۔
ہم ان رضا خانی حضرات سے پوچھتے ہیں تمہارے ہی کچھ علماء کئی باتوں کو ناپسند کرتے ہیں مثلاً لاؤڈ سپیکر پر جماعت کروانا، مساجد میں ٹیلی ویژن رکھ کر مدنی چینل دکھانا، سیاہ خضاب لگوانا وغیرہ بیسوں کام ہیں جن پر آپ کے مسلک کے اکابر نے غلط ہونے کے فتوے لگائے ہیں۔ اگر یہ اصول عام تھا تو تمہارا فتویٰ غلط اور اگر فتویٰ درست ہے تو پھر ہمار افتویٰ بھی درست ہے۔
نیز یہاں "مسلمانوں" سے عام مسلمان مراد نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ جس کام کو صحابہ کرام اچھا سمجھیں وہ خدا کے ہاں بھی اچھا ہے اور جس کو صحابہ کرام برا سمجھیں وہ خدا کے ہاں بھی براہے، وگرنہ ہر فرقہ جو دین اختیار کیے ہوئے ہے وہ اس کو اچھا ہی تو سمجھتا ہے، تو کیا سب جنتی ہیں؟
اور اگر پوری روایت دیکھی جائے تو ہماری بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کیونکہ روایت کے شروع میں تو سیدنا مسعود نے رحمت دو عالم ﷺ کا ذکر خیر کیا اورپھر صحابہ کرام کی تعریف کی اور تعریف میں یہ جملہ بھی فرمایا کہ :
فماراہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن .
جس کا معنی یقیناً یہی بنتا ہے کہ یہ صحابہ کی جماعت جس کو اچھا سمجھے وہ عند اللہ اچھا ہی ہے ۔
صاحب مجالس الابرار اس روایت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس بات کو صحابہ یااہل اجتہاد عمدہ جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی عمدہ ہے اور جسکو صحابہ یا اہل اجتہاد قبیح سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے ۔

اور آگے لکھتے ہیں:

اور ممکن ہے کہ الف لام استغراق حقیقی کیلئے ہو اس صورتیں یہ معنی ہونگے کہ جس بات کو تمام مسلمان اچھا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس کو تمام مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے اور جس بات میں ان میں اختلاف پڑے تو اب اس میں قرون ثلاثہ کا اعتبار ہوگا ۔ (مجالس الابرار ص131مصدقہ شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی)

علامہ حلبیؒ نے بھی لکھا ہے: جس کو صحابہ اور ہر زمانے کے اہل اجماع اچھا سمجھیں وہ اچھا ہے ۔(الرھص والوقص ص65)

ظاہر ہے بریلوی اہل اجماع تو نہیں بقول فاضل بریلوی یہ تو بھولی بھیڑیں ہیں ۔ (وصایا شریف)

رضاخانی وسوسہ:

بریلوی حضرات کا ایک وسوسہ اور ہے کہ جس سے قرآن وسنت منع کرے وہ ممنوع نہیں بلکہ وہ اختیار کر لینا کوئی حرج نہیں۔

جواب:

تو جواباً چند ایک باتیں آپ کے سامنے رکھتے ہیں بھلایہ بتائیں کہ کیا اس سے منع کیا ہے قرآن و سنت میں؟

مثلا آپ کہتے ہو کہ:

1} کھڑے ہو کر جنازہ کے بعد دعا کوہم بھی منع کرتے ہیں ۔ (جاءالحق ص281)
اسکی ممانعت قرآن وسنت میں کہاں ہے ؟

2}عیدین میں اور جنازہ میں اذان واقامت کی ممانعت کہاں ہے ؟

3}ظہر کی نماز میں ”الصلوۃ خیرمن النوم “ کی ممانعت کہاں ہے؟

4}اذان میں ”حی علی خیر العمل“ ملانے کی ممانعت کہاں ہے؟

5} اذان میں اللہ اکبر کے بعد” جل جلالہ وعزشانہ“ بڑھانے کی ممانعت کہاں ہے؟

6} اذان میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کےبعد وحدہ لا شریک لہ بڑھانے کی ممانعت کہاں قرآن وسنت میں ہے ؟

7} اشھد ان محمد رسول اللہ کے بعد اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم بڑھانے کی ممانعت قرآن وسنت میں کہاں ہے ؟

8} اذان میں اشھد ان امیر المؤمنین وامام المتقین ابا بکر الصدیق خلیفۃ بلا فصل کی ممانعت دکھائیں ؟

9}۔اسی طرح غائبانہ نماز جنازہ کی ممانعت دکھائیں!

10}۔ نماز مغرب میں اضافہ کی یا عصر کی نماز میں کمی کی یا فجر کی رکعات کے بڑھانے کی یا کلمہ طیبہ میں خاتم النبین لا نبی بعدی کا اضافہ کرنے کی یا اذان کے آخری کلمہ لا الہ الااللہ کے ساتہ محمد رسول اللہ بڑھانے کی اجازت بریلوی زعماء دیں گے اگر نہیں تو کیوں یا تو قرآن وسنت سے منع دکھائیں ؟

بریلوی زعماء سے چند سوال

1} اگر اذان کے ساتہ صلوۃ وسلام پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا تو اذان کے اندر بھی تو منع نہیں کیا گیا پھر آپ وہاں کیوں نہیں پڑھتے؟

2} قبر پر اذان دینے سےاگر منع نہیں کیا گیا تو عیدین کے موقع پر بھی تو اذان سے منع نہیں کیا گیا پھر آپ وہاں کیوں نہیں دیتے ؟

3} اگر لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑھنے سے فرض نماز کے بعد منع نہیں تو اذان کے ساتہ آخر میں کلمہ مکمل کرنے سے بھی تو منع نہیں پھر آپ وہاں کیوں نہیں کرتے ؟

القصہ قارئین کرام! ہمیں تو انہیں اعمال پر اعتماد ویقین ہے جو سرکار طیبہ ﷺ کی شریعت مطہرہ سے ثابت ہیں اور ہمیں وہی کافی ہیں ۔

رضاخانی وسوسہ:

یار آپ ہمیں تو یہ کہتے ہیں کہ جو عمل وفعل قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر میں نہ ہو وہ بدعت ہے تو یہ جو تم تبلیغی اعمال یا صوفیانہ طور طریقے ہیں یہ بدعت نہیں ۔

جواب:

ہم جواب سے پہلے تمہید عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں :

ایک ہوتا ہے علاج اور ایک ہوتا ثواب ۔ثواب کے کام کیلئے تو حکم ہے کہ پہلے دیکھو کہ ان حضرات نے کیا ہے یا نہیں ۔جیسا کہ ”الجنۃ لاہل السنہ“ میں سیدنا علی کا ارشاد گرامی ہے :

وانی لا علم ان اللہ لا یثیب علی فعل حتی یفعلہ رسول اللہ ﷺ او یحث علیہ

یعنی میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اللہ رب العزت اس وقت تک ثواب نہیں دیتا ۔جب تک وہ کام نبی پاک علیہ السلام نے نہ کیا ہو یا ترغیب نہ دی ہو معلوم ہوا کہ ثواب کیلئے اس دور میں دیکھنا چاہیئے کہ یہ کام ہوا ہے یا نہیں ۔

اور صحابہ کرام کی پیروی کی بھی احادیث میں تاکید ہے تو خلاصہ یہ نکلا کہ ثواب کیلئے اگر کوئی کام کیا جائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ یہ قرون ثلاثہ مشہود لھا بالخیر میں ہو ا ہے یا نہیں ؟

اور اگر علاج ہو تو یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ علاج کیلئے اجازت ہے کہ آدمی وہ چیز اختیار کرسکتا ہے جو قرون ثلاثہ مشہود لھا بالخیر میں نہ ہوں مثلا کوئی بیمار آدمی ہے وہ ڈاکٹر کے پاس گیا اس نے اسے انجکشن لگا دیا ۔مریض نے لگوا لیا اور یہ نہیں کہا کہ چونکہ یہ ان زمانوں میں جنکی نسبت خیر کا ارشاد آپ علیہ السلام کا ہے اس میں نہیں تھا اس لیے میں نہیں لگواتا۔

مثلا سیدنا عمر نے ابوبکر صدیق سےآکر کہا کہ قرآن کو جمع کرکے اکھٹا لکھو ادیں ۔تو سیدنا ابوبکر صدیق نے کہا اے عمر وہ کام کیوں کرنا چاہتے ہو جو نبی پاک ﷺنے نہیں کیا مگر جناب عمر کی دلیل یہ تھی کہ اگر اسی طرح صحابہ کرا م شہید ہوتے رہے جیسے جنگ یمامہ میں کئی سو قراء شہید ہوگئے ہیں تو بہت سا قرآن کا حصہ جو ان کے پاس لکھا ہوا ہو گا وہ ہمیں لکھا ہو اشاید کہیں اور سے نہ مل سکے تو بہت بڑا نقصان ہو جائے گا بالآخر سیدنا ابوبکر صدیق تیار ہوگئے ۔

یہ ہم نے واقعہ کا خلاصہ نقل کیا اصل روایات صحاح ستہ میں دیکھی جاسکتی ہیں ۔معلوم ہو گیا اگر نقصان کا اندیشہ ہو یا بطور علاج ہو تو ایسے کام کو کرنے میں کوئی حرج نہیں جو اوپر سے ثابت نہ ہو۔

اب آئیے اصل بات کی طر ف

ثواب اور ہے علاج اور ہے بریلوی اپنی بدعات کو ثواب سمجھ کرکرتے ہیں اور ہم جو کام کرتے ہیں بطور علاج کرتے ہیں ۔مثلا تبلیغی اعمال یا تصوفانہ طرز کے اشعال گو اصولی طور پر تو پہلے دوروں میں نظر آتے ہیں مگر موجودہ ترتیب سے یہ کام ہونا بطور علاج ہیں اور امت کو نقصان کو بچانے کیلئے ہیں اور تجربہ شاہد ہے کہ ان کاموں سے امت کا بہت بڑا طبقہ نقصان سے بچ کر صحیح راہ راست پر آچکا ہے ۔

جب کہ بدعات ورسومات سے سوائے جھگڑے کے کچھ نہیں ملتا جیسے کہ میلاد شریف کے عنوان پر جھگڑوں کا ہونا مشہور ومعروف ہے اور اخبارات بھر ی پڑی ہیں ۔ تقریباتمام بدعات پر ہی جھگڑے ،فسادا ت،ہوتے ہیں اور پیچھے ہم یہ اصول بریلوی حضرات کے گھر سے نقل کر آئے ہیں جو غیر ضروری عبادات فسادات کا سبب بنے اسے ترک کیا جائیگا تو ہم بریلوی حضرات سے التماس کرینگے کہ ان بدعات کو ترک کرکے امت کو لڑائی جھگڑے اور فساد سے بچائیں ۔

اصل وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا گیا اور فاضل بریلوی جیسے آدمی کی تعلیمات کو دین کا درجہ دے دیا گیا۔ اگر سیدنا حذیفۃ کے اس فرمان عالیشان پر عمل رہتا کہ

کل عبادۃ لم یتعبد ھا اصحاب رسول اللہ ﷺ فلا تعبدو ھا• (اعتصام ص307،کتاب الباعث ص70)

کہ جو عبادت اصحاب رسول اللہ ﷺ نے نہ کی ہو تو تم بھی وہ عبادت نہ کرنا

اب بریلوی حضرات سے پوچھا جائے ختم کیا ہے وہ کہتے ہیں عبادت ،گیارھویں شریف کیا ہے ؟عبادت ہے ۔قل خوانی کیا ہے ؟عبادت ہے ۔اذان کے ساتھ صلوۃ وسلام ،نماز کےبعد مروجہ ذکر بالجہر ،اذان علی القبر ،جنازے کے بعد دعا ء مروج ۔سب عبادات ہیں تو سمجھ کر کی جاتی ہیں تو

پھر ہم یہی عرض کریں گے کہ چونکہ کہ تمہاری خود ساختہ بدعات صحابہ کرام نے نہیں کی لہذا انہیں ترک کردو ۔

اور یار لوگ یہ بھی لوگوں کو بتلاتے ہیں کہ یہ سب بدعات تو ہیں مگر حسنۃ لہذا انکو کرنے سے ثواب ہوتا ہے توہم اس کاوافی شافی جواب دے چکے ہیں ۔سیدنا ابن عمر فرماتے ہیں کہ بدعت گمراہی ہی ہوتی ہے چاہے لوگ اسے بدعت حسنہ کہتے پھریں ۔

لہٰذا خدارا انسانیت کو اپنی بدعات سے بچائیں اور انکو سنت طیبہ پر عمل کردیں ۔

بدعت؛ اکابرین امت کی نظر میں

1: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

کل بدعۃ ضلالۃ وان رآباالناس حسنۃ• (کتاب الباعث ص75)

2: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہمافرماتے ہیں :

تبیض وجوہ اہل السنۃ وتسود وجوہ اہل البدعۃ• (اعتصام ص35)

3: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ایاکم ومحدثات الامور فان شر الامور محدثاتہا ان کل محدثہ بدعۃ وفی لفظ غیر انکم ستحدثون ویحدث لکم فکل محدثۃ ضلالۃ وکل ضلالتہم فی النار کان ابن مسعود یخطب بھذا کل خمیس• (اعتصام ص43)

وعنہ ایضا: القصد فی السنۃ خیر من الاجتھاد فی البدعۃ• (اعتصام ص51)

4: سیدنا حذیفۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اخوف ماخاف علی الناس اثنان ان یو ثروا ما یرون علی مایعملون وان یضلووھم لا یشعرون قال سفیان وھو صاحب البدعۃ• (اعتصام ص49)

وعنہ ایضا: انہ اخذ حجرین فوضع احدھما علی الآخر ثم قال لاصحابہ ھل ترون مابین ھذین الحجرین من النور قالوا یا ابا عبداللہ مانری بینھما من النور الا قلیلا والذی نفسی بیدہ لنظھرن البدع حتی لا یری من الحق الا قدرما بین ھذین الحجرین من النور واللہ لتفشون البدع حتی اذا ترک منھا شیء قالوا ترک السنۃ• (اعتصام ص50)

5: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صاحب البدعۃ لا یزاد اجتھادا ،صیاما وصلوۃ الا ازداد من اللہ بعدا• (اعتصام ص52)

وعنہ ایضا: لا تجالس صاحب ھوی فیقذف فی قلبک ماتتبعہ فتھلک• (اعتصام ص53)

6: ابو ادریس خولانی فرماتے ہیں :

لان اری فی المسجد نارا لا استطیع اطفاءھا احب الی من ان ری فیہ بدعۃ لا استطیع تغیرھا• (اعتصام ص52)

7: ایوب سختیانی فرماتے ہیں :

مازداد صاحب بدعۃ اجتھادا لا ازداد من اللہ بعدا• (اعتصام ص53)

8: ابوقلابہ فرماتے ہیں :

مابتدع رجل بدعۃ الااستحل السیف• (اعتصام ص53)

9: سفیان فرماتے ہیں :

لایستقیم قول الا بعمل ولا قول وعمل الا بنیۃ ولا قول ولا عمل ولا نیۃ الا موافقاللسنۃ• (اعتصام ص53)

10: ابن سیرین کے بارے میں آتا ہے :

کان یری اسرع الناس ردۃ اہل الھواء• (اعتصام ص53)

11: ھشام فرماتے ہیں :

لایقبل اللہ من صاحب بدعۃ صیاما ولا صلوۃ ولا حجا ولا جھادا ولا عمرۃ ولا صدقۃ ولا عتقا ولا صرفا ولا عدلا•

(اعتصام ص54،53)

12: یحی بن کثیر کہتے ہیں :

اذا لقیت صاحب بدعۃ فی طریق فخذ فی طریق آخر• (اعتصام ص54)

13: ابوعمر شیبانی فرماتے ہیں :
یابی اللہ لصاحب بدعۃ بتو بۃ وما انتقل صاحب بدعۃ الا الی شرمنہ• (اعتصام ص54)
14: مقاتل بن حیان فرماتے ہیں :
اہل ھذہ الاھواء آفتہ امتہ محمد ﷺ • (حوالہ)
15: فضیل بن عیاض فرماتے ہیں :
من جلس مع صاحب بدعۃ لم یعط الحکمۃ•(اعتصام ص57)
16: امام مالک بن انس رحمہ اللہ:
من ابتدع في الإسلام بدعة يراها حسنة زعم أن محمداً صلى الله عليه وسلم خان الرسالة ، لأن الله يقول : " اليوم أكملت لكم دينكم " فما لم يكن يومئذ ديناً ، فلا يكون اليوم ديناً • (اعتصا م ص31)
17: امام شاطبی فرماتے ہیں :
اجماع السلف الصالح من الصحابۃ والتابعین ومن یلیھم علی ذمھا• (اعتصاشاطبی ص88)
18: امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :
المؤمن یدخل الجنۃ بالایمان ویعذب فی النار بالاحداث• (الامالی علی الفقہ الاکبر فصل نمبر 143)

بدعت کی تعریف فریق مخالف کی کتب سے

اب ہم بدعت کی تعریف کی طرف آتے ہیں جو ان لوگوں نے اپنی کتب میں لکھی ہے،ہم ان شاء اللہ انہی کی ذکر کردہ تعریفوں کی روشنی میں بدعات کو رد کریں گے۔

تعریف نمبر [۱]:

بریلویوں کے ’’شیخ الاسلام‘‘ ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں:
اکابر علماء کے نزدیک بدعتی فقط گستاخان رسول اور گستاخان صحابہ ہیں - (کتاب البدعۃ: ص101)
یہی قادری صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں :
’’من احدث فی امرنا ھذا‘‘یا ’’کل محدثۃ بدعۃ‘‘سے مراد دین میں ایسا تغیر یا تبدل ہوگا جس سے دین کے اصول یا اساس بدل ضروریات دین میں کمی یا اضافہ ہو جائے اور دین کی ہئیت بدل جائے - (کتاب البدعۃ: ص81،80)
اس سے معلوم ہوا کہ بدعت کا مطلب ہے عقائد میں نئی چیزیں نکالنا جس سے ضروریات دین میں کمی بیشی ہو جس سے توہین رسالت توہین صحابہ ہو وہی بدعت ہے -
اب آپ دیکھیں کہ اہل بدعت نے جو علم غیب کلی کا عقیدہ تراشا اس سے بھی سرکار طیبہ ﷺکی توہین و بے ادبی ہوتی ہے وہ اس طرح کہ ہر شے کا علم کلی جب آپ نے مان لیا تو علم شعر گوئی وملکہ شعر گوئی اور وہ علوم جن کے بارے میں نبی پاک علیہ السلام نے فرمایا -
اللھم انی اعوذبک من علم لا ینفع •
ایساعلوم مان کر جو آپ کے لائق نہیں بے ادبی ہوئی نہ کہ عزت افزائی !!
اوراسی طرح ہر زمان ومکان میں حاضر وناظر مان کر یہ بھی آپ نے مان لیا کہ تاریک راتوں میں تنہائی کے اندر چھپ کر جو کام کیے جاتے ہیں وہ بھی نگاہ مصطفےﷺسے پوشیدہ نہیں - (جاءالحق ص72)
یعنی میاں بیوی چھپ کر جو کام کرتے ہیں یہ بھی نگاہ نبوت سے پوشیدہ نہیں عام آدمی بھی ایسی بات اپنے لیے بے عزتی سمجھتا ہے کیا یہ توہین نبوت نہ ہوگی ؟
اس طرح آپ علیہ السلام کو تمام اختیارات سے متصف ماننے کا مطلب یہ ہے آپ کے شافع محشر ہونے کی نفی کی جائے جو کہ یقینا توہین ہے -
اور اسی طرح نبی پاک ﷺ سے بشریت کی نفی کرکے انسان نہ ماننا آپ کی شان کو گھٹانا ہے کیونکہ اشرف المخلوقات تو انسان ہے -
اور اس طرح ان عقائد اور بریلوی حضرات کے فتوؤں کی وجہ سے صحابہ کرام تک کی

تکفیر ہوتی ہے ۔
من شاء التفصیل فلیطالع هنا ک بینتها بالبسط والتفصیل لا حاجۃ الی التکرار فی هذالمقام.
معلوم ہوا طاہر القادری صاحب کے اصول سے بریلوی خود بدعتی قرار پاتے ہیں۔

تعریف نمبر [۲]:

مولوی فیض احمد اویسی صاحب ”من احدث فی امرنا هذا مالیس منہ فهو رد“کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

حدیث بالا میں یا امر سے مراد دین ہے اور ماسے مراد اعمال ہیں اور لیس منہ سے مراد قرآن وحدیث کے مخالف۔ کوئی دین میں ایسے عمل ایجاد کرے جو دین یعنی کتاب وسنت کے مخالف ہوں جس سے سنت اٹھ جاتی ہو ۔ (بدعت حسنۃ کا ثبوت ص11)

اس کے قریب قریب نقی علی خان صاحب فرماتے ہیں کہ حقیقت الامر یہ ہے کہ بدعت بمعنی دوم یعنی مخالف ومزاحم ومضاد سنت مطلقا گمراہی وضلالت اور یہی معنی اکثر احادیث میں مراد اور عید کہ احادیث میں وارد اسی معنی کے مناسب ۔ (اصول الرشاد ص88)

یعنی بدعت وہ ہے جو سنت کے مخالف ہو اور جس سے سنت میں تغیر پیدا ہواور جو سنت کے متصادم ہو اور یا جس سے سنت اٹھ جائے ۔

تو دیکھئے کہ امام شاطبی فرماتے ہیں:

سنتیں مردہ ہو جاتی ہیں جب بدعت شروع کی جاتی ہیں اور جب سنتیں مردہ ہو جائیں تو اسلام گرجاتاہے ۔

آگے لکھتے ہیں:

جس نے ایک بدعت پر عمل کیا اس نے اس موقع کی سنت کو ترک کر دیا ۔ (اعتصام ص21)
اور یہ بھی ابوادریس خولانی سے منقول ہے کہ امت جب بدعت اختیار کرتی ہے توان سے اس موقع کی سنت اٹھالی جاتی ہے ۔ (اعتصام ص19)

اور تقریبا یہی بات حسان بن عطیہ تابعی سے بھی منقول ہے ۔ (اعتصام ص19)

تو پتہ چلا کہ ہر بدعت کسی نہ کسی سنت کی رافع ہے ۔

اور مزید سمجھنے کیلئے نبی رحمتﷺ کا ارشاد اکسیر رہیگا کہ کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرے گا مگر اسی مقدار میں سنت ان سے اٹھالی جائے گی پس سنت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے ۔ (مشکوۃ شریف ج1ص31)

شیخ عبد الحق محدث دھلوی آخری جملہ کی تشریح میں فرماتے ہیں: چاھے بدعت حسنۃ ہی کیوں نہ ہو ۔ (دیکھئے اشعۃ اللمعات)

معلوم ہو گیا کہ بدعت سنت کی رافع ہے ۔

اچھا اب آگے آیئے! بریلوی حضرات نے کہا کہ سنت سے متصادم ہو تو بدعت ضلالۃ ورنہ نہیں تو دیکھئے کہ بریلوی حضرت نمازہ جنازہ پڑھنے کے متصل بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں جبکہ نبی پاکﷺ سے ایسی دعا منقول نہیں بلکہ بریلوی مسلک کے ترجمان مولوی اقبال احمد فاروقی نے کتاب شائع کی روضۃ القیومیہ اسکی ج1ص449پر یوں لکھا ہے:

مجدد الف ثانی کی نماز جنازہ کے بعد دعا کیلئے توقف نہ کیا ۔کیونکہ سنت نبویہ بھی اسکی تقاضا نہیں کرتی ۔تو معلوم ہو گیا کہ یہاں دعا نہ مانگنا سنت تھا ۔اب جب مانگ لی گئی تو وہ سنت تو اٹھ گئی ۔

اسی طرح دیکھئے اذان سےقبل وبعد صلوۃ وسلام کا اضافہ کرنا۔ فاضل بریلوی اپنی قلم سے اقرار کررہا ہے کہ 781ھ میں شروع ہوئی او ر ہماری تحقیق یہ ہے ۔مولوی احمد رضا خان نے ”الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ“ شروع کرائی ہےچلو اس کی مان لیتے ہیں اس سے بھی تو معلوم ہو گیا کہ نبی پاک علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ مبارکہ میں نہ تھی تو گویایوں کہیے کہ اس موقع پر نہ پڑھنا سنت تھا جب پڑھ لی گئی تو سنت اٹھ گئی۔

اسی طرح قبر پر اذان ہمار ابریلوی حضرات سے سوال ہے کہ کسی حدیث کی کتاب کی نشاندہی کریں کہ نبی پاک علیہ السلام نے یہ اذان دلوائی ہو ؟اور بریلوی بھی اسے بدعت حسنۃ مان کر یہ ثابت کردیتے ہیں کہ یہ نبی پاک علیہ السلام نے نہیں دلوائی ورنہ بدعت حسنۃ نہ کہتے ۔اور جب اذان دیدی گئی تو یہ اس بات کی دلیل ہے نہ دینے والی سنت اٹھ گئی ۔

شاید اہل بدعت سمجھتے ہیں کہ سنت صرف کرنے کے کاموں میں ہوتی ہے ۔اللہ کے بندوں جیسے کرنے کے کاموں میں ہوتی ہے ویسے نہ کرنے کے کاموں میں بھی ہوتی ہے یعنی جو کام نہیں کیے گیے انکو نہ کیا جائے ۔اس پر بے شمار دلائل ہیں:

1: ملا علی قاری لکھتے ہیں:

اتباع جیسا کہ فعل میں ہوتی ہے ویسے ہی ترک میں بھی ہوتی ہے پس جس نے اس فعل پر مواظبت اختیار کی جسکو شارع نے نہیں کیا وہ بدعتی ہے ۔ (مرقاۃ ج1ص41تحت حدیث انماالاعمال بالنیات)

2: شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے بھی اسی حدیث کے تحت یہی بات لکھی ہے ۔ (اشعۃ اللمعات ج1ص36)

3: صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں: جس طرح رسول اللہ ﷺ کے کیے ہوئے فعل کو اتباع کرنا اطاعت رسول ہے اسی طرح نبی کریم ﷺکی اطاعت وفرمانبرداری ہے کہ فعل نبی کریم ﷺ نےکبھی نہ کیا ہوا اس پر عمل نہ کیا جائے ۔اورچاہیئے کہ اس پر دوام اصرار نہ کیا جائے جو شارع سے ثابت نہیں ۔ (مظاہر حق ج1ص77)

4: علامہ کاسانی رات کے وقت ایک سلام سے آٹھ رکعات نوافل سے زیادہ پڑھنے اور دن کے وقت ایک سلام سے چار رکعات نوافل سے زیادہ پڑ ھنے کےمکروہ ہو نیکی وجہ یہ لکھتے ہیں یہ مکروہ ہے اس لیے کہ یہ زیادتی نبی پاک علیہ السلام سے مروی نہیں ہے ۔(بدائع:ج1ص295)

5: صاحب ہدایہ مکروہ ہونے کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام نے اس سے زیادہ نہیں پڑھے اگر کراہت نہ ہوتی تو نبی پاک علیہ السلام زیادہ پڑھ لیتے جواز کی تعلیم دینے کیلئے ۔ (ہدایہ ج1ص127)

6: ابن نجیم مصری کے بھائی بھی یہی وجہ لکھتے ہیں ۔ (النہر الفائق: ج1ص297)

7: شرح وقایہ کے حاشیہ ص104پر بھی یہی بات تقریبا لکھی ہے ۔

8: صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

طلوع فجر کے بعد فجرکی سنتوں کے اور نوافل پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ نبی پاک علیہ السلام نے باوجود نماز کی چاہت کے ان کے علاوہ اور رکعات نہیں پڑھیں ۔ (الہدایہ: ج1ص70)

9: علامہ شامی لکھتے ہیں: نبی پاک علیہ السلام کا کسی کا م کو نہ کرنا یہ کراہت کی دلیل ہے ۔ (فتاویٰ شامی: باب العیدین)

10: شیخ جیلانی فرماتے ہیں:

جب قرآن بھی ایک شے بیان نہ کرے او ر سنت سے بھی مروی نہ ہو اور صحابہ کرام کا زمانہ بھی اس سے خالی ہو اور ان میں سے بھی اس کے متعلق ارشاد نہ ملتا ہو پس اس کے بارے میں کلام کرنا بدعت وحدث ہے ۔ (غنیۃ الطالبین عربی ج1ص137قدیمی کتب خانہ)

ایک جگہ عاشورہ کی بحث کرتے لکھتے ہیں:

اگر عاشورہ کے دن کو غم اور مصیبت کا دن بنانا جائز ہوتا تو صحابہ کرام اور تابعین عظام ضرور اسے بناتے ۔ (غنیۃ الطالبین: ج2ص94)

11: شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

معلوم ہوا کہ جب رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے طرز عمل وعبادت سے نفل باجماعت ادا کرنے میں کوئی فضیلت وبرتری نہیں ہے ۔ (ماثبت بالسنۃ ص201)

12: علامہ حلبی فرماتے ہیں:

صلوۃ رغائب کے مکروہ ہونیکی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز صحابہ کرام اور ان کے بعد ائمہ مجتہدین سے یہ منقول نہیں۔ (کبیری ص433)

13: فتاوی عالمگیری میں ہے: سورۃ کافرون کا آخر تک بالجمع پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ بدعت جو منقول نہیں صحابہ اور تابعین سے ۔

(باب الکراہۃ ج4ص264)

14: امام شاطبی کسی کام کے بدعت ہونیکی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ نبی پاک ﷺ اور صحابہ کرام اور تابعین سے ثابت نہیں ۔

(اعتصام ص213)

15: امام ابن کثیر فرماتے ہیں: اہل سنت والجماعت ہر اس قول وفعل کو بدعت کہتے ہیں جو صحابہ کرام سے ثابت نہ ہو ۔
(ابن کثیر ج4ص156)

16: امام مالک فرماتے ہیں:
جو صحابہ کرام کے دور میں دین نہ تھا آج دین نہیں بن سکتا ۔ (اعتصام ص259)

17: علامہ طاہر پٹنی لکھتے ہیں:
بعض لوگوں کی عادت ہے کہ نمازسے فارغ ہونے کے بعد سجدے میں گرپڑتے ہیں اور اس میں دعا کرتے ہیں اسکی کوئی اصل نہیں بالکل اور یہ بات نبی پاک علیہ السلام اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں اور یہ بات بدعت ہے ۔ (تذکرہ الموضوعات: ص53)

18: علامہ حلبی صاحب ملتقی الابحر لکھتے ہیں :
فعلم ان کل بدعۃ فی العبادات الخاصۃ فھی مکروہۃ والاالخ
یعنی معلوم ہوگیا کہ ہر وہ بدعت جو خالص عبادات میں جاری کی جائیں وہ مکروہ ہے وگرنہ قرن اول اور وہ قرون جنکی نسبت نبی پاک علیہ السلام نے خیر کی گواھی دی ہے وہ اس سے خالی نہ ہوتے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بدعت سنت سے ٹکراتی ہے اور اسے اٹھاتی ہے اور ہر وہ بدعت جو سنت کو مٹائے وہ سیئہ ہوتی ہے ۔ (الرھص والوقص لمستحل الرقصص69)
ایک جگہ بدعت کی تعریف ومثال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:
اسی طرح ہر اس کام کو بدعت کہا جائے گا جو کہ عبادات میں ایسا مخصوص طرز اختیار کیا جائے جو صحابہ کرام کے زمانے میں نہ تھا جیسے جنازے لے کے آگے آگے ذکر بالجہر کرنا ۔
(الرھص والوقص لمستحل الرقصص69،68)
اور یہ بھی یاد رکھیں کہ علامہ شامی لکھتے ہیں:
ان البدعۃ مرادفۃ للمکروہ عند محمد• (شامی ج5ص295کتاب الخطر والاباحۃ)
یعنی بدعت مکروہ کا دوسرانام ہے یعنی مترادف ہے ۔
اور یہ بھی یاد رکھیں کہ مکروہ کا لفظ مطلق ہو تو اس سے مراد مکروہ تحریمی ہوتا ہے ۔ تو معلوم ہوگیا کہ کسی بدعت کو ایجاد کرنا دافع سنت ہے اور اس موقع کی سنت کو مٹانا کیونکہ کسی کام کو نہ کرنا بھی سرکار طیبہ ﷺ کی سنت ہے ۔

تعریف نمبر[۳]:

مفتی عبدالمجید خان سعیدی لکھتے ہیں اہل سنت کے ہاں بدعت سیئہ کسی امر کی شرعی حیثیت کو کو بدل کر اسے شریعت سمجھنے کا نام ہے۔
(مصباح سنت ج1ص58مصدقہ مولوی منظور احمد فیضی، مفتی اقبال سعیدی انوارالعلوم ملتان ،عبد الحکیم شرف قادری صاحب، مولوی فتح محمد صاحب مہتمم مدرسہ فتحیہ جلال پور پیر والا ، مولوی منشا تابش قصوری)
یعنی جوچیز شریعت نے مباح قرار دی ہے اسے سنت وواجب وفرض سمجھنا بھی بدعت ہے اور حرام کہنا بھی بدعت ہے یہ ہے ان کے نزدیک بدعت کی تعریف ۔

مثال نمبر1: مروجہ دعا بعد الجنازۃ

1: مولوی احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں:
ابھی مرقاۃ سے گذرا کہ ایہام زیادت مورث کراہت تنزیہہ ہے وبس جس کا حاصل خلاف اولی ۔ (فتاوی رضویہ ج4ص30قدیم)
یعنی مروجہ دعا بعد نماز جنازہ مکروہ تنزیہی خلاف اولی ہے ۔

2: مفتی محمد امین والد مولوی سعید اسعد لکھتے ہیں:
دعا بعد جنازہ ،ختمات مبارکہ ،تیجا ،ساتواں ،چالیسواں ،ششماہی ،سالانہ عرس مبارک وغیرہا مباحات ہیں -(نماز جنازہ کے بعد دعا کا حکم ص3،4)
یعنی دعا بعد نماز جنازہ مباح ہے ۔

3: مولوی احمد رضا خان لکھتے ہیں -وہ تمام مامور بہ کے تحت میں داخل اور مستحب شرعی کی فرد ہے ۔ (فتاوی رضویہ ج4ص30قدیم)
یعنی نما زجنازہ کے بعد دعا مستحب ہے ۔

4: دعا بعد نماز جنازہ جائز بلکہ سنت ہے ۔ (جاءالحق ص281 از مفتی احمد یار نعیمی)

:5 مولوی عمر اچھروی لکھتا ہے :
اس آیت کریمہ کی تمام تفاسیر سے ثابت ہو ا کہ جب کسی نما زسے فارغ ہووے نماز جنازہ ہو یا اور تو نماز کے بعد وہیں ٹھہریں رہنا اور بحکم الہی دعا مانگنا ضروری ہوا ۔ (مقیاس حنفیت ص533)
:6 مولوی عنایت اللہ سانگلہ ہل والے نے دیوبند ویوں کو چیلنج کرکے فرمایا:
اس دعا میں صرف ایک یا دو صحابی نہ تھے بلکہ ہزاروں کی تعداد میں جمع تھے پھر کسی صحابی نے بھی دعا مانگنے سے انکار نہ کیا یہ صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ (مقالات شیر اہلسنت ص230)
یعنی اس پر صحابہ کا اجماع ہے اور مفتی اقتدار احمد کہتا ہے کہ اجماع صحابہ کا انکار کفر ہے ۔ (فتاوی نعیمیہ ج1ص13)

دعا بعد الجنازہ نہ مانگنے والوں پر حکم

:1 مولوی عمر اچھروی لکھتا ہے:
جو نما زجنازہ کے بعد دعا سے روکتا ہے تو کیا اسکی سزا جو اللہ نے ’’سید خلون جھنم داخرین ‘‘ فرمائی ہے نہ دیگا؟ (مقیاس حنفیت ص530)
یعنی جو نماز جنازہ کے بعد مروجہ دعا سے روکتا ہے وہ جہنمی ہے ۔
آگے کہتے ہیں:
تم نماز جنازہ کے بعد دعا کاانکار کرکے حنفی ہو یا معتزلی جو دعا سے روکے وہ تمام زمانے سے زیادہ احمق ہے ۔ (ص537)
:3 مولوی عبد الرشید صاحب لکھتے ہیں:
مانعین یا تو دعا بعد نماز جنازہ کو اس آیت کے عموم میں شامل مان کر جائز تسلیم کریں یو پھر جہنم میں جانے کیلئے ہاتہ میں لوٹا بوریا بستر بغل میں دبا لیں ۔ (دعا بعد نماز جنازہ ص5)
:4 اویسی صاحب لکھتے ہیں:
قیامت میں اللہ تعالی فرمائے گا اے دوزخیو دوزخ میں پڑے رہو اور مجہ سے کلام بھی نہ کرو کیونکہ ایک گروہ میر ے بندوں میں سے دعا مانگتے تھے اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو ہمار اارحم الراحمین ہے لیکن تم نے ان کا مذاق اڑایا ۔دیکھیے اس آیت میں کیسے صاف الفاظ میں دعا مانگنے والوں او ر نہ مانگنے والوں کا فرق بتایا گیا ہے جنازہ میں دعا مانگنے یا نہ مانگنے کا فیصلہ ناظرین خود فرمالیں۔
(دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت: ص3)
یعنی دعا بعد از نماز جنازہ جو مروج ہے نہ مانگنے والا جہنمی ہے ۔
ان باتوں سے معلوم ہو گیا کہ بریلوی نادان اسے مکروہ تنزیہی سے اٹھا کرفرض قطعی پر پہنچا چکے ہیں جو کہ یقینا انکے اصول سے بدعت سیئہ ٹھہرا ۔

مثال نمبر2: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر انگوٹھے چومنا

:1 بریلوی حضرات بعض کتب فقہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اذان میں بوقت استماع نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا مستحب ہے یہ بات تقریبا اس موضوع پر لکھی ہوئی سب کتب میں مل جائیگا ۔ (احکام شریعت ص81)
:2 پھر ترقی یوں کی کہ انجمن انوار قادریہ بریلوی کا ایک بہت بڑا ادارہ ہے اس نے کئی کتابوں کو اپنے ادارہ سے چھپایا اور تقریبا ہر کتاب کے آخر کے ٹائٹل پر یوں لکھا کہ ’’**حضور ﷺ کے نام مبارک پر ضرور ضرور انگوٹھے چومیں**‘‘
:3 خواجہ قمر الدین سیالوی کہتے ہیں:
انگوٹھے چومنے سے منع کرنے والا دولت ایمان سے محروم ہے ۔ (ملخصا فوز المقال ج4ص479)
:4 مفتی امین فیصل آبادی لکھتا ہے:
جو مسلمان نام پاک سن کر انگوٹھے نہ چومے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالی اسے اسی بنا پردوزخ میں بھیج دے ۔ (البرہان ص484)
معلوم ہوا کہ یہ بھی بدعت ہے ان کے اپنے اصول کی روشنی میں ۔

مثال نمبر3: مروجہ جشن عید میلاد شریف

1: مولوی احمد رضا لکھتے ہیں:
رسول اللہ ﷺنے جس بات کا نہ حکم دیا نہ منع فرمایا وہ مباح بلا حرج ہے آگے لکھتے ہیں مجلس میلاد مبارک وقیام وفاتحہ وسوم وغیرہ کئی مسائل وہابیہ سب اسی اصل سے طے ہو جاتے ہیں ۔ (الامن والعلی ص176)

2: سنت الہیہ ،سنت انبیاء،سنت ملائکہ سنت رسول اللہﷺہے ۔ (جاء الحق ص196)

3: انوار ساطعہ میں ہے: پس واجب کردیا ہے اللہ تعالی نے فرحت ولادت ﷺکو ۔ (انوار ساطعہ ص551)

4: سید ارشد سعید کاظمی لکھتے ہیں:
جشن ولادت النبی ﷺکو وجوب کو درجہ اس بنا پر حاصل ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اپنی نعمتوں کو یاد کرتے رہنے کو حکم دیا ہے ۔ (میلاد النبی صلی اللہ علیہ و سلم ص3)

5: یہ ان اچھے کاموں میں سے بدعت حسنۃ ہے جن کے کرنے والوں کو ثواب ملتا ہے ۔
(عقائد ومسائل ص75عبد الحکیم شرف قادری ،مفتی عبد القیوم ہزاروی)

6: تقریبا یہی بات فہارس فتاوی رضویہ ص739پر بھی موجود ہے کہ میلاد شریف منانا اور اس کیلئے لوگوں کو احتماع بدعت حسنۃ ہے ۔

7: ڈاکٹر انوار احمد بگوی لکھتے ہیں:
پاکستان بننے کے بعد میلاد النبی ﷺکے موقع پر آرائش چراغاں اور جلوس اب تو گویا اسلامی شوکت کا نشان اور نبی اکرمﷺکی محبت کا پیمانہ بن چلا ہے بعض طبقوں کے نزدیک یہ مظاہرہ کچھ اس طرح ہے جیسے نماز مسلمان اور کافر کے درمیان امتیاز ہے ۔ (تذکار بگویہ : ج2ص112)

8: ڈاکٹر اشرف جلالی کہتے ہیں:
محفل میلاد واجب ہو گئی ہے ۔ (ہم میلاد کیوں مناتے ہیں ص38)

9: فاضل بریلوی لکھتے ہیں:
سعودی وہابیوں نے اس مبارک محفل کو ختم کر دیا ہے ۔ قاتلھم اللہ انی یوفکون ۔ (آنا جانا نور کاص20 از فاضل بریلوی)
یہ بھی بریلوی اصول وقواعد سے بدعت ٹھہری ۔

مثال نمبر4: اذان کے ساتھ صلوۃ وسلام کا ملانا

فاضل بریلوی نے اسے احکام شریعت مسئلہ نمبر 39ص133پر بدعۃ حسنۃ یعنی بدعت حسنۃ نقل کیا ہے ۔مولوی عطا محمد بندیالوی جو کہ استاذالبریلویہ ہیں لکھتے ہیں:
اذان سے قبل اور بعد درود وسلام جائز بلکہ واجب ہے ۔ (قبل اور بعداز اذان درود شریف کا ثبوت: ص57)
ایک جگہ لکھتے ہیں:
اذان سے قبل اور بعد درود شریف پڑھنا سنت الہیہ اور سنت ملائکہ ہے۔ (قبل اور بعد از آذان درود شریف کا ثبوت ص38)
معلوم ہوا کہ یہ بھی بدعت ہے ۔اسی طرح تمام بدعات کی حیثیات کو بریلویوں نے اپنی اس سطح سے بڑھا دیا ہے جو پہلی دفعہ بنائی تھی ۔اور بقول بریلویہ یہی بدعت ہو نے کی دلیل ہے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صفت حاضر و ناظر خاصۂ خداوندی

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

پہلے چند شرائط:

1: چونکہ بریلوی اس عقیدے کے منکر کو کافر کہتے ہیں ، اس لیے اس عقیدے پر بریلوی حضرات دلائل قطعیہ ہی پیش کر سکتے ہیں۔

2: احناف کے مسلمہ بزرگوں کی عقائد پر کتب موجود ہیں، بریلوی حضرات اپنا یہ عقیدہ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ موجود ہیں ، ان سے ثابت کریں۔

3: بریلوی حضرات منکرین کو جو ہر جگہ نہیں مانتے کافر لکھ کر دے گا۔

بریلویوں کے ہاں منکرین کافر ہیں:

1: اہل بدعت کی معتبر کتاب میں ہے:

شیخین کا گستاخ اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کا منکر دونوں شخص عقیدہ کے لحاظ سے اس کے مرتکب ہوتے ہیں اور یہ التزام کفر ہے ، جس سے نکاح نہیں رہتا جس فعل کا تعلق عقیدے سے ہو اور اہل السنۃ کے خلاف ہو تو مرتد قطعی ہے ۔ العیاذ باللہ اور اس کا قتل واجب ہے۔ (انوارقمریہ ص 107)

2: مولوی محمد عمر اچھروی لکھتا ہے:

جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کے منکر ہیں ان کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایمان سے خالی ہیں۔

(مقیاس حنفیت ص 268)

3: فیض احمد اویسی لکھتا ہے:

حضور علیہ السلام کے حاضر وناظر ہونے کا انکار وہی کرےگا جو یا تو اپنے آپ کومومن نہ جانے یاحضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہ سمجھے۔ (صحابہ کرام عقیدہ ص8)

4: مولوی غلام نصیرالدین سیالوی لکھتا ہے:

یہ لوگ حضور علیہ السلام کے اوصاف کاملہ کے انکار کی وجہ سے کافر ہوگئے جن صفات کاملہ کا ان لوگوں نے انکار کیاہے ان میں علم غیب ، حاضر وناظر، معراج کی رات حضور علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنا اور حضور علیہ السلام کی اعانت کرنا اور آپ علیہ السلام سے استمداد کا منکر ہوجانا یہ ان کے کفر کی وجوہات ہیں۔ (عباراتِ اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ جس1ص69،دیوبندی مذہب ص 635)

تنقیح مسئلہ:

بریلوی حضرات سے حاضر وناظر ہونے کی وضاحت طلب کی جائے ، کیونکہ یہ حضرات شتر مرغ کی کیفیت رکھتے ہیں کہ کبھی یہ کبھی وہ۔

حاضر کہتے ہیں موجود کو اور ناظر کہتے ہیں دیکھنے والوں کو ، چونکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقام پر تشریف فرما ہیں اور نامہ اعمال اجمالاً پیش خدمت ہوتا ہے اس کے ناظر بھی ہیں اس لیے ان الفاظ کا استعمال کرنا غلط بھی نہیں۔

مگر بریلوی حضرات سے وضاحت ضروری ہے کہ حاضر وناظر سے کیا مطلب ہے؟ بریلوی حضرات جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر کہتے ہیں اس سے مراد ان کی ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کی ہوتی ہے ، اس پر آپ یہ سوال اٹھائیں کہ جناب ہر جگہ آپ روح سے حاضر وناظر ہیں یا روح اور جسم دونوں سے؟ اگر وہ کہیں دونوں سے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جسم مبارک تو نظر آنے والا تھا جب دنیا پر موجود تھا۔ ابولہب وابوجہل کو بھی نظر آیا، تو اب تمہیں کیوں نظر نہیں آتا؟ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف روح مبارک سے ہر جگہ حاضر وناظر ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ آپ کی زندگی میں تو آپ کی روح مبارک آپ کے وجود مبارک میں تھی یہ کائنات میں (بقول آپ کے) ہر جگہ جو اب موجود ہے یہ کب سے ہوئی؟ تو شاید وہ یہی جواب دیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسل کے وصال کے بعد۔ تو سوال یہ

پیدا ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو یہ کس نے بتایا کیونکہ دین تو مکمل ہو چکا ہے اور اس مکمل دین سے آپ کا عقیدہ ثابت نہ ہوااور دوسری بات یہ ہے کہ تو آپ علیہ السلام نہ موجود ہوئے یہ تو روح پاک ہوئی ہے لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں توآپ کی صرف روح کو مان کر آپ نے آدھا مسئلہ خود چھوڑ دیا اور آدھا ہم سے سمجھ لیں کہ اس دنیا میں ہر شے محدود ہے سوائے خدا کے سب محدود ہیں۔ ایک جگہ ہیں تو دوسری جگہ نہیں ، ہر چیز جو کسی جگہ ہے تو وہاں جگہ گھیرے گی مثلاً روشنی کو دیکھ لیجیے جہاں ہو وہاں اندھیرا نہیں اور اندھیر اگر کسی جگہ ہے تو روشنی نہیں دوچیزیں ایک ہی وقت میں ایک جگہ نہیں ہوتیں۔ جہاں ہم بیٹھیں دن کی روشنی میں تو وہاں ہمارا جسم ہے اور اگر ہم اٹھ جائیں تو روشنی وہاں آجائے گی۔ ہر مخلوق کو اللہ کریم نے حادث بنایاہے یعنی وہ پہلے نہ تھی پھر اسے وجود بخشااب تو نہ کوئی ایسی مخلوق بنائی جو ہر آن ہر گھڑی ہر مکان میں ہو ، یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب پورے عالم میں صرف ایک مخلوق ہو اور کوئی نہ ہو۔

اب ان ارواح کو دیکھیے ان میں بھی تداخل نہیں جہاں ایک ہے وہاں دوسری نہیں اور اس کو کتنی ہی سیر کاموقع ملے اور دائرہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو مگر ایک دائرہ میں ۔ محدود حد تک نہ کہ وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے توجب زمین پر آتاہے تو وہ اپنی اصل صورت پر جو اوپر ہوتی ہے وہاں نہیں ہوتے اور جب وہاں اس صورت میں ہوتے ہیں تو زمین پر انسانی شکل میں نہیں ہوتے۔ تیز رفتاری اور برق رفتاری ضرور ہے مگر چونکہ مخلوق ہیں اس لیے ہر وقت ہر جگہ ہونا مخلوق کے خواص میں نہیں ہے۔

اب وہ کہے گا کہ جی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم ہر جگہ حاضر وناظر کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام ایک ہی جگہ تشریف فرما ہونے کے باوجود ہر جگہ کو دیکھ بھی رہے ہیں اور ملاحظہ بھی فرما رہے ہیں، کوئی جگہ آپ کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔

اس پر بھی کئی سوال ابھریں گے:

1: یہ کس وقت سے یا تو شروع کائنات سے جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا گیا تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت کے وقت کا قرآن تذکرہ کر کے کہتا ہے کہ آپ وہاں موجود نہیں تھے اور کئی مواقع کا ذکر کرکے قرآن کہتاہے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں کہ آپ وہاں نہ تھے تو شروع والی بات تو غلط ٹھہری۔

2: اگر آپ کہیں کہ زندگی مبارکہ میں تھے تو پھر سوال ابھرے گا کب سے؟ اب جواب توآئےگا مگر اتنا کہیں گے جی یہ ہمیں نہیں پتہ کب سے ۔ چلو اس کو بھی دیکھ لیتے ہیں : رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام بھی ان کی زندگی مبارکہ میں یوں حاضر وناظر نہ سمجھتےتھے۔

☼ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو آپ علیہ السلام نے ایک راز کی بات ارشاد فرمائی تو انہوں نے چھپ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتادی۔ اگر انہیں یہ خیال ہوتا کہ آپ علیہ السلام ہمیں دیکھ رہے ہیں تو پھر راز کیوں بتاتیں؟ (سورۃ التحریم)

☼ حضرت کعب بن مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فما رجل یرید ان یتغیب الاظن انہ سیخفی لہ ما لم ینزل فیہ وحی• (صحیح البخاری ج2ص634)

اگر کوئی آدمی اس گمان کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپنا چاہتا ہے کہ جب تک وحی نہ آئے تو آپ کو معلوم نہ ہوگا ۔ لوگوں کی کثرت کی وجہ سے اس کا خیال درست تھا۔

☼ سیدنا عاصم رضی اللہ عنہ نے شہادت سے پہلے یہ دعا کی: اللھم اخبر عنا نبیک• (صحیح البخاری ج1ص427)

☼آپ علیہ السلام اور صحابہ کرام نے آپ علیہ السلام کی ذات گرامی کے لیے ’’غائب‘‘ کا لفظ استعمال فرمایا۔

* آپ علیہ السلام نے ایک غلام کے قتل کےلیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا انہوں نے قتل نہ کیا اور آکر بتایا:

انہ لمجبوب۔

کہ وہ تو نامرد ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: الشاھد یری مالا یری الغائب"۔ (رشدالایمان ص 86)

تو آپ نے اپنے لیے خود ہی ”غائب“ کا لفظ استعمال فرمایا۔

*آپ علیہ السلام نے امت کو جنازے کی دعاسکھائی:

اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاہدنا و غائبنا۔

یہ دعا آپ علیہ السلام ساری زندگی پڑھتے رہے مگر کسی نے نہ کہا کہ آپ سے کچھ غائب نہیں ہے اس لیے یہ لفظ کاٹ دیں۔

☼ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مشہور یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ حضرت رقیہ کے فوت ہونے کے وقت حاضر نہ تھے۔

(تاریخ مدینہ ص 175 مترجم از مولوی محمد صادق بریلوی)

☼ بیہقی شریف میں ہے:

ان ام سعد ماتت والنبی صلی اللہ علیہ وسلم غائب۔(مرسل عن سعید بن مسیب)

☼ اسی طرح امام جصاص رحمہ اللہ کا فرمان ہےکہ:

فاما الحالتان کان یجوز فیہما الاجتہاد فی حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ و سلم في حال غیابتھم عن حضرتہ۔

(احکام القرآن ج2ص213)

☼ اسی طرح علامہ عینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

وقدمات من الصحابہ خلق کثیر وھم غائبون عنہ۔ (عینی شرح بخاری ج8 ص119)

تو یہ بات بھی غلط ٹھہری کہ آپ علیہ السلام اپنی زندگی مبارکہ میں ہر جگہ موجود تھے۔ باقی رہی تیسری بات کہ اگر وفات کے بعد حاضر ناظر ہوئے ہیں تویہ آپ کو کس نے بتایا؟ کیوں دین تو پہلے مکمل ہوگیا تھا۔ لہذا یہ اب آپ نے عقیدہ گھڑا جس کے منکر کو کافر بھی کہنے لگے تو یہ عقیدہ آپ کا خود تراشیدہ ہے نہ کہ شر یعت کا۔

یہ عقیدہ ہے یا بے ادبی!!!

ہم اکثر سوچتے ہیں کہ عوام بھی کتنی بھولی ہے کہ ان کے ایمان سے ڈاکو کھیل رہے اور ان کو خبر ہی نہیں ۔ اب جو یہ عقیدہ بریلوی حضرات کا ہے یہ انتہائی بے ادبی پر مشتمل ہے مگر عوام ٹس سے مس ہی نہیں ہو رہی ۔ آہ اس قوم کی قسمت کہ سنکھیا کو کھلارہے ہیں کشتہ فولاد بنا کر ، خدا انہیں ہدایت دے ۔اس اجما ل کی تفصیل ہے کہ : بڑے کی خدمت میں چھوٹا حاضر ہوتاہے اور بڑے کو حضور کہتاہے مثلاً پیر مرید سے کہے بھائی یہ کام آپ نے آئندہ نہیں کرنا تو وہ کہے گا جی حضور اور جب استاد بھی حاضری لے تو وہ پوچھتا ہے عبداللہ تو وہ کہتاہے حاضر ہوں، تو بڑا حضور ہوتاہے اور چھوٹا حاضر ہوتا ہے۔ ساری کائنات نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور وہ حضور ہیں کیونکہ بڑے کو حضور کہتے ہیں اور چھوٹے حاضر ہوتے ہیں۔ پیر مرید ، استاد شاگرد، نبی امتی کی جنس ایک ہے اس لیے ان میں سے بڑا حضور ہے اور چھوٹا شاگرد ہے مگر خدا تعالیٰ تو جنس سے پاک ہے اس لیے اس کو حاضر کہنے میں حرج نہیں ، جیسا کہ اسے تو کہنا ٹھیک ہے مگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب وآداب تو ”آپ“ کہنے میں ہی ہے۔ اسی طرح آپ علیہ السلام کو حضور کہنا اور خدا کو حاضر کہنا ہی ادب وآداب ہے۔ اسی طرح اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کی صورت میں کوئی باحیا آدمی قضاء حاجت ، اپنے گھروالوں سے ہمبستر ہونا ، وغیرہ بے شمار ایسی حالتیں ہیں کہ انسان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ آپ علیہ السلام اس حالت کو دیکھیں مگر رضا خانی ہیں کہ وہ یہ عقیدہ بنائے بیٹھے ہیں کہ تاریک راتوں میں تنہائی کے اندر چھپ کر گھر میں جو کام کرتے ہیں نگاہ مصطفےٰ

علیہ السلام سے وہ بھی پوشیدہ نہیں۔ (جاء الحق ص 72)
اب بتائیے کوئی غیرت مند انسان کسی گھر کے فرد کی موجودگی میں تو اپنی اہلیہ کے ساتھ ہمبستر نہیں ہوتا مگر یہ غیرت سے خالی یہ عقیدہ بنائے بیٹھے ہیں کہ آپ علیہ السلام اس حالت میں بھی دیکھ رہے ہیں۔ شاید بریلوی حضرات یہ خیال کریں کہ خدا بھی تو دیکھتا ہے پھر بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق بعض مسلمان اپنے بشری تقاضوں کو پورا کرتے وقت اپنے جسم کے مخصوص حصوں کو برہنہ کرنے سے شرماتے تھے کہ اللہ دیکھ رہا ہے اس لیے اپنی شرمگاہ کو چھپانے کےلیے وہ دہرے ہوجاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے مسلمانوں کو منع کیا ۔ اور ارشاد فرمایا:

الا انہم یثنون صدور ہم لیستخفوا منہ۔

ترجمہ: وہ اپنے سینے دوہرے کر رہے ہیں تاکہ خدا سے چھپ جائیں۔

الاحین یستغشون ثیابہم یعلم ما یسرون۔

ترجمہ: جس وقت وہ کپڑے اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں تو اس وقت بھی وہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

وما یعلنون انہ علیم بذات الصدور۔

ترجمہ: خبردار بلاشبہ وہ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔
یعنی جب اللہ سے بندے کا کوئی حال چھپا ہوا نہیں ہے جب کپڑوں کا ہونا نہ ہونا برابر ہے تو خواہ مخواہ دہراہونا محض اپنے پر سختی اور تنگی ہے، دلوں کی بات جاننے والے سے ظاہری بدن کون چھپا سکتا ہے؟۔ تو چونکہ خدا سے مخفی ہونا انسان کے بس میں نہیں ہے اس لیے انسان کو اللہ سے چھپنے کو حکم بھی نہیں دیا گیا۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسے کسی کام کا حکم نہیں دیتا جو بندوں کے بس میں نہ ہو۔" لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا" یہی وجہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ہر دور کے مسلمان اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جانتے ہوئے یہ سارے بشری تقاضے پورے کرتےتھے۔ اس سلسلے میں خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مزید کرم یہ فرمایا کہ وہ اپنے سامنے ضروری حاجات پوری کرتے وقت انہیں کسی قسم کی گھٹن اور کوفت کا احساس نہیں ہونے دیتا۔ ایک مسلمان خدا کو حاضر ناظر جانتے ہوئے یہ سارے کام دن رات میں کئی بار کرتا ہے مگر ذرہ بھر بھی گرانی ،بوجھ اور گھٹن محسوس نہیں کرتا۔ تو کوفت اور ذہنی بوجھ اور اضطراب سے انسان کو محفوظ فرمادیا گیا۔ دیکھیے غسل خانے میں ننگے شخص کو بچہ بھی اگر دیکھ لے تو وہ بوجھ محسوس کرےگا ، مگر اللہ کے بارے میں اسے یقین ہے کہ دیکھ رہا ہے مگر وہ ذرا برابر بھی بوجھ محسوس نہیں کرتا۔ اگر قدرت ایسا نہ کرتی تو ظاہر ہے زندگی عذاب بن کر رہ جاتی ، اب بندے خدا سے پردے کی پابندی سے آزاد ہیں اور بے پردگی کی صورت میں ہونے والی ذہنی کوفت اور گھٹن کے احساس سے بھی۔ یہ یقیناً اس کا اپنے بندوں پر خاص فضل اور احسان ہے، رہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ تو چونکہ یہ انسان کے بس میں ہے اس لیے تمام صحابہ کرام قضائے حاجت کے وقت جیسے باہم ایک دوسرے سے اوٹ میں ہوتے تھے بالکل ویسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پردے میں ہوجاتےتھے۔ خداتعالیٰ کے سامنے بے دھڑک اپنے ہر طرح کے بشری تقاضے پورے کرنے والے صحابہ کرام میں سے کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اپنی حاجت پوری نہ کرتا تھا۔ تو ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ اس لیے ضروری ہوا کہ یہ انسان کے بس میں ہے دوسرے یہ دیکھیے کہ خدا کے سامنے تقاضے پورے کرتے وقت انسان کوئی بوجھ محسوس نہیں کرتا، جب کہ خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسا کون ہے جو بوجھ گھٹن اور تکلیف محسوس نہ کرےگا۔ فرض کرو آج بھی غسل خانے میں نہانے والے)رضاخانیوں کے سوا(کسی بھی شخص کو یقینی طور پر معلوم ہوجائے کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے ہیں تو مسلمان ہی نہیں کافروں کے پیروں تلے سے بھی زمین نکل جائے گی اور وہ مارے شرم کے پانی پانی ہوجائےگا۔ اگر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ناظر ہوتےتو آج کرہ ارض پر رضا خانیوں کے علاوہ شاید کوئی فرد بشر موجود نہ ہوتا ۔ سوچیے تو

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر ہوتے تو جو صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ادب واحترام کے سبب بول نہیں سکتے تھے وہ بشری تقاضے ان کی موجودگی میں کس طرح پورے کرتے؟ یقین کیجیے اگر حضرات صحابہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناضر جانتے ہوتے تو نہ تو وہ اپنے بشری تقاضے پورے کر سکتے تھے اور نہ ان کی اولاد ہو سکتی تھی۔ خصوصاً حضراتِ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی ولادت باسعادت نہ ہو سکتی اور یوں دنیا کو ان کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہونے کا موقعہ نہ ملتا، کیونکہ علی رضی اللہ عنہ "صحابی "تھے"رضاخانی" قطعاً نہ تھےاور اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ رضی اللہ عنہ وعنہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ بالکل بے اصل بلکہ نصوص صریحہ شرعیہ کے خلاف اور مشرکانہ عقیدہ ہے ۔ ’’علی کل شیئ شہید‘‘ اور ’’بکل شی ء محیط‘‘صرف حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس گمراہانہ عقیدہ کو اسلامی تعلیمات سے اسی قدر بعد ہے جس قدر بت پرستی اور عقیدہ تثلیث کو اسلام اور عقیدہ توحید سے۔ اگر اس عقیدہ کے خلاف نصوص ناطق نہ ہوتے جب بھی اصول اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہ تھی، لیکن صورت حال یہ ہے کہ کتاب وسنت میں اس کے خلاف بے حساب دلائل موجود ہیں جن کا احصاء اور استیعاب بھی نہیں کیا جا سکتا۔

بریلوی دعویٰ

عالم میں حاضر وناظر کے شرعی معنی یہ ہے کہ قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھے اور دور ، قریب کی آواز یں سنے۔ (جاء الحق ص 138 از مفتی احمدیار گجراتی نعیمی)

ویسے تو بریلوی حضرات کے کئی دعویٰ جات ہیں زیادہ وہ اسی کو استعمال کرتے ہیں۔

<u>تنقیح نمبر1:</u>

بریلوی حضرات سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال مانتے ہو یا نہیں؟ اگر وہ کہیں:’’ نہیں‘‘ تو بات ختم اور اگر کہیں: ’’ہاں‘‘، تو پھر سوال یہ ہے کہ اس کما ل میں کسی کافر کو شریک کرنے والا بلکہ اس میں کافر کو بڑھانے والا کون ہے؟ اگر تو وہ کہہ دیں کہ کافر نہیں ہے تو پھر معلوم ہوگیا کہ کمال بھی نہیں مانتے، اگر مانتے ہوتے توجو کافر کو شریک بلکہ بڑھارہے ہیں اسے تو کسی فتوے کی زد میں لاتے ۔ اور اگر فتویٰ کی زد میں نہیں لاتے تو پھر بریلوی مسلک کے معتبر حضرات کی آراء کو سنیں:

☼ فاضل بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

وہ صفت جو غیر انسان کے لیے ہو سکتی انسان کے لیے کمال نہیں اور جو غیر مسلم کے لیے ہو سکتی مسلم کےلیے کمال نہیں۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت ص 343 فرید بک سٹال لاہور)

☼ اور دوسرے ’’مناظر اعظم‘‘ مولوی ا للہ دتہ صاحب لکھتے ہیں:

باقی رہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر ماننا اور نہ ماننا۔ سو اے برخودار ! تم یہ سوچو کہ اگر کوئی فرد کسی کے کمال کا انکار کرے تو اس کے انکار سے موصوف کی شان میں کوئی فرق تو نہیں آئے گا لیکن منکر کا انکار موصوف کے لیے باعث اذیت ضرور ہوگا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا درد ناک عذاب کا مستحق بنادےگا۔ (بھیڑ نما بھیڑیے ص 14)

☼ اور لگے ہاتھوں یہ بھی سنتے جائیے کہ: سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔

(غازی ممتاز حسین قادری ص201 از حنیف قریشی)

تو اب بتائیں کہ بریلوی مسلک کے جید علماء تو اس کو فتوے سے کافر بنارہے ہیں جب کہ آپ کچھ بھی نہیں کہتے، امید یہ ہے کہ اس تمہید کے بعد وہ آپ کے مطالبے پر آجائے گا۔

اگر وہ اس بات کو کمال کا انکار اور بے ادبی کہتا ہے تو پھر آپ کے پاس حوالہ جات

ہونے چاہییں۔
1: شیطان ہر جگہ حاضر وناظر ہے۔ (نور العرفان ص 184 از مفتی احمد یار خان نعیمی)
2: یہی مفتی صاحب لکھتےہیں:
ابلیس کی نظر تمام جہاں پر ہے کہ وہ بیک وقت سب کو دیکھتاہے اور تمام مسلمانوں کے ارادوں بلکہ دل کے خطرات سے بھی خبردار ہے کہ نیک ارادے سے بارز رکھتا ہے اور برے ارادے کی حمایت کرتا ہے۔ (تفسیر نعیمی ج3ص114 آیت نمبر 268)
3: مولوی احمد رضا خان کی مصدقہ کتاب" انوار ساطعہ" میں ہے:
تماشا یہ ہے کہ اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک وناپاک ،مجالس مذہبی وغیرہ میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوی نہیں کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک ناپاک ، کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔ (انوار ساطعہ ص 359)
اب بتائیں کہ بریلویوں نے بڑھایا شیطان کو یا نہیں؟ اور اس بڑھانے کی وجہ سے یہ لوگ کس فتویٰ کی زد میں آتے ہیں؟! مزید فتویٰ بھی سن لیجیے کہ کاظمی صاحب کہتے ہیں کسی نبی کے معجزات اور کمالات میں کسی غیر نبی کو نبی سے بڑھ چڑھ کر ماننا تو ہین نبوت ہے۔ (الحق المبین ص70)
اب بتائیے اس عقیدے سے یہ لوگ بجائے عاشق بننے کے کیا بنے؟

تنقیح نمبر 2:

یہ عقیدہ بقول بریلوی حضرات شرک ہے۔
1: مولوی شاہ مسعود صاحب لکھتے ہیں :
یارسول اللہ بہ نیت حاضر وناظر کہنا موجب شرک ہے ۔ (فتاویٰ مسعودی ص 537)
2: قیاس اگر اس طرح کیا جائے کہ اس میں شرک آجائے تو وہ ناجائز ہے ہر وقت ہر لمحہ حاضر وناظر ہونا صرف رب العالمین ہی کی شان ہے۔ (رسائل میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ص 567)
3: کوئی تصور شیخ کو شرک تصور نہ کرے کیونکہ شرک تب ہو گا جب کوئی یہ خیال کرے کہ شیخ حاضر وناظر ہے کیونکہ حاضر وناظر اللہ کی صفت ہے۔ (السیف الصارم اکتوبر 2011ء ص 22)
اب بتائیے! اپنے اس عقیدے کی وجہ سے یہ لوگ کیا ٹھہرے؟

تنقیح نمبر3:

ہمارا بریلویوں سے سوال ہے کہ آپ خدا کی طرح حاضر وناظر مانتے ہو یانہیں؟ اگر بریلوی کہیں نہیں تو پھر یہ حوالہ جات ان کی خدمت میں لائے جائیں کہ وہ تو کہتے ہیں :
1: نمازی جس طرح اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جانے اسی طرح محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی۔
(تفسیر نعیمی ج1ص58 فاتحہ آیت نمبر4 از مفتی احمدیار خان نعیمی گجراتی)
2: جس طرح انسان حق سبحانہ وتعالیٰ کو ہرحالت میں ظاہر وباطنی طور پر واقف جانتا اور مانتا ہے اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ظاہری وباطنی طور پر حاضر وناظر مانے۔ (حق پر کون ص 70 از ظفر عطاری)
اب بتائیے اگر وہ نہیں مانتے تو ان پر فتویٰ لگائیے اور اگر مانتا ہے تو فتویٰ اسے بھی سنا ددیجیے کہ جو اللہ جل جلالہ کی طرح حاضر وناظر جانے پس اہل سنت کے نزدیک کافر ہے۔ (انوار احناف ص 200 از ابو کلیم محمد صدیق فانی)

تنقیح نمبر4:

ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ اس مسئلہ کو سمجھانے کے لیے ٹی وی کی مثالیں لاتے ہو یا نہیں اگر وہ کہے ہم نہیں لاتے تو پھر ان حضرات کے بارے میں پوچھیں:
1: حاضر وناظر کامسئلہ سمجھانے کے لیے ٹی وی بہت معاون ہو سکتاہے۔ (تحفظ عقائد اہلسنت ص 567 از ظہیر الدین قادری برکاتی)
2 ٹیلی ویژن میں غور کرنے سے نئے ذہنوں کے لیے یہ مسئلہ باآسانی واضح ہوجاتا ہے۔

(صحابہ کرام کا عقیدہ حاضر وناظر ص13 از فیض احمد اویسی)

3: ”سوال: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی وقت میں مختلف مقامات پر موجود ہوں یا سب کو دکھائی دیں ؟
جواب: بھائی اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ آج آدمی اسلام آباد ٹی وی اسٹیشن پر بیٹھا خبریں سناتاہے اور ہم اسے ٹی وی سیٹ پر دیکھتے ہیں۔“ (عقائد وعبادات ص 19 از صدیق ہزاروی)

تو آپ اگر کہیں کہ یہ جائز ہے تو پھر یہ بات ہم دکھاتے ہیں کہ:
* حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہلکے لفظ استعمال کرنا ہلکی مثالیں دینا کفر ہے۔ (نور العرفان پارہ 15 آیت 48 ص345)
* جب رذائل سے تشبیہ دی جاتی ہے تو اس سے توہین وتنقیص کے معنی نکلتے ہیں۔ (الصوارم الہندیہ ص 7)

تو اب یہ بتائیں ان سب لوگوں کا بشمول آپ کے اس فتویٰ کی رو سے کیا بنے گا؟

تنقیح نمبر5:

ہمیں وہ تاریخ بتائی جائے جب آپ علیہ السلام حاضر وناظر ہوئے پھر اسی حساب سے دلیل ۔

دلائل اہلسنت و الجماعت دیوبند

دلیل نمبر1:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ:

ولقد جاءت رسلنا إبراهيم بالبشرى قالوا سلاما قال سلام فما لبث أن جاء بعجل حنيذ ○ فلما رأى أيديهم لا تصل إليه نكرهم وأوجس منهم خيفة قالوا لا تخف إنا أرسلنا إلى قوم لوط• (سورۃ ہود 70-69)

اگر سیدنا ابراہیم علیہ السلام فرشتوں کو اترتا اور یہ شکل وصورت بنا کر آتے اور اپنے قریب دیکھتے اور ملنے تک کچھ دیکھ رہے تھے تو پھر ڈرنا اور فرشتوں کا یہ کہنا آپ ڈریں نہیں سب مہمل لگتا ہے۔

دلیل نمبر2:

حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ:

ولما جاءت رسلنا لوطا سيء بهم وضاق بهم ذرعا وقال هذا يوم عصيب، قالوا يا لوط إنا رسل ربك لن يصلوا إليك

(سورہ ہود:77)

اگر سیدنا لوط علیہ السلام کا ان کو شروع سے آنا اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس جانا اور یہ سب راستہ ا ن کو دکھانا تھا تو پھر آپ کی پریشانی کی کوئی وجہ نہیں ہونی چاہیے حالانکہ آپ بہت سخت پریشان ہیں۔

دلیل نمبر3:

حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ:

أرسله معنا غدا يرتع ويلعب وإنا له لحافظون قال إني ليحزنني أن تذهبوا به وأخاف أن يأكله الذئب وأنتم عنه غافلون قالوا لئن أكله الذئب ونحن عصبة إنا إذا لخاسرون• (سورۃ یوسف:12)

دوسری جگہ ہے : اذهبوا بقميصي هذا فألقوه على وجه أبي يأت بصيرا• (سورۃ یوسف:93)

سیدنا یعقوب علیہ السلام کا رونا اور آنکھوں کا سفید ہونا اسی وجہ سے کہ آپ علیہ السلام کو سیدنا یوسف علیہ السلام نظر نہیں آئے اگر آنکھوں کے سامنے تھے توپھر پیار بھی کر لیتے اور اتنا غمگین اور رونا سمجھ نہیں آتا۔

دلیل نمبر4:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ:

فلما جاوزا قال لفتاه آتنا غداءنا لقد لقينا من سفرنا هذا نصبا قال أرأيت إذ أوينا إلى الصخرة فإني نسيت الحوت وما أنسانيه إلا الشيطان أن أذكره واتخذ سبيله في البحر عجبا قال ذلك ما كنا نبغ فارتدا على آثارهما قصصا• (سورۃ الکہف:62)

دیکھیے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سو گئے تھے او ر مچھلی پانی میں کود گئی۔ اس سے معلوم ہوتاہے کہ آپ علیہ السلام نے اسے جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا ورنہ وہ کھانا مانگتے ہی کیوں ۔ کیوں کہ کھانا تو وہی مچھلی تھی جو زندہ ہوکر پانی میں چلی گئی۔

دلیل نمبر5:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ:

وتفقد الطير فقال ما لي لا أرى الهدهد أم كان من الغائبين لأعذبنه عذابا شديدا أو لأذبحنه أو ليأتيني بسلطان مبين فمكث غير بعيد فقال أحطت بما لم تحط به وجئتك من سبإ بنبإ يقين• (سورۃ النمل:20)

یہ بات اب صاف نص قطعی ہوگئی کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی نظر مبارک سے ہدہد اوجھل او رپوشیدہ تھا تبھی تو فرمایا کہ مجھے نظر نہیں آرہا۔ اب معلوم ہوگیا یہ کہنا کہ نبی کی نظر سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے یہ نص قطعی کا انکار ہے۔

دلیل نمبر6:

حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ:

قال رب اجعل لي آية قال آيتك ألا تكلم الناس ثلاث ليال سويا • (سورۃ مریم:10)

اس سے بھی معلوم ہوگیا کہ سیدنا زکریا علیہ السلام نشانی مانگ رہے ہیں۔ ورنہ اگر اہل بدعت کا قول سچا تھا تو پھر تو انہیں سب کچھ نظر آجائے گا کہ بچہ بن گیا اور اب پیدا ہونے والا۔ معلوم ہوا کہ یہ سب اہل بدعت کا جھوٹ ہے۔

دلیل نمبر7:

إذا جاءك المنافقون قالوا نشهد إنك لرسول الله والله يعلم إنك لرسوله والله يشهد إن المنافقين لكاذبون ○ اتخذوا أيمانهم جنة• (سورۃ المنافقون:1)

سورۃ المنافقون ؛ سورۃ مزمل ، احزاب، نساء ، حج کے بعد نازل ہوئی اور یہ وہ سورتیں ہیں جن کی چند آیات سے منافقین زمانہ ھذا اپنی گاڑی چلاتے ہیں ، حالانکہ اس کے بعد والی سورت یعنی سورہ منافقون کا شان نزول یوں ہے: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم ایک غزوہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے دوران سفر عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم عزت والے جب مدینہ کو چلے جائیں گے تو ذلت والوں) یعنی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نکال دیں گے، حضرت زید نے یہ واقعہ اپنے چچا کو سنایا انہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ نے مجھے بلوا کر سارا واقعہ سنا تو رئیس المنافقین کو بلوایاگیا تو اس نے قسمیں اٹھاکر اپنی صفائی دی تو زید نے فرماتے ہیں:

فكذبني رسول الله صلى الله عليه وسلم وصدقه فأصابني هم لم يصبني مثله قط•

وہ فرماتے ہیں پھر مجھے میرے چچا نے بھی ملامت کیا۔ پھر بعدمیں یہ سورت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلوایااور فرمایا:

إن الله قد صدقك يا زيد• (صحیح البخاری: ج2ص727 ملحضاً کتاب التفسیر)

اب معلوم ہوگیا کہ لفظ شاہد ، شہید جو اس سورت سے پہلے اترنے والی سورتوں میں تھے اس کے معنی بھی وہ نہیں جو اہل بدعت نے بتائے ہیں یہ محض ان کی اپنی ایجاد ہے۔ شاید

اہل بدعت یہ کہیں کہ چونکہ زید رضی اللہ عنہ کے پاس گواہ نہ تھے اس لیے بات نہ مانی گئی۔ بات یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے تو زید رضی اللہ عنہ کو جھوٹا قرار دیا اور دیگر لوگ مثل چچا ملامت کرنے لگے ۔ اگر بات وہی ہوتی تو آپ فرماتے زید تم سچے ہو مگر فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

دلیل نمبر 8

وإذ أسر النبي إلى بعض أزواجه حديثا فلما نبأت به وأظهره الله عليه عرف بعضه وأعرض عن بعض فلما نبأها به قالت من أنبأك هذا قال نبأني العليم الخبير• (سورۃ التحریم:3)

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کو ایک راز بتایا ، انہوں نے چھپ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا جب وحی کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ تو وہ کہنے لگیں آپ کو کس نے بتایا کہ میں نے راز فاش کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے خدا تعالیٰ نے بتایا ہے۔

معلوم ہوا کہ امہات المومنین کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں دیکھ نہیں رہے ورنہ وہ کیوں بتاتیں اور یہ کیوں پوچھتیں کہ آپ کو کیسے پتہ چلا۔

دلیل نمبر 9:

والذين اتخذوا مسجدا ضرارا وكفرا وتفريقا بين المؤمنين وإرصادا لمن حارب الله ورسوله من قبل وليحلفن إن أردنا إلا الحسنى والله يشهد إنهم لكاذبون لا تقم فيه أبدا• (سورۃ التوبۃ:)

امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

واللہ ما اردت الاالحسنی وھو کاذب فصدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم •(در منثور: ج3 ص276)

معلوم ہوگیا کہ آپ ہرجگہ دیکھنے والے نہ تھے ورنہ ان کے سارے پرو پیگنڈے کو آپ تو ملاحظہ فرما رہےتھے اور آپ ان کی تصدیق نہ فرماتے۔

دلیل نمبر 10:

وإذا رأيت الذين يخوضون في آياتنا فأعرض عنهم حتى يخوضوا في حديث غيره وإما ينسينك الشيطان فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين• (سورۃ الانعام:68)

اور اگر آپ کو شیطان بھلادے تو نصیحت کے بعد ظالمین کے پاس مت بیٹھیں۔

پہلی بات...... تو یہ ہے کہ حاضر وناظر اگر خدا بنائے پھر شیطان کیسے آپ کے پاس اس حاضر وناظر ہونے میں حائل ہو سکتا ہے۔

دوسری بات...... یہ ہے کہ اللہ فرماتا ہے ایسی قوم کے پاس آپ بیٹھیں ہی نہیں مگر جب حاضر او رناظر ہوئے پھر تو اس قوم کی طرف آپ دیکھ بھی رہے ہیں اور ان کی باتوں کو سن بھی رہے ہیں تو پھر اس حکم خداوندی کا کیا فائدہ۔ یہ سب بریلوی حضرات کی مہربانی ہے۔

دلیل نمبر 11:

قرآن پاک میں ہے:

”سبحان الذي أسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام•“ (سورۃ بنی اسرائیل: 1)

سیر کروانے کامطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں دیکھ رہے تھے۔

دلیل نمبر 12:

ارشاد بای تعالیٰ ہے:

”ولاتقم علی قبرہ“•(سورۃ التوبہ : 84)

کہ آپ اس منافق کی قبر پر کھڑے نہ ہوں یعنی وہاں نہ جائیں۔

مگر ہر جگہ کے حاضر وناظر کہنے والے لوگ تو اس آیت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عامل نہیں مانیں گے۔

دلیل نمبر 13:

لقد سمع الله قول الذين قالوا إن الله فقير ونحن أغنياء• (آل عمران:181)

احادیث مبارکہ اور نفی حاضر وناظر

دلیل نمبر 1:

عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم * لقد رأيتني في الحجر وقريش تسألني عن مسراي فسألتني عن أشياء من بيت المقدس لم أثبتها فكربت كربة ما كربت مثله قط قال فرفعه الله لي أنظر إليه ما يسألوني عن شيء إلا أنبأتهم به• (صحیح مسلم: ج1ص96،باب المعراج،صحیح البخاری ج1ص548)

اس میں الفاظ حدیث کی طرف غور فرمائیں ”فكربت كربة ما كربت مثله قط“ یعنی میں اتنا پریشان ہوا کہ اتنا پریشان کبھی نہیں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر جگہ حاضر وناظر نہ تھے ورنہ پریشانی کی ضرورت ہی نہ تھی۔ کیونکہ اگر انہوں نے بیت المقدس کی کھڑکیاں وغیرہ پوچھ ہی لیں تھیں تو آپ تو ہر جگہ کو دیکھ رہےتھے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ فاضل بریلوی کے چاہنے والوں نے خود گھڑا ہے۔

دلیل نمبر 2:

عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في بعض أسفاره حتى إذا كنا بالبيداء أو بذات الجيش انقطع عقد لي فأقام رسول الله صلى الله عليه وسلم على التماسه وأقام الناس معه••• فبعثنا البعير الذي كنت عليه فأصبنا العقد تحته• (صحیح البخاری ج2ص663)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار گم ہو گیا اور یہ الفاظ خصوصیت سے ذہن میں رکھیے ”فأقام رسول الله صلى الله عليه وسلم على التماسه“کہ آپ علیہ السلام اس ہار کو تلاش کرنے کے لیے رک گئے اب کوئی تاویل نہیں چل سکتی کہ اس لیے رکے تھے کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کا حکم آجائے۔ یہ معنی نکالنا صریح الفاظ کی خلاف ورزی ہے کیونکہ روایت میں ہار تلاش کرنے کے لیے رکنا صراحتاً آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ اگر پہلے ہی سے دیکھ رہے ہوتے تو ہار کا گرنا اور چھپنا سب آپ کی نظر میں ہوتا۔

دلیل نمبر 3:

قال أنس أصبح رسول الله صلى الله عليه وسلم عروسا بزينب بنت جحش قال وكان تزوجها بالمدينة فدعا الناس للطعام بعد ارتفاع النهار فجلس رسول الله صلى الله عليه وسلم وجلس معه رجال بعد ما قام القوم حتى قام رسول الله صلى الله عليه وسلم فمشى فمشيت معه حتي بلغ باب حجرة عائشة ثم ظن أنهم قد خرجوا فرجع ورجعت معه فإذا هم جلوس مكانهم•

(صحیح مسلم: ج1ص461،صحیح البخاری: ج2ص706)

آپ نے سیدہ رینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا چند صحابہ کرام کو دعوت ولیمہ پر مدعو فرمایا تو وہ کھانے کے بعد آپ علیہ السلام کی باتیں سننے کے لیے بیٹھ گئے، ان کے طویل بیٹھنے سے آپ کو یہ بات ناگوار نہ گزری مگر زبان سے توکچھ نہ کہا اور خود اٹھ کر باہر تشریف لے گئے کہ شاید یہ بھی چلے جائیں گے مگر جب واپس آکر دیکھا تو وہ بدستور بیٹھے ہیں آپ پھر سے چلے گئے تو پھر آپ تشریف لائے ۔ یہ روایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے صراحتہً تردید کر رہی ہے۔

دلیل نمبر 4:

عن أنس رضي الله عنه قال بعث النبي صلى الله عليه وسلم سبعين رجلا لحاجة يقال لهم القراء فعرض لهم حيان من بني سليم رعل وذكوان عند بئر يقال لها بئر معونة فقال القوم والله ما إياكم أردنا إنما نحن مجتازون في حاجة للنبي صلى الله عليه وسلم فقتلوهم فدعا النبي صلى الله عليه وسلم عليهم شهرا في

صلاۃ الغداۃ و ذلك بدء القنوت و ما كنا نقنت۔

(صحیح البخاری: ج2ص586)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہینہ بھر ان قبیلوں پر دعائے ضرر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ کو پہلے معلوم ہوتا یا ان کی سازشوں کو دیکھ رہے ہوتے تو کبھی ان کو روانہ نہ فرماتے ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے منشا خداوندی دیکھی کہ ان کی موت کا وقت آگیا ہے اس لیے روانہ فرما دیا ۔ یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ ایک دو دن نہیں پورا مہینہ دعائے قنوت پڑھ کر ان کے خلاف بد دعا فرمانا یہ اس کی دلیل ہے کہ آپ کی یہ تاویل غلط ہے۔

دلیل نمبر5:

عن قتادة سمعت أنس بن مالك رضي الله عنه قال كان بالمدينة فزع فاستعار النبي صلى الله عليه وسلم فرسا لأبي طلحة يقال له مندوب فركبه۔

دوسری جگہ ہے:

عن قتادة عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن أهل المدينة فزعوا مرة فركب النبي صلى الله عليه وسلم فرسا لأبي طلحة كان يقطف أو كان فيه قطاف فلما رجع قال وجدنا فرسكم هذا بحرا فكان بعد ذلك لا يجاری۔

(صحیح البخاری ج1ص401)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھوڑا پر تشریف لے جانے دیکھنے کےلیے کہ یہ آواز کیا تھی۔ یہ بھی آپ کے ہر جگہ حاضر وناظر اور ہر جگہ دیکھنے کی نفی کرتی ہے ورنہ آپ تو وہیں سے بتا دیتے کہ یہ فلاں شے ہے۔

دلیل نمبر6:

عن إبراهيم التيمي عن أبيه قال كنا عند حذيفة فقال رجل * لو أدركت رسول الله صلى الله عليه وسلم قاتلت معه وأبليت فقال حذيفة أنت كنت تفعل ذلك لقد رأيتنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة الأحزاب وأخذتنا ريح شديدة وقر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا رجل يأتيني بخبر القوم جعله الله معي يوم القيامة فسكتنا فلم يجبه منا أحد ثم قال ألا رجل يأتينا بخبر القوم جعله الله معي يوم القيامة فسكتنا فلم يجبه منا أحد ثم قال ألا رجل يأتينا بخبر القوم جعله الله معي يوم القيامة فسكتنا فلم يجبه منا أحد فقال قم يا حذيفة فأتنا بخبر القوم فلم۔ (صحیح مسلم: ج2 ص107)

رسول پاک صلی اللہ علیہ کا تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ کون مخالفین کی خبر لائےگا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر ہر بات اور ذرہ ذرہ کا علم توخدا کو ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر آپ ہرجگہ ہی ہر وقت دیکھ رہے ہوتے تو ''الا یاتینی بخبر القوم'' کہنے کی ضرورت ہی کیا۔ یہ بات آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔

دلیل نمبر7:

عن سهل بن سعد قال جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم بيت فاطمة فلم يجد عليا في البيت فقال أين ابن عمك قالت كان بيني وبينه شيء فغاضبني فخرج فلم يقل عندي۔ (صحیح البخاری: ج2ص63)

آپ علیہ السلام کا یہ فرمانا ''این ابن عمک'' آپ کا چچا زاد بھائی کہاں ہے؟ ۔ یہ بھی آپ علیہ السلا م کے ہر جگہ دیکھنے کی تردید کرتا ہے۔

دلیل نمبر8:

إذ جاء رسول الله -صلى الله عليه وسلم- حتى دخل المسجد. فقال « من أحس الفتى الدوسى ». ثلاث مرات.

(سنن ابی داؤد ج1ص295)

رحمت کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں داخل ہوتے ہی فرمایا کسی نے دوسی جوان یعنی ابو ہریرہ کو دیکھا ہے یا کسی کو اس کا پتہ ہے کہ وہ کہاں ہے یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ دیکھنے کی نفی پر صریح دلیل ہے۔

دلیل نمبر 9:

عن جابر بن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مكث بالمدينة تسع سنين لم يحج ثم أذن في الناس بالحج في العاشرة، (مشکوٰۃ شریف ج1ص224)

مکث بالمدینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مدینہ طیبہ میں ٹھہرے ہوئےتھے اگر ہرجگہ ہوتے تو صرف مدینہ طیبہ ٹھہرنے کی وجہ پھر کیاہوئی؟

دلیل نمبر 10:

أنس بن مالك أن أبا بكر الصديق حدثه قال * نظرت إلى أقدام المشركين على رءوسنا ونحن في الغار فقلت يا رسول الله لو أن أحدهم نظر إلى قدميه أبصرنا تحت قدميه فقال يا أبا بكر ما ظنك باثنين الله ثالثهما،
(صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة رضي الله عنهم. باب من فضائل أبي بكر الصديق رضي الله عنه)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غار میں رہنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ہرجگہ نہ تھے۔

دلیل نمبر 11:

عن أبي موسى قال النبي صلى الله عليه وسلم إني لأعرف أصوات رفقة الأشعريين بالقرآن حين يدخلون بالليل وأعرف منازلهم من أصواتهم بالقرآن بالليل وإن كنت لم أر منازلهم حين نزلوا بالنهار،
(صحیح البخاری ج2ص608)

اشعری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق آپ نے فرمایا میں نے ان کے ٹھکانے کو نہیں دیکھا ،دن کے وقت وہ جہاں ہوتے ہیں ۔ یہ بھی آپ کے ہر جگہ دیکھنے کی نفی ہے۔

دلیل نمبر 12:

عن أبي حازم قال سألت سهل بن سعد فقلت هل أكل رسول الله صلى الله عليه وسلم النقي فقال سهل ما رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم النقي من حين ابتعثه الله حتى قبضه الله، (صحیح البخاری: ج2ص814)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات تک میدہ نہیں دیکھا۔ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ دیکھنے کی نفی ہے۔

اور یہ بھی بخاری میں ہے :

ما رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم منخلا من حين ابتعثه الله حتى قبضه الله، (صحیح البخاری ج2ص815،814)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات تک چھاننی نہیں دیکھی۔

دلیل نمبر 13:

عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم * صنفان من أهل النار لم أرهما قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤوسهن كأسنة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا، (صحیح مسلم ج2ص383)

دو جہنمی طبقوں کو آپ علیہ السلام نے نہیں دیکھا۔ یہ بھی ہر جگہ دیکھنے کی نفی ہے

دلیل نمبر 14:

عبد الرحمن بن عبد الله بن كعب بن مالك أن عبد الله بن كعب بن مالك وكان قائد كعب من بنيه حين عمي قال سمعت كعب بن مالك يحدث حين تخلف عن قصة تبوك،،، فما رجل يريد أن يتغيب إلا ظن أن سيخفى له ما لم ينزل فيه وحي الله، (صحیح البخاری ج2ص634)

غزوہ تبوک میں اتنا رش تھا لوگوں کا مگر کوئی آدمی اس گمان سے چھپنا چاہتا کہ جب تک وحی نہ آئے گی میری عدم موجودگی کا پتہ آپ علیہ السلام کو نہ چلے گا تو چھپ سکتا تھا۔ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صراحتہً حاضر وناظر اور ہر جگہ دیکھنے کی نفی ہے۔

دلیل نمبر 15:

مشہور یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رقیہ کے فوت ہونے وقت حاضر نہ تھے۔

(تاریخ مدینہ ص 175 ترجمہ جذب القلوب الی دیار المحبوب الشیخ دہلوی رحمہ اللہ)

دلیل نمبر 16:

(حدیث شریف میں ہے): کاش میں دیکھتا اپنے بھائیوں کو۔ (نور علی نور ص 23)

دلیل نمبر 17:

ابن مندہ وابو نعیم معرفۃالصحابہ میں حضرت ربیعہ بن وقاص سے راویت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ارشاد فرماتے ہیں تین مقامات ایسے ہیں کہ ان میں بندے کی دعا رد نہیں کی جاتی ان میں سے ایک وہ بندہ جو جنگل میں کھڑا ہو کر اس حال میں نماز ادا کرے کہ اسے اس کے رب عزوجل کے سوا کوئی نہ دیکھتا ہو ۔ (فضائل دعا ص225مکتبہ مدینہ)

دلیل نمبر 18:

علامہ سبکی لکھتے ہیں: حضرت ابوبکر سے منقول ہیں کہ نبی پاک ﷺ کے سامنے آواز بلند کرنا نہ نبی کی زندگی میں جائز تھا نہ موت کے بعد۔حضرت عائشہ کے بارے میں مشہور ہے کہ اگر حضور کی قبر مبارک کے پاس کوئی شور کرتا تو کہلاتی تھیں حضور کو تکلیف نہ پہنچاؤ۔حضرت علیؓ نے اپنے گھر کی چوکھٹ وغیرہ بنوائی تو مناصع میں لے جاکر بنوائی جو آبادی سے باہر جنگل ہے تاکہ قبر مبارک کے پاس شور نہ ہو ۔علامہ سبکی آگے لکھتے ہیں صحابہ کرام آنحضور ﷺ کی تعظیم کیوجہ سے قبر کے پاس بہت پست آواز سے گفتگو کرتےتھے ۔ایک دن حضرت عمر مسجد میں تشریف فرما تھے دونوجوان مسجد میں آئے اور بلند آواز سے آپس میں باتیں کرنے لگے حضرت عمر نے ان کو اپنے پاس بلایا او ر دریافت کیا تم کہاں سے آئے ہو انہوں نےکہا ہم طائف کے باشندے ہیں طائف سے آئے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم مدنی ہوتے تو ابھی تمہارے کوڑے لگاتا ۔

(زیارت خیرالانام ترجمہ شفاءالسقام ص147،146،مصدقہ ابوالحسن زید فاروقی)

دلیل نمبر 17:

علامہ ابن کثیر نے سانحہ بیر معونہ کے متعلق یوں لکھا ہے حضرت عمرو بن امیہ کو اس لیے گرفتار کرنے کے بعد چھوڑ دیاگیا تھا کہ ماں کی طرف سے ان کا قبیلہ مضر تھا اور ان کے ساتھ ایک انصاری ساتھی کو بھی چھوڑ دیا گیا تھا ۔ اس سانحہ کی خبر آنحضرت ﷺ کو عمرو بن امیہ اور اس کے اس انصاری ساتھی نے ہی دی تھی ۔ (البدایۃ والنہایۃ ج4ص483)

دلیل نمبر 18:

سیدنا حبیب نے شہادت سے پہلے یوں کہا :

اے اللہ ہم نے تیرے رسول کی رسالت کی تبلیغ کر دی تو بھی اپنے رسول کو ہماری اس حالت کی خبر پہنچادے ۔

(سیرت ابن ہشام ج2ص328)

دلیل نمبر 20:

آپ ﷺ نے فرمایا:

وان یخرج ولست فیکم فکل امرء حجیج نفسہ♦ (صحیح مسلم: ج2ص401)

یعنی اگر دجال میری عدم موجود گی میں ظاہر ہوا تو ہر آدمی اپنا محافظ خود ہے ۔

فتاوی جات

1: حضرت علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

واقعی انبیاء ،واولیاء،کو ہر وقت حاضر وناظر جاننا اور اعتقاد رکھنا کہ ہر حال میں وہ ہماری ندا سنتے ہیں اگر چہ ندا دور سے بھی ہو شرک ہے ۔

(مجموعۃالفتاوی ج1ص46)

:2 فتاوی مسعودی میں ہے:
یا رسول اللہ کہنا مثل سونے اور نشست اور کار وغیرہ کے وقت ممنوع ہے اور بہ نیت حاضر وناظر کہنا موجب شرک کا ہے ۔
(فتاوی مسعودی ص529مصدقہ عبدالحکیم شرف قادری بریلوی ،مولوی منشاتابش قصوری بریلوی)

3 علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

قال علماءنا من قال ارواح المشائخ حاضرۃ تعلم یکفر• (البحر الرائق ج5ص124)
یعنی ہمارے احناف فرماتے ہیں کہ جو یہ کہے کہ مشائخ کی ارواح حاضر ہیں اور جانتی ہیں تو ایسا شخص کافر ہے ۔

:4 شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی فرماتے ہیں:
انبیاء مرسلین را لوازم الوہیت از علم غیب وشنید ن فریاد ہر کس درہر جا وقدرت بر جمیع مقدرات ثابت کنند ۔(تفسیر عزیزی ج1ص55)
یعنی جمیع غلط عقائد میں سے یہ بات بھی ہے کہ نبی اور پیغمبروں کیلئے خدائی صفات جیسے علم غیب اور ہر جگہ سےہر شخص کی فریاد سننا اور تمام ممکنات پر قدرت ثابت کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب اور ہر جگہ حاضر وناظر ہو ناخدا کی صفت ہے کسی اور میں ماننا شرک ہے ۔

اہلِ بدعت کے چند دلائل پر سرسری تبصرہ

دلیل نمبر1:

☼ انا ارسلنک شاھدا• (القرآن)

☼ وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا• (القرآن)

شاھد وشھید کا معنی حاضر وناظر ہے ۔

جواب نمبر 1:

آپ کا جھگڑا تو ہر جگہ حاضر وناظر کا ہے ورنہ ہر آدمی حاضر وناظر ہے اپنے مقام پر کیونکہ حاضر کا معنی موجود اور ناظر کا معنی دیکھنے والا تو ہر آدمی اپنی جگہ پر موجود بھی ہے اور ناظر بھی ہے جیسا کہ اشرف جلال صاحب لکھتے ہیں شاھد ہر بندہ ہے کوئی بندہ ایسا نہیں جو شاھد نہ ہو ۔

(مسئلہ حاضر وناظر ص16)

جواب نمبر 2:

قرآن پاک میں؛ " شھد شاھد من اھلھا " (سورۃ یوسف: 26) اور "وتکونوا شھداء علی الناس" (سورۃ الحج: 78) ہے یعنی یوسف علیہ السلام کی پاکی کی گواہی دینے والے کو بھی قرآن نے شاھد کہا ہے اور صحابہ کرام کو شھید کی جمع شہداء کہا گیا وہ بھی ہر جگہ حاضر وناظر ہو گئے ؟

جواب نمبر3:

شاید رضا خانی یوں کہیں کہ اسکا معنی گواہ کرو تو بھی آپ صلی اللہ علیہ و سلم حاضر وناظر ثابت ہو جائیں گے کیونکہ جو موقع پر موجود نہ ہو وہ گواہی کیسے دے سکتا ہے تو اس کے متعلق عر ض خدمت یہ ہے کہ صحابہ کرام کو بھی گواہ کہا گیا اور سیدنا یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواھی دینے والا بھی تو گواہ ہے اور احادیث میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ ایک صحابی نے آپ کی گواہی دی تھی اور یہ بن دیکھے تھی ۔ تومعلوم ہو ا کہ بن دیکھے بھی گواہی دی جا سکتی ہے :

:1 ابوالحسنات قادری لکھتے ہیں:
اشیاء معروفہ میں شہادت سماعی بھی معتبر ہے یعنی جن چیزوں کے سننے کا علم یقین حاصل ہو، اس پر شہادت دی جا سکتی ہے ۔ (تفسیر الحسنات ج1ص278)

:2 علامہ سعیدی لکھتے ہیں:
کبھی اس چیز کی خبر کو شہادت کہتے ہیں جس کا اسکو یقین ہو یا وہ چیز مشہور ہو ۔

(تبیان القرآن ج1ص1006)

اور فقہاء نے بھی لکھا ہے: انما یجوز للشاھد ان یشھد بالاشتھاد وذالک بالتواتر او اخبار من یثق بہ•(ہدایہ ج3ص157)

یعنی جو چیز کہ تواتر کی وجہ سے مشہور ہو جائے یا کسی ثقہ اور معتبر نے خبر دی ہو تو شاھد کو جائز ہے کہ گواہی دے دے ۔تو معلوم ہوگیا کہ گواہی کیلئے دیکھنا ضروری نہیں ۔

ہم کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ گواہی دیں گے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کے اعتبار سے نہیں بلکہ آپکی امت کے اعمال آپ کو پیش کیے جاتے ہیں جس وجہ سے آپ ﷺگواہی دیں گے ، جیسا کہ :

☼ بریلوی علامہ عبد الرزاق بھترالوی لکھتے ہیں :

تمام انبیاء کرام کو انکی امتوں کے اعمال پر مطلع کیا گیا ہے کہ فلاں آج اس طرح کر رہا ہے دوسرا شخص اس طرح کر رہا ہے انکو مطلع کر نیکی یہ وجہ ہے کہ وہ بھی قیامت کے دن گواھی دے سکیں ۔ (نجوم الفرقان ج4ص48)

☼بریلوی علامہ علام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں :

نبی ﷺ تمام امتوں کے احوال پر مطلع ہو نگے کیونکہ بغیر علم کےگواہی جائز نہیں نبی پاک ﷺ کو اللہ تعالی نے تمام امتوں کے احوال اور افعال پر مطلع فرمایا اور انکی دنیا وآخرت کا آپ کو علم عطا فرمایا ہے خصوصا آپکی امت کے اعمال قبر انور میں آپ پر پیش کیے جاتے ہیں ۔

(تبیان القرآن ج1ص572)

☼ بریلوی علامہ ابو لبرکات قادری لکھتے ہیں :

کوئی دن ایسا نہیں مگر پیش آپکی امت کے اعمال کو صبح وشام کیا جاتا ہے پس آپ انکو نشانی اور ان کے اعمال کی وجہ سے پہچان لیتے ہیں اسی عرض اعمال کی وجہ سے آپ ان پر گواہی دیں گے ۔ (رسائل ومناظرے ابو البرکات ص104)

☼ بریلوی علامہ شرف قادری صاحب لکھتے ہیں :

نبی پاک ﷺ اپنی امت کے گواہ ہیں اور اس کا تقاضا ہے کہ آپ کے سامنے امت کے اعمال پیش کیے جائیں ۔(اسلامی عقائد ص277)

اگر عرض اعمال کی بنیاد پر ہر جگہ حاضر وناظر کہا جائے تو پھر یہ اسی شرف قادری کی کتاب اسلامی عقائد کے ص230پر پورا باب عالم برزخ میں رشتہ داروں کے سامنے اعمال کا پیش کیا جانا بھی موجود ہے ۔ تو پھر سارے وفات شدہ حضرات کئی جگھوں پر حاضر وناظر ہو نگے القصہ بغیر ہر جگہ موجود ہوئے بھی گواہی دی جا سکتی ہے جیسے یو سف علیہ السلام کے گواہ کی گواہی حالانکہ وہ ہر جگہ یا اس جگہ موجود نہ تھا ۔تو سرکار طیبہ ﷺ بھی گواہی دے سکتے ہیں وگر نہ بریلوی حضرات کو اذان چھوڑ نی پڑے گی کہ:

اشھد ان لا الہ الااللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک کےعلاوہ کوئی معبود نہیں)

اشھد ان محمدا رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں)

جیسے یہ گواھی علم کے اعتبار سے ہے نہ کہ رؤیت ومشاھد ے کی بناء پر ایسےہی سرکار طیبہ ﷺ بھی گواہ ہیں ۔

جواب نمبر4:

اگر یہی ترجمہ بالفرض مان بھی لیں تو ترجمہ حاضر وناظر کا ہے اور جو عقیدہ بنایا اس سے تو صرف ناظر ثابت ہو تے ہیں نہ کہ حاضر ،تو یہ آیتیں تمہیں مفید نہیں ۔

جواب نمبر5:

اس لفظ ''شاھد'' کے کئی مطالب ومعانی ہیں :

1) کسی چیز کی خبر دینے والے اور

2) کسی چیز کے حال کو بیان کرنے والے کو بھی شاھد کہتے ہیں ۔ (نجوم الفرقان ج 4ص47)

3) امام سلمی کہتے ہیں: پہلا معنی یہ ہو گا اللہ فرمارھا ہے شاھدًا لنا ہم نے تجھے اپنا گواہ بنایا ہے ۔ (مسئلہ حاضر وناظر از اشرف جلالی ص19)

4) اس وجہ سے حضرت کا نام شاھد ہے کہ وہ بارگاہ ایزدی میں حاضر ہونے والے ہیں ۔ (شرح

کبریت احمر ص80از مولانا عبد المالک)

یہ 4 عدد حوالے صرف بریلوی حضرات کی کتب کے ہیں شاھد کے معنی ومفہوم کو مختلف بیان کیا ہے معلوم ہوا کہ شاھد کا معنی حاضر وناظر کرنا قطعی الدلالۃ نہیں جب قطعی الدلالت نہیں تو اس عقیدے میں مفید نہیں ہو سکتا ۔

جواب نمبر6:

اس حدیث کو دیکھ کر معنی تیار کیجئے آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

اقول کما قال العبد الصالح الخ

یعنی قیامت کے دن میں بھی وہی کہوں گا جو میرے نیک بھائی عیسی بن مریم نے کہا کہ ”کنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم“ میں ان کی نگرانی کرتا رہا جب تک ان میں رہا اور جب تو نے مجھے اس دنیا سے اٹھا لیا تو پھر تو ان ہی کا نگران ونگہبان تھا ۔ (بخاری ج 2ص665)

معلوم ہوا کہ ”شاھد“ اور ”شہید“ کا معنی ہر جگہ حاضر وناظر لینا درست نہیں ورنہ آپ یوں نہ فرماتے کہ اے اللہ! میرے اس دنیا سے کوچ کے بعد نگران ونگہبان توآپ تھے، میں نہ تھا۔

المختصر شاھد اور شھید کا معنی گواہ ہی ہو گا اور یہی احادیث طیبہ سے بھی ثابت ہوتا ہے ۔

دلیل نمبر2:

وکیف تکفرون وانتم تتلی علیکم آیت اللہ وفیکم رسولہ۰ (القرآن)

جواب نمبر1:

یہ آیت بھی تمھیں مفید نہیں کیونکہ تمہارا عقیدہ ہر جگہ ناظر کا تو بن سکتا ہے حاضر کا تو نہیں بن سکتا ۔جو دعوی لکھا ہے اس کے مطابق۔ جبکہ اس آیت سے ہر جگہ موجود ہونا ثابت کر رہے ہوتو یہ آیت تمہارے بھی خلاف ہے ۔

جواب نمبر2:

کسی ایک مفسر جو متفق علیہ ہو اس آیت کے تحت تمہارا عقیدہ لکھا ہو ؟ کیا پندر ہ صدیوں بعد قرآن تمہیں سمجھ آیا اور 15 صدیاں فہم قرآن سے خالی گئی ہیں ۔

جواب نمبر3:

اس آیت کا مفہوم سمجھنے کیلئے کسی بھی تفسیر کو اٹھایئے معلوم ہو جائے گا کہ اوس وخزرج کو لڑائی ختم کرنے اور صلح کا حکم دیا جا رہا ہے کہ اب تم میں نبی آخر الزمان موجود ہیں اب کیوں لڑتے ہو ۔ جیسے کوئی بڑا آدمی موجود ہو لوگ لڑ پڑیں تو لوگ انہیں کہتے ہیں: یار نہ لڑو، کچھ خیال کرو، فلاں صاحب تشریف فرما ہیں ان کا لحاظ کرو۔ اوس اور خزرج کو سمجھانے کے لیے یہی طرز اختیار کیا گیا۔

جواب نمبر4:

چونکہ یہ قطعی الدلالۃ نہیں اس لئے کہ تمہارے عقیدے کو ثابت نہیں کر رہی تو یہ تمہیں مفید نہیں ۔

جواب نمبر5:

احادیث میں موجود ہے کہ سیدہ عائشہ کے حجرہ میں پردے پر فوٹو ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ داخل نہ ہوئے جب تک اسے پھاڑ کر پرزے پرزے نہیں کر دیا گیا ۔ (مشکوۃ ص385) اب تو جگہ جگہ فوٹو ہیں تو آپ کیسے یہاں موجود ہو سکتے ہیں ؟

نیزسیدنا ابن عمر سے مروی ہے جسکا خلاصہ یوں ہے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ (ترمذی ج1ص19)

جب فرشتہ ایسی جگہ پر رہنا پسند نہیں کرتا تو سرکار طیبہ ﷺ کو آج کل ایسی مجالس عالم میں کیوں موجود سمجھا جاتا ہے ؟!!

دلیل نمبر 3:

الم تر۰ (القرآن)

ترجمہ: ” کیا تو نے نہیں دیکھا؟“

اگر آپ پہلے ہر جگہ موجود نہ ہوتے تو اس طرح کیوں کہا جاتا ہے ؟

جواب نمبر 1:

اگر یہی معنی ہو اور اس کے علاوہ کوئی اورمعنی نہ ہو تو پھر رضا خانی اس کو دلیل بنائیں ورنہ یہ قطعی الدلالۃ نہیں آپ کے دعوی کیلئے تو آپ کی دلیل کیسے ہوئی ؟

جواب نمبر 2:

*قرآن مقدس میں ایک جگہ ہے:

الم تروا کیف خلق اللہ سبع سموت طباقا •[سورۃ نوح] (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالی نے سات آسمان تہ بہ تہ بنائے ؟)

کیا تمام انسان اس وقت موجود تھے جب سات آسمان تہ بہ تہ بنائے گئے؟

* ایک جگہ یوں ارشاد ہے:

الم یروا کم اھلکنا من قبلھم من قرن• [سورۃ الانعام: 6] (کیا ان لوگوں نے نہ دیکھا کہ کتنی جماعتیں ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دی ہیں؟)

کیا کافر ومشرک بھی اس وقت موجود تھے ؟

اب معنی ومطلب کے بیان کیلئے بریلوی اکابر کی طرف رخ کرتے ہیں تا کہ رضاخانی مان لیں۔

☼ بریلوی علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں :

”الم تر کیا آپ نے نہیں دیکھا“کی تحقیق : رؤیت کے معنی دیکھنا ہے اور یہ رؤیت قلبی یعنی علم کے معنی میں بھی آتا ہے اس لیے کہا آپ نے نہیں دیکھا اسکا معنی ہے کیا آپ نے نہیں جانا ؟ یہ جملہ ان چیزوں کیلئے کہا جاتا ہے جو پہلے مذکور ہو اور جن کا پہلے علم ہو اور ان کا استعمال ان چیزوں کو یاد دلانے ان کو مقرر اور ثابت کرنے اور ان پر تعجب ڈالنے کیلئے ہوتا ہے اور کہیں اس کے بغیر بھی اس جملہ کو استعمال کیا جاتا ہے اس وقت یہ کسی چیز کی خبر دینے اور خبر پر تعجب میں ڈالنے کیلئے ہوتا ہے اور کبھی مجازا استعمال کرتے ہیں اور جس نے کسی چیز کو نہیں دیکھا ہو ا ہوتا اس کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دیتے جس نے اس چیز کو دیکھا ہو اہوتا ہے تاکہ مخاطب اس پر متنبہ ہو کہ یہ چیزیں اس پر مخفی نہیں ہونی چاہئے تھی اور اسکو اس پر تعجب ہونا چاہئے تھا یا یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ چیزیں شہرت کے اس درجہ میں ہے کہ کسی پر مخفی نہیں ہے حتی کہ مخاطب پر بھی مخفی نہیں اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اس کے بعد جو واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے اس پر غور وفکر کیا جائے اور اس سے عبرت حاصل کی جائے ۔“

(تبیان القرآن ج1ص874،873)

☼بریلوی علامہ عبد الرزاق بھرتالوی لکھتے ہیں :

”الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم“ (سورۃ البقرۃ: 243) کیا آپ کو علم حاصل نہیں ہوا ان لوگوں کا جو نکلے اپنے گھروں سے۔ بے شک رؤیۃ کا معنی کبھی بصیرت یعنی دل سے دیکھنا ہوتا ہے اور اس کا مطلب علم ہو تا ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے وارنا مناسکنا کا معنی یہ ہے کہ ہمیں ہماری عبادت کا علم عطا فرما اور ربّ اللہ تعالی نے فرمایا : ”فاحکم بین الناس بمااراک اللہ“ (سورۃ النساء:105) کا معنی یہ ہے آپ فیصلہ فرمائیں لوگوں کے درمیان اس سے جو اللہ نے آپکو علم عطا کیا ۔ رویت قلبی دل سے دیکھنا یعنی علم حاصل ہونے کی پھر دو قسمیں ہیں کبھی مخاطب کو پہلے علم حاصل نہیں ہو تا بلکہ کلام کا تعلق ابتداء سے ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص دوسرے کو کہے الم تر الی ما جری علی فلاں کیا تمہیں فلاں کیا تمہیں فلاں شخص کے جاری رہنے والے کام کا علم نہیں اس کلام کا مقصد دوسرےکو بتانا ہوتا ہے جسے پہلے سے علم حاصل نہیں ہوتا ۔ رویت قلبی کی دوسری قسم یہ ہے کہ جب کسی کو پہلے سے علم ہوتا ہے پھر بات کو پختہ کرنے کیلئے استفہام انکاری کے طور پر یہ کلام کیا جاتا ہے الم تر کیا تمہیں علم حاصل نہیں یعنی تمہیں علم حاصل ہے ۔ دونوں معانی مراد ہو سکتے ہیں ۔ پہلے معنی کے لحاظ سے اس آیت کریمہ میں یہ احتمال پایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو پہلے اس واقعہ کا علم نہ ہو بلکہ اس آیت کریمہ کو نازل فرما کر آپکو علم عطا کیا گیا ہو دوسرے معنی کے لحاظ سے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو

اس آیت کریمہ کے نازل ہونے سے پہلے اس واقعہ کا علم حاصل تھا آپ کے علم کے مطابق آیت کریمہ کو نازل کیا گیا اب مطلب واضح ہے کہ یہ کہا گیا ہے کیا آپ کو علم حاصل نہیں ؟ یعنی یقینا آپکو علم حاصل ہے الم تر کے خطاب سے ظاہر تو یہی ہے کہ یہ خطاب نبی کریم ﷺ کو کیا گیا لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ یہ خطاب آپ کو بھی ہے اور آپ کے ساتھ آپ کی امت کو بھی ۔
(نجوم العرفان ج6ص30،29،28،)

اب معلوم ہو گیا کہ خطاب امت کو بھی ہو سکتا ہے تو کیا یہ بھی ہر جگہ حاضر وناظر ہونگے ۔

دوسری بات...... یہ بھی کہ اگر آپ علیہ السلام کو ان واقعات کے مشہور ومعروف ہونے کی وجہ سے یا خدا تعالی کے یہ معلومات دینے کی وجہ سے علم ہو تو پھر یہ لفظ الم تر متوجہ کرنے کیلئے آتا ہے ان واقعات کی طرف ورنہ آپ کو ان کا علم دینے کیلئے آیت آتی ہے ۔

دلیل نمبر 4:

ا ن رحمت اللہ قریب من المحسنین • (سورۃ الاعراف:56)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی احمت نیک لوگوں کے قریب ہے اور دوسری آیت:

ومارسلنک الا رحمۃ للعالمین• (سورۃ الانبیاء:107)

سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اللہ کی رحمت ہیں تو سرکار نیک لوگوں کے قریب ہوئے اور

ورحمتی وسعت کل شیء • (سورۃ الاعراف:156)

سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت نے ہر شے کو گھیر ے ہوئے ہے تو حضور ہر شیء کو گھیرے ہوئے ہیں یعنی ہر جگہ حاضر وناظر ہیں ۔

جواب نمبر1:

یہ تفسیر پندرہ صدیوں میں کسی متفق ومعتمد علیہ نے نہیں کی ۔

جواب نمبر2:

قرآن میں رحمت ،بارش ،تکلیف کے بعد راحت ،میاں بیوی کے مابین محبت،وغیرہ کو بھی کیا گیا ہے اور بریلوی ملاؤں نے تو اپنے بزرگوں کو رحمۃ للعالمین قرار دیا گیا ہے ، کیا یہ سب چیزیں ہر جگہ حاضر وناظر سمجھی جائیں ۔

جواب نمبر3:

آپ ایک جگہ تشریف فرما ہیں اور آپ کا دیا ہو ادین جو رحمت ہے وہ ہر جگہ ہے دیا ہوا قرآن ہر جگہ ہے آپکی دعاؤں کی برکات جو رحمت ہے وہ ہر جگہ لوگوں پر برس رہی ہے جیسے سورج ایک جگہ دھوپ ہر جگہ ایسے ہی سرکار طیبہ ﷺ ایک جگہ آپکی برکات و رحمتیں ہر جگہ ۔

جواب نمبر4:

دلیل دعوی کے مطابق نہیں دعوی صرف ناظر ہونے کا دلیل حاضر وناظرکی۔

جواب نمبر 5:

اس سے مراد خاص قسم کی رحمت ہے جو کہ مومنوں کے اوپر ہوتی ہے اور اس سے ہر جگہ کا دعوی بھی چھوڑ دینا چاہیئے کیونکہ ہر جگہ تو مومن نہیں ہیں ۔

دلیل نمبر 5:

ولو أنهم إذ ظلموا أنفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما (النساء: 64)

جواب:

پہلی بات: یہ آیت بھی تمہیں مفید نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس جانے کا ذکر ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ و سلم ہر جگہ تشریف فرما ہیں تو آپ کے پاس جانے کا کیا مطلب؟!! وہیں سے ہی جہاں آدمی سے گناہ ہو آپ صلی اللہ علیہ و سلم سے کہہ دیا جائے کہ میرے لیے دعا کریں مگر وہاں جانا تو ہماری دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم چونکہ ہر جگہ نہیں ہیں اور نہ ہی ہر جگہ کو دیکھ رہے ہیں اس لیے آپ کے جانا چاہیے۔

دوسری بات: بریلوی حضرات کا عمل تو اس کے خلاف ہے کہ یہ تو وہاں جاتے نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کو اپنے گھر بلاتے ہیں۔

دلیل نمبر6:

وما كان الله ليعذبهم و أنت فيهم• (الانفال:33)

یعنی عذاب الٰہی اس لیے نہیں آتا کہ آپ موجود ہیں اور عام عذاب تو قیامت تک کسی جگہ نہیں آئے گا۔ (جاء الحق: ص118)

جواب:

قرآن پاک میں ہے:

و إذا كنت فيهم فأقمت لهم الصلاة فلتقم طائفة منهم معك و ليأخذوا أسلحتهم• (سورۃ النساء: 102)

کہ جب آپ لوگوں میں ہوں تو نماز ان کو خود پڑھائیں۔

پہلی بات: اگر آپ موجود ہیں تو بریلوی ملت نماز بجائے رضاخانی کے پیچھے پڑھنے کے آپ علیہ السلام کے پیچھے ادا کریں

دوسری بات: روایت میں آتا ہے کہ اگر میں آپ میں ہوا تو جب دجال نکلے گا تو میں اس کے لیے کافی ہوں۔

تیسری بات: تو اگر آپ موجود ہیں تو پھر رضا خانی حضرات کو زکوٰۃ سے بھی چھٹی کرنے کی گنجائش شائد نظر آ جائے کہ زکوٰۃ لینے کا حکم بھی قرآن مجید نے آپ علیہ السلام ہی کو دیا ہے تو جب آپ موجود ہیں تو زکوٰۃ بھی خود ہی وصول کریں تو ادا کرو ورنہ فاضل بریلوی کی طرح چھٹی کرو کہ ساری زندگی ایک پیسہ زکوٰۃ نہیں دی۔

دلیل نمبر7:

النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم و أزواجه أمهاتهم• (سورۃ الاحزاب: 6)

قاسم نانوتوی تحذیر الناس ص10 پر لکھتے ہیں: اس آیت میں ''اولیٰ'' کے معنی قریب تر ہیں۔ تو آیت کے معنی ہوئے؛ مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں اور زیادہ قریب چیز نظر نہیں آتی، اس زیادتی قرب کی وجہ سے آنکھ سے نظر نہیں آتے۔ (جاء الحق: ص120)

جواب:

اس آیت کو رضاخانی حضرات سمجھے ہی نہیں ورنہ یاد رکھیں عرف عام میں قریبی کا معنی کیا ہے وہ ہم عرض کر دیتے ہیں۔ مثلاً آپ کسی دوست یا رشتہ دار کا تعارف کرواتے ہیں کہ یہ ہمارے بہت قریبی ہیں۔ اس کا کیا مطلب کہ وہ ہر وقت ہمارے پاس رہتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ہمارا تعلق بہت قرب کا ہے، رشتہ بہت قریب کا ہے۔ تو جب نبی پاک صلی اللہ علیہ و سلم کو قریب تر مانا گیا تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا تعلق ہر امتی سے اس قدر زیادہ ہے کہ اتنا تعلق اس کا اپنی جان سے بھی نہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے حقوق اس امت پر اس قدر ہیں کہ آپ کی امت کے اپنے اوپر بھی نہیں۔ تو اس آیت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کے رشتہ اور تعلق کو بیان کیا گیا ہے مگر یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی عظمت و شان گھٹانے کے لیے ہر جگہ مانتے ہیں ۔ (کما مر مفصلا واضحا)

دلیل نمبر8:

و سيرى الله عملكم ورسوله• (سورۃ التوبۃ: 94)

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم اعمالِ امت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

جواب:

اگر سرسری طور پر اس آیت کا شان نزول ہی دیکھ لیا جائے تو اس سے استدلال کی خامی واضح ہو جاتی ہے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر ان منافقین نے حیلے بنا کر شریک نہ ہونے کی اجازت طلب کر لی اور آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے یہ سمجھتے ہوئے اجازت عنایت فرما دی کہ یہ لوگ واقعی معذور ہیں تو اللہ پاک نے ارشاد فرمایا؛ عفا الله عنك لم أذنت لهم حتى يتبين لك الذين صدقوا

وتعلم الکاذبین (سورۃ التوبۃ: 43)

اور اگراس سے مراد رؤیت بصری ہے تو پھر اسی سورت میں آگے ہے کہ یہ بھی اور مومنین بھی دیکھتے ہیں تو پھر سارے مؤمنین بھی حاضر ناظر ٹھہرے؟؟

دلیل نمبر 9:

ماکنت تقول فی ھذ االرجل (الحدیث)

یعنی قبر میں فرشتے پوچھتے ہیں: اس آدمی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ و سلم) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ معلوم ہوا کہ آپ ہر جگہ موجود ہیں ۔

جواب نمبر 1:

اس مسئلہ میں دلیل قطعی لانی چاہیئے تھی اور یہ دلیل قطعی نہیں کیونکہ متواتر نہیں ۔

جواب نمبر 2:

جوآدمی مشہور اور معروف ہو یا کوئی جگہ جس کا تصور ذھن میں ہو اس کے بارے میں ھذا کہہ دیا جاتا ہے

جواب نمبر 3:

چاند کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام ھذا ربی کہہ رہے ہیں کیا چاند ہر جگہ موجود ہے ۔

جواب نمبر 4:

سیدنا جبرئیل علیہ السلام ایک اعرابی کی شکل میں سوالات کرتے ہیں ان کے چلے جانے کے بعد آ پ ﷺ نے فرمایا:

ھذا جبرئیل• یہ جبرئیل تھے ۔ (بخاری ج2ص704،مسلم ج1ص29)

کیا جبرئیل امین ہر جگہ حاضر وناظر ہیں ؟معلوم ہو گیا کہ لفظ "ھذا" ہمیشہ محسوس اور دکھائی دی جانے والی چیز کیلئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ جس چیز کا ذھن میں تصور ہواس کیلئے بھی ھذا بول دیتے ہیں ۔

تو فرشتے اشارہ کر رہے ہیں جو سرکار طیبہ ﷺ کا تصور اس کے ذہن میں اس طرف ۔

جواب نمبر 5:

فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

"ما تقول فی ھذا الرجل" ان کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اب نہ معلوم سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضہ مقدسہ سے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے ۔ (ملفوظات حصہ ص75)

تو جب احتمال آگیا تو استدلال باطل ہو گیا ۔

جواب نمبر 6:

سرکار طیبہ ﷺ بقول تمہارے وہاں تشریف لے جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ پہلے وہاں نہ تھے ۔

جواب نمبر 7:

سرکار طیبہ ﷺ بقول تمہارے اگر قبر میں تشریف لے جاتے ہیں تو پھر صبح کے وقت کیوں پوچھ رہے ہیں "متی دفن ھذا؟" اس آدمی کو کب دفن کیا گیا ہے ؟ (مشکوۃ شریف ج1ص145)

اور یوں کیوں فرما رہے ہیں مسجد کے خادم کے دفن ہو نے کا جب آپ کو علم ہوا کہ: افلا کنتم آذنتمونی بہ دلونی علی قبرہ•

(بخاری ج1ص65،مسلم ج1ص309)

تم نے مجھے اس کے جنازے کا کیو ں نہ بتایا اچھا مجھے اسکی قبر بتاؤ ۔اگر آپ رات کو وہاں تشریف لے گئے تو پھر یوں کہنے کی کیا ضرورت ؟

جواب نمبر 8:

پہلے یہ بات بتائی جائے کہ نبی پاکﷺ کو رجل (آدمی)کہا جارہا ہے کیا تم نبی پاکﷺ کو آدمی ،بشر ماننے کیلئے تیار ہو ؟

اگر ہو تو وہ تمام فتوے ہم حاضر کردیتے ہیں جو نبی پاکﷺ کو "بشر "کہنے پر بریلوی اکابر نے دیے ہیں تو یہ دلیل تو تمہارے لیے ایمان لیوا ثابت ہو گی ۔

دلیل نمبر10:

وعن أم سلمة قالت : استيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة فزعا يقول : " سبحان الله ماذا أنزل الليلة من الخزائن ؟ وماذا أنزل من الفتن ؟ (مشکوٰۃ المصابیح: باب التحریص علی قیام اللیل)

اس سے معلوم ہوا کہ آئندہ ہونے والے فتنوں بچشم ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ (جاء الحق: 122)

جواب:

پہلی بات......اس میں تو کہیں بھی یہ نہیں ہے کہ ہر ہر جگہ اور ہر ہر وقت رسول پاک صلی اللہ علیہ و سلم دیکھ رہے ہیں، اس حدیث سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ خزائن اور فتن اس رات میں کئی نازل ہوئے اور یہ حدیث آپ کے خلاف ہے کہ اس سے پہلے آپ علیہ السلام خزائن اور فتن کو نہیں دیکھ رہے تھے ورنہ گھبرانا چہ معنی دارد؟ تو اس سے تو حاضر ناظر کی نفی معلوم ہوتی ہے، چونکہ دعویٰ بریلوی حضرات کا تو یہ ہے کہ ہر ہر جگہ اور ہر ہر وقت آپ کے پیش نظر ہے مگر یہ تو چند ایک خزائن اور فتن کا ذکر ہے نہ کہ کلی خزائن اور فتن کا۔

دوسری بات...... ان کے علاوہ بے شمار کئی دیگر اشیاء، باتیں، انسان اور حیوانات ہیں ان کا کیا بنا؟ ان کا تو اس میں ذکر ہے ہی نہیں۔

تو یہ کہنا کہ تمام اشیاء کا علم ہو گیا ہو یہ غلط ہے۔

ہم مسئلہ علم غیب کی تردید میں بریلوی حضرات کے دلائل کے جوابات میں عرض کر آئے ہیں کہ سیدنا حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اس فتنہ کے بارے میں نہ پوچھا ہے اور نہ ہی آپ نے ارشاد فرمایا جو اہل مدینہ کو مدینہ سے نکال دے گا۔ تو تمام فتنوں کا علم میں آنا بھی مسلّم نہیں باقی باتیں تو پیچھے رہ گئیں۔

دلیل نمبر11:

وعن أنس قال نعى النبي صلى الله عليه وسلم زيدا وجعفرا وابن رواحة للناس قبل أن يأتيه خبرهم فقال أخذ الراية زيد فأصيب ثم أخذ جعفر فأصيب ثم أخذ ابن رواحة فأصيب وعيناه تذرفان حتى أخذ الراية سيف من سيوف الله حتى فتح الله عليهم . (مشکوٰۃ: باب المعجزات)

جواب:

پہلی بات......یا تو رسول پاک صلی اللہ علیہ و سلم کو یہ واقعہ منکشف کر دیا گیا یا پھر جبرئیل امین کے ذریعے وحی کر کے آپ کو اس واقعہ کے سارے احوال بتا دیے گئے۔ دعویٰ تو سارے عالم کے ذرے ذرے پر نظر مبارک کا ہے اور دلیل میں ایک جزئیہ پیش کرنا یہ عقل مندی اور دانش مندی نہیں بلکہ اپنے گھر سے جاہلیت کی دلیل پیش کرنا ہے۔

دوسری بات...... یہ کشف ہونا انسانی طاقت اور بس میں نہیں ہوتا بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو جاتا ہے اور یہ دائمی بھی نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ آپ کے مسئلہ کے لیے مفید نہیں۔

تیسری بات...... یہ دلیل قطعی نہیں بلکہ خبر واحد ہے جو کہ آپ کے عقیدہ میں مفید نہیں۔

دلیل نمبر12:

عن أبي الدرداء : قال كنا مع رسول الله صلى الله عليه و سلم فشخص ببصره إلى السماء ثم قال هذا أوان يختلس العلم من الناس حتى لا يقدروا منه على شيء• (جامع الترمذی: باب العلم)

اس کی شرح میں ملا علی قاری لکھتے ہیں:

فکانہ علیہ السلام لما نظر الی السماء کوشف• (جاء الحق: 122)

جواب:

:1 یہ خبر واحد ہے جو عقیدہ کے باب میں مفید نہیں ہے۔

:2 کشف کا ہونا امر اختیاری نہیں یہ امر غیر اختیاری ہے تو اگر یہ کسی امر جزئی میں ہوا تو اس سے آپ کا دعویٰ کیسے ثابت ہوا؟ کیونکہ آپ کا دعویٰ تو تمام عالم اور تمام جہان پر نظر مبارک ہونے کا ہے۔

3: اس سے تو معلوم ہوا کہ اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ و سلم حاضر و ناظر نہ تھے۔

دلیل نمبر13:

حدیث قدسی ہے: کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ الذی یبطشہ بہا الخ• ایک اور روایت میں ہے: و لسانہ الذی یتکلم بہ• اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ جب انسان فنا فی اللہ ہو جاتا ہے تو خدائی طاقت سے دیکھتا، سنتا، چھوتا اور بولتا ہے یعنی عالم کی ہر چیز کو دیکھتا ہے، ہر دور اور نزدیک کی چیزوں کو پکڑتا ہے۔ یہی حاضر ناظر کے معنی ہیں اور جب معمولی انسان فنا فی اللہ ہو کر اس درجے میں پہنچ جاویں تو سید الانس و الجان علیہ الصلاۃ والسلام سے بڑھ کرکون فنا فی اللہ ہو سکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ و سلم بدرجہ اولیٰ حاضر ناظر ہوئے۔

(جاء الحق: ص149)

جواب:

1: یہ تو خبر واحد ہے، یہ تو آپ کو مفید نہیں ہے۔

2: شاہ صاحب نے تفسیر عزیزی میں(تحت تفسیر سورۃ مزمل)، حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں (ج5 ص77) اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء و الصفات میں (ج1 ص345) میں اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ بندہ کثرت عبادت سے اللہ کا مقبول بن جاتا ہے، اس کے سب اعضاء کا اللہ تعالیٰ خود محافظ بن جاتا ہے اور اس کے ہاتھ، پاؤں، کان اور آنکھ اللہ کی مرضی کے تابع بن جاتے ہیں۔

3: یہ بزرگوں کی اس حالت کا بیان ہے کہ جب ان سے کرامات صادر ہوتی ہیں تو اس وقت ان سے یہ افعال صادر ہوتے ہیں جو من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ ہاں ظہور ان بزرگوں کے وجود سے ہوتا ہے اور طاقت و قدرت خدا تعالیٰ کی استعمال ہوتی ہے۔ تو یہ اس حالت کا بیان ہے، اس سے تو آپ ہر ہر بزرگ کو حاضر ناظر ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ العیاذ باللہ

دلیل نمبر 14:

السلام علیک ایھاالنبی•

صیغہ خطاب سے درود سلام کا عرض کرنا بتاتا ہے آپ ﷺ ہر جگہ موجود ہیں کیوں نمازی بھی تقریبا ہر جگہ ہوتے ہیں ۔

جواب نمبر 1:

جیسے خطوط میں خطاب کے الفاظ لکھے جاتے ہیں مثلاً السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبر کاتہ، حالانکہ حاضر وناظر کوئی بھی نہیں سمجھتا ۔

جیسے نبی پاکﷺ نے ”انی ادعوک بدعایۃ الاسلام“ خط میں ہرقل کو لکھا حالانکہ وہ کافر ہے اور ہر جگہ حاضر وناظر اسے ماننے کیلئے بریلوی بھی قطعا تیار نہیں تو یہ خطاب خطوط کی طرح کہ جب قاصد خط لے جا کر پہنچادےگا تو خطاب درست ہو جائے گا اسی طرح جب یہ درود سلام پڑھا جاتا ہے تو مقصود یہی ہوتا ہے کہ فرشتے یہ سلام آپ کی خدمت میں پہنچا دیں گے تو یہ درست ہے اور احادیث کے مطابق ہے ۔

من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ•

ان للہ ملائکۃ سیا حین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام•

کچھ فرشتے اسی کام پر مقرر کیے گئے ہیں جو امت کا سلا م آپ تک پہنچاتے ہیں تو معلوم ہو گیا دور سے سلام وصلوۃ فرشتے پہنچاتے ہیں چاہے صیغہ خطاب سے ہو یا نہ ہو ۔

جواب نمبر 2:

مسئلہ عقیدے کا ہے یہ خبر واحد ہے جو اس سے ثابت نہیں ہوتا ۔

جواب نمبر3:

مولوی فیض احمد اویسی ”فرشتوں کے ذریعے ندا پہنچایا جانا“ کا عنوان باندھ کر پہلی حدیث ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض ،الحدیث ،لائے اور لکھا:

حدیث التحیات میں سلام کا طریقہ اس طرح پر سکھایا گیا ہے ۔التحیات للہ والصلوت الخ۔
(ندائے یارسول اللہ ص30)
معلوم ہوا کہ یہ بھی فرشتوں کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے ۔
اگر کوئی یوں کہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نزدیک یہ تشہد کے الفاظ اس لیے ہیں کہ حقیقت محمدیہ ہر ذرہ میں موجود ہے ۔تو جوابا عرض ہے کہ بریلوی علامہ پیر نصیر الدین گولڑوی لکھتے ہیں:
بعض کم علم حقیقت محمدیہ سے مراد رسالت مآب ﷺ کی معروف ذات لیتے ہیں جو غلط محض ہے ۔ (راہ ورسم ومنزل ہا ص63)
اور دوسری بات یہ ہے کہ عقیدے کا مسئلہ حدیث خبر واحد سے بھی ثابت نہیں ہوتا چہ جائیکہ کسی بزرگ کی بات سے ہو ۔
ہماری اس تحریر سے یا رسول اللہ کہنے کا مسئلہ بھی حل ہو گیا ۔اگر کوئی درود شریف میں یہ لفظ استعمال کرے اور مقصود وہی ہے کہ فرشتے پہنچائیں گے تو درست ہیں مثل السلام علیک ایھاالنبی کے ،اور عبد السمیع رامپوری صاحب لکھتے ہیں جس نے یا رسول اللہ کہا تواس کے معنیٰ عربی قاعدہ سے یہ ہوئے کہ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کوپکارتاہوں یعنی ان کو یادکرتاہوں اور انکا نام لیتاہوں۔ (انوارساطعہ ص321)
یعنی ”یارسول اللہ“ کامعنی یہ ہے میں ان کا نام لیتاہوں اس میں حاضروناظرسمجھنا کہاں سے ہوا،ایک جگہ یوں لکھتے ہیں تمہارے نام پہ قربان یارسول اللہ۔فداتم پہ میری جان یارسول اللہ ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری جان حضرت پر قربان ہے ،اسکی مراد جملہ خبریہ ہے اگرچہ اس نے لفظ ندا یہ بولا کیا ضرور ی ہےکہ یوں کہو یہ شخص خداکی طرح حاضروناظر جان کر پکارتاہےالبتہ تم خود شرک وکفرکے معنی یہ کہہ کر لوگوں کے ذہن میں جماتے ہو کہ لفظ یا نہیں ہوتا مگر واسطے حاضر کےالخ۔ (انوار ساطعہ ص319)
معلوم ہوگیا خدا کی طرح ہر جگہ حاضروناظر مان کر یارسول اللہ کہنا شرک ہے،اوربریلویوں کے بہت بڑے سکالر پروفیسر مسعود لکھتے ہیں: ”یارسول اللہ ہمراہی درود شریف یا بوقت کسی موقع کے اوپر مزارشریف وغیرہ کے درست ہے اورہر وقت مثل نشست وبرخاست کے کہنا ناجائزہے۔“ (تذکرہ مظہر مسعودص131)
اگر یہ ہر جگہ مانتے تو ناجائز نہ کہتے۔

دلیل نمبر15:

نبی پاکﷺ نے فرمایا:

ان اللہ زوی الی الارض حتی رایت مشارقھا ومغاربھا۔

اللہ تعالی نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا ہے یہاں تک کہ میں نے اس کے مشارق ومغارب کو دیکھا۔
اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺہر شے دیکھ رہے ہیں ہمارا دعوی ثابت ہو گیا ۔

جواب نمبر1:

یہ خبر واحد ہے اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہو تا ۔

جواب نمبر 2:

ایک دفعہ اللہ تعالی نےمشرق ومغرب کی سیر کرا دی اس سے ہر وقت ہر جگہ موجود ہونا کیسے لازم آتا ہے جب کہ آپ کا عقیدہ تو ہر وقت کا ہے ۔اور ایک دفعہ کا دیکھنا جو ہے اس سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے ہر ہر ذرے ہر ہر قطرے اور ہر ایک شے کو تفصیلا دیکھا ہو ۔
آدمی اپنے سر کو روزانہ کئی بار دیکھتا ہے مگر کتنے بال ہیں لمبے کتنے ہیں یہ اسے معلوم نہیں ہوتا نبی پاکﷺ نے بیت المقدس کو تو دیکھا تھا مگر اسکی کھڑ کیا ں ودروازے کتنے تھے یہ آپکو معلوم نہ تھا اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ میں وہ عمارت سامنے کر دی آپ دیکھ کر بتاتے رہے۔

جواب نمبر 3:

یہ واقعہ معراج کا ہے جب آپ کا دعوی تو شروع سے ہے اس لیے دلیل آپ کی نہیں بن

سکتی ۔کیونکہ آپ کو ماننا پڑیگا پہلے حاضر وناظر نہیں تھے۔اگر پہلے سے مانتے ہو تو یہ دلیل آپکو مفید نہیں۔

جواب نمبر 4:

اگر آدمی لاکھ دو لاکھ کے مجمع کو دیکھے کیا ہر آدمی کے بال ،کپڑے ،اعضاء،داڑھی وغیرہ سب کو دیکھتا ہے جیسے یہ سب چیزیں آدمی نہیں دیکھتا ایسی صورت یہاں تصور کر لیں ۔یا آدمی ایک باغ دیکھتا ہے کیا ہر ایک ٹہنی کو ہر ایک پتے کو ہر شاخ کو دیکھتا ہے ؟باغ تو دیکھتا ہے مگر ہر ہرشے کو نہیں دیکھتا ۔قس علی ھذا

جواب نمبر 5:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ معراج کی رات آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے روئے زمین کے تمام مومن آدمیوں کو دیکھ لیا تھا تو پھر سب کو صحابی ماننا پڑیگا الخ (شرح نحبۃ الفکر : ص85 ملخصاً)

دلیل نمبر16:

کلمہ طیبہ سے حاضر ناظر کا ثبوت ملتا ہے۔ ”لا الہ الا اللہ“ میں الا کے بعد الوہیت کا ثبوت ہے اور ”محمد رسول اللہ“ میں رسالت کا ثبوت ہے۔ جس طرح الوہیت ہر جگہ ہے اسی طرح رسالت بھی ہر جگہ ہے۔ الوہیت ایک وصف ہے تو موصوف بھی ہر جگہ ہو گا، اسی طرح رسالت بھی ایک وصف ہے تو موصوف بھی ہر جگہ ہو گا۔

جواب:

عقائد قیاس سے تو ثابت نہیں ہوتے۔ اگر یونہی قیاس ہے تو پھر آئیے! صدارت و وزارت ایک وصف ہے جب پورے پنجاب کا وزیر ہے تو کیا وہ ہر جگہ ہو گا؟ کیا پورے ملک کا صدر ہے تو کیا وہ پورے ملک میں ہر جگہ موجود ہوا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی نبوت و رسالت کو الوہیت سے تشبیہ دینا یہ رضا خانی دجل ہے کہ بات کو الجھانے کے لیے خدا کی مثال دیتے ہیں۔ جب خدا جیسا کوئی ہے نہیں تو مثال کیوں لاتے ہو؟

رسول پاک صلی اللہ علیہ و سلم کی مثال قرآن پاک میں روشن چراغ سے دی گئی ہے، چراغ رکھا تو ایک جگہ جاتا ہے لیکن اس کی روشنی اطراف کو روشن کرتی ہے۔ تو بات اب واضح ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی نبوت جو آپ کا وصف اور روشنی ہے وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ و سلم سے اطراف کو روشن اور منور کرتی ہے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم تو ایک ہی جگہ تشریف فرما ہیں۔

دلیل:

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

واذا سمعت فعنک قولا طیبا

واذا نظرت فما اری الاک

اے حنفی بننے کا دعویٰ کرنے والو! یہ ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا فرمان اور عقیدہ۔ اب فرمائیے امام صاحب کو بھی مشرک!!

(جاء الحق: ص148، مقیاس حنفیت: ص285)

جواب:

پہلی بات......یہ قصیدہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں ہے، آج تک کوئی بھی اس کو ثابت نہیں کر سکا۔

دوسری بات...... اگر مان بھی لیا جائے تو بھی اعتراض نہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ میری نظر میں آپ جیسا کوئی نہیں، جس کو بھی دیکھیں آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی عظمت اور شان کے مقابلے میں کم ہے، تو ہر طرف آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا ہی شان و مقام ومرتبہ مسلّم ہے اور وہی ہماری نظر میں ہے چاہے ہم کہیں بھی ہوں۔

مسئلہ حاضر ناظر کی عام تفہیم

اس مسئلہ کی عامی تفہیم یوں ہو سکتی ہے جیسا کہ رئیس المناظرین ، عمدۃ المحققین مولانا منظور احمد نعمانی نے فرمایا ہے ہم انہی کا مضمون نقل کرتے ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ بالکل بے اصل بلکہ نصوص صریحہ شرعیہ کے خلاف اور مشرکانہ عقیدہ ہے ۔ ''علی کل شیئ شہید'' اور ''لکل شیئ محیط'' صرف حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ اس گمراہانہ عقیدہ کو اسلامی تعلیمات سے اسی قدر بعد ہے جس قدر بت پرستی اور عقیدہ تثلیث کو اسلام اور عقیدہ توحید سے۔ اگر اس عقیدہ کے خلاف نصوص ناطق نہ ہوتے جب بھی اصول اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہ تھی، لیکن صورت حال یہ ہے کہ کتاب وسنت میں اس کے خلاف بے حساب دلائل موجود ہیں جن کا احصاء اور استیعاب بھی نہیں کیا جا سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لحاظ سے اس عالم کے تین حصے ہیں ایک وہ دور ہے جب کہ آپ کی روح پاک کی تخلیق ہو چکی تھی لیکن آپ اس عالم آب وگل میں تشریف نہیں لائے تھے اس دورمیں آپ کی روح پاک کو بہت سے روحانی کمالات حاصل تھے اور حسب تصریح علماء کرام واشارات نصوص آپ کی روح مبارک اس وقت بھی وصف نبوت کے ساتھ موصوف تھی۔

کنت نبیا وادم بین الروح والجسد•

میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم روح اور جسم کے درمیان میں تھے۔

دوسرا دور آپ کا وہ ہی جب آپ اس عالم میں تشریف لے آئے اس دور کا آغاز ولادت طیبہ سے اور اختتام وفات شریف پر ہوتا ہے۔

تیسرا دور عالم برزخ کا ہے اس کا آغاز وفات شریف سے ہوا ہے اور اب قیامت تک یہی دور ہے قرآن وحدیث میں ان تینوں زمانوں کے متعلق تصریحات ملتی ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر وناظر نہیں ہیں ، دور اول کے متعلق (جس کو عالم روحی یا عالم نوری کہنا چاہیے) قرآن پاک میں جا بجا اس کی تصریحات موجود ہیں ۔ سورۃ ''آل عمران '' میں ارشاد ہے :

وما كنت لديهم إذ يلقون أقلامهم أيهم يكفل مريم وما كنت لديهم إذ يختصمون•

اس کا مطلب یہ ہے کہ ''جس وقت ''بیت المقدس'' کے مجاورین حضرت مریم علیہ السلام کی کفالت کے معاملہ میں جھگڑا کررہے تھے اور قرعہ اندازی ہورہی تھی تو اے رسول تم اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے کہ ان باتوں کا تم کو علم ہوتا بلکہ اب ہم تم کو بذریعہ وحی کے یہ سب کچھ بتلا رہے ہیں۔

اور سورۃ ہود میں ارشاد ہے:

تلك من أنباء الغيب نوحيها إليك ما كنت تعلمها أنت ولا قومك من قبل•

(یعنی ہمارے پیغمبر نوح علیہ السلام) کا یہ واقعہ منجملہ اخبار غیب کے ہے جس کوہم وحی کے ذریعہ سے آپ کے پاس پہنچاتے ہیں پہلے سے نہ آپ اس کو جانتے تھے نہ آپ کو قوم جانتی تھی۔

اور سورۃ یوسف میں ہے:

ذلك من أنباء الغيب نوحيه إليك وما كنت لديهم إذ أجمعوا أمرهم وهم يمكرون•

یعنی یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے ہم ہی آپ کو وحی کے ذریعہ سے یہ قصہ بتلاتے ہیں ۔اور آپ ان (برادران یوسف) کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جب کہ انہوں نے یوسف کو کنویں میں ڈالنے کا پختہ فیصلہ کیا اور جب کہ وہ خفیہ تدبیروں میں لگے ہوئے تھے۔

اور سورۃ قصص میں ارشاد ہے:

وما كنت بجانب الغربي إذ قضينا إلى موسى الأمر وما كنت من الشاهدين•

یعنی اے رسول جس وقت ہم نے موسیٰ کی طرف یہ حکم بھیجا تھا تم اس مغربی جانب نہ تھے

اور یقیناً تم وہاں حاضر نہ تھے۔
پھر اسی سورت میں آگے ارشاد ہے:

وما كنت بجانب الطور إذ نادينا ولكن رحمة من ربك الآيۃ•

اس کا خلاصہ یہی ہے کہ جب نے موسیٰ کو پکارا تھا تو اے رسول اس وقت تم طور کے پاس موجود نہ تھے اور اب یہ جو کچھ حالات تم کو اس وقت کے تم کو معلوم ہو رہے ہیں سو یہ تم پر خدا کی رحمت ہے کہ وہ تم کو وحی کے ذریعہ سے ایسی ایسی عجیب وغریب باتیں بتلا رہا ہے۔

ان تمام آیات سے آفتابِ نیمروز کی طرح روشن ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عالم روح میں بھی ہر جگہ حاضر وناظر نہ تھے۔

نیز زمانہ نبوت کے متعلق بھی قرآن وحدیث میں اس کی تصریحات ملتی ہیں بطور نمونہ مشتے از خروارے چند آیات واحادیث پیش کی جاتی ہیں، بعض منافقین کے بارے میں سورہ بقرہ ہی میں ارشاد ہے۔

ومن الناس من يعجبك قوله في الحياة الدنيا ويشهد الله على ما في قلبه وهو ألد الخصام•

مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں بعض منافق وہ بھی ہیں جن کی بات اے رسول آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہیں کیونکہ وہ بہت چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں اور بہت زیادہ اظہار محبت کرتے ہیں اور اس پر خدا کی قسمیں کھاتے ہیں اور فی الحقیت وہ دشمن اسلام ومسلمین اور نہایت جھگڑالو ہیں۔

(خلاصۃ مافی المعالم والخازن)

نیز منافقین ہی کی جماعت کے متعلق سورہ منافقین میں ارشاد ہے:

وإذا رأيتهم تعجبك أجسامهم وإن يقولوا تسمع لقولهم كأنهم

یعنی وہ ایسے ہیں کہ جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قدوقامت آپ کو خوش نما معلوم ہوتے ہیں اور اگر وہ کچھ کہیں تو آپ اس کو سچ سمجھ لیں۔ (کذافی المعالم والخازن)

اور مدنیہ کی بعض نہایت گہرے منافقوں کے متعلق سورہ توبہ میں ارشاد ہے:

ومن أهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم•

یعنی بعض اہل مدینہ سے منافقت میں بہت مشاق ہیں اے رسول آپ ان کو نہیں جانتے ہم خوب جانتے ہیں۔

ان آیتوں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے بعض منافقین کو نہیں جانتے تھے اور ان کی خفیہ ریشہ دوانیوں کی آپ کو خبر نہیں ہوتی تھی، حالانکہ اگر آپ ہر جگہ حاضر وناظر ہوتے تو کوئی بات آپ کے لیے راز نہ رہتی اور آپ پر سب کچھ ظاہر ہوتا ۔ مزید توضیح کے لیے اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے جس کا اجمالی ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ لیکن پوری تفصیل صحیح بخاری شریف اور دوسری کتبِ حدیث میں موجود ہے ،واقعہ یہ ہے کہ :

ایک غزوہ میں عبداللہ بن ابی منافق نے کسی موقع پر کہا:

لا تنفقوا على من عند رسول الله•

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے والے ہیں ان پر کچھ خرچ مت کرو۔

نیز اسی مجلس میں اس نے یہ بھی کہا :

ولئن رجعنا إلى المدينة ليخرجن الأعز منها الأذل•

اگر ہم مدینہ پہنچتے ہیں تو ہم میں سے جو زیادہ عزت والا ہوگا وہ ذلیلوں کو نکال دےگا یعنی اب ہم مدینہ پہنچ کر مہاجرین کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔

اس کی یہ بکواس حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ صحابی نے سنی اور بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی آپ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلایا اور

دریافت فرمایا کہ یہ کیا ماجرا ہے ؟ وہ صاف مکر گئے اور جھوٹی قسمیں کھا لیں کہ ہم نے ہر گز ایسا نہیں کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق فرمادی اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو جھوٹا قرار دیا جس سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بے حد صدمہ ہوا یہاں تک کہ انہوں نے اس رنج میں گھر سے باہر نکلنا چھوڑ دیا، تاآنکہ سورہ منافقون کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں اور ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا کہ عبداللہ بن ابی وغیرہ جھوٹے ہیں ۔ فی الحقیقت انہوں نے یہ کلمات شنیعہ کہے تھے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور ان کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیان کی تصدیق نازل فرما دی ۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر ملحضاً)

یہ واقعہ بھی صاف بتا رہا ہے کہ ہر جگہ حاضر وناظر ہونا حضور کی شان نہیں تھی ورنہ اس معاملہ میں آپ پہلے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تکذیب اور منافقین کی تصدیق نہ فرماتے۔

احادیث میں ایسے واقعات جن سے اس مسئلہ پر ایسی ہی صاف روشنی پڑتی ہے کہ بکثرت موجود ہیں اور ان اگر کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم دفتر تیار ہو سکتا ہے۔اس لیے صرف ایک ہی مختصر حدیث یہاں اور پیش کی جاتی ہے:

جامع ترمذی اور سنن ابی داود میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یبلغی احد عن احد من اصحابی شیاء فانی احب ان اخرج الیکم وانا سلیم الصدر

کوئی شخص میرے پاس کسی صحابی کی طرف سے کوئی چیز مجه تک نہ پہنچائے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں تمہارے پاس اس حال میں آؤں کہ میرا دل (سب کی طرف سے) صاف ہو ۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ کے پرائیوٹ حالات کی اطلاع عام طور پر لوگوں کے ذکر کرنے سے ہوتی تھی اور اگر آپ ہر جگہ حاضروناظر ہوتے تو کسی کے بیان کرنے یانہ کرنے سے کوئی اثر نہ پڑتا۔

الغرض ان آیات واحادیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی حیات طیبہ میں بھی یہ بات حاصل نہ تھی کہ آپ ہر جگہ حاضر وناظر ہوں، اس طرح زمانہ بعد وفات کے متعلق بھی نصوص شرعیہ اس حقیت کو واضح کر رہے ہیں ، صحیحین(بخاری ومسلم) میں متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حشر کے دن میں حوض کوثر پر ہوں گا اور ایک جماعت کو ملائکہ جہنم کی طرف لے چلیں گے میں کہوں گا کہ یہ تو میرے امتی ہیں مجه کو جواب دیا جائے گا کہ:

إنك لاتدري ما أحدثوا بعدك٭

تم کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا رخنے پیدا کیے۔

حضور فرماتے ہیں کہ جب مجھے یہ معلوم ہو گا تو میں وہی کہوں گا جو خدا کے نیک بندے عیسیٰ بن مریم نے کہا:

وکنت علرلیھم شھرلیدا ما دمت فرلیھم فلما توفرلیتني کنت أنت الرقرلیب علرلیھم وأنت علی کل شيء شھرلید٭

میں ان سے خبر دار تھا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان کا نگران حال تھا اور تو ہی ہر چیز کی نگرانی خبر رکھنے ولا ہے۔

اس متفق علیہ حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اس عالم سے رحلت فرمانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امتیوں کے تفصیلی احوال کی خبر نہیں حالانکہ اگر آپ اس دور میں بھی ہر جگہ حاضر وناظر ہوتے تو قیامت میں یہ نہ فرماتے کہ: ”کنت علیہم شہیدا مادمت فیہم“

اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ•

جو میری قبر کے پاس درود پڑھے گا میں اس کو خود سنوں گا اور جو دور سے درود پڑھے گا وہ (فرشتوں کے ذریعے) مجھ تک پہنچایا جائے گا۔

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ ”جوہر منظم“ میں لکھتے ہیں :

و من اعظم فوائد الزیارۃ ان زائرہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی و سلم علیہ عند قبرہ سمعہ سماعا حقیقیا...... من غیر واسطۃ و ناہیک بذلک بخلاف من یصلی او یسلم من بعید فان ذلک لا یبلغہ و لا یسمعہ الا بواسطۃ و الدلیل علی ذلک احادیث کثیرۃ ذکرتہا فی کتابی السابق ذکرہ منہا ما جاء بسند جید و ان قیل انہ غریب: من صلی علی عند قبری سمعتہ و من صلی علی من بعید اعلمتہ•

زیارت قبر اقد س کے بڑے فائدوں میں سے ایک یہ ہے کہ زائر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام قبر شریف کے پاس جا کر پڑھتا ہے تو آپ خود سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں۔ یہ نعمت کیا کم ہے بخلاف اس شخص کے جو دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھے ، کیونکہ وہ آپ کو نہیں پہنچتا نہ آپ اس کو سنتے ہیں مگر بواسطہ فرشہ کے ۔ اس کی دلیل میں بہت سی احادیث ہیں جن کو میں نے کتاب سابق الذکر " یعنی درمنضود" میں بیان کیا ہے ازاں جملہ ایک حدیث وہ جو کھری سند کے ساتھ منقول ہے اگر چہ اس کو غریب کہا گیا ہے جوشخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے پڑھتا ہے اس کی اطلاع مجھے دی جاتی ہے ۔

اور علامہ علی قاری مکی اپنی کتاب ” الدرۃ المضیئۃ فی الزیارۃ المصطفویۃ“ میں فرماتے ہیں:

و من اعظم فوائد الزیارۃ ان الزائر اذا صلی و سلم علیہ عند قبرہ سمعہ سماعا حقیقیا و رد علیہ من غیر واسطۃ بخلاف من یصلی او یسلم علیہ من بعید فان ذلک لا یبلغہ الا بواسطۃ لما جاء عنہ بسند جید: من صلی علی عند قبری سمعتہ و من صلی علی من بعید اعلمتہ•

زیارت قبر اقدس کے بڑے فائدوں میں سے ایک یہ ہے کہ زائر جب آپ کی قبر شریف کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو آپ خود سنتے اور جواب عطا فرماتے ہیں بخلاف اس شخص کے جو دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھے وہ آپ کو نہیں پہونچتا مگر بذریعہ فرشتے کے بوجہ اس کے کہ عمدہ سند سے منقول ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے میں اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے پڑھتا ہے اس کی اطلاع مجھے دی جاتی ہے۔

بہرحال اس چیز پر بہت سی آیات اور احادیث شاہد ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر وناظر نہیں ہیں ۔ بلکہ علمائے کرام نے اس عقیدے کے موجب کفر ہونے کی بھی تصریح فرمائی ہے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ کے استاد بزگوار سلطان العارفین حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رحمہ اللہ توشیح میں فرماتے ہیں:

و منہم الذین یدعون الانبیاء و الاولیاء عند الحوائج و المصائب باعتقاد ان ارواحہم حاضرۃ تسمع النداء و تعلم الحوائج و ذلک شرک قبیح و جہل صریح قال اللہ تعالی: و من اضل ممن یدعون من دون اللہ•

اور بعض لوگ وہ ہیں جو اپنی حاجتوں اور مصیبتوں کے وقت انبیاء واولیاء کو پکارتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کی ارواح حاضر ہیں ہماری پکار سنتی ہیں اور ہماری حاجتوں سے خبردار ہیں اور یہ نہایت قبیح شرک اور کھلی جہالت ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے ان سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کو ”اپنی حاجت روائی کے لیے“ پکارتے ہیں۔

اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہ تفسیر فتح العزیز ص 52 پر مشرکانہ عقائد کےذیل میں ارقام فرماتے ہیں :

وانبیاء ومرسلین علیہم السلام را الوازم الوہیت از علم غیب وشنیدن فریاد ہرکس در ہرجا

، وقدرت بر جمیع مقدورات ثابت کنند.

اور ملا حسین خباز رحمہ اللہ مفتاح القلوب میں فرماتے ہیں:

واز کلمات کفر است ندا کردن اموات غائبان راہگماں آنکہ حاضر اند مثل یارسول اللہ و یا عبدالقادر ومانند آن .

اور فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

”من قال ان ارواح المشائخ حاضرہ تعلم یکفر“ جو شخص کہے کہ مشائخ کی ارواح حاضر ہیں سب کچھ جانتی ہیں وہ کافر ہیں۔

اس عبارت میں اگرچہ ”مشائخ“ کا لفظ ہے لیکن اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ اس بارہ میں انبیاء واولیاء میں کوئی فرق نہیں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو شخص یہ عقیدہ رکھے اس کا بھی یہی حکم ہے ۔کمالا یخفی علی اولی الالباب۔

ربنا لاتزغ قلوبنا بعد إذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة إنك أنت الوهاب۔

محمد منظور النعمانی عفا اللہ عنہ

[بحوالہ ماہنامہ: مجلہ الفرقان (بریلی) بابت ماہ شعبان و رمضان المبارک 1356ھ]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اجمالی کلام)

صفت عالم الغیب خاصۂ خداوندی

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

امابعد!

مبادیات علم غیب:

[۱]: سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ فریق مخالف اس عقیدہ اہل السنت کو گستاخی اور بے ادبی قرار دیتا ہے یعنی جو آدمی بھی صفتِ عالم الغیب کو خاصہ باری تعالیٰ سمجھے اور غیر خدا کے لئے اس کے اثبات سے روکے تویہ لوگ اسے نبی کا گستاخ اور نبی کے علم کا دشمن سمجھتے ہیں حالانکہ جیسے معبود ہونا خاصہ باری ہے اور غیر خدا سے اس کی نفی ان کی توہین نہیں، رب العالمین ہونا خدا کی صفت خاصہ ہے اورغیرخدا سے اس کا انکار اس کی توہین نہیں۔ اسی طرح صفتِ عالم الغیب کو خاصہ باری تعالیٰ سمجھنا اور غیر سے اس کی نفی کرنا توہین نہیں بلکہ ضروری اور لا زمی عقیدہ ہے ۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والانبیاء علیہم السلام فضل اللہ بعضہم علی بعض فالفاضل لا محالۃ لہ کمال یختص بہ لیس فی المفضول و لیس المفضول بناقص ثم لیعلم انہ یجب ان ینفی عنہم صفات الواجب جل مجدہ من العلم بالغیب و القدرۃ علی خلق العالم الی غیر ذلک و لیس ذلک بنقص. (تفہیماتِ الٰہیہ: ج1 ص24 بحوالہ ازالۃ الریب: ص97)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بعض حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو بعض پر فضیلت دی ہے تو لامحالہ فاضل اس کمال سے مختص ہوگا جو مفضول میں نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں مفضول کی کچھ توہین نہیں ہے۔ پھر یہ بات بھی اچھی طرح جاننی چاہیے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے ان صفات کی نفی کرنا واجب ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں؛ مثلاً علم غیب اور جہان کو پیدا کرنے پر قدرت وغیرہ اور اس میں ان کی کوئی تنقیص بھی نہیں ہے۔

[۲]: دوسری بات یہ دیکھتے ہیں کہ یہ عقیدہ کہ ''نبی ہر شے کو جانتا ہے اور تمام مغیبات کا نبی کو علم ہوتا ہے'' کن لوگوں کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ سیرت ابن ہشام کا پہلا واقعہ دیکھیے کہ جب سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہوگئی تھی تو زید بن اللصیت نے کہا تھا:

یزعم محمد أنه یأتیه خبر السماء وهو لایدري أین ناقته. (سیرت ابن ہشام: ج 2 ص 21)

کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ آسمانوں کی خبریں ان کے پاس آتی ہیں اور انہیں یہ پتا نہیں کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟

یہی بات شیخ عبدالحق محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اشعۃ اللمعات (ج 1 ص 392 کتاب الصلوۃ. باب صفۃ الصلوۃ) میں فصل ثالث کی آخری روایت کے تحت لکھی ہے کہ:

در خبر آمدہ است کہ چوں ناقہ آنحضرت گم شد و درنیافت کہ کجا رفت منافقاں گفتند کہ محمد می گوید کہ خبر آسماں می رسانم ونمیداند کہ ناقہ او کجا است.

معلوم ہوا کہ یہ کافر کی سوچ تھی کہ جو نبی ہو اسے ہر ہر شے کا علم ہونا چاہیے۔ تو سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس (زید بن اللصیت) کا جواب ''ہاں'' میں نہیں دیا بلکہ فرمایا:

وإني والله ما أعلم إلا ما علمني الله وقد دلني الله علیها ، فهي في هذا الشعب ، قد حبستها شجرة بزمامها.

کہ مجھے تو جو خدا بتاتا ہے بس میں وہی جانتا ہوں اور یہ مجھےخدا نے بتایا ہے کہ فلاں

گھاٹی میں درخت سے اس اونٹنی کی نکیل پھنسی ہوئی ہے۔
اس پر مزید دلیل سماعت فرمائیے:
امام بخاری نے صحیح البخاری میں عنوان باندھا ہے ''کتاب الرد علی الجھمیہ''۔آگے چل کر اس کے تحت ایک باب قائم کیا ہے؛ ''باب قول اللہ عز وجل عالم الغیب فلا یظهر علی غیبه أحدا'' اور اس کے تحت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد گرامی لائے ہیں:

من حدثك أنه یعلم الغیب فقد كذب. (صحیح البخاری: ج 2 ص 1098)
کہ تمہیں جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں تو اس شخص نے جھوٹ بولا ۔

اس کے تحت امام قسطلانی ''ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری'' میں لکھتے ہیں کہ امام داؤدی کا یہ کہنا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کاقول غیر محفوظ ہے کیونکہ ایسا تو کوئی شخص کہہ بھی نہیں سکتا کہ نبی علم غیب رکھتے ہیں ، لہذا یہ قول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا غیر محفوظ ہے۔ اس کے جواب میں امام قسطلانی فرماتے ہیں: یہ غلط ہےکیونکہ بعض وہ لوگ جو مؤمن نہیں تھے اور منافق تھے ان کی سوچ یہی تھی، دیکھیے زید بن اللصیت نے سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے گم ہونے پر یہی تو کہا تھا کہ:

یزعم أنه نبي ویخبركم عن خبر السماء وهو لا یدري أین ناقته.
کہ کہتے تو یہ ہیں کہ وہ نبی ہیں اور تمہیں آسمان کی خبریں بھی بتاتے ہیں لیکن پتا ان کو اپنی اونٹنی کا بھی نہیں ۔
اور یہی بات بخاری شریف ج 2 ص1098 کے حاشیہ نمبر 1 میں بھی موجود ہے۔
اور تقریباً یہی بات حافظ الدنیا علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں اسی مقام پر لکھی ہے۔
اب آپ دیکھیں کہ یہ سوچ تو منافقین کی ہے کہ نبی ہیں تو انہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے اور اگر معلوم نہیں تو نبی نہیں ۔ تو کافر کی سوچ یہ تھی کہ نبی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہر شے پر ان کی نگاہ ہو، کوئی شے ان سے پوشیدہ نہ ہو۔
ایک دلیل اور سنیئے!
امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نبی... هو من النبوة أي الرفعة، وسمی نبیا لرفعة محله عن سائر الناس المدلول علیه بقوله: (ورفعناه مكانا علیا) فالنبی بغیر الهمز أبلغ من النبئ بالهمز، لانه لیس كل منبإ رفیع القدر والمحل.
(المفردات للراغب الاصفہانی: ص482)

پھر آگے حدیث پاک لائے ہیں:

قال علیه الصلاة والسلام لمن قال: یا نبئ الله فقال: " لست بنبئ الله ولكن نبی الله " لما رأى أن الرجل خاطبه بالهمز لبغض منه.

یعنی لفظ ''نبی'' یہ ''نبوت'' سے مشتق ہے بمعنی بلندی، اور ''نبی'' کو نبی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ساری انسانیت سے بلند و بالا مقام والا ہوتا ہے اور یہی بات قرآن پاک کی آیت ''ورفعناه مكانا علیا'' بھی بتا رہی ہے کہ ہم نے ان کو بلند بالا مقام عطا کیا۔ لفظ ''نبی'' [ہمزہ کے بغیر] ''نبئی'' [ہمزہ کے ساتھ] سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ہر وہ جس کو خبر دی جائے رفیع القدر اور بلند وبالا مقام پر نہیں ہوتا۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ ایک اعرابی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا: نبئی اللہ! [ہمزہ کے ساتھ] (یعنی اللہ کی طرف سے خبر دینے والے یا خبر دیے گئے) تو سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نبئ اللہ نہیں ہوں بلکہ نبی اللہ ہوں [یعنی ہمزہ کے ساتھ نہیں ہوں بلکہ یاء کے ساتھ ہوں] اور یاد رہے کہ اس آدمی نے ''نبئی اللہ'' آپ صلی اللہ علیہ و سلم کو بغض و عداوت کی وجہ سے کہا تھا۔

باقی رہی یہ بات کہ بعض اہل حق نے بھی لفظ ''نبی'' کو ''نبا'' سے مشتق مانا ہے۔ تو اس کا

جواب یہ ہے کہ قرآن پاک نے مکر ، کید، خدع، استہزاء، نسیان وغیرہ کی نسبت خدا کی طرف بھی کی ہے اور کفار کی طرف بھی کی ہے لیکن یہاں دونوں کا معنی و مفہوم الگ الگ ہوگا۔ اسی طرح ’’ھم‘‘ کا لفظ سید نا یوسف علیہ السلام اور’’ھمت‘‘کا لفظ بی بی زلیخا کے لیے استعمال ہوا۔ اسی طرح ’’میت‘‘ اور ’’ میتون‘‘ ہے۔ اس طرح کی اور مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں کہ لفظ تو ایک جیسا ہے مگر مفہوم جدا جدا ہے۔

اب اہلِ حق جب یہ بات کہتے ہیں تو ’’نبئ عبادي أني أنا الغفور الرحيم‘‘ (الحجر: 49) اور ’’نبأني العليم الخبير‘‘ (التحریم:3) وغیرہ آیات کے پیش نظر کہتے ہیں کہ نبی وہ ہوتا ہے جسے وقتاً فوقتاً خدا تعالیٰ کی طرف سے غیب کی خبریں بتائی جاتی ہیں اور اہلِ باطل جب یہ بات کریں تو مقصود بغض وعناد ہوتا ہے۔

<u>فائدہ:</u>

1: باب مہموز اللام ’’فعیل‘‘ کی جمع ’’فعلاء‘‘ آتی ہے جیسے ’’بریئی‘‘ کی جمع ’’برآء‘‘ ہے۔ (کما فی سورۃ الممتحنۃ: 4)

ایسے ہی ’’نبیئ‘‘ کی جمع ’’نبآء‘‘ (نہ قرآن میں ہے) اور شاید کلام عرب میں بھی نہ ملے۔

2: باب ناقص ’’فعیل‘‘ کی جمع ’’افعلاء‘‘ آتی ہے جیسے ’’غنی‘‘ کی جمع ’’اغنیاء‘‘ آتی ہے، ایسے ہی ’’انبیاء‘‘ہے۔ (کما فی سورۃ آل عمران:112)

[۳]: مزید ایک بات عرض خدمت ہے کہ نبی کو بھی قرآن نے صاحبِ ایمان کہا ہے:

آمن الرسول بما أنزل إليه من ربه والمؤمنون. (سورۃ البقرۃ: 285)

اور ایمان کا اصل مرتبہ ایمان بالغیب ہے جیسے قرآن پاک میں ہے: ’’الذين يؤمنون بالغيب‘‘ (سورۃ البقرۃ: 3) یہ متقین کی پہلی صفت بیان کی گئی ہے کہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور حدیث شریف میں موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو ’’انا اتقاکم باللہ‘‘ (مسند احمد:ج5ص434 رقم 23732) یعنی ساری امت سے زیادہ متقی قرار دیا ہے۔

القصہ سرکار نے اپنے آپ کو متقی فرمایا اور متقی کی شرط اول بنص قرآن ’’ایمان بالغیب‘‘ ہے یعنی جو کچھ ان سے پوشیدہ ہے اس پر ایمان ہو۔ اگر نبی سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں رہا تو ایمان بالغیب ختم اور اگر ایمان بالغیب کے ختم ہونے سے تقویٰ ختم تو یہ عقیدہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت پر ڈاکہ زنی کے مترادف ہے ۔ بلکہ یوں کہیں کہ معتبر ایمان تو ایمان بالغیب ہی ہے نہ کہ ایمان بالمشاہدہ ،فرعون نے مشاہدہ کرکے ایمان کا اظہار کیا جوکہ مقبول نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ معتبر ایمان؛ ایمان بالغیب ہے نہ کہ ایمان بالمشاہدہ۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ غیب کا دائرہ امت کی بہ نسبت نبی کے لیے کم ہوتا ہے مگر ہوتا ضرور ہے۔ اس پر تفصیل آگے آ جائے گی۔

الغرض یہ عقیدہ عظمت نبوت کے برخلاف ہے۔

[۴]: غیب کی تعریف کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے لیے علم غیب کا اثبات کیوں درست نہیں۔

* مفتی احمد یا ر خان نعیمی گجراتی لکھتے ہیں:

غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ، ناک، کان وغیرہ سے محسوس کر سکےاور نہ بلا دلیل بداھتِ عقل سے معلوم کر سکے۔

(جاء الحق: ص 38)

* مفتی فیض احمد اویسی لکھتے ہیں:

وہ شے کہ جو نہ انسان کو آنکھ سے اور نہ کان سے اور نہ زبان سے اور نہ ہاتھ سے اور نہ دیگر اعضاء اور نہ ہی عقل سے معلوم ہوسکے وہ غیب ہے۔ (علم الرسول ص12)

دیگر اہل بدعت کے علاوہ کئی اکابر نے بھی غیب کی یہی تعریف کی ہے کہ جو حواس ظاہرہ و باطنہ سے معلوم نہ ہوسکے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا کا سارا علم مبارک حواس ظاہرہ اور حواسِ باطنہ سے آیا ہے اس لیے تو اسے غیب کا علم نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ایسا علم جو حواس ظاہرہ و باطنہ سے معلوم نہ ہو وہ تو فقط خدا تعالیٰ کا علم ہے کیونکہ خدا حواس ظاہرہ و باطنہ سے بری ہے۔ لہٰذا خدا کا علم مبارک ہی علم غیب ہے جو حواس سے حاصل نہیں ہوا بلکہ از خود ہے۔

قرآنی آیات مع التفسیرات

اب آئیے چند آیات ملاحظہ فرمائیے کہ مفسرین نے ان کے تحت کیا فرمایا ہے؟

آیت نمبر 1:

قل لایعلم من في السماوات و الأرض الغیب إلا الله . (سورۃ النمل: 65)

* اس کے تحت تفسیر کبیر میں ہے امام رازی فرماتے ہیں:

اعلم انہ تعالی لما بین انہ المختص بالقدرۃ فکذلک بین ھو المختص بعلم الغیب.

* تفسیر خازن میں اسی آیت کے تحت ہے:

ان اللہ ھو الذی یعلم الغیب وحدہ.

* تاویلات اہل السنۃ میں ہے:

انما یعلم الغیب الا اللہ.

* تفسیر روح المعانی میں ہے:

و بالجملۃ علم الغیب بلا واسطۃ کلا او بعضا مخصوص باللہ جل و علا لایعلمہ احد من الخلق اصلا.

* تفسیر بحر محیط میں ہے :

دلت الآیۃ علی انہ تعالی ھو المنفرد بعلم الغیب.

* ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری لکھتے ہیں:

ذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالی:

قل لایعلم من في السماوات و الأرض الغیب إلا الله. (شرح فقہ اکبر ص 151 قدیمی)

یہی بات مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ ''مجموعہ فتاوی عبدالحی'' (ج 1 ص46 ایچ ایم سعید) میں بھی نقل کی ہے۔

* سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

من حدثك أنه یعلم الغیب فقد کذب و ھو یقول لایعلم الغیب إلا الله. (صحیح البخاری: ج 2 ص 1098)

* مسامرہ مع مسایرہ میں ہے:

ذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالی:

قل لایعلم من في السماوات و الأرض الغیب إلا الله. (مسامرہ علی مسایرہ ص 198)

آیت نمبر 2:

أحطت بما لم تحط به. (سورۃ النمل: 22)

* اس کی تفسیر میں امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فی ھذا رد علی من قال ان الانبیاء تعلم الغیب.

* تفسیر مدارک میں ہے:

فیہ دلیل بطلان قول الرافضۃ ان الامام لایخفی علیہ شئی.

آیت نمبر 3:

و لایحیطون بشيء من علمه إلا بما شاء. (سورۃ البقرۃ: 255)

* اس کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں:

العلم المختص بہ و ہو علم الغیب.

آیت نمبر 4:

وللہ غیب السماوات والأرض. (سورۃ ہود: 123)

* علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

غیب السماوات ای علم غیبہا. (مجمع بحار الانوار: ج4 ص 84. مادہ غیب)

آیت نمبر 5:

وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا إلا ہو. (سورۃ الانعام:59)

* اس کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں:
تنصیص بما اشیر الیہ من حصر علم الغیب بہ الخ

* تفسیر زاد المسیر میں ہے:

قال ابن مسعود: اوتی نبیکم علم کل شئی الا مفاتیح الغیب.

آیت نمبر 6:

ولا أعلم الغیب. (سورۃ الانعام:50)

* تفسیر مدارک میں ہے:

أي لا أدعي ما یستبعد في العقول أن یکون لبشر من ملك خزائن اللہ وعلم الغیب.

* تفسیر النکت والعیون میں ہے:

فنفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نفسہ علم الغیب، لأنہ لا یعلمہ غیر اللہ تعالی.

آیت نمبر 7:

ولو کنت أعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسني السوء. (سورۃ الاعراف: 188)

* تفسیر مظہری میں اس کے تحت ہے:

أی جلب منفعة ولا دفع مضرة دینیة ولا دنیویة وھو اظھار للعبودیة والتبري عن دعوی العلم بالغیب.

* تفسیر نیشاپوری میں ہے:

ما شأنی ان اعلم الغیب.

* تفسیر بحر محیط میں اس کے تحت ہے:

وهذا منه علیه السلام إظهار للعبودیة وانتفاء عن ما یختص بالربوبیة من القدرة وعلم الغیب.

آگے چل کر لکھتے ہیں:

إن أنا إلا نذیر وبشیر لقوم یؤمنون (لما نفی عن نفسه علم الغیب أخبر بما بعث به من النذارة)

* تفسیر ثعلبی میں ہے:

هذا أمر بأن یبالغ في الاستسلام ویتجرد من المشارکة في قدرة اللہ وغیبه.

آیت نمبر 8:

لہ غیب السماوات والأرض. (سورۃ الکہف:26)

* اس کے تحت جلالین میں ہے:

انہ لا یخفی علیہ شیئی من احوال اہلہا فانہ العالم وحدہ بہ.

احادیث طیبات اور ان کی شروحات

إنما أنا بشر و إنه یأتیني الخصم فلعل بعضکم أن یکون أبلغ من بعض.
(صحیح البخاری: ج 1 ص 332 ، ج 2 ص 1030و ص 1065، صحیح مسلم: ج 2 ص 74)

* صحیح البخاری کے حاشیہ میں ہے:

انما انا بشر لا اعلم الغیب و بواطن الامور کما ہو مقتضی الحالۃ البشریۃ. (صحیح البخاری: ج1 ص332.حاشیہ نمبر 1)

اور صحیح البخاری ج 2 ص 1031 پر بین السطور یوں لکھا ہے :

یعنی کواحد منکم لا اعلم الغیب و بواطن الامور کما ہو مقتضی الحالۃ البشریۃ انما احکم بالظاہر.

* علامہ خفاجی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

انما انا بشر لا اعلم الغیب. (ج 4 ص 261 ادارہ تالیفات اشرفیہ)

* حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

قولہ انما انا بشر مثلکم: ای کواحد من البشر فی عدم علم الغیب. (فتح الباری باب کذا حدیث نمبر 6967)

دوسری جگہ پر فرماتے ہیں:

اتی بہ ردا علی من زعم ان من کان رسولا فانہ یعلم الغیب. (فتح الباری باب اذا غصب جاریۃ فزعم)

* علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انما انا بشر یعنی کواحد منکم لا اعلم الغیب و بواطن الامور کما ہو مقتضی الحالۃ البشریۃ انما احکم بالظاہر.

(عمدۃ القاری کتاب النکاح باب شہادۃ الزور فی النکاح حدیث نمبر 6967)

* علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

انما انا بشر مشارک لکم فی البشریۃ بالنسبۃ لعلم الغیب الذی لم یطلعنی اللہ علیہ.
(ارشاد الساری باب من قضی لہ بحق اخیہ فلا یاخذہ حدیث نمبر 7181)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

انما انا بشر وھو رد علی من زعم ان من کان رسولا فانہ یعلم کل غیب حتی لا یخفی علیہ المظلوم من الظالم.

(ارشاد الساری باب بیع الامام علی الناس اموالھم حدیث نمبر 7185)

* امام نووی شافعی لکھتے ہیں:

(إنما أنا بشر) معناہ التنبیہ علی حالة البشریة و أن البشر لا یعلمون من الغیب و بواطن الأمور شیئا إلا أن یطلعھم اللہ تعالی علی شيء من ذلك. (شرح مسلم ج 2 ص 74)

* علامہ علی بن احمد العزیزی لکھتے ہیں:

قالہ ردا علی من زعم ان من کان رسولا فانہ یعلم کل غیب حتی لا یخفی علیہ المظلوم.
(السراج المنیر ج 2 ص43 بحوالہ الزالۃ الریب)

بعض اسلاف کی تعبیرات کا مفہوم

اب رہی یہ بات کہ بعض کتبِ اسلاف میں غیر خدا کے لیے ”بعض علم غیب“، ”یاتیہ علم الغیب“ اور ”کان رجلا یعلم علم الغیب“ وغیرہ جیسے الفاظ موجود ہیں تو ان کے متعلق گزارش ہے کہ یہ سب لغوی طور پر ہیں اور حقیقۃً اطلاع علی الغیب یا انباء غیب ہیں۔ جیسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح کی جماعت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کیا تو اسے لغوی طور پر ”نعم البدعۃ“[اچھی بدعت] کہا ورنہ حقیقۃً تو یہ سنت ہے۔ اسی طرح ”صلوٰۃ“ کا لغوی معنی ”تحریک الصلوین“ ہے مگر حقیقت میں یہ ارکان مخصوصہ فی اوقات مخصوصہ کا نام ہے۔ چونکہ

کسی بھی ایک چھپی ہوئی بات کا جاننا بھی لغوی طور پر علم غیب ہے اس لیے بعض کتبِ اسلاف میں یہ تعبیرات وارد ہو گئی ہیں ورنہ حقیقت اور اصطلاح شریعت میں یہ درست نہیں کہ مخلوق کے لیے علم غیب کا اطلاق کیا جائے۔ اس عدمِ اطلاق کی دو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں:

1: یہ ذاتی علم کا نام ہے جوکہ مخلوق کو نہیں ہوتا

2: یہ کامل علم کا نام ہے جو کہ صرف اور صرف خدا کا ہی علم ہے یعنی ہر شے کا تفصیلی اور علم محیط صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ چونکہ اصول بھی یہی ہے کہ ''المطلق اذا اطلق یراد بہ الفر د الکامل''

اب اہلِ بدعت جو لفظ علم غیب بولتے ہیں تو اگر ذاتی اور مکمل و کلی مراد نہیں لیتے تو پھر بولنا ہی نہیں چاہیے۔ ہاں اگر اہل بدعت کہیں کہ ہم بھی لغوی طور پر بولتے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ ان کے نزدیک آپ علیہ السلام کو ذرہ ذرہ کا تفصیلی علم ہے، کوئی ذرہ بھی کائنات کے علم سے آپ صلی اللہ علیہ و سلم سے پوشیدہ مانا گیا تو آدمی فتویٰ کفر وارتداد کی زد میں آجائے گا۔

اسلاف میں سے جن لوگوں نے بھی یہ الفاظ استعمال کیے ہیں ان کی مراد بعض علوم ہیں، تو علم غیب کیسے بن سکتا ہے؟ اور انہوں نے مختلف مقامات پر مختلف اشیاء کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک سے انتفاء بھی کیا ہے کما سیاتی۔

خلاصۃ الدلائل

آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے متعلق تین ادوار قابلِ غور ہیں:

1: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور مبارک ہے۔

2: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک سے پہلے کا زمانہ

3: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک کے بعد کا زمانہ ، یعنی قیامت وغیرہ۔

اب ہر دور میں سے کئی اشیاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ ہیں:

پہلے دور کو دیکھیے....

♣قرآن مقدس نے شعر گوئی کے فن کو آپ کے مناسب نہیں سمجھا اور آپ سے نفی کیا ہےاور آپ کو وفات تک یہ فن وعلم عطاء نہ کیا گیا۔

♣ اسی طرح قرآن مقدس نے یہ بھی بتایا کہ ہم نے بعض انبیاء علیہم السلام کے حالات آپ کو بتائے اور بعض کے حالات نہیں بتائے ۔

♣ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بات گزر چکی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے شاگردوں کو بتا رہے ہیں کہ ''اوتی نبیکم علم کل شیئی الا الخمس''

دوسرے دورکو دیکھیے....

♣ آپ سے فرمایا گیا: آپ مغرب کی جانب نہ تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی

♣ یوں فرمایا گیا: آپ جانب طور میں نہ تھے

♣ یوں فرمایا گیا: آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے کہ کون مریم کی کفالت کرے گا

♣ اسی طرح یوسف علیہ السلام کے قصے کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کو بتایا ورنہ آپ اس سے پہلے نہ جانتے تھے

♣ یوں فرمایا گیا: آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان

♣ یوں فرمایا گیا کہ آپ نہ پڑھتے تھے کتاب اورنہ دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے

تیسرے دور کو دیکھیے....

♣ قیامت کا مقررہ وقت نہ بتایا جانا۔ آپ کا خود فرمانا کہ قیامت میں میں خدا کی ایسی تعریف کروں گا جو کسی نے نہ کی ہوگی، مگر اب وہ مجھے یاد نہیں۔

♣ قرآن پاک فرماتا ہے: جب اللہ تعالیٰ رسولوں کو اکھٹا کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا ہے؟ تو وہ کہیں گے ''لاعلم لنا'' کہ ہمیں معلوم نہیں ۔

نکتہ اختلاف کی وضاحت:

بہر حال اس عقیدہ میں نکتہ اختلاف یہ ہے کہ ''جمیع ماکان ومایکون'' یعنی جو کچھ ہوچکا

اور جو کچھ آئندہ ہوگا وہ سارا کا سارا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا یا نہ؟ اہل السنۃ والجماعۃ کا نظریہ یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے اور مخاصمین کا نظریہ یہ ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کب دیا گیا؟ تو مخاصمین کہتے ہیں کہ جب نزولِ قرآن مکمل ہوا اس وقت یہ ملا ہے ۔ اب ہماری طرف سے جو بھی دلیل پیش کی جائے وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ''جمیع ماکان ومایکون'' نزولِ قرآن کے مکمل ہونے پر دیا گیاہے اس لیے یہ تو پہلے کی آیت ہے اور اس وقت تو ہم بھی یہ چیزیں جاننا نہیں مانتے۔ ہماری طرف سے پھر یہ کہا جاتا ہے کہ تم جو دلیلیں پڑھو گے وہ بھی تو پہلے کی ہیں؛ کوئی مکی ہے تو کوئی سن 6 ہجری وغیرہ کی اور ثابت آپ '' جمیع ماکان ومایکون''کرنا چاہتے ہیں اور آپ کے فاضل بریلوی نے لکھا ہے:

''نزولِ قرآن کے مکمل ہونے پر یہ ملنا ہم مانتے ہیں۔''

اب جب یہ آیات نازل ہوئی تھیں اس وقت تو ملا ہی نہ تھا تو تم ثابت اس وقت کیسے کرنا چاہتے ہو؟ تھک ہار کر پھر کہتے ہیں کہ قرآن کو ہر شے کا بیان اور تفصیل تو قرآن ہی میں بتایا گیا ہے،لہٰذا یہ جب مکمل ہوا تو ''جمیع ماکان ومایکون'' بھی مل گیا۔

اس سلسلے میں پہلی گزارش یہ ہے یہ بھی تو نزول قرآن کے مکمل ہونے کے وقت نہیں کہا گیا بلکہ پہلے ہی کہا گیا تو پھر تمہیں اسی وقت''جمیع ماکان ومایکون''ملنے کا عقیدہ رکھنا چاہیے تھا، نہ کہ نزول قرآن مکمل ہونے کے بعد۔

دوسری بات یہ ہے کہ جن باتوں کو قرآن نے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منفی کیا ہے کیا نزولِ قرآن کے مکمل ہونے پر ان کا اثبات ہوا ہے؟ مثلاً، علم شعر گوئی ، بعض انبیاء علیہم السلام کے حالات کا علم، قیامت کا مقررہ وقت اور غیوبات خمسہ کا تفصیلی علم محیط وغیرہ۔ باقی رہا ایسی آیات کا مطلب تو وہ آگے آیا چاہتا ہے ۔ مگر یہ بات بھی تو ان مخاصمین کو سمجھ نہیں آتی کہ قرآن پاک کو ہر شے کا بیان قرار دیا گیا ہے سورہ نخل میں اور یہ سورت مکی ہے اور نزول کے اعتبار سے 70 ویں نمبر پر ہے اور اس کے بعد 44 سورتیں اتری ہیں، اگر بات یہی تھی کہ اس آیت سے ''جمیع ماکان ومایکون''کا علم معلوم ہوتا ہے تو پھر یہ عقیدہ تو آپ کو نزول قرآن کے مکمل ہونے پر بنانے کے بجائے مکہ ہی سے بنا لینا چاہیے جب کہ ایسا نہیں ہے۔ اس کا مفہوم تو صرف اتنا ہے کہ قرآن مقدس میں امور دین ،کلیات دین ، اصول دین اور قواعد و ضوابط سب کے سب بیان کر دیے گئے ہیں اور یہی کچھ ہم سورہ یوسف کی آیت کہ ''قرآن ہر شے کی تفصیل ہے'' کے متعلق کہیں گے۔

ایک بات ان حضرات کے دعوے کے متعلق رہ گئی کہ :

* کیا ''جمیع ماکان ومایکون''سب انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ہے یا پھر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ؟
* کیا''جمیع ماکان ومایکون''اولیاء کے لیے بھی ہے یا پھر صرف انبیاء کرام کے لیے ہے ؟
* کیا ''جمیع ماکان ومایکون''عام مسلمانوں کے لیے بھی ہے یا صرف اولیاء کرام کے لیے ہے ؟
* کیا ''جمیع ماکان ومایکون''کافروں کے لیے بھی ہے یا صرف مسلمانوں کے لیے ہے؟
* کیا ''جمیع ماکان ومایکون''اہلِ اسلام کی خادم اشیاء کے لیے بھی ہے؟

پھر ان میں سے ہر ایک صورت کے منکر کا حکم بھی ارشاد فرمایا جائے!!

اب پیش خدمت ہے ہماری طرف سے ایسی دلیل کہ جو نزول قرآن کے مکمل ہونے پر ہو !

دلیل نمبر1:

سورۃ توبہ نزول میں آخری ہے اور اس میں یہ ارشادِ باری تعالیٰ ''لاتعلمھم نحن نعلمھم'' (آیت نمبر 101) منافقین کے بارے میں ہے۔ اس کی تفسیر میں مفسر قرآن مولانا عبدالحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

'' بعض اہلِ مدینہ اور مدینہ طیبہ کے آس پاس کے گنوار جن کو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ وپند سننا بھی ممکن ہے اور اہل اسلام سے بیشتر میل جول رکھتے ہیں مردو ا علی النفاق نفاق پر اَڑے ہوئے ہیں اور اس فن میں ایسے چالاک ہیں کہ باوجود فراستِ تامہ کے اے نبی!

ان سے تم واقف بھی نہیں، ہاں ہم ان کو جانتے ہیں۔“ (تفسیر حقانی ج 2 ص 199)

عربی تفاسیر والے حضرات نے بھی تقریبا یہی کچھ لکھا ہے:

♦ تفسیر روح المعانی میں ہے:

أي لا تعرفهم أنت بعنوان نفاقهم يعني أنهم بلغوا من المهارة في النفاق والتنوق في مراعاةالتقرلیۃ والتحامي عن مواقع التهم إلی حرلیث يخفی علرلیک مع کمال فطنتك وصدق فراستك حالهم.

♦ تفسیر محر محیط میں ہے:

یخفون علرلیک مع فطنتك وشهامتك وصدق فراستك لفرط تو قرلیهم ما یشکك في أمرهم.

♦تفسیر مظہری میں ہے :

لا تعرفهم یا محمد بصفة النفاق مع کمال فطنتك وصدق فراستك .

♦تفسیر ِمدارک میں ہے:

أي یخفون علرلیک مع فطنتك وصدق فراستك لفرط تنوقهم في تحامي ما یشککك في أمرهم.

♦تفسیر نیشاپوری میں ہے:

لا تعلمہم انت نفاقہم مع وفور حدسک و قوت ذکائک.

♦تفسیر خازن میں ہے:

یعني أنهم بلغوا في النفاق إلی حرلیث أنك لا تعلمهم یا محمد مع صفاء خاطرك واطلاعك علی الأسرار.

♦ مزید اس آیت کی تفسیر میں امام اہلسنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

” مفتی صاحب کی یہ سب باتیں اس آیت کریمہ کا ہرگز جواب نہیں بن سکتیں۔

اولاً: اس لئے کہ سورۃ تو بہ قرآن کریم کی آخری سورت ہے اور یہ ”لا تعلمھم“ اسی میں مذکور ہے اور تمام معتبر حضرات مفسرین کرام یہی فرماتے اور بتاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منافق لوگوں کا علم نہ تھا کیونکہ یہ اس نص قطعی سے ثابت ہے اور سورۃ محمد جس میں”ولتعرفنھم“ الآیۃ ہے پہلے نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا متقدم سے متاخر کا منسوخ ہونا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ؟ اور جمل (جو الشیخ سلیمان الجمل رحمۃ اللہ علیہ نے سن 1196ھ میں چارجلدوں میں لکھی ہے) کا یہ مقام ہی نہیں کہ اسکی غیر معتبر تفسیر کو لے کر صحیح روایات اور معتبر حضرات مفسرین کرام کی مستند تفسیروں کو رد کیا جاسکے۔ اس لیے جمل کا حوالہ اور تفسیر سرے سے قابل التفات ہی نہیں ہے۔ مفتی صاحب ایک طرف تو یہ لکھتے ہیں کہ ”رہی تفسیر قرآن تابعین اور تبع تابعین کے قول سے یہ اگر روایت سے ہے تو معتبر ورنہ غیر معتبر ماخذ از اعلاء کلمۃاللہ للعلامہ گولڑوی قدس سرہ۔“ (انتہی جاء الحق ص 9) اور دوسری طرف جمل کی تفسیر کو لے کر خیر سے قرآن کریم کی آیت کو منسوخ کرنے کے درپے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الاباللہ

وثانیا: ”لا تعلمھم“ خبر ہے اور خبر میں نسخ کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

وثالثا: ان دونوں آیتوں کا محل ہی الگ الگ اور جدا جدا ہے ۔نہ تو ان میں تعارض کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ نسخ کا۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ”لا تعلمھم نحن نعلمھم“ اُس کے اس ارشاد”ولو نشاء“الخ کے منافی نہیں ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو آپ کو وہ منافق دکھادیں، سو آپ ان کو ان کے چہرے بُشرے کی نشانیوں سے پہچان سکتے ہیں اور آپ ان کو بات کے ڈھب سے پہچان سکتے ہیں کیونکہ یہ تو ان علامات سے پہچاننا مراد ہے جو ان کے چہرے پر رونما ہوں جس سے وہ پہچانے جاسکتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ آپ تمام منافق اور مشکوک لوگوں کو علی التعیین جانتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر ج 2 ص 384)

اور یہی حافظ ابن کثیر رحمۃاللہ علیہ ”ولو نشاء“ الخ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اے محمد!

اگر ہم چاہیں تو منافقین کو باشخاصہم معین کرکے آپکو دکھلادیں اور نام بنام مطلع کردیں لیکن اللہ تعالی نے تمام منافقوں کےبارے میں از روئے تستر اور امور کو ظاہری سلامت روی پر رکھتے ہوئے اور بھیدوں کو ان کے جاننے والے کے حوالے کرتے ہوئے ایسا نہیں کیا اور آپ ان کو ان کے ظاہری کلام سے جو ان کے مقاصد پر دال ہے اور متکلم کی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے، پہچان سکتے ہیں کہ وہ کس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ اس کی بات کے رنگ ڈھنگ سے اسکو پہچانا جاسکتا ہے اور لحن القول سے یہی مراد ہے۔ (ابن کثیر ج 4 ص 180)

اس سے معلوم ہو ا کہ ’’لاتعلمھم نحن نعلمھم‘‘ میں حقیقی علم مراد ہے کہ اِن منافقوں کا حقیقی علم آپ کو نہیں وہ صرف ہمیں کو ہے اور’’ولو نشاء‘‘ الخ میں چہرے بُشرے اور طرز گفتگو سے پہچاننا مراد ہے جو صرف ظاہری قرآئن اور شواہد کے تحت ہے اور یہ ظن کے درجے سے اوپر نہیں جاتا کیونکہ منافق اور مخلص کی بات کا ڈھنگ الگ الگ ہوتا ہے جو زور شوکت ،پختگی اور خلوص کا رنگ مخلص کی باتوں میں جھلکتا ہے، منافق کتنی ہی کوشش اور تصنّع سے کام لے وہ اپنے کلام میں رنگ پیدا نہیں کر سکتا۔

اور علامہ السید محمود الوسی الحنفی رحمۃ للہ علیہ ارقام فرماتے ہیں کہ یہ علامت کتابت ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے بغیر بھی ہوسکتی ہے جس کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقوں کو پہچان سکتے تھے جیسا کہ قیافہ دان کسی شخص کے ظاہری حالات اور علامات کو دیکھ کر اس کا حال معلوم کر لیتا ہے اور بساوقات انسان اپنے دوست اور دشمن کو اس کی نظر ہی سے پہچان لیتا ہے اور نظر ہی اس کے دل کی ترجمانی کردیتی ہے اور ہم نے متعدد حضرات کو دیکھا ہے کہ وہ چہرے پر علامات دیکھ کر شیعہ اور سنی کو پہچان لیتے ہیں اور اگر یہ صحیح ہو (تو اس سے مزید تائید حاصل ہو جاتی ہے) کہ بعض حضرات اولیاء کرام نیک اور بد، مومن اور کافر کو پہچان لیتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ فلاں سے مجھے طاعت کی اور فلاں سے معصیت کی بو آتی ہے اور فلاں سے ایمان اور فلاں سے کفر کا رائحہ محسوس ہوتا ہے۔ (روح المعانی ج 26 ص 70)

الغرض ’’لاتعلمھم نحن نعلمھم‘‘ کو ’’فلعرفتھم‘‘ سے منسوخ قرار دینا سراسر باطل اور مردود ہے کیونکہ اس کا محل جدا جدا ہے۔ رہی وہ حدیث جس میں یہ بیان ہوا ہے کہ منافقوں کو جمعہ کے دن خطبہ کے موقع پر مسجد سے باہر نکال دیا گیا تھا تو اس سے بھی استدلال صحیح نہیں۔ **اولاً** تو اس لئے کہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تب بھی خبر واحد ہے اور بقول خان صاحب اس کوقرآن کریم کی قطعی آیت کے مقابلہ میں پیش کرنا محض ہرزہ بافی ہے۔ قرآن کریم کی نص قطعی کا جواب یہ کیسے بن سکتی ہے؟ خان صاحب کے اصل الفاظ یہ ہیں:

’’کہ عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار آحاد سے استناد محض ہرزہ بافی‘‘ (انباء المصطفی ص 4)

نیز لکھتے ہیں کہ ’’نہ حدیث احاد اگرچہ کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی صحیح ہو عموم قرآن کی تخصیص کرسکے بلکہ اس کے حضور مضمحل ہوجائے گی بلکہ تخصیص متراخی نسخ ہے اور اخبار کا نسخ ناممکن اور تخصیص عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی نہ اس کے اعتماد پر کسی ظنی سے تخصیص ہو سکے۔

(بلفظہ انباء المصطفیٰ: ص4)

اور مفتی صاحب کا حوالہ بھی پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ دوسروں سے قطعی الدلالۃ دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں اور یوں لکھتے ہیں کہ ’’وہ آیت قطعی الدلالت ہو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں اور حدیث ہوتو متواتر ہو۔‘‘ (بلفظہ جاء الحق ص 40)

اور نیز مفتی صا حب لکھتے ہیں کہ ’’قرآن پاک کے عام کلمات کو احادیث آحاد سے بھی خاص نہیں بنا سکتے چہ جائیکہ محض اپنی رائے سے۔‘‘ انتہی (جاء الحق ص 40)

جب تک وہ اس حدیث کاتواتر ثابت نہ کریں ان کو اپنے اس استدلال میں پیش کرنے کا کیا حق ہے ؟ ‘‘

[ازالۃ الریب: ص310 تا 313]

حضرت الشیخ امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

''الغرض اصول حدیث اور فن روایت کے تحت منافقوں کی تعداد اور ان کے صحیح علم کے متعلق کوئی روایت صحیح نہیں ہے اور اگر کوئی روایت صحیح ثابت ہوجائے تب بھی خبر واحد ہی رہے گی اور قرآ ن کریم کا وہ جواب ہرگز نہیں بن سکتی۔ علاوہ بریں روایتی حیثیت سے صرفِ نظر کرتے ہوئے بھی اگر محض روایت ہی سے سوچا جائے تب بھی ان روایات سے فریق مخالف کا مدعیٰ ہر گز ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ بصورتِ صحت ایں روایات ان سے صرف اتنا ہی ثابت ہوگا کہ چھتیس منافق تھے۔ اس سے یہ کیونکر ثابت ہوگا کہ ان کے علاوہ اور کوئی منافق نہ تھا ؟ مسجد سے خطبہ جمعہ کے موقع پر چھتیس آدمیوں کو نکال دینے سے یہ کیسے لازم آیا کہ مدینہ طیبہ میں منافق ہی صرف یہ تھے باقی اور کوئی نہ تھا ؟اور یہ کیا ضروری ہے کہ سب منافق مسجد میں حاضر ہی ہوئے ہوں ؟ یہ اور اسی قسم کے کئی احتمال اس میں پیدا ہوتے ہیں اور اگر صرف یہی منافق تھے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بے سند روایت کا فریق مخالف کیا جواب دے گا۔ ان کے نزدیک تو وہ بھی صحیح ہے جن میں تین سو مرد اور ایک سو ستر عورتیں شامل تھیں ؟ دیکھیے فریق مخالف کیا لب کشائی کرتا ہے ؟

کوئی یہ پیش کر نہ دے شاعرِ بے نوا   وعدے کا اعتبار کیا جب اس میں اک
کا   قول ''مگر''   بھی   ہے

فائدہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تبوک کے سفر میں ایک گھاٹی کے اندر بارہ (اور ایک روایت میں چودہ اور ایک روایت میں پندرہ کا ذکر بھی آیا ہے) منافقوں نے اچانک حملہ کردیا تھا کہ آپ کو شہید کردیا جائے (العیاذباللہ تعالیٰ) مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا اور ان بارہ منافقوں کے نام آپ نے صرف حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتادیے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ وہ صاحب سرّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشہور تھے۔ دیکھیے مسلم ج 2 ص 369 البدایہ والنہایہ ج 5 ص 19 وزاد المعاد ج 2 ص 9 و ابن کثیر ج 2 ص 373 وخصائص الکبریٰ ج 1 ص 279 وغیر ہ اور یہی وہ سرّ اور راز ہے جس کا تذکرہ ملا علی قاری نے مرقات ج 5ص 618 میں کیاہےکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ کو منافقوں کے نام اور ان کا نسب نامہ بتا یا تھا۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کے تمام منافقوں کا علم حاصل تھا اور آپ نے ان کے نام حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بتا دیے تھے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: أنه عليه السلام أعلم حذيفة بأعيان أربعة عشر أو خمسة عشر منافقا، وهذا تخصيص لا يقتضي أنه اطلع على أسمائهم وأعيانهم كلهم. (تفسیر ابن کثیر ج 2 ص 384) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو چودہ یا پندرہ منافقوں کے نام (مع ان کی شخصیتوں کے) بتا دیے تھے اور یہ صرف ان چودہ ، پندرہ کے ساتھ خاص تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو سب کے نام اور ذوات بھی بتلادی تھیں۔''

[ازالۃ الریب: ص318 تا 320]

دلیل نمبر2:

حدیث جبرئیل علیہ السلام جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اور سب غیر اللہ سے وقت قیامت کے علم کی نفی فرمائی ہے۔ ازالۃ الریب ص 329 میں باحوالہ یہ حدیث موجود ہے اور ص341 میں ا س کی باحوالہ تصریح ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی یہ آمد تمام احکام کے نزول کے بعد تھی۔ اس کے بعد وہ کون سی صحیح حدیث وارد ہوئی ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قیامت کا علم ثابت ہے؟ وہ صحیح صریح حدیث مطلوب ہے جو اس کے بعد کی ہو۔

دلیل نمبر3:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل اپنی ذات سے قیامت کے علم کی نفی فرمائی ہے۔ یہ حدیث باحوالہ ازالۃ الریب ص 348 میں مذکور ہے۔ اس کے بعد کون سی صحیح حدیث اثباتِ علمِ وقتِ قیامت کے بارے میں آئی ہے ؟

دلیل نمبر4:

جب آپ شفاعت کبریٰ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کریں گے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھے تعریف اور حمد کے وہ کلمات القاء فرمائے گا جو مجھے اب مستحضر نہیں ہیں۔ یہ حدیث ازالۃ الریب ص 392 میں باحوالہ موجود ہے۔ اس کے بر عکس وہ کون سی صحیح و صریح حدیث موجود ہے جس سے ثابت ہے کہ وہ کلمات وفات سے پہلے ہی آپ کو بتلادیے گئے تھے ؟

دلیل نمبر 5:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر تشریف فرما ہوں گے کہ فرشتے آپ کے نام لیوا بعض امتیوں کو آپ کے قریب نہیں آنے دیں گے۔ آپ فرمائیں گے کہ یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا بدعتیں اختیار کی ہیں؟ یہ حدیث ازالۃ الریب ص 392 اور ص 397 میں مفصل مذکور ہے۔ اس کے بعد وہ کون سی صحیح حدیث آئی ہے جس سے ان اہل بدعت کی تفصیلی بدعات کا علم آپ کو ملا ہے ؟

فریق مخالف کے استدلالات کا اجمالی جائزہ

ذیل میں ہم فریق مخالف کے مستدلات ذکر کرتے ہیں اور آخر میں ان کا اجمالی جائز پیش کریں گے۔

نمبر1: وعلم آدم الأسماء کلها (سورت البقرۃ:31)
نوٹ : علامہ واحدی نیشاپوری نے لکھا ہے کہ عکرمہ نے بیان کیا کہ مدینہ میں جو سورت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ بقرہ ہے۔
(تبیان القرآن از غلام رسول سعیدی: ج1 ص231)

نمبر2: وما کان الله لیطلعکم علی الغیب ولکن الله یجتبي من رسله من یشاء. (سورۃآل عمران: 179)
نوٹ: سورت آل عمران نزول کے اعتبار سے سورت انفال کے بعد نازل ہوئی جبکہ سورت انفال غزوہ بدر سے واپسی پر 2 ھ میں نازل ہوئی تھی۔
(تبیان القرآن: ج6 ص29)

نمبر3: وعلمك ما لم تکن تعلم (سورۃ النساء:113)
نوٹ : سورۃ نساء کا زمانہ نزول 3ھ کے اواخر سے لے کر 4ھ کے اواخر یا 5 ھ کے اوائل تک ہے۔
(تبیان القرآن: ج2 ص541)

نمبر4: وتفصیل کل شيء (سورۃ یوسف: 111)
نوٹ: امام ابن مردویہ نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورت یوسف مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ (الدر المنثور: ج 4 ص 494)

نمبر5: تبیانا لکل شيء (سورۃ النحل: 89)
نوٹ : یہ سورۃ مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی۔ (تبیان القرآن: ج6 ص347)

نمبر6: علمه البیان (سورۃ الرحمٰن:4)
نوٹ: ترتیب نزول کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 43 ہے اور یہ سورت فرقان کے بعد نازل ہوئی۔ (تبیان القرآن: ج11ص601)

نمبر7: إلا من ارتضی من رسول (سورۃ الجن:27)
نوٹ: یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی عشرہ میں نازل ہوئی۔ (تبیان القرآن: ج12 ص267)

نمبر8: وما هو علی الغیب بضنین (سورۃ التکویر:24)
نوٹ: ترتیب نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ساتواں ہے۔ (تبیان القرآن: ج12 ص584)

فریق مخالف کے سارے استدلال ہم نے نقل کردیے ہیں اور یہ بھی ذکر کر دیا ہے کہ کون سی آیت کس دور کی ہے؟! لہذا ان سے استدلال درست نہیں کیونکہ فاضل بریلوی کا نظریہ یہ ہے کہ تکمیل قرآن پر "جمیع ماکان ومایکون" ملا۔ لہٰذا پہلے والی آیات سے یہ ثابت کرنا درست نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (تفصیلی کلام)

صفت عالم الغیب خاصۂ خداوندی

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

چند شرائط:

1: چونکہ بریلوی حضرات اس مسئلہ کےمنکر کو کافر کہتے ہیں اس لیے انہیں اس مسئلہ کو ثابت کرنے کےلیے دلیل قطعی یعنی جو قطعی الثبوت کے ساتھ ساتھ قطعی الدلالۃ ہو وہ پیش کرنا ہوں گی کیونکہ ایسا مسئلہ انہی دلائل سے ثابت ہوتا ہے۔

2: ان دلائل سے بریلوی مناظر یہ بھی ثابت کرے گا کہ علم غیب ، عالم الغیب کی نسبت انبیا ء علیہم السلام کی طرف کی گئی ہے۔

3: ہم اہل السنت و الجماعت دیوبند یہ دکھائیں گے قرآن نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا ہے ”ولا اعلم الغیب “۔ اور یہ بھی کہلوایا ہے ”لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا اللہ“ کہ میں علم غیب نہیں رکھتا اور زمینوں آسمانوں میں علم غیب خدا کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے ۔ جب کہ بریلوی دکھائے گا ” ان محمدا یعلم الغیب“ یا آپ سے کہلوایا گیا ہو ”اعلم الغیب“۔

4: سنی مناظر یہ ثابت کرے گا کہ ہر ذرہ کا تفصیلی علم اور علمِ محیط ہر وقت خدا ہی کو ہے اور اس کے علم سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں ہے”لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ“(الآیہ) جب کہ بریلوی مناظر ثابت کرے گا اپنا عقیدہ کہ ہر ذرہ ہر حادثہ ، واقعہ اور ہر وقت کا علم محیط اور تفصیلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور زمین وآسمان کا کوئی ذرہ آپ سے پوشیدہ نہیں ۔ دلیل دےگا ” لا یعزب عن محمد مثقال ذرۃ فی السموات ولافی الارض۔

5: بریلوی مناظر علم غیب کے منکر کو کافر لکھ کر دے گا بلکہ وہ اس کو بھی کافر لکھ کر دے گا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ فلاں بات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوعلم نہیں جیسا کہ بریلویوں کی معتبر کتاب (تحفظ عقائد اہلسنت ص849،850) میں درج ہے۔

6: بریلوی مناظر وہ دلائل پڑھے گا جو ان کے مسلک کے مطابق ہوں مثلاً فاضل بریلوی نے” الدولۃ المکیۃ“ میں صاف طور پر لکھا ہے کہ ہم علم غیب مکمل ہونا نزول قرآن کے مکمل ہونے پر تسلیم کرتے ہیں ۔ (الدولۃ المکیہ ص105)

تو اب نزول قرآن کے مکمل ہونے والی دلیل قطعی یا اس کے بعد والی کوئی خبرمتواتر پیش کرے یا ایسا اجماع جو قطعیت کا فائدہ دے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع کان و ما یکون کا علم تھاورنہ ا ن کےاپنے عقیدے اور نظریے کے خلاف دلائل مسموع نہ ہوں گے مثلاً اگر 6ھ والی کوئی آیت پڑھ کر ثابت کرنا چاہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمیع کان و ما یکون کا علم تھا تو یہ ان کے اپنے مسلک کے بھی خلاف ہے کیونکہ بقول فاضل بریلوی نزول قرآن کے مکمل ہونے پر جمیع کان و ما یکون کا علم مکمل ہوا ۔ لہذا ایسی کوئی دلیل قابل سماع نہ ہو گی۔

7: بریلوی مناظر اگر احناف کے مسلمہ اکابر کی کتب عقائد سے مسئلہ حل کرنا چاہے تو ہم اس پر بھی تیار ہیں کہ کسی مسلمہ بزرگ کی عقائد پر لکھی کتاب سے مسئلہ ثابت کر دے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے جمیع کان و ما یکون کا علم عطا فرمایا ہے۔

علم غیب کا منکر اکابر بریلوی کی نظر میں کافرہے

اب آپ وہ حوالہ جات دیکھیے جن میں علم غیب کے منکر کو بریلوی اکابر نے کافر تک کہا ہے۔

1: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب سے منکر کو کافر فرمایا ہے -(فہارس فتاویٰ رضویہ ص874)

2: علم غیب کا منکر نبوت کا منکر ہے۔ (مقالات شیر اہلسنت ص237)

3: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے منکر پکے منافق ہیں ۔ (کلمہ حق شمارہ نمبر4ص7از ارشد القادری)

4: آپ کے علم غیب کلی کی صحیح حدیثیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں تو ان سے انکار کرنا اور تاویلات فاسدہ کر کے لوگوں کو گمراہ کرنا یہ ایمان سے خارج ہونا ہے ۔ (مقیاس حنفیت ص 379)

5: جوآپ کی ذات سے علم غیب کی نفی کرتے ہیں وہ درحقیقت آپ کےمحمد ہونے کے قائل نہیں۔ (مقیاس حنفیت ص 312)

6: اگر کسی بھی نبی علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ قائم کر لیا جائے کہ اس کو فلاں چیز کا علم نہیں تو ایسا فاسد وباطل عقیدہ اس امر کو مستلزم ہوگا کہ اس نبی کا عقیدہ توحید ناقص ہے چہ جائیکہ افضل الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے متعلق یہ کفریہ عقیدہ ہو کہ عالم ماکان وما یکون کو فلاں چیز کا علم نہیں ۔ (تحفظ عقائد اھلسنت ص 849،850)

7: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب شریف کا انکار قرآن پاک کے خلاف اور کفر ہے۔ (مسئلہ علم غیب ص 18)

8: جو شخص علم غیب عطائی کا بالکل منکر ہے وہ قرآن پاک کی ان آیات کاانکار کرتا ہے اور قرآن کے ایک لفظ کا انکار بھی کفر ہے لہٰذا وہ شخص کافر ہے ۔ (وقار الفتاویٰ ج1ص102)

بریلوی دعویٰ جات

[۱]: مولوی فیض احمد اویسی صا حب لکھتے ہیں:

”اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے علم غیب کلی کا دعویٰ یوں تحریر فرمایا ہے: بےشک حضرت عزت عزت نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوتمام اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا، شرق تا غرب، عرش تا فرش سب انہیں دکھایا،ملکوت السموات والارض کا شاہد بنایا ۔ روز اول سے روز آخر تک سب ماکان ومایکون انہیں بتایا۔ اشیائے مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ تھا۔ علم عظیم حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام ان سب کومحیط ہوا نہ صرف نہ اجمالا بلکہ صغیر وکبیر، ررطب ویابس جو پتہ گرتا ہے زمین کے اندھیروں میں جو دانہ کہیں پڑا سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا۔للہ الحمد کثیراً بلکہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہر گز ہر گز محمد رسول اللہ کا پورا علم نہیں صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ علم حضور سے ایک چھوٹا حصہ ہے۔ہنوز احاطہ علم محمدی میں وہ ہزار در ہزار بے حد وکنار سمندر لہرا رہے ہیں جن کی حقیقت کو وہ خود جانیں یا ان کا عطا کرنےوالا ان کامالک ومولیٰ جل وعلا۔“ (امام احمد رضا اور فن تفسیر ص16)

معلوم ہو اکہ علم غیب کلی کا مطلب یہ ہے اب جو بھی علم غیب کلی کا دعویٰ کرے توپھر اسے چاہیے یہ سب کچھ دلائل قطعیہ سے ثابت کرے۔

[۲]: مولوی عبد الرشید سمندری والے جو کہ بریلوی محدث اعظم کے شاگرد ہیں وہ لکھتے ہیں:

آپ کو اللہ نے کلی علم غیب عطا فرمایا ہے۔ (رشد الایمان ص99)

[۳]: فیض احمد اویسی صاحب لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے کلی علم غیب عطا فرمایا۔ (علم المناظرہ: ص6)

اب معلوم ہوگیا دعویٰ جو بھی مقصود ہو ان لوگوں کا یہ ہے ”جمیع ماکان ومایکون“ اسی کو یہ لوگ علم غیب کلی کہتے ہیں اور اگر تفصیلی طور پر اسے دیکھیں تو وہ فاضل بریلوی کی لکھی ہوئی تحریر بن جاتی ہے جو شروع میں گزر چکی ہے کہ شرق تاغرب، عرش تا فرش، سب انہیں دکھایا ملکوت السموات ولارض کا شاہد بنایا اشیائے مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور علیہ السلام کے علم سے باہر نہ تھا۔ اجمالی نہیں بلکہ تفصیلی علم آپ کو حاصل ہے۔

تنقیحاتِ دعویٰ

تنقیح نمبر 1:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف علم غیب کی نسبت کرنا غلط ہے۔ کیونکہ:

☼ فاضل بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

علم جب کہ مطلق ہو خصوصاً جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت ص 317 مشتاق بک کارنر)

معلوم ہو اکہ علم غیب کا لفظ اس ذات کےلیے بولیں گے جس کا علم ذاتی ہو اور وہ تو صرف اللہ کریم کا ہے۔

☼ بریلوی مسلک کے " علامہ" غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

علم غیب جب مطلقاً بولا جائے تو اس سے مراد ذاتی ہوتا ہے۔ (حاشیہ شرح مسلم ج5ص110)

☼ جو علم عطائی ہو وہ غیب ہی نہیں کہا جاتا، غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں۔ (جاء الحق ص 97 قدیم)

تنقیح نمبر 2:

یہ قرآن پاک کے بھی خلاف ہے کیونکہ مولوی غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے غیر کےلیے علم غیب کا اطلاق کرنا اس لیے جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ علم کا تعلق ابتداءً ہے تو یہ قرآن مجید کےخلاف ہوجائے گا۔ (نعمۃ الباری شرح بخاری ج1ص273)

ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

مطلقاً یہ کہنا کہ رسو ل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم ہے دو وجہ سے درست نہیں ،اول اس لیے کہ یہ قول ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے غیر سے مطلقاً علم غیب کی نفی کی ہے اور دوسرے اس وجہ سے کہ مطلقاً علم کا ذکر کیاجائے تو اس سے مراد علم بالذات ہوتا ہے۔ (شرح مسلم ج5ص108)

تنقیح نمبر 3:

علم غیب کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا اور تکلیف دینا ہے۔ کیونکہ جب بچیوں نے شعر پڑھا تھا "وفینا نبی یعلم ماغد"اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا۔ اس روکنے کی وجہ کیا تھی وہ بریلوی مسلک کے معتبر مفتی احمد یار نعیمی گجراتی لکھتے ہیں کہ شارحین نے کہا ہے کہ حضور علیہ السلام کا اس کو منع فرمانا اس لیے ہے کہ اس میں علم غیب کی نسبت حضور کی طرف ہے لہذا آپ کو نا پسندآئی۔ (جاء الحق ص 122)

مشکوۃ ج 2کتاب النکاح میں باب النکاح کی یہ حدیث ہے جس کی شرح میں ملا علی قاری رحمہ اللہ اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی یہ وجہ لکھی ہے۔

تو معلوم ہوا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کی نسبت اپنی طرف کرنا ناپسند ہے اور نہ کرنا پسند ہے۔

اب دیکھیے قاضی ثناء اللہ پانی پتی "ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ " (سورۃ احزاب:57) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وہ لوگ جو بنی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کا ارتکاب کرتے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیتے ہیں ان کے لیے دنیا آخرت میں لعنت ہے۔ (تفسیر مظہری ج7ص380)

اور آپ کے مفتی حنیف قریشی صاحب لکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینے والا کافر ہے۔ (غازی ممتاز حسین قادری ص 201)

اور حنیف قریشی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کو ناپسند کرنے والا کافر ہے۔ (غازی ممتازحسین قادری ص 291)

اب آپ خود ہی دیکھ لیں کہ آپ کا کیا بنے گا ؟!!

تنقیح نمبر4:

آپ نے علم غیب کلی سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کےلیے تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ علم کلی تو خدا کا خاصہ ہے اور کسی صفت خاصہ کو کسی دوسرے کےلیے ثابت کرنا شرک ہے۔ (فتاویٰ مظہریہ ص 537)

اس فتویٰ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت خاصہ کو کسی دوسرے کےلیے ثابت کرنا شرک ہے۔ اور کئی بریلوی اکابر نے علم کلی کو خدا کا خاصہ ٹھہرایاہے ۔ مثلاً:

☼ مفتی احمدیار نعیمی گجراتی لکھتا ہے کلی اختیارات اور مکمل علم غیب پر خدائی دارومدار ہے ۔ (مواعظ نعیمیہ حصہ دوم ص 265)

☼ جو علم اللہ نے اپنی ذات کےلیے خاص کیا ہے وہ ہر ایک کے احوال کا تفصیلی علم ہے -(اسلامی عقائد ص 120 از شرف قادری)

☼ علم غیب کلی کی چابیاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں ۔ (عقائد ونظریات از شرف قادری ص 87)

☼ رسل کرام سب غیوب پر مطلع نہیں ہوتے تاکہ خصوصیت الہٰی برقرار رہے ۔ (فتاویٰ مہریہ ص8)

☼ جہاں تک مطلقاً ذاتی علم اور کلی علم غیب کا سوال ہے وہ ہمارے نزدیک بھی غیر خدا کےلیے ثابت کرناشرک ہے ۔

(زیر و زبر از ارشد القادری :ص 49)

☼ مولوی پیر محمد چشتی صاحب لکھتے ہیں:

ان الغیب المختص بہ معنی المختص بہ علمہ سبحانہ وتعالی ھو کل غیب• (اصول تکفیر ص 310)

یعنی کل غیب خاصہ خدا ہے۔

اب دیکھیے! آپ کے دعویٰ پر آپ کے گھر سے ہی شرک کا فتویٰ لگ گیا !!

☼ مفتی خان محمد قادری لکھتا ہے: ان پانچ چیزوں کا علم بھی اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے ۔ (معارف رضا ص 74 شمارہ مئی جون 2009ء)

☼ مفتی احمدیارخان نے ”قل لایعلم من في السماوات والأرض الغيب إلا الله“ کے جواب میں لکھا ہے:

اس آیت کے بھی مفسرین نے دو مطلب بیان کیے ہیں۔

۱: غیب ذاتی کوئی نہیں جانتا

۲: کلی غیب کوئی نہیں جانتا۔ (جاء الحق ص 96)

ان ساری باتوں سے معلوم ہوا کہ علم غیب کلی تو بقول تمہارے اکابرین کے خاصہ خدا ہے اب آپ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کےلیے مانا تو اپنے اکابر کے فتاویٰ کی روسےکیا ٹھہرے؟ فیصلہ خود فرما لیجیے!

تنقیح نمبر5:

فاضل بریلوی نے فلاسفہ کا عقیدہ عقول عشرہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کوئی ذرہ ذرات عالم سے ان پر مخفی رہنا ممکن نہیں۔ پھر آگے اس پر یوں رد فرمایا کہ:

یہ خاص صفت عالم الغیب والشہادہ کی ہے ۔جل وعلا ۔ قال تعالی لایعزب عنہ مثقال ذرۃ فی الارض ولافی السماء•

نہیں چھپتی تیرے رب سے ذرہ برابر زمین اور نہ آسمان ۔

اس کا غیر خدا کے لیے ثابت کرنا قطعاً کفر(ہے)۔ (فتاویٰ رضویہ: ج27 ص144)

اب آپ دیکھیں کہ فاضل بریلوی نے یہی بات رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کےلیے مانی ہے اور ادھر اسی کو کفر بھی کہہ رہے ہیں تو فاضل بریلوی اپنے پھندے میں خود ہی پھنس گئے ہیں۔

<u>تنقیح نمبر6:</u>
بریلویوں کویہ ماننا پڑے گا کہ ہم نے یہ عقیدہ شیعوں سے چوری کیا ہے وہ اس طرح کہ:
(1) غلام نصیر الدین لکھتا ہے: علم غیب حاضر وناظر مختار کل استمداد وغیرہ یہ تمام عقائد شیعہ کے اندر موجود ہیں ۔
(عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ ج1ص41)
(2) مولانا کرم الدین دبیر صاحب شیعوں کا عقیدہ نقل کرتے ہیں:
’’اصول کافی میں ص159 میں باب ہی یوں باندھا ہے ” باب ان الائمۃ علیہم السلام یعلمون علم ماکان ومایکون وانہ لا یخفی علیہم شیئ‘‘۔
آگے لکھتے ہیں:
’’کتاب مذکور کے ص160 میں ہے ” سمعوا ابا عبداللہ علیہم السلام یقول انی لا علم مافی السموات ومافی الارض واعلم مافی النار واعلم ماکان ومایکون‘‘۔ (آفتاب ہدایت ص 170)
(3) شیخ المشائخ محبوب سبحانی ظل رحمانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ شیعوں کے عقائد لکھتے ہوئےفرماتے ہیں:
ومن ذلک قولھم ان الامام یعلم کل شیء ماکان ومایکون من الدنیا والدین حتی عدالحصی وقطر الامطار وورق الاشجار۔ (غنیۃ الطالبین ج1ص180 قدیمی کتب خانہ)
(4) نہج البلاغہ لاہور سے چھپی ہے ترجمہ وتشریح کے ساتھ، اس کے شروع میں ایک مضمون ہے؛ ’’حضرت امیر المؤمنین اور علم غیب‘‘
اس میں ہے:
’’آپ نے خود عالم الغیب ہونے کا اظہار فرمایا ہے۔ ‘‘
آگے لکھتے ہیں:
” ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام کو علم غیب حاصل تھا ۔‘‘
آگے لکھا ہے:
جہاں علم غیب کی نفی وارد ہوئی ہے اس سے مراد صرف یہ ہے کہ یہ حضرات بالذات عالم الغیب نہیں بلکہ من جانب اللہ ان کو علم غیب عطا ہوا ہے۔ (نہج البلاغہ ص 52)
معلوم ہوگیا بریلوی حضرات نے مسئلہ شیعہ حضرات سے لیا ہے ۔

<u>تنقیح نمبر7:</u>
بریلوی حضرات اپنے اس دعوے کی وجہ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب سمجھتے ہیں ، مثلاً:
☼ مولوی فیض احمد اویسی صاحب لکھتے ہیں: مضمون طویل ہوجانے کا خیال نہ ہوتا تو اس کے برعکس یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب نہ سمجھنے والوں پر نحوست کے نمونے پیش کرتا ۔ (علم غیب کا ثبوت ص 17)
☼ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم الغیب ہونا آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے ثابت ہے ۔ (ازالۃ الضلالۃص4)
☼ حضور عالم الغیب ۔ (سعید اسد کی تقریریں ص 235)
☼ محدثین ومتقدمین علمائے کرام کے نزدیک حضور علیہ السلام عالم غیب تھے۔(تصحیح العقائد ص 28)
☼ مولوی نظام الدین ملتانی لکھتا ہے:
اب مولوی صاحب اور اس کے معاونین بتائیں کہ یہ تمام حدیثیں ہیں یانہیں اور ان سے آپ کی ذات وصفات کا اول سے عالم الغیب ہونا ثابت ہوا یا نہیں ؟(کشف المغیبات مصدقہ پیر جماعت علی شاہ ص 23)
☼مولوی عبدالحق عتیق لکھتا ہے:

قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ مقیم رہ کرہ تمام عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھ سکتا ہے ۔ یعنی کہ وہ عالم الغیب ہوتا ہے ۔

(شہود الشاہد ص94،مصدقہ سید محمود احمد رضوی ، مفتی محمد اعجاز، مفتی محمد فرید ہزاروی فیض الحسن سجاہ نشین آلو مہار وغیرہ ھم)

☼ سوال: جو شخص باوجود نقشبندی اور حنفی ہونے کے قیام میلاد کو ضروری جانے اور تارک قیام پر ملامت کرے اس کی پیچھے نماز ناجائز سمجھے اور ہر مجلس میلاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر جانے اور آپ کے عالم الغیب ہونے کا اعتقاد رکھے ایسے شخص کےلیے شرعاً کیا حکم ہے ؟

جواب: ...... ایسا عقیدہ رکھنے والا پکا مسلمان اور پکا بایمان واتفاق سنی ، حنفی ، محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔

(انوار آفتاب صداقت ص 500 مصدقہ مولوی احمد رضا)

☼ مولوی ابو کلیم محمد صدیق فانی صاحب لکھتے ہیں:

عالم الغیب کا اطلاق اس پر ہوگا جس کو رب العزت جل جلالہ کی طرف سے انتہائی علوم غیبہ سے نوازا گیا ہو اور اس پر قرآن وحدیث کے شواہد موجود ہوں اور یہ فقط انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہے ۔ (افتخار اہلسنت ص 45،46)

مسلمانو! گمراہوں کے امتحان کے لیے ان کے سامنے یوہیں گہ دیکھو کہ اللہ پھر رسول عالم الغیب ہیں الخ۔ (الامن و العلی: ص183)

اب ہمارا سوال یہ ہے بریلوی اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہیں اس اپنے عقیدہ علم غیب کی وجہ سے اگر نہیں کہتے تو پھر سن لو کہ تم نے خود ہی لکھا ہے کہ جو احمد رضا کا ہم عقیدہ نہ ہو وہ کافر ہے ۔ (انوار شریعت ج1ص140)

لہذا تم کیا ہوئے؟

اور اگر کہتے ہو تو پھر بھی ان فتاویٰ جات کی زدمیں ہو:

(1) یہی فلسفہ عالم الغیب کے لفظوں میں ہے اس میں ذاتی ،ازلی ، ابدی ، مطلق ، محیط ، تفصیلی کا بیان ہے جو کسی کے لیے ماننا اسے الہ ماننا ہے ۔

(علم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص 20 از عبدالمجید خان سعیدی)

(2) بریلوی مناظر اعظم مولوی اللہ دتہ لکھتا ہے:

عالم الغیب اس ذات کو کہا جا سکتا ہے جو عالم الغیب بالذات ہو ۔ یہ شان اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے ۔ مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا فقہاء نے کفر قرار دیا ہے ۔ (تنویر الخواطر ص 34)

(3) بریلوی پیر محمد چشتی لکھتے ہیں:

علام الغیوب ، عالم الغیب والشہادۃ جیسے مختص بااللہ لفظ کو غیر اللہ کےلیے استعمال کرنا ممنوع فی الاسلام وناروا ہے ۔

(اصول تکفیر ص 284)

اور دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں:

اذا اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصہ بالخالق جل وعلا نحوالقدوس والقیوم والرحمن وغیرھایکفر٭

(اصول تکفیر ص 223)

اب اہلِ بدعت پر یہ شعر صادق آتا ہے؛

خندق میں سب کی جان حَزِیںْ پر بن آئی ہے جائیں کدھر کہ آگے کنواں پیچھے کھائی ہے

غیب کی تعریف

غیب کا معنیٰ کیا ہے؟

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

ماغاب عن العباد ویقال مایکون• (ابن کثیر ج1ص41)

یعنی جو بندوں سے غیب ہو ، اور اسے ان کاموں پر بھی بولا جاتا ہے جو ہونے والے ہوں۔

اس قسم کا مفہوم کئی حضرات نے لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ " الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون " کامفہوم یہی ہے کہ آدمی غیب پر ایمان لائے اور چونکہ انبیاء کرام بھی ایمان رکھتے ہیں اس لیے ان کے لیے بھی غیب کا کچھ کچھ درجہ ہونا چاہیے ورنہ تو ایمان بالغیب ہی نہ رہے گا ۔ " آمن الرسول بما أنزل إلیه " سے معلوم ہوا کے انبیاء علیہم السلام بھی ایمان رکھتے ہیں " أولم تؤمن " سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کے لیے بھی غیب پر ایمان رکھنا ضروری ہے ۔ہاں انبیاءکرام کو کئی چیزیں دکھائی جاتی ہیں مگر اس کے باوجود بھی کئی چیزوں پر ایمان بالغیب ہی برقرار رہتا ہے ۔

تفسیر ماجدی میں ہے:

پیغمبر چونکہ تمام دوسرے انسانوں سے دانا وعالم تر ہوتے ہیں اور ان کا دائرہ ادراک ومعرفت ساری مخلوق سے وسیع تر ہوتا ہے اس لیے قدرت سے انہیں بے شمار ایسی مخفیات کا علم ہوتا ہے جو غیر انبیاء کےلیے تمام تر مجہول ہوتی ہیں لیکن اس ساری وسعت کے باوجود کہیں نہ کہیں کسی منزل پر پہنچ کر ان کے علم کی بھی انتہاء ہوجاتی ہے اور دائرہ غیب ان کا بھی شروع ہوجاتا ہے ۔

غیب پر ایمان لا نا تو آیت (یؤمنون بالغیب) میں متقین کی سب سے پہلی شرط بیان کی گئی ہے ۔ اب اگرخدانخواستہ کسی کا غیب ہے ہی نہیں تو وہ ایمان کس چیز پر لائے گا ۔ انبیاء کرام تو متقی ہی نہیں متقیوں کے سردار اور پیشوا ہوئے ہیں ان کاایمان بھی اگر مغیبات ومخفیات پر نہ ہوگا تو کس کا ہوگا ۔ ہاں البتہ ان کا غیب انہیں کے ظرف اور مرتبہ وبساط کے موافق ہوتا ہے ۔ ماوشما کا سا غیب ان کا نہیں ہے ۔

لہٰذا اب اگر کہاجائے کہ نبی سے غیب کچھ بھی نہیں تو ان کو بندوں ، متقیوں کی صفوں سے نکالنا ہوگا اور ان کی بہت بڑی توہین ہے۔

مشہور مفسر قاضی بیضاوی غیب کی تعریف کی ہے:

والمراد به الخفي الذي لا یدركه الحس ولا تقتضیه بدیهة العقل.

(تفسیر بیضاوی بقرہ آیت نمبر 3)

ترجمہ: غیب سے مراد وہ پوشیدہ باتیں ہیں جس سے حواس انسانی نہ پاسکیں اور نہ بداھت عقل اسے ثابت کرے ۔

یہی تعریف بریلوی کتب جاء الحق، علم الرسول وغیرہ میں بھی کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علم کو علم غیب کہیں گے جو حواس ظاہرہ اور باطنہ سے نہ آ سکے۔ تو سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ و سلم کا علم تو حواس ظاہرہ و باطنہ سے ہوا ہے اسے علم غیب نہیں کہا جا سکتا۔

آپ دیکھیں انبیاء علیہم السلام کی طرف جو علم القاء کیا گیا ہے اسے قرآن یوں کہتا ہے:

☼ ذلك من أنباء الغیب نوحیه إلیك• (یوسف:102)

☼ ذلك من أنباء الغیب نوحیه إلیك• (آل عمران:24)

☼ تلك من أنباء الغیب نوحیها إلیك•(هود:49)

☼ ذلك من أنباء القرى نقصه علیك• (هود:100)

☼ نحن نقص علیك أحسن القصص بما أوحینا إلیك هذا القرآن وإن كنت من قبله لمن الغافلین• (یوسف:3)

☼ وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب۔ (آل عمران:179)

وغیرہا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو علم دیا گیا ہے وہ علم وحی ہے یااخبار غیب، اطلاع غیب اور انباء غیب ۔ اس کو پورے قرآن میں علم غیب کہیں بھی نہیں کہاگیا اور قرآن مقدس نے جگہ جگہ خدا تعالیٰ کے لیے عالم الغیب کا لفظ استعمال کیا ہے :

:1 عالم الغیب والشھادۃ (الحشر:22)

:2 عالم غیب السموات والأرض۔ (فاطر: 38)

:3 قل لایعلم من في السموات والأرض الغیب إلا اللہ۔ (النمل: 65)

:4 إن اللہ یعلم غیب السموات والأرض۔ (الحجرات: 18)

وغیرہا آیات دلالت کر رہی ہیں کہ علم غیب اور عالم الغیب کے الفاظ اللہ ہی کےلیے اداکیے جاسکتے ہیں ۔ یہی بات کئی محققین کے قلم سے زیب قرطاس ہوتی ہے جیساکہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الوجدان الصریح یحکم بان العبد عبد وان ترقی وان الرب رب وان تنزل وان العبد قط لا یتصف بالوجوب اوبا الصفات الازمۃ للوجوب ولا یعلم الغیب ینطبع شیئ فی لوح صدرہ ولیس ذالک علماء بالغیب انما ذلک یکون من ذاتہ (یعنی علم غیب ازخود ہوتاہے نہ کہ کسی کا عطاکردہ) فالانبیاء والاولیاء یعلمون لامحالۃ بعض مایغیب عن العامۃ۔ (تفہیمات الہیہ ج1ص245)

اور علامہ شامی فرماتے ہیں:

فعلم اللہ المذکور ہو الذی یمدح بہ و اخبر فی الآیتین المذکورتین بانہ لا یشارکہ فیہ احد فلا یعلم الغیب الا ہو و ما سواہ ان علم جزئیات منہ فہو باعلامہ و اطلاعہ لہم و حینئذ لا یطلق انہم یعلمون الغیب اذ لا صفۃ لہم یقتدرون بہا علی الاستقلال بعلمہ (یعنی یہ ان کی کوئی ایسی صفت نہیں ہے کہ جس سے وہ مستقل طور پر کسی چیز کو جان سکیں) ایضا ہم ما علموا و انما علموا۔ (رسائل ابن عابدین ج2ص313)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی لکھتے ہیں:

و اما علم بحاستہ او ضرورۃ (بداہۃ عقل) او دلیل فلیس بغیب و لا کفر فی دعواہ و لا فی تصدیقہ علی الجزم فی الیقینی و الظن عند المحققین و بہذا التحقیق اندفع الاشکال فی الامور التی یزعم انہا الغیب و لیست منہ لکونہا مدرک بالسمع او البصر او الدلیل فاحدہما اخبار الانبیاء لانہا مستفادۃ من الوحی و من خلق العلم الضروری فیہم او من انکشاف الکوائن علی حواسہم۔ (نبراس علی شرح القائد ص 343)

اب معلوم ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام کی باتوں کو اور خبروں کو علم غیب نہیں کہاجائےگا۔ کیونکہ یہ علم خدا کی طرف سے ملتا ہے اور اگر ذاتی ، ازخود ہو تو اسے علم غیب کہتے ہیں۔

اس پر ہم تھوڑی سی روشنی ضرور ڈالیں گے کہ انبیاء علیہم السلام کے لیے کچھ پردہ غیب ہے یا نہیں؟

:1 شیطان نے قسمیں کھا کرکہا؛

وقاسمھما إني لکما لمن الناصحین ، فدلاھما بغرور۔ (سورہ اعراف آیت21)

کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور ان کو تیار کر لیا ،دھوکا دے کر۔

کل اسماء کا علم تو آپ علیہ السلام کو دیا جاچکا تھا مگر اس کےباوجود بھی اس کی باتوں پر اعتبار کر لیا اور بھول گئے۔ معلوم ہوا کہ کل غیب سے واقف خدا ہی ہے۔

:2 سیدنا نوح علیہ السلام سے فرمایا:

فلا تسألني ما لیس لك به علم إني أعظك أن تكون من الجاهلین قال رب إني أعوذ بك أن أسألك ما لیس لي به علم۔

(سورہ ہود آیت46، 47)

3: سیدنا ابراہم علیہ السلام کے پاس جب فرشتے آئے تو قرآن کہتا ہے:

نکرهم وأوجس منهم خیفة۔ (سورہ ہود آیت70)

4: سیدنا یعقوب علیہ السلام کا مدت مدید تک رونا اور آنکھیں سفید ہونا یہ بھی دلیل ہے کہ ان سے بھی کچھ نہ کچھ تو غیب رہا ہے۔

5: موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قصہ جس میں سیدنا خصر علیہ السلام نے فرمایا :

یا موسى إني على علم من علم الله علمنیه لا تعلمه أنت وأنت على علم من علم الله علمكه الله لا أعلمه۔

(صحیح البخاری: ج2ص688،صحیح مسلم ج2ص269)

6: موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور سے واپس تشریف لانا او رسیدنا ہارون علیہ السلام کی داڑھی مبارک پکڑنا۔

7: وهل أتاك نبأ الخصم إذ تسوروا المحراب (21) إذ دخلوا على داوود ففزع منهم قالوا لا تخف۔ (ص:21)

8: ’’مالي لا أرى الهدهد‘‘ (سورۃ النمل آیت20)

9: سیدنا زکریا علیہ السلام نے فرمایا :أنى لك هذا۔ (آل عمران:37)

10: یوم یجمع الله الرسل فیقول ماذا أجبتم قالوا لا علم لنا إنك أنت علام الغیوب ۔ (المائدہ:109)

معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کا بھی غیب پر ایمان ہے ، کئی مخفی اور پوشیدہ باتوں کا علم اللہ کریم کو تھا اور انہیں نہیں تھا تو یہی بات تو دلیل ہے کہ ان کے علوم مبارکہ کو علم غیب نہ کہا جائے بلکہ اخبار غیب ، انباءغیب ، اطلاع غیب کہنا چاہے ۔

اب ہم چند سطور اس پر بھی لکھنا چاہتے ہیں کہ فاضل بریلوی اور ان کے ماننے والے بات بات پر یہی فرق کرتے ہیں قرآن پاک میں جو نفی کی گئی ہے تو وہ ذاتی کی ہے اور ہم قائل عطائی کےہیں لہذا اعتراض ہم پر نہیں ہو سکتا تو یاد رکھیں کہ امام اہلسنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا وجود مبارک ذاتی تھا؟ اگر ذاتی نہ تھا بلکہ عطائی تھا

(۱) تو آپ نے علم غیب کی طرح اپنے وجود کا کیوں انکار نہ فرمایا ؟ یہ کیوں ارشاد فرمایا کہ ’’لست بموجود‘‘ یعنی میں موجود نہیں ہوں۔

(۲) اور کیا آنحضرت علیہ السلام کی نبوت اور رسالت ذاتی تھی یا خدا کی طرف سے عطا ہوئی تھی؟ اگر ذاتی نہ تھی اور یقیناً نہ تھی تو آپ نے اپنی نبوت اور رسالت کا انکار کیوں نہ کر دیا؟ (العیاذ بااللہ تعالیٰ) کیونکہ بقول مولوی محمد عمر صاحب شے کا مدعی وہی ہو سکتا ہے جس کی ملکیت ذاتی ہو۔

(۳) اور کیا قرآن کریم آپ کو ذاتی طوپر حاصل ہواتھا یا خدا تعالیٰ کا عطیہ تھا؟ اگر ذاتی طور پر حاصل نہ ہوا تھا اورحقیقت بھی یہی ہے تو آپ نے علم قرآن کی نفی کیوں نہ کی؟ اور کیوں نہ فرمایا کہ میرے قرآن کریم نہیں؟ معاذ اللہ تعالیٰ

(۴) اور کیا آپ کو احادیث اور احکام شریعت کا علم ذاتی طور پر حاصل ہوا تھا ؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں توآپ نے اس کی نفی کیوں نہ کی۔ وجہ فرق بالکل بین ہونی چاہیے۔

(۵)کیا جب موصوف خود عطائی ہوتو اس کی کسی صفت کے ذاتی ہونےکا احتمال ناشی عن دلیل ہو سکتا ہے جب اس کا احتمال ہی نہیں تو ذاتی اور عطائی کا فرق بے کار ہوا ۔ کیونکہ علم ذاتی باجماع مسلمین اور باتفاق فریقین ایک ذرہ کا بھی کسی کو نہیں ہو سکتا تو پھر اس کا درمیان میں لانا کیونکر صحیح ہوا؟

(۶) اور اگر ایک شخص یہ کہے میں اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر الہ اور خالق کائنات تسلیم

کرتا ہوں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطائی طور پر اللہ اور خالق کائنات مانتا ہوں تو کیا وہ مسلمان رہے گا ؟ اور اگر رہے گا توکس دلیل سے؟اور اگر وہ مسلمان نہیں تو فرمائیے کہ اس بےچارے نے خداتعالیٰ کا ذاتی خاصہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو تسلیم نہیں کیا پھر وہ کافر کیسے ہوا؟

(۷) اگر ایک شخص کہتا ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مستقل اور تشریعی نبی مانتا ہوں مگر مرزا غلام احمد قادیانی کو (جو در حقیقت ثلاثون کذابون دجالوں کی مد میں ہے) بالتبع اور غیر تشریعی نبی مانتا ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ اس کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا فیض اور ظل ہے کیا ایسا شخص مسلمان رہے گا یا نہیں ؟ اس کا جواب فریق مخالف کو سوچ کربتانا ہوگا کہ حق کا ساتھ دینا ہے یا صدائے باطل ہی بلند کرنی ہے۔

اس چمن میں پیرو بلبل ہو
یا تلمیز گل
یا سراپا نالہ بن جایا نوا
پیدانہ کر

باقی جن بعض اکابر کی عبارات میں ذاتی اور عطائی وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں تو ان کا مقصد ہر گز ہر گز یہ نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طورپر بالاستقلال کل غیوب کو نہیں جانتے مگر عطائی اور غیر مستقل طور پر جانتے تھے بہرحال انہوں نےتطبیق کی یہ صورت پیدا کی کہ نفی جو تمام کلیات اور محیط تفصیلی کے ساتھ متعلق ہے ، ذاتی علم کی ہے اور اثبات جو صرف اخبار غیب اور جزئیات سے متعلق ہے وہ عطائی علم کے ساتھ وابستہ ہے ، حالانکہ اس مقام پر ذاتی اور عطائی سےصرف نظر کرتے ہوئے بھی صرف کلی اور جزئی علم یا علم غیب اور انباء غیب یامحیط تفصیلی اور بعض خبروں کے علم کا فرق ملحوظ رکھ کر بھی تطبیق دی جاسکتی ہے اور محققین علماء نے اس طرح تطبیق دی ہے۔ اور آگے آیات علم شعر گوئی اور تمام انبیاء کرام کے تفصیلی احوال کی بھی تو نفی موجود ہے جس میں ذاتی اور عطائی کا تو جھگڑا ہی نہیں ۔

اس پر مزید ایک آیت ملاحظہ فرمائیں:

ولو كنت أعلم الغیب لاستكثرت من الخیر وما مسني السوء • (اعراف:188)

اگر میں علم غیب رکھتا ہوتا تو ہر طرح کے فائدے رکھ کر لیتا اور کوئی(دنیاوی) تکلیف مجھے نہ پہنچتی ، اس میں بھی ذاتی اور عطائی کا فرق نہیں ہو سکتا ، کیونکہ جس کو عطائی طور پر بھی پتہ ہو وہ بھی تکالیف ومصائب سے بچنے کی کوشش کرےگا ، اگر کسی کو ذاتی طورپر پتہ نہ ہوعطائی پور پر اسے بتا دیا جائے کہ فلاں علاقے میں فلاں راستے پر چور ہیں تو اس راستے پر وہ آدمی نہ جائےگا تو اگر آپ علیہ السلام کوعطائی طورپر بقول تمہارے علم غیب مل گیا تو بھی تو مصائب وتکالیف سے آپ کو بچ جانا چاہیے تھا ۔ مگر آپ علیہ السلام پر مصائب وتکالیف آئے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

آیات قرآنیہ اور نفی علم غیب

آیت نمبر1:

وما علمناه الشعر وما ينبغي له إن هو إلاذكر وقرآن مبين ‘‘• (سورۃ یٰسین: 69)

ترجمہ:

☼ علامہ علی بن محمد الخازن (م701ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

أي ما يسهل له ذلك وما يصلح منه بحيث لو أراد نظم شعر لم يتأت له ذلك كما جعلناه أميا لا يكتب ولا يحسب لتكون الحجة أثبت والشبهة أدحض قال العلماء ما كان يتزن له بيت شعر وإن تمثل ببيت شعر جرى على لسانه منكسرا•

(تفسیر خازن ج4ص12)

☼ علامہ عبداللہ بن احمد النسفی (م710ھ) فرماتے ہیں:

ُوما علمناه الشعرُ ای و ما علمنا النبی صلی اللہ علیہ و سلم قول الشعراء او و ماعلمنا بتعلیم القرآن الشعر علی معنی ان القرآن لیس بشعر• (تفسیر مدارک ج2ص404)

☼رئیس المفسرین علامہ عماد الدین بن کثیر رحمہ اللہ (م 774ھ) آیت کی تفسیر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقوله: { وما علمناه الشعر وما ينبغي له } : يقول تعالى مخبرا عن نبيه محمد صلى الله عليه وسلم: أنه ما علمه الشعر، {وما ينبغي له } أي: وما هو في طبعه، فلا يحسنه ولا يحبه، ولا تقتضيه جبلته، ولهذا ورد أنه، عليه الصلاة والسلام، كان لا يحفظ بيتا على وزن منتظم، بل إن أنشده زحفه أو لم يتمه. (تفسیر ابن کثیر ج3ص757)

☼ محی السنہ ابی محمد الحسین بن مسعود البقوی (م514ھ) اس آیت کی تفسیر میں حضر ت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فقال ابوبکر وعمر اشهد انک رسول اللہ یقول اللہ تعالی: وما علمناه الشعر وما ينبغي له•

☼ امام جلال الدی سیوطی (م911ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

عن قتادة رضي الله عنه قال : بلغني أنه قيل لعائشة رضي الله عنها هل كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتمثل بشيء من الشعر قالت : كان أبغض الحديث إليه غير أنه كان يتمثل ببيت أخي بني قيس يجعل أخره أوله وأوله آخره ويقول : ويأتيك من لم تزود بالأخبار فقال له أبو بكر رضي الله عنه : ليس هكذا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : إني والله ما أنا بشاعر ولا ينبغي لي• (تفسیر درمنثور ص 505)

اب دیکھیے دعویٰ تو علم کلی اور جمیع ما کان و ما یکون کا ہے، تو جب یہ منتفی ہو گیا یعنی علم شعر گوئی کی آپ سے نفی ہو گئی تو پھر کلی کا دعویٰ ٹوٹ گیا۔ رضا خانی حضرات کی طرف سے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ جناب! علم شعر کی نفی نہیں بلکہ یہاں تو ملکہ شعر گوئی کی نفی ہے یعنی شعر و شاعری کا علم تو تھا مگر ملکہ شعر گوئی نہ تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر بھی علم کلی اور جمیع ما کان و ما یکون کا دعویٰ باطل ہو گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ جو آپ علیہ السلام کی زبان پر جاری ہوا تھا وہ رجز تھا، شعر نہ تھا اور شعر کہنا آپ صلی اللہ علیہ و سلم پر حرام تھا۔

اشکال نمبر1 :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ علیہ السلام نے ساری زندگی میں ایک شعر بنایا ہے ۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی)

الجواب:

یہ حدیث منکر ہے اور اس میں دوراوی مجہول ہیں ۔(تفسیر ابن کثیر ج3ص579)

بعض حضرات نے شعر سے کچھ اور باتیں مراد لی ہیں مگر اتنا تو ضرور ہے کہ ’’جمیع ماکان ومایکون‘‘ کا دعویٰ تو ٹوٹ جاتا ہے چاہے جو بھی مراد لو آپ ،ہم نے تفاسیر سے اس کا آیت کامعنی بتادیا کہ شعر گوئی کو آپ علیہ السلام کےلیے مناسب نہیں سمجھا گیا لہٰذا آپ شاعر نہ تھے۔

اشکال نمبر2:

بریلوی حضرات کی طرف سے ایک اشکال عام طور پر ہرجگہ ہی اٹھایا جائے گا جس کا قلع قمع ضروری ہے وہ یہ ہے کہ دیکھیے جی ہمارا علم کلی کہنا مخلوق کے اعتبار سے ہے ورنہ آپ علیہ السلام کا علم خدا کے اعتبار سے جزئی ہے اور خالق کا علم کلی ہے ۔

جواب:

پہلی بات......بریلوی حضرات نے جس دعویٰ کو علم کلی کہا ہے وہ ہم دعوٰی جات کے عنوان میں لکھ آئے اور مزید یہ بھی یاد رکھیں کہ ان کا دعویٰ ابتدائے آفرینش سے لے کر دخول جنت یا جہنم تک تفصیلی کا ہے اور ہم جو دلائل پیش کر رہے ہیں وہ سب اس دعوے کے بھی توڑنے والے ہیں ۔

دوسری بات...... یہ ہے کہ بریلوی علماء نے لکھا ہے کہ پھر وہ کون بد قسمت انسان ہے جو قرآن کے خلاف کہے کہ فلاں شئے کا حضور علیہ السلام کو علم نہیں تھا اور فلاں بات نہیں جانتے تھے۔ (علم غیب کا ثبوت ص5)

اور یہ کہنا کہ عالم ماکان ومایکون فلاں بات نہیں جانتے تھے یہ کفریہ عقیدہ ہے ۔(ملخصاً تحفظ عقائد اہلسنت ص 849،850)

تیسری بات...... یہ ہے کہ آپ کے اکابر تو خدا کے علم کو کلیات سے منسوب کرنا جرم سمجھتے ہیں، جیسا کہ خواجہ قمر الدین سیالوی نے لکھا ہے کہ کلیات کی نسبت خالق کی طرف کرنا کتنی بڑی جہالت ۔(انوار قمریہ ص 104)

آپ کے مولوی منظور احمد بصیر پوری لکھتے ہیں:

کلی چیز مخلوق ہے اور مخلوق حادث ہوتا ہے اللہ تعالیٰ قدیم ہے اس کے علم کو کلی سے متصف قرار دینا بےدینی ہے ۔

(ہفت روزہ رسالہ رضوان بابت ماہ 28 مارچ 1952ء ص11 بحوالہ اظہار العیب ص 227،226)

چوتھی بات...... یہ ہے وہ کون کون سی چیزیں ہیں جو خدا تعالیٰ تو جانتا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے اس کی ذرہ فہرست پیش کریں تاکہ ہمیں بھی یقین آجائے کہ خدا کا علم کلی ہے اور رسول پاک علیہ السلام کا اس کےمقابلے میں جزئی ہے اگر آپ نہیں پیش کر سکتے تو پھر یہ ماننا پڑےگا کہ جو آپ نے فرق کیا ہے وہ غلط ہے ۔

آیت نمبر2:

اللہ پاک آپ علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں:

ولقد أرسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك• (سورۃ غافر: 78)

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے :

ورسلا قد قصصناهم عليك من قبل ورسلا لم نقصصهم عليك•(سورۃ النسا: آیت164)

☼ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے :قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: ما أدري تبع أنبيا كان أم لا و ما أدري ذا القرنين أنبيا كان أم لا و ما أدري الحدود كفارات لأهلها أم لا• (مستدرک حاکم حدیث نمبر 111)

تبع اور ذوالقرنین کے نام قرآن مجید میں موجود ہیں مگر آپ علیہ السلام فرما رہے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ یہ نبی تھے یا نہیں؟

’’وتفصيلا لكل شيء‘‘ اور ’’تبيانا لكل شيء‘‘ وغیرہ آیات سے استدلال کرنے والو ں سے دریافت کیجیے کہ ’’تبع‘‘ اور ’’ذوالقرنین‘‘ کی زندگی کی مفصل حالات تو الگ رہے ان کی نبوت ورسالت کاعلم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں تھا۔

☼ حافظ عمادالدین ابن کثیر رحمہ اللہ(م774ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

أي: منهم من أوحينا إليك خبرهم وقصصهم مع قومهم كيف كذبوهم ثم كانت للرسل العاقبة والنصرة، {ومنهم من لم نقصص عليك} وهم أكثر ممن ذكر بأضعاف أضعاف•
(ابن کثیر ج5ص462)

☼ علامہ علی بن محمد الخازن (م701ھ) پہلی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
ای ولم نذکر حال الباقین• (تفسیر خازن ج4ص84)
اور دوسری آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں ؛

ای لم یمسہم لک و لم نعرفک اخبارہم• (تفسیر خازن ج14ص451)
☼ فخرالدین رازی (م604ھ) پہلی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
ای ولم نذکر حال الباقین• (تفسیر کبیر امام رازی ج27 ص 77)
☼ امام جلال الدین سیوطی (م911ھ) اس کی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه في قوله ! < ومنهم من لم نقصص عليك > ! قال : بعث الله عبدا حبشيا نبيا فهو ممن لم يقصص على محمد صلى الله عليه وسلم• (تفسیر درمنثور ج5ص670)

اس آیت پاک سے بھی ثابت ہوا کہ جمیع ماکان ومایکون اور علم کلی کا دعویٰ غلط ہے ۔ اس پر بریلوی حضرات کا چند وجوہ سے کلام ہے۔

اشکال نمبر1:

آیت مبارکہ ''وکلا نقص علیك من أنباء الرسل ما نثبت به فؤادك'' سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے تفصیلی حالات بتادئیے گئے تھے ۔

جواب:

یہ آیت سورہ ھود کی ہے جو مکی ہے اور وہ آیت جو ہم نے پیش کی ہے وہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ۔ دوسر اجواب یہ ہے کہ اس آیت کی معنی ہے ہر وہ خبر جس کی حاجت پڑتی ہے ہم پیغمبروں کی خبروں میں آپ کو سناتے ہیں۔ معلوم ہو گیا کہ کل کے لفظ کا الرسل سے تعلق نہیں نہ ہی یہ اس پر داخل ہے ۔ اور احادیث سے بھی اس معنی کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ آپ تفاسیر کے حوالہ جات سے پڑھ آئے ہیں۔

اشکال نمبر2:

حدیث میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی کل تعداد بتا دی گئی ہے ،124،000 ہے

جواب:

پہلی بات...... یہ حدیث قابل احتجاج نہیں۔ (دیکھیے تفسیر ابن کثیر ج1ص586، لسان المیزان ج1ص78،79)
دوسری بات...... یہ ہے کہ تعداد کا بیان کیا جانا تفصیلی حالات کا بیان تو نہیں لہذا یہ احادیث ہمیں مضر نہیں۔

اشکال نمبر 3:

صاوی شریف میں ہے آ پ علیہ السلام اس وقت تک دنیا سے تشریف نہ لے گئے جب تک تمام انبیا ء علیہم السلام کے تفصیلی حالات نہ بتا دئیے گئے ۔

جواب:

قرآن پاک کی قطعی دلیل ہم نے پیش کی ہے اور احادیث مبارکہ اور امت کے اقوال سب کچھ کو ایک صا وی شریف پر تو قربان نہیں کریں گے ۔ معتبر ومستند ومعتمد تفاسیر سے ہم نے اپنا مدعی صاف کر دیا ہے آپ اپنی بات غیر معتبر تفاسیر سے نہ لے آئیں۔

آیت نمبر3:

يسألك الناس عن الساعة قل إنما علمها عند الله وما يدريك لعل الساعة تكون قريبا• (الاحزاب:63)
☼حافظ عمادالدین ابن کثیر رحمہ اللہ (م774ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

يقول تعالى مخبرا لرسول صلى الله عليه وسلم: أنه لا علم له بالساعة، وإن سأله الناس عن ذلك. وأرشده أن يرد علمها إلى الله، عز وجل، كما قال له في سورة "الأعراف" ، وهي مكية وهذه مدنية، فاستمر الحال في رد علمها إلى الذي يقيمها، لكن أخبره أنها قريبة بقوله: { وما يدريك لعل الساعة تكون قريبا }۔
(تفسير ابن كثير ج5ص232)

☼ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (م604ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

{قل إنما علمها عند الله} لا يتبين لكم ، فإن الله أخفاها لحكمة۔ (تفسير كبير ج2ص200)

☼ امام بیضاوی رحمہ اللہ (م685ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

{ قل إنما علمها عند الله } لم يطلع عليه ملكا ولا نبيا۔ (تفسير بیضاوی ج2ص253)

☼ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م911ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

{قل إنما علمها عند الله وما يدريك} يعلمک بہا ای انت لا تعلمہا۔
(تفسير جلالين ص 358)

☼امام علی بن محمد الخازن (م701ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

إن المشركين كانوا يسألون رسول الله (صلى الله عليه وسلم) , عن وقت قيام الساعة استعجالا على سبيل الهزء وكان اليهود يسألونه عن الساعة امتحانا , لأن الله تعالى عمى عليهم علم وقتها في التوراة فأمر الله تعالى نبيه (صلى الله عليه وسلم) أن يجيبهم بقوله (قل إنما علمها عند الله) يعني إن الله تعالى قد استأثر به ولم يطلع عليه نبيا ولا ملكا۔
(تفسير خازن ج3ص512)

آیت نمبر4:

ويقولون متى هذا الوعد إن كنتم صادقين (25) قل إنما العلم عند الله وإنما أنا نذير مبين۔ (سورة الملک 25-26)

☼ عمدۃ المفسرین حافظ عمادالدین ابن کثیر رحمہ اللہ (م774ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

{ قل إنما العلم عند الله } أي: لا يعلم وقت ذلك على التعيين إلا الله، عز وجل، لكنه أمرني أن أخبركم أن هذا كائن وواقع لا محالة فاحذروه۔ (تفسير ابن كثير ج6ص272)

☼علامہ ابن جریر طبری (م310ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

إنما علم الساعة، ومتى تقوم القيامة عند الله لا يعلم ذلك غيره۔ (جامع البیان عن تاويل القرآن:ج14ص12حصہ دوم)

☼ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ (م685ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

{ قل إنما العلم } اي علم وقته { عند الله } لا يطلع عليه غيره۔(تفسير بیضاوی ج2ص512)

☼امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ (م604ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

والمراد أن العلم بالوقوع غير العلم بوقت الوقوع ، فالعلم الأول حاصل عندي ، وهو كاف في الإنذار والتحذير۔
(تفسير كبير ج30ص66)

☼قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ (م 1225ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

إنما العلم أی العلم بوقته عند الله لا يعلم غيره ۔ (تفسیرمظہری ج10ص28)

آیت نمبر5:

قل إنما يوحى إلي أنما إلهكم إله واحد فهل أنتم مسلمون ، فإن تولوا فقل آذنتكم على سواء وإن أدري أقريب أم بعيد ما توعدون۔ (سورۃ الانبیاء: 108، 109)

☼علامہ علی بن محمد ابراہیم البغدادی المعروف بہ خازن (م701ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وإن أدري (أي وما أعلم) أقريب أم بعيد ما توعدون (يعني يوم القيامة لا يعلمه إلا الله)۔ (ج3ص297)

☼ علامہ عبداللہ بن احمد النسفی الحنفی (م 710ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ای لا ادری متی یکون یوم القیامۃ لان اللہ تعالی لم یطلعنی علیہ او لا ادری متی یحل بکم العذاب ان لم تؤمنوا۔

(تفسیر مدارک ج2ص103)

☼امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ (م911ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{ وإن } ما { أدري أقريب أم بعيد ما توعدون } من العذاب أو القيامة المشتملة عليه وإنما يعلمه الله۔ (تفسیر جلالین ص 278)

☼علامہ خطیب شربینی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{وإن} أي : وما {أدري أقريب} جدا بحيث يكون قربه على ما يتعارفونه {أم بعيد ما توعدون} من غلب المسلمين عليكم أو عذاب الله أو القيامة المشتملة عليه ، وإن ذلك كائن لا محالة ولا بد أن يلحقكم بذلك الذلة والصغار ، وإن كنت لا أدري متى يكون ذلك ؛ لأن الله تعالى لم يعلمني علمه ، ولم يطلعني عليه ، وإنما يعلمه الله تعالى۔ (تفسیر سراج منیر ج2ص532)

آیت نمبر6:

يسألونك عن الساعة أيان مرساها ۔ فيم أنت من ذكراها ۔ إلى ربك منتهاها ۔ إنما أنت منذر من يخشاها۔

(سورۃ النازعاتآیت42 تا44)

☼ آپ علیہ السلام قیامت کے وقت کےمتعلق دریافت فرماتے تھے اس پر آیت نازل ہوئی "فيم أنت من ذكراها " آپ کو اس کے ذکر سے کیا تعلق ؟ (تفسیر الدر المنثور:ج6ص 515)

☼ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (م744ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

أي: ليس علمها إليك ولا إلى أحد من الخلق، بل مردها ومرجعها إلى الله عز وجل، فهو الذي يعلم وقتها على التعيين۔۔۔۔ { إلى ربك منتهاها } ولهذا لما سأل جبريل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن وقت الساعة قال: ما المسئول عنها بأعلم من السائل. (تفسیر ابن کثیر ج6ص386)

☼علامہ علی بن محمد ابراہیم الخازن (م701ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(يسألونك (أي يا محمد) عن الساعة أيان مرساها (أي متى ظهورها وقيامها) فيم أنت من ذكراها (أي لست في شيء من علمها وذكراها حتى تهتم لها وتذكر وقتها) إلى ربك منتهاها (أي منتهى علمها لا يعلم متى تقوم الساعة إلا هو۔

(خازن ج4ص378)

☼امام حسین بن مسعود البغوی (م516ھ) اپنی تفسیر معالم التنزیل میں فرماتے ہیں:

{يسألونك عن الساعة أيان مرساها} متى ظهورہا و ثبوتہا {فيم أنت من ذكراها} لیست فی شئی من علمہا و ذکرہا ای لا تعلمہا۔ (معالم التنزیل المعروف بہ تفسیر بغوی ج4ص445)

☼علامہ عبیداللہ بن احمد النسفی الحنفی (م710ھ) اپنی تفسیر مدارک میں فرماتے ہیں:

{إلی ربك منتهاها } منتہی علمہا متی تکون لا یعلمہا غیرہ• (تفسیر مدراک ج2ص775)

☼امام فخرالدین الرازی (م604ھ) تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

{إلی ربك منتها هآ} أي منتهی علمها لم یؤته أحدا من خلقه• (تفسیر کبیر ج31ص48)

آیت نمبر7:

یسألونك عن الساعة أیان مرساها قل إنما علمها عند ربي لا یجلیها لوقتها إلا هو ثقلت في السموات والأرض لا تأتیكم إلا بغتة یسألونك كأنك حفي عنها قل إنما علمها عند الله ولكن أكثر الناس لا یعلمون• (سورۃ الاعراف 187)

☼ اس آیت مبارکہ کا شان نزول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکین مکہ نے سوال کیا کہ قیامت کب قائم ہوگی تو اس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ (در منثور: ص 275)

☼ امام ابن جریر طبری (م310ھ) اپنی کتاب تفسیر طبری میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

قال ابن عباس: لما سأل الناس محمدا صلی الله علیه وسلم عن الساعة، سألوه سؤال قوم كأنهم یرون أن محمدا حفي بهم، فأوحی الله إلیه: إنما علمها عنده، استأثر بعلمها، فلم یطلع علیها ملكا ولا رسولا. (تفسیر طبری ج6ص169)

☼ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (م604ھ) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

{قل إنما علمها عند ربي } أي لا یعلم الوقت الذي فیه یحصل قیام القیامة إلا الله سبحانه ونظیره قوله سبحانه : {إن الله عنده علم الساعة}(سورہ لقمان34)

وقوله : {وأن الساعة لاریب فیهآ}(سورہ الحج آیت7)

وقوله : {إن الساعة ءاتیة أكاد أخفیها}(سورہ طہ آیت15)

ولما سأل جبریل رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال : متی الساعة فقال علیه السلام : "لیس المسؤول عنها بأعلم من السائل• (تفسیر کبیر ج15ص66)

☼ علامہ علی بن محمد ابراہیم الخازن (م701ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

{یسألونك عن الساعة} یعني عن خبر القیامة.{أیان مرساها} ای متی وقوعها {قل} أي قل لهم یا محمد {إنما علمها عند ربي} أي لا یعلم الوقت الذي تقوم فیه إلا الله استأثر الله بعلمها فلم یطلع علیه أحدا {لا یجلیها لوقتها إلا هو ثقلت في السموات والأرض} یعني ثقل أمرها وخفي علمها علی أهل السموات والأرض فكل شيء خفي فهو ثقیل شدید {لا تأتیكم إلا بغتة} یعني فجأة علی حین غفلة من الخلق {یسألونك كانك حفي عنها قل} یعنی یا محمد {إنما علمها عند الله} یعني استأثر الله بعلمها فلا یعلم متی الساعة إلا الله عز وجل {ولكن أكثر الناس لا یعلمون} یعني لا یعملون أن علمها عند الله وأنه استأثر بعلم ذلك حتی لا یسألوا عنه. (تفسیر خازن ج2ص144،145)

☼علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (م774ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فهذا النبي الأمي سید الرسل وخاتمهم صلوات الله علیه وسلامه نبي الرحمة، ونبي التوبة، ونبي الملحمة، والعاقب والمقفي، والحاشر الذي تحشر الناس علی قدمیه، مع قوله فیما ثبت عنه في الصحیح من حدیث أنس وسهل بن سعد، رضي الله عنهما: "بعثت أنا والساعة كهاتین" وقرن بین إصبعیه السبابة والتي تلیها. ومع هذا كله، قد أمره الله تعالی أن یرد علم وقت الساعة إلیه إذا سئل عنها، فقال: { قل إنما علمها عند

اللہ ولکن أکثر الناس لا یعلمون }•
(تفسیر ابن کثیر ج3ص249)
☼امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ (م911ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{لا یجلیہا لوقتها إلا هو} یقول : لا یرسلها لوقتها إلا هو {ثقلت في السماوات والأرض} یقول : خفیت في السموات والأرض فلم یعلم قیامها متى تقوم ملك مقرب ولا نبي مرسل ! (درمنثور: ص 275)

آیت نمبر8:

إن الساعة آتیة أکاد أخفیها لتجزى کل نفس بما تسعى• (سورۃ طہ 15)

☼ علامہ ابن جریری طبری رحمہ اللہ (م310ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یقول تعالى ذکره: إن الساعة التي یبعث الله فیها الخلائق من قبورهم لموقف القیامة جائیة(أکاد أخفیها) فعلى ضم الألف من أخفیها قراءة جمیع قراء أمصار الإسلام، بمعنى: أکاد أخفیها من نفسي، لئلا یطلع علیها أحد، وبذلك جاء تأویل أکثر أهل العلم. (تفسیر طبری ج9ص164)
پھر آخرمیں اس تفسیر کی مزید تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وإنما اخترنا هذا القول على غیره من الأقوال لموافقة أقوال أهل العلم من الصحابة والتابعین، إذ کنا لا نستجیز الخلاف علیهم، فیما استفاض القول به منهم، وجاء عنهم مجیئا یقطع العذر• (ج9ص167)

☼ امام جلا ل الدین سیوطی رحمہ اللہ (م911ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قال لیس من اہل السماوات و الارض احد الا قد اخفی اللہ عنہ علم الساعۃ• (درمنثور ج4ص525)

☼ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (م774ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

هذا کقوله تعالى: { قل لا یعلم من في السماوات والأرض الغیب إلا الله وما یشعرون أیان یبعثون } وقال: { ثقلت في السماوات والأرض لا تأتیکم إلا بغتة } أي: ثقل علمها على أهل السموات والأرض. (تفسیر ابن کثیر ج4ص312)

☼ امام بغوی رحمہ اللہ (م516ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وأکثر المفسرین قالوا: معناه: أکاد أخفیها من نفسي، وکذلك في مصحف أبي بن کعب، وعبد الله بن مسعود: أکاد أخفیها من نفسي فکیف یعلمها مخلوق. وفي بعض القراءات: فکیف أظهرها لکم. وذکر ذلك على عادة العرب إذا بالغوا في کتمان الشيء یقولون: کتمت سرك من نفسي، أي: أخفیته غایة الإخفاء، والله عز اسمه لا یخفى علیه شيء. (تفسیر بغوی ج3ص214)

☼ علامہ علی بن محمد الخازن رحمہ اللہ (م701ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

إن الساعة آتیة أکاد أخفیها (قال أکثر المفسرین : معناه أکاد أخفیها من نفسي فکیف یعلمها مخلوق وکیف أظهرها لکم , ذکر ذلك على عادة العرب إذا بالغوا في الکتمان للشيء یقولون کتمت سرك في نفسي , أي أخفیته غایة الإخفاء , والله تعالى لا یخفى علیه شيء. (تفسیر خازن ج3ص251)

آیت نمبر9:

إلیه یرد علم الساعة وما تخرج من ثمرات من أکمامها وما تحمل من أنثى ولا تضع إلا بعلمه• (فصلت: 47)

☼امام فخر الدین رحمہ اللہ(م604ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وکأن سائلا قال ومتى یکون ذلك الیوم؟ فقال تعالى إنه لا سبیل للخلق إلى معرفة ذلك الیوم ولا یعلمه إلا الله فقال : {إلیه یرد علم الساعة } وهذه الکلمة تفید الحصر أي لا یعلم وقت الساعة بعینه إلا الله ، وکما أن

هذا العلم لیس إلا عند الله فكذلك العلم بحدوث الحوادث المستقبلة في أوقاتها المعینة لیس إلا عند الله سبحانه وتعالى ، ثم ذكر من أمثلة هذا الباب مثالین أحدهما : قوله {وما تخرج من ثمرات من أكمامها} والثاني : قوله {وما تحمل من أنثى ولا تضع إلا بعلمه }

(تفسیر کبیر ج27ص117)

☼ علامہ علی بن محمد الخازن (م701ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(إلیه یرد علم الساعة (یعني إذا سأل عنها سائل قیل له لا یعلم وقت قیام الساعة إلا الله تعالى•

(تفسیر خازن ج4ص94)

☼ علامہ نسفی رحمہ اللہ (م 710ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ای علم قیامہا یرد الیہ ای یجب علی المسئول ان یقول: اللہ یعلم ذلک• (تفسیر مدارک ج2ص501)

☼ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

{ إلیه یرد علم الساعة } أي: لا یعلم ذلك أحد سواه، كما قال صلى الله علیه وسلم، وهو سید البشر لجبریل وهو من سادات الملائكة -حین سأله عن الساعة، فقال: "ما المسئول عنها بأعلم من السائل"، وكما قال تعالى: { إلى ربك منتهاها } ، وقال { لا یجلیها لوقتها إلا هو }• (تفسیر ابن کثیر ج5ص485)

☼ قاضی بیضاوی رحمہ ا للہ (م685ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

{ إلیه یرد علم الساعة } یعنی اذا سال عنہا اذ لا یعلمہا الا ہو• (تفسیر بیضاوی ج2ص356 بیروت)

اہل بدعت کے چند اشکالات کے جوابات:

اشکال نمبر1:

ذاتی اور عطائی کا فرق

جواب:

حالانکہ ذمہ دار مفسرین سے یہ بات نقل ہو کر آتی ہے کہ ”لم یطلعنی علیہ“ اور ” لم یطلع علیہ ملکا مقربا ولا نبیا مرسلا“، تو یہ عطائی کا بھی انکار ہے ۔

پیر مہر علی شاہ صاحب لکھتے ہیں: یہ جو لکھا ہے کہ قیامت سات ہزار سال سے پہلے نہیں آسکتی میں کہتا ہوں یہ سات ہزار کی تحدید جو ایک نے (مرزا صاحب) لگائی ہے یہ منافی ہے -” لا یجلیها لوقتها إلا هو “ کے اور ان احادیث کے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لاعلمی بیان فرمائی ہے - (شمس الہدایہ ص 66)

معلوم ہوا کہ یہ ڈھکو سلہ نہیں چلے گا کہ ذاتی اور عطائی کا فرق ہے ۔

اشکال نمبر2:

بعض لوگ یہ اشکال کرتے ہیں کہ یہ تو معلوم ہوگیا کہ خدا کو معلوم ہے مگر یہ تو کہیں نہیں آیا کہ علم قیامت کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا؟

جواب:

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سرخ رنگ کے خیمہ میں تشریف فرماتھے ایک شخص گھوڑی پر سوار ہو کر آیا اور دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا میں خدا تعالیٰ کا رسول ہوں اس نے دریافت کیا قیامت کب آئےگی؟ آپ نے فرمایا یہ غیب کی بات ہے اور اللہ کےبغیر اسے کوئی نہیں جانتا۔ (درمنثور ج5ص170)

تو اب بتائیے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب خود ہی ارشاد فرمائیں پھر کیا ماننے کےلیے آپ تیار ہیں؟

اشکال نمبر 3:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا ذکر فرمارہے تھے تو آپ نے صحابہ سے پوچھا یہ

کون سا دن ہے تو انہوں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے ۔ تو اس معلوم ہوا کہ صحابہ کو پتہ تھا کہ قیامت کے وقت مقررہ کا آپ کو پتا ہے۔

جواب:

یہ واقعات آپ نے قیام ساعت مقررہ کے بعد کے بیان کیے ہیں ، مقررہ وقت کی بات نہیں کی صرف یہ ہی پوچھا کہ کون سا دن ہو گا صحابہ کرام نے ادب سے کہا باقی آپ نے خود ہی بتاررکھا ہے کہ جمعہ کا دن ہوگا ۔ مگر یہ تو کسی کو معلوم نہیں وہ جمعہ کس سال کا ہوگا یہ کب آئے گا وغیرہا۔ اس روایت سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ آپ کو مقررہ وقت کا پتہ ہے یہ بالکل غلط ہے۔

اشکال نمبر 4:

سب نشانیاں تو بتادیں پھر وقت مقررہ کیوں نہیں پتہ ہوگا ؟

جواب:

سب نشانیاں تو ارشاد فر دیں مگر وقت مقررہ ان نشانیوں کا آپ کو بھی معلوم نہیں کیونکہ مشکوٰۃ ج2ص472پر روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا : ایہما ما کنت قبل صاحبتہا فالاخری علی اثرہا۔ یعنی طلوع آفتاب اور دابۃ الارض ان میں سے پہلی جو ظاہر ہوگی تو دوسری اس کے بعد ظاہر ہوجائیگی۔ باقی قیامت کا مقررہ وقت مقررہ لمحہ وہ کسی کے علم میں نہیں سوائے خدا تعالیٰ کے۔

آیت نمبر10:

إن الله عنده علم الساعة وينزل الغيث ويعلم ما في الأرحام وما تدري نفس ماذا تكسب غدا وما تدري نفس بأي أرض تموت إن الله عليم خبير۔ (سورۃ لقمان :34)

☼ علامہ علی بن محمد بن ابراہیم الخازن (م 701ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قال ابن عباس : هذه الخمسة لا يعلمها ملك مقرب ولا نبي مصطفى فمن ادعى أنه يعلم شيئا من هذه الأمور فإنه كفر بالقرآن لأنه خالفه۔ (تفسیر خازن ج3ص475)

☼ امام عبداللہ بن احمد النسفی رحمہ اللہ (م710ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وعن ابن عباس رضي الله عنهما: من ادعى علم هذه الخمسة فقد كذب. ورأى المنصور في منامه صورة ملك الموت وسأله عن مدة عمره فأشار بأصابعه الخمس فعبرها المعبرون بخمس سنوات وبخمسة أشهر وبخمسة أيام فقال أبو حنيفة رضي الله عنه: هو إشارة إلى هذه الآية، فإن هذه العلوم الخمسة لا يعلمها إلا الله {إن الله عليم} بالغيوب {خبير} بما كان ويكون.

(تفسیر مدارک ج2ص324)

☼ امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ (م 911ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال لم يعم على نبيكم صلى الله عليه وسلم إلا الخمس من سرائر الغيب هذه الآية في آخر لقمان إلى آخر السورة۔ (تفسیر درمنثور ج5ص326)

☼ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م911ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{ إن الله عنده علم الساعة } متى تقوم { وينزل } بالتخفيف والتشديد { الغيث } بوقت يعلمه { ويعلم ما في الأرحام } أذكر أم أنثى ولا يعلم واحدا من الثلاثة غير الله تعالى { وما تدري نفس ماذا تكسب غدا } من خير أو شر ويعلمه الله تعالى { وما تدري نفس بأي أرض تموت } ويعلمه الله تعالى { إن الله عليم } بكل شيء { خبير } بباطنه كظاهره۔ (تفسیر جلالین ص348)

☼ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (م774ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قال قتادة: أشياء استأثر الله بهن، فلم يطلع عليهن ملكا مقربا، ولا نبيا مرسلا { إن الله عنده علم الساعة } ، فلا يدري أحد من الناس متى تقوم الساعة، في أي سنة أو في أي شهر، أو ليل أو نهار، { وينزل الغيث } ، فلا يعلم أحد متى ينزل الغيث، ليلا أو نهارا، { ويعلم ما في الأرحام } ، فلا يعلم أحد ما في الأرحام، أذكر أم أنثى، أحمر أو أسود، وما هو، { وما تدري نفس ماذا تكسب غدا } ، أخير أم شر، ولا تدري يا ابن آدم متى تموت؟ لعلك الميت غدا، لعلك المصاب غدا، { وما تدري نفس بأي أرض تموت } ليس أحد من الناس يدري أين مضجعه من الأرض، أفي بحر أم بر، أو سهل أو جبل؟ (تفسير ابن کثیر ص124)

اشکال نمبر 1:

تفاسیر میں ہے: من ادعی انہ یعلم شیا من هذه فقد کفره بالقرآن العظیم لانہ خالفہ۔ (تفسیر خازن ج5ص183)

حالانکہ بعض روایات دال ہیں ان جزئیات کو مخلوق جانتی ہیں۔

جواب:

''شیئا من هذه'' کا مطلب یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں میں سے کسی ایک چیز کا دعویٰ کرے کہ کہ مجھے یا کسی اور کو بجز خدا تعالیٰ کے اس کا کلی طور پر علم ہے تو وہ کافر بالقرآن ہے۔

اشکا ل نمبر 2:

بعض صلحاء کی باتوں اور آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء کرام وغیرہم کو بھی بعض ان میں سے جزئیات کا علم ہے مگر روایات میں یوں بھی ہے ان پانچ باتوں کو خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا

جواب:

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وفي شرح المناوي الكبير للجامع الصغير في الكلام على حديث بريدة السابق خمس لا يعلمهن إلا الله على وجه الإحاطة والشمول كليا وجزئيا فلا ينافيه إطلاع الله تعالى بعض خواصه على بعض المغيبات حتى من هذه الخمس لأنها جزئيات معدودة۔ (تفسیر روح المعانی ج21ص100)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فإن قلت قد أخبر الأنبياء والأولياء بشيء كثير من ذلك فكيف الحصر قلت الحصر باعتبار كلياتها دون جزئياتها۔

(مرقات: ج1ص66)

آیت نمبر 11:

وما يعلم جنود ربك إلا هو ۔ (سورۃ مدثر آیت31)

☼ علامہ بغوی رحمہ اللہ اس آیت کی تفصیل میں فرماتے ہیں:

(وما يعلم جنود ربك إلا هو) قال مقاتل: هذا جواب أبي جهل حين قال: أما لمحمد أعوان إلا تسعة عشر؟ قال عطاء: { وما يعلم جنود ربك إلا هو } يعني من الملائكة الذين خلقهم لتعذيب أهل النار، لا يعلم عدتهم إلا الله، والمعنى إن تسعة عشر هم خزنة النار، ولهم من الأعوان والجنود من الملائكة ما لا يعلم إلا الله عز وجل۔ (تفسیر بغوی ج4ص417)

☼ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ (م774ھ) اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(وما يعلم جنود ربك إلا هو) ای ما یعلم عددہم و کثرتہم الا ہو تعالیٰ۔ (تفسیر ابن کثیر ج6ص345)

☼علامہ عبداللہ احمد النسفی رحمہ اللہ (م710ھ) اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(وما یعلم جنود ربك إلا هو) لفرط كثرتها(إلا هو) فلا یعز علیه تتمیم الخزنة عشرین و لكن فی هذا العدد الخاص حكمة لا تعلمونها۔ (تفسیر المدارک: ج2ص749)

☼امام فخرالدین رحمہ اللہ (م604ھ) اس آیت کی تفسیر میں چند وجوہ لکھی ہیں جن میں سے پہلی وجہ جوان کے نزدیک راجح ہے وہ یہ ہے کہ:

أن القوم استقبلوا ذلك العدد ، فقال تعالى : {وما یعلم جنود ربك إلا هو } فهب أن هؤلاء تسعة عشر إلا أن لكل واحد منهم من الأعوان والجنود ما لا یعلم عددهم إلا الله۔ (تفسیر كبیر ج30ص183)

گھر کی گواہی:

مدعیان علم جمیع ماکان ومایکون کے راس ورئیس مولوی احمد رضا خان فاضل بریلوی کی زبانی :

زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک پچاس ہزار برس کی راہ ہے اس سے آگے مستوی اس کے بعد اللہ جانے ۔اس سے آگے عرش کے ستر ہزار حجاب ہیں ہرحجاب سے دوسرے حجاب تک پانچ سو برس کا فاصلہ اور اس سے آگے عرش اور ان تمام وسعتوں میں فرشتے بھرے ہیں حدیث پاک میں ہے آسمان چار انگل جگہ نہیں جہاں فرشتے نے سجدے میں پیشانی نہ رکھی ہو فرمائیے کس قدر فرشتے ہیں "وما یعلم جنود ربک الا ھو" اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (ملفوظات حصہ چہارم ص 340)

آیت نمبر12:

فلا تعلم نفس ما أخفي لهم من قرة أعين جزاء بما كانوا یعملون۔ (الم سجدہ آیت17)

☼امام بخاری رحمہ اللہ (م256ھ) اس آیت کی تشریح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارکہ نقل کی ہے:

یقول الله تعالى أعددت لعبادي الصالحین ما لا عین رأت ولا أذن سمعت ولا خطر على قلب بشر ذخرا من بله ما أطلعتم علیه ثم قرأ { فلا تعلم نفس ما أخفي لهم من قرة أعین جزاء بما كانوا یعملون }۔ (صحیح البخاری: کتاب التفسیر ج2ص704)

☼علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ(متوفیٰ 774ھ) نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کتاب مسند احمد سے نقل کیاہے:

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

شهدت من رسول الله صلى الله علیه وسلم مجلسا وصف فیه الجنة، حتى انتهى، ثم قال في آخر حدیثه: "فیها ما لا عین رأت، ولا أذن سمعت، ولا خطر على قلب بشر"، ثم قرأ هذه الآیة: { تتجافى جنوبهم عن المضاجع ، إلى قوله: { یعملون } .

(تفسیر ابن کثیر ج5ص134)

☼ امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ (متوفیٰ911ھ)نے اس آیت کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

انه لمكتوب في التوراة (لقد أعد الله للذین تتجافى جنوبهم عن المضاجع ما لم تر عین ولم تسمع أذن ولم یخطر على قلب بشر ولا یعلم ملك مقرب ولا نبي مرسل وانه لفي القرآن ! < فلا تعلم نفس ما أخفي لهم من قرة أعین >

(تفسیر الدر المنثور: ج5ص339)

☼ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (متوفیٰ911ھ) نے حضرت عبد اللہ بن عباس کی تفسیر نقل کی ہے:

قال کان عرش اللہ علی الماء فاتخذ جنۃ لنفسہ ثم اتخذ دونہا أخری ثم أطبقہما لؤلؤۃ واحدۃ ثم قال : ومن دونہما جنتان لم یعلم الخلق ما فیہما وہي التي قال اللہ ! {فلا تعلم نفس ما أخفي لہم من قرۃ أعین جزاء بما کانوا یعملون}۔

(در منثور ج5ص338)

☼ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ متوفیٰ685ھ نے اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے:

{فلا تعلم نفس} لا ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ (تفسیر انوار التنزیل ص 235)

آیت نمبر13:

یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا أجبتم قالوا لا علم لنا إنك أنت علام الغیوب۔ (سورہ مائدہ آیت109)

سوال:

حضرات انبیاء کرام کو اپنی امتوں کے جواب کا فی الجملہ علم ضرور ہے تو پھر اللہ پاک کے سامنے انہوں مطلقاً علم کی نفی کیوں کر دی۔

جواب:

اس کی چند توجیہیں ہیں اور چونکہ ان میں سے اکثر میں تعارض نہیں ہے اس لیے ہو سکتا ہے سب اپنی جگہ درست ہوں ایک قول جس کو امام خازن رحمہ اللہ اور امام رازی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے:

معناہ لا علم لنا کعلمك فیہم لأنك تعلم ما أضمروا وما أظہروا ونحن لا نعلم إلا ما أظہروا فعلمك فیہم أنفذ من علمنا وأبلغ. (تفسیر خازن ج1ص537)

☼امام رازی رحمہ اللہ اس قول کے نقل کرکے فرماتے ہیں: ہو الاصح وہو الذی اختارہ ابن عباس۔ (تفسیر کبیر ج11ص102)

☼ علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (م310ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

یقولون للرب عز وجل: لا علم لنا، إلا علم أنت أعلم بہ مناء (تفسیر طبری ج5ص154)

☼ اور علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں:

رواہ ابن جریر. ثم اختارہ علی ہذہ الأقوال الثلاثۃ (1) ولا شك أنہ قول حسن، وہو من باب التأدب مع الرب، عز وجل، أي: لا علم لنا بالنسبۃ إلی علمك المحیط بکل شيء، فنحن وإن کنا قد أجبنا وعرفنا من أجابنا، ولکن منہم من کنا إنما نطلع علی ظاہرہ، لا علم لنا بباطنہ، وأنت العلیم بکل شيء، المطلع علی کل شيء. فعلمنا بالنسبۃ إلی علمك کلا علم، فإنك { أنت علام الغیوب }۔ (تفسیر ابن کثیر ج2ص643)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کےدور میں اقوال میں صرف اجمال وتفصیل کا فرق ہے۔

☼ علامہ خطیب شربینی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے:

{قالوا لا علم لنا} أي : لا علم لنا بما أنت تعلمہ {إنك أنت علام الغیوب} فتعلم ما أجابونا وأظہروا لنا وما لم نعلم مما أضمروا في قلوبہم۔ (تفسیر سراج منیر ج1ص402)

☼ علامہ نسفی حنفی رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا:

{قالوا لا علم لنا} باخلاص قولنا ودلیلہ{ إنك أنت علام الغیوب}۔ (مدارک التنزیل ج1ص350)

آیت نمبر14:

وللہ غیب السموات والأرض وما أمر الساعۃ إلاکلمح البصر أو ہو أقرب إن اللہ علی کل شيء قدیر۔

(سورۃ نمل:77)

☼ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (م604ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

{ولله غيب السموات والأرض} يفيد الحصر معناه ان العلم بهذه الغيوب ليس الا للہ تعالی۔ (تفسیر کبیر ج20ص71)

☼ علامہ نسفی حنفی رحمہ اللہ مدارک التنزیل میں فرماتے ہیں:

{ ولله غيب السموات والأرض } اى يختص بہ علم ما غاب فيهما عن العباد و خفى عليهم علمہ او اراد بغيب السماوات و الارض يوم ا لقيامۃ على ان علمہ غائب عن اہل السماوات و الارض لم يطلع عليہ احد منہم۔(تفسیر مدارک ج1ص690)

☼ علامہ علی بن محمد الخازن رحمہ اللہ نے اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

(أخبر الله عز وجل في الآية عن كمال علمه , وأنه عالم بجميع الغيوب , فلا تخفى عليه خافية ولا يخفى عليه شيء منها , وقيل الغيب هنا هو علم قيام الساعة۔ (تفسیر خازن ج3ص136)

☼ قاضی بیضاوی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

{ ولله غيب السموات والأرض } يختص به علمه لا بعلمه غيره وهو ما غاب فيهما عن العباد بأن لم يكن محسوسا ولم يدل عليه محسوس وقيل يوم القيامة فإن علمه غائب عن أهل السموات والأرض۔ (تفسیر بیضاوی ص 685)

☼ علامہ خطیب شربینی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

{ولله} أي : لا لغيره {غيب السموات والأرض} وهو ما غاب فيهما عن العباد بأن لم يكن محسوسا و لم يدل عليه محسوس ، وقيل : الغيب هنا هو قيام الساعة فإن علمه غائب عن أهل السموات و الأرض۔ (تفسیر سراج منیر ج2ص250)

آیت نمبر15:

قل لا أملك لنفسي نفعا ولا ضرا إلا ما شاء الله ولو كنت أعلم الغيب لاستكثرت من الخير وما مسني السوء إن أنا إلا نذير وبشير لقوم يؤمنون۔ (سورۃ الاعراف:188)

☼علامہ بغوی رحمہ اللہ نے آیت مذکورہ کا شان نزول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا ہے:

إن أهل مكة قالوا: يا محمد، ألا يخبرك ربك بالسعر الرخيص قبل أن يغلو فتشتريه وتربح فيه عند الغلاء؟ وبالأرض التي يريد أن تجذب فترتحل منها إلى ما قد أخصبت؟ فأنزل الله تعالى "قل لا أملك لنفسي نفعا۔ (تفسیر بغوی ج2ص220)

☼علامہ عمادالدین ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(ولو كنت أعلم الغيب لاستكثرت من الخير) أي: من المال. وفي رواية: لعلمت إذا اشتريت شيئا ما أربح فيه، فلا أبيع شيئا إلا ربحت فيه، وما مسني السوء، قال: ولا يصيبني الفقر. (تفسیر ابن کثیر ج3ص249)

☼امام بغوی رحمہ اللہ (م510ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

أي: لو كنت أعلم الخصب والجدب لاستكثرت من الخير، أي: من المال لسنة القحط { وما مسني السوء } أي: الضر والفقر والجوع. (تفسیر بغوی ج2ص220)

☼قاضی بیضاوی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

ولو كنت أعلمه لخالفت حالي ما هو عليه من استكثار المنافع واجتناب المضار حتى لا يمسني سوء۔ (تفسیر بیضاوی:ج1ص370)

☼ علامہ معین بن صفی اپنی تفسیر جامع البیان میں آیت کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں:

{ولو كنت أعلم الغيب لاستكثرت من الخير وما مسني السوء} ای لکانت حالی من استکثار الخیر و استغرار المنافع و اجتناب السوء علی خلاف ما ہی علیہ فلم اکن غالبا مرۃ و مغلوبا باخری و رابحا و خاسرا فی التجارۃ• (جامع البیان ص 144)

اہلِ بدعت کے چند اشکالات کے جوابات:

اشکال نمبر1:

چونکہ قرآن نے کہا کہ ''اگر علم غیب دان ہوتا تو میں خیریں حاصل کر لیتا''، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو''خیر کثیر'' عطا کی گئی کیونکہ بقول قرآن کریم''ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا'' جس کو حکمت عطا کی گئی تو اسے بہت ساری خیریں دی گئیں ہیں۔

اور مصیبت سے بھی رب نے بچایا ''واللہ یعصمک من الناس''معلوم ہوا کہ علم غیب تھا جبھی یہ سب کچھ ملا ۔

جواب:

اس آیت میں ''خیر'' سے مراد تجارت کا نفع ، مال وغیرہ ہے اور سوء سے مراد فقر، تجارت میں نقصان کا ہونا ہے یہ مراد ہے اور آپ کی پیش کردہ آیات میں خیر سے مراد علم وحکمت اور عصمت من الناس سے مراد جان سے مارنا ہے۔

اشکال نمبر2:

آپ تو رحمۃ اللعالمین ہیں پھر آپ کو تکلیف ہو تو یہ زحمت ورحمت کا اجتماع کیسے ممکن ہوا ؟

جواب:

آپ علیہ السلام چہرہ مبارک زخمی ہونا ، دانت مبارک کا شہید ہونا ، زہر خورانی کا واقعہ پیش آنا ، آپ علیہ السلام کا سواری سے گر پڑنا ٹانگ مبارک کا زخمی ہوجانا حتی کہ آپ نے نماز بھی بیٹھ کر پڑھائی ۔ (صحیح البخاری جلد1ص96)

کا انکار کرنا ایک کھلی ہوئی جہالت ہے ۔ ''رحمۃ للعلمین '' یہ ''ارسلناک '' کامفعول لہ جس کا معنی یہ ہے آپ کو اس لیے بھیجا کہ آپ کے ذریعے سے تمام جہانوں پر رحمت فرمائے ۔ یہ رحمت خدا کی صفت ہے اور تکالیف ومصائب تو آپ کی ذات پر آئے تو اجتماع نقیضین کیسے ہوا؟!!

اشکال نمبر3:

''الخیر'' سے مراد اطاعت خداوندی ، سخاوت ، عمل صالح مراد ہیں اور السوء سے مراد بدکاری برے کام مراد ہیں۔ تو خیر پر آپ کا عمل تھا اور سوء سے آپ محفوظ ومعصوم تھے تو جب یہ چیزیں آپ کےپاس نہیں تھیں یعنی خیر پر عمل اور شر سے بچنا تو لامحالہ علم غیب تو ہوا ۔

جواب:

اس آیت میں ''الخیر '' سے مراد اور ''السوء ''سے مراد دینی طور پر خیر اور سوی ہر گز نہیں بلکہ الخیر سے یہاں مال فتح اور نفع وغیرہ ہے اور السوء سے فقر وشکست اور خسارہ وغیرہ ہے۔

آیت نمبر16:

ويسألونك عن الروح قل الروح من أمر ربي وما أوتيتم من العلم إلا قليلا• (پارہ نمبر 15بنی اسرائیل آیت85)

☼ علامہ عمادالدین بن کثیر رحمہ اللہ (م744ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقوله: { قل الروح من أمر ربي } أي: من شأنه، ومما استأثر بعلمه دونكم، ولهذا قال: { وما أوتيتم من

العلم إلا قليلا} أي: وما أطلعكم من علمه إلا على القليل، فإنه لا يحيط أحد بشيء من علمه إلا بما شاء تبارك وتعالى.
(تفسیر ابن کثیر ج4ص179)

☼ علامہ علی بن محمد ابراہیم الخازن رحمہ اللہ (م701ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

وأولى الأقاويل أن يوكل علمه إلى الله عز وجل هو قول أهل السنة قال عبد الله بن بريدة : إن الله لم يطلع على الروح ملكا مقربا ولا نبيا مرسلا بدليل قوله : قل الروح من أمر ربي أي من علم ربي الذي استؤثر به) • (تفسیر خازن ج3ص190)

☼ علامہ نسفی حنفی رحمہ اللہ م710ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{ويسئلونك عن الروح قل الروح من أمر ربى} أي من أمر يعلمه ربي، الجمهور على أنه الروح الذي في الحيوان، سألوه عن حقيقته فأخبر أنه من أمر الله أي مما استأثر بعلمه. وعن أبي هريرة: لقد مضى النبي صلى الله عليه وسلم وما يعلم الروح، وقد عجزت الأوائل عن إدراك ماهيته بعد إنفاق الأعمار الطويلة على الخوض فيه. والحكمة في ذلك تعجيز العقل عن إدراك معرفة مخلوق مجاور له ليدل على أنه عن إدراك خالقه أعجز • (تفسیر مدارک ج1ص726)

☼ اکابر صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ عوارف المعارف کے حوالہ سے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

أنه قال الروح استأثر الله تعالى بعلمه ولم يطلع عليه أحدا من خلقه • (فتح الباری ج8ص531)

☼علامہ معین بن صفی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{قل الروح من أمر ربي} مما استاثر به • (تفسیر جامع البیان ص 235)

آیت نمبر17:

ومن أهل المدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم • (سورۃ التوبۃ: 101)

☼علامہ علی بن محمد خازن رحمہ اللہ (م201ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لا تعلمهم (يعني أنهم بلغوا في النفاق إلى حيث أنك لا تعلمهم يا محمد مع صفاء خاطرك واطلاعك على الأسرار)
(تفسیر خازن ج2ص276)

☼ علامہ نسفی رحمہ اللہ (م710ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{لا تعلمهم} أي يخفون عليك مع فطنتك وصدق فراستك لفرط تنوقهم في تحامي ما يشككك في أمرهم. ثم قال {نحن نعلمهم} أي لا يعلمهم إلا الله ولا يطلع على سرهم غيره، لأنهم يبطنون الكفر في سويداء قلوبهم ويبرزون لك ظاهرا كظاهر المخلصين من المؤمنين • (تفسیر مدارک ج2 ص 516)

☼ قاضی بیضاوی رحمہ ا للہ (م685ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

{ لا تعلمهم } لا تعرفهم بأعيانهم { نحن نعلمهم } ونطلع على أسرارهم إن قدروا أن يلبسوا عليك لم يقدروا أن يلبسوا علينا • (تفسیر بیضاوی ج1ص419)

☼قریب قریب یہی مطلب علامہ معین بن حنفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ (دیکھیے:تفسیر جامع البیان ص 164)

☼ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمہ اللہ (م1230ھ) اس آیت کی تحت فرماتے ہیں:

”(ترجمہ) اور بعضے مدینہ والے اڑرہے ہیں نفاق پر آپ ان کو نہیں جانتے ہم کو معلوم ہے ۔

(تشریح) اس آیت میں مدینہ کے بعض نہایت گہرے منافقین کے متعلق فرمایا گیاہے کہ ان کی منافقت اتنی گہری ہے کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ان کا پتہ نہیں بس ہم ہی ان کو جانتے ہیں۔" (موضح القرآن: ص 262)

معلوم ہوا کہ جمیع ماکان ومایکون کا دعوی اور علم غیب کلی کا دعوی ٹوٹ گیا ۔

اہل بدعت کے چند اشکالات کے جوابات:

اشکال نمبر1:

جیسے کوئی دوست کے مقابلے میں اس کے دشمن کو ضروری سزا دینی ہوتو دوست کی طرف مخاطب ہوکر اور دشمن کی طرف تہدیدی نظراٹھا کر کہاجاتا ہے کہ تو نہیں جانتا یہ منکر بڑا بے ایمان ہے میں جانتا ہوں۔۔۔الخ

جواب:

یہ قرآن پاک کی تحریف ہے تفسیر نہیں کیونکہ ذمہ دار مفسرین نے بات ہمارے حق میں لکھی ہے بریلوی حضرات کے حق میں بات نہی کی ۔ مفسیرین تو لکھ رہے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کانفاق اور ان کاباطن معلوم نہ تھا جب کہ رضا خانی تفسیرہی جدا ہے۔

اشکال نمبر2:

منافقین کے متعلق قرآن کہتا ہے "فتری الذین في قلوبهم مرض" کہ آپ ان کے دلوں کو نہیں دیکھتے ۔

جواب:

"الذین" یہ "فتری" کا مفعول ہے "فی قلوبہم" مفعول نہیں ۔ اب معنی یہ ہیں کہ آپ ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کے دلوں میں مرض ہے ۔ دلوں میں دیکھنے والی تو بات ہی نہیں ہے۔

اشکال نمبر3:

"ولتعرفنہم فی لحن القول" سے یہ آیت منسوخ ہے یعنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کی باتوں کو پہچان لیتے ہیں۔ اس آیت نے آ کر تمہاری دلیل کو منسوخ کر دیا ۔

جواب:

اولاً...... ہماری پیش کردہ آیت آخر میں نازل ہوئی اور آپ کی پیش کردہ آیت پہلے نازل ہوئی تو یہ مقدم ناسخ کیسے بن سکتی ہے۔

ثانیاً...... تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ ان میں منافات نہیں ہے، ا س لیے کہ سورت محمد کی آیت میں پہچان سے مراد ان کے چہروں، علامات اور بات کے انداز سے پہچاننا ہے یہ مطلب نہیں کہ آپ تمام منافقین اور مشکوک لوگوں کو علی وجہ التعیین جانتے ہیں۔

اشکال نمبر4:

سیدنا عبد اللہ بن عباس اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایتیں ہیں کہ آپ علیہ السلام نے منافقوں کا نام لے کر مسجد نبوی سے نکال دیا تھا۔

جواب:

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بات عقائد کی ہے اس میں خبر واحد نہیں چل سکتیں بلکہ متواتر روایت چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان روایات کو صحیح بھی مان لیا جائے تو مدعا فریق مخالف کا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان سے تو صرف اتنا ثابت ہو رہا ہے کہ 36 منافقین تھے، اس سے یہ تو ثابت نہیں ہو رہا کہ اس کے علاوہ کوئی اور منافق نہ تھے۔ خطبہ جمعہ کے موقع پر مسجد سے 36 آدمیوں کو نکال دینے سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ مدینہ طیبہ میں اور منافق تھا ہی نہیں، کیا یہ بھی ضروری ہے کہ سارے منافق مسجد میں تھے؟!

تیسری بات یہ ہے کہ یہ روایات جرح سے خالی نہیں جیسا کہ عاقل پر مخفی نہیں، یہ دونوں روایتیں متکلم فیہا ہیں۔ تفصیل کے لیے ازالۃ الریب لامام اہل السنۃ والجماعۃ شیخ الحدیث مولانا

سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ (ص313 تا ص320) کا مطالعہ فرمائیں۔

آیت نمبر18:

عفا الله عنك لم أذنت لهم حتى يتبين لك الذين صدقوا وتعلم الكاذبين• (سورۃ التوبۃ:43)

☼علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م911ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وكان صلى الله عليه و سلم أذن لجماعة في التخلف باجتهاد منه فنزل عتابا له وقدم العفو تطمينا لقلبه { عفا الله عنك لم أذنت لهم } في التخلف وهلا تركتهم { حتى يتبين لك الذين صدقوا } في العذر { وتعلم الكاذبين } فيه• (تفسیر جلالین ص160)

☼علامہ ابو السعود رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قيل لم سارعت إلى الإذن لهم وهلا تأنيت حتى ينجلي الأمر كما هو قضية الحزم• (تفسیر ابو السعود ج5ص133)

☼ علامہ نسفی رحمہ اللہ 710ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ومعناه مالك أذنت لهم في القعود عن الغزو حين استأذنوك واعتلوا لك بعللهم وهلا استأنيت بالإذن! • (تفسیر مدارک ج1ص499)

☼ علامہ بغوی رحمہ اللہ (م516ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

قال ابن عباس رضي الله عنه: لم يكن رسول الله صلى الله عليه وسلم يعرف المنافقين يومئذ. (تفسیر بغوی ج2ص297)

یہ آیت سن 9ھ کی ہے کیونکہ غزوہ تبوک اسی سن9ھ میں پیش آیا۔

غزوہ تبوک پر آپ جب جانے لگے تو منافقین نے دیکھا کہ فصل کی کٹائی کا وقت بھی آگیا اور موسم بھی بڑا گرم ہے اور لڑائی مسلح فوجوں سے ہوگئی تو انہوں نے بہانے بنانے اور اجازت مانگنے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ان کے بہانوں میں صادق تصور فرمانے لگے اور اجازت عطا فرمادی تو یہ ایک گونہ عتاب تھا مگر نہایت پیارے الفاظ میں کہ آپ نے ان کے اعذار کے سچ یاجھوٹ واضح ہونے سے پہلے رخصت کیوں دی۔

اشکال:

آپ علیہ السلام نے تو ان کی پردہ پوشی فرمائی تھی ان کو رسوا نہ کیا عتاب تو غلطی پر ہوتا ہے یہاں غلطی کیا تھی؟

جواب:

”حتى يتبين لك الذين صدقوا وتعلم الكاذبين “ سے معلوم ہورہا ہے کہ پردہ پوشی والا قول غلط ہے۔

جلالین میں صراحۃً عتاب کا لفظ موجود ہے اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اس جگہ لکھا ہے کیا تم نے اس سے بہتر عتاب سنا ہے کہ عتاب سے عفو کا پروانہ دیاجائے۔ عتاب تو لغزش اور خطاء اجتہادی پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ مفسرین کرام سے یہ بات ثابت ہوئی۔

آیت نمبر19:

ألم يأتكم نبأ الذين من قبلكم قوم نوح وعاد وثمود والذين من بعدهم لا يعلمهم إلا الله • (سورۃ ابراہیم: 9)

☼اس آیت کی تفسیر میں علامہ علی بن محمد الخازن رحمہ اللہ(م701ھ) فرماتے ہیں:

وعن عبد الله بن عباس أنه قال : بين إبراهيم وعدنان ثلاثون قرنا لا يعلمهم إلا الله• (تفسیر خازن ج3ص76)

☼علامہ بغوی رحمہ اللہ (م516ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وعن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما قال: بين إبراهيم وبين عدنان ثلاثون قرنا لا يعلمهم إلا الله

تعالی۔

(تفسیر بغوی ج3ص27)

☼امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ(م911ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

قال رجل لعلي بن أبي طالب رضي الله عنه: أنا أنسب الناس قال: إنك لا تنسب الناس قال : بلى فقال له علي رضي الله عنه أرأيت قوله تعالى: (وعادا وثمودا وأصحاب الرس وقرونا بين ذلك كثيرا) قال : أنا أنسب ذلك الكثير قال : أرأيت قوله : !{ ألم يأتكم نبأ الذين من قبلكم قوم نوح وعاد وثمود والذين من بعدهم لا يعلمهم إلا الله}! فسكت۔

(تفسیر درمنثور ج4ص134)

☼امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ(604ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وعن ابن عباس : بين عدنان وبين إسماعيل ثلاثون أبا لا يعرفون ۔ (تفسیر کبیر ص70)

آیت نمبر20:

ومن الناس من يعجبك قوله في الحياة الدنيا ويشهد الله على ما في قلبه وهو ألد الخصام۔ (سورۃ البقرۃ:204)

☼ علامہ علی بن محمد الخازن رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

نزلت في الأخنس بن شريق...... وكان يأتي رسول الله (صلى الله عليه وسلم) ويجالسه ويظهر الإسلام ويقول : إني لأحبك ويحلف بالله على ذلك وكان رسول الله (صلى الله عليه وسلم) يدني مجلسه وكان الأخنس منافقا فنزل فيه , ومن الناس من يعجبك قوله , أي يروقك وتستحسنه ويعظم في قلبك في الحياة الدنيا۔ (تفسير خازن ص 144)

☼علامہ بغوی رحمہ اللہ (م516) اس آیت کی تفسیر میں بالکل یہی الفاظ ارشاد فرماتے ہیں۔ (دیکھیے: تفسیر بغوی ص 179)

☼امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیرمیں لکھتے ہیں:

وهو الأخنس بن شريق كان منافقا حلو الكلام للنبي صلى الله عليه و سلم يحلف أنه مؤمن به ومحب له فيدني مجلسه فأكذبه الله في ذلك۔ (تفسير جلالين ص30)

☼علامہ نسفی رحمہ اللہ اس آیت کے تفسیر میں لکھتے ہیں:

{ومن الناس من يعجبك قوله في الحياة الدنيا} يروقك ويعظم في قلبك۔(تفسیر نفسی ص 115)

احادیث مبارکہ اور نفی علم غیب

حدیث نمبر1:

عن جابر قا ل سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول قبل أن يموت بشهر تسألوني عن الساعة ؟ وإنما علمها عند الله۔

(مشکاۃ المصابیح: باب قرب الساعۃ)

1: ملا علی القاری (م1014) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وهمزة الإنكار مقدرة أي أتسألوني (عن الساعة) أي القيامة وهي النفخة الأولى أو الثانية (وإنما علمها عند الله) أي لا يعلمها إلا هو۔ (مرقاۃ المفاتیح: باب قرب الساعۃ)

2: شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

گفت جابر شنیدم آنحضرت را فرمود پیش از رحلت خود بیک ماہ (تسألوني عن الساعة؟) می پرسید مرا از وقت قیامت (وإنما علمها عند الله) و نیست علم بہ تعیین وقت آں مگر ترو خداوند

یعنی از وقوع قیامت کبریٰ پرسید آن خود معلوم من نیست و آنر جز خدائے تعالیٰ نداند۔ (اشعۃ اللمعات: ج4 ص377)

حدیث نمبر2:

وعن جابر قال مرفوعا: قال: لعلي لا أراكم بعد عامي هذا. (مشکاۃ المصابیح: ج1 ص23)
کہ شائد میں آئندہ سال تمہیں نہ دیکھ سکوں۔

حدیث نمبر3:

عن حذيفة قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الساعة فقال { علمها عند ربي لا يجليها لوقتها إلا هو } ولكن أخبركم بمشاريطها وما يكون بين يديها إن بين يديها فتنة وهرجا۔
(مسند احمد: ج5 ص389، تفسیر ابن کثیر: ص248)

حدیث نمبر4:

عن أبي موسى الأشعري قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الساعة وأنا شاهد فقال لا يعلمها إلا الله ولا يجليها لوقتها إلا هو ولكن سأخبركم بمشاريطها ما بين يديها من الفتن والهرج۔
(رواہ الطبرانی بحوالہ الدر المنثور: ج3 ص274)

حدیث نمبر5:

عن ابن مسعود رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لقيت ليلة أسري بي إبراهيم وموسى وعيسى عليهم السلام فتذاكروا أمر الساعة فردوا أمرهم إلى إبراهيم فقال لا علم لي بها فردوا أمرهم إلى موسى فقال: لا علم لي بها فردوا أمرهم إلى عيسى فقال: أما وجبتها فلا يعلم بها أحد إلا الله تعالى۔
(تفسیر الدر المنثور: ج4 ص280)

اور امام حاکم کی روایت میں یوں ہے:

فقال عيسى: عهد الله إلي فيما دون وجبتها فلا نعلمها۔ (مستدرک الحاکم: ج4 ص488)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس حدیث کو امام احمد کی سند سے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فهؤلاء أكابر أولي العزم من المرسلين، ليس عندهم علم بوقت الساعة على التعيين۔
(تفسیر ابن کثیر: ج4 ص115)

اشکال:

یہ جو انبیاء علیہم السلام نے ایک دوسرے پر ڈالا وہ اس لیے تھا کہ راز فاش نہ ہو۔

جواب:

روایات میں صاف آ رہا ہے کہ ہم نہیں جانتے، ان کے پاس وقت مقررہ کا علم نہیں تو یہ بات کیسے نکل آئی کہ وہ راز فاش نہیں کرنا چاہتے۔ یہ تحریف فی معنی الحدیث ہے۔

حدیث نمبر6:

عن الشعبي قال: لقي عيسى جبريل فقال: السلام عليك يا روح الله قال: وعليك يا روح الله قال: يا جبريل متى الساعة فانتفض جبريل في أجنحته ثم قال: ما المسؤول عنها بأعلم من السائل ثقلت في السموات والأرض لا تأتيكم إلا بغتة۔ (تفسیر الدر المنثور: ج3 ص274)

حدیث نمبر7:

عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال مفاتح الغيب خمس لا يعلمها إلا الله لا يعلم ما في غد إلا الله ولا يعلم ما تغيض الأرحام إلا الله ولا يعلم متى يأتي المطر أحد إلا الله ولا تدري نفس بأي

أرض تموت ولایعلم متی تقوم الساعة إلا الله• (صحیح البخاری: تفسیر سورۃ الرعد)

حدیث نمبر 8:

عن سلمة بن الأكوع رضي الله تعالى عنه قال : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في قبة حمراء اذ جاء رجل على فرس فقال : من أنت قال أنا رسول الله قال : متى الساعة قال : غيب وما يعلم الغيب إلا الله قال : ما في بطن فرسي قال : غيب وما يعلم الغيب إلا الله : فمتى تمطر قال : غيب وما يعلم الغيب إلا اللہ• (الدر المنثور: ج5 ص326)

حدیث نمبر 9:

عن الربيع بنت معوذ رضي الله تعالى عنها قالت : دخل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم صبيحة عرسي وعندي جاريتان تغنيان وتقولان : وفينا نبي يعلم ما في غد فقال : أما هذا فلا تقولاه لا يعلم ما في غد إلا الله•

(الدر المنثور: ج5 ص326)

حدیث نمبر 10:

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أتى المقبرة فقال * السلام عليكم دار قوم مؤمنين وإنا إن شاء الله بكم لاحقون وددت أنا قد رأينا إخواننا قالوا أو لسنا إخوانك يا رسول الله قال أنتم أصحابي وإخواننا الذين لم يأتوا بعد فقالوا كيف تعرف من لم يأت بعد من أمتك يا رسول الله فقال أرأيت لو أن رجلا له خيل غر محجلة بين ظهري خيل دهم بهم ألا يعرف خيله قالوا بلى يا رسول الله قال فإنهم يأتون غرا محجلين من الوضوء وأنا فرطهم على الحوض ألا ليذادن رجال عن حوضي كما يذاد البعير الضال أناديهم ألا هلم فيقال إنهم قد بدلوا بعدك فأقول سحقا سحقا• (صحيح مسلم: باب استحباب إطالة الغرة والتحجيل في الوضوء)

حدیث نمبر 11:

عن حذيفة رضي الله عنه قال : كنا جلوسا عند النبي صلى الله عليه و سلم فقال إني لا أدري ما بقائي فيكم فاقتدوا باللذين من بعدي وأشار إلى أبي بكر و عمر• (جامع الترمذی: ج2 ص207، مشکاۃ: ج2 ص560، ابن ماجۃ: ص60)

حدیث نمبر 12:

(حدیث میں ہے)قیامت کے دن اللہ مجھے ایسی تعریفیں الہام کرے گا جو مجھے معلوم نہیں۔
(صحیح البخاری: ج2 ص118)

حدیث نمبر 13:

فتح خیبر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو دعوت میں ایک یہودیہ عورت نے زہر دیا۔ کچھ اثرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر چلے گئے۔ بہرحال کھانے نے بول کر بتا دیا کہ مجھ میں زہر ہے۔ آپ نے ساتھیوں کو روک دیا۔ ایک صحابی بشر بن براء نے کچھ کھا لیا تو ان کی وفات واقع ہو گئی۔ (مشکاۃ: ج2 ص542)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت فرمایا: میں زہر کے علاوہ کوئی اور سبب نہیں سمجھتا، اس وقت میری رگِ جان کٹتی معلوم ہوتی ہے۔ (مستدرک الحاکم: ج3 ص219)

حدیث نمبر 14:

ایک آدمی نے آپ کے گھر میں سوراخ سے اندر جھانکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تو دیکھ رہا ہے تو میں ضرور تیری آنکھ میں چونکا مارتا۔ (صحیح البخاری: ج2 ص922، صحیح مسلم: ج2 ص213)

حدیث نمبر15:

آپ صلی اللہ علیہ و سلم سے قیامت کے دن کہا جائے گا:

انک لاتدری ما احدثوا بعدک۔ (صحیح البخاری: ج2 ص966)

حدیث نمبر16:

آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: میں گھر کی طرف جاتا ہوں اور بستر پر کھجور پڑی ہوئی پاتا ہوں، اس لیے رکھ دیتا ہوں کہ کہیں صدقہ کی نہ ہو۔ (صحیح البخاری، صحیح مسلم، مشکاۃ المصابیح)

حدیث نمبر17:

آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں ہے کہ یہ (گوہ) ان امتوں میں سے ہے جو مسخ کی گئی ہیں۔ (صحیح مسلم: ج2 ص151)

حدیث نمبر18:

آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے قیامت کے بارے میں فرمایا:

ما المسئول عنہا باعلم من السائل۔ (صحیح البخاری، صحیح مسلم، مشکاۃ المصابیح)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نفی علم غیب

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

هذه الخمسة لا يعلمها ملك مقرب ولا نبي مصطفى فمن ادعى أنه يعلم شيئا من هذه الأمور فإنه كفر بالقرآن لأنه خالفه۔ (تفسیر الخازن: ج3 ص475)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

ومن حدثك أنه يعلم ما في غد فقد كذب ثم قرأت { وما تدري نفس ماذا تكسب غدا }۔ (صحیح البخاری: ج2 ص720)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:

أوتي نبيكم صلى الله عليه و سلم علم كل شيء سوى هذه الخمس۔ (فتح الباری: ج8 ص653)

حضرات فقہاء کرام اور نفی علم غیب

1: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

ورأى المنصور في منامة صورة ملك الموت وسأله عن مدة عمره فأشار بأصابعه الخمس فعبرها المعبرون بخمس سنوات وبخمسة أشهر وبخمسة أيام فقال أبو حنيفة رضي الله عنه: هو إشارة إلى هذه الآية، فإن هذه العلوم الخمسة لا يعلمها إلا الله۔ (تفسیر المدارک: ج2 ص324)

2: امام قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ

أشياء استأثر الله بهن، فلم يطلع عليهن ملكا مقربا، ولا نبيا مرسلا { إن الله عنده علم الساعة } ، فلا يدري أحد من الناس متى تقوم الساعة، في أي سنة أو في أي شهر، أو ليل أو نهار، { وينزل الغيث } ، فلا يعلم أحد متى ينزل الغيث، ليلا أو نهارا، { ويعلم ما في الأرحام } ، فلا يعلم أحد ما في الأرحام، أذكر أم أنثى، أحمر أو أسود، وما هو، { وما تدري نفس ماذا تكسب غدا } ، أخير أم شر، ولا تدري يا ابن آدم متى تموت؟ لعلك الميت غدا، لعلك المصاب غدا۔ (تفسیر ابن کثیر: ج5 ص124)

3: امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ

ما كان في القرآن {ما أدراك} فقد أعلمه وما قال {وما يدريك} فإنه لم يعلمه۔ (صحیح البخاری: ج1 ص270)

4: امام شافعی رحمہ اللہ

ان اللہ استاثر بعلم الغیب۔ (کتاب الام: ج2 ص203)

5: امام مجاہد بن جبر

وهي (3) مفاتيح الغيب التي قال الله تعالى: { وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو }۔(تفسیر ابن کثیر: ج5 ص124)

6: حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ

الروح استأثر الله تعالى بعلمه ولم يطلع عليه أحدا من خلقه۔ (فتح الباری: ج8 ص513)

فتاویٰ جات فقہاء کرام اور نفی علم غیب

[1]: امام حسن بن منصور المعروف بقاضی خان فرماتے ہیں:

رجل تزوج امراۃ بغیر شہود فقال الرجل والمراۃ خدارا وپیغمبر راہ گواہ کردیم قالوا یکون کفر لانہ اعتقد ان الرسول صلی اللہ علیہ و سلم یعلم الغیب و ہو ماکان لعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔ (فتاوی قاضی خان ج4ص469،468)

[2]: علامہ عبد الرشید ابو الفتح ظہیر الدین الولوالجی الحنفی تحریر فرماتے ہیں:

تزوج امراۃ و لم یطہر شاہد فقال: تزوجتک بشہادۃ اللہ و رسولہ کفر لانہ یعتقد ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم یعلم الغیب اذ لاشہادۃ لمن لا علم لہ بہ و من اعتقد ہذا کفر۔ (فتاویٰ ولوالجیہ بحوالہ ازالۃ الریب)

[3]: ابو حنیفہ ثانی علامہ ابن جنیم المصری رقمطراز ہیں:

وفي الخانية والخلاصة لو تزوج بشهادة الله ورسوله لاينعقد ويكفر لاعتقاده أن النبي يعلم الغيب۔ (البحر الرائق: ج2 ص155 مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[4]: فتاویٰ عالمگیری میں موجود ہے:

رجل تزوج امرأة ولم يحضر الشهود قال خدايرا ورسول راكواه كردم أو قال خداي راوفرشتكان راكواه كردم كفر ولو قال فشته دست راست راكواه كردم وفرشته دست جب راكواه كردم لا يكفر۔ (فتاویٰ عالمگیریہ: ج2 ص288 قدیمی کتب خانہ)

[5]: علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

علم المغیبات الا ما اعلمہ اللہ تعالی بہ احیانا و ذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالی قل لا یعلم من فی السموت و الارض الغیب الااللہ کذا فی المامرۃ۔ (المسامرۃ شرح المسایرۃ فی العقائد: ص197، ص198)

[6]: ملا علی القاری فرماتے ہیں:

ثم اعلم ان الانبیاء علیہم الصلاۃ و السلام لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمہم اللہ تعالی احیانا و ذکر الحنفیۃ تصریحا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالی قل لا یعلم من فی السموت و الارض الغیب الااللہ کذا فی المامرۃ۔ (شرح فقہ اکبر ص151)

[7]: علامہ محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری البزازی لکھتے ہیں:

تزوجہا بشہادۃ اللہ و رسولہ علیہ الصلاۃ و السلام لا ینعقد و یخاف علیہ الکفر لانہ یوہم انہ الصلاۃ و السلام یعلم الغیب۔ (فتاویٰ بزازیہ: ج1 ص107، 108 قدیمی کتب خانہ)

[8]: امام عالم بن علائی الحنفی لکھتے ہیں:

تزوجہا بشہادۃ اللہ و رسولہ لا یجوز و عن شیخ الاسلام الامام ابی القاسم الصفار انہ قال: یکفر من فعلہ ہذا لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب• (فتاویٰ تاتارخانیہ: ج2 ص453، 454 قدیمی کتب خانہ)

[9]: قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

اگر کسے بدون شہود نکاح کرد و گفت خدا و رسول گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم کافر شود۔

(ما لا بد منہ: 176)

نیز ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

اگر کوئی کہے خدا اور رسول اس پر گواہ ہیں وہ کافر ہو جاتا ہے۔ (ارشاد الطالبین: ص20)

[10]: ملا علی القاری لکھتے ہیں:

و من اعتقد تسویۃ علم اللہ و رسولہ یکفر اجماعا کما لا یخفی•

(الموضوعات الکبیر: ص162 بحث حرف الیاء آخر الحروف فصل 13)

[11]: علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

تزوج بشہادۃ اللہ و رسولہ لم یجز بل قیل یکفر (قرایل یکفر) لأنہ اعتقد أن رسول الله عالم الغرایب•

(رد المحتار علی الدر المختار: ص106 کتاب النکاح)

[12]: خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

رجل تزوج و لم یحضر شاہدا فقال خدائرا و رسول خدائرا گواہ کردم و فرشتگانرا گواہ کردم یکفر فی الفتاوی لأنہ یعتقد أن الرسول و الملک عالم الغرایب• (ج4 ص385 کتاب الحظر و الاباحۃ)

[13]: علامہ عبد الحئی لکھنوی لکھتے ہیں:

در فتاوی می نویسند: تزوجہا بلا شہود و قال خدائی و رسول خداو فرشتگان را گواہ کردم یکفر لانہ اعتقد ان الرسول و الملک یعلمان الغیب• (مجموعۃ الفتاویٰ: ص331 کتاب الکراہیۃ)

مسئلہ علم غیب پر دلائل اہل بدعت اور ان کے جوابات

دلیل نمبر 1:

قرآن پاک میں قرآ ن ہی کے متعلق ہے تبیانا لکل شیئ ۔

یعنی ہر شے کا اس میں مفصل بیان ہے الخ

جواب نمبر 1:

آپ کا استدلال درست نہیں کیونکہ یہ قطی الدلالۃ نہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ لفظ کل ہمیشہ عام ہو کر استعمال نہیں ہوتا بلکہ خاص معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔

جواب نمبر2:

اگر واقعۃ قرآن ہر شے کا بیان ہے تو فقہاء کرام کو اجماع وقیاس واجتہاد کی کیا ضرورت پیش آئی ۔

جواب نمبر3:

قرآن مقدس میں ہے لم نقصص علیک ۔

یعنی بعض انبیاء کے قصے ہم نے آپ کو بیان نہیں کیے ۔کیا وہ ہر شے سے خارج ہیں یا داخل ہیں اگر داخل ہیں تو قرآن کی بات درست نہیں رہتی اور یہ بات سچی ہے تو کل شے سے مراد ہر ایک شے کا علم نہیں ۔توپھر کل شی عام نہ رہا اسی طرح علم شعر اور ملکہ شعر گوئی اور علم غیر نافع کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ یہ کل شے میں داخل ہیں یا نہیں اگر ہیں تو یہ علوم سرکار طیبہ ﷺکی شان کے لائق نہیں اور اگر نہیں تو کل شیٔ عام نہ رہا بلکہ خاص ہوگیا۔

جواب نمبر 4:

قرآن پاک میں علی کل جبل بھی ہے اور اس سے مراد چند پہاڑ ہیں نہ کہ سارے عالم کے ۔

اوتیت من کل شی بھی ہے اور اس سے مراد وہی سامان ہیں جو ان کے مناسب تھا ۔کیا ملکہ بلقیس کو نبوت ورسالت ملک سیلمان ، مردانہ خصوصیات مثلا داڑھی وغیرہ مل گئی تھی ؟
اگر نہیں تو آپ کا اصول ٹوٹ گیا کہ لفظ کل عام ہی ہوتا ہے ۔

جواب نمبر 5:

اب مطلب سنئے کہ کل شے کا اس آیت میں مطلب ہے کہ قرآن پاک میں امور دین کی ہر ایسی چیز کا بیان کر دیا گیا جسکی لوگوں کو حاجت پڑتی ہے دیکھئے تفاسیر

جواب نمبر 6:

یہی دلیل شیعہ حضرات نے اصول کافی ص140 پر ائمہ کے علم ماکان وما یکون جاننے پر دی ہے تو پتہ چلا عقیدہ بھی انہی سے لیا دلائل بھی انہی سے ۔

دلیل نمبر 2:

وعلم آدم الاسمآء کلھا ۔القرآن . جب آدم علیہ السلام کو تمام ناموں اور ہر شے کا علم دیا تو سرکار طیبہ ﷺ کو بطریق اولی ملا ہو گا ۔

جواب نمبر 1:

عقائد قیاس سے ثابت نہیں ہوتے ۔

جواب نمبر 2:

دلیل قطعی الدلالۃ نہیں کیونکہ ناموں کی بات ہے نہ کہ ہر ہر ذرے کا علم ۔

جواب نمبر 3:

اگر سیدنا آدم علیہ السلام کو علم غیب مل چکا ہوتا شیطان کیسے آپ کو پھسلاتا۔

جواب نمبر 4:

صاف مطلب یہ ہے کہ آپ کو ہر شے کے نام بتلا دیے گئے ۔

دلیل نمبر 3:

عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا ۔القرآن ۔
اللہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے پسندیدہ رسولوں کے ۔تو معلوم ہوا کہ سب علم عطا فرما دیا ۔

جواب نمبر 1:

یہ قطعی الدلالۃ نہیں ۔

جواب نمبر 2:

یہ آیت مکی ہے جب کہ آ پ کے نزدیک ہر شے کاعلم تو نزول قرآن پر مکمل ہوادلیل پہلے کی دعوی بعد کا ۔

جواب نمبر 3:

اسی آیت سے پہلے والی آیت میں علم قیامت سے سرکار طیبہ ﷺ نفی فرما رہے تو یہ عموم آپ کا قرآن نے ہی توڑ دیا ہے ۔

جواب نمبر 4:

اس سے مراد بعض غیب کی خبریں ہیں جس سے اہل السنۃ کو انکار نہیں ۔

دلیل نمبر 4:

وما ھو علی الغیب بضنین۰ (القرآن)
آپ غیب بتانے پر بخیل نہیں ۔معلوم ہوا کہ تمام غیب ہی جانتے ہیں ۔

جواب نمبر 1:

یہ آپ کے دعوی پر قطعی الدلالۃ نہیں ہے ۔

جواب نمبر 2:

یہ آیت مکی ہے جو کہ آپ کے دعوی پر دلیل نہیں بن سکتی ۔

جواب نمبر 3:

بعض مفسرین نے ھو سے مراد قرآن لیا ہے دیکھیے تفسیر عزیزی ،تفسیر حقانی ۔تو قطعی الدلالۃ نہیں لہذا اس مسئلہ میں مفید نہیں ۔

جواب نمبر 4:

ابن کثیر میں ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن نبی پاک ﷺ پر اتارا آپ اس قرآن کے سنانے پر بخل نہیں کرتے تھے ۔

جواب نمبر5:

مقصد یہ ہے کہ جو اللہ تعالی نے آپ کو علم دیا آپ نے نہیں چھپایا بلکہ امت کو بتلا دیا ہے اور یہ علم وہی ہے جو آپکی شان کے لائق ہے ۔

جواب نمبر 6:

بضنین کو بعض نے بظنین بھی پڑھاہے جسکا معنی تفسیر عزیزی میں ہے اے لوگوں جب نبی پاک ﷺ پر تم چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگا سکتے تو اتنی بڑی بات وحی غیب یعنی نبوت پر کس طرح جھوٹ کی تہمت لگاتے ہو ۔معلو م ہوا کہ یہ بریلوی دعوی کیلئے قطعی الدلالۃ نہیں ہے اس لیے مفید نہیں ۔

دلیل نمبر 5:

وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ۔القرآن ۔

یعنی اللہ تعالی اپنے رسولوں کو غیب پر مطلع کرتا ہے ۔

جواب نمبر 1:

یہ آپ پرغزوہ احد میں نازل ہوئی اور آپ کا دعوی کلی کا ،وفات سے کچھ پہلے پر ہے تو پہلے 3 ھجری میں دعوی کیسے ثابت کر رہے ہو ۔

جواب نمبر 2:

اس سے مفسرین نے بعض غیب کی بات کی ہے نہ کہ کلی وجمیع کی ،اس سے بھی تمہارا دعوی ثابت نہیں ہوا ۔

جواب نمبر 3:

یہ اطلاع علی الغیب ہے اس پر جھگڑا ہی نہیں ۔جھگڑا تو علم غیب پر ہے ۔

دلیل نمبر 6:

وعلمک مالم تکن تعلم ۔القرآن ۔

ما عام ہے وہی ہے جو لہ مافی السموت وما فی الارض میں ہے ۔

جوب نمبر1:

یہ آیت تو 4ہجری میں نازل ہوئی جو آپ کے دعوی کیلئے مفید نہیں ۔کمامر

جواب نمبر 2:

اگر ما عام ہے تو یعلمکم مالم تکونوا تعلمون میں بھی عام ہوا ۔پھر تو سب صحابہ کرام اور آپ ﷺ کو علم برابر ہوا ۔اور عام لوگوں کو بھی فرمایا ۔وعلمکم مالم تعلموا انتم ولا آباؤکم ۔پھر تو سب ہی نبی پاک ﷺ کے برابر علم والے جا ٹھہرے۔

اگر ما وہی ہے جو لہ مافی السموت میں ہے تو پھر تم نے سرکار طیبہ ﷺ برابر کردیا خدا کے ۔حالانکہ خدا کی مثال تو لانی ہی نہیں چاہیئے مخلوق کیلئے۔

جواب نمبر 3:

بعضوں نے اس سے مراد علم غیب لیا ہے مگر قیل کے ساتھ جو ضعیف کی طرف اشارہ ہے ۔

جواب نمبر 4:

اس سے مراد قرآن وسنت کا علم اور بعض امور غیبیہ اور مخفی کئی اشیاء کا آپ علیہ السلام کو علم عطا کیا گیا ۔تو اس سے آپ کادعوی ثابت نہیں ۔

جواب نمبر 5:

اس آیت کی مختلف تفسریں ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ قطعی الدالالۃ نہیں ۔

دلیل نمبر 7:

علمہ البیان ۔القرآن ۔

آپ کو ماکان وما یکون کا علم دیا ۔

جواب نمبر 1:

اول تو یہ قطعی الدلالۃ نہیں ۔

جواب نمبر 2:

یہ آیت مکی ہے جو آپ کو مفید نہیں ۔کمامر

جواب نمبر 3:

کئی حضرات نے جنس انسان مراد لیے ہیں نہ کہ نبی پاک ﷺ ہی مراد لیے ہیں جیسے جلالین وغیرہ

جواب نمبر4:

اگر آپ کی بات درست ہو تو تب بھی مراد اس میں سے جمیع ما کان وما یکون نہیں ۔بلکہ آپ علیہ السلام نے ہونے والی اور گذری ہوئی اخبار وواقعات میں سے کتنوں کو بیان کیا ہے ۔مگر بریلوی مسلک اس سے ثابت نہیں ہوتا ۔

جواب نمبر 5:

بریلوی مسلک کے معتمد علیہ بزرگ مولانا کرم دین دبیر فرماتے ہیں: علم ما کا ن وما یکو ن خاصہ ذات باری تعالی ہے ۔

(آفتاب ہدایت ص185)

دلیل نمبر 8:

قام فینا رسول اللہ ﷺ مقاما ماترک شیاء یکون فی مقامہ ذلک الی قیام الساعۃ الا حدث بہ• (متفق علیہ)

یعنی آپ علیہ السلام نے ایک مرتبہ ہم میں کھڑے ہو کر قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب بیا ن کر دیا کسی کو نہیں چھوڑا ۔

ایک روایت یوں بھی ہے:

فاخبرنا بما ھو کائن الی یوم القیامۃ• (مسلم شریف)

یعنی جو کچھ قیا مت تک ہونے والا تھا سب بیا ن فرمادیا ۔

جواب نمبر 1:

یہ خبر واحد ہیں جو کہ عقیدہ کے اثبات میں مفید نہیں ۔

جواب نمبر 2:

سیدنا حذیفہ سے پہلی روایت مروی ہے اور دوسری روایت کے الفاظ جیسی مسلم شریف میں ہے:

فاخبرنی رسول اللہ ﷺ بما ھو کائن الی ان تقوم الساعۃ•

اور وہ خود ہی اس کی وضاحت فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار ﷺ سے کوئی ایسی بات نہیں جو نہ پوچھی ہو یعنی جو باتیں وہ پوچھتے رہے آپ بتاتے رہے تو معلوم ہوا کہ اس سے مراد وہی باتیں ہیں جو انہو ں نے سرکار طیبہ ﷺ سے پوچھیں تھیں اور وہ تھیں کیا ؟ اسی روایت کے آخر سے پتہ چلتا ہے کہ وہ فتنوں کے بارے میں تھیں ۔کیونکہ سیدنا حذیفہؓ فرماتے ہیں: میں وہ فتنہ نہیں پوچھ سکا جو اہل مدینہ کو مدینہ سے نکال دیے گا ۔

پتہ چلتا ہے کہ وہ گفتگو فتنوں کے بارے میں تھی ۔اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان فتنوں

کی بھی کئی باتیں بیان نہیں فرمائی ۔

جواب نمبر 3:

علامہ ابن خلدون کہتے ہیں ان جیسی سب احادیث کامطلب یہ کہ فتنوں اور علامات قیامت کو بیان کرتی ہیں ۔ (مقدمہ ص333)

جواب نمبر 4:

کیا بریلوی حضرات کا ضمیر گوارا کرتا ہے کہ نبی پاک علیہ السلام نے ہر زمانے کے انسانوں کی تعداد ،کافروں مسلمانوں، حیوانوں، جانوروں، چرند، پرند ،کیڑے ،مکوڑے ،سب کی گنتی ،تفصیل ،مکمل حالات بتائے ہوں ۔

جواب نمبر 5:

ان احادیث کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے امور دین ،کلیات دین اہم فتنے کئی واقعات وغیرہا بیان فرمائے ہوں اس سے بریلویوں کا دعوی ثابت نہیں ۔

جواب نمبر 6:

ملا علی قاری فرماتے ہیں مراد دینی باتیں اور وہ باتیں ہیں جو ضروری ہیں ۔ (مرقاۃ)

دلیل نمبر9:

رب تبارک وتعالی نے آپ علیہ السلام کی پشت پر دست قدرت رکھا تو آپ فرماتے ہیں:

فتجلی لی کل شیء•

مجھ پر ہر شے روشن ہو گئی ۔

جواب نمبر 1:

یہ خبر واحد ہے جو عقائد میں مفید نہیں ۔

جواب نمبر 2:

جتنے وقت تک آپ کی پشت مبارک پر دست قدرت رہا ہر شے آپ اجمالی صورت میں منکشف ہو گئی جب دست اٹھا کیا گیا تو وہ کیفیت بھی جاتی رہی۔

جواب نمبر 3:

کیا خداتعالی کی حقیقت بھی آپ پر منکشف ہو گئی اگر نہیں تو عموم ٹوٹ گیا اگر ہاں تو اس پر دلیل چاہیے ۔

جواب نمبر 4:

روایت کے آخر میں ہے: فعلمت مافی السموت والارض•

وہ اشیاء جو آسمانوں اور زمینوں سے وراء ہیں وہ بھی اس سے خارج ہو گئی ہیں ۔اور لفظ ”ما“ پر بحث پیچھے ہم کر چکے ہیں اور لفظ ”کل“ پر بھی پیچھے بحث ہو چکی ہے۔

دلیل نمبر 10:

ان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ما ھو کائن فیھا الی یو م القیامۃ کانما انظر الی کفی ھذہ•

یعنی میں دنیا کو اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے اسے ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو ۔

جواب نمبر 1:

یہ روایت صحیح نہیں ۔اسکی سند میں ضعف ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھیے ازالۃ الریب535)

جواب نمبر 2:

خبر واحد سے یہ عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا ۔

جواب نمبر 3:

یہ قطعی الدلالۃ بھی نہیں کیونکہ ”ما“ عموم اور خصوص دونوں کیلئے ہو سکتا ہے۔

رد علمِ غیب پر کچھ دلائل بریلوی اکابر کے قلم سے

[1]: مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں:

جو علم عطاء ہو وہ غیب ہی نہیں کہا جاتا غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں ۔ (جاءالحق ص97)

معلوم ہوا کہ علم غیب صرف خدا کے علم کو کہیں گے ۔

[2]: پیر مہر علی شاہ صاحب لکھتے ہیں:

وہ خبر جو پیغمبر ﷺ دیتے ہیں وہ یاتو بذریعہ وحی حاصل ہوتی ہے یا اللہ تعالی اس کا علم ضروری نبی کے اندر پیدا فرمادیتے ہیں یا نبی کی حس پر حوادث کا انکشاف فرما دیتے ہیں تو یہ علم غیب میں داخل نہیں ۔ (اعلاء کلمۃاللہ ص114)

[3]: مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی لکھتے ہیں:

علم غیب خدا کی سوا کوئی نہیں جانتا اور رسول وہی غیب جانتے ہیں جو اللہ بتائے ۔(جاءالحق ص122)

[4]: بریلوی علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں: اللہ تعالی کے غیر کیلئے علم غِیب کا اطلاق کرنا اس لیے جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ علم کا تعلق ابتداء ہے تو یہ قرآن مجید کے خلاف ہو جائے گا لیکن جب اس کو مقید کیا جائے اور یوں کہا جائے کہ اسکو اللہ تعالی نے غیب کی خبردی ہے یا اس کو غیب پر مطلع فرمایا تو پھر اسمیں کوئی حرج نہیں ۔ (نعمۃ الباری ج1ص273)

موصوف ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: علامہ نووی ،علامہ کرمانی ،علامہ عسقلانی،علامہ عینی ؒ،اور دیگر علماء نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ جو بہ تقاضا بشریت غیب کاعلم نہیں تھا ۔ (شرح مسلم م5ص108)

[6]: مولانا عبد الحی لکھنوی (جن کو بریلوی اکابر اپنا عالم کہتے ہیں دیکھئے تنبیہات ص124) لکھتے ہیں:

علم غیب صفت مختصہ ہے اللہ تعالی کی جیسا کہ کتب عقائد میں تصریح موجود ہے ۔ (مجموعۃ الفتاوی ج1ص46ایچ ایم سعید)

[7]: عبد الحکیم شرف قادری لکھتے ہیں:

بغیر کسی شک وشبہ کے ہمارا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ غیب کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے نبی اکرم ﷺ یا کسی دوسری مقبول ہستی کی زبان پر جس غیب کا اظہار ہوا ہے یا تو وحی کے ذریعے ہے یاالہام سے نبی اکرم ﷺ نے غیب کی جتنی خبریں دی ہیں وہ اللہ تعالی کے بتانے سے اور آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی نبوت ورسالت کے طور پر ظاہر ہوتی ہیں ۔

(اسلامی عقائد ص113مصدقہ ،شاہ احمدنورانی ،عبدالقیوم ہزاروی ،عبدالستار نیازی، سید احمد رضوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صفت مختار کل خاصۂ خداوندی

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

اس روایت پر غور کیجیے کہ حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو منافقوں اور یہودیوں نے باتیں بنائیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و سلم کی زبان سے سنیے، آپ صلی اللہ علیہ و سلم فرماتے ہیں:

بئس الميت أبو أمامة ليهود ومنافقي العرب يقولون: لو كان نبيا لم يمت صاحبه، ولا أملك لنفسي ولا لصاحبي من الله شيئا.

(سیرت ابن ہشام: ج1 ص445 مکتبہ رحمانیہ لاہور. رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ قائم کرنا)

ترجمہ:ابو امامہ کا فوت ہونا یہودیوں کے لیے اور منافقین عرب کے لیے برا ہو، وہ کہتے ہیں کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) نبی ہوتے تو ان کا ساتھی نہ مرتا حالانکہ میں اللہ کی مشیت کے مقابلے میں اپنے لیے اور اپنے ساتھی کے لیے کسی شے کا مالک نہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین اور یہود کی ذہنیت تھی کہ نبی وہ ہو گا جو موت و حیات کا بھی مالک ہو۔ تو یہ ان کی سوچ معلوم ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ہر شے پر قدرت و اختیار ہے، چاہے تکوینی ہو یا تشریعی۔

چونکہ یہ مسئلہ بریلوی اعتقادات سے ہے اس لیے بریلوی اس کو اسلاف واکابر کی عقائد کی کتب سے ثابت کریں اور اگر انہیں بات قبول نہیں اور قرآن وسنت سے اس کو ثابت کرنا چاہتے تو پھر ہماری طرف سے مطالبہ یہ ہے کہ اس پر دلائل قطعیہ کو پیش کیاجائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بریلوی اکابر نے مختارکل کے منکر کو گستاخ نبوت ، نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو عیب لگانے والا، اہل باطل اور ابلیس لعین کا مذہب قرار دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

[۱]: اویسی صاحب لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کا معجزات اور اولیاء کرام کا کرامات کے اظہار پر اختیار اہل حق کا مذہب ہے اور اس سے انکار اہل باطل اور اس انکار کی بنیاد ابلیس نے رکھی ہے۔ (حضور کےمعجزات واختیارات ص5رسائل اویسی ج نمبر3)

ایک جگہ یوں لکھتے ہیں :

آپ کی لاعلمی، عدمِ اختیار ثابت کرنا جاہلوں یا نبوت کے گستاخوں کاکام ہے۔ (لاعلمی میں علم ص 15 رسائل اویسیہ ج نمبر4)

[۲]: مفتی امین صاحب فیصل آبادی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات میں عیب تلاش کرنا کہ نبی کو فلاں چیز کا علم نہیں فلاں چیز کا علم نہیں فلاں چیز کا اختیار نہیں۔ (دوجہاں کی نعمتیں ص 39)

اور گستاخی نبوت اور نبی کو عیب لگانا کفر ہےیہ مسلمات بریلویہ میں سے ہیں۔ اس لیے بریلوی صاف لکھ دیں گے کہ مختار کل کاعقیدہ ایمان ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور اس پر دلائل صرف قطعی لائے جائیں گے۔

بریلوی دعویٰ جات

[1]: بریلویوں کے ’’مفتی‘‘ محمد امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:

رزق وخیر کی ہر قسم کی عطائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں...... احکام تشریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں کر دیے گئے ہیں کہ جس پرجو چاہیں حرام فرمادیں اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو فرض چاہیں معاف فرمادیں۔

(بہار شریعت: ص83 تا 85- مکتبہ المدینہ)

[2]: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کی حاجت روا فرما سکتے ہیں دنیا وآخرت کی مرادیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہیں۔

(برکات الامداد: ص 8)

[3]: مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں:

خالق کل نے آپ کو مالک بنا دیا۔ (رسائل نعیمیہ)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

دنیا دآخرت کی ہر چیز کے مالک حضور ہیں سب کچھ ان سے مانگو ،عزت مانگو ، ایمان مانگو، جنت مانگو ، اللہ کی رحمت مانگو۔ (ص146)

[4]: احکامِ شریعت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و سلم کو سپرد ہیں،جو بات چاہیں واجب کر دیں جو چاہیں ناجائز فرما دیں۔ (الامن والعلی : ص215)

معلوم ہوگیا کہ بریلویوں کے نزدیک تمام اختیارات کے مالک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

تنقیحاتِ دعویٰ

تنقیح نمبر1:

یہ خدا کی خدائی میں شریک ٹھہرانا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں:

کلی اختیارات مکمل علم غیب پر خدائی دارومدار ہے۔ (مواعظ نعیمہ حصہ دوم ص 268)

تنقیح نمبر2:

بریلوی حضرات اپنے اس مسئلہ مختار کل میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات کو خدا کے اختیار سے بڑھ کر مانتے ہیں جو یقیناً غلط اقدام ہے۔ مثلاً

خدا جس کو پکڑے چھڑائے محمد
محمد جو پکڑیں نہیں چھوٹ سکتا

(رسائل نعیمہ ص 164)

تنقیح نمبر3:

اگر تمام اختیارات سونپ دیے گئے ہیں تو یہ بتائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کو جنت میں لے جائیں گے یا نہیں؟ اگر لے جائیں گے تو فاضل بریلوی نے ”شرح المطالب فی مبحث ایمان ابی طالب“ کیوں لکھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ کافر ہے اور کافر جہنم میں ہی جائےگا۔ اگر نہیں لے جائیں گے تو پھر اختیار کلی کا انکار ہوا۔

تنقیح نمبر4:

مختار کل کا عقیدہ بریلوی حضرات نے شیعوں سے لیا ہے۔

☼ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”شیعہ کہتے ہیں : ان اللہ لم یزل بالوحدانیۃ ثم خلق محمدا و علیا و فاطمۃ و الحسن و الحسین فمکثوا الف دہر فخلق الاشیاء و اشہدہم خلقہا و اجری طاعتہم عنہا و فوض امورہم الیہم یحلون ما یشاءون و یحرمون ما یشاءون۔“

آگے لکھتے ہیں:

”امام جعفر صادق سے روایت کلینی نے نقل کی ہے: فما فوضہ اللہ تعالی الی رسولہ صلی اللہ علیہ و سلم فقد فوضہ الینا“

(تحفہ اثنا عشریہ: ص170)

☼ مولانا کرم الدین دبیر لکھتے ہیں:

یہ مسلم امر ہے کہ موت وحیات خدا کے اختیار میں ہے کسی انسان کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا لیکن یہ شیعہ کا اعتقاد ہے کہ ائمہ اہل بیت کو موت و حیات پر کلی اختیار تھا۔

(آفتاب ہدایت ص 169)

☼ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے شیعہ کے فرقہ مفوضہ کا عقیدہ یوں لکھا ہے :

جو مفوضہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تدبیر خلق کا مسئلہ آئمہ کے سپرد کر دیا ہے-(غنیۃ الطالبین ج1ص182)

تنقیح نمبر5:

اس عقیدہ کے قائل ہونے سے بہت ساری نصوص کا انکار ہوتا ہے-

☼ مولوی محمدصادق نقشبندی صاحب لکھتے ہیں[جب آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے مسجد نبوی کی طرف کھلنے والے سارے دروازے سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے بند کروا دیے تو]:

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ حضور حضرت رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور یہ کہتے تھے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اپنے چچا کو باہر پھینکا اور چچا کے بیٹے کو اندر بلایا تو آپ نے فرمایا چچا میں مامور ہوں مجھے اس امر کا اختیار نہیں- (تاریخ مدینہ ص 114)

☼ نقی علی خان کہتے ہیں:

آپ نے چاہاکہ ابوطالب کی بخشش کے واسطے دعا کروں، حکم آیا : پیغمبر اور مسلمانوں کے لائق نہیں کہ مشرکوں کے لیے اگرچہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں استغفار کریں- اے عزیز وہ حاکم ہے محکوم نہیں غالب ہے مغلوب نہیں مالک ہے تابعدار نہیں اگر تیری دعا قبول نہ فرماوے تجھے ناخوشی اور غصے یا شکایت اور شکوے کی مجال کب ہے جب خاصوں کے ساتھ یہ معاملہ ہے کہ جب چاہتے ہیں عطا کر تے ہیں جب چاہتے ہیں منع فرما دیتے ہیں تو تو کس شمار میں ہے کہ اپنی بات پر اصرار کرتا ہے- (الکلام الاوضح ص 308)

☼ مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں :

آپ علیہ السلام نے فرمایا میں پہاڑ کو سونا بنانے یا خلق اشیاء پر قدر ت نہیں رکھتا- (مواعظ نعیمیہ ص262 حصہ دوم)

☼ مفتی احمد یار نعیمی ایک آیت ("قل لو أن عندي ما تستعجلون به لقضي الأمر" کہ اگر عذاب میرے اختیار میں ہوتا تو کب کا تمہارا قصہ چکا دیا گیا ہوتا) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وہ عذاب جس میں تم جلدی کر رہے ہو میرے قبضے واختیار میں ہوتا تو اب تک میرا تمہار فیصلہ ہو چکا ہوتا-(تفسیر نعیمی ج7 ص 507 مکتبہ اسلامیہ)

☼ مفتی مظہر اللہ شاہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تم کو عذاب الٰہی سے ڈرایا جاتا ہے تو ڈھیٹ بن کر اس عذاب کی جلدی کرتے ہو وہ عذاب میرے اختیار میں نہیں وہ اللہ تعالیٰ کےاختیار میں ہے- (تفسیر مظہر القرآن ج1 ص385)

☼ علامہ سعیدی صاحب اس کی تفسیر میں یوں لکھتے ہیں:

مجھے اس عذاب کے نازل کرنے یا اس کو مقدم اور موخر کرنے پر قدرت نہیں ہے اور اگر بالفرض یہ معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو تو میں تمہارے مطالبہ عذاب کو لا چکا ہوتا- (تبیان القرآن ج3ص495)

☼ ابو الحسنا ت قادری لکھتے ہیں:

آدم علیہ السلام نے فرمایا حکم الٰہی کے خلاف نہ ہوگا مجھے ترمیم کا کوئی اختیار نہیں- (اوراق غم ص7)

☼ مولوی نعیم الدین مرادآبادی صاحب (سورت یونس آیت نمبر15 کے حاشیہ نمبر35 میں) لکھتے ہیں:

میں اس (قرآن) میں تغیر تبدل کمی بیشی نہیں کر سکتا- (خزائن الفرقان)

☼ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے ان (والدہ) کے لیے استغفار کی اجازت چاہی تو مجھے نہ دی گئی - (خزائن العرفان ص 265)

☼ سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام الٰہی کا نزول یا پتھر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام

~~کے کپڑے لے کر بھاگنا یہ معجزات ہیں لیکن ان اظہار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا~~
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اختیار کا دخل نہ تھا۔ (مقالات سعیدی ص 53)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

امور غیر عادیہ میں انبیاء اور اولیاء پر وحی والہام کی کیفیت کا عروض ان کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ (مقالاتِ سعیدی ص 260)

ان سب حوالہ جات سے معلوم ہوگیا کہ مختار کل کا عقیدہ غلط ہے۔

تنقیح نمبر6:

اس دعویٰ سے سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاوں کا انکار لازم آتا ہے، مثلاً:

1: اے علی! میں نے اللہ عزوجل سے تین بار سوال کیا کہ تجھے تقدیم دے، اللہ تعالی نے نہ مانا مگر ابوبکر کا مقدم رکھنا۔

(فتاویٰ رضویہ: ج15ص686)

2: میں نے اپنے رب سے تین سوال کیے، ان میں صرف دو تو قبول فرمائے گئے۔
ایک تو یہ تھا کہ میری امت کوقحط تمام سے ہلاک نہ فرمائے یہ قبول ہوا۔ ایک یہ تھا کہ انہیں غرق سے عذاب نہ فرمائے یہ بھی قبول ہوا۔ تیسرا سوال یہ تھا کہ ان میں باہم جنگ وجدال نہ ہو یہ قبول نہیں ہوا۔ (خزائن العرفان ص 175 حاشیہ سورت انعام آیت نمبر 68)

تنقیح نمبر7:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شافع محشر ہونے کا بھی انکار لازم آتا ہے۔

احادیث طیبہ میں ہے کہ آپ شافع محشر ہیں اگر تمام اختیارات کامالک آپ کوٹھہرایا جائے تو پھر شفاعت کی ضرورت ہی نہیں رہتی کیونکہ شفاعت کا معنی ہے گزارش کرنا درخواست کرنا۔ خدا تعالیٰ کے مختار کل ہونے پر سب متفق ہیں وہ کبھی کسی کے سامنے عرض وگزارش نہیں کرتا اگر تم سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کامختار کل ہونا مانو گے گزارش وعرض سے انکار کرنے کی راہ نکلے گی جس سے صاف شفاعت کے عقیدے کا انکار نکلتا ہے۔

فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

یہ محتاجی ہی منشا شفاعت ہے جہاں محتاجی نہ ہو خود اپنے حکم سے جو چاہے کر دیا جائے۔ شفاعت کی کیا حاجت ہو۔

(فتاویٰ افریقہ ص 116 مسئلہ نمبر 82)

لفظ ”مختار کل“ کی تنقیح

اگر ”مختار کل“ کامطلب یہ ہے کہ ساری کائنات میں پسندیدہ شخصیت ومنتخب اور چنے ہوئے سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہیں اور اگر ”مختار کل“ کامعنی یہ ہے کہ تمام قسم کے اختیارات خدا نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیے ہیں چاہے وہ تکوینی ہوں یا تشریعی ہوں تو یہ بات اسلام سے متصادم ہے اور باقی اس بات میں بھی کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ کئی باتوں میں خدا نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت وپسند کو پوچھاہے:

1: اگر آپ چاہیں تو ان طائف والوں کو ہلاک کر دیاجائے

2: اگر آپ چاہیں تو ہم ان پہاڑوں کو سونا بنا کر آپ کے ساتھ کر دیں

3: اگر آپ چاہیں تو ہم آپ پر موت طاری نہیں کرتے بلکہ مزید آپ رہنا چاہیں تو دنیا میں تو بھی رہ لیں۔ (وغیرہ الاما شاء اللہ)

اس قسم کی کئی باتیں گنی وشمار کی جا سکتی ہیں مگر اسے مختار کل کا عقیدہ نہیں کہا جائےگا۔

مسئلہ مختار کل کی نفی پر دلائل از قرآن کریم

1: إنك لاتهدي من أحببت ولكن الله• (سورۃ القصص:56)

ابو طالب کے اسلام نہ لانے پر آپ کو پریشانی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

:2 قل ما یکون لي أن أبدله من تلقاء نفسي• (سورۃ یونس: 15)
کافروں نے کہا کہ یہ قرآن بدلیں تو جواب میں یہ کہا گیا۔

:3 ما کان للنبي والذین آمنوا أن یستغفروا للمشرکین• (سورۃ توبۃ: 14)
نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے روک دیا گیا۔

:4 قل من بیدہ ملکوت کل شيء• (سورۃ المومنون: 88)

:5 یا أیها النبي لم تحرم ما أحل الله لك• (سورۃ التحریم:1)
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر شہد کو حرام کو لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

:6 لیس لك من الأمر شيء• (سورۃ ال عمران :128)
آپ علیہ السلام نے بعض لوگوں کے لیے دعائے مغفرت فرمائی تھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

:7 وما أکثر الناس ولو حرصت بمؤمنین• (سورۃ یوسف: 103)

:8 وإن یمسسك الله بضر فلا کاشف له إلا هو• (سورۃ الانعام: 17)

:9 ما کان لنبي أن یکون له أسری حتی یثخن في الأرض• (سورۃ الانفال: 67)
بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

:10 عفا الله عنك لم أذنت لهم• (سورہ التوبۃ: 43)
غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین نے حیلے بہانے بناکر اجاز ت لی تو یہ آیت نازل ہوئی ۔

:11 إن تستغفر لهم سبعین مرۃ فلن یغفر الله لهم• (سورۃ التوبۃ: 80) [منافق کا جنازہ پڑھنے پر یوں فرمایا گیا]

:12 لا أملك لکم ضرا ولا رشدا• (سورۃ الجن :21)

احادیث طیبات

حدیث نمبر1:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ننھے بچوں سے پیار کرتے ہوئے دیکھا تو پوچھنے لگا کہ کیا آپ بچوں سے (ازرہ شفقت) پیار کرتے ہیں ؟ ہم تو ایسا نہیں کرتے ، اس دیہاتی کے اس سوال پر جناب ِرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أو أملك لك أن نزع الله من قلبك الرحمۃ• (صحیح البخاری: ج2ص887، صحیح مسلم ج2ص254)
یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے شفقت نکال دی ہے تو کیا میں تیرے لیے اس کا مالک ہوں؟!

حدیث نمبر2:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو خدا کے عذاب سے ڈرائیے تو آپ نے اپنے تمام خاندان اور برادری کو جمع کرکے فرمایا: اے خاندان قریش ! اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے (یعنی توحید ورسالت وغیرہ عقائد قبول کر کے) بچا لو میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تمہیں نہیں بچا سکتا اے خاندان بنو عبد مناف ، اپنی جانوں کو عذاب سے بچا لو میں تمہیں خدا کے

عذاب سے نہیں بچاسکتا ۔ اے عباس بن عبدالمطلب اور میری پھوپھی صفیہ اپنے بچاو کا انتظام فرما لو میں تمہیں خدا کی گرفت نہیں بچا سکتا۔ آگے ارشاد ہوتا ہے:

یا فاطمة بنت محمد سلاینی ما شئت من مالي لا أغني عنك من الله شيئا۔

اے (میری لختِ جگر)فاطمہ! جس کا میں مالک ہوں (مالی، ضروریاتِ زندگی وغیرہ) وہ مانگ تو میں تجھے دے دوں گا لیکن اللہ تعالیٰ کی گرفت سے میں تجھے نہیں بچا سکتا۔ (صحیح البخاری ج2ص702 ، صحیح مسلم ج1ص114، ابو عوانہ ج1ص193، مسند احمد ج2ص87)

حدیث نمبر3:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات ازواج مطہرات رضی ا للہ عنہما میں برابر ی کرتےتھے اور یہ فرمایا کرتے تھے:

اللهم ! هذه قسمي فيما أملك فلا تؤاخذني فيما تملك و لا أملك۔

قال الترمذی: یعنی انما الحب و المودۃ۔

یعنی اے اللہ جس ظاہری تقسیم کا میں مالک ہوں میں کو اد ا کر چکا اور جس چیز کاتو مالک ہے اور میں مالک نہیں (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبت) تو اس میں میرا مواخذہ نہ کرنا۔

(سنن الترمذی ج1ص134، سنن ابی داود: ج1ص290 ، سنن النسائی: ج2ص78، ابن ماجہ ج1ص144، مشکوٰۃ ج1ص279، مستدرک الحاکم: ج2ص178)

اس روایت کو امام حاکم رحمہ اللہ اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح علی شرط مسلم قرار دیا۔ (مستدرک الحاکم: کتاب النکاح- ح2761)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اسناد صحیح ورجالہ کلھم ثقات ۔ (ابن کثیر ج3ص511)

حدیث نمبر4:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس خلاصہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق عامۃ المسلمین (مثلاً غنیمت وغیرہ) میں خیانت کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے اونٹ ،بکری ، گھوڑے ، کپڑے وغیرہ میں خیانت(چوری) کی تو یہ تمام اشیاء قیامت کے دن اس کی گردن پر ہوں گی اور اپنی اپنی آواز ظاہرکرتی ہوں گی اور ایسا خائن وہاں کہے گا:

یا رسول الله أغثني فأقول لا أملك لك شيئا قد أبلغتك۔

اے اللہ کے رسول میری مدد کیجیے اور میں کہوں گا میں تجھے تبلیغ کر چکا تھا۔ (بخاری ج2ص342، مسلم ج2ص122)

حدیث نمبر5:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیبیاں تھیں؛ حضرت خدیجہ ، حضرت زینب ام المساکین، حضرت عائشہ، حضرت جویریہ، حضرت حفصہ ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب بنت حجش ، حضرت ام حبیبہ ، حضرت صفیہ ، حصرت سودہ، حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنھن۔ (مرقات ج4ص42)

اور دو لونڈیاں تھیں؛ ایک حضرت ماریہ قبطیہ جن کے بطن سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ (مستدرک ج4ص38)

اور دوسری حضرت ریحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھیں۔ (مستدرک ج4ص41)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا آپ کی زندگی میں وفات پا گئی تھیں بقیہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن آپ کے بعد زندہ رہیں ان کے بارے میں آپ کو کافی پریشانی تھی آپ نے فرمایا : إن أمركن مما يهمني بعدي الحديث۔

(جامع الترمذی ج2ص216 وقال حدیث حسن صحیح غریب، موارد الظمان: ص547)

کہ بے شک تمہارا معاملہ مجھے اپنے بعد پریشان کر رہا ہے۔

اس عقیدے کے رد پر اکابر امت کی تصریحات

[۱]: علامہ سبکی لکھتے ہیں:

و النبی صلی اللہ علیہ و سلم اعرف الخلق باللہ تعالی فلم یکن یسال ربہ تفسیر حکم من الاحکام الشرعیۃ و لایفعل فیہا الاما یؤمر بہ• (شفاء السقام: ص177)

[۲]: امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

معجزہ رسول کا اختیاری فعل نہیں نہ رسول کو اس کے ظاہر کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔ (مجربات غزالی ص 299)

[۳]: شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام اور اور اولیاء سب کا یہ حال ہوا کہ انہوں نے بہت سی چیزیں چاہیں کہ ہو جائیں لیکن نہ ہوئیں اور بہت سے ایسے کام جنہیں انہوں نے چاہا کہ وہ نہیں ہوں وہ ہوگئے۔ (مکتوبات دو صدی مکتوب نمبر 60،67)

[۴]: شیخ عبدالواحد بلگرامی فرماتے ہیں:

نوح علیہ السلام نے سینکڑوں برس تک اپنے بیٹے کے لیے کوشش کی اور اہتمام کلی کیا کہ کسی طرح وہ مسلمان ہوجائے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ حضرت ابر اہیم علیہ السلام نے اپنے چچا کے لیے بہتری کی شش کی کہ وہ بت پرستی سے باز رہیں اور مسلمان ہوجائیں مگر کچھ نہ ہوا ۔ مصطفیٰ علیہ السلام نے ابو طالب کےلیے کتنی کوشش فرمائی مگر مفید اور سود مند نہ ہوئی۔ (سبع سنابل اردو ص 98)

[۵]: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

معجزہ اللہ کا فعل ہے نہ کہ رسول کا کیونکہ قانون قدرت کو توڑنا انسانی اختیار سے با ہر ہے۔ (تکمیل ایمان ص 111)

[۶]: شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ عالم قضا وقدر ہے جو انبیاء اور اولیاء کے لیے کمر شکن ہے بہت دفعہ جو مانگتے ہیں نہیں پاتے۔ (مکتوبات قدسیہ ص 716 اردو)

[۷]: قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

اولیاء کرام معدوم کو موجود کرنے یا موجود کومعدوم کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اس لیے پیدا کر نے، معدوم کرنے، رزق دینے ، اولاد، دینے، بلا دور کرنے اور مرض سے شفا دینے وغیرہ کی نسبت ان سے مدد طلب کرنا کفر ہے۔ (ارشاد الطالبین)

[۸]: علامہ سبکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

و من ہذا قول القائل للنبی صلی اللہ علیہ و سلم اسئلک مرافقتک فی الجنۃ، قال: اعنی علی نفسک بکثرۃ السجود و الآثار فی ذالک کثیرۃ ایضا و لایقصد الناس بسوالہم الاکونہ صلی اللہ علیہ سلم سببا و شافعا•

(شفاء السقام: ص 175 باب نمبر 8)

[۹]: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

مذہب صحیح آنست کہ امر تشریح مفوض بہ پیغمبر نمی باشد زیرا کہ منصب رسالت و ایلچی گری نہ نیابت خدا و نہ شرکت در کارخانہ خدائے آنچہ کہ خدائے تعالیٰ حلال و حرام فرماید آنرا رسول تبلیغ می کند و بس از طرف خود اختیار ندارد.

(تحفہ اثنا عشریہ ص 170 باب نمبر 4)

[۱۰]: قاضی سجاد حسین رحمہ اللہ نے"شفاء السقام " کا ترجمہ " زیارت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم " کے نام سے لکھا۔ یہ ترجمہ انہوں نے شاہ ابو الحسن زید فاروقی صاحب کےحکم پر لکھا۔ اس کا مقدمہ شاہ ابو الحسن زید فاروقی صاحب نے لکھا۔ چنانچہ وہ مقدمہ میں لکھتے ہیں:

" عاجز(فاروقی صاحب) قاضی صاحب کے پاس گیا اور ان سے کہا "بحول اللہ وقوتہ" آپ اس کام کو سر انجام دیں اور پھر ترجمہ اس عاجز کے حوالہ کریں تاکہ یہ مبارک رسالہ ذخراً للآخرۃ حضرت ابو الخیر اکادمی سے یہ عاجز طبع کرائے اور یہ بھی آپ سے کہا کہ آپ اس مبارک ترجمہ کا نام اصل نام کا نصفِ آخر "زیادہ خیر الانام" رکھیں ۔ (مقدمہ زیارت

خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم: ص6)

موصوف آگے لکھتے ہیں:

حضرت قاضی سے کہہ دو زید
تم
رب کعبہ خوب لکھی ہے کتاب

(مقدمہ زیارت خیر الانام: ص 16)

چونکہ فریق مخالف کے ہاں یہ مسلم بزرگ ہیں اس لیے ہم نے ان کی بات کی ہے۔ اب مقصد کی طرف آئیے۔

اس رسالہ میں ہے: بیہقی کے دلائل النبوۃ میں مذکور ہے کہ عثمان بن ابی وقاص نےکہا: میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے معاملہ میں یعنی قوت حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس شیطان کا اثر ہے جس کو ''خنزب'' کہتے ہیں، اے عثمان میرے قریب آ۔ میں قریب ہوا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میر ے سینہ پر رکھ دیا جس کی ٹھنڈک میں نے کمر تک محسوس کی پھر فرمایا اے شیطان عثمان کے سینہ سے نکل جا الخ

یہ واقعہ نقل کر نے کے بعد لکھتے ہیں:

اب یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صورۃً طلب ہے ورنہ دراصل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سفارشی کی ہے اب اس کو خواہ توسل کہو یا تشفع کہو یا تجوہ یا توجہ سب کے یہی معنی ہیں ۔

(زیارت خیرالانام ترجمہ شفاء القسام ص 123 مکتبہ جمال کرم)

ایک بات قابل تشریح ہے کہ آج کل اہل بدعت حضرات کا یہی کہنا ہے کہ ڈپو تو حکومت سے لیتے ہیں اور باقی لوگ ڈپو سے لیتے ہیں اسی طرح انبیاء اور اولیاء خدا سے لیتے ہیں اورہم ان سے لیتے ہیں ،جیسے کوئی براہ راست حکومت سے لےتو حکومت ناراض ہوتی ہے کہ ہمارے ڈپو سے لو ہم سے کیوں لیتے ہو اسی طرح خدا سے مانگنے کی بجائے اولیاء سے مانگو ورنہ خدا ناراض ہوگا۔

اس بات کی تفصیل کے لیے ''پیر نصیر الدین وہابی ہے؟'' اور''توحید اورشرک'' از مفتی امین صاحب اور ''توحید اور شرک'' از مولوی محمد راشد آپ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ یہ کس درجہ غلو اور اندھا پن ہے۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ کے فرمان کامطلب یہ ہے کہ ظاہری وسیلہ جناب کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنے ہیں اور نکالنے والا خود اللہ جل مجدہ تھا یعنی آپ نے فرمایا :شیطان نکل جا ،بطور سبب کے فرمایا خدا کے ہی حکم سے فرمایا تو نکالنے والا خدا کے علاوہ کسی اور کو نہ سمجھنا چاہیے ۔

مسئلہ مختار کل پر اہل بدعت کے دلائل کے جوابات

دلیل نمبر1:

الذين يتبعون الرسول النبي الأمي الذي يجدونه مكتوبا عندهم في التوراة والإنجيل يأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث ويضع عنهم إصرهم والأغلال التي كانت عليهم•

(سورۃ الاعراف :157)

جواب:

یہ آیت سورۃ اعراف کی ہے جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر الاتقان علامہ سیوطی ج1ص18)

اگراس آیت کا مطلب یہ ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حلال اور حرام کرنے کا اختیار اس آیت سے مل چکا ہےتو آپ ہی فیصلہ کریں کہ سورۃ تحریم جو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اس میں اس کے خلاف کیوں ارشاد ہوتا ہے کہ :

يا أيها النبي لم تحرم ما أحل الله لك• (سورۃ التحریم:1)

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ میں حلال اور حرام کرنے کا حق دیا جا چکا ہوتا اور اس آیت سے اس کاثبوت ہوتا جیسا کہ فریق مخالف کا زعم باطل ہے تو محال ہے کہ مدینہ میں یہ حکم نازل ہوتا کہ آپ نے وہ چیزیں کیوں حرام کر دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کی ہیں؟! قرآن کریم میں تو قطعاً تعارض اور تخالف کا احتمال ہی نہیں ۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بہت سی مختلف احادیث کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:

والصحیح ان ذلک کان فی تحریمہ العسل• (تفسیر ج4ص387)

باقی آیت میں تحلیل اور تحریم کی جو نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے تو اس کا صحیح محمل یہی ہے کہ آپ نے ان اشیاء کی حلت اور اور حرمت کو بیان کیا ہے۔ روایت آتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی لڑکی حضرت جویریہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ہوئی تو آپ نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں :

وإني لست أحرم حلالا ولا أحل حراما ولكن والله لا تجتمع بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وبنت عدو الله أبدا•

(بخاری جلد1ص438 ومسلم ج2ص290)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوم (لہسن)کھا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا تو لوگوں کو یہ وہم ہوا کہ شاید تھوم حرام ہوچکا ہے ۔ آپ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے ارشاد فرمایا:

أيها الناس إنه ليس بي تحريم ما أحل الله لي ولكنها شجرة أكره ريحها• (صحیح مسلم ج1ص309)

دوسری روایت میں ہے: أيها الناس إنه والله ما لي أن أحرم ما أحل الله ولكني أكره ريحه. (ابو عوانہ ج1ص412)

دلیل نمبر2:

وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم• (سورۃ الاحزاب:36)

جواب:

اس آیت سے تو صرف اتنا ہی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ جو فیصلہ کر لے اور اس کا رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم اس فیصلہ کو بیان اور ظاہر کرتے ہیں تواس معاملہ میں کسی مومن اور مومنہ کو لب کشائی کا حق نہیں پہنچتا۔

دلیل نمبر3:

وما نقموا إلا أن أغناهم الله ورسوله من فضله• (سورۃ التوبۃ: 74)

جواب:

صحیح البخاری (ج2ص620) میں روایت ہے: "فاغناکم اللہ بی" کہ اللہ نے تمہیں میری وجہ سے مالدار کر دیا یعنی آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے وجود مبارک کی برکت اور مال غنیمت و صدقات کے تقسیم ہونے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ذریعہ ہیں اس لیے آپ کی طرف نسبت کی گئی یعنی یہ نسبت ظاہری ہے۔ باقی آیت میں منافقوں کے متعلق بتایا گیا کہ ان کومال غنیمت جو خدا نے دیا بذریعہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم دیا ہے۔ اس کا بھی ان منافقین نےحیا نہ کیا اور اسلام کے خلاف محاذ بنا لیا۔

دلیل نمبر4:

ومنهم من يلمزك في الصدقات فإن أعطوا منها رضوا وإن لم يعطوا منها إذا هم يسخطون • (سورۃ التوبۃ:58)

جواب:

یہ آیت اپنے مدلول پر خود ظاہر ہے کہ صدقات اور غنیمت کے مال کی تقسیم پر دنیا پرست اور خود غرض منافقین نے اعتراض کیا تھا، اگر ان کو حصہ مل جاتا تو اعتراض نہ کرتے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو کیوں نہیں دیتے ۔تو اللہ تعالیٰ ان کی تردید فرماتا ہے کہ اگر وہ منافق اس پر راضی ہوجاتے جو اللہ تعالیٰ نے حقیقۃً اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت اور صدقات کی تقسیم پر ان کو دیا تھا تویہ ان کے لیے بہتر ہوتا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فرمانبردار ہوجاتے اور اگر اس وقت ان کو پورا حصہ نہ مل سکا تھا تو یہ کہہ کر تسلی کر لیتے کہ آئندہ بھی اللہ تعالیٰ سے توقع اور امید ہے کہ کسی غنیمت کے موقع پر ہمیں بہت کچھ دے گا جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرمائیں گے اور ہم کو بھی دیں گے ۔ الغرض اس آیت میں صدقات (وغیرھا) کی تصریح موجود ہے اس سے یہ ثابت کرنا کہ دنیا کی ہر چیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں یا یہ دینا مافوق الاسباب طریق پر تھا(جومتنازع فیہ ہے) بالکل غلط ہے۔

دلیل نمبر5:

وما رمیت إذ رمیت ولکن اللہ رمی. (سورۃ انفال:17)

جواب اول :

اگر اس آیت کے دوسرے ٹکڑے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا ہونا ثابت ہوتا ہے تو اول حصہ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا خدا ہونا بھی ثابت ہوگا کیونکہ ارشاد ہوتا ہے کہ تم نے دشمنوں کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے قتل کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جنگ بدر وغیرہ میں کافروں کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ، حضرت علی ، حضرت عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہی نے قتل کیا تھا لہذا وہ سارے خدا ہوئے؟بتاؤ اب فرق کیا رہا؟

جواب دوم:

انسان کے کام چونکہ عالم اسباب میں ایک خاص قوت اور طاقت سے ظاہر ہوتے ہیں اگر انسان کی طاقت سے زیادہ کام جو عام طور پر اسباب میں انسان سے نہیں ہوا کرتا تو ایسے کام میں اللہ تعالی کے فعل کا خاص دخل ہوتا ہے ۔ چونکہ جنگ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام یہ تھا کہ ایک مٹھی بھر کر دشمنوں کی طرف پھینک دیں اس خاک کو مٹھی کو نزدیک اور سامنے اور پیچھے دائیں بائیں غرض ہر آدمی کی آنکھ میں ڈالنا محض اللہ کی قدرت سے تھا۔ جس طرح تین سو تیرہ کی تعداد میں بے سرو سامان صحابہ کا ہزار مسلح کافروں پر غالب آجانا انسان کی طاقت سے باہر ہے مگر خدا کے لیے کوئی مشکل نہیں۔

دلیل نمبر6:

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔ (سورۃالحشر:7)

جواب:

حدیث شریف میں ہے:

ذروني ما ترکتم . فإنما هلك من کان قبلکم بسؤالهم واختلافهم علی أنبيائهم . فإذا أمرتکم بشيء فخذوا منه ما استطعتم . (ابن ماجہ ص2، مسند احمد ج2ص355)

یہ حدیث مسند احمد (ج2ص508،482،475،313)میں متعدد الفاظ کے ساتھ مروی ہے کسی میں”اذا امرتکم بامر فاتمروا“ آتا ہے کسی میں ”فاتبعوا“ اور کسی میں ”فدعوہ“ اور کسی میں ”ذروہ“ وغیرہ کے الفاظ ہیں ان عام روایات میں اور امر ونہی کو ایک دوسرے کے مقابل میں بیان کیا گیا ہے اور پھر میں ایتمار اور اتباع کا حکم دیاگیا ہے اور استطاعت کی قید لگائی ہے۔ الغرض احادیث وآیت سے واضح ہے کہ دینے اور منع کرنے سے امور شرعی مراد ہیں نہ کہ تکوینی جیسا کہ فریق مخالف نے سمجھا ہے۔

دلیل نمبر 7:

انما انا قاسم و اللہ یعطی• (مشکوٰۃ المصابیح: ص32)

جواب:

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے جو کہ عقائد قطعیہ میں نہیں چلتی ۔
علامہ طیبی رحمہ اللہ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے آپ پر من جانب اللہ جو کچھ نازل ہوتا تھا اس کو آپ وحی الٰہی کے مطابق لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں ۔ اور یہ بات بھی ذہن میں رہے اس میں غنائم بھی داخل ہیں۔
شرح جامع الصغیر میں علامہ عبدالروف مناوی لکھتے ہیں :

المراد أنا أقسم العلم بينكم و الله يعطي الفهم• (فیض القدیر للمناوی: ج2 ص724)

یعنی علم میں بانٹتا ہوں اور فہم خدا جس کو چاہتاہے دیتا ہے۔
اگر یہ مراد لیا جائے کہ کہ سب کچھ ہی حضور دیتے ہیں اور بانٹتے ہیں تو پھر سنیے:

☼ حضرت خولہ بنت حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی اگر طائف فتح ہو تو آپ مجھ کو فلاں عورت کا زیور دے دیجیئے گا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر خدا تعالیٰ اس کی اجازت نہ دے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔ (الا صابۃ: ج8ص70)
☼ مشکوٰۃ شریف (ص 225) میں روایت موجود ہے اللہ نے تمہارے درمیان اسی طرح خود اخلاق تقسیم کر دئیے ہیں جس طرح کہ اس نے تمہارے درمیان رزق تقسیم کر دئیے ہیں اور اللہ دنیا اس کو بھی دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے اور اس کو بھی دیتا ہے جس سے محبت نہیں کرتا۔
☼ ایک روایت میں ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اسی دن اس نے رحمت اور شفقت کے 100 حصے متعین کیے ان سو حصوں میں اللہ تعالیٰ نے ایک حصہ رحمت کا تمام مخلوق میں خود تقسیم فرمایا۔ (مستدرک حاکم ج4 ص 247، مشکوٰۃ شریف ص 207)
☼ خداتعالیٰ خود فرماتے ہیں:

نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحياة الدنيا• (سورۃ الزخرف: 32)

ترجمہ: ہم ہی نے مخلوق کے درمیان دنیا کی زندگی میں معیشت تقسیم کی ہے ۔

دلیل نمبر 8:

فضالہ بن عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : پانچوں نمازوں کی حفاظت کرنا ۔میں نے کہا: حضرت میں تو دنیا کے کام کاج میں مبتلا رہتا ہوں، شاید مجھ سے پانچ نمازوں کی حفاظ نہ ہو سکے۔ آپ نے فرمایا ،پھر صبح اور عصر کی نماز کی پوری پابندی کرنا ۔

(سنن ابی داؤد: ج1ص61)

جواب:

پہلی بات...... یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے جو کہ عقیدہ قطعیہ کے لیے مفید نہیں۔
دوسری بات ...... یہ ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی داود بن ابی ہند ہیں ان کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان کی حدیث کی سند میں اختلاف ہے ۔ (تہذیب التہذیب: ج8ص299)
امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
” وہ کثیر الاضطراب اور کثیر الخلاف تھا یعنی دیگر روایات کی مخالفت کرتا تھا اسانید اور متون دونوں میں ۔“ (تہذیب ج3ص304)
تیسری بات ...... یہ ہےکہ چونکہ یہ زیادہ موکد ہیں اس لیے ان کی تاکید فرمانا مقصود ہے ۔
چوتھی بات...... یہ ہے کہ نمازوں پر پابندی اور اہتمام تو خود قرآن پاک میں موجود

ہے کہ نمازوں کی حفاظت کرو خاص کر درمیانی نماز کی۔

مقصود یہ تھا کہ جب یہ مشکل نمازیں پڑھے گا تو آسان بدرجہ اولیٰ پڑھے گا اس لیے موکد اور خاص اہتمام والی نمازوں کا ذکر کیا۔

دلیل نمبر 9:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوکر اس شرط پر مسلمان ہوا کہ میں صرف دو نمازیں پڑھوں گا ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرمالیا تھا، فریق مخالف کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ آپ مختار کل تھے۔ یہ حدیث مسند احمد ج5 ص25 ص 363 اور طبقات ابن سعد ج7 ص 56 قسم اول میں مذکور ہے۔

الجواب:

جس روایت میں راوی ہے یہ کہے کہ ”عن رجل من الصحابہ“ یا ”عمن سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ (یا عن رجل منہم) تو ایسی سند اور حدیث قابل احتجاج نہیں تاوقتیکہ وہ راوی اس کانام نہ بتلائے اور جب تک کہ اس کا صحابی ہونا معلوم نہ ہوجائے اس کی بات توجہ اور التفات کے قابل نہیں ہے۔ کئی محدثین نے ”عن رجل من الصحابہ “ کی سند پر کلام کیا ہے اور سند کو مجہول کہا ہے۔

(دیکھیے دل کا سرور ص 140)

اس روایت کا حال بھی یہی ہے۔ ایسی حدیث سے عقیدہ ثابت کرنا محل غور ہے باقی اس کامفہوم یہ ہے کہ وہ اسلام لے آئیں پھر نماز بھی پوری ہوجائےگی۔ جیسے کہ بعض لوگ اسلام اس شرط پر لائے کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں اور جہاد نہ کریں گے تو آپ نے فرمایا یہ جب مسلمان ہوگئےتو زکوٰۃ بھی دیں گے اور جہاد بھی کریں گے۔ (البدایہ والنہایہ ج5ص30)

بعض لوگ مسلمان ہوئے اس شرط پر کہ ہم عشاء کی نماز نہیں پڑھیں گے کیونکہ اس وقت دودھ نکالتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ان شاء اللہ تم دودھ بھی نکالو گے اور عشاء کی نماز بھی پڑھو گے۔ (مجمع الزوائد ج1ص294)

دلیل نمبر 10:

بعض حضرات وہ حدیث پیش کیا کرتے ہیں جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف تحریم مکہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تحریم مدینہ کی نسبت آئی ہے ”ان ابراہیم حرم مکۃ“ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم کر دیا ”وانی حرمت المدینۃ“ اور میں نے مدینہ کو حرم بنادیا ہے۔

جواب:

صحیح البخاری (ج1ص247) اورصحیح مسلم (ج1ص437)میں حدیث موجود ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

إن مكة حرمها الله ولم يحرمها الناس•

اسی طرح صحیح البخاری (ج1ص251) اور صحیح مسلم (ج1ص442) میں حدیث ہے :

حرم ما بين لابتي المدينة على لساني•

باقی شیخ دھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اسناد تحریم بابراہیم علیہ السلام از جہت آں باشد کہ وے رسانید واعلام کر دحکم الہی زیرا کہ حاکم بشرائع واحکام خدا تعالیٰ است حکم وے قدیم است انبیاء علیہم السلام رسانند آں احکام اند.

(اشعۃ اللمعات ج2ص178)

دلیل نمبر 11:

صحاح ستہ میں آتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مکہ کے درختوں اور کانٹوں کی نسبت فرمایا کہ ان کو کاٹنا حرام ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ”اذخر“ (ایک قسم کی گھاس ہے) کو مستثنیٰ قرار دینے کی درخواست چنانچہ آپ نے اس کو مستثنیٰ کر دیا ۔ مخالفین کا کہنا ہے اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختار مطلق نہ تھے

تو آپ نے اذخر کو کیوں مستثنیٰ کیا؟ اس سے معلوم ہواکہ آپ مختار کل تھے۔

جواب:

☼ قرآن پاک میں ہے:

وما ينطق عن الهوى • إن هو إلا وحي يوحى • (سورۃ النجم:3، 4)

یعنی آپ خدا سے وحی پاک احکام بیان فرماتے ہیں۔

☼ سنن دارمی شریف (ص 77) اور فتح الباری (ج3 ص228) میں منقول ہے کہ جبرائیل امین جس طرح قرآن پاک لاتے تھے اسی طرح احکام بھی لاتے تھے۔

☼ مشکوٰۃ شریف (ص 26) میں بھی اسی طرح کی ایک روایت موجود ہے۔

الا انی اوتیت القرآن و مثلہ معہ•

رہی فریق مخالف کی پیش کردہ روایت تو اس کی تشریح میں امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

هذا محمول على أنه صلى الله عليه و سلم أوحى إليه في الحال باستثناء الأذخر• (شرح مسلم: باب تحریم مکۃ)

باقی وحی کا اتنی جلدی آنا یہ کوئی خدا کی قدرت سے بعید نہیں۔ اور یہی جواب ان احادیث کا بھی ہے کہ

(1): ایک صحابی نے پوچھا کہ کیا ہرسال حج فرض ہے آپ نے فرمایا کہ میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہوجاتا ۔

(2): کہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کے لیے چھ مہینے کی بکری کی قربانی جائز قراردی۔

(3): کہ حضرت خزیمہ ثابت انصاری کی گواہی کو دو مردوں کے قائم مقام ٹھہرایا۔

علامہ سعیدی لکھتے ہیں: یہ محال نہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جس وقت سوال کیا گیا تھا کسی اور مقام پر اسی وقت پلک جھپکنے میں آپ پر وحی نازل ہوگئی ہو۔ (نعمۃ الباری شرح بخاری ج1ص405)

دلیل نمبر12:

ایک روایت آتی ہے جس کامضمون یہ ہے کہ نوحہ (بین کرنا) سب کے لیے حرام تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک جگہ نوحہ کرنے کی اجازت دی ۔ اس روایت کی شرح میں فریق مخالف امام نووی رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نقل کیا کرتا ہے : "وللشارع ان یخص من العمومات ما شاء اوکما قال" کہ شارع کو حق پہنچتا ہے کہ عمومات میں سے جو چاہے خاص کرے۔

جواب:

پہلی بات--- ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ، علامہ زرقانی ، علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تشریح میں لکھاہے کہ نوحہ پہلے مباح تھا پھر مکروہ تنزیہی ہوا اسی اثناء میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو اجازت ملی پھر نوحہ بالکل حرام ہوگیا۔

دوسری بات--- یہ ہے کہ آپ نے وحی پاکر لوگوں کا احکام سناتےتھے۔

تیسری بات--- یہ ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ کے قول"شارع" سے مراد خدا کی ذات ہے حقیقی طور پر شارع تو خدا ہی ہے ، ہاں مجازی طور پر آپ کو شارع کہنا جائز اور صحیح ہے مگر یہاں مراد خدا کی ذات ہے۔

دلیل نمبر13:

صحاح ستہ وغیرہ میں ایک روایت آتی ہے جس کامضمون یہ ہے کہ رمضان المبارک میں ایک صحابی نے اپنی بیوی سے دن کے وقت جماع کر لیا تھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں اب کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ غلام آزاد کرو وہ کہنے لگا کہ میرے پاس نہ غلام نہ غلام خریدنے کی رقم۔ آپ نے صلی ا للہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو ۔اس نے کہا: مجھے اس کی بھی استطاعت نہیں ، آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا : اچھا بیٹھو۔ اتنے میں ایک شخص (ایک صاع ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے) کھجوریں لایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:یہ کھجوریں لے لو اور ان کو صدقہ کردو۔ وہ صحابی بولا کہ مدینہ بھر میں مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں ، تب آپ نے فرمایا کہ اپنے گھر کے لوگوں کو کھلا دو تمہارا کفارہ ادا ہوگیا۔

فریق مخالف نے اس روایت کو پیش کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے کفارہ ساقط کر دیا تھا تو آپ مختار کل ہوئے۔

جواب:

یہ حدیث بخاری (ج1 ص259)، مسلم (ج1 ص355)، ابو داؤد (ج1 ص333)، ترمذی (ج1 ص90)، ابن ماجہ (ص121)، موطا مالک (ص90)، طحاوی (ج1 ص325)، مسند احمد (ج2 ص208)، السنن الکبریٰ (ج4 ص237)، مشکوٰۃ (ص176) وغیرہ میں موجود ہے لیکن کسی بھی حدیث میں یہ جملہ نہیں کہ "جا تیرا کفارہ ادا ہوگیا"۔ امام زہری رحمہ اللہ سے تو یہ جملہ منقول ہے کہ "جا تیرا کفارہ ادا ہوگیا " لیکن محدثین اس کو حدیث کا لفظ نہیں مانتے۔ (نصب الرایہ ج2ص453،الدرایہ ص 175)

☼ علامہ دقیق العید رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس کو اس آدمی کی خصوصیت ماننا ضعیف قول ہے ۔ (احکام الاحکام ج2ص10)

☼ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی ضعیف کہا ہے ۔ (حاشیۃ مشکوٰۃ شریف ج1ص176)

☼ امام نووی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں ۔ (شرح مسلم ج1ص354)

☼ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے زہری کی اس زیادت کو ضعیف قرارد دیا ہے ۔(تلخیص الحبیر ص 166، اور فتح الباری ج4ص134)

☼اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ اس کو اس بات کی گنجائش دی گئی کہ جب اس کو وسعت ہوگی تو ادا کر دے گا۔ (لمعات حاشیہ بخاری ج1ص260)

دلیل نمبر14:

فریق مخالف یہ واقعہ بیان کرتا ہے کہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی آنکھ غزوہ احد میں باہر نکل گئی تھی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے ، حضرت میری بیوی نوجوان ہے اور مجھے اس سے محبت ہے ممکن ہے کہ میری آنکھ کو اس حالت میں دیکھ کر وہ نفرت کرنے لگ جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آنکھ کا ڈھیلا اٹھا کر اپنی جگہ رکھا اور آنکھ صحیح ہوگئی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری وہ آنکھ پھر کبھی دکھنے نہیں پائی۔

فریق مخالف اس روایت کو پیش کر کے اس پر حاشیہ چڑھایا کرتا ہے کہ دیکھو خدا کی دی ہوئی آنکھ تو دکھ اٹھایا کرتی تھی ، لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی آنکھ بہتر اور خوبصورت تھی اور کبھی نہ دکھتی تھی۔

جواب:

اگر غور کیا جائے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا :

وان شئت رددتہا و دعوت اللہ۔

اگر تو چاہے تو میں لوٹا دوں یعنی اس کو اپنی جگہ پر رکھ دوں اور اللہ سے دعا کروں کہ وہ صحیح کر دے ۔ حضرت قتادہ نے کہا میری یہی آرزو ہے تو آپ نے یوں کہہ کر دعا دی: اے اللہ! اس کی آنکھ کو جمال اور روشنی عطا فرما۔ تو اللہ نے دعا منظور فرمائی اور حضرت قتادہ کی آنکھ درست ہوگئی۔

(عمدۃ القاری ج8ص173 وکامل للمبرد ج3ص307)

اسی طرح حضرت رافع کی آنکھ کا مسئلہ تھا وہ کہتے ہیں:

فبصق فیہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ودعا لي فما أذاني منہا شئ. . . وإسنادہ جید۔ (البدایہ والنہایہ ج4ص33)

دلیل نمبر15؛

صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں روایت آتی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اعطیت مفاتیح خزائن الارض۔

یعنی مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں ۔

فریق مخالف اس روایت سے یہ ثابت کیا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام خزانے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دئیے ہیں اور آپ ان لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

جواب:

اولاً: قرآن تو کہتا ہے: ” قل لا أقول لكم عندي خزائن الله “ (سورۃ الانعام:50) تو آپ علیہ السلام کیسے فرماسکتے ہیں کہ مجھے خزانے دیئے گئے۔

ثانیاً: امام نووی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کا مطلب یہ ہے آپ کی امت خزائن کی مالک بنے گی اور ایسا ہوا بھی۔ (شرح مسلم ج2ص25)

علامہ عزیزی فرماتے ہیں:

استعارۃ لو عداللہ بفتح البلاد۔ (السراج المنیر ج1ص245)

بلکہ مستدرک حاکم میں (ج4ص449) ہے اللہ نے مجھے دونوں خزانے دئیے ہیں سرخ اور سفید(ان سے قیصر وکسریٰ کی حکومتیں مراد ہیں) اور میری امت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک مجھے مشاہدہ کرایا گیا ہے۔

دلیل نمبر16:

مخالفین نے یہ واقعہ بھی پیش کیا ہے کہ سونے کی انگوٹھی مردوں میں سے کسی کے لیے جائز نہیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازب کے لیے سونے کی انگوٹھی کو جائز قرار دیا ۔اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مختار کل ہوئے۔

جواب:

اس کی سند صحیح نہیں۔ علامہ حازمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اسنادہ لیس بذلک۔ (کتاب الاعتبار ص 232)

یعنی اس کی سند قابل اعتبار نہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صفت نور وبشر

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

چند تمہیدی باتیں :

[۱]: بحث نبی پاک صلی اللہ علیہ و سلم کے وجود مسعود پر ہوگی نہ کہ آپ کی روح مبارکہ پر اس لیے وہ دلائل پڑھے جائیں جو اس وجود مبارکہ سے متعلق ہوں ۔

[۲]:

اس مسئلہ پر بریلوی حضرات چونکہ بشر کہنے اور ماننے والوں کو کافر کہتے ہیں اس لئے اس پر دلائل قطعیہ درکار ہیں ۔ملاحظہ فرمائیے:

1: مولوی عبدالرشید رضوی لکھتے ہیں: اب جو نبی کو بشر کہے وہ نہ تو خدا ہے اور نہ ہی نبی ۔لہذا وہ کفار میں ہی داخل ہوا ۔ (رشدالایمان ص45)

2: مولوی نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں: قرآن پاک میں جابجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا ۔(خزائن العرفان ص5)

3: مفتی احمد یار خان نعیمی نے بھی مثل عبد الرشید رضوی لکھا ہے دیکھیئے ۔ (نورالعرفا ن ص 448،636)

4: ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:انکو بشر ماننا ایمان نہیں ۔ (تفسیر نعیمی ج1ص100)

اس طرح کئی دلائل دیے جاسکتے ہیں ۔ تو معلوم ہو ا کہ یہ بریلوی عقیدہ قطعی ہے کہ نبی پاک علیہ السلام بشر نہیں ہیں اور صرف نور ہیں ۔

بریلوی دعوی

نبی پاک علیہ السلام نور ہیں اور بشری لباس میں تشریف لائے ۔

تنقیحات

تنقیح نمبر 1:

لباس بشری میں نبی پاک صلی اللہ علیہ و سلم کو ماننا آپ کی بشریت کی نفی ہے ۔کیونکہ لباس بشریت تو وہ پہنے گا جو بشر نہیں ہوگا جیسے جبرائیل امین بشر نہیں تو انکو لباس بشر میں آنا پڑتا تھا ۔تو وہ بشر نہیں تھے اس لیے تو لباس بشر میں تشریف لاتے اگر بشر ہوتے تو لباس بشریت میں آنیکی ضرورت ہی کیا تھی ۔ اس لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ و سلم کو لباس بشریت میں ماننا انکار بشریت ہے ۔کیونکہ بریلوی مسلک کے علامہ سعیدی لکھتے ہیں :

بعض لوگ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کو انسان اور بشر نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ آپکی حقیقت نور ہے اور بشریت آپکی صفت یا آپ کا لباس ۔ (تبیان القرآن ج2ص453)

نوٹ: لباس بشریت ہو اور ہوں نور تو پھر نورانی مخلوق فرشتہ ہوئے جبکہ یہ قرآن کے خلاف ہے۔

معلوم ہوگیا کہ لباس بشریت کہنا انکار بشریت جانکلتا ہے ۔(بریلوی مسلک کی روشنی)اور بریلوی مشائخ وعلماء نے یوں بھی لکھا ہے :

1)۔ جو شخص انبیاء ورسل کی بشریت کا انکار کرتا ہے وہ ان کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہے ۔

(انوار رضا ص148۔انوار کنزالایمان ص851۔جمال کرم ج1ص737)

2)۔ اشرف جلالی کہتا ہے بشریت ہمارے نزدیک قطعی عقیدہ ہے اور اس کا انکار کفر ہے ۔ (نورانیت مصطفیٰ سے انکار کیوں؟ ص9)

3)۔ مفتی صدیق ہزاروی لکھتا ہے: انبیاء کرام بشر تھے اور ان کے بشر ہونے کا انکار کفر ہے ۔ (عقائد وعبادات ص12)

ملاحظہ کیجیے! اہل بدعت اپنے ہی اصول وتحقیق کی بنیاد پر کیا ٹھہرے ؟!

تنقیح نمبر2:

اگر بریلوی یوں کہیں کہ ہم آپکی بشریت کو مانتے ہیں اور اس دعوی سے اقرار بشریت ہو رہا ہے نہ کہ انکار ۔تو پھر ہماری طرف سے عرض یہ ہے کہ آپ کے علماء نے یہ جو لکھا ہے انکو بشر ماننا ایمان نہیں ۔ (تفسیر نعیمی ج1ص100مکتبہ اسلامیہ)

اور یہ جو لکھا ہےکہ جو ذات اقدس سب سےپہلے بشر (ابولبشر)سے بھی پہلے موجود ہواس مقدس ومطہر ہستی کو بشر کہنایا ماننا کس طرح صحیح ہے ۔ (انوار قمریہ ص94)

اور یہی بات مولوی عبد المجید خان سعیدی نے مصلحانہ کاوش (ص151) میں بھی نقل کی ہے۔ تو آپ اگر ''بشر'' مانتے بھی ہیں تو بات تو پھر بھی وہیں ٹھہری ۔

تنقیح نمبر3:

کیا آپ کو ''بشر'' کہا جاسکتا ہے؟ تو بریلوی اس دعوی کی بنیاد پر جھٹ سے کہہ دیں گے نہیں کیوں ؟تو وہ جواب میں کہیں گے کہ کسی شے کا ہونا اور بات ہے اور اس پر کسی شے کا اطلاق نہ ہونا اور بات ہے مثلا اللہ تعالی کائنات کی ہر شے کا خالق ہے یہاں تک کہ خنزیر کتے بلے الخ ۔

(ابلیس تا دیوبند ص46رسائل اولیہ ج5)

اشرف جلالی صاحب کہتے ہیں: کوئی لفظ ہوتا ہے لیکن بولا نہیں جاتا کیا یہ سب کا عقیدہ نہیں کہ خنزیر کا خالق بھی اللہ ہے؟

(مفہوم قرآن بدلنے کی واردات ص187)

یہ بات جلالی صاحب نے بشر کہنے پر کہی ہے تو جب اتنی رذائل چیز وں سے تشبیہ دی جائے تو اس پر فتویٰ بھی تو ہونا چاہیئے تو مولوی حشمت علی کی کتاب الصوارم الہندیہ میں ہے:

جب رذائل کے ساتھ کسی چیز کو تشبیہ دی جاتی ہے تو اس سے تو ہین وتنقیص کے معنی نکلتے ہیں ۔ (الصوارم الہندیہ: ص7)

اور مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: حضور کی شان میں ہلکے لفظ استعمال کرنا ہلکی مثالیں دینا کفر ہے ۔ (نورلعرفان ص345)

اور مفتی حنیف قریشی کہتا ہے: جانوروں کے ساتھ کسی جنس کا ذکر کیا جائے تو یہ اسکی توہین ہے ۔ (مناظرہ گستاخ کون ص54)

تو بریلوی اپنے ہی اصول سے کیا ٹھہرے؟ فیصلہ خود کر لیجیے ۔

تنقیح نمبر4:

اسی دعوی کے مطابق آپ علیہ السلام کا مادہ خلقت کیا ہے ؟اگر بریلوی کہیں کہ مادہ خلقت مٹی ہے نور نہیں تو پھر دعوی ٹھیک نہیں کہ کیوں کہ جس کا مادہ خلقت مٹی ہو وہ لباس بشریت میں نہیں ہوتا بلکہ حقیقی بشر ہوتا ہے ۔اور اگر کہیں کہ مادہ خلقت مٹی نہیں نورہے تو یہ صراحۃ فاضل بریلوی کے خلاف ہے کیونکہ فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

میں اور ابوبکر وعمر ایک مٹی سے بنے اسی میں دفن ہو نگے ۔ (فتاوی افریقیہ: ص90)

اور یہ بھی بریلوی ضابطہ ہے کہ ؛جو احمد رضا خا ن کا ہم عقیدہ نہ ہو وہ کافر ہے۔

(دیکھئے :انوار شریعت ج1ص140،الصوارم الہندیہ ص138،فتاوی صدرلا فاضلاص134)

قارئین! خود فیصلہ کر لیجیے کہ اس اعتبار سے بھی یہ لوگ کیا ٹھہرے ؟

تنقیح نمبر5:

یہ جو آپ نے اپنے دعوی میں لباس بشریت کی بات کی ہے کیا آپکو معلوم ہے کہ لباس انسانی اور لباس بشریت کی بات سب سے پہلے مشرکین مکہ نے کی تھی جیسا کہ بریلوی جید عالم لکھتے ہیں:

جب کفر نے دیکھا کہ ......تو کہا اے لوگو محمد بشر ہرگز نہیں محمد کے روپ میں ہمارا خدا ہی ہمارے سامنے آگیا بلکہ یوں کہو کہ محمد دراصل خدا ہیں جو بدن انسانی میں ہمارے پاس آگئے ہیں جس نے بشری پیکر میں جلوہ نمائی کی جنھوں نے آدمی کا لباس اختیار کرکے ہماری زمین پر تشریف ارزانی کی ہے ۔ (تحفظ عقائد اہل سنت ص681)

معلوم ہو گیا کہ لباس انسانی کا قول سب سے پہلے مشرکین مکہ نے کیا اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہو گئی یہ بات بھی کفر کی ہے کہ خدا آپ علیہ السلام کی صورت میں انسانی لباس میں ظاہر ہوا، اور یہی بات بریلوی اکابرین بھی کہتے ہیں ۔مثلا مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں:

لباس آدمی پہنا جہاں نے آدمی جانا
مزمل بن کے آئے تھے تجلی بن
کے نکلیں گے

(مواعظ نعیمیہ حصہ اول ص119وعظ نمبر 23)

مفتی فیض احمد اویسی لکھتے ہیں:

بجاتے تھے جو انی عبدہ کی
بانسری ہر دم
خدا کے عرش پر انی انا اللہ بن
کے نکلیں گے

(شہد سے میٹھا نام محمد ص205)

مولوی محمد یار فریدی لکھتے ہیں:

حقیقت جن کی مشکل تھی تماشا
بن کے نکلیں گے
جسےکہتے ہیں بندہ قل ہو اللہ
بن کے نکلیں گے

(دیوان محمدی ص149)

فیصلہ خود کر لیجیے کہ یہ حضرات کس کے نقش قدم پر ہیں؟!

تنقیح نمبر6:

معلوم ہو گیا کہ بریلوی بشر یت کے منکر ہیں جوکہ اس دعوی سے بھی ثابت ہے اور درحقیقت یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ و سلم کےکمال کا منکر ہونا ہے کیونکہ مفتی احمد یار نعیمی صاحب لکھتے ہیں انبیاء کی بشریت ان کا کمال ہے تو یہ سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ و سلم کے کمال کا انکار کرنا ہے ۔

تنقیح نمبر7:

نبی پاک صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنے لیے بشر کا لفظ پسند فرمایا ۔خود بھی اپنے کو بشر کہا اور صحابہ کرام میں سے بھی کتنو ں نے۔

(دیکھیے ابوداؤد ج2باب کتابۃ العلم)

تو جو اس لفظ کو نا پسند کرے وہ اپنی خیر منائے کیونکہ سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ و سلم کی پسند کو نا پسند کرنے والا کافر ہے ۔

(غازی ممتاز حسین قادری ص291)

دلائل اہل بدعت کے جوابات

دلیل نمبر1:

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین. (سورۃ المائدۃ: 15)

جواب نمبر 1:

یہاں "نور" سے مراد "نور ہدایت" ہے جیسا کہ سعیدی صاحب لکھتے ہیں کہ سید نعیم الدین مراد آبادی نے آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے نور ہدایت ہو نیکی تصریح کی ہے، زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ سید عالم کو نور فرمایا کیونکہ آپ سے تاریکی کفر دور ہوئی اور راہ حق واضح ہوئی ۔ (تبیان القرآن ج3ص139)

اور سعید ی نے اسی جلد میں لکھا ہے کہ اکثر مفسرین نے اس نور سے مراد نور ہدایت ہونا مراد لیا ہے ۔

جواب نمبر2:

بعضوں نے نور سے "قرآن" اور بعضوں نے "اسلام" مراد لیا ہے اور اکثر نے آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا"نور ہدایت" ہونا مراد لیا ہے اس لیے یہ آیت قطعی الدلالۃ نہیں ہے ۔جو آپ کے

لئے مفید ہو ۔کیونکہ قطعی عقیدہ دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے ۔

جواب نمبر3:

قرآن مقدس میں کئی جگہ قرآن مقدس کو بھی نور کہا گیا ہے۔ مثلاً

وأنزلنا إليكم نورا مبينا. (سورۃ النساء: 174)

واتبعوا النور الذي أنزل معه. (سورۃ الاعراف: 157)

ولكن جعلناه نورا نهدي به. (سورۃ الشوریٰ: 52)

فآمنوا بالله ورسوله والنور الذي أنزلنا. (سورۃ التغابن: 8)

ان آیات میں قرآن مقدس کو بھی "نور" کہا گیا جو کہ یقینا ہدایت ہے ۔ہم بھی کہتے ہیں کہ سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ و سلم بھی ایسے ہی نور ہیں مگر رضا خانی کہتے ہیں کہ جیسے جبرئیل علیہ السلام نور تھے ویسے ہی سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ و سلم بھی ۔تو جواباً گزارش ہے کہ قرآن نے کہہ دیا کہ آپ علیہ السلام فرشتہ نہیں ہیں ۔اور بریلوی اکابر نے بھی لکھا ہے فرشتہ ہوتا آپ کی ہتک تھی ۔ (مقیاس نور ص304)

تو جب فرشتہ ہونا ہتک تھی تو اس کی طرح ہونا بھی تو ہتک ہوگی لہذاآپ قرآن مقدس کی طرح نور ہدایت ہیں ۔

جواب نمبر4:

آپ کے جسم مبارک کو نور ماننا اور بشر نہ ماننا یہ آپ کا کمال نہیں کیونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اگر محض نور مانا جائے تو یہ آپکی شان وکمال کو گھٹانے والی بات ہے ۔

جواب نمبر5:

اس آیت کی تفسیر میں کسی معتبر مفسر نے اگر بریلوی حضرات کا دعوی لکھا ہو تو پیش کر و ؟

دلیل نمبر2:

اول ماخلق اللہ نوری یاجابر ان اللہ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ.الحدیث

جواب نمبر 1:

یہ احادیث قطعی تو درکنار صحیح بھی نہیں ورنہ انکی اسناد پیش کرکے رواۃ کی توثیق پیش کی جائے ؟

جواب نمبر2:

ملا علی قاری لکھتے ہیں :

اول ماخلق اللہ نوری وفی روایۃ روحی ومعناہما واحد الخ• (مرقات ج1ص167)

تو معلوم ہو اکہ اس سے مراد صرف یہ ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ و سلم کی روح مبارک کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا باقی "من نورہ "سے "نورمن نوراللہ" ہونا مراد نہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ اللہ تعالی کی طرف نسبت تعظیمی وتشریفی ہے ۔جیسا کہ بیت اللہ اور روح اللہ اور کلمۃاللہ میں نسبت تعظیم وتکریم کیلئے ہے ۔

جواب نمبر3:

اس دلیل میں یہ تو کہیں بھی نہیں کہ آپ کا مادہ خلقت نور ہے اور بشریت صرف لباس ہے ۔

جواب نمبر4:

سیدنا جابر کی روایت سے صرف نبی پاک علیہ السلام کا نور ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ ساری کائنات کا نوری ہونا ثابت ہوتا ہے ۔اس لئے یا تو سب کو نور مانو یا پھر نبی پاک علیہ السلام کابھی جسم وجود کے اعتبار سے نور ہونایعنی مادہ خلقت نور ہونا ثابت نہیں ہوتا ۔اور پہلی حدیث کے آگے بھی بعض جگہ یوں ہے:

المؤمنون من نوری•

کہیں ہے:

المؤمنون منی۔

اور کہیں ہے :

ومن نوری خلق کل شیء۔

سب کا مقصد یہ ہے کہ مخلوق میرے نور سے بنی ہے تو کیا اسے ماننے کیلئے بریلوی تیار ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام کیطرح ساری مخلوق نور ہے ؟

جواب نمبر5:

’’انامن اللہ والمؤمنون منی‘‘ کو محدثین نے موضوع من گھڑت قرار دیا ہے :

قال العسقلانی : انہ کذب مختلف فیہ وقال زرکشی لا یعرفہ وقال ابوتیمیۃ موضوع وقال السخاوی ہو عند الدیلمی بلا اسناد۔ (موضوعات کبیر: ص40)

دلیل نمبر3:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ان کی عمر پوچھی تو انہوں نے فرمایا: اس کے علاوہ میں نہیں جانتا کہ ایک ستارہ ستر ہزار سال بعد طلوع ہوتا تھا، میں نے اسے بہتر ہزار بار طلوع ہوتے دیکھا ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: یا جبرائیل! و عزۃ ربی جل جلالہ انا ذلک الکوکب۔ (تفسیر روح البیان بحوالہ رشد الایمان)

جواب:

اولاً--- یہ روایت درجہ صحت تک ہی نہیں پہنچتی۔
ثانیاً--- عقائد کے باب میں یہ کیونکر چل سکتی ہے۔
ثالثاً--- بات تو جسد مبارک کی چل رہی ہے، زیادہ سے زیادہ اس سے روح پاک کی تخلیق کا ذکر ہے جو کہ تمہیں مفید نہیں۔

دعویٰ اہل السنت و الجماعت دیوبند

آپ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا مادہ خلقت مٹی ہے نور نہیں اور نبی پاک علیہ السلام صفات کریمہ کے اعتبار سے نور علی نور ہیں ۔

دلائل اہل السنت و الجماعت

دلیل نمبر1:

ومٰاارسلنامن قبلک الارجالانوحی الیھم من اہل القری۔ (یوسف:109)

ترجمہ:آپ سے پہلے ہم نے جتنے(پیغمبر)بھیجے وہ مردہی تھے کہ جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے(اوروہ)بستیوں کے رہنے والے تھے۔

دلیل نمبر2:

اذقال ربک للملئکۃ انی خالق بشرا من طین۔ (سورۃ ص:71)

ترجمہ:جب تیرے رب نے فرشتوں کوکہاکہ میں مٹی سے بشرپیدا کرنے والا ہوں۔

دلیل نمبر3:

قل سبحان ربي هل كنت الابشرا رسولا (سورۃ بنی اسرائیل:93)

ترجمہ: فرمادیجئے سبحان اللہ!میں توآدمی ہوں بھیجاہوا۔

دلیل نمبر4:

اللہ یصطفی من الملئکۃ رسلا ومن الناس۔ (سورۃ الحج:75)

ترجمہ: اللہ ، فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول منتخب کرتا ہے۔

دلیل نمبر5:

قل انماانابشر مثلکم یوحی الی انماالھکم الہ واحد۔ (سورۃ الکھف:110)

ترجمہ:کہَ دیجئے کہ میں بشرہوں جیسے تم بشر ہو، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔

دلیل نمبر6:

قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا (بنی اسرائیل:95)

ترجمہ:کہَ دیجئے کہ زمین میں اگر فرشتے مطمئن ہوکرچلتے توہم آسمان سے فرشتے کورسول بناکربھیجتے۔

دلیل نمبر7:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :

کان بشرا من البشر • (شمائل ترمذی ص23باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ ﷺ کی آخری حدیث)

دلیل نمبر8:

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم رجلا مربوعا • (شمائل ترمذی: ص1) کہ آپ میانے قد آدمی تھے ۔

دلیل نمبر9:

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

اتقتلون رجلا ان یقول ربی اللہ• (صحیح البخاری: ج1ص519، 520)

ترجمہ: کیا تم اس آدمی کو قتل کرنا چاہتے جو یہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے ۔

دلیل نمبر10:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

قلنا اما الرجل الصالح فرسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم• (المشکوۃ: ج2ص563)

ترجمہ: ہم (صحابہ)نے کہا: ”رجل صالح“ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ہیں ۔

دلیل نمبر11:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے جوسنتا،لکھ لیا کرتا، تو قریش نے مجھے روکااورکہاکہ تو ہرچیز لکھ لیتاہے جوسنتاہے:

ورسول اللہ بشریتکلم فی الغضب والرضآئ• (سنن ابی داؤد: ج2ص568)

ترجمہ: حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و سلم توبشرہیں، غصہ اوررضاء کی حالت میں کلام کرتے ہیں۔

معلوم ہواکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاعقیدہ بھی یہی تھاکہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم بشرہیں۔

دلیل نمبر12:

فرشتہ کہتا ہے : ماکنت تقول فی ھذاالرجل لمحمد• (صحیح البخاری: ج1ص184)

فرشتہ قبر میں سوال کرتا ہے کہ تو اس آدمی یعنی محمد صلی اللہ علیہ و سلم کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

چند دلائل آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے سایہ ہونے پر

دلیل نمبر1:

امام حاکم ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحافظ(م405ھ) اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، پھر پیچھے ہٹالیا۔ ہم نے کہا: یا رسول اللہ ہم نے آپ کو اس نماز میں ایسی کارروائی کرتے دیکھا ہے جو آپ نے اس سے قبل نہیں کی۔ فرمایا: ہاں بلاشبہ مجھ پر جنت پیش کی گئی تو میں نے اس میں اونچے درخت

دیکھے جن کے گچھے نیچے کو جھکے ہوئے تھے تو میں نے ارادہ کیا کہ ان سے کچھ لے لوں، پس میری طرف وحی آئی یہ کہ پیچھے ہٹ جا ، سو میں پیچھے ہٹ گیا اور مجھ پر دوزخ بھی پیش کی گئی جو میرے اور تمہارے درمیان تھی یہاں تک اس کی آگ کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا، پس میں نے تمہیں اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹ جاؤ، سو میری طرف وحی آئی کہ ان کو ان کی جگہ پر ٹکا رہنے دے کیونکہ تو نے اسلام قبول کیا اور انہوں نے بھی ، تو نے ہجرت کی اور انہوں نے بھی ، تو نے جہاد کیا اور انہوں نے بھی، پس میں تیری ان پر بجز نبوت کے اور کوئی فضیلت نہیں دیکھتا، پس میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ میری امت میرے بعد فتنوں میں مبتلا ہوگی۔

(مستدرک الحاکم: ج4 ص456 قال الحاکم و الذہبی: صحیح)

دلیل نمبر 2:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے اور اس سفر میں بعض دیگر ازواج مطہرات بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ کا اونٹ بیمار ہوگیا۔ حضرت زینب رضی ا للہ عنہا کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اونٹ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ صفیہ کا اونٹ بیمار ہے اے زینب! اگر اسے اپنا فالتو اونٹ دے دے تو بہتر ہوگا۔ انہو ں نے کہا : کیا میں اس یہودیہ کو اونٹ دے دوں؟ ان کے اس نامناسب جواب سے آپ ناراض ہوگئے اور آپ نے ذوالحجہ، محرم دو یاتین ماہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس جانا ہی ترک کردیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ سے ناامید ہوگئی اور میں نے اپنی چار پائی وہاں سے ہٹا دی ، فرماتی ہیں کہ میں اسی حالت میں تھی کہ اچانک ایک دن دوپہر کے وقت میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دیکھا جو میری طرف آرہا تھا۔

(طبقات ابن سعد: ج8 ص126)

اس حدیث کے کے راوی یہ ہیں :

(1): عفان بن مسلم رحمہ اللہ:

آپ صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ امام عجلی رحمہ اللہ ان کو ثقہ اور ثبت کہتے ہیں ، امام ابو حاتم رحمہ اللہ ان کو ثقہ، امام اور متقن کہتے ہیں، علامہ ابن سعد رحمہ اللہ ان کو ثقہ، کثیر الحدیث، ثبت اور حجت کہتے ہیں ، امام ابن خراش ان کو ثقہ من خیار المسلمین اور محدث ابن قانع ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ امام ابن حبان ان کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ج7 ص231 تا 234)

(2): حماد بن سلمہ رحمہ اللہ:

علامہ ذہبی ان کو الامام، الحافظ اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ (تذکرۃ الحفاظ: ج1 ص189)

(3): ثابت بنانی رحمہ اللہ:

یہ بھی صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں۔ امام نسائی اور امام عجلی ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ علامہ ابن سعد ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ محدث ابن حبان ان کو ثقات میں شمار کرتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب: ج3 ص3)

(4): شمیسہ رحمہا اللہ:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مقبولۃ من الثالثۃ (تقریب التہذیب: ص473) کہ یہ تیسرے طبقے کے راویوں میں سے ہے اور مقبول ہے اور ان پر کسی کی کوئی جرح منقول نہیں ہے۔

(5): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا:

غرضیکہ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں اور یہ روایت مسند احمد اور مجمع الزوائد میں بھی ہیں، اس کے الفاظ آخر میں یوں ہیں:

” یعنی جب ربیع الاول کا مہینہ آیا تو آپ میرے پاس آئے ، فرماتی ہیں کہ جب میں نے آپ کا سایہ دیکھا تو میں نے کہا: یہ سایہ تو مرد کا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آتے نہیں تو یہ کون ہے؟! اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوگئے۔

(مسند احمد: ج6ص336، مجمع الزوائد: ج4ص323)

سایہ نہ ہونے والی روایت اور اس کا جواب

اخرج الحکیم الترمذي عن ذکوان ان رسول الله {صلی الله علیه وسلم} لم یکن یری له ظل في شمس ولا قمر•

(الخصائص الکبریٰ: ج1 ص68)

جواب:

حکیم ترمذی ایک صوفی منش بزرگ تھے جن کی تالیفات میں رطب و یابس موجود ہے۔ اس حکیم ترمذی کی کتاب ''نوادر الا صول فی معرفۃ اخبار الرسول'' ہے، انہوں نے اس کتاب میں روایت کو مرسلاً ذکر کیا ہے، پھر اسی روایت کو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الخصائص الکبریٰ'' میں نقل کیا ہے لیکن اگر اس روایت پر غور کیا جائے اور محدثانہ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت سراسر غلط اور بے اصل ہے کیونکہ اس روایت کو عبدالرحمن بن قیس الزعفرانی اور عبدالملک بن عبداللہ الولید ، ذکوان کے واسطے سے بیان کرتے ہیں جو دونوں غیر معتبر ہیں۔ اب ان دونوں راویوں پر بحث کر لی جائے، اگر یہ راوی ثقہ اور معتبر ہیں تو روایت قابل قبول ہے ورنہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

چنانچہ پہلا راوی ''عبدالرحمن بن قیس الزعفرانی'' ہے۔ اس کے بارے میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ھو کذاب وضاع'' یعنی وہ جھوٹا اور جھوٹی من گھڑت روایتیں بنانے والا تھا۔ (مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء: ص 7)

اور علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ دونوں کے متعلق فرماتے ہیں:

اما ذکرہ الحکیم الترمذی فی نوادر الا صول عن عبدالرحمن بن قیس مطعون عن عبدالملک بن عبدللہ بن الولید وھو مجھول• (شرح الشفاء بر حاشیہ خفا جی: ج3ص682)

ملا علی قاری رحمہ اللہ کے نزدیک نوادر الاصول کی زیر بحث روایت کے دونوں رواى مجروح ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

عبد الرحمن بن قیس الضبي أبو معاویة الزعفراني متروك کذبه أبو زرعة وغیره•

(تقریب التہذیب: رقم الترجمہ 3989)

کہ عبدالرحمن بن قیس الضبی ابو معاویہ متروک ہے(جس سے روایت لینا جائز نہیں) اور ابو زرعہ نے اسے جھوٹا کہا ہے۔

چنانچہ نوادر الاصول کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

نوادر الاصول اکثر احادیث غیر معتبر دارد• (بستان المحدثین ص 68)

ترجمہ: نوادرالاصول کی اکثر حدیثیں غیر متعبر ہیں ۔

نیز یہ روایت مشاہدہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ آپ کے بشر ہونے میں تو فریق مخالف کو بھی اختلاف نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری جسم کے مرئی ہونے کا فریق مخالف بھی غالباً انکار نہ کر سکے گا۔ جیسے بقیہ انسان مرئی اور جسم دار ہیں اور ان کے سائے بھی ہیں اسی طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی جسم تھا پھر سایہ نہ ہونا چہ معنیٰ دارد؟!! الاّ یہ کہ جب تک کوئی یقینی اور قطعی دلیل اس عام لازم سے آپ کو مخصوص اور مستثنیٰ نہ کر دے اور یہ ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک فریق مخالف ثابت نہ کر سکے گا۔ اس لیے سایہ نہ ہونے کا عقیدہ لغو اورباطل ہے اور اس کے بطلان پر واضح احادیث موجود ہیں۔ بریلوی حضرات کے بہت بڑے عالم مولوی عبد الدائم دائم صاحب نے سیر سید الوریٰ صلی اللہ علیہ و سلم میں 50 سے زیادہ صفحات پر یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا سایہ تھا اور اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عباراتِ اکابر

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّابَعْدُ!

تمہیدی معروضات:

حضرات اکابرین رحمہم اللہ کی عبارات پر مخالفین کی طرف سے کئے گئے اعتراضات اور ان کے جوابات شروع کرنے سے پہلے چند باتیں عرض خدمت ہیں ۔

[۱]: امن وسکون کو برقرار رکھنے کے لیے یہ اصول اپنایا جائے کہ عبارت کا مطلب مصنف خود ہی بیان کرے۔

مگر فاضل بریلوی اور اس کے چاہنے والوں نے اس اصول کو یکسر نظر انداز کر کے عبارت کسی کی اور مطلب اپنی طرف سے بناکر وار کیے بلکہ بعض موقعوں پر تو فاضل بریلوی وغیرہ سے یوں بھی ہوا ہےجسے شہید اسلام مصلح الامۃ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے، موصوف لکھتے ہیں :

”راقم الحروف غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ جناب مولانا احمدرضا خان صاحب کا قلم اور حجاج بن یوسف کی تلوار توام (جڑواں) پیدا ہوئے تھے۔ ان کے قلم کو تکفیر کا وہی چسکا تھا جو حجاج کی تلوار کو خون آشامی کا۔ وہ فطرتاً مجبور تھے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو تیغ تکفیر سے نیم بسمل کریں ، اگر کسی کی کوئی عبارت یا عبارت کا ناتمام جملہ انہیں ایسا مل جاتا جو ان کے ذوق کافر گری کی تسکین کا سامان بن جا تا تو وہ اسے کافی سمجھتے تھے اور اس کی دوسری تحریروں سے آنکھیں بند کر لینا فرض سمجھتے تھے اور اگر خدانخواستہ انہیں ایک آدھ جملہ بھی میسر نہیں آتا تو وہ اپنے ذوق کی تسکین کے لیے خود ہی ایک عبارت بنا کر کسی صاحب سے منسوب کر دیتے اور اس کی بنیاد پر انہیں کافر گری کا جواز مل جاتا، وہ شخص ہزار چیخے، چلائے، شور مچائے کہ یہ عبارت میری نہیں،میں ایسی عبارت لکھنے پر لعنت بھیجتا ہوں مگر خان صاحب فرماتے ہیں کہ یہ عبارت ہم نے تمہارے نام سے چھاپی ہے اور اتنی مدت سے چھاپ رہے ہیں ، لہٰذا تمہیں تسلیم کرنا ہوگا کہ عبارت تمہاری ہے اور اس لیے تم کافر ہو ۔

میں نے یہ جو کچھ لکھا ہے یہ ظرافت نہیں بلکہ واقعہ ہے۔ خان صاحب کو دو بزرگ ایسے ملے جن کی تحریر میں ان کو کوئی کلمہ کفر نہیں مل سکا جس کی بنیاد پر انہیں کافر بناتے، اس لیے خان صاحب نے ایک صاحب کی طرف تو خود ایک عبارت بنا کر منسوب کردی او ران پر کفر کا فتویٰ صادر کرکے اکابر حرمین سے ان کو رجسٹری کروایا۔ یہ شخصیت قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ کی تھی... اس فتوے کی جس پر خان صاحب نے تکفیر کی بنیاد رکھی ہے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی اور جب اس کا علم ہوا تو اس سے براءت کا اظہار فرمایا اور ایسا لکھنے والے کو ملعون قرار دیا۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص208 الجنۃ لاھل السنۃ: ص 93)

مگر جناب خان صاحب کا اصرار مدت العمر یہی رہا کہ چونکہ ہم آپ کی طرف اس عبارت کو منسوب کر کے کفر کا فتویٰ رجسٹری کرواچکے ہیں لہٰذا یہ عبارت یقیناً آپ ہی کی ہے اور ہونی چاہیے اور لطف یہ کہ آج تک حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے انکار کے باوجود خان صاحب اور ان کی جماعت کا اصرار باقی ہے ۔

کچھ اسی قسم کا حادثہ خان صاحب کو حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ قدس سرہ کے بارے میں پیش آیا ، خان صاحب کا قلم حضرت مرحوم کو کافر بنانے کے لیے بے تاب تھا مگر مشکل یہ تھی کہ حضرت رحمہ اللہ کے دفتر تحریر میں خان صاحب کو ایک فقرہ بھی ایسا نہ مل پاتا تھا جس کی بنیاد پر ان کی تیغ تکفیر نیام سے باہر نکل آتی ، اس مشکل کاحل خان صاحب نے یہ تلاش کیا کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی اس کتاب سے جو صرف مسئلہ ختم نبوت پر لکھی گئی اور جن میں منکرین ختم نبوت کو صاف الفاظ میں ”کافر “ کہاگیا ہے، تین جملے تلاش کیے اور ان کو آگے پیچھے جوڑ کر مربوط اور

مسلسل عبارت بناڈالی۔ پس خان صاحب کی تکفیر کے لیے جواز پیدا ہوگیا۔ خان صاحب نے جس چابکدستی سے تین الگ الگ جگہ سے تحذیر الناس کے ناتمام جملوں کو ملاکر ایک مکمل عبارت تیار کرائی وہ ان کی مہارت فن کا شاہکار ہے۔
(تحفہ قادیانیت از شہیدِ اسلام: ج2 ص132 تا 134)

بریلویوں کے بڑے عالم مولوی خلیل احمد برکاتی نے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ فاضل بریلوی کو عباراتِ غیر میں تحریف کا چسکا تھا۔

اب آئیے عبارات کی طرف ! ہم صرف حسام الحرمین میں اکابر دیوبند پر کیے گئے اعتراضات کا جائزہ مختصراً عرض کرتے ہیں ۔

الزام بر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

حضرت نانوتوی کی عبارات کو سمجھنے سے پہلے تھوڑی سی تمہید:

اس کے لیے ہم حضرت العلامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے چند باتیں عرض کر رہے ہیں:

یوں سمجھیے ایک کمرے میں 10 آدمی یکے بعد دیگرے داخل ہوئے، کیا کوئی بھی یہ کہے گا کہ آخری آدمی ان سب سے افضل ہے کیونکہ وہ آخر میں آیا؟ ہر گز نہیں۔ اسی طرح سیدنا علیؓ کا زمانہ خلافت بعد میں ہے مگر افضل پہلے خلفاء ہیں۔ تو معلوم ہوا محض آخر میں آنے کی وجہ سے آدمی افضل نہیں ہوتا۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن نے تو خاتم الانبیاءکی اسی وصف کی وجہ سے تعریف کی ہے۔ جب محض آخرمیں آنا افضلیت کی بات اور دلیل نہیں تو اس آیت سے تعریف کیونکر ثابت ہو گی؟!

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ہمارے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اعلیٰ اور مقام و مرتبہ سب سے بلند بالا ہے اس لیے آپ کو آخر میں مبعوث کیا گیا۔ تو آپ کے آخری نبی ہونے کی وجہ اور علت یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کی شان و مقام و مرتبہ سب سے اعلیٰ ہے۔ یہیں ایک اعتراض ہو سکتا ہے کہ کیا یہ ضروری ہے کہ جس کی شان سب سے زیادہ ہو اس کو آخر میں بھیجا جائے؟ تو ہم اس کے متعلق یہ عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے بھیج دیا جاتا تو آپ کے بعد آنے والے نبی مقام میں کم ہونے کی وجہ سے ان کے لائے ہوئے احکامات بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکامات سے مقام میں کم ہوتے۔یہاں قرآن تھا وہاں صحائف یا دیگر کتب ہوتیں، تو پھر اعلیٰ احکام کو ادنیٰ کے ذریعے منسوخ کر دیا جاتا۔

اور اگر درمیان میں بھی آتے تو بھی یہی صورت بنتی کہ نسخ اعلیٰ بالادنیٰ ہوتا یعنی کم مقام والے احکامات کے ذریعے اعلیٰ شان و مقام والے احکام منسوخ ہوجاتے جو کہ حکمت خداوندی کے خلاف ہے۔کیونکہ حکمت تو یہ ہے :

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا الایۃ یعنی جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسی جیسی (آیت) لے آتے ہیں۔

تو نہ تو آپ علیہ السلام کے برابر کوئی تھا اور نہ افضل، اسی وجہ سے آپ کا آخر میں آنا آپ کا کمال ہے۔ اب سوال پیدا ہوا کہ آپ علیہ السلام کے برابر یا افضل کیوں کوئی نہیں ہو سکتا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اوصاف کی دو قسمیں ہیں؛ ذاتی اور عرضی۔ ذاتی اس وصف کو کہتے ہیں جو اپنے موصوف کے لیے شروع ہی سے ثابت ہو اور عرضی کہتے ہیں کہ جو اپنے موصوف کے لیے شروع ہی سے تو نہ ہو، البتہ بعد میں ثابت ہو یا ذاتی اس وصف کو کہتے ہیں کہ یہ وصف اس کا اپنا ہوتا ہے یعنی کسی ذریعے سے نہیں ملتا اور عرضی اس وصف کو کہتے ہیں جو اپنا نہیں ہوتا بلکہ کسی کے ذریعے سے ملتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ درودیوار روشن ہیں، ان پر روشنی سورج کی ہے۔تو درودیوار کی روشنی عرضی ہے ذاتی نہیں، اس لیے رات کو یہ روشن نہیں اور سورج کی روشنی ذاتی ہے،وہ کبھی بھی اس سے جدا نہیں ہوتی۔اسی طرح چاند کی روشنی اپنی نہیں بلکہ اس میں روشنی سورج سے آ رہی ہے۔ تو چاند کی روشنی جن چیزوں پر پڑتی ہے ان کو روشنی چاند کی وجہ سے ملی۔ اب سلسلہ چلا کہ رات کو مختلف اشیاء روشن ہیں چاند کی وجہ سے اور چاند روشن ہے سورج کی وجہ سے۔ تو روشنی کا سلسلہ یہاں سورج پر آ کر ختم ہوا۔ اسی طرح د یکھیے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارکہ کوجب پیدا کیا گیا تو اسے نبوت سے سرفراز کیا گیا اورباقی نبیوں کو نبوت بعد میں ملی۔ گویا آپ علیہ السلام موصوف بالذات ہوئے

وصف نبوت سے اور باقی انبیاء موصوف بالعرض ہوئے۔جب اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا تو اپنی حکمت کاملہ سے آپ کی یادداشت کے اوپر حکمت کے پردے لٹکا دیئے،آپ علیہ السلام کو پچھلا منظر یاد نہ رہا۔ جب آپ کی عمر مبارک 40سال کو پہنچی توپھر آگاہ فرمایا کہ اپنی نبوت کا اعلان فرما دیں۔ القصہ آپ علیہ السلام اس وصفِ نبوت سے موصوف بالذات ہیں تبھی تو آپ ارشاد فرما رہے ہیں کہ :

کنت نبیا و آدم بین الروح و الجسد کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم روح اور جسد کے مابین تھے۔

اب دیکھیے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتاہے۔ جیسے رات کو روشنی جو مختلف چیزوں پر ہے یہ آتی ہے چاند سے اور چاند کی روشنی آئی سورج سے اور یہاں سورج پر پہنچ کر سلسلہ ختم ہو گیا۔ اسی طرح تمام انبیاء کی نبوت آپ علیہ السلام کے وسیلے سے ان کو ملی ہے اور آپ علیہ السلام کی نبوت بالذات ہے یعنی کسی کے وسیلے سے نہیں ملی تو یہ سلسلہ آپ علیہ السلام پر پہنچ کر ختم ہو گیایعنی آپ علیہ السلام پر تمام کمالات کو ،تمام محاسن و فضائل کو ختم کر دیا گیا۔اس کو ”ختم نبوت مرتبی“ کہتے ہیں۔ یہ مقام و مرتبہ اس وقت سے ملا جب آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے لیکن اس ختم نبوت مرتبی کے باوجودانبیاء تشریف لاتے رہے اورسلسلہ نبوت چلتا رہے اور جب آپ اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ نے اعلان فرما دیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ تو پھر ختم نبوت زمانی کہ آپ کے زمانہ کے بعد کوئی نبی نیا نہیں آئے گا، بھی آپ کو حاصل ہو گئی۔اب دو قسم کی ختم نبوت ہوئیں:

1- ختم نبوت مرتبی
2- ختم نبوت زمانی

پہلی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی وجہ سے سب کو عزت و عظمت اور کمال نصیب ہوا، آپ تما م مراتب و مقامات میں آخری ہیں۔

دوسری کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری پر نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا کہ اب کوئی نبی پیدا نہ ہو گا۔

ہمارے نزدیک دونوں قسم کی ختم نبوت پر ایمان رکھنا ضروری ہے۔

ایک دوسری طرح سے دیکھتے ہیں :

ایک ”نقطہ“ ہوتا ہے اور اسے مرکز دائرہ بھی کہتے ہیں اور ایک اس کے گرد دائرہ ہوتا ہےاس کو ”محیط“ کہتے ہیں۔ اب دائرہ کا اس مرکز سے پورا تعلق ہوتا ہے اور دائرہ اسی مرکز کی وجہ سے بنتا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مرکزِ نبوت ہیں اور باقی انبیاء دائرہ نبوت ہیں۔ مرکز نہ ہو تو دائرہ کہاں؟ تو یہ دائرہ اسی مرکز کی وجہ سے ہوتا ہے۔ توتمام انبیاء کو نبوت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ملی اور سارے انبیاء کا سلسلہ نبوت آ کر آپ علیہ السلام پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کو ”ختمِ نبوت زمانی“ کہتے ہیں اور اللہ نے شان و مرتبہ و مقام و منصب کو بھی آپ پر ہی ختم فرما دیا،تو اسی کو ”ختم نبوت مرتبی“ کہتے ہیں۔

القصہ سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں قسم کی ختمِ نبوت حاصل ہے۔ قادیانی صرف ایک مانتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم ختم نبوت مرتبی مانتے ہیں اور یہ مسلمان صرف ختم نبوت زمانی مانتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھیے کہ قادیانی سے برسوں پہلے خدا تعالیٰ نے مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کو پیدا کیا اور ان سے یہ جواب دلوا دیا کہ ہم مسلمان دونوں پر ایمان رکھتے ہیں۔اس طرح قادیانیوں کامنہ بند کرد یا۔

اس بات کو دوبارہ ذہن نشین فرما لیں کہ مولانا نانوتوی نے یہ نہیں فرمایا کہ آخر میں آنے میں کوئی فضیلت نہیں بلکہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ آخر میں آنے میں بالذات فضیلت نہیں یعنی بالعرض تو فضیلت ہے اور وہ ہم عرض کرچکے ہیں۔ (ماخوذ ازمناظرے مباحثے بتغیر یسیر)

اب دیکھیے اصل عبارات کو: ”اگر آپ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی بالفرض نبی موجود ہو تو بھی ختم نبوت میں فرق نہیں پڑتا ۔“

تو اس سے مراد حجۃ الاسلام رحمہ اللہ کی یہ ہے کہ” خاتمیت مرتبی“ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ تو آپ کو شروع ہی سے حاصل تھی اور دیگر انبیاء تشریف لاتے رہے تو فرق نہ پڑا۔ اب اگر بالفرض و المحال کوئی نبی آ جائے تو کیسے فرق پڑے گا؟ سوال ہوگا کہ خاتم زمانی

میں تو فرق پڑے گا۔جواب یہ ہے کہ بالکل پڑے گا، اسی لیے تو حجۃ الاسلام نے ’’بالفرض‘‘ اور ’’اگر‘‘ جیسے لفظ استعمال کیے ہیں کہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ آپ علیہ السلام کے بعد کوئی نیا نبی آئے۔ یہ عبارت تو صرف خاتمیت مرتبی کو ہی سامنے رکھتے ہوئے حضرت نے فرمائی ہے۔اگر آپ رحمۃ اللہ علیہ نبی کے آنے کو جائز مانتے ہوتے تو آپ ’’فرض‘‘ کیوں کرتے اور یہ بات تو فاضل بریلوی بھی لکھتے ہیں کہ فرض محالات جائز ہے۔

(اللہ جھوٹ سے پاک ہے ص139)

تو اعتراض کیوں؟ باقی ختم نبوت زمانی کا خیال کر کے اسے محال سمجھا کہ آپ کے بعد کوئی نبی آئے تبھی تو فرض کیا۔ جیسے بریلویوں نے لکھا ہے کہ اگر مرزا قادیانی نبی ہوتا تو سیدنا ابراہیم کی اولاد سے ہوتا۔تو جیسے یہ ’’اگر‘‘ کہنے سے نبی بن نہیں گیا تو یہاں بھی ’’بالفرض‘‘ اور ’’اگر‘‘کہنے سے نئے نبی کے آنے کو ممکن نہیں مانا جا رہا بلکہ محال ہی مانا جا رہا ہے کیونکہ محال کو ہی فرض کیا جاتا ہے نہ کہ ممکن کو۔بعض لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ خاتم زمانی کو خاتم مرتبی کے لیے لازم مانتے ہو، جب نیا نبی آ جائے خاتم زمانی ٹوٹ گیا اور جب وہ نہ رہا تو ملزوم بھی نہ رہا۔

تو جواباً عرض ہے کہ اسی لیے تو حجۃ الاسلام نے ’’بالفرض‘‘ اور ’’اگر‘‘ کا لفظ کہا ہے یعنی ایسا ہونامحال ہے نا کہ ممکن، اور محال کو فرض کرنا جرم نہیں۔ قرآن مقدس میں بھی محالات کو فرض کیا گیا ہے جیسے اگر رحمن کا بیٹا ہوتا ...الخ، اور اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا دوسرے خدا ہوتے الخ...

ایک اور بات بھی ملحوظ رہے کہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی ختم نبوت زمانی کے قائل ہیں اور منکر کو کافر کہتے ہیں۔ دیکھیے شیخ العرب و العجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ و السلام کے خاتم زمانی ہونے کی پانچ دلیلیں ذکر فرما رہے ہیں۔ تین دلیلیں آیتِ قرآنی سے، ایک حدیث سے اور ایک اجماع اُمت سے۔ آیت قرآنی اس بارے میں ہے ’’مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ‘‘

[دلیل نمبر1] پس لفظ ’’خاتم النبیین‘‘یا تو عام مانا جائے کہ جس کے دو افراد ہوں؛ ایک خاتم مرتبی اور دوسرا خاتم زمانی اور لفظ ’’خاتم‘‘ کا دونوں پر اطلاق اس طرح کیا جاتا ہے جیسے کہ مشترک معنوی اپنے متعدد افراد پر اطلاق کیاجاتا ہے۔ (جیسے لفظ ’’عین‘‘ کئی معنوں میں مشترک ہے، ہر ایک پر برابری کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ از ناقل) پس اس دلیل سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر دو وصف اس آیت سے ثابت ہوں گے۔ (اور یہ دلالت مطابقی ہے کہ لفظ اپنے کل موضوع لہٗ پر دلالت کرے۔ از ناقل) یہ دلیل اول کی اجمالاً تقریر ہوئی۔

[دلیل نمبر2] اور دلیل ثانی کی تقریر یہ ہے کہ لفظ ’’خاتم‘‘ کے معنی حقیقی خاتمیت مرتبی کے لیے جاویں اورخاتمیت زمانی معنی حقیقی نہ ہوں بلکہ مجازی ہوں لیکن آیت میں مراد ایسے معنی ہوں کہ جو معنی حقیقی اور مجازی دونوں کو شامل ہوں بطریق عموم مجاز کے۔ اس صورت میں ہر دو وصف کاثبوت آپ کی ذات پاک کے لیے ظاہر ہے۔

[دلیل نمبر3] اور دلیل ثالث یہ ہے کہ معنی حقیقی خاتم کے خاتمیت مرتبی کے ہیں لیکن خاتمیت مرتبی کو خاتمیت زمانی لازم ہے۔ (تاکہ نسخ الاعلی بالادنی لازم نہ آئے، اسی لیے یہ ختم زمانی ختم مرتبی کو لازم ہے۔ از ناقل) اس لیے بدلالت التزامی آیت خاتمیت زمانی پر دلالت کرے گی اور اس آیت سے خاتمیت مرتبی اور زمانی کا ثبوت لازم آئے گا۔

[دلیل نمبر4] دلیل چہارم یہ کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہو گیا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہ ہو گا، اس لیے ثبوت خاتمیت زمانی کاضرور ہو گا اور منکر اس کا اسی طرح کافر ہو جیسے کہ منکر احادیث متواترہ کا لیکن ان احادیث کا تواتر لفظی نہیں تواتر معنوی ہے۔

[دلیل نمبر5] دلیل پنجم یہ ہے کہ اجماع اُمت کامنعقد ہو گیا ہے کہ آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم الانبیاء زماناً ہیں اور اقرار اجماع کاکرنا ضروری ہے اور منکر اس کا کافر ہے۔‘‘ (الشہاب الثاقب ص 73، 74)

خان صاحب کے ’’کارنامے‘‘

فاضل بریلوی نے عبارتوں کو نقل کرنے میں قطع و برید سے کام لیا۔ وضاحت پیش خدمت ہے:

نمبر1:

1۔ تین عبارتوں کو ایک بنا دیامثلاً عربی عبارت جو بنائی وہ یہ ہے:

و لو فرض فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم بل لوحدث بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی جدید لم یخل ذالک بخاتمیتہ و انما یتخیل العوام انہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین مع انہ لا فضل فیہ اصلا عند اہل الفہم.

(حسام الحرمین عربی اردو، ص19)

ولو فرض فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک ٹکڑا)، بل لوحدث بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی حدید لم یخل ذالک بخاتمیتہ (دوسرا ٹکڑا)، و انما یتخیل العوام سے آخر تک۔(تیسرا ٹکڑا)

پہلا ٹکڑا: تحذیر الناس کے ص 14 کا ہے۔ اس کے شروع اور آخر سے عبارت کو کاٹ دیا۔

دوسرا ٹکڑا: ص28 کا اس کے ساتھ بھی یہی حشر کیا

تیسرا ٹکڑا: پھر ص3 کا ٹکڑا لے آئے اور اس کے ساتھ بھی یہی حشر کیا۔

ہمارا سوال ہے بریلوی حضرات سے کہ اگر تمہارے بقول تینوں ٹکڑے کفر تھے تو یہ بتاؤ کہ سیاق و سباق کے کاٹنے کی ضرورت کیاتھی اور عبارات میں تقدیم و تاخیر کہ پہلے والی عبارت کو آخرمیں لانے اور آخر والی عبارت کو درمیان میں لانے کی اور درمیان والی عبارت کو شروع میں لانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگروہ عبارات کفریہ ہوتیں تو فاضل بریلوی کو اس دوڑ دھوپ کی ضرورت نہ تھی؟

پھرفاضل بریلوی نے یہ بھی نہیں بتایا کہ عبارات تین ہیں بلکہ ایک ہی بنا کر دکھائی۔پھر درمیان میں کچھ فاصلہ بھی نہیں رکھااور تواور ترتیب بھی بہت ہی خاص انداز میں بنائی:

پہلے ص14 پھر ص 28 پھر ص 03

یعنی ترتیب کو نہ شروع سے کیا کہ چلو ص 03 پھر ص 14 پھر ص 28 ہو یا اُلٹ کر کے ص28، ص14، ص3 ہوتے۔خدا برا کرے اس تعصب کا۔

بہرحال سیاق و سباق سے عبارات کو کاٹ کر ان عبارات کو پیش کیا جو کہ کبھی بھی تکفیر کے لیے مفید نہیں کیونکہ بریلوی مناظر علامہ اشرف سیالوی صاحب، پیر نصیر الدین گولڑوی صاحب کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں :

آپ نے بندہ کے مقالہ میں سے صرف ایک عبارت سیاق و سباق سے کاٹ کر اور پورے مضمون ومفہوم اور بنیادی مطلب و مقصد کو قارئین سے پوشیدہ رکھ کر جس تحکم اور سینہ زوری اور ظلم اور تعدی اورناانصافی و بے اعتدالی کا مظاہرہ کیا اورباری تعالیٰ کی مشکلات سے سبکدوشی کا عنوان قائم کرکے اس کومیرا عقیدہ قرار دے دیا ہے۔ اور کفر کا فتویٰ پھر جڑ دیا۔ (ازالۃ الریب ص71)

یہی بات ہم کہہ رہے ہیں کہ فاضل بریلوی نے ظلم و تعدی کر کے سیاق و سباق کوکاٹ کر ناانصافی کر کے ہمارے بنیادی مقصدکو چھپا کر تحکم اور سینہ زوری سے ہماری عبارات کا مطلب گھڑا ہے ہم اس خود کشیدہ مطلب سے بری ہیں۔ خود کشیدہ مطلب سے اگر سیالوی صاحب کافر نہیں ٹھہرتے تو ہم کو کیوں کافر ٹھہرایا جاتا ہے؟

نمبر2:

مرزا قادیانی کے اقوال نقل کر کے آگے لکھا ہے: منہم الوہابیہ (حسام الحرمین)

یعنی یہ وہابیہ مرزائیوں سے ہیں حالانکہ دنیا جانتی ہے یہ مرزائی نہ تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ فتویٰ ہمارے اکابر کو مرزائی بتلا کر لیا گیا ہے اس لیے اس فتوے کی کوئی حیثیت نہیں ۔

نمبر3:

حسام الحرمین میں عبارات عربی میں بنائی گئیں حالانکہ ہماری کتب اردو میں تھیں اور حرمین شریفین کے علماء اُردو نہ جانتے تھے۔ فاضل بریلوی نے علمائے دیوبند کی اردو عبارات کو غلط انداز میں عربی میں نقل کرکے دھوکہ دہی سے کام لیا اوربقول بریلویہ کے محض مخالف کے بیان پر اعتما دکرتے ہوئے بلاتحقیق فیصلہ صادر کردینا نہ تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول و پسندیدہ ہے اور نہ ہی اسے اہل علم و دانش قبول کر سکتے ہیں۔

(البریلویہ کا تحقیقی جائزہ ص62)

جب کنز الایمان پر سعودی حکومت نے پابندی لگائی بلکہ جلانے کا فتوی دیا تو یہی بات صاحبزادہ حمید الدین سیالوی نے حکومت سعودیہ کو لکھی، ملاحظہ فرمائیں:

اس میں شک نہیں ہے کہ ترجمہ و حواشی اُردو زبان میں ہیں اورہم جانتے ہیں کہ ادارہ البحوث العلمیہ (جس نے کنز الایمان کو جلانے کا فتویٰ دیا) کے اکثرارکان اردو زبان نہیں جانتے ایک خاص گروہ نے اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو کبھی قبول نہ کرے اس ترجمہ اورا ن کے حواشی کو جھوٹے رنگ میں رنگ کر ادارۃ البحوث العلمیہ کے اراکین کے سامنے پیش کیا اورا پنی چرب زبانی اور عیاری کے باعث ان سے یہ فتویٰ صادر کرانے میں کامیاب ہو گئے۔

ہم کہتے ہیں اور جو ہم کہتے ہیں اس کے سچائی پر اللہ تعالیٰ کو گواہ پیش کرتے ہیں۔ انہو ں نے شر، کفر اور آیات کے معانی میں تحریف کا بہتان ایسے ربانی عالموں پر لگایا ہے جنہوں نے اپنی زندگیوں کا ایک ایک لمحہ اپنا علم، اپنی دانش اور اپنی قابلیت اللہ کی بات کو بلندکرنے کے لیے اور ہندوستان میں بسنے والے بت پرستوں کو دعوت توحید پہنچانے کے لیے صرف کی اور وہ بہت سے بت پرستوں کوشرک کے گھپ اندھیروں سے نکال کر اسلام کے نور کی طرف لانے میں کامیاب ہو گئے اس مخصوص گروہ نے اپنے دل سے جھوٹی تہمتیں اور ظلم و کذب بیانی سے ان پاک نفوس پر الزام لگایا۔ (انوار کنزالایمان ص 846، 847)

یہی کچھ ہم اپنے اکابرین کی صفائی میں کہتے ہیں۔ عبارات کا مطلب وہ گھڑا جو ان اکابرین کے ذہن و خیال میں بھی نہیں آیا۔

بریلوی مناظر لکھتے ہیں :

بزرگوں کے کلام کاان کی مراد کے خلاف مطلب نکال کر مراد لینا سراسر جہالت ہے۔ (میٹھی میٹھی سنتیں اور دعوت اسلامی ص74)

مولوی اشرف سیالوی جو بریلوی ملت کے ”مناظر اعظم“ اور ”قائد“ شمار ہوتے ہیں، لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ صحیح سوچ اور فکر نصیب فرمائے اور مقصودِ متکلم بھی سمجھنے کی توفیق بخشے۔ (تحقیقات ص62)

معلوم ہوا متکلم کی مراد نہ سمجھنا الٹی سوچ و فکر ہے جو فاضل بریلوی اور دیگر بریلوی علماء میں ہے۔

قارئین کرام! آپ نےعربی عبارت میں اتنی خیانتیں ملاحظہ فرما لیں، اب اردو والوں کو بھی دیکھیے:

نمبر4:

”حسام الحرمین“ مکتبہ نبویہ والوں نے جب اردو میں شائع کی توپہلے ٹکڑے میں فاضل بریلوی نے جتنا حصہ کتاب کا لیا تھا انہوں نے دیکھا کہ عام قاری بھی یہ غلطی اورخیانت پکڑ لے گا تو انہوں نے عبارت کوکچھ بڑھا دیا۔

پہلاٹکڑا فاضل بریلوی نے یوں لکھا تھا :

ولو فرض فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم

”اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کوئی نبی فرض کر لیا جائے۔“

مگر مکتبہ نبویہ والوں نے اس کے ساتھ ایک جملہ اور بڑھا دیا اور شروع میں بلکہ کا اضافہ بھی کرد یا اور یوں لکھا:

”بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو۔ جب بھی آپ کا خاتم ہونابدستور باقی رہتا ہے۔“

یہ اس لیے کیا گیا کہ فاضل بریلوی کی خیانت پکڑی نہ جائے مگر عربی خواں تو جانتے ہیں بہرحال یہ اردو خواں لوگوں کی بھی خیانت معلوم ہو گئی کہ اُردو والی حسام الحرمین میں ایک ٹکڑے کا اضافہ کر دیا۔

نمبر 5:

کچھ مکتبے اور آگے نکلےانہوں نے حسام الحرمین کی عبارت کہ ”عوام کے خیال میں تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاخاتم ہونا بایں معنی ہے" کویوں کر دیا "عوام کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاخاتم ہونا بے ایمانی ہے۔"
(تمہید ایمان مع حسام الحرمین ص70، مطبوعہ اکبر بک سیلرز لاہور، تمہید ایمان مع حسام الحرمین ص 53، مطبوعہ مکتبہ غوثیہ کراچی، تمہید ایمان مع حسام الحرمین ص70، مطبوعہ مکتبہ المدینہ کراچی)

ان تینوں مکتبوں نے خیانت کے ریکارڈ توڑ دیے۔اس پر انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ ہی کہاجا سکتا ہے۔

نمبر6:

تحذیر الناس ص 3 کی جب عبارت نقل کی گئی تو اس میں ایک جملہ چھوڑ دیاگیا جو کہ ''بایں معنی ہے کہ'' کے بعد موجود تھا یعنی یہ جملہ ''آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد '' (تحذیر الناس ص3)

پوری عبارت یہ ہے :

''سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخر ی نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ '' (تحذیر الناس ص 3)

مزید "کرم فرمائیاں"

اُردو والوں نے کہیں "بلکہ" کالفظ چھوڑ دیا، کہیں ''سو ''کالفظ نہیں لائے، کہیں ''اگر'' کا لفظ بھی چھوڑ گئے اور خیر سے فاضل بریلوی نے بھی ''بلکہ''وغیرہا کئی جملوں کا عربی میں ترجمہ ہی نہیں کیا۔

اصل کتاب تحذیر الناس میں یوں تھا کہ "اہل فہم پر روشن ہو گا کہ تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں ۔" (تحذیر الناس ص3)

مگر عربی میں ترجمہ کرتے وقت یوں لکھاگیا: انہ لا فضل فیہ اصلاً عند اہل الفہم.

بالذات کا ترجمہ ہی نہیں کیا گیا۔

اب بریلوی کہتے ہیں "بالذات" کاترجمہ لفظ "اصلاً" میں آگیا تو پھر جوابًا عرض یہ ہے کہ ''اصلاً" کا مطلب یہ بنتا ہے کہ بالکل کوئی فضیلت ہی نہیں؛ نہ ذاتی نہ عرضی جو کہ متکلم کے الفاظ و معانی و مراد کے بالکل خلاف ہے کیونکہ متکلم بالعرض فضیلت کا قائل ہے۔بہر کیف یہ فاضل بریلوی کی "امانت" و "دیانت" کا مجموعہ ہے۔

بریلویوں کویہ تو ماننا پڑے گا موصوف نے دھوکہ دہی و خیانت سے کام لیاہے۔ باقی بحث بعد کی بات ہےاور جب حسام الحرمین کذبات، خیانات، دھوکہ جات کا مجموعہ ہو تو پھر اس کاجواب دینے کی ضرورت بھی باقی نہ رہے گی۔ فاضل بریلوی نے مزید دھوکہ دینے کے لیے مولانا محمد علی بانی ندوہ کا ذکر بھی کیا کہ وہ بھی ان کی تعریفیں کرتے ہیں، چونکہ ندوہ پر پہلے وہاں سے فتویٰ لگا چکے تھے اس لیے کام کو مزید آسان کرنے کے لیے ان کا ذکر کر دیا۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ نے"خاتم النبیین" کا معنی "آخری نبی" کرنے کو عوام کا خیال بتایا ہے تو گزارش یہ ہے کہ حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ نے "خاتم النبیین" کا معنی "آخری نبی" کرنے کو عوام کا خیال نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ عوام کے خیال میں تو"خاتم النبیین" کا معنی صرف یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ و سلم آخری نبی ہیں اور آخر میں آنے کو ہی افضل اور اعلیٰ ہونے کی وجہ قرار دیتے ہیں جبکہ راسخ فی العلم حضرات جانتے ہیں کہ پہلے یا بعد میں آنے میں ذاتی طور پر کوئی فضیلت نہیں ہے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم اکمل، اعلیٰ اور افضل الانبیاء ہیں اس وجہ سے آپ کو سب سے آخر میں بھیجا گیا۔ تو جس طرح "خاتم النبیین" کے لفظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل اور اعلیٰ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ چونکہ عوام کی سمجھ یہاں تک نہیں پہنچی تھی اس لیے حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ نے صرف ایک معنی مراد لینے کو عوام کا خیال بتلایا ہے ، اس معنی (یعنی آخری ہونا) کا انکار نہیں کیا۔

الزام برقطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

قطب الارشاد گنگوہی پر فاضل بریلوی نے یہ الزام لگایا:

اس نے یہ افتراء باندھا کہ اللہ کا جھوٹا ہونا بھی ممکن ہے۔ (حسام الحرمین ص14)

آگے لکھتے ہیں:

ظلم و گمراہی میں یہاں تک بڑھا کہ اپنے فتوے میں جو اس کا مہری دستخطی میں نے اپنی آنکه سے دیکھا جو بمبئی وغیرہ میں بارہا مع رد کے چھپا، صاف لکه دیا کہ جو اللہ سبحانہ کو بالفعل جھوٹا مانے اور تصریح کر ے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا اور یہ بڑا عیب اس سے صادر ہو چکا تو اسے کفر بالائے طاق گمراہی درکنار فاسق بھی نہ کہو۔ ...الخ (حسام الحرمین ص15)

الجواب: ہم بریلویوں سے گزارش کرتے ہیں کہ ہمیں بھی وہ قلمی فتوی دکھاؤ کہ کہاں ہے؟ یہ فاضل بریلوی کاااتنا بڑا جھوٹ ہے جس کی توقع کسی عام مسلمان سے بھی نہیں کی جاسکتی۔

قطب الارشاد کی اپنی تحریر ملاحظہ فرمائیں :

ذات پاک حق جل جلالہ کی پاک و منزہ ہے اس سے کہ متصف بصفت کذب کیا جاوے معاذ اللہ اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا نہیں :قال اللہ تعالیٰ و من اصدق من اللہ قیلا. جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے وہ کذب بولتا ہے، وہ قطعاً کافر ہے، ملعون ہے اور مخالف قرآن و حدیث کا اور اجماع امت کا ہے، وہ ہرگز مومن نہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص90)

اب بھی کوئی کہے کہ نہیں جی میں تو نہیں مانتا تو ہم اسے اتنا کہیں گے کہ خدا تعالیٰ کی عدالت میں پیشی کے لیے تیار رہے۔بعض رضا خانی یہ کہہ دیا کرتے ہیں: جی انہو ں نے یہ تو نہیں کہا کہ میں نے یہ تحریر نہیں لکھی۔ تو جوابًا عرض ہے استفتاء میں اگر یہ پوچھا جاتا کہ آپ نے ایسی تحریر لکھی ہے تو آپ اس کا جواب دے دیتے کہ میں نے نہیں لکھی جب پوچھا نہیں گیا تو یہ جواب دینے کی کیا معنی، جیسے کوئی کہے کہ فتاویٰ مہریہ میں پیر مہر علی شاہ نے مرزا قادیانی پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا؟ تو یہی کہا جائے کہ بھائی اس کے کفر کا سوال ہی نہیں کیا گیا تو جواب کہا ں ہوتا۔جو سوال ہو جواب اس کے موافق ہوتا ہے۔

سوال تھا کہ کیافرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ذات باری تعالیٰ عزا اسمہ موصوف بصفت کذب ہے یا نہیں؟ اور خدا تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے یا نہیں؟ اور جو شخص خدا تعالیٰ کو یہ سمجھے کہ وہ جھوٹ بولتا ہے وہ کیسا ہے؟ بینوا تو جروا۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص90)

تو جواب حضرت نے وہی دیا جو نقل کیا جا چکا ہے۔

مولانا خلیل احمد خان قادری برکاتی بریلوی لکھتے ہیں :فاضل بریلوی نے اپنے رسالہ ”ازکی الہلال“ میں دربارہ رؤیت ہلال خط وغیرہ تحریرات کو ناقابل اعتماد فرما یا ہے، پھر تکفیر مسلم کے بارے میں مجرد قلمی تحریر پر کیوں اعتماد کر کے احکام کفر و ارتداد جاری کیے؟

(انکشاف حق ص210)

یعنی چاند کے دیکھنے کے بارے میں کسی کے خط اور تحریر پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تحریر کسی اور نے لکھی ہو یعنی یہ ہو سکتا ہے لکھی کسی نے ہو اور نام کسی کے لگائی ہو۔

جب چاند دیکھنے کے معاملے میں کسی کی تحریر جو موصول ہو اس پر فیصلہ نہیں ہو سکتا تو اتنے بڑے تکفیر کے مسئلے میں کیونکر کسی کی تحریر پر تکفیر ہو۔ ہاں اگر صاحب تحریر قبول کرے کہ یہ میری تحریر ہے، پھر بات اور ہے۔ جب حضرت گنگوہی خود کہہ رہے ہیں کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بری ہے۔ تو پھر کیونکر یہ بات ان کے ذمے لگائی جائے۔ہداہم اللہ۔

اوریہ بات فاضل بریلوی نے بھی کہی ہے کہ:خط خود کب معتبر تمام کتابوں میں تصریح ہے کہ الخط یشبہ الخط او الخط لا یعمل بہ۔

(ملفوظات ص203)

یعنی خط معتبر نہیں، اس کو بنیاد بنا کر عمل نہیں کیا جائے گا

سوال یہ ہے کہ فاضل بریلوی نے خود عمل کیوں کیا؟

الزام برفخرالمحدثین مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

فاضل بریلوی لکھتے ہیں :

ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے اور یہ اس کا برا قول خود اس کے بدالفاظ میں ص47 پر یوں ہے:شیطان و ملک الموت کی یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جسے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

(حسام الحرمین ص15)

<u>الجواب:</u> حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی کتاب ”براہین قاطعہ“ پر اعتراض ہے جو کہ ”انوار ساطعہ“ کے جواب میں لکھی گئی۔ اس میں خود رضا خانی حضرات نےفخر عالم صلی اللہ علیہ و سلم کو شیطان پر قیاس کیا تو حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ نے جواب دیا۔ ہم حیران ہیں کہ شیطان پر قیاس خود مولوی عبدالسمیع رامپوری نے اپنی اس کتاب ”انوار ساطعہ“ میں کیا جس پر تقریظ فاضل بریلوی کی ہے اور نام ہمارا لگا دیا۔ اس سے بڑھ کر کیا شاطرانہ چال ہو سکتی ہے؟!

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان پر قیاس کرنا، کیا یہ تعظیم نبوی ہے؟ بریلوی اس بات کا ہمیں جواب دیں کہ شیطان پر قیاس تو رامپوری صاحب اور فاضل بریلوی کریں، قصور وار ہم ٹھہریں، کیوں ؟ کیا بریلویوں کے ہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان پر قیاس کرنا درست ہے؟

رامپوری صاحب لکھتے ہیں :

ا ن احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت ہر جگہ حاضر ہے بھلا ملک الموت علیہ السلام تو ایک فرشتہ مقرب ہے۔ دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے۔ درمختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے مگر جس کو اللہ نے بچا لیا بعد اس کے لکھا ہے۔ واقدرہ علی ذالک کما اقدر ملک الموت علی نظیر ذالک یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا۔۔۔پس اسی طرح سمجھو کہ جب سورج سب جگہ یعنی اقالیم سبعہ میں موجود ہو کہ وہ چوتھے آسمان پر ہے، روح نبی صلی اللہ علیہ و سلم جو ساتویں آسمان پر علیین میں موجود ہے اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک کل زمینوں کے چند مواضع و مقامات پر پڑ جائے اور ترشح انوار فیضان احمدی سے کل مجالس مطہرہ کو ہر طرف سے مثل شعاع شمس محیط ہو جائے کیا محال اور کیا بعید ہے۔ (انوار ساطعہ ص357)

حضرت سہارنپوری نے اس کے جواب میں لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے: تمام مسلمان بشمول مصنف شیطان سے افضل ہیں، تو کیا اپنا علم شیطان کے دائرہ کار کے علم سے ز ائد مانتے ہیں؟ مؤلف کے ایسے جہل پر تعجب بھی ہوتا ہے اور رنج بھی ہوتا ہے کہ ایسی نالائق بات منہ سے نکال کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان پر قیاس کیا، یہ کس قدر دوراز علم و عقل ہے۔

حضرت نے تو اس پر خوب خبر لی کہ تم نے آپ علیہ السلام کو شیطان پر قیاس کر کے کیوں ایسی غلط بات کہی، اُلٹا بریلویوں نے ہمیں کو سنا شروع کر دیا۔

اب مولوی اشرف سیالوی کی سنیے، وہ لکھتے ہیں: انبیاء و اولیاء کو اصنام واوثان پر قیاس کرنا اور ان کے متبعین اور اطاعت گزاروں کو بت پرستوں پر قیاس کرنا یہ خالص خارجیت ہے اور مخلوقات میں بدترین مخلوق ہونے کی دلیل۔ (گلشن توحید و رسالت ص139، ج2)

جب بتوں پر قیاس کرنا خارجیت اور بدترین مخلوق ہونے کی دلیل ہے تو شیطان پر قیاس کرنا اور وہ بھی انبیاء علیہم السلام کو، یہ تو بدرجہ اولیٰ بدترین مخلوق ہونے کی دلیل ہے۔

دوسری جگہ یہی مولوی صاحب لکھتے ہیں : اوثان پر اللہ تعالیٰ کے تقرب اور فضل کے وسائل و ذرائع کو قیاس کرنا سراسر محرومی اور بدنصیبی ہے اور بے دینی و الحاد اور منصب نبوت و رسالت کی توہین و تحقیر ہے۔ (گلشن توحید و رسالت ص 164، ج2)

یعنی انبیاء و اولیاء کو بتوں پر قیاس کرنا، یہ بدنصیبی، محرومی، بے دینی، الحاد اور منصب نبوت و رسالت کی توہین و تحقیر ہے۔ غور کیجیے کہ شیطان تو ان بتو ں سے بھی گیا گزرا ہے، اس پر قیاس کرنا تو اس سے بڑا جرم ہو گا۔

مفتی حنیف قریشی صاحب کہتے ہیں :

جانوروں کے ساتھ کسی جنس کا ذکر کیا جائے تو یہ اس جنس کی توہین ہے۔ (مناظرہ گستاخ کون ص54)

توکیا شیطان پر قیاس کیا جائے تو یہ درست مانو گے؟

مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں:

حضور کی شان میں ہلکے لفظ استعمال کرنے، ہلکی مثالیں دینا کفر ہے۔ (نور العرفان ص345، کتب خانہ نعیمی لاہور)

اس سے گھٹیا مثال کیا ہو گی کہ سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان پر قیاس کیا جائے؟! القصہ یہ بریلوی اصول کی روشنی میں رامپوری صاحب اور فاضل بریلوی کی جانب سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین بنتی ہے۔ مگر ہم بریلویوں پر حیران ہیں کہ ان کو تو کچھ نہ کہا اور جس آدمی نے اس کو نالائق حرکت قرار دیا ہے اس کو گستاخ رسول کہنا شروع کر دیا۔اصل عبارت پر گفتگو شروع کرنے سے پہلے چند باتیں ذہن میں رکھیں۔

1- عقائد قیاس سے ثابت نہیں ہوتے۔

2- ہم اہل حق اہلسنت شیطان لعین کے دائرہ کار کا علم جو اس کی گندی سوچ پر مشتمل ہے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں مانتے۔

3- ملک الموت کی معلومات کہ فلاں کی روح قبض کرنی ہے یہ ایسی معلومات ہیں کہ نبی پاک علیہ السلام کو ان کی حاجت نہیں ہے۔

4- اللہ تعالیٰ نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان تمام باتیں بتا دی ہیں۔

5- اگر کوئی کہے رقص وغیرہ کا علم فاضل بریلوی کو نہیں لہٰذا فاضل بریلوی صاحب کا علم رقاصہ اور سینما والے سے کم ہے تو بریلوی کہیں گے کہ یہ غلط ہے بلکہ اس کی نسبت ہی بریلوی حضرات فاضل بریلوی کی طرف کرنا توہین سمجھیں گے۔

6- دنیا کی بعض باتیں جو علم دین سے متعلق نہیں ان کو اگر انبیاء علیہم السلام نہ جانیں تو یہ ان کے لیے عیب نہیں۔

7- اگر بعض جزوی باتوں کا علم کسی کو ہو اور نبی کو نہ ہو تو اس سے وہ نبی سے بڑھ نہیں جائے گا جیسے ہدہد نے آ کر سلیمان علیہ ا لسلام سے کہا تھا کہ میں ایسی خبر لایا ہوں جو آپ کو نہیں۔

8- سیدنا علی کو حضرت مابور کے قتل کے لیے بھیجا وہ کنوئیں میں چھپے تھے جب حضرت علی نے نکالا اور قتل کرنے لگے وہ گر پڑے اور ان کی چادر (تہبند) کھل گئی۔ سیدنا علیؓ کی اچانک نظر ان کے ستر پر پڑی وہ تو نامرد تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو قتل نہ کیا۔واپس آئے اور آپ علیہ السلام سے سارا واقعہ عرض کر دیا۔تو سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:

الشاہد یریٰ ما لا یری الغائب. (مسند احمد)

اب کیا کوئی سیدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ کا علم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کہے گا؟ ہرگز نہیں۔

اب عبارت کو دیکھیے! جہاں حضرت نے اس شیطانی قیاس کا جواب دیا ہے جس کو اہل بدعت اچھا نہیں سمجھتے،وہ عبارت یہ ہے:

”الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر (یعنی ان کو جو بعض جزئیات حادثہ دنیاویہ کا علم ہے کہ جن سے ان کا مقصد اغواء اور قبض ارواح ہے۔ وہ ان کو حاصل ہو گیا ہے اور یہ پید ابھی اسی کے لیے گئے ہیں ان پر قیاس کر کے) علم محیط زمین فخر عالم کو (یعنی علم غیر عطائی ذاتی آپ علیہ السلام کو مانا جائے تاکہ روئے زمین میں جہاں بھی مجلس موجود ہو وہیں آپ تشریف لائیں۔ ہم نے علم محیط زمین کا مطلب ذاتی علم اس لیے کیا ہے کہ آگے حضرت سہارنپوری نے ص 57 پر خود لکھا ہے یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذ اتی آپ کے لیے کوئی ثابت کر کے یہ عقیدہ رکھے جیسا جہلاء کا یہ عقیدہ ہے۔ اگر یہ جانے کہ حق تعالیٰ اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تونہیں مگر بدون ثبوت شرعی کے اس پر عقیدہ در ست بھی نہیں۔) خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کاحصہ ہے۔ (یعنی ذاتی علم کو بغیر کسی دلیل کے نبی محترم کیلئے ثابت کرنا شرک نہیں

تو کون سا ایمان کا حصہ ہے؟ یعنی ذاتی علم کو بغیر کسی دلیل کے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا شرک ہی ہے جیسا کہ فاضل بریلوی نے خود ملفوظات ص 317میں کہا ہے کہ غیر خدا کے لیے کی ایک ذرہ ذاتی علم ماننا کفر ہے۔)شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت (کہ ملک الموت کا روحوں کو قبض کرنا اور شیطان کا بھاگ دوڑ کر کے لوگوں کو گمراہ کرنا جس کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں) نص سے ثابت ہوئی (وہ آپ بھی مانتے ہیں اور آپ نے بھی یہ باتیں لکھی ہیں کہ ان کاموں کے لیے ان کو وسعت دی گئی ہے۔)فخر عالم کی وسعت علم کی(یعنی ذاتی علم جو محیط ہو علم زمین پر) کون سے نص قطعی سے ثابت ہے؟ (براہین قاطعہ ص55)

اس میں کیاگستاخی ہے؟

1- اس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم محیط ذاتی ماننا شرک قرار دیا ہے۔ وہ آپ کو بھی مسلم ہے اور یہ قید ہماری نہیں بلکہ حضرت نے اس بحث کے آخر میں خود لکھی ہے کہ یہ بحث اس صورت میں ہے جب علم ذاتی مانا جائے۔

2- آپ علیہ السلام کے علوم عالیہ و کمالیہ کی بات نہیں ہو رہی بلکہ شیطان و ملک الموت کے دائرہ کار کی بات ہو رہی ہے۔

3- نصوص قطعیہ میں تو ایسے علوم کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق نہیں کہا گیا ہے جیسے شعر گوئی وغیرہ، اس لیے شیطانی سوچ وفکر پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو محیط ماننا نصوص قطعیہ کا رد کرنے کے مترادف ہے۔

4- اور مولانا کے یہ الفاظ کہ ''یہ وسعت'' یہ اس بات پر مشیر ہے کہ ان ملک الموت اور شیطان کے دائرہ کار کی بات ہو رہی ہے نہ کہ مطلق اور جمیع علوم کی۔

5- یہ بات کہ شیطان کے دائرہ کار کا علم نبی کو ہوتا ہے ہمیں مسلّم نہیں بریلویوں کو مسلّم ہے۔ مثلاً جاء الحق میں مفتی احمد یار نعیمی نے لکھا ہے۔ حضور علیہ السلام کو تمام جہان والوں کا علم دیا گیا اور جہان والوں میں شیطان بھی شامل ہے۔ (جاء الحق ص77)

اس لیے بریلویوں کو تکلیف ہے کہ یہ گستاخی ہے۔ ہم کہتے ہیں ان گندی باتوں کا علم ''ماننا'' گستاخی ہے نہ کہ ''انکارکرنا'' گستاخی ہے!اس لیے کہ آپ کے جید عالم مولوی اللہ دتہ صاحب لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو وہ امور غیبیہ جن کا علم ان کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ ان کا علم عطا فرماتا ہے اور کسی کے لیے غیر ضروری معلومات مہیا کرنا حکیم اور علیم کی شان نہیں۔ (تنویر الخواطر ص48)

آپ کی معتبر کتاب روضۃ القیومیہ میں ہے: ہزارہا علوم و معارف اس قسم کے ہیں کہ انہیں انبیاء سے منسوب کرنے سے عار آتی ہے۔

(ج1 ص160)

تو یہ بات ہمیں تو اچھی نہیں لگتی البتہ بریلوی حضرات کو اچھی لگتی ہے تو ان کی قسمت۔ الزام کاخلاصہ یہ تھا کہ یہ شیطان کے علم کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ مانتے ہیں جبکہ یہ بات چور مچائے شور کے مترادف ہے۔ کیونکہ یہ بات تو تم نے ہی لکھی ہے اور اپنے آپ کو چھپانے کے لیے ان حضرات کے نام لگا دی جن کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں گزرا تھا۔ اب سنیے! فاضل بریلوی لکھتے ہیں :

1- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اوروں سے زائد ہے۔ ابلیس کا علم معاذ اللہ علم اقدس سے ہر گز وسیع تر نہیں۔ (خالص الاعتقاد ص6)

یہی بات اویسی بہاولپوری نے عقائد صحابہ ص5، رسائل اویسیہ ج2 اور الیاس عطار قادری نے کفریہ کلمات کے بارے میں سوال و جواب کے ص 245 اور نعیم اللہ خان قادری نے شرک کی حقیقت کے ص132 پر نقل کی ہے۔جس کا مطلب صاف یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کا علم اوروں سے تو زائد ہے مگر ابلیس کا علم آپ کے علم مبارک سے وسیع تو ہے مگر وسیع تر نہیں۔

2- مفتی احمد یار نعیمی نے معلم التقریر ص95 پر سیدنا آدم کو ابلیس کا شاگرد بنایا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ استاد کا علم طالب علم کم مان کر نہیں آتا زیادہ مانتا ہے تب ہی پڑھنے کے لیے آتا ہے۔

3- یہی مفتی صاحب نور العرفان ص 730 پیر بھائی کمپنی لاہور پر لکھتے ہیں: شیطان نے کہا میں پرانا صوفی عابد عالم فاضل اور آدم علیہ السلام نے نہ ابھی کچھ سیکھا نہ عبادت کی۔یعنی علم و

عمل میں جناب آدم علیہ السلام سے شیطان زیادہ تھا۔
4۔ اب آپ بتائیں کہ بریلوی حضرات شیطان کے علم کو انبیاء سے زیادہ مانتے ہیں یا کم؟!مگر بدنامی کے ڈر سے یہ جرم ہم پر دھر دیا۔
ہم آخر میں اپنا نقطہ نظر ''المہند علی المفند'' سے عرض کر دیتے ہیں جو عرب و عجم کی مصدقہ ہے۔
''سوال: کیا تمہاری یہ رائے ہے کہ ملعون شیطان کا علم سید الکائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے زیادہ اور مطلقاً وسیع تر ہے؟ اور کیا یہ مضمون تم نے اپنی کسی تصنیف میں لکھا ہے اور جس کا یہ عقیدہ ہو اس کا حکم کیا ہے ؟
جواب: اس مسئلہ کوہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام کا علم حِکم و اسرار وغیرہ کے متعلق مطلقاً تمامی مخلوقات سے ز یادہ ہے اور ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلم ہے، وہ کافر ہے اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کے فتویٰ دے چکے ہیں جو یوں کہے کہ شیطان ملعون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا جا سکتا ہے؟ ہاں کسی جزئی حادثہ حقیر کاحضرت کو اس لیے معلوم نہ ہوناکہ آپ نے اس کی جانب توجہ نہیں فرمائی آپ کے اعلم ہونے میں کسی قسم کا نقصان نہیں پیدا کر سکتا۔ جبکہ ثابت ہو چکا کہ آپ ان شریف علوم میں جو آپ کے منصب اعلیٰ کے مناسب ہیں ساری مخلوق سے بڑھے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ شیطان کو بہتیرے حقیر حادثوں کی شدت التفات کے سبب اطلاع مل جانے سے اس مردود میں کوئی شرافت اور علمی کمال حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ان پر فضل اور کمال کامدار نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہواکہ یوں کہنا کہ شیطان کا علم سیدنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے، ہرگز صحیح نہیں۔ جیسا کہ کسی ایسے بچے کو جسے کسی جزئی کی اطلاع ہو گئی ہے، یوں کہنا صحیح نہیں کہ فلاں بچہ کاعلم اس متبحر و محقق مولوی سے زیادہ ہے جس کو جملہ علوم و فنون معلوم ہیں مگر یہ جزئی معلوم نہیں اور ہم ہُدہُد کا سیدنا سلیمان علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والا قصہ بتا چکے ہیں اور یہ آیت پڑھ چکے ہیں کہ مجھے وہ اطلاع ہے جو آپ کو نہیں۔ اور کتب حدیث و تفسیر اس قسم کی مثالوں سے لبریز ہیں۔ نیز حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ افلاطون و جالینوس وغیرہ بڑے طبیب ہیں جن کو دواؤں کی کیفیت و حالات کا بہت زیادہ علم ہے حالانکہ یہ بھی معلوم ہے کہ نجاست کے کیڑے نجاست کی حالتوں اورمزے اور کیفیتوں سے زیادہ واقف ہیں تو افلاطون و جالینوس کا ان ردی حالت سے ناواقف ہونا ان کے اعلم ہونے کو مضر نہیں اور کوئی عقلمند بلکہ احمق بھی یہ کہنے پر راضی نہ ہو گاکہ کیڑوں کا علم افلاطون سے زیادہ ہے۔ حالانکہ ان کا نجاست کے احوال سے افلاطون کی بہ نسبت زیادہ واقف ہونا یقینی امر ہے اور ہمارے ملک کے مبتدعین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام شریف و ادنیٰ و اعلیٰ و اسفل علوم ثابت کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق سے افضل ہیں، تو ضرور سب ہی کے علوم جزئی ہو ں یا کلی، آپ کو معلوم ہوں گے اور ہم نے بغیر کسی معتبر نص کے محض اس فاسد قیاس کی بناء پر اس علم کلی و جزئی کے ثبوت کا انکار کیا ہے۔ ذرا غور توفرمائیے کہ ہر مسلمان کو شیطان پر فضل و شرف حاصل ہے۔ پس اس قیاس کی بناء پر لازم آئے گا کہ ہر اُمتی بھی شیطان کے ہتھکنڈوں سے آگاہ ہو اور لازم آئے گا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر ہو اس واقعہ کی جسے ہدہد نے جانا اور افلاطون و جالینوس واقف ہوں کیڑوں کی تمام واقفیتوں سے اور سارے لازم باطل ہیں چنانچہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔ یہ ہمارے قول کا خلاصہ ہے جو براہین قاطعہ میں بیان کیا گیا ہے جس نے کند ذہن بددینوں کی رگیں کاٹ دیں اور دجال ومفتری گروہ کی گردنیں توڑ دی ہیں۔ سو اس میں ہماری بحث صرف بعض حادثات جزئی میں تھی اسی لیے اشارہ کا لفظ ہم نے لکھا تھا تاکہ دلالت کرے کہ نفی و اثبات سے مقصود صرف یہ ہی جزئیات ہیں لیکن مفسدین کلام میں تحریف کیاکرتے ہیں اور شاہنشاہی محاسبہ سے ڈرتے نہیں اور ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس کا قائل ہو کہ فلاں کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ وہ کافر ہے چنانچہ اس کی تصریح ایک نہیں ہمارے بہترے علماء کر چکے ہیں اور جو شخص ہمارے بیان کے خلاف ہم پر بہتان باندھے اس کو لازم ہے کہ شاہنشاہ روز جزاء سے خائف بن کر دلیل بیان کرے اور اللہ ہمارے قول پر وکیل ہے۔''

~~(المہند علی المفند ص 57 تا 60)~~

مزید سنئے!بریلوی عالم دین مفتی خلیل احمد خان قادری برکاتی لکھتے ہیں:
رہی مولوی خلیل احمد صاحب سہارنپوری مرحوم کی عبارت براہین قاطعہ جس کو مختلف جگہ کے فقروں اور ٹکڑوں کو جوڑ کر ایک کفری مضمون بنایا ہے یہ آپ کی (اعلیٰ حضرت) دستکاری کا ایک نمونہ ہے۔ کہیں کا فقرہ کہیں کاٹ کر لگا دیا اس کاسیاق و سباق غائب پھر اس میں بھی اپنی تصنیف شامل۔

آگے لکھتے ہیں :
مولوی نذیراحمد خان صاحب مدرس مدرسہ طیبہ احمد آباد گجرات نے اول رد براہین قاطعہ کا لکھا تھا جس کا نام بوارق لامعہ ہے جو 1309ء بمبئی مطبع دت پرشاد سے شائع ہوا اس میں براہین قاطعہ کی اس عبارت کا انہوں نے یہ مطلب کہیں نہ بتایا نہ اس پر حکم کفر بیان کیا۔
(انکشاف حق 132)

آگے لکھتے ہیں : کیا وہ ہندوستانی زبان اور اس کے محاورات کو نہ جانتے تھے یاوہ کفر و اسلام کو بھی نہ پہنچانتے تھے۔ ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک براہین قاطعہ کی عبارت کا یہ مطلب ہی نہیں تھا جو آپ نے بیان فرمایا ہے۔ ورنہ وہ اس پر ضرور رد بلیغ فرماتے اور اسے احکام کفربتاتے۔
(انکشاف حق ص133)

مولوی عبدالسمیع رامپوری کی سنیے ! رامپوری صاحب سے جب کہا گیا کہ براہین قاطعہ کاجواب لکھیں تو انہوں نے کئی عذرکیے اور یہ بھی عذر کیا کہ مؤلف براہین قاطعہ نے بہت سے مضامین ایسے لکھ دیئے ہیں جس سے اکثراہل اسلام متوحش اور نفوز ہو گئے اور آگے مختلف باتیں لکھیں مگر اس عبارت کا نام و نشان نہیں۔ معلوم ہوتا ہے اس وقت کے اہل اسلام نے اس عبارت کو قابلِ گرفت نہ سمجھا۔ (دیکھیے انوار ساطعہ ص32)

آگے ”نظر ثانی“ کا عنوان قائم کر کے اس میں لکھتے ہیں: ہاں جو کوئی شبہ صاحب براہین قاطعہ کا واجب الدفع سمجھاجائے گا اب نظر ثانی (انوار ساطعہ) کی کر رہا ہوں خاص اپنی (انوار ساطعہ) میں اس شبہ کو لکھ کر حل کر دیا جائے گا۔ (انوار ساطعہ 34)

اگر یہ عبارت کفریہ ہوتی تو وہ ضرور اس کو بھی واجب الدفع سمجھتے مگر انہوں نے کئی مقامات پر جوابات دینے کے باوجود اس مقام پر عبارت کو بالکل رد نہیں کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہندوستان کے علماء نے بشمول رامپوری صاحب یہ عبارت قابل ردو تردید نہ سمجھی، اس لیے اس کو نہ رد کیا۔ یہ صرف فاضل بریلوی صاحب کی مہربانی اور عنایت ہے کہ انہوں نے اس عبارت کی بنا پر تکفیر کر ڈالی۔

الزام برحکیم الامت مجدد ملت الشاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

فاضل بریلوی لکھتے ہیں:
اسی گنگوہی کے دم چھلوں میں سے اشرف علی تھانوی کہتے ہیں اس نے ایک چھوٹی سے رسلیا تصنیف کی کہ چار و رق کی بھی نہیں اور اس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہے ایساتو ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چارپائے کو حاصل ہے۔ اس کی ملعون عبارت یہ ہے کہ آپ کی ذات مقدمہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید و عمر و بلکہ ہر صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ (حسام الحرمین ص18)

<u>الجواب:</u>

بریلویوں سے ہمارا یہ سوال ہے کہ اس میں گستاخی کیا ہے؟
وہ جواب میں لکھتے ہیں :
تھانوی صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو ہر کس و ناکس، زید و

عمر و بکر بلکہ مجنون، پاگلوں اور جانوروں کے علم سے تشبیہ دی یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو ان کے مساوی بتایا اور اس پر فریقین کااتفاق ہے کہ ان دونوں باتوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی توہین اور تحقیر ہے۔ (مسئلہ تکفیر اور امام احمد رضا ص34)

خلاصۃ الکلام یہ ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گھٹیا تشبیہ دینا یا آپ کے علم کو گھٹیا چیزوں کے برابر کہنا توہین و گستاخی ہے۔اب ہم سے سنیئے! حضرت حکیم الامت کی عبارت میں نہ تو آپ علیہ السلام کے علم مبارک کو جانوروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور نہ ہی ان کے برابر کیا گیا ہے۔

آئیے! بریلویوں کے جید عالم مفتی خلیل احمد خان قادری برکاتی کی سنیے، وہ اسی عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جناب ابھی تک آپ یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ اس عبارت میں آپ کے نزدیک تشبیہ ہے یعنی معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو ان مذکورہ اشیاء کے علم کے ساتھ تشبیہ ہے یا برابر ی (کیونکہ ابھی گزر چکا ہے کہ بریلوی کہتے ہیں یا تشبیہ ہے یا برابری)

فاضل بریلوی نے تو برابری کے معنی متعین کیے ہیں۔ چنانچہ اس کا ترجمہ عربی میں مثل کے ساتھ کیاہے۔

مگر جناب کو ان کے بیان کئے ہوئے معنی میں تردد ہے جب ہی تو یہ کہ رہے ہیں۔ کہ تشبیہ دی یا برابر کر دیا۔ نعوذباللہ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب کی عبارت میں نہ تشبیہ ہے نہ برابری، لفظ ”ایسا“ نہ تشبیہ کے لیے متعین ہے نہ برابری کے لیے، یہ فاضل بریلوی کی خوبی فہم ہے کہ اپنی رائے سے مقرر کر کے اس پر احکام کفر لگا دیے۔

سنیئے!اہل زبان ہندوستان کے یہاں لفظ ”ایسا“ ہر جگہ تشبیہ کے لیے ہی نہیں بولا جاتا ہے۔ ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ زید نے ایسا گھوڑا خریدا ہے جو اس کو پسند آیا یا زید نے ایسا کام کیا جس سے سب لوگ خوش ہو گئے۔ کہیے کہاں دونوں مثالوں میں لفظ ایسے کے معنی تشبیہ یا برابری کے لیے کب ہوئے؟

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

اگر مولوی شریف الحق صاحب کے بقول تشبیہ ہے تو تشبیہ میں مشبہ و مشبہ بہ میں برابری کیا لازم ہے؟ اہل فن کا مقررہ قاعدہ ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے اقوی ہوتا ہے۔ خلیفہ معتمد باللہ کی مدح میں جو اس مداح حسان مصیصی شاعر اندلس نے کہا تھا۔

کان ابوبکر ابو بکر الرضی

و حسان حسان و انت محمد

یعنی اے محمد وح! تیراوزیر ابوبکر ابن زیدون ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مانند ہے اور تیرا مداح شاعر حسان مصیصی حسان بن ثابت مداح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانند ہے اور تو خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مانند ہے۔

اس پر بعض شارحین شفاء نے کہا تھا کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر معتمد باللہ کو حسان شاعر نے کہہ دیا ہے۔ اس پر علامہ خفاجی نے شرح شفاء میں اور علامہ علی قاری نے اپنی شرح شفاء میں اعتراض فرمایا اور تشبیہ کی بناء پر دعویٰ برابری کو خلاف قاعدہ مقررہ اہل فن قرار دیا۔

علامہ خفا جی نے نسیم الریاض میں فرمایا کہ ان شارحین کے کلام کو نہ ذکر کرنا ہی بہتر ہے۔ علامہ علی قاری نے فرمایا یعنی اس شعر حسان مصیصی پر شارحین نے مصنف کی تبعیت میں طویل کلام کیا ہے لیکن کلام اشکال سے خالی نہیں اس لیے کہ تشبیہ سے مشبہ بہ کے ساتھ کمال میں برابری لازم نہیں آتی بلکہ قاعدہ مقرر ہے کہ مشبہ بہ اقوی ہوتا ہے۔ سارے حالات میں۔ الخ

اس میں تصریح ہے کہ تشبیہ میں برابری نہیں ہوتی۔ اگر کسی اعلیٰ درجہ کی چیز کو کسی ادنیٰ درجہ کی چیز سے بغرض سمجھانے مخاطب کو تشبیہ دے دی جائے تو اس کو توہین و تنقیص نہیں کہا جا سکتا۔

صحیح بخاری شریف میں حدیث موجود تھی:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ پر وحی کس طور سے آتی ہے؟ تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی کبھی مجھ پر وحی مثل گھنٹہ کے آواز کے آتی ہے۔

غور کیجئے کہ اس حدیث شریف میں وحی الٰہی کے نزول کو گھنٹہ کی آواز کے مثل فرمایا یعنی گھنٹہ کی آواز سے تشبیہ دی ہے حالانکہ گھنٹہ کی آواز کو حدیث شریف میں شیطانی آواز فرمایا گیا ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

جس قافلہ میں گھنٹہ ہوتا ہے اس قافلے میں رحمت کے فرشتے نازل نہیں ہوتے۔ کیا -معاذ اللہ- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توہین وحی فرمائی؟ (انکشاف حق ص128تا 130)

پھر آگے لکھتے ہیں : جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم کی پیدائش اور تمام عالم کی بقا کا سبب مان رکھا ہے اور تمام علوم عالیہ شریفہ لوازم نبوت کا جامع مان رہا ہے۔کیا معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کی برابری زید عمر و مجانیں و بہائم و حیوانات کے علم سے کرے گا؟

افسوس عقل و انصاف کو ترک کردینا اور اپنی انفرادی رائے کو تمام اہل علم کی رائے پر ترجیح دے دینا جبکہ مصنف خود اپنی عبارت کے لیے اس مضمون کا انکار صریح کر رہا ہے اور دوسرے اہل علم بھی اس خبیث مضمون کو اس عبارت کے لیے نہیں مانتے اس پر بھی وہی کہنا دین و دیانت کے خلاف نہیں تو اور کیا ہے؟ (انکشاف حق ص131)

قارئین ذی وقار! مفتی خلیل احمد صاحب قادری برکاتی نے صاف کہہ دیا ہے کہ اس عبارت میں حکیم الامت نے نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک علم کو چوپاؤں کے برابر کہا ہے اور نہ ہی تشبیہ دی ہے۔

اور ہم بھی یہی کہتے ہیں اور یہی بات حکیم الامت نے بھی ارشاد فرمائی کہ لفظ ”ایسا“ مطلق بیان کے لیے بھی آتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ”اللہ ایسا قادر ہے“ اب یہاں نہ تشبیہ ہے اور نہ برابری۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ گفتگو حکیم الامت رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم مبارکہ کے متعلق نہیں کر رہے بلکہ وہ تو لفظ ”عالم الغیب“ پر گفتگو کر رہے ہیں کہ اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کوعالم الغیب بعض علم کی وجہ سے کہا جاتا ہے تو پھر تو ہر ایک کو کہنا چاہیے کیونکہ ہر ایک کے پاس کچھ نہ کچھ معلومات ہوتی ہے جو کہ ”بعض علم“ کہلاتی ہے۔ آخری جملہ جو فاضل بریلوی نے اڑا دیا اس سے یہ بات مفہوم ہو رہی تھی وہ ٹکڑا یہ ہے: ”کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہوتی ہے۔“ اگر یہ ٹکڑا لکھ دیا جاتا تو ہر آدمی اس ٹکڑے کو دیکھ کر بات سمجھ لیتا ہے کہ لفظ ”ایسا علم “سے نبی پاک علیہ السلام کے علم مبارک کی طرف اشارہ نہیں بلکہ اس آخری ٹکڑے والے علم کی طرف اشارہ ہے۔ مگر فاضل بریلوی تو ”فاضل“ تھے۔

اور دوسرا ”کارنامہ“فاضل بریلوی نے یہ سر انجام دیا کہ ایک ٹکڑا اور عبارت کا آخر سے اُڑا دیا جو یہ تھا کہ ”تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے“... یہ کارنامہ موصوف نے اس لیے سر انجام دیا تاکہ لوگوں کا دماغ اس طرف نہ جائے کہ بات اس پر ہو رہی ہے کہ آپ علیہ السلام کو عالم الغیب کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اب ٹکڑا اُڑانے سے لوگوں کو دھوکہ دیا کہ بات آپ علیہ السلام کے علم مبارک کی ہو رہی ہے۔

القصہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے مشورہ دیا کہ بے دین لوگ آپ کی تحریر کی وجہ سے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں، عبارت اگرچہ ٹھیک ہے مگر اس کو بدل دیا جائے تو کیا حرج ہے؟!تو آپ نے اس مشورہ کو قبول کر کے عبارت کو بدل دیا، اب عبارت یوں ہے:

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کیا تخصیص؟ مطلق بعض علوم تو غیر انبیاء کو بھی حاصل ہیں تو چاہیے سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔

(تغیر العنوان ص13)

مگر بریلویت وہیں کھڑی ہے۔اب بریلویت کے گھر میں چلتے ہیں -انہوں نے لفظ ”ایسا“ سے دو الزام لگائے۔

1- تھانوی صاحب نے آپ کے علم مبارک کو جانوروں کے علم سے تشبیہ دی۔
2- ان کے برابر علم کہا۔
اب ہم بھی بریلوی لوگوں کے گھر سے ایسے الفاظ لاتے ہیں اور پھر دنیا کے غیر جانبدار اور سمجھ دار لوگوں کو دعوت فکر دیں گے کہ اگر ہمارے لیے یہ اصول ہے تو ا ن کے لیے کیوں نہیں؟!
1- مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں :
کسی کو الو گدھا کہہ دو تو وہ رنجیدہ ہوجاتا ہے اور حضرت قبلہ و کعبہ کہہ دو تو خوش ہوتا ہے حالانکہ الو گدھا بھی مخلوق ہیں اور قبلہ و کعبہ بھی، ایسے ہی خالق کے مختلف ناموں میں مختلف تاثیریں ہیں۔ (اسرار الاحکام ص52)
اب دیکھیے لفظ ’’ایسے ہی ‘‘کووہ کہہ رہے ہیں جیسے کسی کو الو گدھا کہہ دیا جائے تو اثر پڑتا ہے ایسے ہی خدا کے ناموں سے دم وغیرہ کرنے میں بھی اثر ہے۔اب سوال یہ ہے کہ کیا انہوں نے اثر میں خدا کے نام اور اُلو گدھا کے ناموں کو برابر نہیں کیا اور کیا ایسی گھٹیا چیز سے تشبیہ دے کر ان کا ایمان باقی رہا۔مگر بریلویت کو سا نپ سونگھ جائے جو اس عبارت کا جواب دینے کی کوشش کریں۔
2- یہی مفتی صاحب اور جگہ لکھتے ہیں :
انبیاء نے اپنے آپ کو ظالم ضال خطاوار وغیرہ فرمایا ہے اگر ہم یہ لفظ ان کی شان میں بولیں تو کافر ہو جائیں ایسے ہی حضور سے فرمایا گیا اپنے کو بشر کہو۔ (نور العرفان ص802، کتب خانہ نعیمی لاہور)
تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مفتی احمد یار نعیمی نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو ظلم اور گمراہی کے برابر کہا ہے یا اس سے تشبیہ دی ہے؟جو فتویٰ حکیم الامت حضرت تھانوی پر لگاتے ہو وہ مفتی احمد یار نعیمی پر بھی لگاؤ!
3- یہی مفتی اور جگہ لکھتے ہیں:
جب لاٹھی سانپ کی شکل میں ہو گی تو کھائے گی، پیے گی مگر ہو گی لاٹھی، یہ کھانا پینا اس کی اس شکل کااثر ہو گا، ایسے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور ہیں جب بشری لباس میں آئے تو نوری بشر تھے، یہ کھانا پینا، نکاح وفات اسی بشریت کے احکام ہیں۔
(نور العرفان ص805 کتب خانہ نعیمی لاہور)
کیوں شریف الحق امجدی صاحب ! یہاں بھی لفظ ’’ایسے‘‘ آیا ہوا ہے تو کیا آپ کے اصول سے یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کوسانپ سے تشبیہ نہیں دی جا رہی؟ کیا یہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت مبارک کو سانپ کے برابر نہیں کہا جا رہا؟ یہاں آپ خاموش کیوں ہیں؟ کیا وہ فتوے اور اصول ہمارے لیے ہی ہیں یا یہاں بھی کچھ توجہ فرمائیں گے؟!
اور یہ بات گزر چکی ہے کہ حفظ الایمان کی عبارت پر سب سے پہلے مناظرہ مولوی احمد رضا اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے مابین ہوا۔ جس میں بڑی ذلت سے فاضل بریلوی کو دو چار ہونا پڑا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے انوار مظہریہ ص292
اس وقت حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحب نے حامد رضا کے اعلان پر کہ اگر یہ ہمارے متعلق ہوتی تو ہم اس پر عدالت میں درخواست دائر کرتے اور ہتک عزت کا پرچہ ان پر کروایا جاتایہی عبارت حامد رضا خان کے نام سے لے کر اپنے رسالے میں چھاپ دی مگر بریلویت کو سانپ سونگھ گیا۔
4- مولوی اشرف سیالوی لکھتے ہیں:
وہاں سب لوگوں نے اللہ رب العزت کے سوال الستُ بربِّکم کے جواب میں بلیٰ کہا تھا لیکن یہاں کوئی شداد کوئی فرعون کوئی ہامان اور ابولہب بن گئے اس کی وجہ یہی ہے کہ عالم ارواح و عالم اجساد کا معاملہ مختلف ہے، اسی طرح نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں ملائکہ و انبیاء کے نبی تھے لیکن یہاں نہ کوئی ملک نہ نبی پھر آپ نبی کس کے تھے؟ (نبوت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ص62)
بریلوی حضرات سے ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا یہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تمثیل فرعون و ہامان سے نہیں دی جا رہی؟ اس عبارت پرتوخود بریلوی مسلک کے لوگ بھی کہہ اُٹھے:

آپ نے بڑی دیدہ دلیری سے اوربے باکی سے سید المرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم کے عالم ارواح میں نبی ہونے اور بقول آپ کے عالم اجساد میں تقریباً 40 سال تک نبی نہ ہونے کا موازنہ حکم خداوندی کے مطابق جانوروں سے بھی بدتر کفار بلکہ کفار کے سرداروں کے کفر سے کر دیا۔ (نبوت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہر آن لحظہ ص 62، 63)

اس تشبیہ و برابری پر کیابریلوی علماء نے اس کو کافر کہا؟ اگر نہیں تو کیوں؟

5- فاضل بریلوی سے ایک سوال ہوا کہ ایک عالم نے اپنے وعظ میں کہا:''اے مسلمانو! آپ لوگوں کو سمجھانے کے لیے ایک مثال دیتا ہوں، اس کے بعد آپ لوگ خیال کریں کہ قوت ایمانی میں کہا ں تک ضعف ہو گیا ہے۔ دیکھو کسی حاکم کا چپراسی سمن لے کر آتا ہے تو اس کا کس کا قدر خوف ہوتا ہے حالانکہ حاکم ایک بندہ مثل وشما سمن آدھے پیسے کا کاغذ جس میں معمولی مضمون ہوتا ہے، چپراسی 5،6 ر وپے کا ملازم ہوتا ہے مگر حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کے خوف کے مارے لوگ روپوش ہو جاتے ہیں، لاچاری سے لینا ہی پڑتا ہے بعد ہ وکیل کی تلاش اور روپے کا صرف کرنا کذا وکذا اور اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کہ وہم بھر میں تہہ و بالا کر سکتا ہے۔ اس کا حکم نامہ قرآن پاک و مقدس کہ جس کے ایک ایک حرف پر دس بیس تیس نیکی کا وعدہ ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے-الخ.........

الجواب: حاش للہ اس میں نہ تشبیہ ہے نہ تمثیل نہ اصلا معاذ اللہ توہین کی بو۔ (فتاویٰ رضویہ ج15، ص150)

اب دیکھیے! مولوی واعظ صاحب کہہ بھی رہے ہیں کہ ایک مثال دیتا ہوں اور اس میں اس نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال چراسی سے دی ہے۔ مگر فاضل بریلوی نے چونکہ اپنا آدمی تھا، اس لیے یہ کہہ دیا کہ کوئی تشبیہ و تمثیل نہیں حالانکہ وہ کہہ رہا ہے کہ میں مثال دیتا ہوں۔ اس آدمی نے تمثیل مانی بھی ہے مگر نہ اس مثال میں چپراسی سے آپ علیہ السلام کی برابری تسلیم کی جاتی ہے اور نہ تشبیہ۔

تو ہم بھی یہی کہتے ہیں ہماری مثال میں اس قسم کی گفتگو نہیں۔ اگر یہ گستاخی نہیں تو پھر ہماری کیوں ہے؟کیا اسی وجہ سے ہے کہ ہم نےدین خالص لوگوں کو سنایا جس سے تمہیں تکلیف ہوئی!

اصل میں ایسی عبارات بریلویت میں بہت ہیں مگر انہوں نے اپنی ان عبارات پر عشق و محبت کے مدعی ہونے کی چادر اوڑھ رکھی ہے۔ اس لیے ان کی کتب کو پڑھیں اور پھر فیصلہ فرمائیں کہ ان لوگوں کا عشق کا دعویٰ کہاں تک درست ہے؟

ایک اور طرز سے :

بریلوی حضرات حفظ الایمان کی اس عبارت پر اعتراض کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کو تشبیہ دی گئی ہےجانوروں کے علم کے ساتھ، تو یہ بات برابری کو لازم کرنے والی ہے یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کو جانوروں کے علم سے تشبیہ دینے کی وجہ سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کا علم مبارک جانوروں کے علم کے برابر ہے۔ تو جواباً عرض یہ ہے کہ ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی اور خلیل احمد رانا جیسے بریلوی اسکالر کا عقیدہ و نظریہ تو یہ ہے کہ :

مشابہت سے مساوات بھی لازم نہیں آتی چہ جائے کہ مشبّہ کی برتری کا قول کیا جائے۔ (افضیلت غوث اعظم دلائل و شواہد ص86)

تو معلوم ہو گیا کہ فاضل بریلوی نے بہت بڑی زیادتی کی ہے جو کہ قابل معافی جرم نہیں اور اسی جرم کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود اپنے فتویٰ تکفیرمیں بری طرح پھنس گیا جیساکہ آپ اجمالی نظر میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

مفتی عبدالمجید خان سعیدی لکھتے ہیں :مثال محض تفہیم کے لیے ہوتی ہے مساوات کے لیے نہیں۔ (کنزالایمان پر اعتراضات کا آپریشن ص186)

مفتی حنیف قریشی کہتے ہیں :

تشبیہ اور استعارہ سے مشبہ و مشبہ بہ کی برابری سمجھنا پرلے درجے کی حماقت و جہالت ہے۔ (ص 539، روئیداد مناظرہ گستاخ کون)

مولوی ابوکلیم محمد صدیق فانی لکھتے ہیں:

مثال کے بیان سے مقصد کسی بات کو عام فہم انداز میں بیان کرنا مقصود ہوتا ہے یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ جس چیز کے لیے مثال دی جا رہی ہے مثال اس کا عین ہے اور ہوبہواس پر صادق آتی ہے۔ محدث حافظ ابن قیم جوزی لکھتے ہیں : انہ لا یلزم تشبیہ الشی ء بالشیء مساواتہ لہ۔(المنار المنیف ص60 طبع بیروت)

یعنی کسی شے کو کسی سے تشبیہ دی جائے تو یہ لازم نہیں آتا کہ یہ شے اس کے برابر ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں : تشبیہ اور استعارہ سے مشبہ اور مشبہ بہ سے برابری سمجھنا پرلے درجے کی حماقت (بے وقوفی) ہے۔ (آئینہ اہلسنت ص 390)

مولوی اشرف سیالوی لکھتے ہیں :

مثال میں صرف وجہ تمثیل کا لحاظ ہوتا ہے جملہ امور میں اشتراک نہیں ہوتا۔ (حاشیہ مناظرہ جھنگ ص52)

بلکہ مولانا لکھنوی نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ کبھی تشبیہ ناقص کے ساتھ مجرد تفہیم کے واسطے ہوتی ہے۔ (مجموعہ فتاوی اردو ج1ص20)

ایک اور طرز سے بریلوی عالم کا اعتراض :

بریلوی علامہ سردار احمد فیصل آبادی لکھتے ہیں :

اس ناپاک عبارت میں حضور پرنور شافع یوم النشور کے علم شریف کو بچوں، پاگلوں، جانوروں چارپاؤں کے علم سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس میں حضور علیہ اصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں صریح توہین اور کھلی گستاخی ہے۔ (دیوبندی سے لاجواب سوالات ص 184،183)

یعنی گھٹیا اشیاء کے ساتھ تشبیہ دینا گستاخی و توہین و کفر ہے۔جیسا کہ جید بریلوی عالم اور بریلویوں کے حکیم الامت مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں :

آپ کی شان میں ہلکی مثالیں دینا کفر ہے۔ (ملخصاًنور العرفان ص 345)

اب آئیے دوسری طرف:

ہم پہلے بھی چند مثالیں لکھ آئے ہیں کچھ اور بھی عرض کر دیتے ہیں۔ بریلویت ملت کے ”قائد“ مولوی اشرف سیالوی نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی مثال کافروں سے دیتے ہیں اور ان کی اس بات پر بریلوی علماء بھی بہت نالاں ہوتے ہیں۔

مثلاً مفتی عبدالمجید خان سعیدی لکھتے ہیں :

مصنف تحقیقات نے جو حدیث لا یقاس بنا احدسے انحراف کرتے ہوئے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت والا معاملہ کافروں، مشرکوں اور منافقوں سے ملا کر جس سوئے ادبی کا ارتکاب کیا ہے وہ اس پر مستزاد ہے حالانکہ نبوت جب سلب سے پاک ہے اور سلب نبوت محال ہے تو اسے غیر نبی اور وہ کافر، مشرک اور منافق کے کفر و شرک اور نفاق سے ملا دینا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ سلب نبوت کے قائل نہ ہوتے تو یہ بات کبھی منہ سے نہ نکالتے اور گندی تشبیہ سے پرہیز کرتے۔ (سندیلوی کا چیلنج منظور ہے ص 34)

مولوی اشرف سیالوی لکھتے ہیں :

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس بشری نسبتاً کثیف تھا اس لیے اس کثافت کو باربار کے شق صدر اور چلہ کشی وغیرہ کے ذریعے جب لطیف کر دیا گیا تب آپ کو یہ منصب سونپا گیا۔ اس حقیقت کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ دوپہر کے سورج کے آگے سیاہی مائل اور دبیز تہہ والا بادل۔ (ملخصاً تحقیقات ص204)

اس پر تبصرہ کر کے سعیدی صاحب لکھتے ہیں :

مصنف تحقیقات نے حضور کے چالیس سال کی عمر شریف تک بالقوہ بمعنی صلاحیت و استعداد نبی ہونے سے بھی صاف انکار کیا ہے اور آپ کی بشریت مقدسہ و مطہرہ منورہ از کی و اطیب کو کثیف قرار دے کر اسے موٹی تہہ والے سیاہ بادل سے تشبیہ دی ہے جو سخت سوء ادبی ہے۔

(سندیلوی کا چیلنج منظور ہے: ص 47)

مفتی احمد یار نعیمی کو بھی دیکھیے اورا س کی دلیری کو بھی مدنظر رکھیے کہ ام البشر سیدہ حواء علیہا السلام کے متعلق کیا تشبیہ دیتا ہے؟ کہتا ہے:

حضرت حوا کو حضرت آدم کے جسم سے بغیر نطفہ بنایا دیکھو انسان کے جسم سے بہت سے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں مگر وہ اس کی اولاد نہیں کہلاتے۔
(نور العرفان ص 93، النساء آیت نمبر 1)

ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:
ظاہری صورت کی یکسانیت دیکھ کر اولیاء انبیاء کو اپنا مثل نہ سمجھو نیم اور بکائن کا درخت یکساں معلوم ہوتا ہے مگر پھلوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ (نور العرفان ص 169، سورۃ الانعام آیت نمبر 99)

یہاں انبیاء و اولیاء کو تشبیہ بکائن جیسے کڑوے درخت سے دی ہے ۔
ایک جگہ یوں لکھتے ہیں :
بھڑ اور شہد کی مکی ایک ہی پھول چوستی ہیں مگر یہ پھول کا رس بھڑ کے پیٹ میں پہنچ کر زہر اور شہد کی مکھی کے پیٹ میں پہنچ کر شہد بنتا ہے ایسے ہی ہمارا کھانا غفلت کا باعث ہے اور انبیاء کی خوراک نورانیت کے ازدیاد کا ذریعہ ہے۔ (نورالعرفان ص 414، سورۃ المومنون آیت نمبر 32)

لفظ ''ایسےہی'' بھی موجود ہے جو بریلوی اصول میں برابری اور تشبیہ دونوں کے لیے آتاہے اور جن بریلویوں کے نزدیک صرف تشبیہ کے لیے آتا ہے وہ بھی دیکھیں کہ انبیاء کرام کو شہد کی مکھی سے تشبیہ دی گئی ہے جوکہ بریلوی اصول سے گستاخی بنتی ہے۔آگے چلئے:
مفتی صاحب لکھتےہیں :سانپ اور بھینس اگرچہ اللہ کی مخلوق ہے اس کی روزی کھاتے پیتے ہیں، مگر سانپ کے پاس زہر ہے اور بھینس کے پاس دودھ، اس لیے آپ سانپ کو مارتے ہیں اور بھینس کی خدمت کرتے ہیں۔ ایسے ہی کفار کے پاس کفرکا زہر ہے اور حضرات انبیاء، اولیاء، علماء کے پاس ایمان کا دودھ (تفسیر نعیمی ج3، ص 364، سورۃ آل عمران آیت نمبر 33)

مفتی صاحب کا ایک اور ظلم ملاحظہ فرمائیں : جیسے ایک ہی رحم سے مختلف اولاد پیدا ہوتی ہے ایسے ہی ایک ہی تعلیم سے مریدین کے مختلف حالات ہوتے ہیں، نگاہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی تھی مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درجات مختلف۔
(تفسیر نعیمی ج 3، ص243، سورۃ آل عمران آیت نمبر6)

ایک جگہ یوں لکھتے ہیں: سچے مرید کا قلب گویا رحم ہے اور شیخ کامل کی نگاہ گویا نطفہ۔
اتنی حقیر چیزوں سے نبی پاک اور انبیاء علیہم السلام کو تشبیہ دینے والا کیا بریلوی اُصول کی رو سے گستاخ نہیں؟!

ہم بریلوی مناظرین سے پوچھتے ہیں کہ سیالوی صاحب کی تشبیہات کا گھٹیا ہونا آپ بھی مانتے ہو، کیا فاضل بریلوی کے فتویٰ سے اسے کافر و گستاخ کہتے ہو یا نہیں؟
اور اگر اس اصول سے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو معافی نہیں تو مفتی احمد یار نعیمی کو معافی کیوں؟ جو انبیاء کو تشبیہ کبھی بھینس سے اور کبھی کسی سے دیتا ہے، اسے معافی کیوں ہے؟ بریلوی اکابرین نے اس کے خلاف کتنی کتابیں لکھی ہیں ؟ آخر کیوں معافی دی؟ بریلوی حضرات شیر مادر سمجھ کر اور گیارہویں کا ٹھنڈا میٹھا دودھ سمجھ کر ان سوالات کو ہضم تو کر سکتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔
اب اصل عبارت کو دیکھیں:
''آپ کی ذاتِ مقدسہ پر عالم الغیب کا اطلاق کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علمِ غیب تو زید عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہوتی ہے۔''
عبارت میں ''ایسا علم'' سے نبی پاک صلی اللہ علیہ و سلم کے علم مبارک کی طرف اشارہ نہیں بلکہ ''مطلق بعض علم'' کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ عبارت کے آخری ٹکڑا سے معلوم ہو رہا ہے یعنی اگر بعض علم کی وجہ سے عالم الغیب کہتے ہو تو پھر ہر ایک کو بعض علم تو ہے یعنی کچھ نہ کچھ تو پتہ ہے، لہٰذا ان کو بھی عالم الغیب کہو۔ تو حضرت تھانوی نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ سرکار والا علم مبارک سب کو ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عصمت انبیاء علیہم السلام

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

چند تمہیدی باتیں:

خدا کی مخلوق میں خدا کے بعد سب سے بڑا مرتبہ انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔یہ ہستیاں دنیا کے لیے خدا کے خلیفہ ہیں اور ”تخلقوا باخلاق اللہ“ کے سب سے بڑے نمونے ہیں،اللہ کی اطاعت و عبودیت کے سب سے اونچے پیکر، مجسم العلوم و معرفت الٰہیہ کے سب سے زیادہ عالم و عارف، خدا کی ذات و صفات کے ہمہ وقتی مشاہدہ و استحضار سے مستفید و مستنیر..... غرض جتنی خوبیاں اور جتنے اوصافِ کمال خدا کی ذات کے بعد کسی مخلوق میں جمع ہوسکتے ہیں وہ سب انبیاء و مرسلین علیہم السلام میں جمع ہوئے ہیں، اسی لیے کسی ایک نبی کے مرتبہ کمال علمی و عملی کو بڑے سے بڑا ملک مقرب بھی نہیں پہنچ سکتا اور اپنے اپنے دور کے ہر نبی کو ”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“ کا مصداق کہا جاسکتا ہے، اسی لیے امت ان کے معصوم ہونے کا اعتقاد رکھتی ہے۔

عصمت انبیاء علیہم السلام کے اعتقاد رکھنے کے بعد ان انبیاء و مرسلین میں بھی فرق مراتب ہوا بدلیل: ”تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ“ اور خدا تعالیٰ کی لا نہایہ بارگاہ کے مراتب قرب بھی بے نہایت ہیں۔

خصائص نبوت:

مسئلہ عصمت انبیاء علیم السلام میں غور وخوض کرنے کے لیے سب سے اہم نکتہ چونکہ انبیاء علیہم السلام کی صفات و ملکات اور ان کے خصائص سے بحث ہے، اس لیے ضروری ہے کہ یہاں پہلے چند سطور میں ان کے جوہر فطرت، صفات و ملکات اور ان کے خصائص سے بحث کی جائے۔

سلاطین عالم کسی شخص کو مسند وزارت کے لیے منتخب کرتے وقت چند چیزوں کا لحاظ رکھتے ہیں:

☼ ایسے شخص کو منتخب کرتے ہیں جو ان کا نہایت ہی مطیع اور مخلص ہو، حکومت کا پورا وفادار اور خیر خواہ ہو۔

☼ اخلاق حسنہ ،اوصاف جمیلہ اور محامد و مکارم سے آراستہ ہو، زمائم اور محضرات الامور سے بالکلیہ مبرا و منزہ ہو۔

☼ حسب و نسب میں سب سے زیادہ فائق و برتر ہو۔

☼ فہم و فراست اور عقل و فطانت میں سے سے اعلیٰ و ارفع ہو، نیز سفاہت و غباوت و قصور عقل کے دھبہ سے بالکل پاک ہو۔

☼ صدق و امانت اس کا طرہ امتیاز ہو، کذب و خیانت کے توہم سے بھی بمراحل بعید ہو۔

☼ دربار شاہی کے آداب کی پوری پوری رعایت رکھتا ہو، اس کی کسی حرکت اور سکون سے بادشاہ کی ہمسری کا ادعاء متوہم نہ ہوتا ہو، دیگر وزراء کے ساتھ اس کا معاملہ ان کے منصب وزارت اور شان تقرب کے مناسب ہو۔

بالکل اسی طرح ملیک مقتدر اور احکم الحاکمین کے وزراء کو کہ جن کو انبیاء و رسل سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ:

* ان کے قلوب میں اس ملیک مقتدر کی محبت و اطاعت اس درجہ راسخ ہو کہ ارادہ معصیت کی بھی گنجائش نہ رہی ہو اور اسی فطری اجتناب عن المعاصی کا نام ”عصمت“ ہے۔ نیز ایمان و اسلام سے ان کا قلب اس درجہ لبریز ہو کہ کفر و شرک کے لیے جزء لا یتجزی کی مقدار کی بھی اس میں جگہ نہ ہو۔

*ان کی فطرت اخلاق حسنہ، اوصاف جمیلہ، محامد وفضائل اور مکارم و شمائل سے مزین و مجلّی ہو، قابل نفرت امور سے بالطبع متنفر ہوں اور ان کے نفوس قدسیہ تمام زمائم سے منزہ ہوں۔ (اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لہسن و پیاز کا استعمال نہ فرماتے تھے، وجہ یہ فرماتے تھے کہ میں جس سے کلام و مناجات کرتا ہوں تم اس سے کلام و مناجات نہیں کرتے)

* یہ کہ ان کا حسب و نسب نہایت پاک و مطہر ہو، اسی وجہ سے ابو سفیان کو ہرقل کے سامنے یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ”ہو فینا ذو نسب“ کہ وہ ہم میں بڑے نسب والے ہیں ۔

* یہ کہ وہ فہم و فراست کے اعتبار سے سب سے ارفع واکمل ہوں، قصور فہم سے کوسوں دور ہوں۔

* صدق و امانت کے ساتھ متصف اور غدر و خیانت سے بالکلیہ پاک ہوں۔

* ان کا کلام ذات وحدہ لاشریک لہ کی ہمسری کے رائحہ سے بھی پاک ہو، نیز یہ کہ ان کا ایک دوسرے کی تحقیر کرنا محال ہو۔

الحاصل: اس ملیک مقتدر اور احکم الحاکمین نے اپنی خلافت و وزارت کے لیے انبیاء علیہم السلام کو منتخب فرمایا ہے مگر چونکہ وہ علیم و خبیر بما فی الصدور اور یعلم السر واخفیٰ بھی ہے، اس لیے وہ اپنی نیابت و وزارت کے لیے ایسے ہی اشخاص کو منتخب فرماتا ہے جو ظاہراً اور باطناً ہر طرح سے خدا کے مطیع و فرمانبردار ہوں، پورے مخلص اور جانثار ہوں، یہ ناممکن و قطعاً محال ہے کہ وہ علیم و خبیر غلطی سے کسی ایسے شخص کو اپنی خلافت کے لیے منتخب کرے جو بظاہر تو اس کا مطیع و فرمانبردار ہو لیکن باطناً اس کا نافرمان ہو اور فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہیاں تک کرجانے والا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور کبھی بھی مرتبہ نبوت اور منصب رسالت سے علیحدہ نہیں کیے جاتے بخلاف سلاطین عالم کے کہ ان کے انتخاب میں بسا اوقات غلطی ہوجاتی ہے اور وہ غیر مطیع کو مطیع سمجھ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مرتبہ سلاطین کو اس کی ضرورت پیش آتی ہے کہ وزراء کو منصب وزارت سے علیحدہ کیا جائے۔

(از عقائد اسلام)

مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام پر بحث کرنے سے پہلے ”عصمت انبیاء“ کا معنی معلوم کرلینا ضروری ہے ۔

عصمت انبیاء کا معنی:

”عصمت“ کا معنی بعض حضرات نے اگرچہ ”عدم قدرت علی المعصیہ“ سے کیا ہے لیکن یہ رائے مرجوح ہے کیونکہ اس میں انبیاء علیہم السلام کا کمال ظاہر نہیں ہوتا۔ اس لیے جمہور علماء اہل السنۃ کے نزدیک عصمت کے مختار معنی یہ ہیں کہ عصمت ایک ایسا خلق ہے جو معصوم کو باوجود قدرت علی المعصیۃ کے معصیت سے روکتا ہے اور معصوم ترک معصیۃ میں مجبور نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت مولانا دوست محمد کابلی رحمہ اللہ اپنی کتاب ”تحفۃ الاخلاء فی عصمۃ الانبیاء “میں تحریر فرماتے ہیں:

واختلف فی معنی العصمۃ قال بعضہم انہا عبارہ عن عدم قدرۃ المعصیۃ والمختار عند الجمہور انہا عبارۃ عن خلق مانع من ارتکاب المعصیۃ غیر ملج حتی لا یکون المعصوم مضطرا فی ترک المعصیۃ وفعل الواجب. (ص15)

ترجمہ: عصمت کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ عصمت عدم قدرت علی المعصیۃ کو کہتے ہیں اور جمہور کے نزدیک مختار معنی یہ ہے کہ عصمت ایک ایسی خصلت کا نام ہے جو معصوم کو ارتکاب معصیۃ سے بلا کسی جبر و اکراہ کے منع کرتی ہے حتی کہ معصوم ترک معصیۃ اور فعل واجب میں مجبور نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ عصمت کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

”عصمت“ کے معنی یہ ہیں کہ ان کے اقوال ہوں یا افعال، عبادات ہوں یا عادات، معاملات و مقامات ہوں یا اخلاق و احوال، ان سب کو اللہ اپنی قدرت کاملہ سے نفس و شیطان کی دخل اندازی سے محفوظ فرماتا ہے خواہ وہ خطاء و نسیان کی صورت سے ہی کیوں نہ ہو اور حفاظت و نگرانی کرنے والے اپنے فرشتے ان کے ساتھ رکھتا ہے تاکہ غبار بشریت بھی ان کے دامن پاک پر ذرا سا دھبہ نہ لگا سکے۔

مطلب یہ ہوا کہ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ہمہ وقتی حفاظت و نگرانی کا نام ”عصمت“ ہے۔

فائدہ جلیلہ:

”عصمت“ اور ”حفاظت“ کے درمیان فرق

اس مقام پر اس فرق کو ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے اور اس سے ہمارا مقصد صحابہ

کرام علیہم الرضوان سے متعلق ان حضرات کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کا ازالہ ہے جو عصمت اور حفاظت کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے اور حفاظت کے معنی میں غور نہ کرنے کی وجہ سے صحابہ کرام کی محفوظیت میں ایک حد تک قصداً پیچیدگیاں پیدا کرنے کے مرتکب ہوئے ہیں۔

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ عصمت و حفاظت میں فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انبیاء معصوم اور اولیاء محفوظ ہیں۔ معصوم وہ ہے کہ اس سے باوجود استعدادِ گناہ کے گناہ سرزد ہونا محال ہو اور محفوظ وہ ہے کہ گناہ تو اس سے ممکن ہو گرچہ واقع نہ ہو۔ پہلی صورت مستلزم محال ہے دوسری ممکن غیر واقع۔

(منقول از ہفت روزہ خدام الدین لاہور بابت 22ذو الحجہ 1392ھ 26جنوری 1973ء)

حضرت مولانا محمد ادریس کاندہلوی نے شیخ اکبر رحمہ اللہ کے حوالہ سے ”عصمت و حفاظت کا فرق “خوب واضح کر کے بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

حضرات انبیاء کرام ہر وقت بارگاہِ خداوندی میں مقیم رہتے ہیں، کسی وقت حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور جلال ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت انبیاء معاصی سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ بارگاہ خداوندی میں آتے جاتے رہتے ہیں مگر مقیم نہیں، اس لیے اولیاء معاصی سے محفوظ تو ہوتے ہیں مگر معصوم نہیں ہوتے اور ”عصمت“ اور ”حفاظت“ میں یہ فرق ہے کہ اولیاءبسا اوقات مباحات اور جائز امور کو محض حظ نفس اور طبعی میلان اور خواہش کے لیے کر گزرتے ہیں مگر حضرات انبیاء کسی وقت بھی طبعی میلان اور حظ نفس کے لیے مباح اور جائز امر کا ارتکاب نہیں فرماتے۔ ہاں جب کسی شئے کی عنداللہ اباحت اور اس کا خدا کے نزدیک جائز ہونا بتلانا مقصود ہوتا ہے تب اس مباح کو استعمال فرماتے ہیں تاکہ امت کو نبی کے کرنے سے اس فعل سے اس کا مباح اور جائز ہونا معلوم ہو جائے۔ (تفسیر معارف القران ج1ص146)

عبارت واضح ہے مزید تشریح کی ضرورت نہیں اس سے بھی زیادہ آسان اور عام فہم تعبیر اس کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ معصوم وہ ہے جس سے برائی کو دور رکھا جاتا ہے اور محفوظ وہ ہے جس کو برائی سے دور رکھا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات سے اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً معصوم کے سلسلہ فرمایا : ”لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ“ اور محفوظین کے بارے میں فرمایا: ”وَكُنتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا“۔

حاصل ان تمام تعبیرات کا یہی ہے کہ معصوم و محفوظ جس طرح عدم صدور گناہ میں دونوں برابر ہیں اس طرح عصمت و حفاظت دونوں کے وہبی ہونے میں بھی کوئی فرق نہیں البتہ دلیل اور طریق حصول میں دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں یعنی یہ کہ عصمت پر دلیل عقلی ہوتی ہے اور حفاظت پر دلیل عقلی نہیں ہوتی۔ نیز یہ کہ عصمت جس طرح بذات خود وہبی ہے بالکل اسی طرح اس کا حصول بھی بالکلیہ وہبی ہے، کسی قسم کے کسب پر موقوف نہیں بخلاف حفاظت کے کہ یہ بذاتِ خود تو اگر چہ وہبی ہے لیکن اس کا حصول عبادت و ریاضتِ روحانی محنت و مشقت اور کسی کامل کی مکمل روحانی تربیت پر موقوف ہے۔

اور ظاہر بات ہے کہ تربیت چونکہ سالک کی ریاضت و مشقت ہے اس لیے اونچ نیچ بھی ممکن ہے لیکن مقام محفوظیت پر سرفراز ہوچکنے کے بعد دوران تربیت کی ان خامیوں کو کسی محفوظ کی سیرت و کردار، عدالت و ثقاہت، دیانت و امانت اور صداقت و تزکیہ نفس پر بحث کا دارو مدار قطعاً نہیں بنایا جاسکتا، اس کو نہ عقل باور کرتی ہے اور نہ ہی اس پر کوئی معتبر نقل پیش کی جاسکتی ہے بلکہ اس کا تمام تر انحصار تو اس سند پر ہوا کرتا ہے جو تکمیل تربیت کے بعد ممتحن نے امتحان لے کر اس کو عطاء کیا ہے۔ اس سے یہ بات خود بخود ثابت ہوگئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو معصوم تو اگرچہ نہیں لیکن محفوظ یقیناً ہیں، کی عدالت و صداقت اور دیانت و امانت کو ان کی تربیت کے دوران ہونے والی اونچ نیچ کی روشنی میں نہیں بلکہ احکم الحاکمین جیسے ممتحن کی طرف سے 23 سالہ سخت ترین امتحان نہیں بلکہ امتحانات کے بعد اعلیٰ ترین کا میابیوں کی ایک نہیں بلکہ ”أولٰئِكَ هُمُ الفَائِزُون“، ”أولٰئِكَ هُمُ المُؤْمِنُون حَقًّا“، ”أولٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُون“ جیسی متعدد اسناد کی روشنی میں جانچنا پرکھنا ہوگا۔ لہذا صحابہ کرام پر زبان طعن دراز کرنے والوں کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام کوئی معصوم ہیں؟ بالکل لغو اور بیہودہ سوال ہے۔ مانا کہ معصوم

نہیں لیکن محفوظ تو ہیں اور پھر ان کے بارے میں معصوم کی صرف ایک شہادت نہیں بلکہ متعدد شہادات موجود ہیں، پھر ان نفوس قدسیہ پر زبان طعن دراز کرنے کی کیا گنجائش رہی؟

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انبیاء و رسل معصوم ہیں اور عصمت ان کی ایسی مخصوص صفت ہے کہ کوئی فرد بشر ان کی اس صفت میں ان کے ساتھ شریک نہیں۔

عصمت انبیاء علیہم السلام پر دلائل

از قرآن مجید:

دلیل نمبر 1

وأَطِيْعُوا اللّٰهَ وأَطِيْعُوا الرّسُوْلَ واحْذَروا فَإِن تَوَلّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا أَنّمَا عَلَى رَسُوْلِنَا البَلاَغ المُبِيْنُ [المائدہ: 92]

ترجمہ:اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور (نافرمانی سے) بچتے رہو اور اگر تم (اس حکم سے) منہ موڑو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول پر صرف یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صاف صاف طریقے سے (اللہ کے حکم کی) تبلیغ کر ے ۔

دلیل نمبر 2

قُلْ أَطِيْعُوا اللّٰهَ وأَطِيْعُوا الرّسُوْلَ الآیۃ [النور: 54]

ترجمہ: (ان سے) فرما دیجئے کہ اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کے فرمانبردار بنو۔

دلیل نمبر3

يَآ أَيُّهَا الّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وأَطِيْعُوا الرّسُوْلَ [النساء: 59]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو۔

ف:

ان آیات میں اللہ رب العزت نے اپنی اطاعت کے ساتھ اپنے رسول صلی اللہ علیہ و سلم کی اطاعت کا بھی حکم دیاہے۔ اگر رسولِ خدا علیہ السلام معصوم نہ ہوتے تو اللہ ان کی اطاعت کا کبھی حکم نہ دیتا۔

دلیل نمبر 4

مَنْ يُطِعِ الرّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا [النساء: 80]

ترجمہ: جو شخص رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو (اطاعت سے) منہ پھیرے تو (اے پیغمبر!) ہم نے آپ کو ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجا (کہ آپ کو ان کے عمل کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے)۔

دلیل نمبر 5

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ رّسُوْلٍ إِلاّ لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ [النساء: 64]

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول اس کے سوا کسی اور مقصد کے لیے نہیں بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

دلیل نمبر 6

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ ورَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا [الاحزاب: 71]

ترجمہ: جوشخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اس نے وہ کامیابی حاصل کر لی جوزبردست کامیابی ہے۔

دلیل نمبر 7

وأَطِيْعُوا اللّٰهَ ورَسُوْلَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ [الانفال: 1]

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم واقعی مؤمن ہو ۔

دلیل نمبر 8

وإِنْ تُطِيْعُوهُ تَهْتَدُوا [النور: 54]

ترجمہ: اگر تم ان کی فرمانبرداری کرو گے تو ہدایت پا جاؤگے ۔

ف: ان آیات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی اطاعت کرنا علامتِ ایمان اور فلاح وکامیابی کا سبب ہے اور یہ اس وقت ممکن ہے جب مطاع معصوم ہو ورنہ ایمان کامل ملے گا نہ فلاح و کامیابی۔

دلیل نمبر9

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى . إِنْ هُوَ إِلاَّ وَحْيٌ يُوْحٰى [النجم 4،3]

ترجمہ: اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

دلیل نمبر 10

إِنْ أَتَّبِعُ إِلاَّ مَا يُوْحٰى إِلَيّ [الاحقاف : 9]

ترجمہ:میں کسی اور چیز کی نہیں صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے بھیجی جاتی ہے۔

دلیل نمبر 11

وَمَآ آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [الحشر:7]

ترجمہ: رسول تمہیں جو کچھ دے وہ لے لو اورجس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔

دلیل نمبر 12

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [الاحزاب: 21]

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

دلیل نمبر 13

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ [آل عمران: 31]

ترجمہ: (اے پیغمبر لوگوں سے) فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔

ف: ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اور ان کے حکم اور منع کرنے کو وحی کا پابند بتلایا گیا ہے۔ تو ایسا شخص جو اپنے بولنے میں وحی کا پابند ہے وہ اللہ کا نافرمان نہیں ہو سکتا۔

دلیل نمبر 14

وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلآءِ شَهِيْدًا [النساء: 41]

ترجمہ: اور ہم آپ کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں کیونکہ فاسق کی گواہی قابلِ قبول نہیں۔

دلیل نمبر 15

أَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ [البقرۃ: 44]

ترجمہ: کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟

ف: حضرات انبیاء علیہم السلام کا کام قوم کو نیکی کا درس دینا ہے۔ تو اگر خود نافرمان ہو جائیں معاذ اللہ تو پھر مقصدِ رسالت کو مفقود کرکے ”لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لاَ تَفْعَلُوْنَ“ کا مصداق بن جائیں گے اور یہ محال ہے۔ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔

احادیث مبارکہ

1: عن عبد الله بن عمرو قال كنت أكتب كل شىء أسمعه من رسول الله -صلى الله عليه وسلم- أريد حفظه فنهتنى قريش وقالوا أتكتب كل شىء تسمعه ورسول الله -صلى الله عليه وسلم- بشر يتكلم فى الغضب والرضا فأمسكت عن الكتاب فذكرت ذلك لرسول الله -صلى الله عليه وسلم- فأومأ بأصبعه إلى فيه فقال « اكتب فوالذى نفسى بيده ما يخرج منه إلا حق ».

[سنن ابی داؤد ج2ص514، مسند احمد ج2ص162 رقم الحدیث 6510]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر و رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات سنتا تھااس کو لکھ لیا کرتا تھا تاکہ اسے محفوظ کروں۔ قریش نے مجھے اس بات سے روکا اور کہنے لگے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ و سلم سے سنی ہر بات لکھ لیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ و سلم بھی تو انسان ہیں، خوشی اور غمی میں کلام کرتے ہیں۔ تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو آپ علیہ السلام نے اپنی انگلی کا اشارہ اپنے منہ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا : تم لکھا کرو! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس منہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں نکلتا۔

ف: سب سے زیادہ گناہ عموماً زبان سے صادر ہوتے ہیں۔ تو جس ذات کی زبان ہی قبضہ خدا میں ہے تو اس شخصیت سے گناہ کا خیال کیونکر کیا جا سکتاہے؟!

2: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ --- مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنْ النَّارِ

[صحیح البخاری: ج1ص21]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی نےجان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولاتو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔

ف:جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جھوٹ کی نسبت کو گناہ قرار دے رہے ہیں تو خود اس گناہ کے مرتکب کیسے ہو سکتے ہیں؟

3: أخبرنا عبد الرزاق عن معمر عن الزهري أو قتادة - أو كلاهما - أن يهوديا جاء يتقاضى رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال له النبي صلى الله عليه و سلم قد قضيتك فقال اليهودي بينتك قال فجاء خزيمة بن ثابت الأنصاري فقال أنا أشهد أنه قد قضاك فقال النبي صلى الله عليه و سلم وما يدريك قال إني أصدقك بأعظم من ذلك أصدقك بخبر السماء فأجاز رسول الله صلى الله عليه و سلم شهادته بشهادة رجلين [مصنف عبد الرزاق: ج11ص236]

ف:اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم نہ ہوتے تو اتنے بڑے دعویٰ کی حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کبھی بھی تصدیق نہ کرتے۔

4: عَنِ الحَسَنِ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم : لاَ طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الخَالِقِ.

[مصنف ابن ابی شیبۃ: ج 11ص546]

ترجمہ:نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس میں اللہ کی نافرمانی ہو۔

5- عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ [صحیح البخاری: ج2ص1057، صحیح مسلم ج2ص125]

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان آدمی پر (اپنے امام یا بادشاہِ اسلام کی)اطاعت لازم ہے خوشی یا نا خوشی ہر حال میں جب تک اسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے، پھر جب (امام یا بادشاہِ اسلام کی طرف سے) اسے گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سنے نہ اطاعت کرے۔

6- عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من أطاعني فقد أطاع الله ومن يعصني فقد عصى الله

[صحیح مسلم ج2ص124]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

ف: ان احادیث سےمعلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مطلقہ ہر مسلما ن پر واجب ہے، اسی لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اطاعت ونافرمانی کو اللہ کی اطاعت ونافرمانی بتلایا اور مخلوق کی ایسی اطاعت سے روکا جس سے خالق کی نافرمانی ہوتی ہو۔یہ آپ علیہ السلام کے معصوم ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اجماع اُمّت اور اقوال ائمہ کی روشنی میں:

1: امام اعظم امام ابو حنیفہ (م150ھ) فرماتے ہیں:

الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کلھم منزھون عن الصغائر والکبائر والکفر والقبائح.

[الفقہ الاکبر ص2،العقیدۃ الحنفیہ ص203]

ترجمہ: سارے انبیاء علیہم السلام صغیرہ ،کبیرہ گناہوں اور کفر اور بے ہودہ کاموں سے پاک ہیں۔

2: قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ (م544ھ) فرماتے ہیں:

الاِجْماع عَلٰی العِصْمَۃِ عَن الکَبائِرِ بِلاَ قَیْدٍ عَمَدًا وَسَہْوًا.

النبراس شرح شرح العقائد: ص283)

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں ، نہ عمداًکرتے ہیں نہ سہواً،اسی پراجماع ہے۔

3: امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصا ری القرطبی (م671ھ) لکھتے ہیں:

الانبیاء معصومون عن الخطاء والغلط فی اجتہادھم.

[قرطبی ج2ص2058]

ترجمہ: انبیاء اپنے اجتہاد میں خطاء اور غلطی سے معصوم ہوتے ہیں۔

4: ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ (م1014ھ) بعض محققین سے نقل فرماتے ہیں:

اِجْمَاع الصَّحَابَۃِرضی اللہ عنہم عَلٰی التَّاسِیّ بِہٖ صلی اللہ علیہ و سلم فِیْ اَقْوَالِہٖ واَفْعَالِہٖ وَسَائِرِ اَحْوَالِہٖ حَتّٰی فِیْ کُلِّ حَالا تِہٖ مِنْ غَیْرِبَحْثٍ وَلاَ تَفَکُّرٍبَلْ بِمُجَرَّدِ عِلمِھِمْ اوظَنِّھِمْ بِصُدُورِذٰلِکَ عَنْہُ دَلِیْلٌ قَاطِعٌ عَلٰی اِجْمَاعِھِمْ عِلٰی عِصْمَتِہٖ وتَنَزُّھِہٖ عَنْ اَن یّجْرِی عَلٰی ظَاہِرِہ اوبَاطِنِہٖ شَیْ ءٌلاَیُتَاَسّٰی بِہٖ فِیْہِ مِمَّالَمْ یَقُمْ دَلِیْلٌ عَلٰی اخْتِصَاصِہٖ.

(المرقات شرح المشکوۃ: ج1ص220)

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاآپ صلی اللہ علیہ و سلم کے اقول،افعال اورتمام احوال میں بغیرکسی بحث وتفکر کے محض یہ جانتے ہوئے کہ یہ عمل آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے کیاہے آپ کی اتباع پرمتفق ہوجاناواضح دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ کی عصمت پر اجماع ہے اوراس پربھی کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم سے ظاہراًوباطناًایسی کوئی چیز صادرنہیں ہوسکتی جس کی اتباع نہ کی جا سکتی ہوجب تک آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی خصوصیت پر دلیل قائم نہ ہوجائے۔

5: مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (م1396ھ) اپنی تفسیر ”معارف القرآن“ میں فرماتے ہیں:

”تحقیق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت تمام گناہوں سے عقلاً اور نقلاً ثابت ہے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں اور بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ صغیرہ گناہ ان سے بھی سرزد ہو سکتے ہیں‘ جمہور امت کے نزدیک صحیح نہیں ۔“

(معارف القرآن: ج1ص195)

6: علامہ عبد العزیز پرہاڑوی رحمہ اللہ قاضی عیاض مالکی اور محقق فقہاء و متکلمین سے نقل کرتے ہیں:

قال القاضی عیاض ذھب طائفۃ من محقق الفقہاء والمتکلمین الی العصمۃ عن الصغائر کالعصمۃ فی الکبائر.

[النبراس: ص283]

ترجمہ: قاضی عیاض مالکی اور محقق فقہاء و متکلمین کا موقف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس طرح کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہیں۔

عصمت انبیاء علیہم السلام پر عقلی دلائل

[1]: انبیاء علیہم السلام دنیا میں اللہ کے پیغام رساں ہیں، اگر خود ہی اللہ کی نافرمانی کریں تو پھر ان کی بات پر کیا اعتماد کیا جائے گا ؟

[المسائل والدلائل: ص40]

[2]: حضرات انبیاء علیہم السلام باجماع امت فرشتوں سے افضل ہیں جب فرشتے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے تو افضل کیو نکر نا فرمان ہو سکتا ہے؟

[التفسیرالکبیر: ج3ص9]

[3]: حضرات انبیاء علیہم السلام اطاعت خداکروانے میں انسانوں کے لئے مقتدا ہیں تو اگر خود خدا کے نافرمان ہوں تو لوگو ں کو طاعت کا کیا درس دیں گے؟

[4]: انسان جسم اور روح سے بنا ہے، جسم مٹی سے بنا ہے تو اس کی غذا اور دوا بھی مٹی سے ہی ہے اور روح آسمان سے آتی ہے تو اس کی غذا بھی آسمان سے آتی ہے۔ جسم بیمار ہو تو اس کو طبیب چاہئے اور جسم کے طبیب کو ڈاکٹر کہتے ہیں، روح بیمار ہوجاتے ہیں تو اس کو بھی طبیب چاہئے اور اسکے طبیب کو نبی رسول کہتے ہیں اور یہ ضابطہ عقلی ہے کہ طبیب جس مرض کا

معالج ہو خود اس کا اس مرض میں مبتلا ہو نا یہ اس طبیب کا عیب ہے۔ روح کی بیماری گناہ ہے تو خود روح کے طبیب کا گناہ میں مبتلا ہونا اس کا عیب ہے ۔ اس لیے طبیب روحانی کا اس عیب سے پاک ہونا ضروری ہے۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے متعلق مودودی صاحب کے نظریات

مودودی صاحب کا عمومی موقف:

1: عصمت دراصل انبیاء کے لوازمات ذات سےنہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو منصب نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لیے مصلحتاً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمایا ہے ورنہ اگر اللہ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لیے بھی ان سے منفک ہوجائے جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلطی ہوتی ہے اسی طرح انبیاء سے بھی ہوسکتی ہے، اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہوجانے دی ہیں، تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں، خدا نہیں ہیں۔

(تفہیمات ج2ص56، 57اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور اشاعت اکتوبر1967ء)

2: اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو نفس شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آگئے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقعہ پر تنبیہ کی گئی ہے کہ ”وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ“(سورۃ ص)، ہوائے نفس کی پیروی نہ کرنا ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گا۔ (تفہیمات ج1ص193 اشاعت ستمبر 2013ء اسلامک پبلیکیشنز لاہور)

3: انبیاء رائے اور فیصلے کی غلطی بھی کرتے تھے، بیمار بھی ہوتے تھے، آزمائش میں بھی ڈالے جاتے تھے حتیٰ کہ قصور بھی ان سے ہو جاتے تھے اور انہیں سزا تک دی جاتی تھی ۔ [ترجمان القرآن ص158 مئی 1955ء]

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کے بارے میں

1: حضور علیہ السلام نے دجال کے بارے میں جو خبردی اس کی بابت مودودی صاحب لکھتے ہیں:

یہ کانا دجال وغیرہ تو افسانے ہیں، جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

[ترجمان القرآن ص186 رمضان وشوال1365ھ، رسائل ومسائل ص53 حصّہ اول طبع دوم]

2: حضور علیہ السلام کو اپنے زمانہ میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجال حضور علیہ السلام کے زمانہ ہی میں ظاہر ہو جائے یا کسی قریب زمانہ میں ظاہر ہوجائے لیکن کیا ساڑھے تیرہ سو برس نے یہ ثابت نہیں کردیا کہ حضور کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا۔ [ترجمان القرآن ص31 ربیع الاوّل 1365ھ]

نوٹ: حضور وحی الہی سے بولتے تھے تو یہ اندیشہ غلط کیسے ہوا؟ مزید یہ بات بھی واضح ہے کہ دجال کے متعلق پیشنگوئی والی احادیث متواتر ومشہور ہیں، فقط بخاری مسلم میں 25 بار یہ حدیث آئی ہے۔

3: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ فوق البشر ہیں نہ بشری کمزوریوں سے بالاتر ہیں۔ [ترجمان القرآن اپریل 1976ء ، خطبات:ص8]

4: لیکن وعظ وتلقین میں ناکامی کے بعد داعی اسلام نے ہاتھ میں تلوار لی۔ [الجہاد فی الاسلام ص:174]

حالانکہ رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو عیوب سے مبرا بنایا گیا ہے بشری کمزوریاں اور خامیاں کیسے گوارا کی جائیں؟ مزید جب خدا بھی کہتا ہے کہ میرا رسول غالب ہوگا تو اسے ناکام کہنا کہاں تک درست ہوگا؟

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں

1: حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہش نفسی کا کچھ دخل تھا، اس کا حاکمانہ اقتدار کے نا مناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت

کرنے والے کسی فرماں روا کو زیب نہ دیتا تھا ۔ [تعلیم القرآن ص327 ج4طبع اوّل]
:2 اور تو اور بسا اوقات پیغمبروں تک کو اس نفسی شریر کی رہزنی کے خطرے پیش آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو ایک موقعہ پر تنبیہ کی گئی ۔ [تفہیمات ج1ص193 اشاعت ستمبر 2013ء اسلامک پبلیکیشنز لاہور]
قرآن تو انہیں کہتا کہ "نفس و ہویٰ کی پیروی نہ کرو" مگر بقول مودودی صاحب وہ کرتے تھے تو سوال یہ ہے کہ پھر وہ راہ راست پر کیسے رہے؟
:3 حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے عہد کی اسرائیلی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہو کر "اور یا" سے طلاق کی درخواست کی۔
[تفہیمات ص42 حصّہ دوم طبع دوم]
اسرائیلی روایت کا سہارا لے کر ایک نبی معصوم کی ذات پر الزام اہل حق کی سوچ نہیں۔نیز نبی اصلاح معاشرہ کے لئے مبعوث ہوتا ہے نہ کہ خود اپنی سوسائٹی کے عام رواج سے متاثر ہونے کے لیے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں

بس ایک فوری جذبے نے جو شیطانی تحریص کے زیر اثر ابھر آیا تھا ان پر ذہول طاری کردیا اور ضبطِ نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے - [تفہیم القرآن ص133 ج3]
یہ سب مودودی صاحب کی خوش فہمی ہے کیونکہ قرآن پاک نے "بھول" کہہ کر مودودی صاحب کی ساری بات کو رد کردیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں

بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ واشرف انسان بھی تھوڑی دیر کیلئے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہوجاتا ہے... لیکن جب اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ جس بیٹے نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اسکو محض اس لیے اپنا سمجھنا کہ وہ تمہاری صلب سے پیدا ہوا ہے محض ایک جاہلیت کا جذبہ ہے۔ تو وہ اپنے دل سے بے پرواہ ہو کر اس طرز فکر کی طرف پلٹ آتے ہیں جو اسلام کا مقتضا ہے۔
[تفہیم القرآن ج2ص344 طبع سوم]
مودودی صاحب نے یہ غلط کہا کیونکہ ان کا بیٹے کی خاطر دعا کرنا خدا کے فرمان کی وجہ سے تھا جو ان سے کہا گیا تھا کہ تمہارے اہل کو بچائیں گے اس لیے دعا کو جاہلیت کا جذبہ کہنا بدترین جرم ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں

حضرت یوسف علیہ السلام کے ارشاد مبارک "اِجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الأَرض"کے بارے مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ محض وزیر مالیات کےمنصب کا مطالبہ نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ ڈکٹیٹر شپ کا مطالبہ تھا اور اس کے نتیجے میں سیدنا یوسف علیہ السلام کو جو پوزیشن حاصل ہوئی وہ قریب قریب وہی پوزیشن تھی جو ا س وقت اٹلی میں مسولینی کو حاصل ہے۔ [تفہیمات ص122 حصّہ دوم طبع پنجم 1970ء]
سیدنا یوسف علیہ السلام نے دیانت و علم کی بنیاد پر یہ بات کی کہ مجھے علم و دیانت میں سب سے فوقیت ہے اس لیے نظام کو بہتر کرنے کے لیے مجھے وزیر خزانہ بنا دیا جائے۔ مودودی صاحب کا ایک غیر مسلم کے ساتھ نبی معصوم کا موازنہ کرنا ظلم و جبر کی نسبت معصوم نبی کی طرف کرنے کے مترادف ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں

حضرت یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئیں تھیں غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔ [تفہیم القرآن ج2ص312،313. طبع سوم ۱۹۶۴ء]
ایک نبی کو بے صبرا کہنا کیونکر روا ہوگا؟رہا آپ کا تشریف لے جانا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو خدا کی ذات پر یہ امید تھی کہ خدا مجھے اس پر داروگیر نہیں کرے گا۔ لہذا حضرت

یونس علیہ السلام کے اس عمل کو بے صبری اور کوتاہی کہنا کسی طرح درست نہیں۔

حضرت موسی علیہ السلام کے بارے میں

1: موسیٰ علیہ السلام کی مثال اس جلد باز فاتح کی سی ہے جو اپنے اقتدار کا استحکام کیے بغیرمارچ کرتا ہوا چلاجائے اور پیچھے جنگل کی آگ کی طرح مفتوحہ علاقہ میں بغاوت پھیل جائے ۔ [ترجمان القرآن ص5 ستمبر 1946ء]

کاش مودودی صاحب اسلاف امت کو دیکھ لیتے کہ انہوں نے کیا تعبیر اختیار فرمائی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام محبوب کی ملاقات کے لیے جلدی چلے تھے، وہ بات نہ تھی جو مودودی صاحب نے سوچی۔

2: پھر اس اسرائیلی چرواہے کو بھی دیکھئے جس سے وادی مقدس طوٰی میں بلاکر باتیں کی گئیں وہ بھی عام چرواہوں کی طرح نہ تھا ۔

[رسائل ومسائل ص31 حصّہ اول طبع دوم]

عامیانہ انداز جو مودودی صاحب نے اختیار کیا انتہائی غلط ہے۔ کیا اللہ کے نبی کی تعظیم و تکریم کے لیے الفاظ بولنا جرم ہے؟ کیا ان کے پاس کوئی اور الفاظ کا ذخیرہ نہ تھا؟

3: نبی ہونے سے پہلے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا تھا، انہوں نے ایک انسان کو قتل کردیا ۔

[ایضاً ص31 حصّہ اول]

نوٹ: یہ قتل عمداً نہ تھا بلکہ بلا ارادہ تھا۔ پھر وہ حربی کافر تھا جس کا قتل جائز تھا۔

مودودیت اکابر علماء کی نظر میں

1 : حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

” میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں کرتا ۔“ (روزنامہ احسان لاہور ، 11 ستمبر 1948)

2: شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

اب تک ہم نے مودودی صاحب اور ان کی جماعت؛ نام نہاد جماعت اسلامی کی اصولی غلطیوں کا ذکر کیا ہے جو انتہائی درجہ میں گمراہی ہے ۔ اب ہم ان کی قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کی کھلی ہوئی مخالفتوں کا ذکر کریں گے جن سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ مودودی صاحب کا کتاب و سنت کا بار بار ذکر فرمانا محض ڈھونگ ہے، وہ نہ کتاب کو مانتے ہیں اور نہ سنت کو مانتے ہیں بلکہ وہ خلاف سلف صالحین ایک نیا مذہب بنا رہے ہیں اور اسی پر لوگوں کو چلا کر دوزخ میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔

3 : شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ:

(مودودی صاحب نے 1948 ء میں جہاد کشمیر کے متعلق جب یہ کہا کہ پاکستانی مسلمانوں کے لئے رضا کارانہ طور پر بھی اس میں حصہ لینا جائز نہیں ہے) تو علامہ عثمانی نے ان کو تحریر فرمایا :

بعض احباب نے مجھے ترجمان القرآن کا وہ پرچہ دکھایا جس میں آپ نے کسی شخص کے خط کا جواب دیتے ہوئے جنگ کشمیر کے متعلق اپنے خیالات ، شرعی حیثیت سے ظاہر فرمائے ہیں ۔ جنگ کشمیر کے اس نازک مرحلے پر آپ کے قلم سے یہ تحریر دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور شدید قلق بھی ہوا کیو نکہ میرے نزدیک اس معاملہ میں آپ کی جانب سے ایسی مہلک لغزش ہوئی ہے جس سے مسلمانوں کو عظیم نقصان کا احتمال ہے۔ (اشرف السوانح: ج4ص24)

4 : شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ:

قطب زمان حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے ایک کتاب ”حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب“ تحریر فرمائی تھی ۔ اس میں ارشاد فرمایا : برادران اسلام !مودودی صاحب کی تحریک کو بہ نظر غور دیکھا جائے تو ان کی کتابوں سے جو چیز ثابت ہورہی ہے وہ یہ ہے کہ مودودی صاحب ایک نیا اسلام مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں اور نعوذ باللہ من ذالک نیا اسلام لوگ تب ہی قبول کریں گے جب پرانے اسلام کی درودیوار منہدم کر کے دکھا دیئے جائیں اور مسلمانوں کو اس امر کا یقین دلادیا جائے کہ ساڑھے تیرہ سو سال کا اسلام جو تم لئے پھرتے ہو وہ ناقابل روایت اور ناقابل عمل ہوگیا ہے ۔ اس لئے اس نئے اسلام کو مانو اسی پر عمل کرو جو

جو مودودی صاحب پیش فرمارہے ہیں ۔
اے اللہ !میرے دل کی دعائیں قبول فرما! مودودی صاحب کو ہدایت فرما اور ان کے متبعین کو بھی اس جدید اسلام سے توبہ کی توفیق عطاء فرما -آمین یا الٰہ العالمین - (حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب ص:4)
خدا جانے مودودی صاحب کو کیا ہو گیا ہے؟! اللہ تعالیٰ کے ہر بندے کی توہین اپنی عادت بنا لی ہے۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں اور میرے دل میں اس بات کا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ مودودی صاحب سے ناراض ہے،اسی لئے تو [مودودی صاحب] اللہ کے ہر مقبول بندے کی توہین بڑی دلیری سے کرتے ہیں - (حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب ص:43)
:5 حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند)
آپ رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیار حق ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں :
”اندریں صورت مودودی صاحب کا دستور جماعت کی بنیادی دفعہ میں عموم و اطلاق کے ساتہ یہ دعویٰ کرنا کہ رسول خدا کے سوا کوئی معیار حق اور تنقید سے بالا تر نہیں ہے جس میں صحابہ سب کے سب شامل ہوتے ہیں اور پھر ان پر جرح و تنقید کا عملی پروہ بھی ڈال دینا حدیث رسول کا محض معارضہ ہی نہیں بلکہ ایک حد تک خود اپنے معیار ہونے کا ادعاء ہے جس پر صحابہ تک کو پرکھنے کی جرات کر لی گئی۔ گویا جس اصول کو شد ومد سے تحریک کی بنیاد قرار دیا گیا تھا اپنے ہی بارے میں اسے ہی سب سے پہلے توڑ دیا گیا اور سلف وخلف کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا خود معیار حق بن بیٹھنے کی کوشش کی جانے لگی“
(مودودی ستور اور عقائد کی حقیقت :ص18)
6 : مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ خلیفہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ و مہتمم خیر المدارس ملتان:
مودودی صاحب اور اس کے متبعین کے بعض مسائل خلاف اہل سنت والجماعت کے ہیں، سلف صالحین کی اتباع کے منکر ہیں ، لہذا بندہ ان کو ملحد سمجھتا ہے۔
7 : حضرت مولانا شمس الحق افغانی (سابق وزیر معارف قلات)
”مودودی صاحب کی تحریرات پر نگاہ ڈالی ، موصوف کے متعلق احقر کا تاثر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام سے مطمئن نہیں اس لئے اس کو اپنے ڈھب پر لانا چاہتے ہیں جس کے لئے اصلی اسلام میں ترمیم نا گزیر ہے ، لیکن اس کا چھپانا بھی ضروری ہے ، اس لئے وہ اپنی اسی ترمیم کے تخریبی عمل کو انشاء پردازی ، اقامت دین کے نعروں ، یورپی طرز کے پر وپیگنڈا کے پردوں میں چھپانے کی کو شش کرتے ہیں - اسی تخریبی عمل کے محرکات دو ہیں - نفسیاتی تعلی اور فقدان خشیت اللہ ، اور عوام میں بھی اس دونوں بیماریوں میں مبتلا افراد کی کمی نہیں ہے ، یہی باطنی ہم رنگی اس تحریک کی توسع کی اصلی سامان ہے -“
8 : اسوۃ الصلحاء شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب (غورغشتوی خلیفہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)
”مودودی صاحب ضال اور مضل "یعنی خود گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے -“
9 : استادالعلماء حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ ، اکوڑہ خٹک ،ضلع پشاور)
”مودودی صاحب کے عقائد اہل السنت والجماعت کے خلاف اور گمراہ کن ہیں ، مسلمان اس فتنے سے بچنے کی کوشش کریں -“

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سماع صلوٰۃ و سلام

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

عقیدہ اہل السنت و الجماعت:

اہل السنت و الجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم اوردیگر انبیاء کرام علیہم السلام وفات ظاہری کے بعد اپنی قبروں میں بتعلق روح زندہ ہیں، ان کے اجسادِ مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں،صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلّف نہیں ہیں لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس پر جو درود پڑھاجائے اسے بلاواسطہ سنتے ہیں اور اگر دور سے پڑھا جائے تو فرشتے ان کی خدمت میں پہنچا دیتے ہیں۔

اہل بدعت کا نظریہ:

منکرین سماع النبی صلی اللہ علیہ و سلم کا موقف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ نہیں بلکہ مردہ ہیں [معاذاللہ]، صلوۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے،یہ عقیدہ شرکیہ عقیدہ ہے،اس کے دلائل من گھڑت ہیں، یہ عقیدہ شیعہ کا ہے، اس عقیدہ کے قائلین شرک کے کھیت کے دہقان ہیں وغیرہ وغیرہ۔ قارئین کی خدمت میں ان کی بعض عبارات ملاحظہ ہوں۔

1: فرقہ مماتیت اپنے بعض عقائد منظر عام پر لائے اور جماعتی لیٹر پیڈ پر یہ عقائد لکھ کر شائع کیے۔ سید ضیاء اللہ بخاری صاحب نے ان عقائد کی تصدیق بھی کی۔ ان عقائد میں یہ درج ہے کہ:

عقیدہ(2)آپ صلی اللہ علیہ وسلم عندالقبر صلوۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے جو سماع کا قائل ہے وہ بےایمان کافر اور مشرک ہے(عند القبر صلوۃ وسلام کے سماع کی جتنی بھی احادیث ہیں وہ سب کی سب جعلی اور موضوع ہیں)

تمام عقائد قرآن وسنت کے مطابق ہیں۔ [دستخط] ضیاء اللہ

(نوٹ:اس کی ایک کاپی ہمارے پاس محفوظ ہے:از ناقل)

2: محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب (مماتی) عقیدہ حیاۃ وسماع النبی صلی اللہ علیہ و سلم کے قائلین کے بارے میں لکھتے ہیں:

* ”حیات النبی صلی اللہ علیہ و سلم، سماع موتیٰ اور بزرگوں کے وسیلے جیسے موضوعات پر دلائل دے کر الٹا شرک کے کھیت کے دہقان بنے ہوئے ہیں۔“ (شرک کیا ہے: ص4)

* امام الانبیاء علیہم السلام کے ذمہ یہ جھوٹ لگایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میری قبر پر سلام کہیں گے تو میں اس کا جواب دوں گا۔

(کیا مردے سنتے ہیں: ص37)

* امام الانبیاء علیہم السلام قبر منور پر آنے والوں کے سلام کو نہیں سنتے-(کیا مردے سنتے ہیں: ص39)

3: مولوی اللہ بخش صاحب (مماتی)لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا درود وسلام عند القبر سننا وجواب دینا یہ قصّہ من گھڑت ہے۔

(دعوۃ الرشاد: ص8 مؤلف مولوی اللہ بخش ، مؤید عنایت اللہ شاہ گجراتی)

4: فتاویٰ اصحاب الحدیث میں ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ہمارے درود و سلام کو سنتے نہیں ہیں۔ (ج2 ص62)

ایک دوسرے مقام پر ہے:بہرحال رسول اللہ صلی اللہ ہمارے درود و سلام کو براہ راست ہم سے نہیں سنتے ہیں۔ (ج2 ص63)

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ از قرآن مجید

پہلی آیت:

وَلاَ تَقُولُواْ لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبيلِ اللّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِن لاَّ تَشْعُرُونَ. (البقرۃ :154)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے اُن کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں ان کی زندگی کا احساس نہیں ہوتا۔

تفسیر:

[١]: مفتی بغدادعلامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (1270ھ) ایک مقام پر حیات الشہداء کا ذکر کرتے ہوئے حیاۃ الانبیاء کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

وهي فوق حياة الشهداء بكثير وحياة نبينا صلى الله عليه وسلم أكمل وأتم من حياة سائرهم عليهم السلام ••• إن تلك الحياة في القبر وإن كانت يترتب عليها بعض ما يترتب على الحياة في الدنيا المعروفة لنا من الصلاة والأذان والإقامة ورد السلام المسموع ونحو ذلك إلا أنها لا يترتب عليها كل ما يمكن أن يترتب على تلك الحياة المعروفة•

(روح المعانی :ج22ص38 تحت قولہ تعالیٰ: ما کان محمد ابا احد من رجالکم)

ترجمہ: یہ حیات (جو انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے) شہداء کی حیات سے بہت اعلیٰ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تو تمام انبیاء علیہم السلام سے اکمل واتم ہے ...اس قبر کی زندگی پر اگر چہ بعض وہ امور مترتب ہوتے ہیں جو ہماری دنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہوتے ہیں مثلاً نماز، اذان، اقامت اور سنے ہوئے سلام کا جواب لوٹانا اور اسی طرح کےدیگر امور ،مگر اس پر وہ سب امور مترتب نہیں ہوتے جو دنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہوتے ہیں۔

[٢]: شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب فرماتے ہیں:

والذی نعتقد ان رتبۃ نبیناصلی اللہ علیہ وسلم اعلی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ حیوٰۃ مستقرۃ ابلغ من حیوٰۃ الشھدا ء المنصوص علیھا فی التنزیل اذ ھو افضل منھم بلا ریب وانہ صلی اللہ علیہ وسلم یسمع من یسلم علیہ• (اتحاف النبلا ء : ص: 415)

ترجمہ: ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا مرتبہ تمام مخلوقات سے علی الاطلاق اعلیٰ ہے، آپ صلی اللہ علیہ و سلم اپنی قبر شریف میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی یہ حیات شہداء کی حیات سے جو قرآن میں منصوص ہے،بہت بالاتر ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم اُن سے بلا ریب افضل ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ و سلم اپنے روضہ اطہر میں سلام عرض کرنے والوں کا سلام خود سنتے ہیں۔

دوسری آیت :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلاَ تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لاَ تَشْعُرُونَ ﴿﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿﴾ (سورۃ الحجرات:٢، ٣)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ ان سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، ایسانہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔ بے شک جو لوگ بارگاہ نبوت میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کےلیے منتخب کر لیا ہے ، ان کو مغفرت بھی حاصل ہے اور زبردست اجر بھی۔

تفسیر:

[١]: مولانا محمد مالک کاندھلوی (م1409ھ)فرماتے ہیں :

احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں دو شخصوں کی آواز سنی تو ان کو تنبیہ فرمائی اور پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے ہو؟ معلوم ہوا کہ یہ اہل طائف ہیں۔ تو فرمایا: اگر یہاں مدینے کے باشندے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا (افسوس کی بات ہے) تم اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ اس حدیث سے علماءِ امت نے یہ حکم اخذ فرمایا ہے کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام آپ کی حیات مبارکہ میں تھا، اسی طرح کا احترام و توقیر اب بھی لازم ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں حیّ (زندہ) ہیں۔ (معارف القرآن تکملہ ج:7 ص487)

[٢]: علامہ ر حمت اللہ بن عبد اللہ السندھی الحنفی رحمہ اللہ (م978ھ او993ھ) فرماتے ہیں :

ثم توجہ مع رعایۃ غایۃ الادب فقام تجاہ الوجہ الشریف متواضعاً خاشعاً مع الذلۃ و الانکسار و الخشیۃ و الوقار والھیبۃ و الافتقار غاض الطرف مکفوف الجوارح فارغ القلب واضعاً یمینہ علی شمالہ مستقبلاً للوجہ الکریم مستدبراً للقبلۃ......... محترزاً عن اشغال النظر بما ہناک من الزنیۃ، متمثلاً صورتہ الکریمۃ فی خیالک، مستشعراًبانہ علیہ الصلوۃ و السلام عالماً بحضورک و قیامک و سلامک

مستحضرا عظمته وجلالته و شرفه و قدره صلی اللہ علیہ و سلم ثم قال مسلماً مقتصداً من غیر رفع صوت لقولہ تعالیٰ: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﴾ ولا اخفاء بحضور و حیاء•

(لباب المناسک للسندی: ص508 باب زیارۃ سید المرسلین)

ترجمہ:پھر انتہائی ادب کے ساتھ چہرہ اقدس کی طرف متوجہ ہو، تواضع، رسوائی، انکساری، خوف اور سکون کے ساتھ اور ہیبت، محتاجی، نگاہوں کو پست کئے ہوئے جوارحات کو حرکات سے بند رکھتے ہوئے، دل کو ہر بات سے اُ س مقصود کے لئے فارغ کئے ہوئے اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے ہوئے، چہرہ مکرم کی طرف منہ کئے ہوئے، اور قبلہ مبارکہ کی طرف پشت کئے ہوئے اور وہاں کی آرائش وتزئین سے نگاہوں کو بچاتے ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ کا تصور لیے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیری موجودگی ،تیرے قیام اور تیرے سلام سے باخبر ہیں،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وجلالت بلندی قدر کو ملحوظ رکھتے ہوئے پھر سلام پیش کرے، میانہ روی سے اور آواز کو پست رکھتے ہوئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اپنی آواز کو آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی آواز سے پست رکھو،اور بے شک جو لوگ بارگاہ نبوت میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں(یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے خوب جانچ کر تقویٰ کےلیے منتخب کر لیا ہے ، ان کو مغفرت بھی حاصل ہے اور زبر دست اجر بھی)، اور نہ زیادہ اخفاء کے ساتھ اور حضور قلب اور حیاء کے ساتھ سلام عرض کرے۔

[۳]: قطب الاقطاب مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ(م1322ھ) فرماتے ہیں:

”اور بہت پکار کر نہ بولے، بلکہ آہستہ خضوع اور ادب سے بہ نرمی عرض کرے اور جس کا سلام کہنا ہو عرض کرے: ”السلام علیک یا رسول اللہ من فلان بن فلان یستشفع بک الی ربک“ (اے اللہ کے رسول ! آپ کو فلاں بن فلاں کی طرف سے سلام قبول ہو، وہ شخص آپ سے درخواست کر رہاتھا کہ آپ اس کےلیے رب سے سفارش کریں) (تالیفات رشیدیہ: ص650 زبدۃ المناسک)

[۴]: شارح ابو داؤد حضرت مولانا خلیل احمد سہانپوری (م1346ھ) فرماتے ہیں:

”آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم حیات ہیں اور ایسی آواز سے سلام کرنا بے ادبی اور آپ کی ایذاء کا سبب ہے۔ لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے۔ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔“

(تذکرۃ الخلیل: ص370)

[۵]: شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃا للہ علیہ”(م1369ھ) فرماتے ہیں:

”اور جو قبر شریف کے پاس حاضر ہو، وہاں بھی اِن آداب کو ملحوظ رکھے۔“ (تفسیر عثمانی: ج2ص640)

احادیث مبارکہ سے ثبوت

اس عنوان کے تحت ہم ان احادیث مبارکہ کو بیان کریں گے جن سے سماع النبی صلی اللہ علیہ و سلم ثابت ہوتا ہے۔

حدیث نمبر1:

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَىَّ إِلاَّ رَدَّ اللَّهُ عَلَىَّ رُوحِى حَتَّى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلاَمَ

(سنن ابی داؤد: ج1ص286 کتاب المناسک باب زیارۃ القبور، مسند احمد: ج9ص575 رقم الحدیث1075 ، مسند اسحاق بن راھویہ:ص204 رقم الحدیث 520 ، السنن الکبریٰ للبیہقی: ج5ص245 باب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ و سلم، شعب الایمان للبیہقی: ج2ص217 باب فی تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم رقم الحدیث1581)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بھی کوئی آدمی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے (یعنی متوجہ کر دیتا ہے)یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

تصحیح و استدلال بالحدیث:

اس حدیث کو مندرجہ ذیل حضرات نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہےاور اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

(1) علامہ ابن تیمیہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ(م728ھ) فرماتےہیں:

وَهُوَ حَدِيثٌ جَيِّدٌ . (مجموع الفتاوی: ج27ص55 کتاب الزیارۃ)

ترجمہ: یہ حدیث جید (کھری) ہے۔

(2) امام تقی الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ(م756ھ) فرماتے ہیں:

وھذا ا سناد صحیح. (شفاء السقام: ص161 الباب الثانی فیما ورد من الاخبار الخ)

ترجمہ: اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

(3) حافظ ابن کثیر شافعی رحمۃ اللہ علیہ(م774ھ) فرماتے ہیں:

وصححہ النووی فی الاذکار. (تفسیر ابن کثیر: ج3ص674 تحت الآیۃ: ان اللہ و ملئکتہ یصلون)

ترجمہ: امام نووی نے اس روایت کو اپنی کتاب ”الاذکار“ میں صحیح قرار دیا ہے۔

(4) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ علیہ(م852ھ) اس روایت کو نقل کر کےفرماتے ہیں:

ورواتہ ثقات. (فتح الباری ج:6ص: 596 کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم)

ترجمہ: اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔

(5) علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ (م911ھ)فرماتے ہیں:

وروی ابو داود بسند صحيح...... عن أبي هريرة رضي الله عنه مرفوعا. (وفاء الوفاء ج4ص1349 الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ)

ترجمہ: امام ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاًروایت کی ہے ۔

(6) علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (م1122ھ)فرماتے ہیں:

باسناد صحیح . (شرح المواہب للزرقانی: ج8ص308)

ترجمہ: یہ روایت سند صحیح کے ساتھ مروی ہے۔

(7) خاتم المحدثین مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (م1352ھ) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

رواتہ ثقات. (عقیدۃالاسلام: ص120)

ترجمہ: اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(8) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃاللہ علیہ(م1369ھ) نے اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے۔ (فتح الملہم:ج1 ص330باب الاسراء برسول اللہ و فرض الصلاۃ الخ)

رد روح کا مطلب:

اس حدیث میں ”رد روح“ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی طرف متوجہ فرماتے ہیں اور قوت گویائی عطا فرماتے ہیں۔ اکابرین امت کی چند تصریحات ملاحظہ ہوں۔

:1 علامہ علی بن احمدعزیزی رحمۃ اللہ علیہ(م1070ھ) فرماتے ہیں:

(الا رد اللہ علی روحی) ای رد علی نطقی لانہ صلی اللہ علیہ و سلم حی دائماً و روحہ لا تفارقہ لان الانبیاء احیاء فی قبورہم. (السراج المنیر :ج3ص278)

ترجمہ: حدیث ”إِلاَّ رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِي“ میں ”ردِ روح“ سے مراد قوتِ گویائی کا عطا ہونا ہے، کیو نکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں اور آپ علیہ السلام کی روح آپ علیہ السلام سے الگ نہیں ہوتی، اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

:2 قاسم العلوم و الخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (م1297ھ) فرماتے ہیں:

اس صورت میں حاصل معنی حدیث شریف کےیہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پُر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ وتجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت و محبیت تامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل رہتی ہے، اپنے ہوش عطا ء فرما دیتاہے۔ یعنی مبدء انکشاف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا مبدل بانقباض ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے ارتداد علی النفس حاصل ہو تا ہے اور اپنی ذات وصفات اور کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات وصفات سے اطلاع حاصل ہو جاتی ہے، سو چونکہ سلام امتیان بھی منجملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہیں، اس لئے اس سے مطلع ہو کر بوجہ حسنِ اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں۔ اس صورت میں اثباتِ حیات اور دفع

مطلب ممات بمعنی انقطاع تعلق حیات کے لیے جواب میں اور تکلفات کی حاجت نہ رہے گی۔
(آب حیات:ص206)

3: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (م1362ھ) فرماتے ہیں:

اس سے حیات میں شبہ نہ کیاجاوے کیونکہ مراد یہ ہے کہ میری روح جو ملکوت وجبروت میں مستغرق تھی جس طرح کہ دنیا میں نزول وحی کے وقت کیفیت ہوتی تھی، اس سے افاقہ ہوکر سلام کی طرف متوجہ ہوجاتا ہوں، اس کو ”رد روح“ سے تعبیر فرمادیا۔
(نشر الطیب: ص200 اٹھائیسویں فصل)

4: شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (م1377ھ) فرماتے ہیں:

الف: ابوداؤدکی روایت میں ”رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوحِی“ فرمایاگیاہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ” مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ إِلاَّ رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِی حَتّٰی أُسَلِّمَ عَلَیْہِ اوکما قال“ اگرلفظ ”اِلَیَّ رُوْحِیْ“ فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہو سکتا تھا، ”اِلٰی“ اور ” عَلٰی“ کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا، ” عَلٰی“ استعلاء کے لئے ہے اور ”اِلٰی“ نہایتِ طرف کے لئے ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتاہے کہ صلوٰۃ وسلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا، نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہوگئی تھی اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹا گیا ہے، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدارج قرب ومعرفت میں ہر وقت ترقی پزیر ہیں اس لئے توجہ الی اللہ کا انہماک اور استغراق دوسری جانب کی توجہ کو کمزور کر دیتا ہے، چونکہ اہل استغراق کی حالتیں روزانہ مشاہدہ ہوتی ہیں مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃللعلمین بنایا گیا ہے اس لئے بارگاہِ الوہیت سے درود بھیجنے والے پر رحمتیں نازل فرمانے کے لئے متعدد مزایا میں ایک مزیت یہ بھی عطاء فرمائی گئی ہے کہ خود سرور کائنات علیہ السلام کو اس استغراق سے منقطع کرکے درود بھیجنے والے کی طرف متوجہ کردیا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے متوجہ ہو کر دعا فرماتے ہیں۔

ب: اگر بالفرض وہی معنی لیے جائیں جو آپ سمجھے ہیں اور ” عَلٰی“ اور ”اِلٰی“ میں کوئی فرق نہ کیا جائے تب بھی یہ روایت دوامِ حیات پر دلالت کرتی ہے، اس لئے کہ دن رات میں کوئی گھڑی اور کوئی گھنٹہ بلکہ کوئی منٹ اس سے خالی نہیں رہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اندورون نماز اور بیرون نماز درود نہ بھیجا جاتا ہو، اس لئے دوامِ حیات لازم آئے گا۔
(مکتوبات شیخ الاسلام : حصہ اول ص248)

5: حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ(م1417ھ) اس حدیث کی شرح کرتے ہوئےرقمطراز ہیں:

حدیث کے ظاہری الفاظ ”إِلاَّ رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِی“ سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی روح مبارک جسدِ اطہر سے الگ رہتی ہے، جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کے جسدِ اطہر میں روح مبارک کو لوٹا دیتا ہے تاکہ آپ سلام کا جواب دے سکیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی، اگراس کو تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ایک دن میں لاکھوں کروڑوں دفعہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی روح مبارک جسم اقدس میں ڈالی اور نکالی جاتی ہے کیونکہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کے لاکھوں کروڑوں امتی آپ صلی اللہ علیہ و سلم پر صلوٰۃ و سلام نہ بھیجتے ہوں، روضہ اقدس پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنے والوں کا بھی ہر وقت تانتا بندھا رہتا ہے اور عام دنوں میں بھی ان کا شمار ہزاروں سے کم نہیں۔علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے، اگر چہ اس حیات کی نوعیت کے بارے میں علماء امت کی رائیں مختلف ہیں لیکن اتنی بات سب کے نزدیک مسلّم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے۔ اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتاہے، اس بناء پر اکثر شارحین نے ”ردِ روح“ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی وجلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے (اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے) پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اس طرف متوجہ بھی ہوتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کا جواب دیتے ہیں۔ پس اس روحانی توجہ والتفات کو ”ردِ

روح" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ (معارف الحدیث: ج5ص238 ص239)

حدیث نمبر2:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا أُبْلِغْتُهُ "

(مشکوٰۃالمصابیح: ص87 باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلہا الفصل الثالث، شعب الایمان للبیہقی: ج2ص218 باب فی تعظیم النبی صلی اللہ علیہ و سلم و اجلالہ و توقیرہ، جلاء الافہام لابن القیم: ص22، القول البدیع للسخاوی: ص160 الباب الرابع، حیات الانبیاء للبیہقی: ص104، کتاب ثواب الاعمال لابی الشیخ الاصبہانی بحوالہ فتح الباری: ج13 ص279)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ میرے پاس پہنچا دیا جاتا ہے۔

تصحیح حدیث:

اس حدیث کو مندرجہ ذیل حضرات نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہےاور اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

(1) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ(م 852ھ) فرماتے ہیں:

واخرج ابوالشیخ فی کتاب الثواب بسند جید. (فتح الباری ج:6ص: 595 کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم)

ترجمہ: محدث ابوالشیخ اصبہانی رحمۃا للہ علیہ نے عمدہ سند کے ساتھ اس روایت کی تخریج کی ہے۔

(2) امام سخاوی رحمۃا للہ علیہ (م 902ھ)نے اس کی سند کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ (القول البدیع للسخاوی: ص160 الباب الرابع)

(3) حضرت ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ(م 1014ھ) فرماتے ہیں:

ورواہ ابوالشیخ وابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید. (المرقاۃ: ج4ص22 باب الصلوٰۃ علی البنی صلی اللہ علیہ و سلم و فضلہا)

ترجمہ: ابوالشیخ اصبہانی اور ابن حبان نے اس حدیث کو سند جید سے نقل فرمایا ہے۔

(4) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (م 1369ھ)نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے:

سندہ جیّد . (فتح الملہم:ج1 ص330باب الاسراء برسول اللہ و فرض الصلاۃ الخ)

ترجمہ: اس حدیث کی سند کھری ہے ۔

(5) امام اہل السنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ(م 1430ھ) فرماتے ہیں:

ان اکابر محدثین کے(جن میں حافظ ابن حجررحمۃا للہ علیہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، جن کی تقریب اور تہذیب پر آج رواۃ کی توثیق وتضعیف کا مدار ہے)بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ روایت جید اور صحیح ہے۔ (تسکین الصدور: ص328)

(6) مولانا غلام اللہ خان فرماتے ہیں:

"اس حدیث کی جو سند سدّی صغیر پر مشتمل ہے اس کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں ہے وہ کمزور نہیں ہے اور حدیث ہذا کی دوسری سند بھی ہے جس کے صحیح ہونے کی تصریح کرتے ہیں۔ چنانچہ ملا علی قاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: قال میرک نقلاً عن الشیخ ورواہ ابوالشیخ وابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید. "

(ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ص48 اکتوبر 1967ء)

(7) نواب صدیق حسن خان غیر مقلد اس روایت کو اپنی کتاب "دلیل الطالب" میں لائے ہیں اور اس کی تحسین فرمائی ہے۔ (ص844)

حدیث نمبر3:

عن عطاء مولى أم حبيبة قال : سمعت أبا هريرة يقول : قال رسول الله صلى الله عليه و سلم : ليهبطن عيسى ابن مريم حكما عدلا و إماما مقسطا و ليسلكن فجا حاجا أو معتمرا أو بنيتهما و ليأتين قبري حتى يسلم عليَّ و لأردن عليه يقول أبوهريرة: أي بني أخي إن رأيتموه فقولوا أبو هريرة يقرئك السلام

(المستدرک للحاکم:ج3ص489، 490 ذکر نبی اللہ و روحہ عیسی بن مریم، مسند ابی یعلی: ص1149 رقم

الحدیث6577، مجمع الزوائد. ج8ص387 باب ذکر الانبیاء علیہم السلام، الخصائص الکبرٰی. ج2ص490 باب حیاتہ صلی اللہ علیہ و سلم فی قبرہ الخ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ضرور عادل، فیصلہ کرنے والے، منصف حکمران بن کر اتریں گے اور وہ اس گلی میں سے حج کرتے یا عمرہ کرتے یا ان دونوں کی نیت سے گزریں گے اور وہ میری قبر پر آئیں گے اور مجھے سلام کریں گے، میں ان کے سلام کا جوا ب دوں گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اے میرے بھتیجو! اگر تمہاری ان سے ملاقات ہو تو ان سے کہیے گا: ابو ھریرہ آپ کو سلام کہہ رہے تھے۔

فائدہ:

اس صحیح روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کا قبر اقدس میں زندہ ہونا، صلوۃوسلام کا سماع فرمانا اور آپ صلی اللہ علیہ و سلم کا جواب دینا بھی ثابت ہے، اس کا انکار کرنا حدیث کا ا نکار کرنے کے مترادف ہے۔

تصحیح حدیث:

اس حدیث کو مندرجہ ذیل حضرات نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہےاور اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

(1) امام ابو عبد اللہ الحاکم رحمۃ اللہ علیہ (م 405ھ)اسے نقل کر کے فرماتے ہیں:

هذا حديث صحيح الإسناد. (المستدرک للحاکم:ج3ص489، 490 ذکر نبی اللہ و روحہ عیسی بن مریم)

ترجمہ: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(2) علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ(م 748ھ) بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ (المستدرک للحاکم:ج3ص489، 490 ذکر نبی اللہ و روحہ عیسی بن مریم)

(3) علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ (م 807ھ)فرماتے ہیں:

رواه أبو يعلى ورجاله رجال الصحيح . (مجمع الزوائد: ج8ص387 باب ذکر الانبیاء علیہم السلام)

ترجمہ: اس روایت کوامام ابویعلی نے نقل کیا ہے اور اس کے راوی بخاری کے راوی ہیں۔

(4) علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ (م 911ھ)نے اس کو صحیح فرمایا ہے۔ (الجامع الصغیر :ج2ص260 رقم الحدیث7742)

سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت سلف صالحین اور علمائے اُمّت سے

1: حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ (م24 ھ)کے بارے میں ایک واقعہ مروی ہے:

عَنْ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهَذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا قَالَ مَنْ أَنْتُمَا أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا قَالاَ مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لأَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (صحیح البخاری: ج1ص67 باب رفع الصوت فی المساجد)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی شخص نے مجھے کنکری ماری، میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ اور ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لے آؤ۔ میں انہیں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اُن سے پوچھا: تم کن لوگوں میں سے ہو؟ (یعنی کس قبیلے سے تمہارا تعلق ہے؟) انہوں نے کہا: ہم اہل طائف میں سے ہیں۔اس پرحضرت عمررضی اللہ عنہ نے فرمایا :اگر تم اہل مدینہ میں سے ہوتے تو میں تمہیں سزادیتا اس لئے کہ تم مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی آوازیں بلند کررہے ہو۔

آواز بلند کرنے پر مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے نکیر کرنا اس لئے تھا کہ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارکہ ہے۔ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیوی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آواز بلند کرنا جرم تھا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ منورہ کے پاس آواز بلند کرنا بھی جائز نہیں، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں، حدودِ مسجد کی آواز کو بلا کسی توسط سے خود سماعت فرماتے ہیں۔ چنانچہ سلف وخلف میں سے کسی نے انکار نہیں فرمایا۔

اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اعتقاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ نہ ہوتے اور قریب کی آوازوں کو خود سماعت نہ فرمارہے ہو تے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دبی آواز سے بات کرنے کے حکم قرآنی کو اس انداز میں کبھی بیان نہ فرماتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک دوسرا واقعہ منقول ہے، شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃا للہ علیہ حنفی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب کسی مہم سے فارغ ہو کر واپس مدینہ منورہ تشریف لاتے تو سب سے پہلا کام جو آپ رضی اللہ عنہ کرتے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں سلام عرض کرناہوتا تھا اور اسی کی آپ دوسروں کو تلقین بھی فرماتے تھے۔ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اصل الفاظ اس طرح ہیں:

اول کار کہ عمر رضی اللہ عنہ ابتداء مے کرد سلام بہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بود. (جذب القلوب: ص200)

ترجمہ: پہلا کام جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابتداء فرماتے وہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں سلام عرض کرنا ہوتا۔

علامہ السمہودی رحمہ اللہ (م911ھ) اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

ولماقدم عمر المدینۃ کان اول ما بدء بالمسجد و سلم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم.
(وفاء الوفاء ج4ص1358 الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ)

ترجمہ: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ تشریف لاتے تو پہلے مسجد نبوی میں تشریف لے جاتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم پر سلام عرض کرتے۔

2: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا(م57 ھ) فرماتی ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق روایت ہے :

انہا کانت تسمع صوت الوتد یوتد، والمسمار یضرب فی بعض الدور المطیفۃ بمسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم، فترسل الیہم: ((لا توؤذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم))

قالوا و ما عمل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مصرعی دارہ؛ الا بالمناصع؛ توقیا لذلک.
(شفاء السقام للسبکی: ص432)

ترجمہ:آپ جب کبھی اُن گھروں میں جو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سےمتصل تھے، کسی میخ لگنے یا کیل لگانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبردار!) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (ا س آواز سے) اذیت نہ دو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی سے بچنے کے لئے اپنے گھر کے کواڑ باہر جاکر بنوائے تھے(تاکہ ان کے بننے کا شور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہ دے)

3: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ (م 101ھ)کے بارے میں مروی ہے:

کان عمرُ بن عبد العزیز یُرْسِل البرید من الشام الی المدینۃ لیُسلِمَ لہ علی النبی صلی اللہ علیہ و سلم.

(شفاء السقام للسبکی: ص166)

ترجمہ: حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک قاصد مدینہ منورہ بھیجا کرتے تھے تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کو ان کی طرف سے سلام پہنچائے۔

4: امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ(م150ھ)

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے: سنت یہ ہے کہ تم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی قبر شریف پر قبلہ کی جہت سے جاؤ، قبلہ کی طرف پیٹھ کرو اور قبر شریف کی طرف چہرہ کرو، پھر کہو: السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔(مسند الامام الاعظم: ص126 کتاب الحج)

5: علامہ ابن تیمیہ الحنبلی (م 728ھ)فرماتے ہیں:

قَالَ إنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَى الأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الأَنْبِيَاءِ } فَأَخْبَرَ أَنَّهُ يَسْمَعُ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ مِنْ الْقَرِيبِ وَأَنَّهُ يَبْلُغُهُ ذَلِكَ مِنْ الْبَعِيدِ. (مجموع الفتاویٰ: ج26ص70 کتاب الحج، فصل ؛واذا دخل المدینۃ)

ترجمہ: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کاا رشاد ہے: ”بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔“ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے یہ بھی خبر دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم قریب سے صلوٰۃ وسلام خود سنتے ہیں اور دور سے آپ صلی اللہ

علیہ و سلم کو پہنچایا جاتا ہے۔

6: محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام الحنفی(م 861ھ) آدابِ زیارت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثم يسأل النبي صلى الله عليه وسلم الشفاعة فيقول يا رسول الله أسألك الشفاعة يا رسول الله أسألك الشفاعة وأتوسل بك إلى الله في أن أموت مسلما على ملتك وسنتك---- ثم ينصرف متباكيا متحسرا على فراق الحضرة الشريفة النبوية والقرب منها. (فتح القدیر: ج3 ص169 و ص184 کتاب الحج، ا لمقصد الثالث فی زیارۃ قبر النبی)

ترجمہ: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم سے شفاعت کا سوال کرے اور یہ کہے: یا رسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ و سلم سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں، یا رسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ و سلم سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ و سلم کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں مروں اور آپ کی سنتوں پر عامل ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوں--- پھر آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے قرب اقدس سے روتا ہوا اور جد ائی کا غم ساتھ لئے ہوئے واپس ہو۔

18: علامہ شہاب الدین احمد بن محمد الخفاجی (م 1069ھ)فرماتے ہیں:

لانہ صلی اللہ علیہ و سلم حی فی قبرہ، یسمع دعاء زائرہ. (نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضیٰ عیاض: ج3ص398)

ترجمہ: اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اپنے زیارت کرنےوالے کی دعا (یعنی صلوٰۃ وسلام) سنتے ہیں۔

19: علامہ احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی الحنفی(م 1232ھ) رقمطراز ہیں:

ینبغی لمن قصد زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ و سلم ان یکثر الصلاۃ علیہ فانہ یسمعہا و تبلغ الیہ
(حاشیۃ الطحطاوی: ص746 فصل فی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ و سلم)

ترجمہ: جو شخص نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی زیارت کاا رادہ رکھتا ہو اسے چاہیے کہ آپ علیہ السلام پر کثرت سے درود پڑھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم (اس وقت) خود سنتے ہیں اور (اگر دور سے پڑھا جائے تو فرشتوں کے ذریعے) آپ کی طرف پہنچایا جاتا ہے۔

25: سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ کے حکم سے تقریباً پانچ سو علماء کرام کی مستند جماعت کے مرتب کردہ فتاویٰ عالمگیری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی قبر مبارک پر حاضری کے آداب کے بیان میں یہ بات درج ہے:

ويبلغه سلام من أوصاه فيقول السلام عليك يا رسول الله من فلان بن فلان يستشفع بك إلى ربك فاشفع له ولجميع المسلمين. (عالمگیری ج1ص292 کتاب المناسک، باب النذر بالحج)

ترجمہ: اگر کسی نے اس (زائر) کوآنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں سلام کہنے کی درخواست کی ہو تو یہ(زائر) آپ صلی اللہ علیہ و سلم کو اس کا سلام بھی عرض کرے اور یوں کہے:" یارسول اللہ! فلاں بن فلاں کی طرف سے آپ کی خدمت میں سلام ہوں اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بناتا ہے، لہذاآپ اس کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے شفاعت کریں۔"

سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت اہل السنت و الجماعت علماء دیوبند سے

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی(م 1297ھ)

"جمال قاسمی" میں لکھتے ہیں:

ارواح انبیاء علیہم السلام کوبدن کے ساتھ علاقہ بدستوررہتاہے اور ان کاسماع بعدوفات بھی بدستورباقی ہے۔

(جمال قاسمی ص13ط :کتب خانہ اعزازیہ دیوبند)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (م 1322ھ)

فرماتے ہیں:

مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں۔ (فتاوٰی رشیدیہ: ص134)

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (م 1339ھ)

سنن ابی داؤد کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

تقدیرالکلام(مامن احدیسلم علی الااردعلیہ السلام) لانی حی اقدرعلی ردالسلام.

(حاشیہ سنن ابی داؤد: ج1ص286'باب زیارۃ القبور)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے فرمان کہ ''جوبھی مجھے سلام کرتاہے تومیں خوداس کے سلام کا جواب دیتاہوں'' کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ میں زندہ ہوں تو سلام کاجواب دینے پر قادرہوں (اس لیے جواب دیتا ہوں)

مولانا خلیل احمد سہارنپوری(م 1346ھ)

''تذکرۃ الخلیل'' میں آپ کے متعلق مولاناعاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں:

آستانہ محمدیہ صلی اللہ علیہ و سلم پر حاضری کے وقت حضرت کی عجیب کیفیت ہوتی تھی، آواز نکالنا تو کیا مواجہ شریف کے قریب یا مقابل بھی کھڑے نہیں ہوتے تھے، خوفزدہ، مؤدبانہ، دبے پاؤ ں آتے اور مجرم وقیدی کی طرح دور کھڑے ہوتے، بکمال خشوع صلوٰۃ وسلام عرض کرتے اور چلے آتے تھے۔ زائرین جو بیباکانہ اونچی آواز سے صلوٰۃ و سلام پڑھتے اس سے آپ کو بہت تکلیف ہوتی اور فرمایا کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم حیات ہیں اور ایسی آواز سے سلام عرض کرنا بے ادبی اور آپ صلی اللہ علیہ و سلم کی ایذاء کا سبب ہے، لہٰذاپست آواز سے سلام عرض کرنا چاہئے اور یہ بھی فرمایا کہ مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم خود سنتے ہیں۔

(تذکرۃ الخلیل: ص370)

علامہ محمد انور شاہ کشمیری (م 1352ھ)

آپ فرماتے ہیں:

ومن ھھناانحل حدیث اخررواہ ابوداؤدفی رد روحہ صلی اللہ علیہ و سلم حین یسلم علیہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس معناہ انہ یردروحہ ای انہ یحیی فی قبرہ بل توجھہ من ذلک الجانب الی ھذاالجانب فھوصلی اللہ علیہ و سلم حی فی کلتاالحالتین لمعنی انہ لم یطرأعلیہ التعطل قط(فیض الباری علی صحیح البخاری: ج2 ص65 باب رفع الصوت فی المساجد)

ترجمہ:اوریہیں سے ابوداؤدوالی حدیث بھی حل ہوگئی کہ ''جب آپ صلی اللہ علیہ و سلم پرسلام کیاجاتاہے تو آپ کی روح مبارک لوٹائی جاتی ہے'' اس روح لوٹانےکا یہ مطلب نہیں کہ قبرمیں زندہ کیاجاتاہے بلکہ(اس کا معنی یہ ہے کہ) آپ علیہ السلام کی ایک جانب سےدوسری جانب توجہ کردی جاتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ و سلم ان دونوں حالتوں میں زندہ ہوتے ہیں، آپ علیہ السلام پرتعطل بالکل طاری نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتوی:

ارشاد فرمایا:

(حدیث پاک) جس شخص نے مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں خود یعنی حقیقی طور پر فرشتوں کے واسطے کے بغیر میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے مجھ پر درود پڑھا تو اس کی مجھے کسی فرشتہ کے ذریعے خبر دی جاتی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ غور سے سنو! یہی ہمارا اور ہمارے سب اساتذہ کرام، مشائخ عظام اور تمام اکابرین کا مسلک اور عقیدہ ہے۔ (مجالس غور غشتوی: ص69، 70)

حضرت مولانا مفتی محمود (م1400 ھ)

حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ مولانا عبد العزیز شجاع آبادی کی کتاب ''دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف'' کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا عبد العزیز صاحب شجاع آبادی کی تصنیف ''دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف'' کو مختلف مقامات سے دیکھا، ماشاء اللہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ و سلم اور سماع صلوٰ ۃ وسلام عند القبر الشریف پر اسلام وجمہور اہل السنۃ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق تحریر فرمایا، حوالہ جات پیش کئے اور صحیح مسلک کو حوالہ جات سے ایسا ثابت کیا جو اخلاف ومعاصرین کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگا۔ اللہ تعالی قبول فرماوے اور حضرت مولانا کو ایسی تصانیف کرنے کی توفیق مزید بخشے۔ واللہ الموفق

الاحقر الافقر محمود عفا اللہ عنہ
خادم مدرسہ قاسم العلوم ملتان
17 ربیع الاوّل 1400ھ"
(دعوت الانصاف فی حیات جامع الاوصاف: ص9)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی (م 1402ھ)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے خود سننے میں کوئی اشکال نہیں، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے قول بدیع میں لکھا ہے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم زندہ ہیں اپنی قبر شریف میں او رآپ صلی اللہ علیہ و سلم کے بدن اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اس پر اجماع ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے انبیاء علیہم السلام کی حیات میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث (الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون) کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے اس کی مختلف سے طرق سے تخریج کی ہے ۔

(فضائل درود شریف: ص34)

حضرت مولاناقاری محمدطیب قاسمی (م1403ھ)

آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

برزخ میں انبیاء علیہم السلام کی حیات کامسئلہ معروف ومشہوراورجمہورعلماء کااجماعی مسئلہ ہے۔علماء دیوبندحسب عقیدہ اہلسنت والجماعت برزخ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کے اس تفصیل سے قائل ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم اورتمام انبیاء کرام علیہم السلام وفات کے بعداپنی اپنی پاک قبروں میں زندہ ہیں اوران کے اجسام کے ساتھ ان کی ارواح مبارکہ کاویساہی تعلق قائم ہے جیساکہ دینوی زندگی میں قائم تھا۔ وہ عبادت میں مشغول ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں انہیں رزق دیاجاتاہے اوروہ قبورمبارکہ پرحاضرہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ علماء دیوبندنے یہ عقیدہ قرآن وسنت سے پایاہے اوراس بارے میں ان کے سوچنے کاطرز بھی متوارث رہاہے۔
(خطبات حکیم الاسلام: ج7ص181)

امام اہل السنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر (م 1430ھ)

ہمارے استاذ محترم امام اہل السنت شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ ایک عنوان: "عدم تعلق کا کوئی بھی قائل نہیں رہا" کے تحت لکھتے ہیں:

"بلا خوفِ تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تقریبا 1374ھ تک اہل السنت والجماعت کا کوئی فرد، کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ، دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اور اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام) کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ عند القبر صلوۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے، کسی اسلامی کتاب میں عام اس سےکہ وہ کتاب حدیث وتفسیر کی ہو یا شرح حدیث اور فقہ کی، علم کلام کی ہو یا علم تصوف وسلوک کی، سیرت کی ہو یا تاریخ کی، کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ عند القبر صلوۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے۔ من ادعی خلافہ فعلیہ البیان ولا یمکنہ ان شاء اللہ تعالیٰ الیٰ یوم البعث والجزاء والمیزان۔" [جو ہمارے اس دعوے کا مخالف ہو تو وہ دلیل لائے، ان شاء اللہ قیامت قائم ہونے، روز جزاء آنے اورمیزان عمل لگنے تک اس کے خلاف دلیل لانا نا ممکن ہے]

(تسکین الصدور: ص290)

اکابر علماء دیوبند کا مسلک:

امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ماہنامہ "پیام مشرق"میں ایک اشتہار شائع ہوا جس میں مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ و سلم کے متعلق اکابر علماء دیوبند کے مسلک اور ان کے متفقہ فیصلہ کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس اشتہار میں اکابرین میں سے دس حضرات کے دستخط موجود تھے اور یہ اشتہار حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہفت روزہ رسالہ "خدام الدین" میں بھی شائع کیا تھا۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان

صفدر رحمۃ اللہ علیہ نے ”تسکین الصدور“ (ص37) میں اور ڈاکٹر علامہ خالد محمود زید مجدہ نے ”مقام حیات“ (ص707) میں بھی نقل فرمایا ہے۔ افادہ عام کے لیے اس اشتہار کی تحریر اور اس کا سکین پیش خدمت ہے۔

اشتہار کی تحریر :

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ و سلم کے متعلق
اکابر دیوبند کا مسلک
علمائے دیوبند کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم اورسب انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہ محفوظ ہیں اور جسدِ عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے۔

صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں، لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس میں جو درود پڑھاجائے بلاواسطہ سنتے ہیں اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل سنت کا مسلک ہے۔اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مستقل تصنیف حیات انبیاء علیہم السلام پر ”آبِ حیات“ کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں، ان کا رسالہ ”المہند علی المفند“ بھی اہل انصاف اور اہل بصیرت کے لئے کافی ہے۔اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

1:مولانا محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ مد رسہ عربیہ اسلامیہ کراچی نمبر 5
2:مولانا عبد الحق عفی عنہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک
3:مولانا محمد صادق عفا اللہ عنہ سابق ناظم محکمہ امور مذہبیہ بہاولپور
4:مولانا ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار سندھ
5:مولانا شمس الحق افغانی عفااللہ عنہ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان
6:مولانا محمد ادریس کان اللہ لہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور
7:مولانامفتی محمد حسن مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور
8:مولانا محمد رسول خاں عفااللہ عنہ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور
9:مولانا مفتی محمد شفیع عفا اللہ عنہ مہتمم دارالعلوم کراچی نمبر1
10:مولانا احمد علی عفی عنہ امیر نظام العلماء وامیر خدام الدین لاہور

منجانب :حیات الانبیاء سوسائٹی گجرات

(پیام مشرق: ستمبر 1960ء)

عقیدہ ثواب وعذاب قبر

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت والجماعت:

قرآن کریم ،احادیث مبارکہ،اجماع امت اور اسلاف امت کے فرامین کی روشنی میں اہل السنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ موت کے بعد قیامت سے پہلے قبر میں (جہاں میت یا اس کے اجزاء ہوں)جسد عنصری کو بتعلق روح ثواب وعذاب ہوتا ہے۔

اہلِ بدعت کا موقف:

[۱]: اشاعت التوحید والے حضرات کا موقف یہ ہے کہ مرنے کے بعد علیین یا سجین میں روح اور جسم مثالی کو عذاب وثواب ہوتا ہے ، اس دنیا والی قبر میں جسد عنصری سے نہ تو روح کا تعلق ہوتا ہے نہ ہی اس جسم کو عذاب وثواب ہوتا ہے۔ان حضرات کی چند تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

♣ مرنے کے بعد انسان زندہ ہی رہتاہے مگر لباس ومکان بدل لیتا ہے...جسد عنصری کا لباس اتارکر جسد مثالی کالباس پہن لینے اور دار دنیا سے منتقل ہوکر دار برزخ میں پہنچ جانے سے بھی انسان نہیں مرتا ۔ (ندائے حق ج1ص17)

♣ دنیا میں جو شخص مرتا ہے اس کی روح کا رشتہ اس مادی جسم سے ٹوٹ جاتا ہے یہ جسم فنا ہوجاتا ہے مگر مثالی اصلی جسم باقی رہتا ہے اس سے روح کا تعلق نہیں ٹوٹتا...راحت ورنج مسرت اور غم ہروجدانی کیفیت اس کو محسوس کرتی ہے مگر اس کے باوجود یہ ظاہری مادی جسم نہیں رکھتا یہ جسم تو فنا ہوچکا ہوتا ہے...اس کا تو ہراحساس وادراک جسم مثالی کے ساتھ ہوتا ہے...روح جسم مثالی کے ساتھ ہی منکر نکیر کے سوال کا جواب دیتی ہے ۔

(ندائے حق ج1ص101،100)

♣ اس جسد عنصری میں بعداز دفن دوبارہ روح کا آنا اور میت کا قبر میں زندہ ہوجانا یہ کوئی مسئلہ نہیں ۔ (ندائے حق ج1ص225)

♣ قبر وہ ہے جہاں روح کو عذاب وثواب ہوتا ہے وہی شرعی قبر ہے اوروہی روح کا ٹھکانہ ہے ۔

(عقیدۃ الامت ص31مصنف شہاب الدین خالدی)

♣ اللہ تعالیٰ اس عالم برزخ میں روح کو وہاں کے مناسب حال ایک جسم عطا فرماتے ہیں...اسی جسم مثالی میں روح قیامت تک رہے گی۔

(عقیدۃ الامت ص34)

♣ شرعی قبر جس میں ثواب وعذاب ہوتا ہے وہ ہے جو جنت کے قریب ہے ۔ (عقیدۃ الامت ص36)

♣ یعنی زمین وقبر بھی مثالی زور جسم بھی مثالی اور ثواب وعذاب بھی وہیں ہوگا ۔ (عقیدۃ الامت ص39)

♣ اس جسم عنصری کو عذاب نہیں ہوتا اور نہ ہی اس قبر میں عذاب ہوتا ہے...عذاب وثواب روح کوہوتا ہے جو اس جسم میں نہیں ہوتی۔

(عقیدۃ الامت ص525)

♣ جمعیت اشاعت التوحیدوالسنۃ کا قرآن کریم اور احادیث صریحہ کی رو سے یہ موقف ہے کہ اس مٹی والے جسم سے روح نکلنے کے بعد نہ تو وہ روح اس قبرمیں مدفون جسم میں واپس آتی ہے اور نہ ہی اس مدفون جسم سے روح کا کوئی تعلق قائم ہوتا ہے ۔

(عقائد علمائے اسلام ص91 مصنف شہاب الدین خالدی)

[۲]: کیپٹن عثمانی صاحب ثواب وعذاب قبر کی اس صحیح صورت کے منکر ہیں۔ چنانچہ موصوف نے اپنے ایک رسالہ "عذاب برزخ" میں کئی ایک مقامات پراس عقیدہ کا انکار کیا ہے چند تصریحات ملاحظہ فرمائیں :

* یہی وہ اصلی قبر ہے جہاں روح کو دوسرے (برزخی) جسم میں ڈال کر قیامت تک رکھا جائے گااور اسی پر راحت یا عذاب کا پورا دور گذرے گا۔ (عذاب برزخ: ص2)

* روحوں کو جسم (برزخی) ملتا ہے اور روح اور اس جسم کے مجموعہ پر راحت و عذاب کا دور گزرتا ہے.....اس مجموعہ کو قیامت تک باقی رکھا جائے گا اور اس پر سارے حالات قیامت تک گزریں گے-(عذاب برزخ: ص6)

* سچی بات تو یہ ہے کہ جو شخص بھی وفات پاجاتا ہے اس کو حسب حیثیت ایک برزخی جسم ملتا ہے جس میں اس کی روح کو ڈال دیا جاتا ہے اور اس جسم اور روح کے مجموعہ پر سوال و جواب اور عذاب و ثواب کے سارے حالات گذرتے ہیں اور یہی اس کی اصلی قبر بنتی ہے۔ (عذاب برزخ: ص9)

* اللہ کا فیصلہ ہے کہ قیامت سے پہلے مردہ جسم میں روح واپس نہیں آسکتی اور ظاہر ہے کہ بغیر روح کے عذاب و راحت بے معنی ہیں۔

عذاب برزخ: ص17

* اب اگر کوئی بضد ہو کہ اس مردے کے ساتھ جو مٹی کے ساتھ مل کر مٹی ہوجاتا ہے ہڈیوں کا ڈھانچہ بھی نہیں رہتا، عذاب و راحت کا معاملہ اس زمینی گڑھے میں ہوتا ہے تو یہ محض جہالت، ضد اور ہٹ دھرمی اور قرآن و حدیث کا صریح انکار ہے جو یقینا اللہ تعالی کے عذاب اور آخرت سے لا پرواہی کا ہی نتیجہ ہے قرآن کی نظر میں ایسے عقیدے کا حامل شخص سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن مومن نہیں ہوسکتا ۔

قبر پرستی کا شرک اور اس کی بنیاد: ص17

کیپٹن عثمانی صاحب کی ان عبارات سے چندباتیں سامنے آتی ہیں :

1:قبر اس دنیا والے گڑھے کا نام نہیں بلکہ علیین یا سجین کا نام ہے ۔

2:برزخ روحوں کے مقر کو کہتے ہیں ۔

3:موت ودفن کے بعداس دنیا والے جسم میں نہ تو روح کا اعادہ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی قسم کا تعلق ہوتا ہے ۔

4:قبر میں سوال وجواب کے لئے روح کو دوسرا جسم دیا جاتا ہے جسے جسم مثالی کہتے ہیں اور ثواب وعذاب بھی اسی جسم مثالی کو ہوتا ہے ۔

5:دنیاوالے گڑھے کو قبر ماننا ،روح کا اس جسم سے تعلق کا قائل ہونا اور اس جسم کی سزاوجزا کا عقیدہ رکھنا شرک کی بنیاد اور قرآن کریم کی مخالفت وانکار ہے ۔

اگر بالترتیب یہ چیزیں سمجھ لی جائیں:

1:تعیین قبر 2:اعادہ و تعلق روح (یعنی حیات فی القبر) 3: عذاب وثواب جسم مع الروح

تو مسئلہ خود بخود واضح ہوجاتا ہے۔ ان امور کی مختصر سی تفصیل پیش خدمت ہے :

[۱]:تعیین قبر

آیات قرآنیہ:

1:وَلاَ تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلاَ تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ (التوبۃ: 84)

ترجمہ: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقین میں اگر کوئی مرجائے تو آپ اس پر کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ ہی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔

2:ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ [عبس21]

ترجمہ: پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچادیا

3:حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ [التکاثر2]

ترجمہ: (ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر دنیا کی عیش حاصل کرنے کی ہوس نے تمہیں غفلت میں ڈال رکھا ہے) یہاں تک کہ تم قبرستان میں پہنچ جاتے ہو ۔

احادیث مبارکہ

حدیث نمبر1:

عن عمرو بن حزم قال رآني رسول الله صلى الله عليه و سلم على قبر فقال : انزل عن القبر لا تؤذ صاحب القبر فلا يؤذيك [شرح معانی الاثارص329،328باب الجلوس علی القبور]

ترجمہ: حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبر پر دیکھا تو فرمایا قبر سے نیچے اتر جاو قبر والے کو تکلیف نہ دو اور نہ وہ تمہیں تکلیف دے (یعنی اس کی وجہ سے تمہیں تکلیف نہ پہنچے)

حدیث نمبر2:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسْجِدًا قَالَتْ وَلَوْلاَ ذَلِكَ لأَبْرَزُوا قَبْرَهُ غَيْرَ أَنِّي أَخْشَى أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا

[بخاری ج 1 ص 177 بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ اتِّخَاذِ الْمَسَاجِدِ عَلَى الْقُبُورِ]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں فرمایا یہود و نصاری پر اللہ تعالی کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں پر مساجد بنالیں تھیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں: اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ علیہ السلام کی قبر کھلی جگہ بنائی جاتی۔

حدیث نمبر 3:

عن عائشة قالت لما مات النجاشی کنا نتحدث أنه لا یزال یری علی قبره نور

[سنن ابی داودج 1 ص 364 باب فی النور یری عند قبر الشہید].

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب حضرت نجاشی کا انتقال ہوا تو ہمارے اندر یہ بات بیان کی جاتی تھی کہ ان کی قبر پر نور دیکھا جاتا تھا

[۲]: اعادہ وتعلق روح (یعنی حیات فی القبر)

آیاتِ قرآنیہ:

آیت نمبر 1:

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ

[ابراهیم 27]

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کو اس مضبوط بات پر دنیا کی زندگی میں بھی ثابت قدمی عطا فرماتے ہیں اور قبر میں بھی اور ظالم لوگوں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے اور اللہ (اپنی حکمت کے مطابق) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

تفسیر:

1:وأخرج البزار عن عائشة قالت : قلت یارسول الله تبتلى هذه الأمة في قبورها فكيف بي وأنا امرأة ضعيفة قال يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة

[الدر المنثورج8ص525]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ اس امت کو قبروں میں آزمایا جائے گا میری کیا حالت ہوگی میں تو کمزور سی عورت ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿ یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرۃ ﴾

آپ علیہ السلام کے اس تسلی والے فرمان سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں لفظ آخرت سے مراد قبر کی زندگی ہے جہاں کے عذاب سے اللہ کلمہ کے مطابق زندگی گزارنے والوں کو محفوظ فرماتے ہیں۔

فائدہ: اکثر مفسرین نے اس آیت کو ثواب وعذاب قبر کے متعلق قرار دیا ہے اور اس آیت کے تحت مرفوع اور موقوف احادیث نقل کرکے اعادہ وتعلق روح کو ذکر کیا ہے جس سے قبر کی زندگی ثابت ہوتی ہے دیکھئے : (تفسیر طبری ج8ص253،تفسیربغوی ج3ص35،تفسیرکشاف ج2ص520،المحرر الوجیز لابی محمدعبدالحق الاندلسی ج3ص337،تفسیربیضاوی ج1ص518،تفسیرمدارک ج1ص452،تفسیرخازن ج3ص84،تفسیرابن کثیر ج2ص691،الدر المنثور لسیوطی ج4ص148،تفسیرابو السعودج5ص52،البحر المدید ج3ص370)

آیت نمبر 2:

قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لاَ رَيْبَ فِيهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُونَ

الجاثیہ 26

ترجمہ: : اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دیجیے اللہ ہی تمہیں زندگی دیتا ہے پھر وہی تمہیں موت دے گا، پھر تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔

تفسیر:

قُل } يا محمد لأبي جهل وأصحابه { الله يُحْيِيكُمْ } في القبر { ثُمَّ يُمِيتُكُمْ } في القبر { ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلى يَوْمِ القيامة } ويقال قل الله يميتكم مقدم ومؤخر ثم يجمعكم إلى يوم القيامة { لاَ رَيْبَ فِيهِ } لا شك فيه { ولكن أَكْثَرَ الناس } أهل مكة { لاَ يَعْلَمُونَ } ذلك ولا يصدقون

[تفسیرابن عباس 2ص22]

ترجمہ:سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ا س آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں "اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ابو جہل اور دوسرے کفار سے کہدیں اللہ تمہیں قبر میں زندہ کرے گا {سوال وجواب کے بعد }تمہیں قبر میں موت دے گا پھر تم سب کو قیامت کے دن جمع کرےگا بعض حضرات کے نزدیک اس آیت میں تھوڑی سی تقدیم وتاخیر ہے { ثُمَّ يُمِيتُكُمْ }پہلے ہے اور { يُحْيِيكُمْ }بعد میں ہے اب آیت کامعنیٰ ہوگا اللہ تمہیں دنیا میں موت دیں گے پھر قبر میں زندہ کریں گے ، پھر تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے لیکن اکثر اہل مکہ اس بات کو نہ سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس کی تصدیق کرتے ہیں -

احادیث مبارکہ :

حدیث نمبر1:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث مروی ہے جسے کئی محدثین نے نقل کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کے وقت پیش آنے والے حالات وواقعات ،موت کے وقت مومن و کافر کی کیفیت موت کے بعد قبر میں پیش آنے والے حالات کو تفصیلاً بیان فرمایا ہے اس طویل حدیث میں قبر کے زندگی کو بیان کرتے ہوئے آپ علیہ السلام نے فرمایا "فتعاد روحہ فی جسدہ"

سوال و جواب کے وقت میت کی روح پھر اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے-

(مسنداحمدرقم الحدیث18534،شعب الایمان ج1ص357،356 رقم الحدیث395 فصل فی عذاب القبر)

مصححین ومستدلین حدیث:

حضرات ائمہ کی بہت بڑی تعداد نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا اور اس سے قبر کی زندگی کے اثبات پر استدلال کیا ہے- مثلاً:

* قَالَ الْبَيْهَقِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الإِسْنَادِ،

شعب الایمان ج1ص357

* وَقَالَ الْحَافِظُ أَبُو نُعَيْمٍ الأصبهاني : وَأَمَّا حَدِيثُ الْبَرَاءِ رَوَاهُ الْمِنْهَالُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ زاذان عَنْ الْبَرَاءِ فَحَدِيثٌ مَشْهُورٌ رَوَاهُ عَنْ الْمِنْهَالِ الْجَمُّ الْغَفِيرُ وَرَوَاهُ عَنْ الْبَرَاءِ : عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عُقْبَةَ وَغَيْرُهُمَا وَرَوَاهُ عَنْ زاذان عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ . قَالَ : وَهُوَ حَدِيثٌ أَجْمَعَ رُوَاةُ الأَثَرِ عَلَى شُهْرَتِهِ وَاسْتِفَاضَتِهِ وَقَالَ الْحَافِظُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ بْنُ منده : هَذَا الْحَدِيثُ إسْنَادُهُ مُتَّصِلٌ مَشْهُورٌ رَوَاهُ جَمَاعَةٌ عَنْ الْبَرَاءِ

مجموع الفتاوی ج5ص216

* هذا حديث ثابت مشهور مستفيض صححه جماعة من الحفاظ ولا نعلم أحدا من أئمة الحديث طعن فيه بل رووه في كتبهم وتلقوه بالقبول وجعلوه أصلا من أصول الدين في عذاب القبر ونعيمه ومساءلة منكر ونكير وقبض الأرواح وصعودها إلى بين يدي الله ثم رجوعها إلى القبر

کتاب الروح ص48

نوٹ: اس روایت کے راوی ابومعاویہ پربعض حضرات نےاضطراب کی جرح کی ھے لیکن وہ جرح یہاں نہیں چل سکتی کیونکہ بتصریح ائمہ ابومعاویہ کی ان روایات میں اضطراب ہے جواعمش کے علاوہ سے مروی ہوں

أبو معاوية الضرير صدوق وهو في الأعمش ثقة وفي غير الأعمش فيه اضطراب. (تاريخ بغداد ج2ص115)

اوریہ روایت امام اعمش سے ہی مروی ہے- صحیح مسلم میں سبزپرندوں والی روایت بھی ابو معاویہ عن اعمش کے طریق سے مروی ہے-

حدیث نمبر2:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُسْرِفُ عَلَى نَفْسِهِ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ قَالَ لِبَنِيهِ إِذَا أَنَا مُتُّ فَأَحْرِقُونِي ثُمَّ اطْحَنُونِي ثُمَّ ذَرُّونِي فِي الرِّيحِ فَوَاللَّهِ لَئِنْ قَدَرَ عَلَيَّ

رَبِّي لَيُعَذِّبَنِّي عَذَابًا مَا عَذَّبَهُ أَحَدًا فَلَمَّا مَاتَ فُعِلَ بِهِ ذَلِكَ فَأَمَرَ اللَّهُ الأَرْضَ فَقَالَ اجْمَعِي مَا فِيكِ مِنْهُ فَفَعَلَتْ فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلَى مَا صَنَعْتَ قَالَ يَا رَبِّ خَشْيَتُكَ فَغَفَرَ لَهُ

صحیح بخاری ج ص بَاب حَدِيثُ الْغَارِ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی تھا جو جو بہت گناہگار تھا جب اسے موت آنے لگی تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ جب میں مرجاوں تو مجھے جلادینا پھر میری ہڈیوں کو پیس لینا اور مجھے ہوا میں اڑا دینا قسم بخدا اگر میں اپنے رب کی پکڑ میں آگیا تو مجھے ایسا عذاب دے گا جو کسی کو بھی نہیں دیا ہوگا چنانچہ جب وہ مرگیا تو اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا، اللہ رب العزت نے زمین کو حکم دیا کہ اس بندے کے ذرات جہاں کہیں بھی ہیں ان کو جمع کردے زمین نے اس کے ذرات جمع کردیے تو وہ زندہ کھڑا ہوگیا اللہ تعالی نے فرمایا تونے یہ کام کیوں کیا ؟ایسی وصیت کیوں کی؟ تو وہ کہنے لگا اے میرے رب میں نے تیرے ڈر کی وجہ سے ایسا کیا تھا چنانچہ اللہ تعالی نے اس بخش دیا۔

ملاحظہ فرمائیں اگر موت کے بعد سوال وجواب اور اس کے بعد ثواب وعذاب کا تعلق اس دنیا والے جسم سے نہیں ہوتا تواللہ تعالیٰ نے اس بندے کے اسی دنیوی جسم کو دوبارہ کیوں زندہ فرمایا ؟اس کی روح تو محفوظ تھی اسی سے سوال وجواب کرلیتے ۔

حدیث نمبر3:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لأَخِيكُمْ وَسَلُوا لَهُ التَّثْبِيتَ فَإِنَّهُ الآنَ يُسْأَلُ

سنن ابی داودج ص باب الاِسْتِغْفَارِ عِنْدَ الْقَبْرِ لِلْمَيِّتِ فِى وَقْتِ الاِنْصِرَافِ.

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہوجا تے تو تھوڑی دیر وہی ٹھہرتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرو کیونکہ اس سے ابھی سوال کیے جائیں گے۔

اور سوال زندہ سے کیا جاتا ہے ۔

[۳]: عذاب وثواب جسم مع الروح

قرآن مع التفسیر:

آیت نمبر1:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ [الانعام 93]

مستدلین :

1: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری المتوفیٰ 256ھ نے اس آیت کریمہ سے عذا ب قبر پر استدلال کیا ہے فرماتے ہیں:

باب ما جاء في عذاب القبر وقول الله تعالى ولو ترىٰ إذ الظالمون في غمرات الموت والملائكة باسطو أيديهم أخرجوا أنفسكم اليوم تجزون عذاب الهون

صحیح بخاری ج1ص183

2: امام شمس الدین ابو عبد اللہ بن قیم الجوزیہ المتوفیٰ 751ھ ایک سوال ” قرآن کریم میں عذاب وثواب قبر کا ذکر کیوں نہیں ؟“کے جواب میں فرماتے ہیں:

وأما الجواب المفصل فهو أن نعيم البرزخ وعذابه مذكور في القرآن في غير موضع فمنها قوله تعالى ولو ترى إذ الظالمون في غمرات الموت والملائكة باسطو أيديهم أخرجوا أنفسكم اليوم تجزون عذاب الهون بما كنتم تقولون على الله غير الحق وكنتم عن اياته تستكبرون وهذا خطاب لهم عند الموت وقد أخبرت الملائكة وهم الصادقون أنهم حينئذ يجزون عذاب الهون ولو تأخر عنهم ذلك إلى انقضاء الدنيا لما صح أن يقال لهم اليوم تجزون"

کتاب الروح لابن قیم ص87

3: مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب المتوفیٰ 1396ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

آج مرنے کے ساتھ ہی تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی یعنی جس میں تکلیف جسمانی بھی ہو اور ذلت روحانی بھی .

معارف القرآن ج3ص393

آیت نمبر2:

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لاَ تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ (التوبہ: 101)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے لئے قیامت سے پہلے دو عذابوں کوذکر کیا ہے۔بقولِ مفسرین ان میں ایک عذاب قبر کا ہے۔

مستدلین :

1: عن ابن عباس في هذه الآية قال قام رسول الله صلى الله عليه وسلم خطيبا يوم الجمعة فقال"اخرج يا فلان، فإنك منافق، واخرج يا فلان فإنك منافق فأخرج من المسجد ناسا منهم فضحهم فجاء عمر وهم يخرجون من المسجد فاختبأ منهم حياء أنه لم يشهد الجمعة وظن أن الناس قد انصرفوا، واختبئوا هم من عمرظنوا أنه قد علم بأمرهم فجاء عمر فدخل المسجد فإذا الناس لم يصلوا،فقال له رجل من المسلمين: أبشر يا عمر، قد فضح الله المنافقين اليوم. قال ابن عباس: فهذا العذاب الأول حين أخرجهم من المسجد، والعذاب الثاني عذاب القبر". (تفسير ابن كثير ج3ص435)

2: وقال الحسن البصري: عذاب في الدنيا، وعذاب في القبر. (تفسير ابن كثير ج3ص435)

آیت نمبر3:

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاء. (ابراهيم 27)

تفسیر نبوی :

1: عن البراء بن عازب رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال إذا أقعد المؤمن في قبره أتي ثم شهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله فذلك قوله {يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت} حدثنا محمد بن بشار حدثنا غندر حدثنا شعبة بهذا وزاد {يثبت الله الذين آمنوا} نزلت في عذاب القبر. (صحيح بخارى ج1ص183)

2: عن البراء بن عازب عن النبي صلى الله عليه و سلم قال : { يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة } قال نزلت في عذاب القبر يقال له من ربك فيقول ربي الله وديني دين محمد صلى الله عليه و سلم فذلك قوله { يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة . (سنن نسائى ج1ص290باب عذاب القبر)

تفسیرصحابی:

عن خيثمة عن البراء قال : { يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة } قال نزلت في عذاب القبر. (سنن نسائى ج1ص289باب عذاب القبر)

فائدہ : اکثر سنی مفسرین نے اس آیت کریمہ کو ثواب وعذاب قبر کے متعلق قرار دیا ہے اور اس آیت کے تحت اعادہ روح ،سوال وجواب فی القبر کو ذکر کیا ہے طو الت کے خوف سے ان تمام کو یہاں نقل نہیں کیا جاتا صرف ایک پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں :

’’قبر کا عذاب وثواب قرآن وحدیث سے ثابت ہے ۔حدیث یہ ہے؛ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قبر میں مومن سے سوال کیا جائے گا تو ایسے ہولناک مقام اور سخت حال میں بھی وہ بتائید ربانی اس کلمہ پر قائم رہے گا ،اور "لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ "کی شہادت دے گا اور پھر فرمایا کہ ارشاد قرآنی " يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة "کا یہی مطلب ہے... اسی طرح تقریباًچالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معتبر اسانید کے ساتھ اسی مضمون کی حدیثیں منقول ہیں جن کو امام ابن کثیر نے اس جگہ اپنی تفسیر میں جمع کیا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنے منظوم رسالہ "التثبيت عند التبييت"میں اور "شرح الصدور"میں ستر احادیث کا حوالہ نقل کرکے ان روایات کو متواتر فرما یا ہے ،ان سب حضرات صحابہ کرام نے آیت مذکورہ میں آخرت سے مراد قبر اور اس آیت کو قبر کے عذاب وثواب سے متعلق قرار دیا ہے

۔"(معارف القرآن ج5ص248)

احادیث مبارکہ:

حدیث نمبر1:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيُقْعِدَانِهِ فَيَقُولاَنِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ فَيُقَالُ لَهُ انْظُرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنْ النَّارِ قَدْ أَبْدَلَكَ اللَّهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنْ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا قَالَ قَتَادَةُ وَذُكِرَ لَنَا أَنَّهُ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى حَدِيثِ أَنَسٍ قَالَ وَأَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيُقَالُ لَهُ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُ لاَ أَدْرِي كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ فَيُقَالُ لاَ دَرَيْتَ وَلاَ تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ. (صحیح البخاری: ص220 بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ الْقَبْرِرقم 1374)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے دفن کرنے والے ساتھی واپس لوٹتے ہیں یقینا وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے اس وقت اس کے پاس دو فرشتے آجاتے ہیں اس کو بٹھادیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کہتا ہے مومن کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں پس اسے کہا جاتا ہے کہ تو اپنا آگ کا ٹھکانہ دیکھ لے اللہ تعالی نے تجھے اس کے بدلے جنت عطا فرمائی ہے پس وہ دونوں مقاموں کو دیکھتا ہے باقی منافق اور کافر جب اس سےپوچھا جاتا ہے تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہےوہ کہتا ہے میں نہیں جانتا جس طرح لوگ کہتے تھے میں بھی اسی طرح کہتا تھاتو فرشتے اسے کہتے ہیں نہ تو خود جانتا تھا اور نہ ہی جاننے والوں پر اعتماد کرتا تھا اس کے بعد لوہے کے ہتھوڑے سے اسے ایسا مارا جاتا ہے کہ وہ چیختا ہے اور اس کی چیخ و پکار جن اور انس کے علاوہ ارد گرد کے جانور سنتے ہیں۔

حدیث نمبر2:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ إِنَّ نَبِىَّ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم دَخَلَ نَخْلاً لِبَنِى النَّجَّارِ فَسَمِعَ صَوْتًا فَفَزِعَ فَقَالَ مَنْ أَصْحَابُ هَذِهِ الْقُبُورِ قَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ نَاسٌ مَاتُوا فِى الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ تَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ قَالُوا وَمِمَّ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا وُضِعَ فِى قَبْرِهِ أَتَاهُ مَلَكٌ فَيَقُولُ لَهُ مَا كُنْتَ تَعْبُدُ فَإِنِ اللَّهُ هَدَاهُ قَالَ كُنْتُ أَعْبُدُ اللَّهَ. فَيُقَالُ لَهُ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِى هَذَا الرَّجُلِ فَيَقُول هُوَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ فَمَا يُسْأَلُ عَنْ شَىْءٍ غَيْرِهَا فَيُنْطَلَقُ بِهِ إِلَى بَيْتٍ كَانَ لَهُ فِى النَّارِ فَيُقَالُ لَهُ هَذَا بَيْتُكَ كَانَ لَكَ فِى النَّارِ وَلَكِنَّ اللَّهَ عَصَمَكَ وَرَحِمَكَ فَأَبْدَلَكَ بِهِ بَيْتًا فِى الْجَنَّةِ فَيَقُولُ دَعُونِى حَتَّى أَذْهَبَ فَأُبَشِّرَ أَهْلِى فَيُقَالُ لَهُ اسْكُنْ. وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا وُضِعَ فِى قَبْرِهِ أَتَاهُ مَلَكٌ فَيَنْتَهِرُهُ فَيَقُولُ لَهُ مَا كُنْتَ تَعْبُدُ فَيَقُولُ لاَ أَدْرِى. فَيُقَالُ لَهُ لاَ دَرَيْتَ وَلاَ تَلَيْتَ فَيُقَالُ لَهُ فَمَا كُنْتَ تَقُولُ فِى هَذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُ كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ فَيَضْرِبُهُ بِمِطْرَاقٍ مِنْ حَدِيدٍ بَيْنَ أُذُنَيْهِ فَيَصِيحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا الْخَلْقُ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ. (سنن ابی داود ج 2 ص 305باب فِى الْمَسْأَلَةِ فِى الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی نجار کے باغ میں تشریف لے گئے آپ نے وہاں پر ایک آواز سنی تو آپ گھبراگئے اور دریافت فرمایا یہ کن لوگوں کی قبریں ہیں؟ لوگوں نے بتایا یارسول اللہ کچھ لوگوں کی قبریں ہیں جو دور جاہلیت میں انتقال کرگئے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ سےآگ کے عذاب اور فتنہ دجال سے پناہ مانگو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کس وجہ سے؟ آپ نے ارشاد فرمایا مومن جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس ایک فرشتہ آتا ہے اور کہتا ہے تو (دنیا میں) کس کی عبادت کرتا تھا؟ اللہ تعالیٰ جس کی راہنمائی فرماتے ہیں تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں اللہ تعالی کی عبادت کرتا تھا پھر اس شخص سے کہا جاتا ہے کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں) وہ شخص جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اس کے بعد اس کو ایک گھر کی طرف لے جاتے ہیں جو اس کے لیے دوزخ میں تھا اور اس سے کہتے ہیں تمہارا دوزخ میں یہ گھر تھا لیکن اللہ تعالی نے تمہاری حفاظت فرمائی اور تم پر رحم فرمایا اور اس کے عوض جنت میں گھر عطافرمادیا، وہ شخص یہ سن کر کہتا ہے کہ مجھے دنیا میں واپس جانے دو میں اپنے اہل خانہ کو اس کی خوشخبری سناؤں لیکن اس شخص کو دنیا میں

واپس آنے کی اجازت نہیں دی جاتی اور جب کافر کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے پاس فرشتہ آتا ہے اور ڈانٹ کر اس سے پوچھتا ہے کہ تو کس کی عبادت کرتا تھا؟ وہ کہتا ہے مجھے معلوم نہیں پھر اس سے کہتے ہیں کہ تو نے نہ تو خود علم حاصل کیا اور نہ کسی کی اتباع کی پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اس شخص (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ میں وہی بات کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے پھر وہ فرشتہ اس شخص کو اس کے دونوں کانوں کے درمیان لوہے کے گرز سے مارتا ہے وہ شخص ایسی چیخ مارتا ہے کہ اللہ کی تمام مخلوق اس کو سنتی ہے سوائے جنوں اور انسانوں کے۔

حدیث نمبر3:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ مِنْ كَبِيرٍ ثُمَّ قَالَ بَلَى أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعَى بِالنَّمِيمَةِ وَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ قَالَ ثُمَّ أَخَذَ عُودًا رَطْبًا فَكَسَرَهُ بِاثْنَتَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى قَبْرٍ ثُمَّ قَالَ لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا

صحیح بخاري ص221بَاب عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْ الْغِيبَةِ وَالْبَوْلِرقم1378 ،مسنداحمدج3ص441رقم1980،

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں سے گذر ہوا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ان دو قبر والوں کو عذاب دیا جارہاہے اور عذاب بھی کسی بڑے جرم کی وجہ سے نہیں ہورہا ہے پھر آپ نے فرمایا ان میں سے ایک چغل خوری کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا پھر آپ علیہ السلام نے ایک تر ٹہنی منگوائی اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ان میں سے ہر ایک قبر پر گاڑدی پھر فرمایا کہ امید ہے ان کے خشک ہونے تک ان سے عذاب میں تخفیف کردی جائے گی۔

اجماع اہل السنت والجماعت:

1: بیان استنباط الاحکام الاول فیه أن عذاب القبر حق يجب الإيمان به والتسليم له وعلى ذلك أهل السنة والجماعة---------ثم المعذب عند أهل السنة الجسد بعينه أو بعضه بعد إعادة الروح إلى جسده أو إلى جزئه وخالف في ذلك محمد بن جرير وطائفة فقالوا لا يشترط إعادة الروح وهذا أيضا فاسد

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ج2ص598،597

2: ثم المعذب عند أهل السنة الجسد بعينه أو بعضه بعد اعادة الروح إليه أو إلى جزء منه وخالف فيه محمد بن جرير وعبد الله بن كرام وطائفة فقالوا لايشترط إعادة الروح قال أصحابنا هذا فاسد لأن الألم والاحساس إنما يكون فى الحى

شرح مسلم ج2ص386

3: بَلْ الْعَذَابُ وَالنَّعِيمُ عَلَى النَّفْسِ وَالْبَدَنِ جَمِيعًا بِاتِّفَاقِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ تَنْعَمُ النَّفْسُ وَتُعَذَّبُ مُنْفَرِدَةً عَنْ الْبَدَنِ وَتُعَذَّبُ مُتَّصِلَةً بِالْبَدَنِ وَالْبَدَنُ مُتَّصِلٌ بِهَا فَيَكُونُ النَّعِيمُ وَالْعَذَابُ عَلَيْهِمَا فِي هَذِهِ الْحَالِ مُجْتَمِعَيْنِ كَمَا يَكُونُ لِلرُّوحِ مُنْفَرِدَةً عَنْ الْبَدَنِ.

(فتاوي ابن تیمیہ: ج2ص140)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات

از افادات متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

اعتراض نمبر 1:

فقہ حنفی میں خون اور پیشاب کے ساتھ سورۃ فاتحہ لکھنا جائز ہے۔

رد المحتار میں ہے:

لَوْ رَعَفَ فَكَتَبَ الْفَاتِحَةَ بِالدَّمِ عَلَى جَبْهَتِهِ وَأَنْفِهِ جَازَ لِلِاسْتِشْفَاءِ ، وَبِالْبَوْلِ أَيْضًا

(رد المحتار لابن عابدین: ج1 ص406 مطلب فی التداوی بالمحرم)

ترجمہ: اگر کسی کی نکسیر جاری ہوئی اور اس نے اس خون سے اپنی پیشانی اور ناک پر فاتحہ لکھ لی تو شفاء کے حصول کے لیے یہ جائز ہے، اسی طرح پیشاب کے ساتھ بھی ایسا کرنا جائز ہے۔

جواب:

مذہب حنفیہ میں بغیر طہارت قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں۔

لا یجوز لِمُحْدِثٍ اداءُ الصلاۃِ لفقدِ شرطِ جوازھا و ھو الوضوء---- ولا مسُّ مُصْحَفٍ من غیرِ غلافٍ عندنا.

(بدائع الصنائع: ج1 ص140 مطلب فی مس المصحف، الدر المختار: ج1 ص197 کتاب الطہارۃ)

ترجمہ: بغیر وضوء آدمی کےلیے نماز ادا کرنا جائز نہیں کیونکہ وضوء کی شرط نہیں پائی گئی اور بغیر غلاف کے قرآن کو چھونا جائز نہیں۔

جب حنفیہ اتنی احتیاط کرتے ہیں تو ان کے ہاں خون یا پیشاب سے -معاذ اللہ- قرآن لکھنا کیسے جائز ہو گا؟؟

ضابطہ:

امور محرمہ از قسم اقوال و افعال بحالت اکراہ واجبار اور بوقت مخمصہ واضطرار قابل مواخذہ نہیں رہتے ، حقِ عمل میں حرمت مبدّل بحلت ہوجاتی ہے جب کہ حق اعتقاد میں حرمت بدستور برقرار رہتی ہے۔

اقوال کی مثال:

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلاَّ مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (سورۃ النحل: 106)

ترجمہ: جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرے- وہ نہیں جسے زبردستی (کلمہ کفر کہنے پر) مجبور کر دیا گیا ہو جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، بلکہ وہ شخص جس نے اپنا سینہ کفر کے لیے کھول دیا ہو- تو ایسے لوگوں پر اللہ کی جانب سے غضب نازل ہو گا اور ان کے لیے زبردست عذاب تیار ہے۔

افعال کی مثال:

فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلا عَادٍ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (سورۃ البقرۃ: 173)

ترجمہ: اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو(اور ان چیزوں میں سے کچھ کھا لے) جبکہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ (ضرورت کی) حد سے آگے بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت میں ”اکل حرام“ عملا حلال ہے، دلیل اس کی﴿فَلا إِثْمَ﴾ ہے ، اور اعتقاداً حرام ہے، دلیل اس کی﴿غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ہے کیونکہ مغفرت گناہ کے بعد ہی ہوتی ہے۔

اصل عبارت:

علامہ ابن عابدین شامی نے الدر المختار لعلاء الدین الحصکفی کی جس عبارت کی شرح کی ہے، وہ اصل عبارت یہ ہے:

اُخْتُلِفَ فِي التَّدَاوِي بِالْمُحَرَّمِ وَظَاهِرُ الْمَذْهَبِ الْمَنْعُ

(الدر المختار: ج1 ص405 ص406 کتاب الطہارۃ)

ترجمہ: حرام چیزوں سے علاج کرنے میں اختلاف ہے، حنفیہ کا ظاہر مذہب (یعنی امام صاحب کا

قول)یہ ہے کہ حرام اشیاء سے علاج کرنا منع ہے۔
اس کی شرح میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے ”النہایۃ شرح الہدایۃ لحسام الدین السغناقی“ کے حوالے سے لکھا ہے:
فَفِي النِّهَايَةِ عَنْ الذَّخِيرَةِ يَجُوزُ إنْ عَلِمَ فِيهِ شِفَاءً وَلَمْ يَعْلَمْ دَوَاءً آخَرَ .
(رد المحتار: ج1 ص405مطلب فی التداوی بالمحرم)
ترجمہ:” نہایہ“ میں ”ذخیرہ“ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ (تداوی بالمحرم کی گنجائش اس وقت ہے کہ) اگر حرام میں شفاء کا علم (یعنی یقین) ہو اور اس کے علاوہ اسے کوئی دوا معلوم نہ ہو۔
<u>اعتراض:</u>
دونوں اقوال میں تعارض ہے کہ پہلے قول سے منع ثابت ہو رہا ہے اور دوسرے سے جواز۔
<u>جواب:</u>
قولِ اول (عدمِ جواز)حالتِ اختیار کا ہے جب کہ قولِ ثانی(جواز) حالت اضطرار کا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی خود اس عبارت کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں:
(قَوْلُهُ وَظَاهِرُ الْمَذْهَبِ الْمَنْعُ) مَحْمُولٌ عَلَى الْمَظْنُونِ كَمَا عَلِمْتَهُ۔
(رد المحتار: ج1 ص406 مطلب فی التداوی بالمحرم)
کہ تداوی بالمحرم اس صورت میں منع ہے جب اس میں شفاء مظنون و موہوم ہو (یقینی نہ ہو)
<u>اعتراض:</u>
قول اول یعنی قول امام اعظم رحمہ اللہ اگرچہ قول ثانی کا مخالف نہیں لیکن حدیث کے تو خلاف ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں ہے:
إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ
(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج10 ص5 باب النہی عن التداوی بالمسکر)
ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں شفاء نہیں رکھی جن کو تم پر حرام قرار دیا ہے۔
<u>جواب:</u>
تعارض کےلیے وحدات ثمانیہ کا پایا جانا ضروری ہے۔
در تناقض ہشت وحدت شرط داں وحدتِ موضوع و محمول و مکاں
وحدتِ شرط و اضافت، جزء و کل قوت و فعل است در آخر زماں
ان میں ایک ” وحدت زمان“ بھی ہے جو یہاں نہیں ہے، کیونکہ حدیث حالتِ اختیار کے لیے ہے اور قول امام حالت اضطرار میں ہے۔
<u>مثال:</u> کوئی کہے کہ علاج نہیں کرانا چاہیے اور مراد ہو زمانہ صحت ، دوسر ا کہے علاج کرانا چاہیے اور مراد ہوزمانہ مرض، تو اس میں کیا تعارض ہے !
<u>اعتراض:</u>
حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام دوا میں مطلقاً شفاء نہیں جب کہ مذہبِ امام میں حرام کا بحالت اختیار استعمال کرنا ناجائز مگر بحالت اضطرار استعمال کرنا جائز ہے، تو ایک صورت تو پھر بھی مخالف حدیث ہوگئی۔
<u>جواب:</u>
بحالتِ اضطرار وہ چیز حرام رہتی ہی نہیں بلکہ حلال ہوجاتی ہے۔ اس موقف کے مطابق حکمِ خداوندی﴿فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ پر بھی عمل ہوگیا اور ”إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ“ حدیث پر بھی۔
یہ ہےفقاہتِ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، اور یہی مصداق ہے اس حدیث کا:” مَنْ يُرِدْ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ“
(صحیح البخاری: ج1 ص16 باب من یرد اللہ بہ خیرا)
ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی سمجھ عطا فرماتے ہیں۔

<u>اصل مسئلہ:</u>

وَكَذَا اخْتَارَهُ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ فِي التَّجْنِيسِ فَقَالَ : لَوْ رَعَفَ فَكَتَبَ الْفَاتِحَةَ بِالدَّمِ عَلَى جَبْهَتِهِ وَأَنْفِهِ جَازَ لِلِاسْتِشْفَاءِ ، وَبِالْبَوْلِ أَيْضًا إنْ عَلِمَ فِيهِ شِفَاءً لاَ بَأْسَ بِهِ ، لَكِنْ لَمْ يُنْقَلْ

اصل میں ''إنْ عَلِمَ فِيهِ شِفَاءً'' شرط اور ''لاَ بَأْسَ بِهِ'' جزا ہے اورشرطِ علم جب منتفی ہے تو جزاء ''لاَ بَأْسَ بِهِ'' خود بخود منتفی ہوگئی کیونکہ ضابطہ ہے کہ مقدم اور تالی (یعنی شرط وجزا) میں نسبت تساوی کی ہوتو سلبِ مقدم سلبِ تالی کو مستلزم ہوتا ہے ، جیسے ''اِنْ کانت الشمسُ طالعۃً فالنھارُ موجود لکنّ الشمسُ لیستْ بطالعۃٍ'' لہذا نتیجہ یہ ہو گا: ''فالنھارُلیس بموجودٍ''

اعتراض:

شرط ''إنْ عَلِمَ فِيهِ شِفَاءً''ہے اور نفی اس کی نہیں ، بلکہ نفی ''يُنْقَلْ'' کی ہے اور وہ شرط نہیں۔

جواب:

کتابت بالدم کا ''مو جبِ شفاء ہونا یا نہ ہونا'' نہ عقلاً معلوم ہو سکتا ہے نہ طباً کیونکہ فنِ طب میں ادویات کی تاثیر سے بحث ہوتی ہے نہ کہ عملیات کی تاثیر سے۔ اگر اس کا''مو جبِ شفاء ہونا یا نہ ہونا'' شرعاً ہوگا تو وہ منقول نہیں۔ جب منقول نہیں تو معلوم بھی نہیں۔ اور یہاں علم سے مراد علمِ شرعی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ فقہاء اس کا جائز ہونا نہیں بلکہ حرام ہونا ثابت کررہے ہیں، اب بھی اگر کوئی ان پر اعتراض کرتا ہے تو یہ ایسا ہے جیسے کوئی '' لا تَقْرَبُوا الصَّلَاۃَ '' تو پڑھے مگر '' وَأَنْتُمْ سُكَارٰى'' کو چھوڑ دے، یا ''لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ'' تو پڑھے مگر ''إنْ كَانَ'' کو چھوڑ دے۔

فائدہ:

غیر مقلدین کو یہ اعتراض ویسے بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ان کے مذہب میں تو منی، خون، شرمگاہ کی رطوبت اور شراب پاک ہے۔ علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:

و المنی طاہر و غسلہ و فرک الیابس منہ ازکیٰ و اولیٰ و کذلک الدمُ غیرُ دم الحیض و رطوبۃ الفرج و الخمرُو بولُ الحیوانات غیرَ الخنزیر. (کنز الحقائق من فقہ خیر الخلائق: ص16)

ترجمہ: منی پاک ہے، اسے دھونا اور خشک کو کھرچنا بہتر ہے۔ اسی طرح حیض کے خون کے علاوہ دیگر خون، عورت کی شرمگاہ کی رطوبت، شراب اور خنزیر کے علاوہ دیگر جانوروں کا پیشاب بھی پاک ہے۔

حتیٰ کہ کتے کا پیشاب اور پاخانہ بھی نجس نہیں:

وکذالک فی بول الکلب و خزاءہ و الحق انہ لا دلیل علی النجاسۃ (نزل الابرار: ص50)

ترجمہ: اور بے وضو قرآن چھونا بھی جائز ہے۔

محدث را مس مصحف جائز باشد۔(عرف الجادی از نواب میر نور الحسن خان: ص 15)

ترجمہ: بے وضو آدمی کے لیے قرآن مجید کو چھونا جائز ہے۔

اعتراض نمبر2:

اگر کوئی مسلمانوں کی رعیت میں رہتا ہواور کسی مسلمان عورت سے زنا کر ے یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کو گالی دے تو اس کو قتل نہیں کرنا چاہیے:

أو زَنىٰ بِمُسْلِمَةٍ أو سَبَّ النبي صلى اللّٰهُ عليه وسلم لم يُنْقَضْ عَهْدُهُ

(فتاویٰ عالمگیری: ج1 ص276 کتاب السیر۔ الباب الثامن فی الجزیۃ)

جواب:

غیر مقلدین اس مسئلہ کو خلط کر دیتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ذمی کا معاہدہ اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک وہ خلاف عہد کوئی کام نہ کرے، البتہ اگر منکرات شرعیہ میں سے کسی کا ارتکاب کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی اگر چہ عہد برقرار رہے گا۔

اس طرح یہ دو مسئلے ہیں۔

پہلا مسئلہ: منکرات شرعیہ کے ارتکاب سے حد کا جاری ہونا

رد المحتار میں ہے:

(قَوْلُهُ وَلاَ بِالزِّنَا بِمُسْلِمَةٍ) بَلْ يُقَامُ عَلَيْهِ مُوجِبُهُ ، وَهُوَ الْحَدُّ(ج6 ص331-مطلب فی حکم سب الذمی النبی صلی اللہ علیہ و سلم)

الدر المختار میں ہے:

(وَيُؤَدَّبُ الذِّمِّيُّ وَيُعَاقَبُ عَلَى سَبِّهِ دِينَ الْإِسْلَامِ أَوْ الْقُرْآنَ أَوْ النَّبِيَّ) صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاوِيٌّ وَغَيْرُهُ قَالَ الْعَيْنِيُّ : وَاخْتِيَارِي فِي السَّبِّ أَنْ يُقْتَلَ ا لخ وَتَبِعَهُ ابْنُ الْهُمَامِ .قُلْت : وَبِهِ أَفْتَى شَيْخُنَا الْخَيْرُ الرَّمْلِيُّ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ

(الدر المختارلعلاء الدین الحصکفی: ج6 ص332 الی 333)

ترجمہ: ذمی کو دین اسلام یا قرآن یا نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی شان میں نازیبا کلمات کہنے کی وجہ سے تادیباً سزا دی جائے گی اور خوب پکڑ ہو گی۔حاوی وغیرہ میں اسی طرح ہے۔علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذمی کے گالی دینے کی صورت میں میری رائے یہی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ ابن الہمام کی رائے بھی اسی طرح ہے۔ میں (علامہ الحصکفی) کہتا ہوں کہ یہی فتویٰ ہمارے شیخ خیر الرملی نے دیاہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے ہے۔

اوریہ بھی تب جب صرف اپنے حلقہ میں خفیہ طو ر پر سبّ کرے لیکن اگر علانیہ کرے تو سزا صرف اور صرف قتل ہے۔ چنانچہ رد المحتار میں ہے:

أَيْ إذَا لَمْ يُعْلِنْ ، فَلَوْ أَعْلَنَ بِشَتْمِهِ أَوْ اعْتَادَهُ قُتِلَ ، وَلَوْ امْرَأَةً وَبِهِ يُفْتَى الْيَوْمُ (رد المحتار لابن عابدین: ج6 ص331)

ترجمہ: (تادیب و سزااس وقت ہے) جب وہ علانیہ گالی نہ دے۔ اگر علانیہ گالی دے یا ایسا کرنا اس کی عادت ہو تو اسے قتل ہی کیا جائے گا چاہے وہ عورت ہی کیوں نہ ہو اور آج کے دور میں فتویٰ اسی پر ہے۔

دوسرا مسئلہ: عہد کا نہ ٹوٹنا

کہ ان امور کی وجہ سے عہد نہ ٹوٹے گا۔ ہاں اگر معاہدہ میں یہ شرط لگائی گئی ہو کہ ذمی یہ کام نہ کرے گا اس کے باوجود یہ کام کر ڈالے تو پھر معاہدہ بھی ٹوٹ جائے گا ۔

هَذَا إنْ لَمْ يُشْتَرَطْ انْتِقَاضُهُ بِهِ أَمَّا إذَا شُرِطَ انْتَقَضَ بِهِ كَمَا هُوَ ظَاهِرٌ .(الدر المختارلعلاء الدین الحصکفی: ج6 ص331)

ترجمہ: یہ اس وقت ہے جب عقد میں ان چیزوں کی شرط نہ لگائی ہو اور اگر معاہدہ میں یہ شرط لگائی گئی ہو کہ ذمی یہ کام نہ کرے گا اس کے باوجود یہ کام کر ڈالے تو پھر معاہدہ بھی ٹوٹ جائے گا ۔ جیسا کہ یہ بات بالکل ظاہر ہے۔

اعتراض نمبر3:

امام ابو حنیفہ رحمہ ا للہ کے ہاں مدت رضاعت اڑھائی سال ہے۔ ہدایہ میں ہے:

ثم مدۃ الرضاع ثلثون شھراً عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ. (الہدایہ: ج 2ص369 کتاب الرضاع)

اور یہ قرآن کی اس آیت: ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾(البقرۃ:233)کے خلاف ہے۔

جواب نمبر1:

صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی (م593ھ) نے دو قسم کی عورتوں کا ذکر کیا ہے:

1: خاوند والی 2:مطلقہ

آیت ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾(البقرۃ:233) میں اس مطلقہ کا حکم ہے جو خاوند کی خواہش اور بچہ کی ضرورت کے تحت اجرت پر دودھ پلاتی ہو، اس میں خاوند ، بیوی ، بچہ تینوں کےحقوق کے خیال کیا گیا ہے اور مدت رضاعت دوسال مقرر کردی گئی ہے، ایک تو اسی آیت " حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ " کی وجہ سے اور دوسرے حدیث:"لارضاع بعد الحولین" (سنن سعید بن منصور :ص139 رقم الحدیث987 عن ابن مسعود موقوفاً) کی وجہ۔

تینوں کی رعایت اس طرح ہے کہ بچہ دوسال تک ماں کے دودھ سے ہی صحیح پرورش پاتا ہے اورماں چونکہ طلاق کی وجہ سے بچے کو دودھ پلانے کی شرعاً مکلف نہیں رہی اور باپ کے ذمہ اس کا نان ونفقہ بھی نہیں رہا۔ ماں کی اجرت مقرر کرکے اس کی معیشت اور بچہ کی پرورش کا انتظام ہوگیا اور اگر بچہ دوسال سے قبل بھی ماں کے دودھ کے بغیر پرورش پا سکتا ہو تو دو سال سےقبل دودھ چھڑانے کا باہمی مشاورت و رضامند ی سے اختیار بھی دے دیا گیا اور بچہ کی جسمانی کمزوری یا کسی مرض کی وجہ سے ضرورت

~~ہو تو دوسال کے بعد بھی دودھ پلانے کا اختیار دے دیا گیا ۔ جیسا کہ آیت " فَإِنْ أَرَادَا فِصَالاً" کے~~
لفظ "فا"اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ تفسیر: " إن أرادا أن يفطماه قبل الحولين وبعده. "(تفسیر الطبری: ج2 ص604 تحت هذه الآية) سے ظاہر ہے۔
آیت﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ﴾ (الاحقاف:15) میں خاوند والی عورت کا ذکر ہے کہ وہ اڑھائی سال تک دودھ پلاسکتی ہے ۔

جواب نمبر2:

مدت رضاعت تو دوسال ہے، البتہ مسئلہ نکاح میں احتیاط کی بنا پر اڑھائی سال کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ مدت رضاعت دوسال میں نص صریح نہیں بلکہ اسی آیت میں ہی دو سال سے زائد مدت کے اشارے ملتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ آیت "وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ آلآية" میں لفظ "فَإِنْ أَرَادَا فِصَالاً " بتا رہا ہے کہ مدت رضاعت دوسال کے بعد بھی ہو سکتی ہے کیونکہ اگر دوسال کے بعد رضاعت کی اجازت نہ ہوتی تو دودھ چھڑانا ضروری ہوتا ، باہمی مشاورت اور رضا کی شرط ہی نہ ہوتی۔

اسی طرح آیت " وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلاثُونَ شَهْراً " میں لفظ "حَمْلُهُ" میں دو احتمال ہیں:
نمبر1: ماں کے پیٹ والا حمل
نمبر2 :گود والا حمل

اگر ماں کے پیٹ والا حمل مراد ہو تو معنی ہوگا کہ کل مدتِ حمل اور رضاعت مل کر اڑھائی سال ہے، البتہ مدتِ حمل اور رضاعت کی تقسیم کا ذکر نہیں کہ حمل 9 ماہ ہو تومدتِ رضاعت 21ماہ، حمل 12 ماہ ہوتومدتِ رضاعت 18 ماہ وغیرہ۔ اسی لیے اکثر حضرات کی رائے یہ ہے اقل مدت حمل 6 ماہ اور اکثر مدت رضاعت 24 ماہ ہے۔

اور اگر حمل سے مراد گود والا لیں تو مطلب ہوگا کہ ماں کے گود میں رکھنے اور دودھ چھڑانے کی مدت اڑھائی سال ہے، تو معنی یہ ہوگا کہ حمل اور رضاعت ہر دو کی مدت اڑھائی سال ہے اور حمل سے مراد گود میں رکھنا قرآن کریم میں دوسرے مقام پر بھی استعمال ہوا ہے، جیسے "فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ " (مریم :27) اب یہ آیت بھی مدت رضاعت کے دو سال ہونے میں نص صریح نہیں ہو گی۔

یہ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کاہے اور بظاہر یہ زیادہ قوی ہے کیونکہ اس آیت میں ماں کی تین مشکلات کا ذکر ہے ۔ [۱]پیٹ والا حمل [۲] جننا[۳]گود میں اٹھانا۔ کما فی قولہ تعالیٰ:﴿حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾

اگر﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ﴾ میں بھی گود والا حمل لینے کی بجائے پیٹ والا حمل مراد لیا جائے تو بظاہر یہ تکرار ہو گا اور مشکلات دو بنیں گی نہ کہ تین۔لہذا اما م صاحب کا مسلک یہ ہے مدت رضاعت دوسال ہے حرمت نکاح بالرضاعۃ میں احتیاطً اڑھائی سال کی مدت کا خیال رکھا جائے ۔

جواب نمبر3:

اما م صاحب کے دونوں قول ہیں دو سال اور اڑھائی سال، مگر فتویٰ دوسال پر ہے۔
[۱]: امام علاء الدين الحصكفی [م1083ھ] میں ہے:
(حَوْلَانِ وَنِصْفٌ عِنْدَهُ وَحَوْلَانِ) فَقَطْ (عِنْدَهُمَا وَهُوَ الْأَصَحُّ) فَتْحٌ وَبِهِ يُفْتَى كَمَا فِي تَصْحِيحِ الْقُدُورِيِّ

(الدر المختار مع رد المختار: ج4 ص387 باب الرضاع)

ترجمہ: مدت رضاعت امام صاحب کے نزدیک اڑھائی سال اور صاحبین کے نزدیک صرف دو سال ہے اور یہی دو سال والا قول زیادہ صحیح ہے، یہ بات فتح القدیر میں ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ علامہ قاسم بن قطلوبغا کی کتاب "تصحیح القدوری" میں ہے۔
[۲]: الشيخ عبد الغنی الغُنَيمی الميدانی الحنفی [م1298ھ] لکھتے ہیں:
(و قالا سنتان) لان ادنی مدۃ الحمل ستۃ اشہر فبقی للفصال حولان قال فی الفتح: وهو الاصح، و فی التصحيح عن العيون و بقولہما ناخذ للفتویٰ (اللباب فی شرح الکتاب: ج3 ص31 کتاب الرضاع)
ترجم: صاحبین فرماتے ہیں کہ مدت رضاعت صرف دو سال ہے کیونکہ حمل کی کم سے کم مدت دو سال ہے اور مدت رضاعت کے لیے باقی دو سال بچتے ہیں۔ فتح القدیر میں ہے کہ یہی دو سال والا

قول زیادہ صحیح ہے۔ ”تصحیح القدوری للعلامہ قطلوبغا“ میں ”عیون المسائل لابی اللیث السمرقندی“ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے۔

[۳]: مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں:

مدت رضاعت کی دو سال ہے علی الاصح المفتی بہ یعنی اسی پر فتویٰ ہے۔ (تذکرۃ الرشید: ج1ص185)

تو غیر مفتیٰ بہ قول پر فتوی دینا جائز نہیں تو اس کو بنیاد بنا کر تنقید کرنا کیسے جائز ہوگا؟!

جواب نمبر 4:

غیر مقلدین کو یہ اعتراض زیب نہیں دیتا کیونکہ ان کے اکابر کے ہاں تو 60 سال کے بابا جی بھی عورت کا دودھ پی سکتے ہیں۔

”ویجوز ا رضا ع الکبیر ولوکان ذالحیۃ لتجویز النظر “

(کنز الحقائق از علامہ وحید الزمان: ص 67 ، نزل الابرار از علامہ وحید الزمان: ص77)

ترجمہ: نظر کے جائز کے ہونے کے لیے بڑے آدمی کو دودھ پلانا جائز ہے۔

ارضاع کبیر بنا ء بر تجویز نظر جائز است (عرف الجادی از نواب میر نور الحسن خان: ص130)

ترجمہ: نظر کے جائز کے ہونے کے لیے بڑے آدمی کو دودھ پلانا جائز ہے۔

اعتراض نمبر4:

امام صاحب زانیہ اور زانی کے لیے حد کے قائل نہیں اور زنا کا دروازہ کھول رہے ہیں۔ کیونکہ فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

ولو استاجر امراۃ لیزنی بہا فزنی بہا لایحد فی قول ابی حنیفۃ

(فتاویٰ قاضی خان: ج4 ص407 کتاب الحدود)

ترجمہ: اور اگر کسی عورت کو زنا کرنے کے لیے اجرت پر رکھا ، پھر اس سے زنا بھی کیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اس پر حد نہیں۔

درمختار میں ہے:

(وَلاَ) حَدَّ (بالزِّنَا بِالْمُسْتَأْجَرَةِ لَهُ) أَيْ لِلزِّنَا. وَالْحَقُّ وُجُوبُ الْحَدِّ كَالْمُسْتَأْجَرَةِ لِلْخِدْمَةِ

(الدر المختار للحصکفی: ج6 ص46 کتاب الحدود- باب الوطی الذی یوجب الحد و الذی لا یوجبہ)

ترجمہ: جس عورت کو اجرت پر رکھا اس کے ساتھ زنا کرنے پر حد نہیں ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ اس پر حد واجب ہے جیسا کہ خدمت کے لیے اجرت پر رکھی گئی عورت کے ساتھ زنا کرنے پر حد ہے۔

جواب:

قرآن کریم میں ہے: ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ (النساء:24)

ترجمہ: جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے لطف اٹھایا ہو ان کو ان کا وہ مہر ادا کرو جو مقرر کیا گیا ہو۔

اس میں چونکہ اجرت ہے اور اجرت سے حق مہر کا شبہ ہوگیا اور شبہات سے حدود ساقط ہوجاتی ہیں۔ مشہور ضابطہ ہے:

اَلْحُدُودُ تَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ. (الجوہرۃ النیرۃ: ج2 ص 313کتاب الدعویٰ، اللباب فی شرح الکتاب للمیدانی: ج1 ص365 کتاب الدعویٰ)

ترجمہ: شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔

<u>اعتراض:</u> اجرت سے حق مہر کا شبہ ہو گیا مگر نکاح کیسے ثابت ہو گا؟

<u>جواب:</u> امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں نکاح کے لیے گواہ شرط نہیں۔ علامہ محمد بن عبد الرحمن العثمانی الشافعی لکھتے ہیں:

ولا یصح النکاح الا بشہادۃ عند الثلاثۃ، و قال مالک یصح من غیر شہادۃ

(رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ: ص205 کتاب النکاح)

ترجمہ: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک گواہوں کے بغیر نکاح صحیح نہیں اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گواہوں کے بغیر نکاح صحیح ہے۔

<u>شبہ سے حد کا ساقط ہونا</u> ایسا ہی ہے جیسا کہ مشکوۃ شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

~~نے نکاح بلا ولی کو تین بار باطل قرار دیا۔ الفاظ حدیث یہ ہیں:~~

وعن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها. (مشکوۃ المصابیح: ج 2 ص292 کتاب النکاح باب الولی فی النکاح و استیذان المراۃ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: جس عورت نے بھی اپنے ولی کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔ اگر خاوند نے ہمبستری کر لی تو اس عورت کو مہر ملے گا کیونکہ اس شوہر نے اس عورت سے نفع اٹھایا ہے۔

یہاں آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے اس پر مہر بھی مقرر فرمایا اور حدبھی جاری نہیں کی۔

اسی طرح موطا امام مالک میں ہے:

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ خَوْلَةَ بِنْتَ حَكِيمٍ دَخَلَتْ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَتْ إِنَّ رَبِيعَةَ بْنَ أُمَيَّةَ اسْتَمْتَعَ بِامْرَأَةٍ فَحَمَلَتْ مِنْهُ فَخَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَزِعًا يَجُرُّ رِدَاءَهُ فَقَالَ هَذِهِ الْمُتْعَةُ وَلَوْ كُنْتُ تَقَدَّمْتُ فِيهَا لَرَجَمْتُ. (موطا مالک: ص507 باب نکاح المتعۃ)

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ حضرت خولہ بنت حکیم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے عرض کیا کہ ربیعہ بن امیہ نےایک عورت سے متعہ کیا ہے جس سے وہ حاملہ ہوگئی ہے۔ حضرت عمر اپنی چادر کو گھسیٹتے ہوئے ربیعہ کے پاس گئے اور اسے فرمایا کہ اگر میں یہ متعہ کے حرام ہونے کا مسئلہ پہلے بیان کر چکا ہوتا تو تجھے سنگسار کردیتا۔

اس واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ کرنے والے شخص پر حد جاری نہیں کی کہ اس کو علم نہیں تھا حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک متعہ حرام اور قابل سنگسار ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام شافعی رحمہ اللہ ہر وہ توجیہ جو کسی سنی مستند عالم نے کی ہو اور اس توجیہ کی وجہ سے وطی کو حلال کہا ہو تو اس وطی پر حد کے قائل نہیں اگرچہ وطی کرنے والا اس کو حرام جانتا ہو مثلاً ولی کےبغیر نکاح جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب میں جائز ہے اور گوہوں کے بغیرنکاح جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کی نسبت معروف ہے۔ (المسویٰ شرح الموطا: ج2 ص144)

لہذا اس مسئلہ میں حد کا ساقط ہونا احناف کا محض دعویٰ نہیں بلکہ یہ موقف قرآن، سنت اور آثار صحابہ کے مذکورہ دلائل سے ثابت ہے۔ لہذا فقہ حنفی پر اعتراضات دراصل قرآن و سنت کے ان واضح دلائل سے بے خبری کی دلیل ہے۔

جواب نمبر2:

حد زنا کے نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس پر تعزیر بھی نہیں ہے۔ مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

من أتى بهيمة فلا حد عليه. (جامع الترمذی: باب فیمن یقع علی بہیمۃ)

ترجمہ: جو آدمی کسی جانور سے بدفعلی کرے اس پر حد نہیں۔

کیا غیر مقلدین اس سے یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ ایسے آدمی پر کوئی سزا نہیں؟! حالانکہ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس پر کوئی سزا نہیں بلکہ اس شخص پر تعزیر ہے اور تعزیر کبھی حد سے بھی سخت ہوتی ہے۔

جواب نمبر3:

احناف کا راجح موقف اور مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ اس شخص کو حد زنا لگے گی۔ در مختار میں ہے:

وَالْحَقُّ وُجُوبُ الْحَدِّ كَالْمُسْتَأْجَرَةِ لِلْخِدْمَةِ. (الدر المختار للحصکفی: ج6 ص46 کتاب الحدود- باب الوطی الذی یوجب الحد و الذی لا یوجبہ)

ترجمہ: صحیح بات یہ ہے کہ اس آدمی پر حق واجب ہے جیسا کہ خدمت کے لیے اجرت پر رکھی گئی عورت کے ساتھ زنا کرنے پر حد ہے۔

اعتراض نمبر 5:

امام صاحب کے ہاں زانیہ کی اجرت حلال ہے۔ رد المحتار میں ہے:

مَا أَخَذَتْهُ الزَّانِيَةُ إنْ كَانَ بِعَقْدِ الْإِجَارَةِ فَحَلَالٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ. (رد المحتار لابن عابدین: ج 9 ص76 باب الاجارۃ الفاسدۃ)

جواب:

اجارہ کی تین قسمیں ہیں: 1:اجارہ صحیحہ 2: اجارہ فاسدۃ 3: اجارہ باطلۃ

اجارہ صحیحہ: اصل کام جس کے عوض اجرت ہے جائز ہو اور کوئی وجہ ناجائز مثل شرط وغیرہ بھی ساتھ نہ لگی ہو۔

اجارہ فاسدہ: اصل کام جائز ہو مگر کسی شرط کی وجہ سے معاملہ ناجائز ہو، وہ شرط فی نفسہ امرمباح ہو یا حرام۔ مثلاً مکان کی حفاظت پر نوکر رکھا ساتھ شرط لگا دی کہ کبھی کبھی کھانا بھی پکائے گا یا ہمارے تاش بھی کھیلے گا ۔ اس اجارہ حکم یہ ہے کہ یہ معاملہ ختم کردیں اور اگر کسی نے ختم نہ کیا تو یہاں اجر معین نہیں بلکہ اجر ِمثل ملے گی۔

اجارہ باطلہ: اصل کام ہی ناجائز ہو ۔ حکم یہ ہے کہ اس کی اجرت دینا جائز نہ لینا جائز۔

اصل مسئلہ: کسی شخص نے اجرت پر عورت کو کام کاج کے لیے رکھا اور معاملہ مکمل ہوجانے کے بعد زنا کی شرط بھی رکھ دی۔ اب تین باتیں قابل غور ہیں:

1:اصل معاملہ صحیحہ ہے، فاسدہ ہے یاباطلہ؟

2:اگر شرط پر عمل نہ کیا تو اجرت دوسرے کام کی دی جائے گی یا نہیں؟

3:اگر شرط پر عمل کرلیا تو اصل کام کی اجرت دیں گےیا نہ؟

ان تینوں کا حکم:

1: یہ معاملہ اجارہ فاسدہ ہے جو کہ ختم کرادینا چاہیے۔

2: اجارہ چونکہ فاسدہ ہے، لہذا عورت کو اجرت معین نہیں بلکہ اجر المثل دی جائے گی۔

3: اصل کام کی اجرت اجر المثل دینی چاہیے اور زنا کی وجہ سے حد زنا جاری ہونی چاہیے۔

تو اس میں دو مسئلے ہیں: 1:اجرت 2:حد

اجرت کا مسئلہ ”باب الاجارۃ“ اور حد کا مسئلہ ”باب حد الزنا“میں ہے، غیرمقلدین خلط ملط کرتے ہیں۔ امام صاحب کی کمال تفقہ ہے کہ دودھ اور پانی جدا کردیا۔

مثال: کوئی شخص مسجد میں نماز پڑھنے جائے اور واپسی پر چوری بھی کر لے، تو نماز کا ثواب ملے گااور چوری پر حد السرقہ لگے گی۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے ”غرر الافکار للشیخ محمد البخاری“ کے واسطہ سے نقل کیا ہے:

وَفِي غُرَرِ الْأَفْكَارِ عَنْ الْمُحِيطِ : مَا أَخَذَتْهُ الزَّانِيَةُ إنْ كَانَ بِعَقْدِ الْإِجَارَةِ فَحَلَالٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ؛ لِأَنَّ أَجْرَ الْمِثْلِ فِي الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ طَيِّبٌ وَإِنْ كَانَ الْكَسْبُ حَرَامًا وَحَرَامٌ عِنْدَهُمَا. (رد المحتار لابن عابدین: ج 9 ص76 باب الاجارۃ الفاسدۃ)

غیرمقلدین کی عبارت سمجھنے میں غلطیاں:

1: ”إنْ كَانَ“میں موجودضمیر ”هُوَ“ کو ”مَا“ کی طرف راجع کر دیا۔

2: ”بعقد الاجارۃ“ کی” با“ کو سببیہ سمجھا۔

3: ”الاجارۃ“ کو اجارہ زنا سمجھا۔

حالانکہ یہ تینوں باتیں غلط ہیں، صحیح یہ ہے کہ:

1: ”إنْ كَانَ“میں موجودضمیر ”هُوَ“ راجع ہے ”الزنا“ کی طرف جو لفظِ”الزانیۃ“ سے مفہوم ہو رہا ہے جیسے ﴿اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی﴾ میں ہے۔

2: ”بعقد الاجارۃ“ کی” با“ بمعنی سبب نہیں بلکہ بمعنی تلبس ہے؛”ای متلبسا بعقد الاجارۃ“ اور اس میں”متلبسا“ موصوف اور ”شرطا“ صفت ہے۔

3: ”الاجارۃ“ سے مراداجارہ زنا نہیں بلکہ اجارہ صحیحہ مراد ہے۔

اب عبارت یوں ہو گی :

ان ما اخذتہ ای اجرَ المثل الذی اخذتہ الزانیۃُ ان کان ای الزنا شرطاً متلبسًا بعقد الاجارۃ ای الصحیحۃ فہو ای ما اخذتہ حلال عند ابی حنیفۃ لان اجر المثل فی الاجارۃ الفاسدۃ طیب وان کان السبب

حراماً و حرام عندہما

اور اگر عقد اجارہ کے بغیر زنا کی اجرت ہو تو بالاتفاق حرام ہے، چنانچہ اسی عبارت کے آگے درج ہے:

وَإِنْ كَانَ بِغَيْرِ عَقْدٍ فَحَرَامٌ اتِّفَاقًا ؛ لِأَنَّهَا أَخَذَتْهُ بِغَيْرِ حَقٍّ ا ھ

(رد المحتار لابن عابدین: ج 9 ص76 باب الاجازۃ الفاسدۃ)

ترجمہ: اگر عقد اجارہ کے بغیر زنا کیا تو اجرت بالکل حرام ہے کیونکہ اس نے یہ اجرت بغیر حق کے وصول کی ہے۔

فائدہ: صاحبین اجرت کو حرام کہتے ہیں کیونکہ وہ زنا کو داخلِ معاملہ خیال کرتے ہیں ،حالانکہ صورت مذکورہ میں زنا داخلِ معاملہ نہیں بلکہ شرط زائد خارج عقد ہے ۔تو گویا یہ نزاع بھی لفظی ہوا کیونکہ اگر داخل ِعقد مانیں تو امام صاحب کے ہاں بھی اجرت حرام اور اجارہ باطلہ ہے اور خارج عقد مانیں تو صاحبین کے ہاں بھی اجارہ فاسد اور اجر المثل حلال ہے۔

ملحوظہ: فقہاء احناف کے ہاں جب گانے، نوحہ، لہو ولعب کی اجرت جائز نہیں تو زنا کی اجرت کیسے جائز ہوسکتی ہے؟! ہدایہ میں ہے:

ولا يجوز الاستئجار على الغناء والنوح وكذا سائر الملاهي لأنه استئجار على المعصية والمعصية لا تستحق بالعقد

(الہدایۃ: ج3 ص306 باب الاجارۃ الفاسدۃ)

ترجمہ: گانا گانے، نوحہ کرنے اور اسی طرح دیگر گانے کے آلات کو اجارہ پر لینا جائز نہیں کیونکہ یہ گناہوں کے کاموں پر اجارہ ہے جو کہ عقد کا مستحق نہیں ہے۔

اعتراض نمبر6:

حنفیوں کے ہاں امامت کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ امام اس کو بنایا جائے جس کی بیوی خوبصورت ہو۔ الدر المختار میں ہے:

قَوْلُهُ ثُمَّ الْأَحْسَنُ زَوْجَةً

(الدر المختار: ج2 ص352 باب الامامۃ)

تو کیا امام کی بیوی کو دیکھیں گے؟

جواب:

1: امام کا پاکدامن اور عفیف ہونا ہر کسی کے ہاں پسندیدہ امر ہے اور نکاح کا مقصد بھی پاکدامنی اور عفت ہے ۔ حدیث میں ہے:

فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ. (صحیح مسلم: کتاب النکاح باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ الیہ)

ترجمہ: کیونکہ نکاح آنکھ کی بدنظری سے حفاظت اور بدکاری سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

اور بیوی کا خوبصورت ہونا بیوی کی طرف میلان کا سبب ہے اور بیوی کی طرف یہی میلان پاکدامنی کا سبب ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں :

لِأَنَّهُ غَالِبًا يَكُونُ أَحَبَّ لَهَا وَأَعَفَّ لِعَدَمِ تَعَلُّقِهِ بِغَيْرِهَا.

(رد المحتار)

ترجمہ: کیونکہ بیوی کے خوبصورت ہونے کی صورت میں شوہر اس سے زیادہ محبت کرے گا اور اس کے علاوہ عورتوں سے عدمِ تعلق کی وجہ سے زیادہ عفیف اور پاکیزہ ہو گا۔

2: امام کے لیے حدیث میں ہے:

إِنْ سَرَّكُمْ أَنْ تُقْبَلَ صَلاتُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ خِيَارُكُمْ ، فَإِنَّهُمْ وُفُودُكُمْ فِيمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ

(الآحاد و المثانی لاحمد بن عمرو الشیبانی: ج1 ص250 من ذکر مرثد بن ابی مرثد)

ترجمہ: اگر یہ چاہو کہ تمہاری نمازیں قبول ہوں تو تم میں سے بہترین لوگ نماز پڑھائیں، کیونکہ یہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان نمائندے ہیں۔

"خیار الناس" کے بارے میں دوسری حدیث میں ہے:

خيارکم خيارکم لنسائهم

(جامع الترمذی: ج1 ص219 ابواب الرضاع، باب حق المراۃ علی زوجہا، المعجم الکبیر للطبرانی: ج9 ص327 رقم الحدیث18297،مشکوٰۃ المصابیح:باب عشرۃ النساء)

ترجمہ: تم میں سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔

اور یہ بات مجرب ہے کہ جس کی بیوی خوبصورت ہو وہ بیوی کے حق میں خیار یعنی

بہترین ثابت ہوتا ہے کیونکہ حدیث مبارک میں ہے:

ما استفاد المؤمن بعد تقوى الله خيرا له من زوجة صالحة إن أمرها أطاعته وإن نظر إليها سرته وإن أقسم عليها أبرّته وإن غاب عنها نصحته في نفسها وماله

(مشکوٰۃ المصابیح: ص268 کتاب النکاح- الفصل الثالث)

ترجمہ: مومن اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد جو سب سے بہتر چیز اپنے لیے منتخب کرتا ہے وہ نیک بخت خوبصورت بیوی ہے، ایسی بیوی کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر شوہر اس کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ اس کی تعمیل کرتی ہے، جب وہ اس کی طرف دیکھتا ہے تو اپنے حسن اور پاکیزگی اور اپنی خوش سلیقگی و پاک سیرتی سے اس کا دل خوش کرتی ہے، جب وہ اس کو قسم دیتا ہے تو اس قسم کو پورا کرتی ہے، اور جب اس کا خاوند موجود نہیں ہوتا تو وہ اپنے نفس کے بارے میں یہ خیر خواہی کرتی ہے کہ اس کو ضائع و خراب ہونے سے بچاتی ہے اور اس میں کوئی خیانت نہیں کرتی۔

اس حدیث میں لفظ "وإن نظر إليها سرته" کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃاللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

وإن نظر إليها سرته أي جعلته مسرورا بحسن صورتها وسيرتها ولطف معاشرته ومباشرته

(ج6 ص249 کتاب النکاح- الفصل الثالث رقم الحدیث 3095)

ترجمہ: حدیث کے الفاظ"اگر خاوند بیوی کے طرف دیکھے تو بیوی اس کو خوش کر دے" کا مطلب یہ ہے کہ بیوی خاوند کو اپنی حسنِ صورت، حسنِ سیرت، اچھے برتاؤ اور اچھے تعلقات سے خوش کر دے۔

معلوم ہوا کہ بیوی کا حسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسن صورت والی ہونا خاوند کے زیادہ میلان کا سبب ہے اور اس سے خاوند کا "خیارالناس" ہونا ثابت ہوتا ہے اور حدیث میں امام کے لیے "خیار" کا لفظ آیا ہے۔

3: یہ شرط نفسِ امامت کے لیے نہیں ہے بلکہ احقیت امامت کے لیے ہے اورا حقیت امامت کے لیے حدیث میں بعض اوصاف کا ذکر موجود ہے۔ مثلاًحضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:

فَإِذَا حَضَرَتْ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ

(صحیح البخاری: باب من قال لیؤذن فی السفر مؤذن واحد)

ترجمہ: جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک آدمی اذان دے اور تم میں سے بڑا آدمی امامت کرائے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:

لیؤمکم اقراکم لکتاب اللہ فان کانت القراءۃ واحدۃ فلیؤمکم اعلمکم بالسنۃ فان کانت السنۃ واحدۃ فلیؤمکم اقدمکم سنا

(معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم: ج2149)

ترجمہ: تمھیں نماز وہ آدمی پڑھائے جو قرآن مجید کا قاری ہو، اگر قراءت میں سب برابر ہوں تو وہ پڑھائے جو سنت کا زیادہ عالم ہو، اگر اس میں بھی برابر ہوں تو وہ پڑھائے جو عمر میں بڑا ہو۔

بقیہ اوصاف ان پر قیاس سے ثابت ہیں اور قیاس مستقل دلیل شرعی ہے۔

رہا یہ اشکال کہ اس کا کیسے پتہ چلے گا؟ تو اس بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَهَذَا مِمَّا يُعْلَمُ بَيْنَ الْأَصْحَابِ أَوْ الْأَرْحَامِ أَوْ الْجِيرَانِ ، إذْ لَيْسَ الْمُرَادُ أَنْ يَذْكُرَ كُلٌّ مِنْهُمْ أَوْصَافَ زَوْجَتِهِ حَتَّى يُعْلَمَ مَنْ هُوَ أَحْسَنُ زَوْجَةً

(رد المحتار)

ترجمہ: یہ ایسی بات ہے جو دوستوں، رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے معلوم ہوجاتی ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان لوگوں میں سے ہر آدمی اپنی بیوی کے اوصاف ذکر کرتا پھرے تاکہ پتہ چلے کہ کس کی بیوی خوبصورت ہے؟!

یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ بضرورت نکاح بذریعہ خواتین پتہ چلا یا جاتا ہے کہ خاتون جس سے نکاح مقصود ہے، وہ کیسی ہے؟

اعتراض نمبر7:

امام اسے بنایا جائے جس کا سر بڑا اور آلہ تناسل چھوٹا ہو۔ در مختار میں ہے:
(ثُمَّ الْأَكْبَرُ) رَأْسًا وَالْأَصْغَرُ عُضْوًا. (الدر المختار مع رد المحتار: ج2ص352 باب الامامۃ)
اور عضو سے مراد "آلہ تناسل" ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ "عضو" واحد ہے اور تمام جسم میں واحد عضو صرف آلہ تناسل ہی ہے ۔
(المبنی للفاعل از عبد العزیز نورستانی: ص19)

جواب نمبر 1 :

مراد اس سے یہ ہے کہ امام معتدل مزاج اور معتدل جسم والا ہو، جس کی صورت یہ ہے کہ سر دوسرے اعضاء سے نسبتاً بڑا ہو کیونکہ سر کا چھوٹا ہونا بنسبت دوسرے اعضاء کے ،کم عقل ہونے کی علامت ہوتی ہے اور عضو سے مراد آلہ تناسل لینا شامی پر جھوٹ ہے، کیونکہ علامہ شامی خود فرماتے ہیں:
وَفِي حَاشِيَةِ أَبِي السُّعُودِ ؛ وَقَدْ نُقِلَ عَنْ بَعْضِهِمْ فِي هَذَا الْمَقَامِ مَا لَا يَلِيقُ أَنْ يُذْكَرَ فَضْلًا عَنْ أَنْ يُكْتَبَ ا هـ وَكَأَنَّهُ يُشِيرُ إلَى مَا قِيلَ إنَّ الْمُرَادَ بِالْعُضْوِ الذَّكَرُ
(رد المختار: ج2ص352 باب الامامۃ)
ترجمہ: ابو السعود کے "حاشیہ علی الاشباہ و النطائز لابن نجیم"میں ہے: اس مقام پر بعض لوگوں سے ایسی بات نقل کی گئی ہے جس کا تذکرہ کرنا بھی مناسب نہیں چہ جائیکہ اس کو یہاں لکھا جائے۔ ابن عابدین فرماتے ہیں: گویا ابو السعود اس قول کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو کسی کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اس عضو سے مراد ذکر ہے۔
منحۃ الخالق علی حاشیۃ "کنز الدقائق للنسفی" لابن عابدین میں بھی اس جیسے الفاظ کے ساتھ اس کی تردید موجود ہے۔ فرماتے ہیں:
و قد قیل فی تفسیرہ بما لا ینبغی ان یذکر
(ج1ص610 کتاب الصلاۃ باب الامامۃ)
ترجمہ: اس کی تفسیر میں وہ کچھ کہا گیا ہے جس کا ذکر بھی مناسب نہیں۔
عبد العزیز نورستانی نے جو دلیل دی ہے کہ چونکہ "عضوا"واحد ہے اور جسم میں واحد عضو ذکر ہی ہوتا ہے اس لیے یہاں وہی مراد ہےبالکل جھوٹ ہے، کیونکہ ناک بھی تو جسم میں واحد عضو ہے، زبان بھی واحد عضو ہے۔
باقی رہی یہ بات کہ باقی اعضاء توجسم میں دو دو ہیں تو پھر واحد کا لفظ کیوں لائے؟ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ بسا اوقات بطور جنس کے ایک سے زائد اعضاء پر بھی لفظ واحد بولا جاتا ہے، جیسے:
المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ[صحیح البخاری: رقم الحدیث 9]
ترجمہ: کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔
من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ [صحیح مسلم: رقم الحدیث 49]
ترجمہ: تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روک دے۔
جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ، [المعجم الکبیر للطبرانی: رقم الحدیث1012]
ترجمہ: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

جواب نمبر2:

اگر "عضواً"سے مراد آلہ تناسل ہو تو بھی مجازی اور محاوراتی معنی مراد ہوگا یعنی "پاک دامن ہو، عورتوں کے پیچھے پھرنے والا نہ ہو بلکہ خود پر کنٹرول کرنے والا ہو" جیسا کہ سخی کو "اطول یدا" کہتے ہیں‌حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا:
اَسْرَعُكُنَّ بِیْ لِحَاقاً اَطْوَلُكُنَّ يَدًا.
(صحیح مسلم: ج 2ص291 باب فضائل زینب ام المومنین رضی اللہ عنہا)
ترجمہ: میری وفات کے بعدتم میں سے سب سے پہلے اس بیوی کی وفات ہو گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔
اس سے مراد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں کیونکہ وہ سخاوت میں ممتاز تھیں ۔

اعتراض نمبر8:

حنفیہ کے ہاں استمناء بالید جائز ہے بلکہ زنا کا خوف ہو تو واجب ہے۔

إِنْ أَرَادَ تَسْكِينَ الشَّهْوَةِ يُرْجَى أَنْ لاَ يَكُونَ عليه وَبَالٌ. (البحر الرائق لابن نجيم: ج2 ص475 باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد)

ترجمہ: اگر شہوت کو ختم کرنے کا ارادہ ہو تو امید ہے کہ اس پر کوئی وبال (گناہ) نہ ہو۔

وَلَوْ خَافَ الزِّنَى يُرْجَى أَنْ لاَ وَبَالَ عَلَيْهِ .(الدر المختار مع رد المحتار: ج3 ص426 باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد)

ترجمہ: اگر زنا کا خوف ہو تو امید ہے کہ اس پر کوئی وبال (گناہ) نہ ہو۔

جواب نمبر1:

حنفیہ کا مذہب ہے: الِاسْتِمْنَاءُ حَرَامٌ ، وَفِيهِ التَّعْزِيرُ . (الدر المختار: ج6 ص44 كتاب الحدود، فرع: الاستمناء)

ترجمہ: مشت زنی حرام ہے اور اس میں تعزیر ہے۔

دلیل یہ ہے: ناکح الید ملعون

(کشف الخفاء للعجلونی: ج2 ص325)

ترجمہ: ہاتھ سے نکاح کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے۔

ہاں البتہ اگر غلبہ شہوت ہو اور زنا کا خطرہ ہو تو بھی واجب یا مستحب نہیں بلکہ صرف امید معافی کی بات ہے۔ اصل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

إنْ أَرَادَ بِذَلِكَ تَسْكِينَ الشَّهْوَةِ الْمُفْرِطَةِ الشَّاغِلَةِ لِلْقَلْبِ وَكَانَ عَزَبًا لاَ زَوْجَةَ لَهُ وَلاَ أَمَةَ أَوْ كَانَ إلاَّ أَنَّهُ لاَ يَقْدِرُ عَلَى الْوُصُولِ إلَيْهَا لِعُذْرٍ قَالَ أَبُو اللَّيْثِ أَرْجُو أَنْ لاَ وَبَالَ عَلَيْهِ

(رد المحتار: ج3 ص426 باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد)

ترجمہ: اگر شہوت کو ختم کرنے کا ارادہ ہو جو حد سے زیادہ ہو اور دل کو گناہ کی طرف میلان کرنے والی ہو اور وہ آدمی غیر شادی شدہ ہو کہ نہ اس کی بیوی ہو نہ کوئی باندی یا ہو تو شادی شدہ لیکن ان تک پہنچنے میں کوئی عذر ہو۔ فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ اس پر کوئی وبال (گناہ) نہ ہو گا۔

اوراگر محض لذت کے لیے ہوتو سراسر حرام لکھا ہے:

وَأَمَّا إذَا فَعَلَهُ لِاسْتِجْلاَبِ الشَّهْوَةِ فَهُوَ آثِمٌ

(رد المحتار: ج3 ص426 باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد)

ترجمہ: اگر شہوت لانے کےلیے مشت زنی کرتا ہے تو یہ گناہ گار ہو گا۔

بلکہ علامہ علاء الدین الحصکفی نے تو بیوی اور باندی سے بھی استمناء کو مکروہ لکھا ہے:

اَلِاسْتِمْنَاءُ حَرَامٌ ، وَفِيهِ التَّعْزِيرُ وَلَوْ مَكَّنَ امْرَأَتَهُ أَوْ أَمَتَهُ مِنْ الْعَبَثِ بِذَكَرِهِ فَأَنْزَلَ كُرِهَ.

(الدر المختار: ج6 ص44 كتاب الحدود، فرع: الاستمناء)

ترجمہ: مشت زنی حرام ہے اور اس میں تعزیر ہے، اور اگر بیوی یا باندی کو ذکر سے کھیلنے دیا اور انزال ہو گیا تو یہ مکروہ ہے۔

جواب نمبر2:

خود غیر مقلدین کو یہ اعتراض کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ:

و بالجملہ استنزال منی بکف یا بچیزے از جمادات نزد دعائے حاجت مباح است و لا سیماچوں فاعل خاشے از وقوع در فتنہ یا معصیت کہ اقل احوالش کہ نظر بازیست باشد کہ دریں حین مندوب است بلکہ گاہے واجب گردد۔

(عرف الجادی از نواب میر نور الحسن خان: ص207)

ترجمہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہتھیلی یا جمادات میں سے کسی چیز کے ساتھ منی نکالنا ضرورت کے وقت مباح ہے خاص کر جب اس کام کرنے والے کو فتنہ یا معصیت میں واقع ہونے کا خوف ہو جس کی اول حالت یہ ہے کہ بد نظری کرنے لگے تو اس وقت استمناء مستحب اور بلکہ کبھی تو یہ فعل واجب بھی ہو جاتا ہے۔

القواعد فی العقائد

از افادات: متکلم اسلام مولانامحمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

سرپرست: مرکز اہل السنۃ والجماعۃ، 87 جنوبی، لاہور روڈ، سرگودھا
بانی و امیر: عالمی اتحاد اہل السنت والجماعت
چیف ایگزیکٹو: احناف میڈیا سروسز
چئیرمین: احناف ٹرسٹ
www.ahnafmedia.com

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلاَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

زمانے کی قسم بے شک وہی انسان کامیاب ہے جس کا عقیدہ درست ہو،عمل سنت کے مطابق ہو،صحیح عقیدہ اور سنت عمل کی تبلیغ واشاعت بھی کرتاہو اور اگر اس تبلیغ واشاعت پر مصائب وپریشانیاں آئیں تو ان پر صبر بھی کرتا ہو۔

شریعت کے اجزاء:

شریعت کے دو جزو ہیں:
اعتقادی اور عملی:

اعتقاد اصل ہے ، عمل فرع ہے ۔ صحیح اعتقادکے بغیر آخرت کے عذاب سے نجات ممکن نہیں جبکہ عملِ صالح کے بغیر نجات کی امید ہے، البتہ معاملہ اللہ تعالی کی مشیت کے سپر دہے۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو اپنی رحمت سے معاف فرما دیں اور چاہیں تو قانونِ عدل سے سزاد یں ۔ عقیدہ ایک بھی خراب ہو تو اسلام کی ساری عمارت خراب ہو جاتی ہے ۔

اِنَّ الْعَقَائِدَ کُلَّھَا اُسٌّ لِاِسْلَامِ الْفَتٰی
اِنْ ضَاعَ اَمْرٌوَّاحِدٌ مِّنْ بَیْنِھِنَّ فَقَدْ
غَوٰی

ترجمہ : ’’تمام عقائد انسان کے اسلام کی بنیاد ہیں، اگر ان میں سے ایک چیز بھی ضائع ہو جائے تو انسان گمراہ ہو جاتا ہے ۔ ‘‘

خِشْت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

ترجمہ:’’اگر معمار پہلی اینٹ کو ٹیڑھا رکھے تو دیوار ثریا ستارے تک ٹیڑھی جاتی ہے۔‘‘

فائدہ: شریعت کے بنیادی اجزاء دو ہی ہیں؛ عقائد اور اعمال۔ایک تیسری چیز .’’خلق‘‘ ہے،یہ دراصل نظریات کا حصہ ہوتے ہیں اور اس کا نتیجہ اعمال ہوتے ہیں، گویا’’ خلق‘‘ نظریات سے الگ نہیں اور شریعت کے اجزاء کو دو میں تقسیم کرنا اس معنیٰ میں درست ہے۔

خلق کی تعریف:

باطن کی وہ کیفیت جو انسان کو عمل پر برانگیختہ کرے اسے’’ خلق ‘‘کہتے ہیں۔اگر کیفیت اچھی ہو تو اعمال اچھے اور اگر کیفیت بری ہوتو اعمال بھی برے۔

مثالیں ۱:’’حیاء‘‘ باطنی کیفیت ہے جو کہ’’ خلق‘‘ ہے اور’’ غضِ بصر‘‘ اس کا نتیجہ ہے ،جو کہ’’ عمل‘‘ ہے ۔
۲:’’سخاوت‘‘ باطنی کیفیت ہے جو کہ’’ خلق‘‘ ہے اور’’ انفاق‘‘ اس کا نتیجہ ہے، جو کہ’’ عمل ‘‘ہے۔
۳:’’شجاعت‘‘ باطنی کیفیت ہے جو کہ ’’خلق ‘‘ہے اور ’’قتال ‘‘اس کا نتیجہ ہے، جو کہ ’’عمل ‘‘ہے۔

فائدہ: جس علم میں عقائد سے بحث ہو اسے ’’علم العقائد ‘‘ کہتے ہیں اور جس میں اعمال اور احکام سے بحث ہو اسے ’’علم الفقہ ‘‘کہتے ہیں۔

عقیدہ اور عمل میں فرق:

فرق نمبر ۱:عقیدہ اصل ہے اور عمل فرع ہے، جو فرق اصل اور فرع میں ہے وہ عقیدہ اور عمل میں ہے۔چنانچہ عقیدہ کی مثال عدد کی ہے جو اصل ہے اور عمل کی مثال صفرکی ہے جو کہ فرع ہے ۔عدد اور صفر میں چند فرق ہیں۔

۱: عدد ایک بھی ہو تو قیمتی ہے اور صفریں دس بھی ہوں تو قیمت کچھ بھی نہیں۔
۲: ایک عدد کے ساتھ صفر لگاؤ تو دس،دو صفریں لگاؤتو سو......الخ، عددآیا تو صفر کی قیمت بن گئی اور صفر کے آنے سے عدد کی قیمت بڑھ گئی۔ تو عقیدہ آنے سے عمل کی قیمت بنتی ہے اور عمل آنے سے عقیدہ کی قیمت بڑھتی ہے۔
۳: صفر کو دائیں کی بجائے عدد کے بائیں جانب لگائیں تو قیمت نہیں بڑھتی ،اسی طرح عمل

کی قیمت بھی اس وقت ہوتی ہے جب اپنے مقام پر ہو۔اگر مقام بدل جائے تو عمل بے قیمت ہوجاتاہے۔ مثلاً دعاء اگر نماز جنازہ کے فورا بعد مانگیں تو بے قیمت ہے اور اگر دفن کے بعد قبر پر مانگیں تو مقبول ہے، کیونکہ اپنے مقام پر ہے۔

فرق نمبر۲:عقیدہ کا محل ''دل ''اور اعمال کا محل ''بدن'' ہے، جو فرق دل اور بدن میں ہے وہی عقیدہ اور عمل میں ہے اور یہ دو فرق ہیں:

۱:جو چیز جتنی قیمتی ہو اس کے رکھنے کا محل بھی اتنا محفوظ ہوتاہے اور جو اس سے نسبتًا کم ہو اس کے رکھنے کا محل بھی نسبتًا کم محفوظ ہوتاہے۔عقیدہ چونکہ زیادہ قیمتی تھا اس کا محل دل کو بنایا،عمل نسبتاً کم قیمتی تھا اس کا محل اعضاء بدن کو بنایا۔

۲:اعضاء جسم میں سے بعض کٹ جائیں تو بندہ زندہ رہتاہے اور قلب کے بعض اجزاء کٹ جائیں تو بندہ مر جاتاہے، اسی طرح اگر کچھ اعمال چھوٹ جائیں تو بندہ با ایمان ہوتاہے اگرچہ فاسق ہے،لیکن اگر بعض عقائد ختم ہوجائیں تو ایمان ختم ہوجاتاہے اور بندہ کافر ہوجاتاہے۔

فائدہ: علم العقائد کا نام'' علم الکلام'' بھی ہے، یا تو اس وجہ سے کہ علم الکلام میں زیادہ تر بحث کلام باری تعالیٰ سے ہوتی ہے یا اس وجہ سے کہ علم الکلام میں جب بھی کسی مسئلہ پر بحث ہوتی ہے تو متکلمین کہتے ہیں''اَلْکَلَامُ فِیْ کَذَا''

ائمہ علم الکلام

مشہور ائمہ علم الکلام دو ہیں:

امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الا شعری الحنبلیؒ:

آپؒ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی اولاد میں سے تھے، 260ہجری میں پیدا ہوئے، بچپن میں والد کا انتقال ہو گیا ،بعد میں ان کی والدہ کانکاح مشہور معتزلی ''ابو علی جُبّائی ''(م 303ھ) سے ہو گیا۔ آپ نے ''فن مناظرہ اور علم الکلام'' ابو علی جُبّائی کی تربیت میں رہ کر حاصل کیا لیکن نہایت سلیم الطبع اور سلیم الفطرت ہونے کی وجہ سے معتزلہ کی رکیک اور بعید از عقل تاویلات کی وجہ سے مسلک اہل السنت والجماعت کو قبول کیا اور تاحیات عقائد اہل السنت والجماعت کے اثبات اور معتزلہ کی تردید میں دلائل دیتے رہے۔ فروع میں امام احمد بن محمد بن حنبل کے مقلد تھے۔ تین سو(300) کے قریب کتب تصنیف فرمائیں جیسا کہ امام الزرکلیؒ نے الاعلام 5/69میں ذکر کیا ہے۔ چند مشہور کتب یہ ہیں:

الفصول ، الموجز ، کتاب فی خلق الاعمال ، کتاب فی الاستطاعۃ ، کتاب کبیر فی الصفات ، کتاب فی جواز رؤیۃ اللہ بالابصار ، کتاب فی الرد علی المجسمۃ ، مقالات الاسلامیین و اختلاف المصلین، کتاب فی الرویۃ، مختصر مدخل الی الشرح والتفصیل وغیرہ۔ آپؒ نے 324ہجری میں انتقال فرمایا۔

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی الحنفیؒ:

آپؒ ماوراء النہر سمر قند کے ایک گاؤں ''ماترید'' میں پیدا ہوئے۔ معتزلہ کا شدت کے ساتھ رد کرنے کی وجہ سے ابو الحسن اشعریؒ کے بعض وہ افکار جن کا دفاع کرنا ادلہ شرعیہ کی روشنی میں مشکل تھا،کی اصلاح فرمائی اور معتزلہ کی تردید اور اہل السنۃ والجماعۃ کے افکار کی تائید میں راہِ اعتدال اختیار فرمائی۔فروع میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مقلد تھے ۔''تاویلات اہل السنۃ والجماعۃ'' کے نام سے قرآن پاک کی ایک تفسیر بھی تحریر فرمائی۔ اس کے علاوہ بھی متعدد کتب تصنیف فرمائیں ،جن میںکتاب التوحید ، کتاب رد اوائل الادلۃ للکعبی ، کتاب بیان وھم المعتزلۃ ، کتاب المقالات ، کتاب رد و عید الفساق للکعبی، کتاب رد تہذیب الجدل ، کتاب رد الاصول الخمسہ للباھلی ، کتاب رد الامامۃ لبعض الروافض، کتاب الرد علی اصول القرامطۃ، کتاب الجدل وغیرہ شامل ہیں۔ آپ محدث زمانہ امام طحاویؒ کے ہم عصر تھے - 333ہجری میں وفات پائی -

فائدہ: اشاعرہ اور ماتریدیہ کے مابین لگ بھگ تیس یا پینتیس مسائل میں اختلافات ہیں،ان میں سے اکثر اختلافات نزاع لفظی کی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً:

1: امام ابو الحسن اشعریؒ کے نزدیک صفت تکوین ،صفت قدرت کے تحت داخل ہے اور امام ابو منصورؒ کے نزدیک صفت تکوین مستقل ایک صفت ہے ۔

2: اشعری تکفیرِ اہلِ قبلہ سے احتراز کرتے ہیں، جبکہ ماتریدیہ اس کے قائل ہیں۔

3: اشاعرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز قبیح نہیں ہوتی اور ماتریدیہ کہتے ہیں کہ جس چیز کو عقل انتہائی قبیح سمجھے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہوتی ۔

4: اشاعرہ کے ہاں اللہ تعالی کا فعل معلل بالغرض نہیں ہوتا جبکہ ماتریدیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی تفضلاً مصلحت کی رعایت فرماتا ہے ۔

5: اشاعرہ کہتے ہیں کہ ایسا فعل جس میں حکمت و مصلحت ہو مثلاً رسولوں کا بھیجنا وغیرہ‘ اس کا صدور اللہ تعالیٰ کی جانب سے واجب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبیح چیز ہوتی ہی نہیں سب خیر و مصلحۃً ہوتی ہے تو وجوب کیسا؟ جبکہ ما تریدیہ (تفضلاً) وجوب کے قائل ہیں۔
(النبراس شرح شرح العقائد ص 22)

فرقہ معتزلہ کی ابتداء:

حضرت امام حسن بصری (م 110ھ) کی درس گاہ کے ایک شاگرد’’واصل بن عطاء‘‘ (م 131 ھ) نے جب یہ موقف اختیار کیا کہ مرتکب کبیرہ (کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا)ایمان سے نکل جاتا ہے، مگر کفر میں داخل نہیں ہوتا، تو امام حسن بصریؒ نے فرمایا:’’ھٰذَاالرَّجُلُ قَدِ اعْتَزَلَ عَنَّا‘‘(یہ شخص ہم سے جدا ہوگیا) اب جو شخص اس کی اتباع کرتا وہ خود کو معتزلی کہتا اور معتزلی کا معنی یہ لیتا کہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ کے باطل عقائد سے الگ ہیں ۔اسی وجہ سے تفسیرکشاف کے مصنف جار اللہ زمخشری نے اپنی کنیت ’’ابو المعتزلہ‘‘ رکھی ۔ (النبراس مع شرح العقائد ص 20)

عقائد کی اقسام :

جو عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کی کتب میں مذکور ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں:

1: جو دلائل قطعیہ نقلیہ سے ثابت ہوں۔ ان کی تین قسمیں ہیں:

i- جن کا ثبوت قرآن کریم کی ظاہری عبارت سے ہو جیسے جنت ، جہنم وغیرہ ۔

ii- جن کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بنقل تواتر ہو،خواہ تواتر لفظی ہو جیسے ختم نبوت یا تواتر معنوی ہوجیسے عذاب قبر وغیرہ۔

iii- جن کا ثبوت اجماع امت سے ہو جیسے خلافت صدیق اکبرؓ وغیرہ۔

2: جو دلائل عقلیہ سے ثابت ہوں، اگرچہ ان کی تائید دلائل نقلیہ سے بھی ہو، جیسے ثبوت باری تعالیٰ، ثبوت نبوت، مسئلہ عصمتِ انبیاء علیہم السلام وغیرہ۔

3: جو اخبار آحاد یا قرآن وحدیث سے بطریق استنباط ثابت ہوں جیسے قرآن کریم کا قدیم ہونا، فرشتوں پر انبیاء علیہم السلام کی فضلیت اور کراماتِ اولیاء کا برحق ہونا وغیرہ ۔

عقیدہ نمبر 1: توحید باری تعالیٰ:

توحید باری تعالیٰ کے متعلق تین باتیں قابل فہم ہیں۔

1: ذاتِ باری تعالیٰ 2: صفاتِ باری تعالیٰ 3: اسماءِ باری تعالیٰ

1: ذاتِ باری تعالیٰ :

ذات باری تعالی کے بارے میں پانچ بنیادی باتیں سمجھنا ضروری ہے۔

۱: اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے ’’ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔‘‘ (سورۃ اخلاص:1)

۲: اول و آخر ہے ’’ھُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ‘‘ (سورۃ حدید:2)

فائدہ: اول سے مراد حقیقی اول ہے جس کے لئے ابتداء نہیں اور آخر سے مراد حقیقی آخر ہے جس کے لئے انتہاء نہیں ۔

فائدہ: قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبی اول بھی ہیں اور نبی آخر بھی۔جیسے پرکار کو رکھ کر دائرہ لگایاجاتاہے تو جس نقطے پر پرکار کا سرارکھا جاتاہے اسے’’مرکز دائرہ‘‘ کہتے ہیں اور جو دائرے کا خط ہوتاہے اسے’’محیط دائرہ‘‘ کہتے ہیں۔مرکز دائرہ لگتا تو پہلے ہے لیکن ظاہر بعد میں ہوتاہے، اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام’’محیط دائرہ نبوت‘‘ ہیں اور ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ’’مرکز دائرہ نبوت‘‘ ہیں۔ تو آپ علیہ السلام کا وجودِ نبوت سب سے پہلے تھا اور ظہورِ نبوت سب سے آخر

میں ہے۔
۳:	اللہ تعالی کی ذات قدیم ہے کیونکہ اگر قدیم نہ مانیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عدم سے وجود میں آنے کے لیے وہ کسی ایسی چیز کے محتاج تھے کہ وہ ملی ہے تو وجود ملا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کائنات میں کسی چیز کے محتاج نہیں ۔
۴:	’’[اَللّٰہُ تَعَالٰی] لَیْسَ بِجِسْمٍ وَلاَ جَوْھَرٍ وَلاَ عَرْضٍ وَلاَ طَوِیْلٍ وَلاَ عَرِیْضٍ وَلاَ یَشْغُلُ الْاَمْکِنَۃُ وَلاَ یَحْوِیْہِ مَکَانٌ وَلاَ جِھَۃٌ مِّنَ الْجِھَاتِ السِّتِّ۔‘‘ (دفع شبہ التشبیہ لامام ابن الجوزی ص 107)
ترجمہ:	اللہ تعالی جسم سے پاک ہیں ،نہ جو ہر ہے، نہ عرض ، نہ طویل ، نہ عریض ، نہ امکنہ میں اتر کران کو بھر سکتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کر سکتا ہے اور نہ اس کے لئے جہاتِ ستہ میں سے کوئی جہت ثابت ہے ۔
۵:	اللہ تعالی موجود بلا مکان ہے ۔

## 2:	صفات باری تعالی:

صفات کی دو قسمیں ہیں :
[۱] :	محکمات	[۲] :	متشابہات

صفات محکمات: وہ ہیں جن کا معنی ظاہر اور واضح ہے مثلاً سمع ، بصر ، علم ، قدرت وغیرہ ۔

صفات متشابہات : یہ وہ صفات ہیں جن کے معانی غیر واضح اور مبہم ہیں، عقل انسانی کی وہاں تک رسائی نہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی کی ذات کے لئے ید ، وجہ ، عین وغیرہ کلمات اللہ تعالی کی صفات متشابہات ہیں ۔

صفات محکمات کی اقسام :

صفات محکمات کی دو قسمیں ہیں:	1:صفات ذاتیہ	2:صفات فعلیہ

صفات ذاتیہ :

جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالی موصوف نہ ہو سکے اور یہ سات ہیں:حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر ،کلام ۔

حیات :	اللہ تعالی کا ارشاد ہے:	ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (سورۃ بقرہ: 255)
فائدہ : اللہ تعالی کی حیات ازلاً، ابداً وحیات کل شئی بہ مُؤبداً ہے ۔
سوال: مماتی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوقبر میں زندہ ماننا شرک ہے کیونکہ اس سے اللہ کی صفت ’’حیی‘‘میں شراکت لازم آتی ہے کہ نبی بھی زندہ اور اللہ بھی زندہ۔
جواب: شراکت لازم نہیں آتی ،اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی حیات اور اللہ کی حیات میں دو فرق ہیں:
۱:	نبی کی حیات ازلی نہیں ہے، ابدی ہے جب کہ اللہ تعالی کی حیات ازلی بھی ہے اور ابدی بھی ہے اور یہ ابدی حیات جنت میں ہر مسلمان کو حاصل ہو گی۔
۲:	نبی کی حیات انقطاع کے ساتھ ہے جبکہ اللہ کی حیات بغیر انقطاع کے ہے۔

علم : اللہ تعالی کا ارشاد ہے:’’وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔‘‘ (سورۃآل عمران: 29)
ترجمہ :	اللہ تعالیٰ جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے ، سب کچھ جانتا ہے ۔

قدرت:	اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:’’اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ۔‘‘ (سورۃبقرہ:20)
ترجمہ :	اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں ۔
فائدہ: قدرت کا تعلق’’ممکنات‘‘کے ساتھ ہوتا ہے ، واجبات و محالات کے ساتھ نہیں، کیونکہ واجب ومحال میں اپنے ماسویٰ کی تاثیر قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی ‘جیسے سورج ہر چیز کو گرم کرتا ہے مگر وہ سنگ مرمر جس میں سورج کی تپش قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے وہ جون، جولائی میں دوپہر بارہ بجے بھی ٹھنڈا ہی رہتا ہے ۔
فائدہ: واجب الوجود وہ ہے جس کاوجود عقلاً لازم اور عدم محال ہو، جیسے ذات و صفاتِ باری تعالیٰ اور محال وہ ہے جس کا وجود عقلاً نا ممکن ہو جیسے اجتماع نقیضین۔

ارادہ: اللہ تعالی کا ارشاد ہے:’’ فَعَّالٌ لِمَا یُرِیْدُ۔‘‘ (سورۃبروج: 16)

ترجمہ: اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے کر ڈالتا ہے ۔

سمع : اللہ تعالی کا ارشاد ہے:'' وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔'' (سورۃبقرہ:256,224)

ترجمہ : اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے ۔

بصر : اللہ تعالی کا ارشاد ہے:'' اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ بَصِیْرٌ ۔''(سورۃ ملک :19)

ترجمہ : بے شک وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے ۔

کلام: اللہ تعالی کا ارشاد ہے:'' یٰمُوْسٰی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ۔'' (سورۃ اعراف :144)

ترجمہ : اے موسیٰ ! میں نے اپنی پیغمبری اور ہم کلامی سے لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے ۔

فائدہ: کلام اللہ تعالی کی وہ صفت ہے جو الفاظ اور حروف سے مرکب نہیں بلکہ وہ اللہ تعالی کے ساتھ ازل سے قائم ہے جسے ''کلامِ نفسی'' کہتے ہیں اور کلام اصل میں ''کلامِ نفسی'' ہی ہوتا ہے ، کلامِ لفظی اس کلامِ نفسی پر دلالت کرتا ہے ۔

اِنَّ الْکَلَامَ لَفِی الْفُؤَادِ وَاِنَّمَا جُعِلَ اللِّسَانُ عَلَی الْفُؤَادِ دَلِیْلًا

ترجمہ : کلام تو دل میں ہوتا ہے اور زبان کو دل (کی اس کلام) پر دلیل بنایا گیا ہے ۔

کلامِ نفسی کو مخلوق تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالی نے الفاظ اور حروف کا لباس عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالی کا کلامِ نفسی بھی قدیم ہے اور اس پر الفاظ و حروف کا لباس بھی قدیم ہے ، ہاں البتہ مخلوق کا اس کو قراۃ و کتابت کرنا حادث ہے ۔

صفات فعلیہ : جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو سکے لیکن اس کا تعلق اللہ کے غیر کے ساتھ ہو جیسے احیاء ، اماتت، اهداء، اضلال، اعزاز، اذلال وغیرہ ۔

فائدہ 1: صفات باری تعالی قدیم ہیں جیسے ذات باری تعالی قدیم ہے۔ مثلاً جب مخلوق نہیں تھی اللہ تب بھی خالق تھے ٗاللہ کا خالق ہونا وجودِ مخلوق پر موقوف نہیں البتہ مخلوق کا وجود اللہ تعالی کے خالق ہونے پر موقوف ہے ۔ صفت خلق کا وجود اور ہے اور اس کا ظہور اور یعنی صفت خلق کا وجودمخلوق کے موجود ہونے سے پہلے تھا البتہ اس کا ظہورمخلوق کے وجود کے ساتھ ہوا ہے۔

فائدہ 2: صفاتِ باری تعالیٰ عین ذات ہیں نہ غیر ذات ہیں؛ کیونکہ دو چیزوں کے مفہوم کا مصداق ہر اعتبار سے ایک ہو تو اسے ''عین'' کہتے ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے بغیر ہو سکتا ہو تو اس کو "غیر" کہتے ہیں۔ صفات باری تعالیٰ عینِ ذاتِ باری اس لئے نہیں کہ صفت، ذات سے ایک زائد چیز کا نام ہے اور غیر اس لئے نہیں کہ صفت تابع اور موصوف متبوع ہوتا ہے ا ور تابع بغیر متبوع کے نہیں ہو سکتا اور ذات باری تعالیٰ صفات کے بغیر اس لئے نہیں کہ اللہ تعالی کا صفات کمال سے خالی ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

متشابہات کی اقسام :

1: غیر معلوم المعنی وغیرمعلوم المراد جیسے حروف مقطعات ۔

2: معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے: ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (سورۃ حدید؛4)

فائدہ: ''المعنی'' سے ''لغوی معنی'' اور ''المراد'' سے ''مراد شرعی'' مرادہے۔

فائدہ : لغوی و اصطلاحی معنی کا مطلب:

لغوی معنی : لفظ کا اصلی معنی جو اہلِ زبان مراد لیتے ہیں۔

اصطلاحی معنی: لفظ کا وہ معنی جو اہل زبان یا اہل علاقہ یا اہل فن مراد لیتے ہیں۔

مثلاً''اَطْوَلُ یَدًا''کا لغوی معنی ''لمبے ہاتھ والا ہونا''ہے، لیکن اہلِ زبان اس سے وصفِ سخاوت مراد لیتے ہیں ۔چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے فرمایا:

اَسْرَعُکُنَّ بِیْ لِحَاقاً اَطْوَلُکُنَّ یَدًا (صحیح مسلم: ج 2ص291 باب فضائل زینب ام المومنین رضی اللہ عنہا)

ترجمہ: میری وفات کے بعدتم میں سے سب سے پہلے اس بیوی کی وفات ہو گی جس کے ہاتھ لمبے ہوں گے۔

اس سے مراد حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں کیونکہ وہ سخاوت میں ممتاز تھیں ۔

فائدہ:قرآن کریم میں اللہ تعالی کی ذات کے لئے ید، وجہ ، عین، ساق، نفس وغیرہ کلمات استعمال ہوئے ہیں جو بظاہر صفتیں نہیں ہوتیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان کے بارے میں تین موقف ہیں۔

موقف نمبر 1 : متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف ''اَلتَّفْوِیْضُ مَعَ تَنْزِیْہِ اللّٰہِ تَعَالٰی عَنْ مُّشَابَہَۃِ الْمَخْلُوْقَاتِ ''ہے یعنی یہ کلمات صفات متشابہات ہیں،ان کلمات متشابہات کا معنی ہمیں معلوم نہیں، ہم ان کے معانی و مفاہیم کو اللہ تعالی کے سپرد کرتے ہیں اس اعتقاد کے ساتھ کہ اللہ تعالی کے لئے ید ، عین، ساق وغیرہ صفات ثابت ہیں مگر مخلوق وغیرہ کی مشابہت سے پاک ہیں۔ چنانچہ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں :

''فَمَا ذَکَرَ اللّٰہُ فِی الْقُرْآنِ مِنْ ذِکْرِ الْوَجْہِ وَالْیَدِ وَالْعَیْنِ فَھُوَ لَہٗ صِفَاتٌ وَلاَ یُقَالُ اِنَّ یَدَہٗ قُدْرَتُہٗ اَوْ نِعْمَتُہٗ لِاَنَّ فِیْہِ اِبْطَالَ الصِّفَۃِ وَھُوَ قَوْلُ اَھْلِ الْقَدْرِوَالْاِعْتِزَالِ وَلٰکِنْ یَدُہٗ صِفَتُہٗ بِلاَ کَیْفٍ ۔'' (الفقہ الاکبر مع الشرح ص 37,36)

ترجمہ:اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو ''وجہ ، ید اور عین'' کا ذکر کیا ہے تو یہ اللہ کی صفات ہیں اور یہ نہیں کہنا چاہیے کہ'' ید'' سے مراد اللہ کی قدرت یا اس کی نعمت ہے 'کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے '(بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ) اللہ کا ید اس کی صفت بلا کیف ہے ۔

موقف نمبر 2 : متاخرین اہل السنۃ کا موقف یہ ہے کہ یہ کلمات صفات متشابہات ہیں اور ان کا حقیقی معنی اللہ تعالی ہی کو معلوم ہے ،ہم ان کے معانی میں مناسب تاویل درجۂ ظن میں کرتے ہیں ۔

سوال: صفات میں تاویل تو معتزلہ کا قول ہے جیسا کہ امام صاحب سے ''الفقہ الاکبر'' میں منقول ہے۔

جواب: معتزلہ درجۂ یقین میں جبکہ متاخرین درجۂ ظن میں تاویل کرتے ہیں۔

فائدہ نمبر 1 : متقدمین اور متاخرین کے مابین نزاع لفظی ہے کیونکہ متقدمین اہل السنۃ والجماعۃ صفات کے معنی مؤول کو درجہ یقین میں قبول نہیں کرتے 'جبکہ متاخرین اہل السنۃ معنی مُؤول کو درجۂ ظن میں قبول کرتے ہیں ۔

فائدہ نمبر2: متاخرین نے یہ موقف عوام الناس کو اہلِ بدعت (مجسمہ) کے فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے اختیار کیا ، کیونکہ اہلِ بدعت (مجسمہ)ظاہر الفاظ سے عوام کو دھوکا دیتے اور اللہ تعالی کے لئے اعضاء کو ثابت کرتے تھے ۔ چنانچہ امام ابن الہمام فرماتے ہیں :

''ھٰذَا التَّاوِیْلُ لِھٰذِہِ الْاَلْفَاظِ لِمَا ذَکَرْنَا مِنْ صَرْفِ فَھْمِ الْعَامَّۃِ عَنِ الْجِسْمِیَّۃِ وَھُوَ یُمْکِنُ اَنْ یُّرَادَ وَلاَ یُجْزَ مَ بِاِرَادَتِہٖ''

(المسایرۃ مع المسامرۃ لابن الہمام ص 48الاصل الثامن)

ترجمہ : ان الفاظ کی یہ تاویل جو ہم نے ذکر کی ہے ' عوام کی فہم کو'' عقیدۂ جسمیت'' سے بچانے کے لئے ہے اور یہ ممکن ہے کہ (ان الفاظ کا تاویلی معنی) مراد لیا جائے اور اس پر جزم(یقین) نہ کیا جائے ۔

فائدہ نمبر3: بوقتِ ضرورت متشابہات میں تاویل کرنا متاخرین سے ہی نہیں بلکہ اہل السنۃ والجماعۃ متقدمین سے بھی ثابت ہے ۔ جیسے :''یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ'' کا معنی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ '' عَنْ شِدَّۃٍ'' فرماتے تھے ۔

(فتح الباری: ج13ص524،باب قول اللہ وجوہ یومئذناضرۃ)

فائدہ نمبر4: سلف سے مراد 300 ہجری کے آخر تک کے محققین ہیں۔ چنانچہ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

''فَالْحَدُّ الْفَاصِلُ بَیْنَ الْمُتَقَدِّمِ وَالْمُتَاخِّرِ ھُوَرَاْسُ سَنَۃِ ثَلاَثِ مِاَۃٍ۔''

(میزان الاعتدال للامام الذہبی :ج 1 ص 48،مقدمۃ المصنف)

ترجمہ:متقدمین و متاخرین کے درمیان حدِ فاصل تین سو ہجری کا آخر ہے ۔

موقف نمبر 3 : غیر مقلدین کا موقف ہے کہ ید ، عین ، ساق وغیرہ کے حقیقی معنی مراد ہیں۔

(عقیدہ مسلم از محمد یحیی گوندلوی ؛ص 177 تا 183)

دلائل اہل السنۃ والجماعۃ :

1: اَللّٰہُ الصَّمَدُ (سورۃاخلاص :2)

ترجمہ: اللہ بے نیاز ہے ۔
صمد کہتے ہیں:''[اَلَّذِیْ] لاَ یَحْتَاجُ اِلٰی اَحَدٍ وَ یَحْتَاجُ اِلَیْہِ کُلُّ اَحَدٍ''
(تفسیر المدارک للامام النسفی ج 2 ص 842تحت قولہ تعالیٰ: اللہ الصمد)
ترجمہ: جو کسی کا محتاج نہ ہو اور سارے اس کے محتاج ہوں۔
اللہ تعالی موجود ہونے میں جسم کے ، سننے میں کان کے ، دیکھنے میں آنکھ کے اور پکڑنے میں ہاتھ کے محتاج نہیں۔ لہذا اللہ تعالی جسم اور اعضاء جسم سے پاک ہیں۔
:2 متشابہ کی دو قسمیں ہیں :
:۱ غیر معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے حروف مقطعات الٓم، حٰمٓ، ن وغیرہ۔
:۲ معلوم المعنی وغیر معلوم المراد جیسے ''ثُمَّ اسْتَوٰیٰ عَلَی الْعَرْشِ۔'' (سورۃحدید:4)
اگر ہم ان کلمات ید ، عین وغیرہ سے اعضاء مجہول الکیفیۃ مراد لیں تو متشابہ کی ان دو قسموں کے علاوہ تیسری قسم معلوم المعنی معلوم المراد مجہول الکیفیۃ لازم آئے گی' جبکہ متشابہ کی تیسری قسم باطل ہے اور مستلزمِ باطل بھی باطل ہوتا ہے۔ (حوالہ؟؟؟؟؟)
:3 معنی جنس ،نوع کے ضمن میں پایا جاتا ہے ۔ ''ید''جوکہ اسم جنس ہے کا معنی ''جارحہ'' ہے جو کہ بالاتفاق حادث ہے ۔ اگر ید اللہ سے بھی یہی معنی مراد ہو تو اللہ تعالی کا حادث ہونا لازم آئے گا حالانکہ اللہ تعالی کی ذات قدیم ہے ۔
:4 ان کلمات کے حقیقی معنی مگر مجہول الکیفیۃ مراد لینے سے تناقض اور تضاد لازم آئے گا کیونکہ حقیقی معنی مجہول الکیفیۃ نہیں بلکہ معلوم الکیفیۃ ہے ۔ تناقض باطل ہوتا ہے اور جو چیز مستلزمِ باطل ہو وہ بھی باطل ہوتا ہے۔
:5 اگر صفات کے لئے کیفیات ثابت کردی جائیں اگرچہ مجہول ہی کیوں نہ ہوں تو اللہ تعالی کے لئے جسم لازم آئے گا'کیونکہ کیفیات اجسام کے ساتھ خاص ہیں۔
چنانچہ امام بیہقی فرماتے ہیں :
''فَاِنَّ الَّذِیْ یَجِبُ عَلَیْنَا وَعَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَّعْلَمَہٗ اَنَّ رَبَّنَا لَیْسَ بِذِیْ صُوْرَۃٍ وَلاَ ھَیْئَۃٍ فَاِنَّ الصُّوْرَۃَ تَقْتَضِی الْکَیْفِیَّۃَ وَھِیَ عَنِ اللّٰہِ وَعَنْ صِفَاتِہٖ مَنْفِیَّۃٌ۔''(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ج 2ص21، باب ما ذکر فی الصورۃ)
ترجمہ:جو چیز ہمیں اور ہر مسلمان کو جاننا ضروری ہے' وہ یہ ہے کہ ہمارا رب صورت والا ہے نہ ہیئت والا ۔کیونکہ صورت کیفیت کا تقاضا کرتی ہے اور اس کیفیت کی اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے نفی کی گئی ہے ۔
اشکال: امام مالکؒ سے جب ا ستواء کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:
اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْکَیْفُ مَجْھُوْلٌ وَالْاِیْمَانُ بِہٖ وَاجِبٌ وَالسُّوَالُ عَنْہُ بِدْعَۃٌ۔
(شرح العقیدہ الطحاویہ لابن ابی العز ج 1ص188 ' الرد علی الجھمیۃ لابن مندہ :ص104)
ترجمہ:استواء معلوم ہے' کیفیت مجہول ہے 'اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔
غیرمقلدین کہتے ہیں کہ امام مالکؒ نے استواء ثابت کرکے مجہول الکیفیت قرار دیاہے لہذا صفات باری کے حقیقی معنی مراد لے کر مجہول الکیفیت قراردینا درست ہے۔
جواب: یہ مقولہ امام مالکؒ سے ثابت ہی نہیں۔
(التعلیق علی کتاب الاسماء والصفات ج2ص151)
امام بیہقیؒ نے کتا ب الاسماء والصفات ج2ص150 اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری ج13ص498 باب و کان عرشہ علی الماء میں بسند جید امام مالکؒ کا صحیح قول نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن وھبؒ فرماتے ہیں کہ ہم امام مالکؒ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا اور امام مالکؒ سے کہنے لگا:
یَا اَبَا عَبْدِاللّٰہِ ! اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی 'کَیْفَ اسْتِوَاءُ ہٗ؟
اے ابوعبداللہ!رحمن عرش پر مستوی ہے ' اس کا استواء کیسے ہے؟
ابن وہبؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے سر جھکا لیا اور آپ کو پسینہ آگیا۔ پھر آپ نے سراٹھایا اور فرمایا:
اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی کَمَا وَصَفَ نَفْسَہٗ 'لاَ یُقَالُ کَیْفَ؟ وَکَیْفَ عَنْہُ مَرْفُوْعٌ
رحمن عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے خود بیان کیاہے 'یہ نہ کہا جائے کہ

کیسے؟(یعنی کیفیت کی نفی کی جائے)اور اللہ سے کیفیت مرفوع ہے(یعنی کیفیت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بولا جاتا)

اسی طرح امام ابوبکر بیہقیؒ اور علامہ ابن حجر عسقلانی ؒنے ولید بن مسلم کے طریق سے نقل کیاہے کہ امام اوزعی ،امام مالک ،امام سفیان ثوری اور امام لیث بن سعدؒ سے ان احادیث سے متعلق سوال کیا گیا جن میں اللہ کی صفات کا بیان ہے تو انہوں نے فرمایا:

اَمِرُّ وْهَاكَمَا جَاءَ تْ بِلاَكَيْفِيَّةٍ

ترجمہ:یہ احادیث جیسے آ ئی ہیں ویسے بیان کرو کیفیت کے بغیر۔

(کتاب الاسماء والصفات للبیھقی ج2 ص198،فتح الباری لابن حجر ج13 ص498 باب و کان عرشہ علی الماء)

تو امام مالک سے مروی درج بالاروایات میں’’ کیف ‘‘کی باقاعدہ نفی ہے۔

اشکال : جب اللہ تعالیٰ مشابہاتِ مخلوق سے پاک ہیں تو قرآن و حدیث میں ایسے الفاظ کیوں استعمال کئے گئے جو انسان کو وہم میں ڈال دیتے ہیں ؟

جواب: علامہ ابن جوزی نے ’’دفع شبہ التشبیہ‘‘ میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانی طبیعت پر محسوسات اتنے غالب ہو گئے تھے کہ لوگ محسوسات کے بغیر اپنے الہ کو سمجھتے نہیں تھے ۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے عرض کیا تھا: اِجْعَلْ لَّنَا اِلٰہً كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (سورہ اعراف 138) کہ ہمارے لئے بھی معبود بنائیے جس طرح ان کے معبود ہیں‘ اور مشرکین کے سوال ’’اللہ تعالیٰ کیا ہے ؟‘‘ کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :’’قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ o اَللّٰہُ الصَّمَدُ‘‘کہہ دیجئے! اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے ۔

اگر اس وقت ان کلمات کو ذکر کئے بغیر کہا جاتا:’’اَللّٰہُ لَيْسَ بِجِسْمٍ وَلاَ جَوْهَرٍ وَلاَ عَرْضٍ وَلاَ طَوِيْلٍ وَلاَ عَرِيْضٍ وَلاَ يَشْغُلُ الاَمْكِنَةُ وَلاَ يَحْوِيْهِ مَكَانٌ وَلاَ جِهَةٌ مِنَ الْجِهَاتِ السِّتَّۃِ۔‘‘(اللہ تعالی نہ جسم ہے ، نہ جوہر، نہ طویل ، نہ عریض ، نہ امکنہ میں اتر کر ان کو بھر سکتا ہے اور نہ کوئی مکان اس کا احاطہ کرسکتا ہے اور نہ اس کے لئے جہات ستہ میں سے کوئی جہت ثابت ہے) تو عام آدمی سمجھ نہ سکتا۔

(دفع شبہ التشبیہ للامام ابن الجوزی: ص 107)

مسئلہ استواء علی العرش

اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک ’’استواء علی العرش‘‘اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کے حقیقی معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں اور قرآن مجید میں اس کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں ۔امام بیہقی فرماتے ہیں :

فَاَمَّاالْاِسْتِوَاءُ فَالْمُتَقَدِّمُوْنَ مِنْ اَصْحَابِنَاكَانُوْالاَ يُفَسِّرُوْنَہٗ وَلاَ يَتَكَلَّمُوْنَ فِيْہِ (کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ج2 ص150)

ترجمہ:’’رہا استواء کا مسئلہ تو ہمارے متقدمین حضرات نہ اس کی تفسیر کرتے تھے اور نہ ہی اس میں کوئی کلام فرماتے تھے ۔‘‘

جبکہ غیر مقلدین کے ہاں استواء علی العرش سے اللہ تعالیٰ کا حساً فوق العرش ہونا مراد ہے ۔

(عقیدہ مسلم از محمد یحییٰ گوندلوی: ص 219 ، آئیے عقیدہ سیکھئے از طالب الرحمن شاہ ص 39)

فائدہ: اللہ تعالیٰ موجود بلا مکان ہے

اگر کوئی شخص سوال کرے’’اَيْنَ اللّٰہُ ؟‘‘ (اللہ کہاں ہے ؟) تو اس کا جواب یہ دینا چاہیے :’’هُوَ مَوْجُوْدٌ بِلاَ مَكَانٍ‘‘ کہ اللہ تعالیٰ بغیر مکان کے موجود ہیں۔ یہ اہل السنت والجماعت کا موقف و نظریہ ہے جس پر دلائل عقلیہ و نقلیہ موجود ہیں:

فائدہ: ’’هُوَ مَوْجُوْدٌ بِلاَ مَكَانٍ‘‘ یہ تعبیراہل علم حضرات کی ہے، اسی لیے طلبہ کو سمجھانے کے لیے ’’اللہ تعالی بلا مکان موجو دہے‘‘کہ دیا جاتا ہے۔ عوام الناس چونکہ ان اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے اس لیے اس عقیدہ کو عوامی ذہن کے پیش نظر ’’اللہ تعالیٰ حاضر ناظر ہے‘‘ یا’’اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے‘‘ سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

اہل السنۃکے دلائل :

آیاتِ قرآنیہ:

1: وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْافَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ (سورۃ البقرۃ: 115)

ترجمہ : مشرق و مغرب اللہ تعالی ہی کا ہے ،جس طرف پھر جاؤادھر اللہ تعالیٰ کا رخ ہے ۔
2: وَاِذَا سَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (سورۃ البقرۃ: 186)
ترجمہ : جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو (کہہ دو کہ) میں تو تمہارے پاس ہی ہوں۔
فائدہ : عرش بعید ہے کیونکہ ہمارے اوپر سات آسمان ہیں، ان پر کرسی ہے، کرسی پر سمندر ہے، سمندر کےاوپر عرش ہے۔
(کتاب الاسماء والصفات للامام البیہقی ج 2ص 145)
جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
۱: اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰاتٍ۔ ۲: وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضَ۔ ۳: وَ کَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآئِ۔
3: یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاس وَلاَ یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰہِ وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لاَ یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ۔(النساء:108)
ترجمہ:وہ شرماتے ہیں لوگوں سے اور نہیں شرماتے اللہ سے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جب کہ مشورہ کرتے ہیں رات کو اس بات کا جس سے اللہ راضی نہیں۔
4: اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ(ہود:61)
ترجمہ:بے شک میرا رب قریب ہے قبول کرنے والاہے۔
5: وَاِنِ اھْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحٰی اِلَیَّ رَبِّیْ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ (سبا:50)
ترجمہ:اور اگر میں صحیح راستے پر ہوں تو یہ بدولت اس قرآن کے ہے جس کو میرا رب میرے پاس بھیج رہاہے وہ سب کچھ سنتا بہت قریب ہے۔
6: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لاَّ تُبْصِرُوْنَ (سورہ واقعہ:85)
ترجمہ : تم سے زیادہ ہم اس کے قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔
7: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (سورہ ق:16)
ترجمہ : ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب توجیہ:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بڑی عجیب توجیہ فرمائی ہے، فرماتے ہیں:
’’مثلاً جو دو کاغذ گوند سے چپکا دیے گئے ہیں وہ ایک دوسرے سے اتنے قریب نہیں بلکہ گوند جو کہ واسطہ ہے وہ زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہیں لیکن آخر میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں، پس جب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہاری ہستی کے درمیان واسطہ ہیں تو وہ ہستی سے زیادہ قریب ہوئے۔ اور یہی حاصل تھا تمہارے ساتھ بنسبت تمہاری جان ہونے کا۔ پس تم سے اتنے قریب ہوئے جتنے کہ خود تم بھی اپنے قریب نہیں جیسا کہ گوند کی مثال میں سمجھایا گیا۔ یہ بہت موٹی بات ہے کہ کوئی قیل و قال کی گنجائش نہیں۔‘‘
(خطباتِ حکیم الامت: ج17 ص431 عنوان: اقربیت کا مفہوم)
8: وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (سورہ حدید:4)
ترجمہ : تم جہاں کہیں ہو، وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے ۔
9: مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوَیٰ ثَلٰثَۃٍ اِلاَّ ھُوَرَابِعُھُمْ وَلاَ خَمْسَۃٍ إِلاَّ ھُوَ سَادِسُھُمْ وَلاَ أَدْنَی مِنْ ذَلِكَ وَلاَ أَكْثَرَ إِلاَّ ھُوَ مَعَھُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا .
(سورہ المجادلۃ:7)
ترجمہ : کبھی تین آدمیوں میں کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا وہ (اللہ) نہ ہو، اور نہ پانچ آدمیوں کی کوئی سرگوشی ایسی ہوتی ہے جس میں چھٹا وہ نہ ہو، اور چاہے سرگوشی کرنے والے اس سے کم ہوں یا زیادہ، وہ جہاں بھی ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔
10: ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآئِ (سورہ ملک :16)
ترجمہ : کیا تم کو اس (اللہ تعالی)کا جو آسمان میں ہے، خوف نہیں رہا۔
اعتراض: جب ہم وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں معیت کا ذکر ہے تو غیرمقلدین کہتے ہیں کہ اس سے ’’معیت علمیہ‘‘ مراد ہے مثلاًوَہُوَ مَعَکُمْ ای عِلْمُہٗ مَعَکُمْ، اور اس پر دلیل یہ ایسی آیات پیش

کرتے ہیں: ''اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآئِ وَ الْاَرْضِ الآیۃ (الحج:70)''

جواب: اولاً.....معیت علمیہ لازم ہے معیت ذاتیہ کو،جہاں ذات وہاں علم ،رہا غیرمقلدین کا''اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآئِ وَ الْاَرْضِ'' وغیرہ کی بناء پر یہ کہناکہ اس سے علم مراد ہے، تو ہم پوچھتے ہیں کہ اس میں ذات کی نفی کہاں ہے؟بلکہ اثباتِ علم سے تو معیت ِذاتیہ ثابت ہوگی بوجہ تلازم کے۔

ثانیاً..... غیرمقلدین سے ہم پوچھتے ہیں کہ جب ''اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ''یا ''یَدُاللّٰہِ'' جیسی آیات کو تم ظاہر پر رکھتے ہو،تاویل نہیں کرتے تو یہاں''وَہُوَ مَعَکُمْ'' [جس میں''ہو'' ضمیر برائے ذات ہے]جیسی آیات میں تاویل کیوں کرتے ہو؟

احادیث مبارکہ :

1: عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّہٗ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِﷺ نُخَامَۃً فِیْ قِبْلَۃِ الْمَسْجِدِ وَھُوَیُصَلِّیْ بَیْنَ یَدَیِ النَّاسِ فَحَتَّھَا ثُمَّ قَالَ حِیْنَ انْصَرَفَ: اِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا کَانَ فِی الصَّلٰوۃِ فَاِنَّ اللّٰہَ قِبَلَ وَجْھِہٖ فَلاَ یَتَخَمَّنْ اَحَدٌ قِبَلَ وَجْھِہٖ فِی الصَّلٰوۃِ۔

(صحیح البخاری ج1ص104باب ھل یلتفت لامر ینزل بہ الخ، صحیح مسلم ج1ص207باب النہی عن البصاق فی المسجد الخ)

ترجمہ:حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے مسجد کے قبلہ(کی جانب) میں کچھ تھوک دیکھا اس وقت آپ ﷺ لوگوں کے آگے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے اس کو صاف کر دیا ۔اس کے بعد جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: جب کوئی شخص نماز میں ہوتو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے' لہٰذا کوئی شخص نماز میں اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے۔

2: عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِﷺ کَانَ اِذَا اسْتَوٰی عَلٰی بَعِیْرِہٖ خَارِجًا اِلٰی سَفَرٍ کَبَّرَ ثَلاَثًا قَالَ: سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ہٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ' اَللّٰھُمَّ نَسْئَلُکَ فِیْ سَفَرِنَا ہٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی ' اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَاہٰذَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَنَا 'اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَہْلِ الحدیث. (صحیح مسلم ج۱ص۴۳۴ باب استجاب الذکر اذارکب دابۃ)

ترجمہ:حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کہیں سفر پرجانے کے لیے اپنے اونٹ پر سوار ہوتے تو تین بار اللہ اکبر فرماتے پھر یہ دعا پڑھتے :پاک ہے وہ پروردگار جس نے اس جانور(سواری)کو ہمارے تابع کردیا اور ہم اس کو دبا نہ سکتے تھے اور ہم اپنے پروردگار کے پاس لوٹ جانے والے ہیں۔ یااللہ! ہم اپنے اس سفر میں تجھ سے نیکی' پرہیز گاری اور ایسے کام جسے تو پسند کرے، کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ! اس سفر کو ہم پر آسان کردے اور اس کی لمبان کو ہم پر تھوڑا کردے۔ یا اللہ! تو رفیق ہے سفر میں اور محافظ ہے گھرمیں۔

3: عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِﷺ :اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ :یَاابْنَ آدَمَ !مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ 'قَالَ یَارَبِّ کَیْفَ اَعُوْدُکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ؟ قَالَ :اَمَاعَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلاَنًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْہُ؟ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّکَ لَوْعُدْتَّہٗ لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَہٗ؟

(صحیح مسلم ج 2ص318باب فضل عیادۃ المریض،صحیح ابن حبان ص189،رقم الحدیث269)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ ؓفرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل ارشاد فرمائیں گے :اے ابن آدم! میں بیمار تھا تو نے میری بیمار پرسی نہیں کی۔ بندہ کہے گا میں آپ کی بیمار پرسی عیادت کیسے کرتا؟ آپ تو رب العالمین ہیں۔ تو اللہ فرمائیں گے کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا' تو نے اس کی بیمار پرسی نہیں کی۔ تجھے پتا ہے کہ اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھے وہاں پاتا۔

4: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

''ارْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآئِ۔'' (جامع الترمذی ج 2 ص 14 باب ما جاء فی رحمۃ الناس)

ترجمہ:''تم زمین والوں پر رحم کرو، جو آسمان میں ہے وہ تم پر رحم کرے گا۔ ''

فائدہ: اس حدیث میں اللہ تعالی کا آسمان میں ہونابتلایا گیا ہے ، غیر مقلدین کا عقیدہ کہ اللہ صرف عرش پر ہے ،اس سے باطل ہوگیا۔

5: عَنْ اَبِی الدَّرْدَائِؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِﷺ یَقُوْلُ: مَنِ اشْتَکٰی مِنْکُمْ شَیْئًا اَوِ اشْتَکَاہُ اَخٌ لَہٗ فَلْیَقُلْ :رَبُّنَا اللّٰہُ اَلَّذِیْ فِی السَّمَآئِ، تَقَدَّسَ اسْمُکَ 'اَمْرُکَ فِی السَّمَآئِ وَالْاَرْضِ کَمَارَحْمَتُکَ فِی السَّمَآئِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَکَ فِی الْاَرْضِ' اِغْفِرْلَنَا حُوْبَنَا وَخَطَایَا نَا'اَنْتَ رَبُّ الطَّیِّبِیْنَ 'اَنْزِلْ رَحْمَۃً مِّنْ رَحْمَتِکَ وَ شِفَائً مِنْ شِفَائِکَ عَلٰی ہٰذَا الْوَجْعِ فَیَبْرَأ۔(سنن ابی دائود ج2ص187باب کیف الرقی)

ترجمہ:حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہﷺ کو سنا ‘آپﷺ فرمارہے تھے :
تم میں سے جو شخص بیمار ہویا کوئی دوسرابھائی اس سے اپنی بیماری بیان کرے تو یہ کہے کہ رب ہمارا وہ اللہ ہے جو آسمان میں ہے -اے اللہ! تیرا نام پاک ہے اورتیرا اختیار زمین و آسمان میں ہے‘ جیسے تیری رحمت آسمان میں ہے ویسے ہی زمین میں رحمت کر۔ ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے۔ تو پاک لوگوں کا رب ہے۔ اپنی رحمتوں میں سے ایک رحمت اور اپنی شفاؤں میں سے ایک شفاء اس درد کے لیے نازل فرما کہ یہ درد جاتارہے۔

6: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیْ یَقُوْلُ: بَعَثَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِﷺ مِنَ الْیَمَنِ بِذُھَیْبَۃٍ فِیْ اَدِیْمٍ مَقْرُوْطٍ لَمْ تُحَصَّلْ مِنْ تُرَابِھَا قَالَ فَقَسَمَھَا بَیْنَ اَرْبَعَۃِ نَفَرٍ بَیْنَ عُیَیْنَۃَ بْنِ بَدْرٍ وَاَقْرَعَ بْنِ حَابِسٍ وَزَیْدِ الْخَیْلِ وَالرَّابِعِ اِمَّا عَلْقَمَۃَ وَاِمَّا عَامِرِ بْنِ الطُّفَیْلِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِہٖ کُنَّا نَحْنُ اَحَقُّ بِھٰذَا مِنْ ھٰؤُلَاءِ قَالَ فَبَلَغَ ذٰلِکَ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ :اَلاَ تَاْمَنُوْنِیْ وَاَنَا اَمِیْنُ مَنْ فِی السَّمَاءِ یَاْتِیْنِیْ خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَمَسَاءً الحدیث

(صحیح بخاری ج2ص624باب بعث علی بن ابی طالب الخ ، صحیح مسلم ج1ص341باب اعطاء المؤلفۃ و من یخاف الخ)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے حضرت علیؓ نے یمن سے رسول اللہ ﷺ کے پاس رنگے ہوئے چمڑے کے تھیلے میں تھوڑا سا سونا بھیجا‘ جس کی مٹی اس سونے سے جدا نہیں کی گئی تھی (کہ تازہ کان سے نکلاتھا)آپ ﷺنے اسے چار آدمیوں عیینہ بن بدر، اقرع بن حابس، زید بن خیل اور چوتھے علقمہ یا عامر بن طفیل کے درمیان تقسیم کردیا، آپ ﷺ کے اصحاب میں سے ایک آدمی نے کہا کہ ہم اس سونے کے ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں۔ آنحضرتﷺ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا:کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے؟ حالانکہ میں اس ذات کا امین ہوں جو آسمان میں ہے۔ میرے پاس صبح وشام آسمان کی خبریں آتی ہیں۔

فائدہ: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا بتلایا گیاہے غیرمقلدین کا عقیدہ کہ اللہ عرش پر ہے اس سے باطل ہوگیا۔

7: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک نقل کرتے ہیں:

’’لَوْاَنَّکُمْ دَلَّیْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَی الْاَرْضِ السُّفْلٰی لَھَبَطَ عَلَی اللّٰہِ۔‘‘ (جامع الترمذی ج 2 ص 165تفسیر سورۃ حدید)

ترجمہ:اگر تم ایک رسی زمین کے نیچے ڈالو تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جائے گی۔

فائدہ : رسی کا زمین کے نیچے اللہ تعالی کے پاس جانا دلیل ہے کہ ذات باری تعالی صرف عرش پر نہیں جیسا کہ غیر مقلدین کا عقیدہ ہے بلکہ ہر کسی کے ساتھ موجود ہے ۔

8: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہﷺ کے ساتھ تھے ‘لوگ اونچی آواز سے تکبیریں کہنے لگے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِرْبَعُوْاعَلٰی اَنْفُسِکُمْ‘اِنَّکُمْ لَیْسَ تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلاَ غَائِبًا، اِنَّکُمْ تَدْعُوْنَہٗ سَمِیْعاً قَرِیْباً وَھُوَ مَعَکُمْ۔‘‘

(صحیح مسلم؛ ج2ص 346باب استحباب خفض الصوت بالذکر)

ترجمہ:’’اپنی جانوں پر نرمی کرو! تم بہرے و غائب کو نہیں پکار رہے ، تم جسے پکار رہے ہو وہ سننے والا، قریب اور تمہارے ساتھ ہے۔ ‘‘

فائدہ:

اگر قرب سے مراد ’’قرب علمی‘‘ ہوتا تو ’’قریباً‘‘ کہنے پر اکتفاء ہو جاتا لیکن ’’وَھُوَ مَعَکُمْ‘‘ فرما کر ’’قربِ ذاتی‘‘ کی طرف اشارہ فرما دیا۔ اسی طرح اگر مراد صرف ’’قربِ وصفی‘‘ ہوتا تو ’’اَصَمَّ‘‘ کے بعد ’’وَلاَ غَائِبًا‘‘ نہ فرماتے۔

9: حضرت عبداللہ بن معاویہؓ فرماتے ہیں حضورﷺ سے پوچھاگیا:

’’فَمَا تَزْکِیَۃُ الْمَرْئِ نَفْسَہٗ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ!‘‘ قَالَ: اَنْ یَعْلَمَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَہٗ حَیْثُمَا کَانَ۔

(السنن الکبری للبیھقی ج4ص95، 96 باب لایاخذالساعی‘شعب الایمان للبیھقی ج3ص187باب فی الزکوۃ)

ترجمہ:آدمی کے اپنے نفس کا’’تذکیہ‘‘ کرنے سے کیا مرادہے ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایاکہ انسان یہ یقین بنا لے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو اللہ اس کے ساتھ ہے۔

10: عَنْ عُبَادَ ۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِﷺ :اِنَّ اَفْضَلَ الْاِیْمَانِ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَکَ حَیْثُمَا کُنْتَ۔

(المعجم الاوسط للطبرانی ج6ص287رقم الحدیث8796)

ترجمہ:حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ افضل ایمان یہ ہے کہ تو

یہ یقین بنا لے کہ اللہ تیرے ساتھ ہے تو جہاں کہیں بھی ہو۔

عقلی دلائل :

1: اللہ تعالیٰ خالق ہے اور عرش مخلوق ہے ، خالق ازل سے ہے ۔اگر اللہ تعالی کو عرش پر مانا جائے تو سوال پیدا ہوگا کہ جب عرش نہیں تھا تو اللہ تعالی کہاں تھے ؟

2: حقیقتاً مستوی علی العرش ہونے کی تین صورتیں ہیں:

الف: اللہ تعالیٰ عرش کے محاذات میں ہوں گے ۔

ب: عرش سے متجاوز ہوں گے ۔

ج: عرش سے کم ہوں گے ۔

اگر عرش کے محاذات میں مانیں تو عرش چونکہ محدود ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا محدود ہونا لازم آئے گا ،اور متجاوز مانیں تو اللہ تعالیٰ کی تجزی یعنی تقسیم لازم آئے گی (اور تجزی یعنی تقسیم جسم کی ہوتی ہے اور جسم حادث ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے) اور اگر عرش سے کم مانیں تو عرش یعنی مخلوق کا اللہ تعالیٰ یعنی خالق سے بڑا ہونا لازم آئے گا ،جبکہ یہ تینوں صورتیں محال اور ناممکن ہیں۔

3: اللہ تعالیٰ خالق ہیں جوکہ غیر محدود ہیں ، عرش مخلوق ہے جو کہ محدود ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر مانا جائے تو غیر محدود کا محدود میں سمانا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔

4: اگر اللہ تعالیٰ کو عرش پر حقیقتاً مانیں تو حقیقی وجود کے ساتھ کسی چیز پر ہونا یہ خاصیت جسم کی ہے اور اللہ تعالی جسم سے پاک ہیں کیونکہ ہر جسم مرکب ہوتا ہے اور ہر مرکب حادث ہوتا ہے ، جبکہ اللہ تعالیٰ قدیم ہیں ۔

5: اگر اللہ تعالیٰ کو حقیقتاً عرش پر مانیں تو عرش اللہ تعالیٰ کے لئے مکان ہوگا اور اللہ تعالیٰ مکین ہوں گے اور ضابطہ ہے کہ مکان مکین سے بڑا ہوتا ہے ، اس عقیدہ سے '' اللہ اکبر'' والا عقیدہ ٹوٹ جائے گا۔

6: اگر اللہ تعالیٰ کا فوق العرش ہونا مانیں تو جہتِ فوق لازم آئے گی اور جہت کو حد بندی لازم ہے۔ حد بندی محدود کی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ غیر محدود ہیں۔

7: حد بندی کو جسم لازم ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے ۔

8: اگر اللہ تعالیٰ کو فوق العرش مانیں تو عرش اس کے لئے مکان ہوگا اور مکان اپنے مکین کو محیط ہوتا ہے اور مکین محاط ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ محیط ہیں محاط نہیں،قرآن کریم میں ہے :''وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْئٍ مُّحِيْطًا۔''کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے۔

مسلک اہل السنت پر اعتراضات کے جوابات:

اعتراض نمبر1:

اگر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانا جائے تو کیا اللہ تعالیٰ بیت الخلاء میں بھی موجود ہے ؟ اگر کہیں کہ ''نہیں'' تو ہر جگہ ہونے کا دعویٰ ٹوٹ گیا اور اگر کہیں ''ہے'' تو اللہ تعالیٰ کی بے ادبی ہے۔

جواب نمبر1: بعض چیزوں کو اجمالاً بیان کریں تو مناسب اور ادب ہے،اگر تفصیلات بیان کریں تو خلافِ ادب ہے۔ مثلاً:

مثال نمبر1: سسر اپنے داماد کو کہے: ''میری بیٹی کے حقوق کا خیال رکھنا ''،تو اجمالاً قول ہونے کی وجہ سے یہ ادب ہے لیکن اگر وہ تمام حقوق ایک ایک کرکے گنوانا شروع کردے تو یہ خلاف ادب ہے۔

مثال نمبر2: ''سر سے لے کر پاؤں تک تمام جسم کا خالق اللہ ہے'' یہ کہنا ادب ہے لیکن تفصیلاً ایک ایک عضو کا نام لے کر یہی بات کہی جائے تو یہ خلافِ ادب ہے۔

اسی طرح ''اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے''یہ اجمالاً کہنا تو مذکورہ قاعدہ کی رو سے درست اور ادب ہے لیکن تفصیلاً ایک ایک جگہ کا جس میں ناپسندیدہ جگہیں بھی شامل ہوں، نام لے کر کہا جائے تو یہ بے ادبی ہونے کی وجہ سے غلط ہوگا۔ لہذا ایسا سوال کرنا ہی غلط، نامناسب اور ناجائز ہے۔

جواب نمبر2: یہ اعتراض تب پیدا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کو وجود بمعنی ''جسم'' کے ساتھ

مانیں جیسے قرآن کریم کو بیت الخلاء میں لے کر جانا قرآن کی توہین اور بے ادبی ہے حالانکہ ہر حافظ جب بیت الخلاء جاتا ہے تو قرآن اس کے سینے میں موجود ہوتا ہے لیکن بے ادبی نہیں ، کیونکہ قرآن جسم سے پاک ہے، ایسے ہی ہم اللہ تعالیٰ کا جسم ہی ثابت نہیں کرتے تو بے ادبی لازم نہیں آتی ۔

<u>جواب نمبر3:</u> رمضان مبارک کا مہینہ ہر جگہ مبارک ہے ۔اگر کوئی شخص پوچھے کہ بیت الخلاء میں رمضان ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں تو ہر جگہ رمضان نہیں، اگر ہے تو بیت الخلاء میں بابرکت کیسے؟ تو اس کا یہ سوال لغو ہوگا کیونکہ جب رمضان کا جسم نہیں ہے تو ہر جگہ ماننے میں کوئی بے ادبی نہ ہو گی اور یہ ہر جگہ با برکت ہوگا۔ اسی طرح جب اللہ کا جسم نہیں تو ہر جگہ ماننے میں بے ادبی نہیں ۔

جواب نمبر4: (از قلم: عباس خان) فرقہ سلفیہ کہتا ہے کہ اللہ کا علم ہر جگہ ہےتو کیا خیال ہے کہ باتھ روم میں بھی ہے، یہ اعتراض الٹا ان پر پڑتا ہے۔

<u>اعتراض نمبر2:</u>

اگر اللہ تعالیٰ کو ہر جگہ مانیں تو اس سے حلول اور اتحاد لازم آئے گا ۔

<u>جواب :</u> حلول اور اتحاد تب لازم آئے گا جب اللہ تعالی کے لئے جسم مانا جائے‘ جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہیں۔

<u>فائدہ :</u> دو چیزوں کا اس طرح ایک ہونا کہ ہر ایک کا وجود باقی رہے ’’اتحاد‘‘ کہلاتا ہے جیسے آملیٹ اور دو چیزوں کااس طرح ایک ہونا کہ ایک چیز کا وجود ختم ہو جائے’’حلول‘‘ کہلاتا ہے جیسے شربت۔

جواب نمبر 2: (از قلم : عباس خان) کسی چیز میں حلول کرنا یا کسی چیز کے ساتھ اتحاد کرنا مخلوق کی صفت ہے اللہ مخلوق کی صفات سے پاک ہے۔
اور ان کے اس اعتراض سے معلوم ہوتا ہےکہ یہ لو گ اللہ تعالیٰ کی ذات کو کوئی جسم جیسی کوئی چیز مانتے ہیں جس کے متعلق اگر کہا جائے کہ اگر یہاں ہے تو لازماً اتحاد ہو گا حلول ہو گا۔ یہ بھی اللہ کو نعو ذ باللہ ایسا ہی خیال کرتے ہیں اس لئے یہ سوال اٹھاتے ہیں۔

<u>غیر مقلدین کے دلائل اور ان کے جوابات:</u>

<u>قرآنی آیات:</u>

<u>1:</u> اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں : ثُمَّ اسْتَوَیٰ عَلَی الْعَرْشِ۔(سورہ حدید 4،سورہ رعد:2، طہ: 5 ، سجدہ : 4)

<u>جواب نمبر1:</u> اس کا معنی ’’عرش پر اللہ کا غالب ہونا‘‘ ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا معنی:’’ اَیْ عَلاَ عَلَی الْعَرْشِ‘‘ (صحیح بخاری: کتاب التوحید ،باب وکان عرشہ علی الماء)نقل کیا ہے اور عربی زبان میں ’’استویٰ‘‘ بمعنی ’’غالب ہونا‘‘ استعمال ہوتا رہتا ہے۔ ایک شاعر نے بشر بن مروان کی مدح میں یہ شعر کہا تھا:

قَدِ اسْتَوَیٰ بِشْرٌ عَلَی الْعِرَاقِ
مِنْ غَیْرِ سَیْفٍ وَّ دَمٍ مُّھْرَاقٍ

(کتاب الاسماء و الصفات للبیہقی:ج2ص153)

ترجمہ:بشر بن مروان نے بغیر جنگ اور خونریزی کے عراق پر غلبہ پا لیا۔

ایک اور شاعر نے کہا:

فَلَمَّا عَلَوْنَا وَ اسْتَوَیْنَا عَلَیْہِمْ
جَعَلْنَاہُمْ مَرْعَیٰ لِنَسْرٍ وَّ طَائِرٍ

(التعلیق علی کتاب الاسماء و الصفات للبیہقی:ج2ص154)

ترجمہ:جب ہم ان پر چڑھ دوڑے اور ان پر غلبہ پا لیا تو انھیں(ٹکڑے ٹکڑے کر کے)گدھوں اور پرندوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دیا۔

اشکال:اگر کوئی کہے کہ عرش کی کیا تخصیص ہے ،جب کہ اللہ تو آسمان،زمین اور دیگر مخلوقات پر بھی غالب ہے ،تو عرش کو خاص کیوں کیا گیا؟

جواب: عرش کائنات کا مکان آخر ہے تو مکان آخر تک غلبہ بتانے کے لیے عرش کا ذکر کیا۔ جیسے ایک آدمی کے پاس سائیکل ،موٹرسائیکل اور کار ہو تو وہ اپنی ملکیت اور مالی رتبہ بتانے کے لیے یہ کہے : ’’میرے پاس کار ہے‘‘ تو اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کے پاس سائیکل اور موٹر سائیکل رکھنے کی اہلیت نہیں۔

جواب نمبر 2: اگر استویٰ علی العرش سے اللہ تعالیٰ کا حقیقتاً عر ش پر ہونا مراد لیں تو قرآن کریم کی بہت ساری ان آیات کا ان آیات سے تعارض لازم آتا ہے جن میں اللہ تعالی کے فوق العرش ہونے کی بجائے فی السماء یا ہر جگہ ہونے کا ذکر موجود ہے جیسے:

’’وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْافَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ‘‘ (سورہ البقرۃ: 115)

ترجمہ: اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ہیں، لہذا جس طرف بھی تم رخ کرو گے وہیں اللہ کا رخ ہے۔

’’وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ‘‘ (سورہ ق:16)

ترجمہ : ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں۔

’’ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآئِ‘‘ (سورۃ الملک :16) [کیا تم کو اس (اللہ تعالیٰ)کا جو آسمان میں ہے، خوف نہیں رہا]

وغیرہ کا اس آیت سے تعارض لازم آتا ہے‘ جبکہ قرآن کریم میں قطعاً تعارض نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے :

’’وَلَوْکَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُ وْا فِیْہِ اخْتِلَافاً کَثِیْراً۔‘‘(سورۃ النساء: 82)

ترجمہ: اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے ۔

جواب نمبر 3: بہتر یہ ہے کہ جواب یوں دیا جائے کہ یہ متشابہا ت میں سے ہے اور اس کا معنی اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔اس پر کسی قسم کا اشکال نہ ہوگا اور آیات کا تعارض بھی لازم نہیں آئے گا۔

2: وہ تمام آیات جن سے اللہ تعالیٰ کا جہتِ علو یعنی جانب ِبلندی کی طرف ہونا ثابت ہوتا ہے مثلاً

1: اِ لَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ (سورہ فاطر؛ 10)

ترجمہ : اسی کی طرف پاکیزہ کلام چڑھتا ہے ۔

جواب : یہ کنایہ حسنِ قبول سے ہے۔ چنانچہ امام ا بوبکر البیہقیؒ فرماتے ہیں :

صُعُوْدُ الْکَلِمِ الطَّیِّبِ وَالصَّدَقَۃِ الطَّیِّبَۃِاِلَی السَّمَآئِ عِبَارَۃٌ عَنْ حُسْنِ الْقُبُوْلِ لَھُمَا.

(کتاب الاسماء والصفات ج2ص168)

کلمات طیبہ اور صدقہ طیبہ کا آسمان کی طرف چڑھنا ان کے حسنِ قبول سے عبارت ہے۔

2: وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ (سورۃ الانعام:18)

ترجمہ : وہ اپنے بندوں پر غالب ہے ۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اللہ غالب تب ہو گا جب سب سے اوپر ہو۔

جواب: فوقیت سے مراد فوقیتِ حسی نہیں بلکہ فوقیتِ مرتبہ اور فوقیتِ قدرت ہے ۔دلیل اس پر ’’وَھُوَ الْقَاھِرُ‘‘ہے جیسے غلام دوسری منزل پر اور آقا پہلی منزل پر ہو توکہتے پھر بھی یہی ہیں کہ آقا اپنے غلام پر غالب ہے ۔

3: ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآئِ (سورۃ الملک :16)

ترجمہ : کیا تم کو اس (ا للہ) کا جو آسمانوں میں ہے، خوف نہیں رہا۔

جواب نمبر1: مَنْ فِی السَّمَآئِ سے مَنْ عَظُمَ شَانُہٗ مراد ہے ۔

جواب نمبر2: اگر اس کا حقیقی معنی ہی مراد لیں تو پھر بھی یہ غیر مقلدین کے موقف فوق علی العرش کے خلاف ہے ۔

4: تَعْرُجُ الْمَلٰئِکَۃُ وَالرُّوْحُ اِلَیْہِ (سورۃ المعارج: 4)

جواب: محل امر مراد ہے کہ وہاں سے فرشتے امر لاتے ہیں۔

5: بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ (سورۃ النساء؛158)

ترجمہ : بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔

جواب: امام ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبیؒ نے اس آیت کی بہترین تفسیر اور مطلب بیان کیاہے چنانچہ فرماتے ہیں :

’’اَیْ اِلَی السَّمَآئِ وَاللّٰہُ تَعَالیٰ مُتَعَالٍ عَنِ الْمَکَانِ۔‘‘(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج2ص12)

ترجمہ:اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسی علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھایا اور اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ فرقہ مُشبِّہ(جو اللہ تعالیٰ کے لیے اس آیت سے جہت ثابت کرتے ہیں)کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

’’اَلْمُرَادُ الرَّفْعُ اِلَی مَوْضِعٍ لَایَجْرِیْ فِیْہِ حُکْمُ غَیْرِ اللّٰہِ۔‘‘(تفسیر الفخر الرازی ج11ص102تحت قولہ تعالیٰ:بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ)

ترجمہ:’’رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ‘‘ سے مراد ایسے مقام کی طرف اٹھانا ہے جہاں غیر اللہ کاحکم نہیں چلتا۔

فائدہ: دنیا میں حقیقی اختیار ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اگر ظاہری اختیار بندے کا ہو تو نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے جیسے زکریا علیہ السلام کا مریم علیہا السلام کا کھانا دینا لیکن جو اللہ کی طرف سے ملے جس میں بندے کو اختیار نہیں تھا اس کو﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ﴾ فرمایا۔ دین میں کمی بیشی کا اختیار چونکہ بندے کے پاس نہیں، اس لیے فرمایا:﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ﴾شہید کو جو بعد الموت رزق ملتا ہے اس میں بھی بندے کے اختیار کو دخل نہیں ہوتا اس لئے ﴿عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ﴾ فرمایا۔ عرف میں اگر کوئی آدمی اپنے گھر سے دوسرے شہر چلا جائے تو نسبت اس کی طرف ہوتی ہے، مثلاً فلاں بندہ لاہور یا کراچی چلا گیا، لیکن اگر کوئی بندہ دنیا کو چھوڑ کر قبر میں چلا جائے تو نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلا گیا ہے کیونکہ موت میں اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے اور لاہور جانے میں ظاہری اختیار بندے کا ہے۔

احادیث مبارکہ:

1:حضرت معاویہ بن الحکم السلمی فرماتے ہیں:

کَانَتْ لِیْ جَارِیَۃٌ تَرْعٰی غَنَمًالِیْ قِبَلَ اُحُدٍوَالْجَوَّانِیَّۃِ فَاطَّلَعْتُ ذَاتَ یَوْمٍ فَاِذَاالذِّئْبُ قَدْ ذَھَبَ بِشَاۃٍ عَنْ غَنَمِھَا وَاَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِیْ آدَمَ اٰسَفُ کَمَایَاْ سَفُوْنَ لٰکِنِّیْ صَکَکْتُھَا صَکَّۃً فَاَ تَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و سلم فَعَظَمَ ذٰلِکَ عَلَیَّ۔قُلْتُ:یَارَسُوْلَ اللّٰہِ !اَفَلَا اَعْتِقُھَا ؟ قَالَ :اِئْتِنِیْ بِھَا۔ فَاَ تَیْتُہٗ بِھَا فَقَالَ لَھَا: اَیْنَ اللّٰہُ؟ قَالَتْ :فِی السَّمَآئِ ۔قَالَ مَنْ اَنَا؟ قَالَتْ :اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ۔قَالَ :اَعْتِقْھَا ‘فَاِنَّھَا مُؤْمِنَۃٌ.

(صحیح مسلم ج1ص204،203باب تحریم الکلام فی الصلوۃ الخ)

ترجمہ:میری ایک باندی تھی ‘جو احد اور جوانیہ کی طرف بکریاں چراتی تھی ۔ ایک دن میں وہاں آنکلا تو دیکھا کہ ایک بھیڑیا ایک بکری کو لے گیا ہے۔ آخرمیں بھی آدمی ہوں مجھ کو بھی غصہ آجاتا ہے ۔میں نے اس کو ایک طمانچہ مارا۔ پھر میں رسول اللہﷺ کے پاس آیا تو رسول اللہﷺ نے میرا یہ فعل بہت بڑا قراردیا۔ میں نے کہایارسول اللہ! کیامیں اس باندی کوآزاد نہ کردوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس کو میرے پاس لے آو۔ میں آپ ﷺ کے پاس لے کر گیا۔ آپﷺ نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں۔ آپ ﷺنے فرمایا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں۔(یعنی آپ ﷺکو اللہ نے بھیجا ہے) تب آپ ﷺنے فرما یااس کو آزاد کردے اس لیے کہ یہ مؤمنہ ہے۔

جواب نمبر1: یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ متناً مضطرب ہے۔

(کتاب الاسماء والصفات ج 2ص164 ،، تلخیص الحبیرللامام ابن حجرؒ ج 3 ص 223 کتاب الکفارات)

ا ور متن میں اضطراب وجہ ضعف ہوتا ہے ۔

(تقریب النووی مع شرحہ التدریب: ص 234)

جواب نمبر2: اگر اس حدیث کو سنداً و متناً صحیح و قابلِ استدلال مان بھی لیا جائے تو یہ حدیث خود غیر مقلدین کے خلاف ہے کیونکہ ان کا دعویٰ تو فوق العرش ہونے کا ہے اور اس سے تو اللہ تعالی کا ’’فی السماء‘‘ ہونا لازم آتا ہے ۔

جواب نمبر3: ہر آدمی بقدر عقل مکلف ہوتاہے۔ باندی کا جواب واقع کے مطابق درست نہ تھا‘ لیکن اس میں عقل ہی اتنی تھی کہ جواب اس کی عقل کے بقدر ہونے کی وجہ سے اس کا ایماندار ہونا تسلیم کرلیاگیالہٰذا اس سے اللہ کے محض ’’فی السماء‘‘ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتاجیسا کہ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کو موت آئی۔ جب اس کو زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو اس نے اپنے گھر والوں سے وصیت کی کہ جب

میں مرجاؤں تو میرے لیے بہت سی لکڑیاں جمع کرکے آگ جلانا اور مجھے اس میں ڈال دینا، یہاں تک کہ جب آگ میرے گوشت کو کھالے اور ہڈیوں تک پہنچ جائے تو تم ان ہڈیوں کو پیس لینا اور پھر مجھے(یعنی پسی ہوئی ہڈیوں کو) کسی گرم یا کسی تیز ہوا چلنے والے دن دریامیں ڈال دینا(چنانچہ ایسا ہی کیا گیا)

فَجَمَعَہُ اللّٰہُ فَقَالَ :لِمَ فَعَلْتَ؟ قَالَ: مِنْ خَشْیَتِکَ۔ فَغَفَرَلَہٗ۔(صحیح البخاری ج1ص495باب بلا ترجمہ، بعد باب حدیث الغار)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو جمع کرکے فرمایاکہ تو نے ایسا کیوں کیا؟اس نے عرض کیاتیرے خوف کی وجہ سے۔ پس خدا نے اس کوبخش دیا۔

اس روایت میں مذکورشخص کا خوفِ خدا کی وجہ سے ایسی خلاف شریعت وصیت کرنا اور پھراس کے گھر والوں کا اس پر عمل کرنا، واقع میں اسے اللہ کے سامنے حاضری سے نہ بچا سکا، لیکن چونکہ اس میں عقل ہی اتنی تھی لہٰذا اس کا یہ عمل وعذر اس کی عقل کے بقدر ہونے کی وجہ سے قبول کرکے اسے بخش دیاگیا۔ یہاں بھی ایسی خلاف شریعت وصیت کرنے، اس پر عمل اور بوجہ عمل اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش نہ ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

2 : حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’یَنْزِلُ اللّٰہُ اِلَی السَّمَائَ الدُّنْیَا کُلَّ لَیْلَۃٍ حَتّٰی یَمْضِیَ ثُلُثُ اللَّیْلِ الْاَوَّلِ۔‘‘

(صحیح مسلم ج1 ص 258 باب صلوۃ اللیل و عدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل الخ)

ترجمہ : ہر رات اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر جاتا ہے ۔

اس سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ اوپر ہے ۔

<u>جواب نمبر1:</u>نزول سے مراد نزولِ رحمت ہے ۔

<u>جواب نمبر2:</u>اگر اس کا حقیقی معنی مراد ہو تویہ تمہارے عقیدے کے خلاف ہے کیونکہ جب آسمان پر ہوں گے تو فوق العرش نہیں ہوں گے۔

<u>عقلی دلا ئل :</u>

١ : اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں اسی لیے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم کلام ہونے کے لئے عرش پر بلایا۔

<u>جواب:</u> ہم کلام ہونے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو عرش پر بلانا اگر عرش پر ہونے کی دلیل ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر بلانا اللہ تعالیٰ کے کوہِ طور پر ہونے کی دلیل ہے اور ہر نمازی کا مسجد میں جا کر اللہ سے بات کرنا ہر مسجد میں ہونے کی دلیل ہے۔کلامِ الہیٰ تجلی اُلٰہی کا نام ہے ،چاہے اس کے ظہور کے لئے انتخاب عرش کا ہو یا کوہ طور کا ہو یا منصور حلاجؒ کی زبان کا ہو۔

٢ : بوقت دعا ہاتھ اوپر کی جانب اٹھائے جاتے ہیں جو دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں۔

<u>جواب:</u> اللہ تعالیٰ جہت سے پاک ہیں لیکن تمام جہات کو محیط ہے، لیکن بندے کے قلبی استحضار کے لئے بعض اعمال کے لئے بعض جہات کا تعین فرما دیتے ہیں۔ جیسے نماز کے لئے جہتِ کعبہ کو قبلہ قرار دیا ، دعا کے لئے جہتِ فوق کو قبلہ قرار دیا اور نہایت اعلیٰ درجہ کے قرب اِلٰہی کے حصول کے لئے جہتِ ارض کو قبلہ قرار دیا اور قرآن مجید میں حکم دیا:’’وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ‘‘(اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ)

<u>فائدہ:</u> ہمارا نظریہ ہے کہ آپ ﷺ کے جسم اطہر سے لگنے والی مٹی کے ذرات کعبہ سے بھی اعلیٰ ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ عظمت کا اظہار تجلیات الٰہیہ کے ظہور پر ہے اورآنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی ذات گرامی پر سب سے زیادہ تجلیاتِ الٰہیہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لیے آپ علیہ السلام کے جسم کو لگنے والی مٹی عرش و کعبہ سے افضل ہے۔

اس پر غیر مقلدین یہ اعتراض کرتے ہیں:

<u>اعتراض:</u> اگر یہ ذرات کعبہ سے بھی اعلیٰ ہیں تو سجدہ کعبہ کی طرف نہ کرو بلکہ روضہ رسول ﷺ کی طرف منہ کر کے کرو۔

<u>جواب نمبر1:</u> ہم کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ افضل ہی کو قبلہ بنایا جائے۔ اگر آپ کا یہی

اصول ہے تو آپ کے ہاں عرش کعبۃ اللہ سے افضل ہے تو آپ نماز میں اپنا منہ عرش کی طرف کیوں نہیں کر لیتے؟؟

<u>جواب نمبر2:</u> کعبہ مرکز عبادت اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ و سلم مرکز عقیدت۔

۳ : اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے کے لئے عموماً اوپر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں۔

<u>جواب نمبر1:</u> اللہ تعالیٰ جہاتِ ستہ سے اگرچہ پاک ہیں‘ لیکن تمام جہات کو محیط بھی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَكَانَ اللّٰہُ بِكُلِّ شَيْئٍ مُّحِيْطًا (سورۃ النساء:126)[اللہ تعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے] اور جہاتِ ستہ میں سے جہت ِعلو کو باقی جہات پر عقلاً فوقیت حاصل ہے ۔اس لئے علو مرتبہ اور تعظیم کا خیال کرتے ہوئے اشارہ اوپر کیا جاتا ہے۔ جیسے استاذ کی آواز دوران سبق تمام جہات کی طرف منتقل ہوتی ہے لیکن استاد کے سامنے بیٹھ کر آواز کو سننا ادب ہے اور پیچھے بیٹھ کر سننا بے ادبی ہے ۔

<u>جواب نمبر2:</u> اللہ اوپر نہیں بلکہ ”محل امر“ اوپر ہے۔بہر حال اس کی توجہ محل امر کی طرف ہے اور محل امر چونکہ اوپر کی طرف ہے اس لیے اشارہ بھی اوپر ہے۔

<u>فائدہ:</u>

یہاں چند ایک عبارات نقل کرنا ضروری ہے جن کی بنیاد پر یہ سمجھا گیا ہے کہ ’’معیت‘‘ سے مراد ’’معیت ذاتیہ‘‘ ہے ۔

[۱] : مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی حفظہ اللہ رئیس دارلعلوم کراچی نے فرمایا:

”اللہ رب العزت کی ذات تو ایسی عظیم ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور وہ کسی خاص مقام تک محدود نہیں ہے، کعبہ بیت اللہ ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اندر موجود ہے اس کے سوا کہیں اور موجود نہیں، ایسا نہیں بلکہ وہ تو ہر جگہ ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا:

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾

تم جہاں کہیں ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

یعنی تم جہاں بھی ہوتے ہو اللہ تمہارے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، اس وقت بھی ساتھ ہے، تمہارے ساتھ بھی ہے اور میرے ساتھ بھی۔ اور قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ (سورۃ ق، آیت نمبر۱۶)

اور ہم انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

انسان کی شہ رگ کتنی قریب ہوتی ہے، جسم کا حصہ ہے لیکن فرمایا کہ ہم ہر انسان کے اس سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ تو اللہ رب العزت کی ذاتِ اقدس تو لا محدود ہے وہ کسی خاص مکان کے ساتھ محدود نہیں ہے، کسی خاص مکان کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ چنانچہ عرش پر بھی ہے، آپ کے ساتھ بھی ہے اور میرے ساتھ بھی، ہر ایک کے ساتھ ہے اور ہر جگہ ہے۔ مدینہ میں بھی ہے اور مکہ میں بھی۔ ہر آسمان پر ہے، عرش پر بھی ہے اور کرسی پر بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے تو اس لحاظ سے ہر جگہ ہی افضل ہے۔“

(ماہنامہ البلاغ: ربیع الاول ۱۴۳۴ھ/ فروری۲۰۱۴ءص21 خطاب حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی)

[۲] : حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ سے کسی نے معیت وقربِ خداوندی کے بارے میں سوال کیا‘ جس کا آپؒ نے جواب دیا۔ سوال وجواب کا عبارت من وعن نقل کی جاتی ہے۔

’’مسئلہ: قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ وَقَالَ :وَهُوَمَعَكُمْ الآيۃ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُوْلُ اِنَّ الْقُرْبَ بِاعْتِبَارِ الذَّاتِ وَالْوَصْفِ وَيَقُوْلُ بَعْضُ النَّاسِ اِنَّ الْقُرْبَ بِحَسْبِ الْوَصْفِ فَقَطْ‘ فَاَیُّ الْحِزْبَيْنِ عَلَى الصَّوَابِ وَاَیُّ الْفَرِيْقَيْنِ عَلَى الْحَقّ ؟وَاِنْ كَانَ اللّٰہُ قَرِيْبًا بِالذَّاتِ ؛ہَلْ يَقْرُبُ مَعَ كَوْنِ اسْتِوَائِہٖ عَلَى الْعَرْشِ اَمْ لاَ؟ثُمَّ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ بِالْقُرْبِ الْوَصْفِیْ يَدَّعُوْن بِالْقَائِلِيْنَ بِالْقُرْبِ الذَّاتِیْ اَنَّہُمْ كَفَرُوْابِقَوْلِہِمْ بِالْقُرْبِ الذَّاتِیْ ۔ہَلْ يَجُوْزُ نِسْبَۃُ الْكُفْرِ اِلٰى مَنْ قَالَ اِنَّ الْقُرْبَ ذَاتِیٌّ اَمْ لاَ؟

الجواب: لَمَّا كَانَ الْمُتَبَادَرُ عِنْدَ الْعَامَّۃِ مِنَ الْمَعِيَّۃِ الذَّاتِيَّۃِ هِیَ الْمَعِيَّۃُ الْجِسْمَانِيَّۃُ اَبْطَلَهَا الْعُلَمَآءُ وَكَفَّرَ

بَعْضُهُمُ الْقَائِلِيْنَ بِهَا، وَلَوْاُرِيْدَ بِهَا الْمَعِيَّةُ غَيْرُ الْمُتَكَيِّفَةِ فَلاَ مَحْذُوْرَ فِي الْقَوْلِ بِهَا، وَالْاِمْتِنَاعَ فِي اجْتِمَاعِهَا بِالْاِسْتِوَاءِ،لِاَنَّ الذَّاتَ لَيْسَتْ بِمُتَنَا هِيَةٍ وَالْمَعِيَّةُ لَيْسَتْ بِمُتَكَيِّفَةٍ ،وَمَنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلٰى اعْتِقَادِهَا بِلاَ كَيْفِيَةٍ فَالْاَسْلَمُ لَہٗ،اَنْ يَّقُوْلَ بِالْمَعِيَّةِ الْوَصْفِيَّةِ (ای العلمیۃ) فَقَطْ ، وَبِهٰذَا التَّقْرِيْرِ خَرَجَ الْجَوَابُ مِنْ كُلِّ سُوَالٍ وَارْتَفَعَ كُلُّ اِشْكَالٍ ـوَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الْكَبِيْرِ الْمُتَعَالِ عَنْ كُلِّ مَكَانٍ وَخَيَالٍ۔‘‘

(بوادر النوادر ازحضرت تھانوی ؒص50، 51)

ترجمہ: مسئلہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس کے قریب ہیں ۔ایک اور مقام پر فرمایا:اور وہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب ذات اور وصف دونوں کے اعتبار سے ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ قرب فقط وصف کے اعتبار سے ہے۔ان میں سے کس کا موقف درست ہے اور کون حق پر ہے؟اور اگر اللہ تعالیٰ بالذات قریب ہو تو کیا عرش پر مستوی ہوتے ہوئے قریب ہوگا یا نہیں؟پھر جو لوگ قربِ وصفی کے قائل ہیں وہ قرب ذاتی کے قائلین کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ قربِ ذاتی کے قول کی وجہ سے کافر ہیں ۔تو جس شخص نے کہاکہ قر ب ذاتی ہے‘ کیا اس شخص کو کافر کہناجائز ہے یا نہیں؟

الجواب : چونکہ ’’معیت ذاتیہ‘‘ کہنے سے عوام کا ذہن فوراً ’’معیت ِجسمانیہ‘‘ کی طرف جاتا ہے اس لیے علماء نے ایسا کہنے سے روک دیا اور بعض علماء نے معیت ِذاتیہ کے قائلین کو کافر تک کہہ دیا اور اگر معیت ذاتیہ سے مراد ’’معیت بلاکیف‘‘ لی جائے تو اس نظریہ کا قائل ہونے میں کوئی حرج نہیں ‘اور معیتِ غیر متکیفہ کو استواء (علی العرش) کے ساتھ جمع کرنا ممتنع بھی نہیں ہے ، اس لیے کہ ذات باری تعالیٰ متناہی نہیں اور معیت متکیفہ نہیں‘ اور جو شخص معیت بلا کیفیت کے اعتقاد پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ معیتِ وصفیہ ، یعنی علمیہ کاقائل ہو جائے۔ اس تقریر سے سا رے سوال ختم ہوگئے اور سارے اشکالات حل ہوگئے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو بڑا ہے اور ہر مکان اور خیال سے پاک ہیں۔

[۳] : حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

’’آگاہ ہو کہ فوق العرش کا ظہور تجھے وہم میں نہ ڈالے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالی کا مقام و قرار عرش کے اوپر ہے اور جہت و مکان اس کے لئے ثابت ہے ۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ وَ عَمَّا لاَ یَلِیْقُ بِجَنَابَ قُدُسْہٖ تَعَالٰی (اللہ تعالی کی پاک ذات ایسی باتوں سے جو اس کے لائق نہیں ہیں، بر تر اور بلند ہے) ‘‘

(مکتوبات امام ربانیؒ ج 2 ص 53)

مزید فرماتے ہیں:

’’اور یہ بھی مناسب نہیں کہ حق تعالیٰ کو عرش کے اوپر جانیں اور فوق کی طرف ثابت کریں۔ کیونکہ عرش اور اس کے ماسوا سب کچھ حادث اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے ۔ مخلوق و حادث کی کیا مجال ہے کہ خالق قدیم کا مکان اور جائے قرار بن سکے ۔‘‘

(مکتوبات امام ربانیؒ ج 2ص 225)

[۴] : قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں:

’’حق تعالیٰ باوجود وراء الوراء کے قریب عبد کے ہے ’’ وَھُوَمَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ‘‘ ایسے تشاویش کی ضرورت نہیں اور ’’ مَعَکُمْ‘‘ علم سے معیت تعبیر کرنا کچھ حاجت نہیں ’’ھُوَ‘‘ ضمیر ذات ہے جہاں علم وہاں ذات۔ پس تکلف کی کیا حاجت ہے ؟ حق تعالیٰ فوق، تحت سے بری ہے۔ فوق اور تحت اور ہر جاموجود ہے عروج روح و قلب کا فوق کی جانب اس خیال سے نہیں ہے کہ حق تعالی فوق العرش ہے۔ نہیں سب جگہ ہے قلب مومن کے اندر بھی ہے پس فوق کا خیال مت کرو ۔‘‘

(مکاتیب رشیدیہ ص 42)

[۵] : حضرت مولانا محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’خدا ہر جگہ موجود ہے۔‘‘

(ملفوظات فقیہ الامت: ج2 ص14)

[۶] : عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’بس ایک بات عرض کرتا ہوں، بعض لو گ مخلوق کے سامنے گناہ سے بچتے ہیں، دو چار دوست بیٹھے ہوں ہاں ان کے سامنے گناہ نہیں کرتے کیونکہ مخلوق کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے یا مخلوق ان سے انتقام لے سکتی ہے، لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ جس خلوت اور تنہائی میں انسان گناہ

کرتا ہے اس وقت خدا اس کے ساتھ ہے یا نہیں؟تو مخلوق زیادہ طاقتور یا خالق زیادہ طاقتور ہے؟ بڑی طاقت کے سامنے تو گناہ کرتے خوف نہ لگا اور کمزور مخلوق کے ڈر سے گناہ چھوڑ رہا ہے! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ جہاں بھی تم ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔اتنی عظیم الشان والا ہمارے، آپ کے حجروں اور کمروں میں ساتھ ہے، کوٹھڑیوں میں ساتھ ہے، لیکن انسان کی فطرت دیکھیے کہ چند انسان اس کو دیکھ رہے ہوں تو وہاں گناہ سے بچتا ہے اور پھر گناہ کے لیے تنہائی تلاش کرتا ہے، راستے بند کرتا ہے ، دروازے بند کرتا ہے کہ کوئی دیکھ نہ لے لیکن وہ ذات پاک جو مخلوق سے بے شمار گنا عظیم الشان اور عظیم القدرۃ ہے وہ وہیں ساتھ میں ہے،وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ۔

(اہل اللہ اور صراط مستقیم، سلسلہ مواعظ حسنہ نمبر21، ص11،12)

[۷] : شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سورۃ البقرۃ آیت نمبر115 کی تشریح میں لکھتے ہیں:

’’مشرق و مغرب سب اللہ کی مخلوق اور اس کی تابع فرمان ہیں، اللہ تعالیٰ کسی ایک جہت میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ موجود ہے چنانچہ وہ جس سمت کی طرف رخ کرنے کا حکم دے دے بندوں کا کام یہ ہے کہ اسی حکم کی تعمیل کریں۔‘‘

(آسان ترجمہ: ج1 ص90)

اسماء باری تعالیٰ :

اسماء باری دو قسم پر ہیں ۔[۱]:ذاتی [۲]: صفاتی

چند فوائد :

فائدہ نمبر 1 : اللہ تعالی کے صفاتی ناموں کو ’’اسماء ِحسنیٰ‘‘ کہتے ہیں۔

فائدہ نمبر 2 : قرآن و حدیث میں وارد تمام اسماءِ الٰہیہ کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے استعمال کرنا جائز ہے اور جو اسماء قرآن و حدیث میں وارد نہیں امام ابو الحسن اشعری ؒکے نزدیک ان کا استعمال ذاتِ باری کے لئے ناجائز ہے ‘جبکہ امام فخر الدین رازیؒ اور امام غزالیؒ کے نزدیک ذاتِ باری کے لئے ان کا استعمال بطورِ اسم کے ناجائز اور بطورِ وصف کے جائز ہے ۔مثلاً ’’یَا قَدِیْمُ‘‘ نہیں کہَ سکتے البتہ ’’اَللّٰہُ قَدِیْمٌ‘‘کہہ سکتے ہیں۔

فائدہ نمبر 3 : ہر زبان میں ذاتِ باری کے لئے ذاتی نام مقرر ہے ۔ ان کا استعمال اسی زبان میں ذات باری کے لئے جائز ہے۔ جیسے اردو اورفارسی میں ’’خدا‘‘ اور انگریزی میں’’God‘‘ (بڑی Gکے ساتھ) البتہ کفار میں ذات باری کے لئے استعمال ہونے والے اسماء کے بارے میں جب تک یہ تحقیق نہ ہو کہ یہ ذاتی ہیں یا صفاتی یا صفات میں سے کس صفت کی ترجمانی کرتے ہیں ‘اس وقت تک اس کے استعمال سے احتراز کرنا چاہیے۔ جیسے فارسی میں ’’اہرمن ‘‘ اور ’’یزدان‘‘۔ ’’اہر من‘‘ کا معنی ’’خیر کا خدا‘‘ اور ’’یزدان‘‘ کا معنی ’’شر کا خدا‘‘

فائدہ نمبر 4 : حدیث ابو ہریرہؓ :’’اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی تِسْعَۃً وَ تِسْعِیْنَ اسْمًا‘ مِائَۃً اِلاَّ وَاحِدَۃً، مَنْ اَحْصَاھَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ (جامع الترمذی ج 2 ص 190کتاب الدعوات) میں وارد تمام اسماء حسنی کا حصر نہیں بلکہ ننانوے ناموں کا تذکرہ بطورِ فضیلت کے ہے ‘یعنی جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ان ننانوے اسماء کو یاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے جنت عطا فرمائیں گے ۔

فائدہ نمبر 5 : ننانوے اسماء حسنیٰ :

’’ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الرّحمٰن الرّحیم المَلِک القُدّوس السّلام المؤمن المُھَیْمِن العزیز الجبّار المتَکَبّر الخالق الباریء المصوّر الغفّار القھّار الوھّاب الرزّاق الفتّاح العلیم القابض الباسط الخافض الرافع المُعِزُّ المُذِلُّ السمیع البصیر الحَکَم العَدْل اللطیف الخبیر الحلیم العظیم الغفور الشکور العَلِیُّ الکبیر الحفیظ المُقِیْت الحسیب الجلیل الکریم الرقیب المُجیب الواسع الحکیم الوَدُود المجید الباعث الشھید الحَقّ الوکیل القَوِیُّ المتین الوَلِیُّ الحمید المُحْصِی المُبْدِئُ المُعِید المُمِیْت الحَیُّ القَیُّوم الواجد الماجد الواحد الاَحَدالصَمَد القادر المُقْتَدِر المُقَدِّم المُؤَخِّر الاول الآخِر الظاھر الباطِن الوالی المُتَعالی البَرُّ التوّاب المُنْتَقِم العَفُوّ الرّؤُف مالکُ الملک ذو الجلال والا کرام المُقْسِط الجامع الغَنِیُّ المُغْنِی المانع الضارُّ النافع النور الھادی البدیع الباقی الوارث الرشید الصبور۔ ‘‘

فائدہ نمبر 6 : بواسطہ اسماءِ حسنیٰ دعائے مستجاب کا مجرّب طریقہ :

گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر سورہ حشر کا آخری رکوع﴿یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اتَّقُوْا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ الآیۃ﴾ پڑھیں اور جب ﴿مُتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ﴾ پڑھ چکیں تو اپنی مشکل کا نام لے کر یوں دعا مانگیں ’’یا اللہ ! میری یہ مشکل میرے لئے پہاڑ ہے۔ اپنی قدرت، طاقت اور اس تلاوت کی برکت سے اس پہاڑ کو ریزہ ریزہ فرما دے ‘‘ اور جب ﴿لَہُ الاَ سْمَآئُ الْحُسْنٰی﴾ پڑھ چکے تو ننانوے اسماء ِحسنیٰ کو پڑھے، دل میں اپنی مراد کا تصور کرے اور رکوع کے اختتام پر گیارہ بار درود شریف پڑھے ، پھر اپنی مراد مانگے ۔

فائدہ نمبر 7 : اسماءِحسنیٰ کو ’’یا‘‘ حرفِ ندا اور بغیر حرفِ ندا کے ‘دونوں طرح پڑھنا بلا کراہت درست اور جائز ہے ۔

فائدہ 8: اسمائے حسنی میں سے کون سے اسماء بندوں کے لیے استعمال کے جاسکتے ہیں۔
اس بارے میں شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانامفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی تحقیق نہایت ہی قابل قدر ہے اور ہماری نظر میں اہل علم حضرات کے لیے کافی وافی ہے فتاویٰ عثمانی سے من وعن نقل کی جاتی ہے۔

’’سوال: آج کل عموماً باری تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ’’ عبد‘‘ کے اضافے کے ساتھ نام رکھے جاتے ہیں‘ مگر عموماً غفلت کی وجہ سے مسمّٰی کو بدون’’ عبد‘‘ کے پکاراجاتاہے‘ حالانکہ بعض اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں ‘مثلاً عبدالرزاق وغیرہ‘ اندریں احوال اپنی جستجو کے مطابق فیض الباری ج:۴ ص:۴۲۳ سے اسمائے حسنی درج کر رہا ہوں، تحقیق فرمائیں کہ کون سے اسماء باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں‘ کہ ان کو بدون’’ عبد‘‘ کے مخلوق کے لیے استعمال کرنا گناہ کبیرہ ہے‘ اگر ان کے علاوہ اور کوئی اسماء ہوں تو وہ بھی درج فرمائیں مع تحقیق کے‘ نیز اسماء کے شروع یا آخر میں ’’محمد‘‘ یا’’ احمد‘‘ یا’’ اللہ‘‘ کا اضافہ کیسا ہے ؟مثلاً محمد متکبر، خالق احمد، محمد اللہ، احمد رزاق۔

اللہ ، الرحمن ،الرحیم، الملک، القدوس، السلام، المؤمن المھیمن ،العزیز، الجبار،المتکبر، الخالق، الباریٔ، المصور، الغفار، القھار،التواب، الوھاب ،الخلاّق،الرزاق، الفتاح ،الحلیم،العلیم،العظیم،الواسع، الحکیم،الحی، القیوم، السمیع ،البصیر، اللطیف،الخبیر،العلی،الکبیر،المحیط،القدیر،المولیٰ،النصیر،الکریم،الرقیب،القریب،المجیب،الحفیظ،المقیت،الودود،المجید،الوارث،الشھید،الولی،الحمید،الحق،المبین،الغنی، المالک،القوی، المتین،الشدید، القادر، المقتدر،القاہر،الکافی،الشاکر، المستعان،الفاطر، البدیع،الفاخر،الاول، الآخر، الظاھر، الباطن،الکفیل، الغالب، الحکم، العالم،الرفیع،الحافظ، المنتقم، القائم، المحیی، الجامع، الملیک، المتعالی ،النور ، الھادی، الغفور،الشکور،العفو، الرؤوف، الا کرام، الاعلیٰ، البر، الخفی، الرب الالہ، الاحد ، الصمد، الذی لم یلد، ولم یولد، ولم یکن لہ کفواالحد۔

جواب: کسی کتاب میں یہ تفصیل تو نظر سے نہیں گزری کہ کون کون سے اسمائے حسنیٰ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہیں‘ او رکون سے اسماء کا اطلاق دوسروں پر ہوسکتاہے‘ لیکن مندرجہ ذیل عبارتوں سے اس کا ایک اصول معلوم ہوتاہے:۔

تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں:’’ وَذَکَرَ غَیْرُوَاحِدٍ مِنَ الْعُلَمَآئِ اَنَّ ہٰذِہِ الاَسْمَائَ...تَنْقَسِمُ قِسْمَۃٌ اُخْرٰی اِلٰی مَا لاَیَجُوْزُ اِطْلَاقُہٗ عَلٰی غَیْرِہٖ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ کَا للّٰہِ وَالرَّحْمٰنِ وَمَا یَجُوْزُ کَالرَّحِیْمِ وَالْکَرِیْمِ ‘‘ (روح المعانی ج:9ص123 طبع مکتبہ رشیدیہ لاہور)

اور رد مختار میں ہے:

’’وَجَازَ التَّسْمِیَّۃُ بِعَلِیٍّ وَرَشِیْدٍ مِنَ الاَسْمَآئِ الْمُشْتَرکَۃِ وَیُرَادُ فِیْ حَقِّنَا غَیْرُمَایُرَادُ فِیْ حَقّ اللّٰہِ تَعَالیٰ ۔وَفِیْ رَدِّ الْمُحْتَار: اَلَذِیْ فِی التَّاتَرْخَانِیَّۃِ عَنِ السِّرَاجِیَّۃِ التَّسْمِیَّۃُ بِاسْمٍ یُوْجَدُ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ تَعَالیٰ کَا لْعَلِیِّ وَالْکَبِیْرِ وَالرَّشِیْدِ وَالْبَدِیْعِ جَائِزَۃٌ الخ‘‘

(شامی ج:5ص:268)

وَفِی الْفَتَاوٰی الْھِنْدِیَّۃِ: اَلتَّسْمِیَّۃُ بِاسْمٍ لَمْ یَذْکُرْہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فِیْ عِبَادِہٖ وَلاَ ذَکَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِﷺ وَلااسْتَعْمَلَہٗ الْمُسْلِمُوْنَ تَکَلَّمُوْا فِیْہِ‘ وَالاَوْلٰی اَنْ یَفْعَلَ کَذَافِی الْمُحِیْطِ (فتاویٰ عالمگیریہ ص:362حظر واباحت باب22)

اورحضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اسماء حسنیٰ میں بعض نام ایسے بھی ہیں جن کو قرآن وحدیث میں دوسرے لوگوں کے لیے

بھی استعمال کیا گیاہے اور بعض وہ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ تو جن ناموں کا استعمال غیراللہ کے لیے قرآن وحدیث سے ثابت ہے وہ نام تو اوروں کے لیے بھی استعمال ہوسکتے ہیں جیسے رحیم، رشید، علی، کریم، عزیز وغیرہ۔ اور اسمائے حسنیٰ میں سے وہ نام جن کا غیر اللہ کے لیے استعمال کرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں، ان کو غیرا اللہ کے لیے استعمال کرنا الحادِ مذکورمیں داخل اور ناجائز وحرام ہے۔(معارف القرآن ج:۴ص:۱۳۲ سورہ اعراف :۱۸)

ان عبارتوں سے اس بارے میں یہ اصول مستنبط ہوتے ہیں۔

نمبر1: وہ اسمائے حسنیٰ جو باری تعالیٰ کے اسم ذات ہوں یا صرف باری تعالیٰ کی صفات مخصوصہ کے معنی ہی میں استعمال ہوتے ہوں، ان کا استعمال غیر اللہ کے لیے کسی حال جائز نہیں،مثلاً: اللّٰہ، الرحمٰن ، القدوس، الجبار، المتکبر، الخالق، الباریٔ ، المصور، الرزاق، الغفار، القہار، التواب، الوہاب، الخلاق، الفتاح، القیوم، الرب، المحیط، الملیک، الغفور، الاحد، الصمد، الحق، القادر المحیی۔

نمبر2: وہ اسمائے جو باری تعالیٰ کی صفات خاصہ کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور دوسرے معنی کے لحاظ سے ان کا اطلاق غیر اللہ پر کیاجاسکتاہو ،ان میں تفصیل یہ ہے کہ اگر قرآن وحدیث، تعاملِ امت یا عرفِ عا م میں ان اسماء سے غیرا للہ کا نام رکھنا ثابت ہوتو ایسا نام رکھنے میں مضائقہ نہیں، مثلاً: عزیز، علی، کریم، رحیم، عظیم، رشید، کبیر، بدیع، کفیل، ہادی، واسع، حکیم وغیرہ اورجن اسمائ حسنیٰ سے نام رکھنا نہ قرآن وحدیث سے ثابت ہو اور نہ مسلمانوں میں معمول رہاہو، غیر اللہ کو ایسے نام دینے سے پرہیز لازم ہے۔

نمبر3: مذکورہ دواصولوں سے اصول خود بخود نکل آیا کہ جن اسمائے حسنیٰ کے بارے میں یہ تحقیق نہ ہوکہ قرآن وحدیث ،تعاملِ امت یا عرف میں وہ غیر اللہ کے لیے استعمال ہوئے ہیں یا نہیں؟ ایسے نام رکھنے سے بھی پرہیز لازم ہے، کیونکہ اسمائے حسنیٰ میں اصل یہ ہے کہ ان سے غیراللہ کانام رکھنا جائز نہ ہو، جواز کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔

ان اصولوں پرتمام اسمائے حسنیٰ کے بارے میں عمل کیاجائے، تاہم یہ جواب چونکہ قواعد سے لکھاہے اور ہر ہرنام کے بارے میں اسلام کی کوئی تصریح احقرکو نہیں ملی، اس لیے اگر اس میں دوسرے اہل علم سے بھی استصواب کرلیاجائے تو بہترہے۔واللہ سبحانہ اعلم

(فتاویٰ عثمانیہ ص52، 53)

<u>فائدہ نمبر9:</u> مسئلہ صفات کو دلائل کے ساتھ سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ نہایت مفید ہے ۔

1: کتاب الا سماء والصفات ۔امام بیہقی
2: دفع شبہ التشبیہ۔ امام ابن جوزی
3: ایضاح الدلیل ۔بدر الدین ابن الجماعۃ
4: المسامرہ مع المسایرہ۔ ابن الہمام
5: اشارات المرام۔ امام بیاضی
6: شرح المقاصد ۔علامہ تفتازانی
7: شرح مواقف ۔میر سید شریف جرجانیؒ
8: اتحاف الکائنات۔ شیخ محمود سبکیؒ
9: مقالات الکوثری۔ شیخ زاہد الکوثریؒ
10: اساس التقدیس ۔امام فخر الدین الرازیؒ
11: تمہید الفرش فی تحدید العرش۔ مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرد و عورت کی نماز میں فرق

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

دعویٰ اہل السنۃ والجماعۃ:

مرد و عورت کے طریقہ نماز میں فرق؛ احادیث وآثار، اجماع امت اور ائمہ اربعہ کے اقوال سے ثابت ہے۔

دعویٰ غیرمقلدین:

1: یو نس قریشی صاحب لکھتے ہیں:

شریعت محمدیہ میں مردو عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں بلکہ جس طرح مرد نماز پڑھتا ہے اسی طرح عورت کو بھی پڑھنا چاہیے۔

(دستور المتقی ص151)

2: حکیم صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں:

عورتوں اور مردوں کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں... پھر اپنی طرف سے یہ حکم لگانا کہ عورتیں سینے پر ہاتھ باندھیں اور مرد زیر ناف اور عورتیں سجدہ کرتے وقت زمین پر کوئی اور ہیئت اختیار کریں اور مرد کوئی اور ... یہ دین میں مداخلت ہے۔ یاد رکھیں کہ تکبیر تحریمہ سے شروع کر کے السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہنے تک عورتوں اور مردوں کےلئے ایک ہیئت اور شکل کی نماز ہے۔ سب کا قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ استراحت ، قعدہ اور ہر ہر مقام پر پڑھنے کی دعائیں یکساں ہیں۔ رسو ل اللہصلی اللہ علیہ وسلم نے ذکور واناث کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں بتایا۔ (صلوٰۃ الرسول ص190، ص191)

3: مرد و عورت کے طریقہ نماز میں کوئی فرق نہیں۔ (عورتوں کا طریقہ نماز از صلاح الدین یوسف،عورت اور مرد کے طریقہ نماز میں کوئی فرق نہیں از حافظ محمد ابراہیم سلفی)

دلائل اہل السنت و الجماعت

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے میں فرق:

مرد:

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

وَكَيْفِيَّتُهَا إذَا أَرَادَ الدُّخُولَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حِذَاءَ أُذُنَيْهِ حتى يُحَاذِيَ بِإِبْهَامَيْهِ شَحْمَتَيْ أُذُنَيْهِ وَبِرُءُوسِ الْأَصَابِعِ فُرُوعَ أُذُنَيْهِ. (الفتاویٰ الہندیۃ: ج1 ص80)

کہ مرد تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ کانوں کے برابر اس طرح اٹھائے کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر اور ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپر والے حصہ کے برابر ہو جائیں۔

اس طرح گٹے بھی کندھوں کے برابر ہو جائیں گے۔

دلائل:

1: عن مالك بن الحويرث رضی اللہ عنہ أنه رأى نبي الله صلى الله عليه وسلم... وقال حتى يحاذي بهما فروع أذنيه.

(صحیح مسلم: ج1ص168باب استحباب رفع الیدین فی تکبیرۃ الاحرام)

ترجمہ: حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو (نماز پڑھتے ہوئے) دیکھا۔ (جب آپ نے تکبیر تحریمہ کہی تو) آپ کےدونوں ہاتھ کانوں کے اوپر والے حصے کے برابر ہو گئے۔

2: عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ اِنَّہٗ رَاَیٰ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتیّٰ تَکَادَ اِبْھَامَاہُ تُحَاذِیْ شَحْمَۃَ اُذُنَیْہِ. (سنن النسائی ج 1ص141 باب موضع الابھامین عند الرفع)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کو دیکھا ، آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے جب نماز شروع فرمائی تو دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ آپ کے دونوں انگوٹھے آپ کے کانوں کی لو کے برابر ہو گئے۔

3: فَقَالَ اَبُوْحُمَیْدِ السَّاعِدِیُّ رضی اللہ عنہما اَنَا کُنْتُ اَحْفَظُکُمْ لِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و سلم رَاَ یْتُہٗ اِذَا کَبَّرَ جَعَلَ یَدَیْہِ حَذْوَ مَنْکَبَیْہِ الخ

(صحیح البخاری: ج1ص114‘ صحیح ابن خزیمۃ؛ ج1ص298)

ترجمہ: حضرت ابوحمیدساعدی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:’’میں تم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازپڑھنے کے طریقے کو زیادہ یاد رکھنے والا ہوں۔‘‘ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے طریقے کو بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب تکبیر تحریمہ کہی تو اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر اٹھایا۔‘‘

فائدہ:

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کانوں کے اوپر والے حصے کے برابر، کانوں کی لو کے برابر اور کندھوں کے برابر ہاتھ اٹھائے ہیں۔ مردوں کے ہاتھ اٹھانے کا طریقہ جو احناف بیان کرتے ہیں اس سے تینوں روایات پر یوں عمل ہو جاتا ہے کہ مرد اپنے ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپر والے حصہ کے برابر، انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر اور گٹے کندھوں کے برابر ہو جائیں۔

عورت:

المرأة ترفع يديها حذاء منكبيها، وهو الصحيح لأنه أسترلها.

(فتح القدیر لابن الہمام: ج1ص246)

ترجمہ: تکبیر تحریمہ کے وقت عورت اپنے کندھوں کے برابر اپنے ہاتھ اٹھائے، یہ صحیح تر ہے کیونکہ اس میں اس کی زیادہ پردہ پوشی ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ ہاتھوں کی انگلیوں کے سرے کندھے تک ہو جائیں گے اور گٹے سینے کے برابر، یوں دلائل میں آنے والی روایات میں تطبیق بھی ہو جائے گی۔

روایت نمبر1:

عَنْ وَائِلِ بن حُجْرٍ، قَالَ: جِئْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ... فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:يَا وَائِلُ بن حُجْرٍ، إِذَا صَلَّيْتَ فَاجْعَلْ يَدَيْكَ حِذَاءَ أُذُنَيْكَ، وَالْمَرْأَةُ تَجْعَلُ يَدَيْهَا حِذَاءَ ثَدْيَيْهَا.

(المعجم الکبیر للطبرانی: ج9ص144رقم17497، مجمع الزوائد: ج9 ص624 رقم الحدیث1605، البدر المنیر لابن الملقن:ج3ص463)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا (درمیان میں طویل عبارت ہے، اس میں ہے کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے مجھے ارشاد فرمایا: اے وائل! جب تم نماز پڑھو تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتی کے برابر اٹھائے۔

اعتراض:

روایت کی سند میں ایک راویہ ام یحییٰ بنت عبد الجبار مجہول ہے کیونکہ امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولم اعرفہا. (کہ میں اس کو نہیں جانتا) (مجمع الزوائد ج2 ص103)

جواب:

اولاً: امام ہیثمی رحمہ اللہ کے نہ جاننے سے ام یحییٰ کا مجہول ہونا لازم نہیں آتا۔

ثانیاً: تاریخ دمشق (جزء 62ص390) میں ’’باب وائل بن حجر بن سعد‘‘ کے تحت ام یحییٰ کا نام ’’کبشہ‘‘ مذکور ہے۔ وہاں سند یوں ہے: حدثنا میمونۃ بنت عبدالجبار بن وائل قال سمعت عمتی کبشۃ ام یحییٰ ---الخ

اور امام ابن مندہ نے حاشیہ اکمال الکمال جزء 2ص478پر فرمایا ہے کہ اس راویہ کی کنیت ’’ام یحییٰ‘‘ ہے اور ان سے میمونہ بنت حجر بن عبدالجبار نے روایت کی ہے۔

لہذا ام یحییٰ مجہول راویہ نہیں ہے۔

روایت نمبر2:

حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شَيْخٌ لَنَا ، قَالَ : سَمِعْتُ عَطَاءً ؛ سُئِلَ عَنِ الْمَرْأَةِ كَيْفَ تَرْفَعُ يَدَيْهَا فِي الصَّلاَةِ ؟ قَالَ : حَذْوَ ثَدْيَيْهَا. (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج1ص270باب في المرأة إذا افْتَتَحَتِ الصَّلاَةَ ، إلَى أَيْنَ تَرْفَعُ يَدَيْهَا)

ترجمہ: حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ عورت نماز میں ہاتھ کہاں تک اٹھائے؟فرمایا : اپنے سینے تک۔

اعتراض:

اس روایت کی سند میں حضرت ہشیم نے فرمایا: شیخ لنا،جب کہ شیخ کا نام معلوم نہیں۔

جواب:

مصنف ابن ابی شیبہ میں دوسرے مقام پر حضرت ہشیم فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شَيْخٌ ، يُقَالَ لَهُ : مِسْمَعُ بْنُ ثَابِتٍ الخ (مصنف ابن ابی شیبۃ: ج2ص254باب فِي رَكْعَتَيَ الْفَجْرِ إذَا فَاتَتْه)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہشیم کے شیخ کا نام ''مسمع بن ثابت'' ہے۔

روایت نمبر3:

عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ زَيْتُونَ ، قَالَ : رَأَيْتُ أُمَّ الدَّرْدَاءِ تَرْفَعُ يَدَيْهَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهَا حِينَ تَفْتَتِحُ الصَّلاَةَ.

(مصنف ابن ابی شیبۃ: ج2ص421باب فی المرءۃ اذا افتتحت الصلوۃ الی این ترفع یدیہا؟)

ترجمہ: عبد ربہ بن زیتون سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ نماز شروع کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتی تھیں۔

نوٹ: حضرت ام الدرداء الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا نام ''خیرۃ'' ہے اور یہ صحابیات میں سے ہیں۔

(تہذیب التہذیب: ج7 ص715 رقم الترجمۃ 12193 تحت ترجمہ ام الدرداء)

ان تین روایات سے عورت کے لیے ہاتھوں کو کندھے اور سینہ تک اٹھانے کا تذکرہ موجود ہے۔ لہٰذا عورت اپنے ہاتھ اس طرح اٹھائے گی کہ ہاتھوں کی انگلیاں کندھوں تک اور ہتھیلیاں سینہ کے برابر آ جائیں۔

مرد و عورت کے ہاتھ باندھنے میں فرق:

مرد:

مردوں کے ہاتھ باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر، انگوٹھے اور چھنگلیا سے بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑتے ہوئے تین انگلیاں کلائی پر بچھا کر ناف کے نیچے رکھتے ہیں۔امام محمد بن حسن الشیبانی فرماتے ہیں:

و یضع بطن کفہ الایمن علی رسغہ الایسر تحت السرۃ فیکون الرسغ فی وسط الکف. [کتاب الآثار بروایۃ محمد: ج1 ص321]

ترجمہ: نمازی اپنی دائیں ہتھیلی کا اندرونی حصہ اپنی بائیں کلائی کے اوپر رکھ کر ناف کے نیچے رکھے، اس طرح گٹہ ہتھیلی کے درمیان میں ہو جائے گا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

واستحسن كثير من مشايخنا...... بأن يضع باطن كفه اليمنى على كفه اليسرى ويحلق بالخنصر والإبهام على الرسغ.

[عمد ۃ القاری: ج4 ص389 باب وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلاۃ]

ترجمہ: ہمارے اکثر مشائخ نے اس بات کو پسند فرمایاہے کہ نمازی اپنی دائیں ہتھیلی کا اندرونی حصہ اپنی بائیں ہتھیلی (کی پشت) پر رکھے اور چھنگلیا اور انگوٹھے کے ساتھ گٹے پر حلقہ بنا لے۔

دلائل:

1:عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِى الصَّلٰوةِ •

(صحیح البخاری ج 1ص 102باب وضع الیمنی علی الیسریٰ)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو اس بات کا حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں بازو پر رکھے۔

2: عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: لاَ نْظُرَنَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَيْفَ يُصَلِّىْ؟ قَالَ فَنَظَرْتُ اِلَيْهِ قَامَ فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى حَاذَتَا اُذُنَيْهِ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهٗ الْيُمْنٰى عَلٰى ظَهْرِكَفِّهِ الْيُسْرٰى وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ •

(صحیح ابن حبان:ص577رقم الحدیث1860،سنن النسائی:ج1ص141،سنن ابی داؤد ج 1ص105 باب تفریع استفتاح الصلوٰۃ)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں (نے ارادہ کیا کہ) دیکھوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نماز کیسے پڑھتے ہیں؟ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کھڑے ہوئے، تکبیر کہی اور دونوں ہاتھ اپنے دونوں کانوں کے برابر اٹھائے، پھر اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی بائیں ہتھیلی (کی پشت)، گٹے اور بازو پر رکھا۔

3:عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّا مَعْشَرُ الْاَنْبِیَاءِ اُمِرْنَااَنْ نُؤَخِّرَسُحُوْرَنَا وَنُعَجِّلَ فِطْرَنَاوَاَنْ نُمْسِکَ بِاَیْمَانِنَاعَلٰی شَمَائِلِنَا فِیْ صَلٰوتِنَا• (صحیح ابن حبان ص 555.554ذکر الاخبار عما یستحب للمرء، رقم الحدیث 1770)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: ہم انبیاء علیہم السلام کی جماعت کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم سحری تاخیر سے کریں، افطار جلدی کریں اور نماز میں اپنے دائیں ہاتھوں سے اپنے بائیں ہاتھوں کو پکڑے رکھیں۔

4: عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَضَعَ یَمِیْنَہٗ عَلٰی شِمَالِہٖ فِی الصَّلٰوۃِ تَحْتَ السُّرَّۃِ•

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج3 ص322،321، وضع الیمین علی الشمال،رقم الحدیث 3959)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کودیکھاکہ آپ نے نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھا۔

عورت:

عورت کے بارے میں اجماع ہے کہ وہ قیام کے وقت اپنے ہاتھ سینہ پر رکھے گی اور اجماع مستقل دلیل شرعی ہے۔

1: امام ابو القاسم ابراہیم بن محمد القاری الحنفی السمر قندی (المتوفیٰ بعد907ھ) لکھتے ہیں:

وَ الْمَرْاَۃُ تَضَعُ [یَدَیْھَا]عَلٰی صَدْرِھَا بِالْاِتِّفَاقِ. (مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق: ص153)

ترجمہ: عورت اپنے ہاتھ سینہ پر رکھے گی،اس پر سب فقہاء کا اتفاق ہے۔

2: سلطان المحدثین ملا علی قاری رحمہ اللہ (م1014ھ) فرماتے ہیں:

وَ الْمَرْاَۃُ تَضَعُ [یَدَیْھَا]عَلٰی صَدْرِھَا اِتِّفَاقًا لِاَنَّ مَبْنٰی حَالِھَا عَلَی السَّتْرِ. (فتح باب العنایۃ: ج1 ص243 سنن الصلوۃ)

ترجمہ:عورت اپنے ہاتھ سینہ پر رکھے گی،اس پر سب فقہاء کا اتفاق ہے، کیونکہ عورت کی حالت کا دارو مدار پردے پر ہے۔

3: علامہ عبد الحئی لکھنوی رحمہ اللہ (م1304ھ) لکھتے ہیں:

وَاَمَّا فِیْ حَقِّ النِّسَاءِ فَاتَّفَقُوْا عَلٰی اَنَّ السُّنَّۃَ لَھُنَّ وَضْعُ الْیَدَیْنِ عَلَی الصَّدْرِ لِاَنَّھَا اَسْتَرُ لَھَا. (السعایۃ ج 2ص156)

ترجمہ:رہا عورتوں کے حق میں[ہاتھ باندھنے کا معاملہ]تو تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان کے لیےسنت سینہ پر ہاتھ باندھناہے کیونکہ اس میں پردہ زیادہ ہے۔

مرد وعورت کی طریقہ رکوع میں فرق:

مرد:

مرد رکوع میں اپنی انگلیوں کو کشادہ کرتے ہوئے گھٹنوں کو پکڑے گا، اپنی کہنیوں کو پہلو سے جدا رکھے گا اور پشت کو سیدھا رکھے گا تاکہ اس کا سر اور پشت ایک سیدھ میں آ جائیں اور سر کو نہ اونچا کرے گا نہ نیچا بلکہ پشت کی سیدھ میں رکھے گا۔

1: عَنْ سَالِمٍ الْبَرَّادِ قَالَ أَتَيْنَا عُقْبَةَ بْنَ عَمْرٍو الأَنْصَارِىَّ أَبَا مَسْعُودٍ فَقُلْنَا لَهُ حَدِّثْنَا عَنْ صَلاَةِ رَسُولِ اللَّهِ -صلی اللہ علیہ وسلم- فَقَامَ بَيْنَ أَيْدِينَا فِى الْمَسْجِدِ فَكَبَّرَ فَلَمَّا رَكَعَ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَجَعَلَ أَصَابِعَهُ أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ وَجَافٰى بَيْنَ مِرْفَقَيْهِ.

(سنن ابی داود: ج1ص125، 126باب صَلاَةِ مَنْ لاَ يُقِيمُ صُلْبَهُ فِى الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ)

ترجمہ: حضرت سالم البراد فرماتے ہیں کہ ہم ابومسعود عقبہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ہم نے عرض کیا ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نمازبیان فرمائیں۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کے اندر ہمارے سامنے کھڑے ہوئے اور تکبیر تحریمہ کہی۔ جب رکوع کیا تو اپنے ہاتھو گھٹنوں پر رکھے (یعنی انہیں مضبوطی سے پکڑا) اور اپنی انگلیاں گھٹنوں سے

نیچے کیں اور اپنی کہنیاں پہلو سے جدا کیں۔

2: عن انس رضی اللہ عنہ (فی حدیث طویل: قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم): یَابُنَیَّ اِذَارَکَعْتَ فَضَعْ کَفَّیْکَ عَلٰی رُکْبَتَیْکَ وَفَرِّجْ بَیْنَ اَصَابِعِکَ وَارْفَعْ یَدَیْکَ عَنْ جَنْبَیْکَ.

(المعجم الاوسط للطبرانی ج 4ص281 رقم الحدیث 5991 ،المعجم الصغیر للطبرانی ج2ص32)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے مجھے فرمایا: اے میرے بیٹے! جب تم رکوع کرو تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھو اور انگلیوں کو کشادہ رکھو اور اپنے بازؤوں کو پہلو سے جدا رکھو!

3: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ , قَالَ: کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَاِذَا رَکَعَ اسْتَوٰی , فَلَوْ صُبَّ عَلٰی ظَھْرِہِ الْمَاءُ لاسْتَقَرَّ.

(المعجم الکبیر للطبرانی: ج10 ص312)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم جب رکوع کرتے تو پشت مبارک کو اس طرح ہموار کرتے تھے کہ اگر آپ علیہ السلام کی پشت مبارک پر پانی بہا دیا جائے تو وہ ایک جگہ ٹک جائے۔

4: عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان رسول الله صلى الله عليه وسلم يستفتح الصلاة بالتكبير والقراءة بالحمد لله رب العالمين وكان إذا ركع لم يُشْخِصْ رأسه ولم يُصوِّبْه ولكن بين ذلك.

(صحیح مسلم: ج1 ص194)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نماز کو تکبیر سے اور قراءت کو ”الحمد للہ رب العلمین“ سے شروع فرماتے تھے اور جب آپ علیہ السلام رکوع فرماتے تھے تو سر مبارک کو نہ (زیادہ) اونچا کرتے اور نہ (زیادہ) نیچا بلکہ اس کے درمیان ہوتا تھا (یعنی پشت مبارک کے برابر)

عورت:

عورت رکوع میں مرد کی بنسبت کم جھکے گی، اپنے ہاتھ بغیر کشاد کیے ہوئے گھٹنوں پر رکھے گی اور کہنیوں کو پہلو سے ملا کر رکھے گی۔

دلائل:

1: عن عطاء قال تجتمع المراة إذا ركعت ترفع يديها إلى بطنها وتجتمع ما استطاعت.

(مصنف عبدالرزاق ج3ص50رقم5983)

ترجمہ: حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ عورت سمٹ کر رکوع کرے گی، اپنے ہاتھوں کو اپنے پیٹ کی طرف ملائے گی، جتنا سمٹ سکتی ہو سمٹ جائے گی۔

2: فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

والمرأة تنحنی فی الرکوع یسیرا ولا تعتمد ولا تفرج أصابعها ولكن تضم يديها وتضع علي ركبتيها وضعا وتنحنى ركبتيها ولا تجافى عضد تيها. (فتاویٰ عالمگیری: ج1ص74)

ترجمہ: عورت رکوع میں کسی قدر جھکے گی،گھٹنوں کو مضبوطی سے نہیں پکڑے گی،اپنی انگلیوں کو کشادہ نہیں کرے گی البتہ ہاتھوں کو ملا کر اپنے گھٹنوں پر جما کر رکھے گی، گھٹنوں کو قدرے ٹیڑھا کرے گی اور اپنے بازو جسم سے دور نہ رکھے گی۔

فریق مخالف میں سے غیرمقلد عالم عبدالحق ہاشمی اپنی کتاب ”نصب العمود“ میں لکھتے ہیں:

عندی بالاختیار قول من قال ان المراۃ لاتجافی فی الرکوع.

(نصب العمود فی مسئلۃ تجافی المراۃ فی الرکوع والسجود والقعود ص52)

ترجمہ: مجھے ان حضرات کی بات پسند ہے جو کہتے ہیں کہ عورت رکوع میں اپنی کہنیاں پہلو سے جدا نہ کرے۔

مرد و عورت کے طریقہ سجدہ میں فرق:

مرد:

مرد سجدہ میں اپنا پیٹ رانوں سے دور رکھیں گے، اپنی کہنیوں کو زمین سے بلند رکھتے ہوئے پہلو سے جدا رکھیں گے اور سرین کو اونچا کریں گے۔

دلائل:

1: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ الأَسْدِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى نَرَى إِبْطَيْهِ قَالَ وَقَالَ ابْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا بَكْرٌ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ.

(صحیح البخاری: باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ و سلم، صحیح مسلم: باب ما یجمع صفۃ الصلاۃ وما یفتتح بہ ویختم بہ وصفۃ الرکوع والاعتدال منہ والسجود الخ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مالک بن بجینہ الاسدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے دونوں بازؤوں کو اچھی طرح کھول دیتے (یعنی اپنی پہلو سے جدا رکھتے) یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آ جاتی۔

2: عن ميمونة : أن النبي صلى الله عليه و سلم كان إذا سجد جافى يديه حتى لو أن بهمة أرادت أن تمر تحت يديه مرت.

(سنن النسائی: ج1ص167باب التجافی فی السجود)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے ہاتھ پیٹ سے اتنے دور رکھتے کہ بکری کا چھوٹا بچہ نیچے سے گزرنا چاہتا تو گزرسکتا۔

3: عَنْ أَبِى إِسْحَاقَ قَالَ وَصَفَ لَنَا الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فَوَضَعَ يَدَيْهِ وَاعْتَمَدَ عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ عَجِيزَتَهُ وَقَالَ هَكَذَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- يَسْجُدُ. (سنن ابی داؤد: ج1ص130باب صفۃ السجود)

ترجمہ: حضرت ابو اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے ہمیں سجدہ کا طریقہ بتایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں کو (زمین پر) رکھا، اپنے گھٹنوں پر سہارا لیا اور اپنی سرین کو اٹھایا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بھی اسی طرح سجدہ کرتے تھے۔

عورت:

عورت مرد کی طرح کھل کر سجدہ نہیں کرے گی بلکہ پیٹ کو رانوں سے ملائے گی، بازؤوں کو پہلو سے ملا کر رکھے گی اور کہنیاں زمین پر بچھا دے گی۔فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:

والمرأة تنخفض فی سجودها و تلزق بطنها بفخذ يها لأن ذلک أسترلها. (الہدایۃ فی فقہ الحنفی:ج1ص50)

ترجمہ: عورت سجدے میں سکڑجائے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں سے ملا دے کیونکہ یہ صورت اس کے لئے زیادہ پردہ والی ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

فأما المرأة فينبغی أن تفترش زرا عيها و تنخفض ولا تنتصب كإنتصاب الرجل و تلزق بطنها بفخذيها لأن ذلک أسترلها.(بدائع الصنائع: ج1 ص210)

ترجمہ: عورت کو چاہیے اپنے بازو بچھا دے اور سکڑ جائے اور مردوں کی طرح کھل کر سجدہ نہ کرے اور اپنا پیٹ اپنی رانوں سے چمٹائے رکھے کیونکہ یہ اس کے لئے زیادہ ستر والی صورت ہے۔

دلائل:

1: عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ ، أَنّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرّ عَلَى امْرَأَتَيْنِ تُصَلِّيَانِ ، فَقَالَ : إِذَا سَجَدْتُمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ إِلَى الأَرْضِ ، فَإِنّ الْمَرْأَةَ لَيْسَتْ فِي ذَلِكَ كَالرَّجُلِ.

(مراسیل ابی داؤد: ص103 باب مِنَ الصَّلاةِ، السنن الکبری للبیہقی: ج2ص223, جُمّاعُ أَبْوَابِ الاسْتِطَابَۃ)

ترجمہ : حضرت یزید بن ابی حبیب سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا: جب تم سجدہ کروتو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملالیا کرو کیونکہ عورت (کا حکم سجدہ کی حالت میں) مرد کی طرح نہیں ہے ۔

2: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَاجَلَسَتِ الْمَرْاَۃُ فِی الصَّلٰوۃِ وَضَعَتْ فَخِذَھَا عَلٰی فَخِذِھَا الْاُخْرٰی فَاِذَا سَجَدَتْ اَلْصَقَتْ بَطْنَھَا فِیْ فَخِذِھَاکَاَسْتَرِمَا یَکُوْنُ لَھَا فَاِنَّ اللّٰہَ یَنْظُرُ اِلَیْھَا وَ یَقُوْلُ یَا مَلَائِکَتِیْ اُشْھِدُکُمْ اَنِّیْ قَدْغَفَرْتُ لَھَا.

(الکامل لابن عدی ج 2ص501، رقم الترجمۃ 399 ،السنن الکبری للبیہقی ج2 ص223 باب ما یستحب للمراۃالخ،جامع الاحادیث للسیوطی ج 3ص43 رقم الحدیث 1759)

ترجمہ:حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے

تو اپنا پیٹ اپنی رانوں کے ساتھ ملا لے جو اس کے لئے زیادہ پردے کی حالت ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں:اے میرے ملائکہ ! گواہ بن جاؤ میں نے اس عورت کو بخش دیا۔

3: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍالْخُدْرِیّ رضی اللہ عنہ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ قَالَ... کَانَ یَاْمُرُالرِّجَالَ اَنْ یَّتَجَافُوْا فِیْ سُجُوْدِھِمْ وَ یَاْمُرُالنِّسَائَ اَنْ یَّتَخَفَّضْنَ. (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج 2ص222.223 باب ما یستحب للمراۃالخ)

ترجمہ: صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو حکم فرماتے تھے کہ سجدے میں (اپنی رانوں کو پیٹ سے) جدا رکھیں اور عورتوں کو حکم فرماتے تھے کہ خوب سمٹ کر (یعنی رانوں کو پیٹ سے ملا کر) سجدہ کریں۔

4: عن الحسن وقتادة قالا إذا سجدت المرأة فإنها تنضم ما استطاعت ولا تتجافی لكي لا ترفع عجيزتها.

(مصنف عبدالرزاق ج 3ص49 باب تکبیرۃ المراۃ بیدیہا وقیام المراۃ ورکوعہا وسجودہا)

ترجمہ:حضرت حسن بصری اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ جب عورت سجدہ کرے تو جہاں تک ہوسکے سکڑ جائے اور اپنی کہنیاں پیٹ سے جدا نہ کرے تاکہ اس کی پشت اونچی نہ ہو۔

5: عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّهُ كَانَ يَكْرَهُ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ بَطْنَهُ عَلَى فَخِذَيْهِ إِذَا سَجَدَ كَمَا تَصْنَعُ الْمَرْأَةُ. (مصنف ابن ابی شیبہ: رقم الحدیث 2704)

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ اس بات کو مکروہ جانتے تھے کہ مرد جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں پر رکھے جیسا کہ عورت رکھتی ہے۔

6: عن عطاء قال... إذا سجدت فلتضم يديها إليها وتضم بطنها وصدرها إلى فخذيها وتجتمع ما استطاعت.

(مصنف عبدالرزاق ج3ص50رقم5983)

ترجمہ: حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ عورت جب سجدہ کرے تو اپنے بازو اپنے جسم کے ساتھ ملا لے، اپنا پیٹ اور سینہ اپنی رانوں سے ملا لے اور جتنا ہو سکے خوب سمٹ کر سجدہ کرے۔

مرد وعورت کے بیٹھنے میں فرق:

مرد:

مردوں کے بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں پاؤں کو انگلیوں کے بل کھڑا کر لیں اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں۔

دلائل:

1: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک طویل حدیث ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے تشہد کا ذکر ان الفاظ میں فرماتی ہیں:

وكان يقول في كل ركعتين التحية وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى وكان ينهى عن عقبة الشيطان.

(صحیح مسلم: ج1 ص194، 195 باب ما یجمع صفۃ الصلاۃ وما یفتتح بہ الخ)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم فرماتے تھے کہ ہر دو رکعت کے بعد ”تشہد“ ہوتا ہے اور (آپ صلی اللہ علیہ و سلم کےتشہد میں بیٹھنے کاطریقہ یہ تھا کہ) آپ صلی اللہ علیہ و سلم دائیں پاؤں کو نیچے بچھاتے تھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرتے تھے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ و سلم شیطان کی بیٹھک سے بھی منع فرماتے تھے (یعنی سرین پر بیٹھ کر دونوں گھٹنے کھڑے کرنا شیطان کی بیٹھک ہے)

2: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا... وَقَالَ إِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنَى وَتَثْنِيَ الْيُسْرَى.

(صحیح البخاری: ج1ص114باب سنۃ الجلوس فی التشہد، مؤطا امام مالک: ص93)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں....نماز میں [مرد کے لیے] بیٹھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھادے(اور اس پر بیٹھ جائے) اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے۔

عورت:

عورت کے بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں پاؤں دائیں جانب نکال کر سرین کے بل اس طرح بیٹھے کہ دائیں ران بائیں ران کے ساتھ ملا دی۔ علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

جلست علی إلیتھاالأیسری و أخرجت رجلیھا من الجانب الأیمن لأنہ أسترلھا.

(فتح القدیر لابن الھمام:ج1ص274)

ترجمہ: عورت اپنے بائیں سرین پر بیٹھے اور دونوں پاؤں دائیں طرف باہر نکالے کیونکہ اس میں اس کا ستر زیادہ ہے۔

دلائل:

1: عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَاجَلَسَتِ الْمَرْاَۃُ فِی الصَّلٰوۃِ وَضَعَتْ فَخِذَھَا عَلٰی فَخِذِھَا الْاُخْرٰیٰ فَاِذَا سَجَدَتْ اَلصَقَتْ بَطْنَھَا فِیْ فَخِذِھَاکَاَسْتَرِمَا یَکُوْنُ لَھَا فَاِنَّ اللّٰہَ یَنْظُرُ اِلَیْھَا وَ یَقُوْلُ یَا مَلَائِکَتِیْ اُشْھِدُکُمْ اَنِّیْ قَدْغَفَرْتُ لَھَا۔

(الکامل لابن عدی ج 2ص501، رقم الترجمۃ 399 ،السنن الکبری للبیہقی ج2 ص223 باب ما یستحب للمراۃالخ،جامع الاحادیث للسیوطی ج 3ص43 رقم الحدیث 1759)

ترجمہ:حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنا پیٹ اپنی رانوں کے ساتھ ملا لے جو اس کے لئے زیادہ پردے کی حالت ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھتے ہیں اور فرماتے ہیں:اے میرے ملائکہ ! گواہ بن جاؤ میں نے اس عورت کو بخش دیا۔

2: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍالْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ قَالَ... وَکَانَ یَاْمُرُالرِّجَالَ اَنْ یَّفْرِشُوْا الْیُسْرٰیٰ وَیَنْصَبُوْا الْیُمْنٰی فِی التَّشَھُّدِ وَ یَاْمُرُالنِّسَاۗئَ اَنْ یَّتَرَبَّعْنَ.

(السنن الکبری للبیہقی ج 2ص222.223 باب ما یستحب للمراۃالخ،التبویب الموضوعی للاحادیث ص2639)

ترجمہ: صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کو حکم فرماتے تھے کہ تشہد میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھیں اور دایاں پاؤں کھڑا رکھیں اور عورتوں کو حکم فرماتے تھے کہ چہار زانو بیٹھیں۔

3: عَنْ نَافِعٍ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ، أَنَّهُ سُئِلَ: كَيْفَ كُنَّ النِّسَاءُ يُصَلِّينَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ كُنَّ يَتَرَبَّعْنَ ، ثُمَّ أُمِرْنَ أَنْ يَحْتَفِزْنَ.

(جامع المسانید از محمد بن محمود خوارزمی ج1ص400، مسند ابی حنیفۃ روایۃ الحصکفی: رقم الحدیث 114)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں نماز کس طرح ادا کرتی تھیں۔انہوں نے فرمایا پہلے توچہار زانوہو بیٹھتی تھیں پھر ان کو حکم دیا گیا کہ دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر سرین کے بل بیٹھیں۔

4: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ اَنَّہٗ سُئِلَ عَنْ صَلٰوۃِ الْمَرْاَۃِ فَقَالَ تَجْتَمِعُ وَتَحْتَفِزُ .

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج 2ص505، المراۃ کیف تکون فی سجودھا، رقم الحدیث2794)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عورت کی نماز سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خوب سمٹ کر نماز پڑھے اور بیٹھنے کی حالت میں سرین کے بل بیٹھے۔

فائدہ: چہار زانو بیٹھنے کا حکم شروع شروع میں تھا لیکن بعد میں یہ حکم تبدیل ہو گیا۔ اب حکم ’’اِحْتِفَاز‘‘ کا ہے یعنی ’’سرین کے بل بیٹھنا‘‘ (بحوالہ المنجد) جیسا کہ دلیل نمبر3 اور دلیل نمبر4 سے واضح ہے۔

کون کہاں نماز ادا کرے:

مرد:

عن أبی هريرة يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صلاة مع الإمام أفضل من خمس وعشرين صلاة يصليها وحده

(صحیح مسلم ج1ص231باب فضل صلوۃ الجماعۃ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ نماز جو امام کے ساتھ پڑھی جائے اس نماز سے جو اکیلے پڑھی ہو پچیس گناہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

عورت:

1: عَنْ اُمِّ حُمَیْدٍ اِمْرَأَۃِ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ اَنَّھَا جَائَتْ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!اِنِّیْ اُحِبُّ الصَّلٰوۃَ مَعَکَ. قَالَ قَدْ عَلِمْتُ اَنَّکِ تُحِبِّیْنَ الصَّلٰوۃَ مَعِیْ وَ صَلٰوتُکِ فِیْ بَیْتِکِ خَیْرٌ مِّنْ صَلاَتِکِ فِیْ حُجْرَتِکِ وَ صَلٰوتُکِ فِیْ حُجْرَتِکِ خَیْرٌ مِّنْ صَلٰوتِکِ فِیْ دَارِکِ وَ صَلٰوتُکِ فِیْ دَارِکِ خَیْرٌ مِنْ صَلٰوتِکِ فِیْ مَسْجِدِ قَوْمِکِ وَ صَلٰوتُکِ فِیْ مَسْجِدِ قَوْمِکِ خَیْرٌ مِّنْ صَلٰوتِکِ فِیْ مَسْجِدِیْ.قَالَ فَاَمَرَتْ فَبُنِیَ لَھَا مَسْجِدٌ فِیْ اَقْصٰی شَیْئٍ مِنْ بَیْتِھَا وَ اَظْلَمِہٖ وَ کَانَتْ تُصَلِّیْ فِیْہٖ حَتّٰی لَقِیَتِ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ.

(الترغیب والترھیب للمنذری ج1 ص225 باب ترغیب النساء فی الصلاۃ فی بیوتھن و لزومھا و ترھیبھن من الخروج منھا)

ترجمہ:حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی بیوی ام حمید رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اورعرض کیا: یا رسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:میں جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو (لیکن) تیرا اپنے گھر میں نماز پڑھنا تیرے حجرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، تیرا حجرے میں نماز پڑھنا چار دیواری میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے‘چاردیواری میں نماز پڑھنا تیری قوم کی مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور قوم کی مسجد میں نماز پڑھنا میری مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا سمجھ کر) اپنے گھر والوں کو حکم دیا تو ان کے لیے گھر کے ایک کونے اور تاریک ترین گوشہ میں نماز کی جگہ بنا دی گئی۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا اپنی وفات تک اسی جگہ نماز پڑھتی رہیں۔

2: عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : صَلاَةُ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلاَتِهَا فِي حُجْرَتِهَا ، وَصَلاَتُهَا فِي مَخْدَعِهَا أَفْضَلُ مِنْ صَلاَتِهَا فِي بَيْتِهَا.

(سنن ابی داؤد: کتاب الصلاۃ- باب التشدید فی ذلک)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت کا کمرہ میں نماز پڑھنا گھر (آنگن) میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور (اندرونی) کوٹھڑی میں نماز پڑھنا کمرہ میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے (یعنی عورت جس قدر بھی پردہ اختیار کرے گی اسی قدر بہتر ہے)

3: عن عبدالله بن عمر عن النبي صلي الله عليه وسلم قال: صلاة المرة وحدها أفضل على صلواتها في الجمع بخمس و عشرين درجة.

(التیسیر الشرح الجامع الصغیر للمناوي:ج2 ص195،جامع الاحادیث للسیوطی: ج13 ص497- رقم الحدیث13628)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: عورت کا اکیلے نماز پڑھنا اس کی نماز باجماعت پر پچیس (۲۵) گنا فضیلت رکھتا ہے۔

ائمہ اربعہ کے اقوال کی روشنی میں

چاروں ائمہ کرام ؛ امام ابوحنیفہ‘ امام مالک‘ امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت کا طریقہ نماز مرد کے طریقہ نماز سے مختلف ہے۔ چند تصریحات پیش خدمت ہیں:

[۱]: فقہ حنفی

قَالَ الْاِمَامُ الْاَعْظَمُ فِی الْفُقَھَائِ اَبُوْحَنِیْفَۃَ:وَالْمَرْاَۃُ تَرْفَعُ یَدَیْھَاحِذَائَ مَنْکَبَیْھَا ھُوَ الصَّحِیْحُ لِاَنَّہٗ اَسْتَرُ لَھَا.

(الھدایۃ فی الفقہ الحنفی ج1 ص84 باب صفۃ الصلوۃ)

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورت اپنے ہاتھوں کو اپنے کندھوں تک اٹھائے کیونکہ اس میں پردہ زیادہ ہے۔

وَقَالَ اَیْضاً:وَالْمَرْاَۃُ تَنْخَفِضُ فِیْ سُجُوْدِھَاوَتَلْزَقُ بَطْنَھَا بِفَخْذَیْھَا لِاَنَّ ذٰلِکَ اَسْتَرُ لَھَا. (الھدایۃ فی الفقہ الحنفی ج1 ص92)

ترجمہ: مزید فرمایا: عورت سجدوں میں اپنے جسم کو پست کرے اور اپنے پیٹ کو اپنی رانوں کے ساتھ ملائے کیونکہ اس کے جسم کو زیادہ چھپانے والا ہے۔

[۲]: فقہ مالکی

قَالَ الْاِمَامُ مَالِکُ بْنُ اَنَسٍ:وَالْمَرْاَۃُ دُوْنَ الرَّجُلِ فِی الْجَھْرِ وَھِیَ فِیْ ھَیْاَۃِ الصَّلٰوۃِ مِثْلُہٗ غَیْرَ اَنَّھَا تَنْضَمُّ وَ لاَ تُفَرِّجُ فَخْذَیْھَا وَلاَ عَضُدَیْھَاوَتَکُوْنُ مُنْضَمَّۃً مُتَرَوِّیَۃً فِیْ جُلُوْسِھَا وَسُجُوْدِھَا وَاَمْرِھَا کُلِّہٖ. (رسالۃ ابن ابی زید القیروانی المالکی: ص34)

ترجمہ: اما م مالک بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا:عورت کی نماز کی کیفیت مرد کی نماز کی طرح ہے مگر یہ کہ عورت سمٹ کر نماز پڑھے ‘ اپنی رانوں اور بازؤوں کے درمیان کشادگی نہ کرے اپنے قعود‘ سجود اور نماز کے تمام احوال میں۔

[۳]: فقہ شافعی

قَالَ الْاِمَامُ مُحَمَّدُ بْنُ اِدْرِیْسَ الشَّافِعِیّ:وَقَدْ اَدَّبَ اللّٰہُ النِّسَاءَ بِالْاِسْتِتَارِ وَاَدَّبَھُنَّ بِذَالِکَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاُحِبُّ لِلْمَرْاَۃِ فِی السُّجُوْدِ اَنْ تَنْضَمَّ بَعْضَھَااِلٰی بَعْضٍ وَتَلْصَقُ بَطْنَھَا بِفَخِذَیْھَا وَتَسْجُدُ کَاَسْتَرِمَایَکُوْنُ لَھَاوَھٰکَذَا اُحِبُّ لَھَا فِی الرُّکُوْعِ وَ الْجُلُوْسِ وَجَمِیْعِ الصَّلٰاۃِ اَنْ تَکُوْنَ فِیْھَا کَاَسْتَرِ مَایَکُوْنُ لَھَا.
(کتاب الام للشافعی ج 1ص 286ص 287باب التجافی فی السجود)

ترجمہ:امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:اللہ تعالی نے عورت کو پردہ پوشی کا ادب سکھایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی ادب سکھایا ہے۔ اس ادب کی بنیاد پر میں عورت کے لیے یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ سجدہ میں اپنے بعض اعضاء کو بعض کے ساتھ ملائے اور اپنے پیٹ کو رانوں کے ساتھ ملا کر سجدہ کرے‘ اس میں اس کے لیے زیادہ ستر پوشی ہے۔ اسی طرح میں عورت کے لیے رکوع ،قعدہ اور تمام نماز میں یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ نماز میں ایسی کیفیات اختیار کرے جس میں اس کے لیے پردہ پوشی زیادہ ہو۔

[۴]: فقہ حنبلی

قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ:وَالْمَرْاَۃُ کَالرَّجُلِ فِیْ ذٰلِکَ کُلِّہٖ اَنَّھَا تَجْمَعُ نَفْسَھَا فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ وَتَجْلِسُ مُتَرَبِّعَۃً اَوْتَسْدُلُ رِجْلَیْھَافَتَجْعَلُھُمَا فِیْ جَانِبِ یَمِیْنِھَا.... قَالَ اَحْمَدُ:اَلسَّدْلُ اَعْجَبُ اِلَیَّ. (الشرح الکبیر لابن قدامۃ ج1 ص599 ‘ المغنی لابن قدامۃ ج1 ص635)

ترجمہ: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: سب احکام میں مرد کی طرح ہے مگر رکوع و سجود میں اپنے جسم کو سکیڑ کر رکھے اور آلتی پالتی مار کر بیٹھے یا اپنے دونوں پاؤں اپنی دائیں جانب نکال کر بیٹھے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:’’عورت کا اپنے دونوں پاؤں اپنی دائیں جانب نکال کر بیٹھنا میرے ہاں پسندیدہ عمل ہے۔‘‘

غیر مقلدین کے ’’دلائل‘‘ کا علمی جائزہ

دلیل نمبر 1:

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي. (صحیح البخاری)
کہ اس طرح نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔
معلوم ہوا کہ مرد و عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں۔

جواب:

پہلے یہ حدیث مبارک مکمل دیکھ لی جائے تاکہ جواب سمجھنے میں آسانی ہو۔پوری حدیث یوں ہے۔

حَدَّثَنَا مَالِكٌ أَتَيْنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ يَوْمًا وَلَيْلَةً وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيمًا رَفِيقًا فَلَمَّا ظَنَّ أَنَّا قَدْ اشْتَهَيْنَا أَهْلَنَا أَوْ قَدْ اشْتَقْنَا سَأَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا بَعْدَنَا فَأَخْبَرْنَاهُ قَالَ ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَأَقِيمُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ وَذَكَرَ أَشْيَاءَ أَحْفَظُهَا أَوْ لَا أَحْفَظُهَا وَصَلُّواكَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي فَإِذَا حَضَرَتْ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ.
(صحیح البخاری: حدیث نمبر631)

ترجمہ: حضرت مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم چند نوجوان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بیس دن قیام رہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے رحم دل اور رقیق القلب تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ ہمیں اپنے گھر جانے کا اشتیاق ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ اپنے گھر کیسے چھوڑ کر آئے؟ ہم نے آپ کی خدمت میں (جو بات تھی) عرض کر دی۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھر جاو اور ان کے ساتھ قیام کرو انہیں دین سکھاو اور دین کی باتوں

کا حکم کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی چیزوں کا ذکر فرمایا جن کے متعلق حضرت مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ مجھے یاد ہیں یا یہ کہا کہ یاد نہیں اور (پھر) فرمایا اس طرح نماز پڑھنا جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا اور جب نماز کا وقت ہوجائے تو کوئی ایک اذان دے اور جو تم میں سب سے بڑا ہو وہ نماز پڑھائے۔

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیس دن تک رہے اور جلدی واپس جانے کا اشتیاق ظاہر کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کچھ احکام بیان فرمائے۔ حدیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے ان حضرات کو سات احکامات ارشاد فرمائے تھے۔ اگر ان میں سے ایک ایک حکم میں غور کیا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان احکامات کا تعلق صرف مردوں کے ساتھ ہے، عورتوں کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے۔ ”صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي“ سے پہلے چار اور اس کے بعد دو احکامات پر غور کریں۔

حکم نمبر1: ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ [اپنے گھروں کو جاؤ] یہ حکم مردوں کو ہونا واضح ہے۔
حکم نمبر 2: فَأَقِيمُوا فِيهِمْ [ان کے پاس جا کر قیام کرو] اس حکم کا مردوں کے لیے ہونا ظاہر ہے۔
حکم نمبر 3: وَعَلِّمُوهُمْ [ان کو دین سکھاو] یہ حکم بھی ان مرد حضرات کے لیے ہے جو حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس آئے تھے۔
حکم نمبر 4: وَمُرُوهُمْ [انہیں دن کی باتوں کا حکم دو] اس کا مردوں کے لیے ہونا ظاہر ہے۔
حکم نمبر 6: فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ [کوئی ایک اذان دے] اذان کا حکم بھی بالاتفاق مردوں کے لیے ہے۔ عورت اذان نہیں دے سکتی۔
حکم نمبر 7: وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ [تم میں سے جو بڑا ہو وہ نماز پڑھائے] اس قافلے میں مرد تھے اور انہیں خطاب تھا کہ تم میں سے جو بڑا ہو وہ امامت کرائے۔ ظاہر ہے کہ یہ خطاب بھی مردوں کو ہے، کوئی عورت مردوں کی امامت نہیں کرا سکتی۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ پہلے چار احکامات ، اسی طرح چھٹے اور ساتویں حکم کا تعلق بالاتفاق مردوں کے ساتھ ہے اور وہ لوگ جو فرق کے قائل نہیں وہ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں...... تو یقینی بات ہے کہ درمیان کے حکم ”وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي “ [اس طرح نماز پڑھنا جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا] کا تعلق بھی صرف مردوں کے ساتھ ہو گا۔ کیونکہ کوئی وجہ نہیں کہ سات احکامات میں سے چھے احکام تو مردوں کے ساتھ خاص کر لیے جائیں اور ایک حکم میں مرد و عورت دونوں کو شریک سمجھا جائے۔

جو لوگ اس روایت کی بناء پر مرد وعورت کی نماز کو ایک جیسا سمجھتے ہیں وہ خود کئی باتوں میں فرق کرتے ہیں، مثلاً:

[۱]: جناب البانی صاحب غیر مقلد کی کتاب ”صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ و سلم“میں صفحہ نمبر165 میں مرد کے لیے نماز میں سر ننگا کرنے کی گنجائش اور سر ڈھانپ کر نماز پڑھنےکو افضل قرار دیا گیا ہے لیکن صفحہ نمبر171 پر عورت کے لیے سر ڈھانپ کر نماز پڑھنے کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور بغیر اوڑھنی کے نماز پڑھنے پر ”نماز نہ ہونے“ کا حکم لگایا گیا ہے۔

[۲]: محمد حنیف منجا کوٹی صاحب غیر مقلد اپنی کتاب ”مرد و زن کی نماز میں فرق؟“ کے صفحہ نمبر7 ، 8 پر رقمطراز ہیں:

”اسی طرح اگر عورت عورتوں کی امامت کرائے تو وہ صف کے درمیان کھڑی ہو گی مردوں کی طرح آگے نہیں۔ (بیہقی ج1 ص131) لیکن مرد امامت کراتے وقت آگے کھڑا ہو گا۔ (بخاری و مسلم و سنن اربعہ) اسی طرح مرد نماز میں امام کے بھولنے پر سبحان اللہ کہے اور عورت ایک ہاتھ پر دوسرے ہاتھ کی پشت مارے (مسلم ج1 ص180)“

موصوف اپنی اسی کتاب کے صفحہ نمبر38 پر لکھتے ہیں:

”عورتیں جمعہ کی فرضیت سے مستثنیٰ ہیں“

سوال یہ ہے کہ جب فرق نہیں تو آپ نے خود یہ فرق کیوں کیا؟

لہٰذا روایت ”صلّواکما رایتمونی اُصلّی“ سے ”مرد و عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں“ کا استدلال کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔

دلیل نمبر2:

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا کا اثر بخاری شریف میں موجود ہے:
وَكَانَتْ أُمُّ الدَّرْدَاءِ تَجْلِسُ فِي صَلاَتِهَا جِلْسَةَ الرَّجُلِ وَكَانَتْ فَقِيهَةً. (صحیح البخاری: ج1 ص114 بَاب سُنَّةِ الْجُلُوس فِي التَّشَهُّدِ)
ترجمہ: حضرت ام الدرداء نماز میں مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں اور آپ فقیہہ تھیں۔
غیر مقلدین حضرات کی طرف سے یہ اثر پیش کیا جاتا ہے کہ اس میں عورت ؛مرد کی طرح بیٹھتی تھی۔ لہذا مردوں اور عورتوں کی نماز میں کوئی فرق نہیں ہے۔

جواب نمبر1:

”مردوں کی طرح بیٹھتی تھیں“ سے خود معلوم ہو رہا ہے کہ مردوں کے تشہد بیٹھنے کا طریقہ عورتوں سے مختلف تھا۔

جواب نمبر 2:

امام بخاری رحمہ اللہ اس ”باب سنۃ الجلوس فی التشہد“ میں حضرت ام الدرداء کے عمل کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت لائے ہیں۔ ابواب قائم کرنے میں امام بخاری رحمہ اللہ کا طرز انتہائی عمیق اور دقیق ہوتا ہے۔ اس تبویب کا ایک انداز یہ ہے کہ ایک باب کے تحت جو روایات لاتے ہیں ان میں ترجمۃ الباب سے مناسبت کے ساتھ ساتھ آپس میں بھی قدرِ مشترک مناسبت ہوتی ہے۔ ان دو روایات کےقدرِ مشترک سے معلوم ہو گاکہ خود حضرت ام الدرداء کے اس اثر سے مرد و عورت کی نماز میں فرق ثابت ہوتا ہے۔ پہلے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کا خلاصہ دیکھ لیا جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ ابن عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کرتا تھا کہ آپ نماز میں چہار زانو بیٹھتے تھے۔ چنانچہ میں نے بھی چہار زانو بیٹھنا شروع کر دیا تو حضرت ابن عمر نے مجھے اس طرح بیٹھنے سے روکا اور فرمایا کہ تشہد میں بیٹھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ آپ دایاں پاؤں کھڑا رکھیں اور بایاں پاؤں بچھا کر بیٹھیں۔ حضرت عبد اللہ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: آپ خود تو چہار زانوں بیٹھتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے پاؤں کمزور ہیں، ان میں اتنی سکت نہیں ہے اس لیے چہار زانو بیٹھتا ہوں۔
اس روایت کا نتیجہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نےتشہد میں بیٹھنے کا سنت طریقہ بتایا البتہ خود اس کے برخلاف بیٹھنے کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ ان کا عذر تھا۔ واضح رہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فقیہ تھے اور ان کی فقاہت کا تقاضا تھا کہ عذر کی وجہ سے اصل ہیئت کے بر خلاف ہیئت سے بیٹھیں۔
اس نتیجہ کی روشنی میں حضرت ام الدرداء کی روایت پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کے بیٹھنے کا طریقہ عورتوں سے یکسر الگ تھا کیونکہ امام بخاری نے روایت لا کر بتا دیا کہ حضرت ام الدرداء مردوں کے طریقہ پر بیٹھتی تھیں۔ نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے ”وھی فقیہۃ“ کہہ کر بتا دیا کہ ان کا اصل ہیئت کے بر خلاف بیٹھنے کی وجہ ان کا کوئی عذر ہو گا اور عذر کی وجہ سے خلافِ ہیئت بیٹھنا شانِ فقاہت کا تقاضا ہے اسی لیے فرمایا: ”وھی فقیہۃ“ ۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا خلافِ ہیئت بیٹھنا۔
اب مرد وعورت کی نماز میں فرق واضح ہے۔

اشکال:

صحیح بخاری (رقم الحدیث822) میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:
وَلاَ يَبْسُطْ أَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ.
ترجمہ: تم میں سے کوئی (سجدہ کی حالت میں) اپنے بازؤوں کو کتے کی طرح نہ بچھائے۔
حنفی عورتیں بھی سجدہ میں اپنے بازو زمین پر بچھا دیتی ہیں تو یہ حدیث کی رو سے نائز عمل ہے۔

جواب:

صحیح البخاری کی اس روایت کا تعلق عورتوں کے ساتھ نہیں بلکہ صرف مردوں کے ساتھ

ہے کیونکہ عورتوں کے لیے سجدہ میں جسم کو زمین کے ساتھ لگانے کا حکم خود حدیث میں موجود ہے۔ امام ابو دواؤد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں:

عَنْ یَزِیْدَ بْنِ حَبِیْبٍ رحمہ اللہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّ عَلٰی اِمْرَاَتَیْنِ تُصَلِّیَانِ فَقَالَ اِذَاسَجَدْتُمَا فَضُمَّا بَعْضَ اللَّحْمِ اِلَی الْاَرْضِ فَاِنَّ الْمَرْاَۃَ لَیْسَتْ فِیْ ذٰلِکَ کَالرَّجُلِ. (مراسیل ابی داؤد: ص28،السنن الکبری للبیہقی ج 2ص223 باب ما یستحب للمراۃ الخ)

ترجمہ:حضرت یزید بن حبیب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے قریب سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب تم سجدہ کرو تو جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ عورت کا حکم اس میں مرد کی طرح نہیں ہے ۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ عورت کے لیے جسم کا کچھ حصہ لگانے کا حکم خود حدیث سے ثابت ہے۔ لہذا صحیح البخاری کی اس روایت کا تعلق صرف مردوں کے ساتھ ہو گا۔

جو لوگ مرد و عورت کی نماز میں فرق کے قائل نہیں انہوں نے بھی اس حقیقت کا اقرار کیا ہے کہ عورت کے لیے سجدے کی الگ کیفیت اگر حدیث سے ثابت ہو جائے تو قابل قبول ہے۔ چنانچہ حافظ صلاح الدین یوسف صاحب غیر مقلد صحیح البخاری کی مذکورہ روایت نقل کر کے یوں رقمطراز ہیں:

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے مسلمانوں کو خطاب کر کے سجدے کی حالت میں اپنے بازوں کو زمین پر بچھانے سے نہ صرف منع فرمایا بلکہ اس طرح کرنے کو کتے کے ساتھ بیٹھنے کے ساتھ تشبیہ دی۔ آپ کے اس خطاب میں مردو عورت دونوں شامل ہیں۔ ہاں اگر عورتوں کے لیے سجدے کی الگ کیفیت حدیث سے ثابت ہو گی تو پھر عورتیں اس میں شامل نہیں ہوں گی۔

(کیا عورتوں کا طریقہ نماز مردوں سے مختلف ہے؟ ص40)

عرض ہے کہ عورتوں کے لیے سجدے کی الگ کیفیت خود حدیث مذکور سے ثابت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ استعانت بغیر اللہ

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

استعانت بغیر اللہ کی چند صورتیں ہیں:

[۱]: کسی بھی غیر خدا کو بالذات قادر ماننا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اس میں ذاتی طور پر قدرت و طاقت ہے کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے،فریقین کے ہاں یہ بالاتفاق شرک ہے۔

[۲]: کسی بھی غیر خدا سے ظاہری استعانت کرنا، یعنی جو عادتاً انسان کے بس میں ہوتا ہے مثلاً روپیہ، پیسہ ،کپڑا، وغیرہ یا دعا دینایہ چیزیں اگر کسی سے مانگی جائیں تو یہ فریقین کے ہاں بالاتفاق درست ہے۔

اس میں یہ بات بھی آجاتی ہے کہ انسان جیسے عادتاً سنتا ہے، ویسے اس کو پکار کر اس سے یہ استعانت کرنا درست ہے۔ اب انسان عادتاً تو قریب سے سنتا ہے مگر دور سے نہیں سنتا۔ لہذاکوئی آدمی کسی کو دور سے سننے والا سمجھ لے تو یہ بھی درست نہیں ہوگا۔

[۳]: کسی غیر خدا کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس کو خدا نے تمام اختیار دے دیے ہیں اور وہ جو چاہے کرسکتا ہے ،ہر قسم کی مرادیں ہر جگہ سے اس سے مانگنی چاہییں۔ تو یہ بات مختلف فیہ ہے۔ ہمارے نزدیک یہ صورت بھی ناجائز ہے جب کہ فریق مخالف کے نزدیک جائز ہے۔

اہلِ بدعت کی چند اصولی غلطیاں:

(1): آج کل اہل بدعت کہتے ہیں کہ ہم بھی ان سے دعاؤں کی درخواست کرتے ہیں مگر پکارتے ہر جگہ سے ہیں۔

جواباً گزارش ہے کہ استشفاع یا دعاؤں کی درخواست تو درست ہے مگر آپ کا ہر جگہ سے ان کو پکارنا درست نہیں اس لیے کہ ان کا ہر جگہ سے سن لینا چونکہ عادتاً ان کی قدرت و طاقت میں نہیں۔

(2): جن آیات میں دعا، یدعو، تدعو وغیرہ کے الفاظ ہیں اہل بدعت ان کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ ان کا معنی تو ”عبادت“ کرنا ہے اور ہم تو غیر خدا کی عبادت نہیں کرتے۔

جواباً گذارش ہے کہ یہ مختلف فیہ استمداد بھی چونکہ خاصہ خداوندی ہے اس لیے یہ بھی تو عبادت ہے ، لہذا اگر ان آیات کا معنیٰ(جو آگے آرہی ہیں)عبادت بھی لو تو بھی یہ تمہارے خلاف ہے۔

نیز حدیث طیبہ میں دعا کو بھی عبادت قرار دیا گیا ہے۔ (ترمذی ج2ص173، ابن ماجہ ص280)

دوسری جگہ ہے :

اشرف العبادۃ الدعاء . (الادب المفرد ص105)

چونکہ دعا بھی عبادت ہے اس لیے مفسرین نے دعا، یدعو، تدعو وغیرہ کا معنی عبادت کیا ہے اور یہ ہمارے خلاف نہیں ہے۔

(3): اہل بدعت کہتے ہیں کہ "ہم بزرگوں کو مستقل اور قادر بالذات تو نہیں مانتے جو شرک ہو" تو جوابا گذارش ہے کہ کفار خدا کی عظمت و جلال کے قائل ہونے کے باوجود شرکاء کی عبادت اس لیے نہیں کرتے تھے کہ وہ ان کو قادر بالذات سمجھتے تھے بلکہ وہ بھی خدا کی عطا سے ان کو طاقتور اور قادر سمجھتے تھے اور کہتے تھے:

لا شریک لک الا شریکا ہو لک تملکہ وما ملک.

کہ تیرا کوئی شریک نہیں مگروہ جس کو تو نے خود شریک ٹھہرایا ہے اور اس کا تو مالک ہے وہ مالک نہیں ہے ۔

باقی اگر کوئی یہ کہے کہ "وہ تو دور دراز سے نہیں پکارتے تھے بلکہ ان مورتیوں سے جاکر مانگتے تھے تو ہمارا مسئلہ اور ہے اور ان کا مسئلہ اور تھا۔ "

تو گزارش ہے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب اور مولوی احمد سعید کاظمی نے تو صاف مانا ہے کہ:

”وہ مشرکین مکہ بڑے بڑے امور میں تو خدا کو ہی مالک و مختار سمجھتے تھے اور چھوٹے چھوٹے کاموں میں کہتے تھے کہ خدا نے ان کو اختیارات دیے ہیں یعنی ان نیک لوگوں کو

مختار بنایا ہے اور وہ ان لوگوں سے مدد بھی مانگتے تھے اور وہ ان مورتیوں اور پتھروں کو ان کی توجہ کا قبلہ سمجھتے تھے۔
(دیکھیے اعلاء کلمۃ اللہ، مقالات کاظمی وغیرہا)
اور تفصیل سے یہ بات شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بھی لکھی ہے۔
معلوم ہوا کہ وہ ان مورتیوں اور پتھروں کو توجہ کے لیے قبلہ قرار دیتے تھے ان کو پوجتے نہ تھے۔ ہاں جہلاء نے سب کچھ انہی مورتیوں کو سمجھ لیا ورنہ ان میں بڑے لوگ وہی عقیدہ رکھتے تھے جو عرض کیا جا چکا ہے۔ جب صرف ان نیک لوگوں کی توجہ کا ذریعہ ان بتوں کو سمجھتے تھے تو پھر جب وہ اولاد، رزق، بارش، شفاء وغیرہ مانگتے تھے تو سمجھتے تھے کہ وہ اپنی اپنی جگہ مدفون ہیں مگر ہماری باتیں، گذارش ،عرضیاں، درخواستیں، بیان بھی سنتے ہیں اور وہیں سے مدد بھی کرتے ہیں۔
تو بتائیں کہ ان مشرکین نے ان بتوں کو ہر جگہ سے سننے اور دیکھنے والا مانا یا نہیں؟ بتا ؤ! تو اب تمہارا اور ان کا کیا فرق رہ گیا؟

الہ کا معنی

"اِلہٰ" کا وہ معنی جس میں مشرکین کو بڑا اختلاف تھا قرآن کریم اور حدیث شریف کی رو سے بیان کیا جاتا ہے جس میں زمانہ سابق و حال کے مشرک اور زمانہ قدیم وجدیدکے جاہل مبتلاء تھے اور ہیں۔ اور تکالیف کے وقت غیر اللہ کو" الہ" سمجھتے تھے اور اب بھی سمجھتے ہیں کیونکہ اگر یہ معنی کھول کر نہ بیان کیا جائے تو نہ عبادت خدا تعالیٰ کے لیے مخصوص ہوسکے گی اور نہ توحید و شرک کا مفہوم سمجھ آسکے گا اور قرآن کریم پرا یمان اور یقین رکھنے کے باوجود عقیدہ نامکمل رہے گا، ہر ایسی سمجھ والا زبان سے لا الہ الا اللہ تو کہتا رہے گا مگر سینکڑوں کو "الہ "بناتا رہے گا، وہ زبانی یہ دعوی تو ضرور کرے گا کہ میں اللہ کے علاوہ کسی کو رب نہیں سمجھتا لیکن بایں ہمہ اس نے بہتوں کو"اربابا من دون اللہ"بنا رکھا ہوگا۔ وہ پوری نیک نیتی سے کہے گا کہ میں اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرتا مگر پھر بھی بہت سے معبودوں کی عبادت میں مشغول رہے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الأَرْضِ أَإِلَهٌ مَعَ اللَّهِ قَلِيلاً مَا تَذَكَّرُونَ. (سورۃ النمل:62)
بھلا وہ کون ہے کہ جب کوئی بےقرار اسے پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے اورتکلیف دور کر دیتا ہے اور جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے ، کیا (پھر بھی تم کہتے ہو کہ) اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ؟ نہیں ! بلکہ تم بہت کم نصیحت قبول کرتے ہو ۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر یہ بیان فرمایا ہے کہ مجبور اور بے کس کی پکار کو سننا اور اس کی مدد کرنا اور اس کی تکلیف دور کرنا الہ کا کام ہے۔ گویا فریاد رس اور تکلیف کو دور کرنے والا "الہ" ہوتا ہے اور اس کے بغیر کوئی بھی الہ نہیں ہے، حضرت یونس علیہ السلام نے جب مچھلی کے پیٹ میں دعا کی تو یہ فرمایا:
لاَ إِلَهَ إِلاَّ أَنْتَ.(سورۃ الانبیاء آیت87)
کوئی الہ نہیں مگر صرف تو۔
مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! نہ تیرے بغیر کوئی فریاد رس ہے اور نہ تکلیف دور کرنے والا ہے اور نہ کوئی حاجت روا ہے اور نہ کوئی مشکل کشا ہے۔

آیات قرآنیہ

قرآن کریم کی چند آیات پیش کی جاتی ہیں کہ مشرکین غیر اللہ کو فریاد رس اور تکلیف دور کرنے والا سمجھ کر پکارتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف مشرکین کی (دعا یدعو کے الفاظ کو سامنے رکھ کر) تردید فرمائی ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو وہ نہ نفع کے مالک ہیں ،نہ ضرر کے اور نہ ہی ان کو تمہاری تکلیفوں اور مصیبتوں کی اطلاع ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو یہ حکم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کےعلاوہ کسی کو نہ پکارو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
1: إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَاباً وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ. (سورۃ الحج :73)

ترجمہ: تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو دعا کے لیے پکارتے ہو ، وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے ، چاہے اس کام کے لیے سب کے سب اکھٹے ہو جائیں ۔

2: قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ لا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلا فِي الأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ. (سورۃ السباء:22)

ترجمہ: (اے پیغمبر ! ان کافروں سے) کہو کہ " پکارو ان کو جنہیں تم نے اللہ کے سوا خدا سمجھا ہوا ہے وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، نہ ان کو آسمان وزمین کے معاملات میں (اللہ کے ساتھ) کوئی شرکت حاصل ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے ۔"

3: قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِي اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ. (سورۃ الزمر:38)

ترجمہ: (ان سے) کہو کہ :" ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن (بتوں) کو پکارتے ہو ، اگر اللہ مجھے کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ کر لے تو کیا یہ اس کے پہنچائے ہوئے نقصان کو دور کر سکتے ہیں ؟ یا اگر اللہ مجھ پر مہر بانی فرمانا چاہے تو کیا یہ اس کی رحمت کو دور کر سکتے ہیں ؟ کہو کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے ۔ بھروسہ رکھنے والے اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں ۔

4: قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنْ الأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ اِئْتُونِي بِكِتَابٍ مِنْ قَبْلِ هَذَا أَوْ أَثَارَةٍ مِنْ عِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ. (سورۃ الاحقاف:4)

ترجمہ: تم ان سے کہو کہ :"کیا تم نے ان چیزوں پر کبھی غور کیا ہے جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو ؟ مجھے دکھاؤ تو سہی کہ انہوں نے زمین کی کون سی چیز پیدا کی ہے ؟ یا آسمان (کی تخلیق) میں ان کا کوئی حصہ ہے ؟ میرے پاس کوئی ایسی کتاب لاؤ جو قرآن سے پہلے کی ہو یا پھر کوئی روایت جس کی بنیاد علم پر ہو ، اگر تم واقعی سچے ہو۔

5: وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ (13) إِنْ تَدْعُوهُمْ لا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ. (سورۃ الفاطر: 13، 14)

ترجمہ: اور اسے چھوڑ کر جن(جھوٹے خداؤں) کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے ۔ اگر تم ان کو پکارو گے تو وہ تمہاری پکار سنیں گے ہی نہیں ، اگر سن بھی لیں تو تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔ اور قیامت کے دن وہ خود تمہارے شرک کی تردید کریں گے۔ اور جس ذات کو تمام باتوں کی خبر ہے ،اس کے برابر تمہیں کوئی اور صحیح بات نہیں بتائے گا۔

ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا شرک یہ بتلایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارا کرتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ غیر اللہ تکوینی امور (تکلیف سے نجات دینے اور مہربانی کرنے) میں ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں ہیں اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کےعلاوہ دوسری مخلوق کو مشکل کشا جان کر پکارتے ہیں تو وہ ان کی بات کو نہ سن سکتے ہیں اور نہ ان کو اس کی کچھ خبر ہے قیامت تک پکارو وہ کچھ نہیں کرسکتے اور اگر بالفرض وہ تمہاری تکلیف کو سن بھی لیں تو تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتے اور تمہارے شرک (یعنی پکارنے) کا قیامت کو صاف انکار کریں گے اور یہ ساری باتیں بتلانے والا وہ ہے جس سے کوئی بات چھپی ڈھکی نہیں۔ اسی آخری آیت میں اس قسم کے پکارنے پر "شرک" کا لفظ بولا گیا ہے۔ بلکہ ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

ذَلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَإِنْ يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ. (سورۃ غافر:12)

ترجمہ: (جواب دیا جائےگا کہ :) تمہاری یہ حالت اس لیے ہے کہ جب اللہ کو تنہا پکارا جاتا تھا تو تم انکار کرتےتھے اور اگر اس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہرا یا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے۔ اب تو فیصلہ اللہ ہی کا ہے جس کی شان بہت اونچی، جس کی ذات بہت بڑی ہے ۔

اس آیت میں اکیلے خدا تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو نافع اور ضار جان کر پکارنا شرک قرار دیا گیا۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لا يَضُرُّهُمْ وَلا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا

لا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلا فِي الأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ. (سورۃ یونس :18)
ترجمہ: اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان (من گھڑت خداؤں) کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں ، نہ ان کو کوئی فائدہ دے سکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں (اے پیغمبر ! ان سے) کہو کہ :"کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دے رہے ہو جس کاکوئی وجود اللہ کے علم میں نہیں ہے ، نہ آسمانوں میں نہ زمین میں ؟"(حقیقت یہ ہے کہ) اللہ ان کی مشرکانہ باتوں سے بالکل پاک اور کہیں بالا وبرتر ہے ۔
قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمْ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِنْ كُنتُمْ صَادِقِينَ (40) بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ وَتَنسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ (سورۃ الانعام آیت40، 41)
ترجمہ (ان کافروں) سے کہو :" اگر تم سچے ہو تو ذرا یہ بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے ، یا تم پر قیامت ٹوٹ پڑے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ بلکہ اسی کو پکارو گے ، پھر جس پریشانی کے لیے تم نے اسے پکارا ہے ، اگر وہ چاہے گا تو اسے دور کر دے گا اور جن (دیوتاؤں) کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو (اس وقت) ان کو بھول جاؤ گے ۔
فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ. (سورۃ العنکبوت:65)
ترجمہ: چنانچہ جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو اس طرح پکارتے ہیں کہ ان کا اعتقاد خالص اسی پر ہوتا ہے پھر جب وہ انہیں بچاکر خشکی پر لے آتا ہے تو فوراً شرک کرنے لگتے ہیں ۔

احادیث مبارکہ

1: عَنْ أَنَسٍ ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا ، حَتَّى يَسْأَلَهُ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ. زاد فی روایۃ ثابت البنانی مرسلا: «حتی یسأله المِلْحَ ، وحتی یسأله شِسْعَهُ إذا انْقَطَعَ». (مشکوۃ المصابیح: کتاب الدعوات)
ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : تم میں سے ہر ایک اپنے پروردگار سے تمام حاجتیں ضرور طلب کرے یہاں تک کہ اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے (تو وہ بھی اللہ ہی سے طلب کرے) ثابت البنانی کی مرسل روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں :یہاں تک کہ نمک بھی اللہ ہی سے طلب کرے۔
2: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال بینما انا ردیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اذ قال لی یا غلام! احفظ اللہ یحفظک احفظ اللہ تجدہ امامک فاذا سالت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ جف القلم بما ہو کائن.(فتوح الغیب مقالہ نمبر42)
ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر بیٹھا ہوا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا : اے بچے! تو حقوق اللہ کی حفاظت کر، اللہ تعالیٰ تیری حفاظت فرمائے گا، تو خیالات و معاملات میں اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھ، تو اسے اپنے پاس محسوس کرے گا پس سمجھ لے کہ جب بھی کوئی چیز مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا اور جب (کسی مشکل میں پھنس جاؤ اور) مدد مانگنی ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا اور جو کچھ ہونا ہے وہ لکھا جاچکا ہے اور قلم لکھ کر خشک ہوچکا ہے ۔

بریلوی دعویٰ

1:حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کی حاجت روائی فرماسکتے ہیں ،دنیا آخرت کی سب مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں۔
(فتاویٰ افریقہ ص112، فتاویٰ رضویہ ج21ص309)
2:اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عالم کا انتظام کیا اور ان کو اختیارات خصوصی عطاء فرمائے۔ (جاء الحق ص97 دوسرا باب: اولیاء سے مدد مانگنے کا عقلی ثبوت)

بریلویوں کے ”دلائل“ کا جائزہ

غیر اللہ سے مدد مانگنے کے ثبوت پر بریلوی حضرات جن آیات کو دلیل بناتے ہیں ، ان کا تجزیہ پیش خدمت ہے ۔

[1]: وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ. (سورۃ البقرۃ:23)
ترجمہ: اور اللہ کے سوا اپنے سارے حمایتیوں کو بلالو۔

الجواب:

یہ تو خدا تعالی کافروں سے کہہ رہا ہے کہ تم خدا کے علاوہ جن کو اپنا کار ساز سمجھتے تھے ان کو بلالو، اگر رضا خانی بھی انہی میں سے ہیں تو بڑے شوق سے بلائیں ورنہ یہ تمہاری دلیل نہیں بن سکتی۔

[2]: قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ. (سورۃ آل عمران:52)
ترجمہ: مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ کون کون لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں میرے مدد گار ہوں۔

الجواب:

یہ مدد جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے مانگی ہے یہ وہ ہے جو بالاتفاق جائز ہے یعنی استمداد کی دوسری قسم یعنی اسباب کے ساتھ مدد مانگنا یا وہ مدد مانگنا جو انسانی طاقت و بس میں ہے۔ مثلا روٹی، پانی، روپیہ، پیسہ وغیرہ مانگنا۔ تو یہاں سیدنا عیسی علیہ السلام بھی اپنے حواریوں سے ظاہری مدد مانگ رہے ہیں نہ کہ اختلافی مدد مانگ رہے ہیں۔
اس سے اگر بریلوی یہی مطلب لیں تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا عیسی علیہ السلام تو مشکل کشا نہیں، بلکہ ان کے امتی مشکل کشا ہیں۔

[3]: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (سورۃ المائدۃ:2)
ترجمہ: نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو ۔

الجواب:

ہم بڑی جرأت و دلیری سے کہتے ہیں کہ 14صدیوں کے کسی معتبر مفسر نے اس آیت سے اختلافی استمداد ثابت نہیں کی، غیر اللہ کو مختارِ کل سمجھ کر ہر جگہ سے پکارنا، جو ہمارے اور تمہارے درمیان اختلافی امر ہے وہ تو اس سے ثابت نہیں ہورہا ۔

[4]: وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ. (سورۃ البقرۃ: 45)
اور صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو ۔

الجواب:

اگر یہ لوگ اپنی تفسیر ضیاء القرآن ہی پڑھ لیتے تو بات ان کی سمجھ میں آجاتی ۔قرآن یہ بات کہہ رہا ہے کہ نماز اور صبر کے ذریعے اللہ سے مدد مانگو۔ اگر کوئی یہ کہے کہ "نماز اور صبر غیر خدا ہیں" تو عرض ہے کہ یہاں "ب" سبب اور ذریعہ بتانے کے لیے آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو نماز اور صبر کے ذریعے سے ۔

[5]: هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ (سورۃ الانفال :62)
ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنی مدد کے ذریعے اور مومنوں کے ذریعے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے۔

الجواب:

اللہ کریم نے یہاں پر ایک اُس مدد کا ذکر کیا ہے جو چھپی ہوئی تھی اور دوسری مسلمانوں کے ذریعے اس مدد کا ذکر کیا ہے جو ظاہری اور نظر آنے والی تھی۔ یہ دونوں مددیں اللہ کی طرف سے ہیں، اگر اللہ کریم کسی کو کسی کام کے لیے استعمال فرما لے تو اس سے وہ مشکل کشا نہیں بن جاتا، جیسے پانی کو خدا نے ہر زندہ کے پیدا کرنے کے لیے سبب بنایا ہے، تو پانی کو کیا کوئی مشکل کشا سمجھتا ہے؟ اسی طرح اصحاب فیل کو تباہ کرنے کے لیے خدا نے ذریعہ بنایا پرندوں اور کنکریوں کو۔ کیا بریلوی اسی لیے ہر پتھر کو پوجتے اور چومتے ہیں ؟ القصہ خدا نے جیسے ان کو بطور سبب ظاہر کیا ان کو بھی کیا، جیسے ان کو کوئی مشکل کشا نہیں سمجھتا ایسے ہی وہ بھی نہیں۔

[6]: إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ. (سورۃ المائدۃ:55)

ترجمہ: (مسلمانو!) تمہارے یار ومددگار اللہ اس کے رسول اور وہ ایمان والے ہیں جو اس طرح نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں وہ (دل سے) اللہ کے آگے جھکے ہوئے رہتے ہیں ۔

الجواب:

اولاً: ہمارا اختلاف تو اس بات سے ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو مختار کل سمجھ کر ہر جگہ سے ان کو پکارا جائےاور یہ بات تو یہاں سے ثابت ہی نہیں ہوتی۔

ثانیاً: ظاہری مدد و نصرت ایک دوسرے سے مانگنا جتنی اس کی طاقت و بساط میں ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ نیز یہ بات بھی مد نظر رہے کہ اس آیت سے ان سے پہلے 14صدیوں کے کسی بھی معتبر مفسر نے استعانت بغیر اللہ ثابت نہیں کی۔

ثالثاً: ولی کا معنی دوست بھی تو ہوسکتا ہے۔

رابعاً: اگر معنی یہ لیا جائے کہ یہ سب مددگار ہیں۔ تو پہلا خطاب صحابہ کو ہے ،صحابہ کے سب ایمان والے مددگار تھے، کیا مطلب؟ آج بھی ہر مؤمن مددگار ہے تو پھر مزارات پر کیا لینے جاتے ہو؟ کیا تم مومن نہیں؟

[7]: فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ. (سورۃ التحریم :4)

ترجمہ: پس ان کا مددگار اللہ ہے اور جبرائیل ہیں اور نیک مسلمان ہیں اور اس کے علاوہ فرشتے ان کے مددگار ہیں ۔

الجواب:

اولاً: مولیٰ کا معنیٰ دوست بھی تو ہوتا ہے۔

ثانیًا: اگر کسی بھی معتبر مفسر نے اختلافی استمداد کو اس آیت سے مراد لیا ہے تو پیش کریں۔

ثالثاً: قران و سنت کے دلائل سے ہم نے عرض کردیا کہ غیر اللہ سے استعانت جو مختلف فیہ ہے، ناجائز ہے ۔

رابعاً: رسول پاک صلی اللہ علیہ و سلم نے بعض صحابہ کو" مولیٰ" کہا، کیا وہ حضور علیہ السلام کے مشکل کشا حاجت روا اور مددگار تھے؟

خامساً: بریلوی اپنے علماء کو "مولانا" کہتے ہیں، تو کیا وہ سب کچھ دیتے ہیں؟مشکل کشا ہیں؟حاجت روا ہیں؟ بگڑی بنانے والے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر معنی تم ہی کرو گے "دوست" تو یہاں بھی وہی معنی مراد ہوسکتا ہے۔

[8]: فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا. (سورۃ النازعات:5)

ترجمہ: قسم ہے ان فرشتوں کی جو امور کو ترتیب دینے والے ہیں۔

اللہ رب العزت نے فرشتوں کو اختیار دے رکھا ہے کہ وہ جب چاہیں جو کام چاہیں اپنی مرضی سے کرسکتے ہیں تو جب اللہ نے فرشتوں کو اختیار دیا ہے تو ایسا اختیار نبیوں اور ولیوں کے لیے بھی ہے۔

الجواب:

اللہ ر ب العزت نے فرشتوں کو یہ جو اختیار دیا ہے یہ نہ تو دائمی اختیار ہے اور نہ ہی اختیاری طاقت ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اللہ پانی سے پیاس بجھا سکتا ہے اور پیاس بجھانے پر قادر ہے۔ جو اللہ کھانے سے پیٹ بھرنے پر قادر ہے تو وہی اللہ ان فرشتوں، نبیوں، ولیوں سے بھی اس طرح کے کام لینے پر بھی قادر ہے۔ یہی تفسیر بیضاوی والے نے بھی کی ہے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ان کے پاس جو اختیار ہے یہ دائمی اور اختیار کلی ہے۔

مسئلہ استعانت پر بریلوی حضرات جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں ان کا تحقیقی جائزہ

[1]: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا پاؤں سوگیا تو انہوں نے ”یا محمداہ “ کہا۔ (کتاب الاذکار وغیرہ)

معلوم ہوا غیر اللہ سے مدد طلب کرنا جائز ہے۔

جواب:

اس کی سند میں غیاث بن ابراہیم ہے۔امام احمد فرماتے ہیں کہ متروک ہے، امام یحییٰ کہتے تھےکہ یہ آدمی ثقہ نہ تھا، جو زجانی کہتے ہیں یہ شخص جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا، امام بخاری

فرماتے ہیں کہ یہ متروک ہے۔ (میزان ج2ص323)

[2]: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :جب تم میں سے کوئی شخص جنگل میں سفر کررہا ہو اور تمہاری سواری کا جانور ہاتھ سے نکل جائے تو اس کو یہ کہنا چاہیے یا عباداللہ اعینونی (وفی روایۃ) یا عباد اللہ احبسوا فان للہ فی الارض حاضرا (وفی روایۃ) یستحسبہ. (مجمع الزوائد ج10 ص133 ابن سنی ص162، حصن حصین ص163)

جواب نمبر1:

یہ روایت ایک سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس کی سند میں ایک راوی معروف بن حسان ہے ۔

* علامہ ہیثمی لکھتے ہیں کہ یہ آدمی ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج10ص133)
* امام ابن عدی لکھتے ہیں: منکر الحدیث ہے۔ (میزان ج3ص183)
* امام ابو حاتم کہتے ہیں: مجہول ہے۔ (لسان المیزان ج6ص61)

اس روایت کی دوسری سند حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے، جس کے متعلق علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ورجالہ وثقوا علی ضعف فی بعضہم الا ان زید بن علی لم یدرک عتبۃ . (مجمع الزوائد ج10ص132)

بعض راوی ضعیف اور کمزور ہیں اور دوسری خرابی یہ ہے کہ یزید بن علی راوی کی حضرت عتبہ سے ملاقات ثابت نہیں نہ ہی دیکھا ہے اور نہ زمانا پایا ہے۔ لہذا یہ روایت حضرات محدثین کی اصطلاح میں منقطع ہے جو کہ ضعیف ہوتی ہے۔

جواب نمبر2:

اس حدیث کے الفاظ پر ہی نگاہ ڈالنے سے معاملہ صاف ہوجاتا ہے کیونکہ اس حدیث میں یہ لفظ بھی ہیں کہ وہاں کچھ خدا تعالیٰ کے بندے حاضر ہوتے ہیں۔ وہ کون ہیں؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے جنگلات میں رہتے ہیں جب تمہیں کوئی رکاوٹ پیدا ہو تو یہ کہا کرو :"اعینوا عباد اللہ"۔

(مجمع الزوائد ج10ص132 وقال رجالہ ثقات)

تو اس روایت سے مافوق الاسباب مدد طلب کرنا ثابت نہ ہوا بلکہ وہاں جو فرشتے موجود ہیں ان سے مدد طلب کی گئی ہے۔

[3]: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر جنگل میں کسی درندہ یا شیر کا خوف ہو تو" اعوذ بدانیال علیہ السلام" کہا کرو کہ میں حضرت دانیال علیہ السلام کی پناہ چاہتا ہوں۔ (حیاۃ الحیوان ج1ص6، ابن سنی ص113)

جواب:

یہ حدیث موقوف ہونے کے ساتھ ضعیف بھی ہے کیونکہ اس میں متعدد راوی ضعیف اور کمزور ہیں جو ساقط الاعتبار ہیں۔

پہلا راوی...... عبدالعزیز بن عمران ہے، امام بخاری، ابن معین، نسائی، ترمذی، ابن حبان، ابو زرعہ وغیرہ حضرات اس کو ضعیف کہتے ہیں۔

(تہذیب ج6ص651)

دوسرا راوی...... ابن ابی حبیبہ ہے جس کا نام ابراہیم بن اسماعیل ہے۔ امام بخاری اس کو صاحب مناکیر کہتےہیں، امام نسائی، ابن معین، دار قطنی، ابوحاتم، امام حاکم، امام ترمذی، امام ابن حبان وغیرہ اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ (میزان ج 1ص11)

تیسرا راوی...... داؤد بن حصین ہے۔ امام ابن عیینہ، ابو زرعہ، ابو حاتم، سعد بن ابراہیم اس کو مطلقاً ضعیف قرار دیتے ہیں اور امام ابن مدینی، ابو داؤد اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس کی وہ حدیث جو عکرمہ سے ہو، ضعیف ہوتی ہے اور یہ روایت بھی عکرمہ سے ہے۔

(میزان ج1ص317، تہذیب ج3ص181)

[4] حضرت بلال بن الحارث المزنی نے قحط سالی میں "یا محمد اہ " کہا تھا ۔ (الکامل لابن عدی)

جواب:

اولاً: کامل ابن عدی چوتھے درجے کی کتابوں میں سے ہیں اور اس طبقہ کے بارے میں محدثین کرام کا یہ فیصلہ ہے:

این احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در عقیده یا عملے بآنہا تمسک کرده شود . (عجالہ نافعہ ص7)

ہاں اگر اصول حدیث کی رو سے اس طبقے کی کوئی حدیث سنداً صحیح ثابت ہو تو اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً: انہوں نے یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے روضہ اطہر پر حاضر ہوکر کہے تھے، لہذا یہ غائبانہ پکار کی مد میں نہیں ہے۔

[5]: عبدالرحمان مسعودی کی ٹوپی میں "یا محمد یا منصور" لکھا ہوا تھا۔ (تہذیب)

جواب:

حضرات محدثین جب ان کی روایت کو ضعیف سمجھتےہیں تو ان کا فعل کیسے حجت ہوسکتا ہے؟! علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ لکھتےہیں:

"ضعیف" (زیلعی ص133)

اور یہ اتنے مجذوب اور بے خبر ہوگئے تھے کہ چیونٹیاں ان کے کان میں داخل ہوجاتی تھیں۔ (میزان ج2ص111)

[6]: آپ علیہ السلام معراج پر تشریف لے گئے تو موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر اللہ تعالیٰ سے باربار اپیل کرنے سے پچاس نمازوں کی جگہ پانچ رہ گئی تھیں ۔اس سے معلوم ہوا کہ مردے زندوں کے کام آسکتے ہیں اور ان کی مدد کرسکتے ہیں۔ لہذا اگر مصیبت میں ان کو پکارا جائے تو کون سا حرج ہے؟۔ (جاء الحق ص197)

جواب:

سند کے اعتبار سے یہ روایت بالکل صحیح ہے لیکن اس سے غائبانہ امداد طلب کرنے کا جواز ثابت کرنا بالکل باطل اور حدیث میں تحریف ہے، آپ علیہ السلام نے نہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگی ہے اور نہ غائبانہ پکارا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اپنی قوم کی حالت بیان کی اور پچاس نمازوں میں تخفیف کا مشورہ دیا۔ آپ علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو نہ غائبانہ پکارا نہ ان سے مدد مانگی بلکہ ان کے مشورہ پر اللہ پاک سے تخفیف کا مطالبہ کیا۔ اس لیے اگر آج کوئی کسی کو خواب یا بیداری میں ملے اور وہ کسی دینی یا دنیاوی معاملہ میں کوئی مشورہ دے تو اس مشورے کو مانا جاسکتا ہے، ہم اس کو شرک نہیں کہتے۔ جو چیز فریق مخالف ثابت کرنا چاہتا ہے وہ غائبانہ پکارنا ،حاضر نا ظر سمجھ کر پکارنا یا غائبانہ اس کو بطور سفارش کے پیش کرنا ہے تو اس چیز کا ثبوت اس روایت سے ہرگز نہیں ملتا، اگر جائز ہوتا تو صحابہ کرام سلف صالحین ضرور پکارتے اور اس کو بطور دلیل پیش کرتے اور قرآن کریم میں مافوق الاسباب طریق پر پکارنا نا جائز نہ ہوتا کیونکہ محال ہے کہ دو متضاد حکم اللہ تعالیٰ اور آپ علیہ السلام کی طرف پیش کیے جائیں۔

[7]: حضرت ساریہ فوج کے ساتھ نہاوند کے مقام پر دشمنوں کے ساتھ بر سر پیکار تھے کہ دشمن نے پیچھے سے حملہ کرنے کی کوشش کی حضرت عمررضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کے منبر پر یہ ارشاد فرمایا: "یا ساریۃ الجبل الجبل"(اے ساریہ پہاڑ کی طرف دیکھو اور دشمن سے بچو) انہوں نے آواز سن لی اور جان بچالی معلوم ہوا غائب بھی مدد کرسکتا ہے۔

جواب نمبر1:

یہ روایت بیہقی ، ابو نعیم، خطیب وغیرہ نے اپنی کتابوں میں لکھی ہے اور ابو نعیم اور خطیب کی کتابیں طبقہ رابعہ کی ہیں (عجالہ نافعہ بحوالہ ص8) اور طبقہ رابعہ کے بارے میں محدثین کا نظریہ ہے کہ عقائد کے بارے میں یہ قابل قبول نہیں (عجالہ نافعہ ص7) امام بیہقی کی کتب طبقہ ثالثہ کی ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ:

واکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہاء نہ شده اند بلکہ اجماع بر خلاف انہا منعقد گشتہ (عجالہ نافعہ ص7)

اگر چہ یہ حدیث صحیح بھی ہو اور ظن غالب بھی یہی ہے کہ یہ حدیث سنداًصحیح ہے لیکن عقائد کے باب میں قابل قبول نہیں۔

جواب نمبر2:

پہلی بات : حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز کا وہاں تک پہنچ جانا بطور کرامت کے تھا اگر آج بھی کسی غائب کو کسی کے حالات کا علم ہوجائے اور وہ آواز دے اور کوئی اس کی آواز کو سن کر اپنا بچاؤ کر لے تو صحیح ہےلیکن آج کے دور میں جس طرح بزرگوں کو پکارتے ہیں ان کو غائب کی طرف سے کوئی آواز بھی نہیں سنائی جاتی۔ لہذا کرامت پر ایسے واقعات کو قیاس کرنا باطل ہے۔

دوسری بات: حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی زندہ تھے اور حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ بھی، اس لیے اس پر قیاس کرتے ہوئے زندہ کا غائب مردہ سے استعانت طلب کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

تیسری بات: حضرت ساریہ کا آواز سننے سے پہلے وہم بھی نہیں ہوگا کہ میں حضرت عمر سے استعانت طلب کروں گا۔

چوتھی بات: یہ ہے کہ اگر حضرت عمر رضی االلہ عنہ کے پاس "ما کان و ما یکون" کا علم ہوتا تو وہ ابو لؤلؤ مجوسی سے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان نہ بچالیتے؟ جو اس واقعہ کے بعد کا اور شہادت سے پہلے کا واقعہ ہے

جواب نمبر3:

اس روایت سے مدد دینے والے کا غائبانہ پکارنا ثابت ہوا ہے نہ کہ مدد طلب کرنے والے کا ۔دونوں میں بڑا فرق ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ پاک نے بیت المقدس اور نجاشی کا جنازہ سامنے کرنے کی طرح لشکر کو سامنے کردیا ہو، چنانچہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہےکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ فرمائے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا لشکر موجود رہتا ہے ہوسکتا ہے وہ لشکر میری یہ بات ساریہ تک پہنچادے۔

(البدایہ والنہایہ ج7ص130)

اس صورت میں غائب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

[8]: حضرت راجز نے (دور سے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کو مدد کے لیے" یا "سے پکارا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مدد کی، حضور نے فرمایا: راجز یستصرخنی اغثنی یا رسول اللہ یعنی یہ راجز ہے مجھ سے مدد مانگ رہا ہے اور کہتا ہے: ”اغثنی یا رسول اللہ“ کہ اللہ کے رسول میری مدد کریں۔

الجواب:

پہلی بات: فیضی صاحب نے ”نظریات صحابہ“ علماء دیوبند کی 7 عدد کتابوں کے حوالے دیے ہیں مگر کسی میں بھی "اغثنی یا رسول اللہ" نہیں۔

دوسری بات: یہ قبیلہ مسلمان نہیں تھا سوائے چند کے، اس راجز یعنی شعر کہنے والے کا نام عمرو بن صالح ہے۔ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں تھا۔ انہوں نے جب ان پر ظلم کیا تواس نے چند اشعار کہے جن میں اپنے اوپرہونے والا ظلم اور رسول پاک صلی اللہ علیہ و سلم کے ساتھ حلیفانہ معاہدہ کا ذکر کیا، اور اپنی مدد کی درخواست دی۔

یہ قبیلہ بنو خذاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا، اور بنوبکر قریش کا حلیف تھا۔ انہوں نے اس قبیلہ پر حملہ کیا اور ان کے افراد کو قتل کیا، تو ان میں سے ایک فرد نے یہ بات اشعار میں کہی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزۃً اس کی خبر ہوئی اور مدد بھی وہ مانگی جو تحت الاسباب تھی یعنی حلیف ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق بنتا تھا ان کی مدد کرنا اور یہ انسانی طاقت و بس کی بات ہے۔ باقی رہی دور سے پکارنے والی بات تو وہ درست نہیں یعنی وہ ان کا اقدام اسلام میں درست نہیں۔

[9]: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ و سلم کو ہجرت کے موقع پر جب آپ تشریف لائے "یا رسول اللہ" کہا۔

جواب:

گذارش ہے کہ اس روایت سے ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھ کر پکارنا تو ثابت نہ ہوا، یہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے موجود تھے۔ جب کہ ثابت یہ کرنا ہے ہر جگہ مختار کل سمجھ کر پکارنا، تو وہ اس سے نہیں ہورہا کیونکہ آپ قریب بھی تھے اور دوسرا اس میں مختار کل سمجھنا

بھی ثابت نہیں ہو رہا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ خلافت و امامت

از افادات:متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

اہل السنت کے ہاں امامت کا تصور:

اللہ رب العزت نے انسانیت کی رشد و ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا جس کی پہلی کڑی حضرت آدم علیہ السلام اور آخری کڑی جناب خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد شریعت کے اجتماعی نفاذ کے لیے ضروری ہے کہ عامۃ المسلمین اپنے میں سے کسی اہل اور با صلاحیت فرد کو اپنا رئیس مقرر کریں جو اجتماعی طور پر احکام شریعت کو نافذ کرے۔ اس فرد منتخب کو ”امیر المومنین“ کہا جاتا ہے، یہی ”امام“ بھی کہلاتا ہے اور اس کے اس منصب اقتدار کو ”امامت کبریٰ“ اور ”خلافت“ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ امیر المومنین، خلیفہ وقت اور امامت کبریٰ پر فائز یہ شخص شریعت خداوندی کو عوام پر نافذ کرتا ہے، سب کے سامنے ظاہر اور صاحب اقتدار ہوتا ہے۔ اہل السنت والجماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امامت کا منصب اسی تصور کے ساتھ مانتے ہیں جو ”خلافت“ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اہل تشیع کے ہاں امامت کا مفہوم:

اہل تشیع کے عقیدہ امامت کا خلاصہ یہ ہے کہ امت کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ امام کو متعین کریں۔ تو اللہ نے قیامت تک کے لیے بارہ امام متعین کردیے ہیں جن میں سے گیارہ کا انتقال ہوچکا ہے۔ سب سے پہلے امام حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور آخری (بارہویں) امام ”امام غائب “ ہیں جن کو ”امامِ منتظر“ بھی کہا جاتا ہے جو ان کے عقیدہ کے مطابق ”سر من راہ“ شہر کے کسی غار میں موجود ہے، مرتبہ امامت؛ نبوت و رسالت کے برابر ہے بلکہ بعض مرتبہ بڑھ کر ہوتا ہے اور امام کو حلت و حرمت، ملک وقدرت اور دیگر وہ اختیارات بھی حاصل ہوتے ہیں جو خاصہ خداوندی ہیں۔

فریقین کے اختلاف کا خلاصہ:

عقیدہ امامت کا جو مفہوم فریقین کے ہاں ہے اس کے لحاظ سے مندرجہ ذیل فرق بطور نتیجہ ظاہر ہوتے ہیں:

فرق نمبر1:

اہل السنت کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد امت میں سلسلہ خلافت چلا ہے جس میں خلیفہ کا تقرر عامۃ المسلمین پر واجب ہے جب کہ اہلِ تشیع کے ہاں سلسلہ امامت چلا ہے جس کا تعین اللہ پر واجب ہے۔ سید عبداللہ شبرشیعی نے امام کے منصوص من اللہ ہونےکا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :

والذی علیہ الفرقۃ المحقۃ والطائفۃ الحقۃ انہ یحب علی اللہ نصب الامام فی کل زمان. (حق الیقین ص183)

وقال ایضاً: فکما لایجوز للخلق تعیین نبی فکذا لایجوز لھم تعیین امام. (حق الیقین: ص185)

فرق نمبر2:

اہل السنت کے ہاں امامت کبریٰ پر فائز خلفاء کی تعداد متعین نہیں جب کہ اہل تشیع کے ہاں 12امام متعین ہیں جو یہ ہیں:

(1)حضرت علی رضی اللہ عنہ(2)حضرت حسن رضی اللہ عنہ(3)حضرت حسین رضی اللہ عنہ(4)حضرت زین العابدین رحمہ اللہ(5)حضرت محمد باقر(6)حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ(7)حضرت موسیٰ کاظم (8)حضرت علی رضا (9)حضرت محمد تقی (10)حضرت علی نقی(11)حضرت حسن عسکری(12)حضرت محمد مہدی

فرق نمبر3:

اہل السنت کے ہاں امام ایسا امتی ہوتا ہے جو باصلاحیت اور خلافت کا اہل تو ہوتا ہے لیکن معصوم نہیں ہوتا جب کہ اہل تشیع کے ہاں امام معصوم ہوتا ہے۔

سید عبداللہ شبر نے امام کی شرائط میں سے پہلی شرط ''عصمت'' کی لگائی ہے:

الاول العصمۃ کما تقدم لانہ حافظ للشرع قائم بہ فحالہ کحال النبی صلی اللہ علیہ وسلم. (حق الیقین ص187)

باقر مجلسی لکھتا ہے:

بداں کہ اجماع علماء امامیہ منعقد است بر آنکہ امام معصوم است از جمیع گناہان صغیرہ و کبیرہ از اول عمر تا آخر عمرخواہ عمدا وخواہ سہوا. (حیوٰۃ القلوب ج5ص49)

فرق نمبر4:

اہل السنت کے ہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل ہیں جب کہ اہل تشیع کے ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بلا فصل ہیں۔

فرق نمبر5:

خلیفہ کا وہ فیصلہ جو اجتہادی ہو، اجماعی نہ ہو اس سے اختلاف کی گنجائش موجود ہے جبکہ امام کے کسی بھی فیصلہ سے اختلاف کی گنجائش نہیں۔

اس کے علاوہ کئی اور فرق پیش کیے جاسکتے ہیں۔

عقیدہ امامت کی تاریخ:

عقیدہ امامت کو امت میں متعارف کرانے والا پہلا شخص عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ علامہ محمد بن عبد الکریم شہرستانی لکھتے ہیں:

عبد الله بن سبأ... أنه كان يهوديا فأسلم... وهو أول من أظهر القول بالنص بإمامة علي رضي الله عنه.
(الملل والنحل : ج1ص172)

خود روافض کی کتب میں اس بات کی صراحت موجود ہےکہ حضرت علی کے وصی اورامام مفروض ہونے کا پہلا مدعی ابن سباتھا۔ چنانچہ ملاباقرمجلسی نے عبداللہ بن سبا کے بارے میں لکھا:

وکان اول من اشھر بالقول بفرض امامۃ علی علیہ السلام .(بحارالانوار ج25ص153،152 ،رجال کشی ص85)

روافض کے ہاں امامت کی اہمیت:

شیعوں کے پانچ اصول دین یہ ہیں:

توحید، نبوت، معاد، امامت اور عدل۔ (اسلام کے بنیادی عقائدمصنف سید مجتبیٰ موسوی ، اردو ترجمہ شیخ روشن علی نجفی)

مسئلہ امامت ان کے ہاں اصولِ دین میں سے ہے جس کا منکر کافر ہے۔ چنانچہ ان کی کتب میں تصریح موجود ہے:

1: عن ابی عبداللہ ، نحن الذین فرض اللہ طاعتنا لایسع الناس الامعرفتنا... من انکرنا کان کافرا.
(اصول کافی ج1ص243کتاب الحجہ باب فرض طاعۃ الائمہ)

2: ہر کہ شک کند وتوقف نماید در امامت امام کافر است. (حیوٰۃ القلوب ج5ص81 فصل چہارم در بیان وجوب معرفت امام است)

اہل تشیع کے ہاں امام کے اوصاف:

کتبِ روافض میں عقیدہ امامت کو بڑی بسط وتفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور ان لوگوں نے اس عقیدہ میں غلو کرتے ہوئے ائمہ کے لیے ایسے اوصاف بیان کیے ہیں جن کے ذریعے امام کا مقام حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی بلند اور خدا کے برابر معلوم ہوتا ہے۔ ان کی کتابوں میں عموماً ائمہ کے اوصاف تین طرح کے بیان کیے گئے ہیں:

1: امام میں عام امتی سے امتیازی اوصاف کا وجود

2: امام میں اوصافِ نبوت کا وجود

3: امام میں خدائی اوصاف کا وجود

1: امام اور عام امتی میں فرق

[۱]: ملا باقر مجلسی نے اپنی کتاب ”حق الیقین “ میں امام کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

پاکیزہ وناف بریدہ وختنہ کردہ متولد میشود چوں از شکم مادر بزیر می آید دستہارابر زمین میگزارد وصدابشہادتین بلند میکند.

(حق الیقین ص42)

اس عبارت سے امام کے یہ اوصاف ثابت ہوتے ہیں :

1:امام پاک صاف پیداہوتا ہے 2:ناف برید ہ ہوتا ہے 3:مختون پیداہوتا ہے 4:پیداہوتے ہی زمین پر ہاتھ رکھ کر کلمہ پڑھتا ہے ۔

ایک جگہ لکھا :وسایہ ندارد. (حق الیقین ص42)

کہ امام کا سایہ نہیں ہوتا ۔

[۲]: عبداللہ شبر نے اپنی تصنیف ”حق الیقین فی معرفۃ اصول الدین“ میں امام کے شرائط و اوصاف کو ذکر کرتے ہوئے لکھا:

الثانی ان یکون افضل من جمیع امتہ من کل جھۃ. .. الثالث: کونہ اشجع الامۃ... السادس: ان یکون ازھد الناس واطوعہم للہ واقربہم منہ. (حق الیقین ج1ص187، 188)

2: امام میں اوصاف نبوت

[1]: امام منصوص من اللہ ہوتا ہے

سید عبداللہ شبر نے امام کے منصوص من اللہ ہونےکا ذکر ان الفاظ میں کیا :

والذی علیہ الفرقۃ المحقۃ والطائفۃ الحقۃ انہ یحب علی اللہ نصب الامام فی کل زمان. (حق الیقین ص183)

[2]: امام معصوم ہوتا ہے

سید عبداللہ شبر نے امام کی شرائط میں سے پہلی شرط عصمت کی لگائی ہے:

الاول العصمۃ کما تقدم لانہ حافظ للشرع قائم بہ فحالہ کحال النبی صلی اللہ علیہ وسلم. (حق الیقین ص187)

باقر مجلسی نے لکھا:

بداں کہ اجماع علماء امامیہ منعقد است بر آنکہ امام معصوم است از جمیع گناہان صغیرہ و کبیرہ از اول عمر تا آخر عمرخواہ عمدا وخواہ سہوا. (حیوٰۃ القلوب ج5ص49)

[3]: امام مفترض الطاعۃ ہوتا ہے

کلینی نے اس کے متعلق مستقل باب قائم کیا ہے: باب فرض طاعۃ الائمۃ. (اصول کافی ج1ص241)

[4]:امام صاحبِ وحی ہوتا ہے

کلینی نے ایک باب قائم کیا ہے: ”باب الفرق بین الرسول والنبی المحدث“ اس کے تحت روایت نقل کی کہ رسول وہ ہوتا ہے جس کے پاس وحی لے کر جبرائیل امین تشریف لاتے ہیں، رسول جبرائیل کو دیکھتا بھی ہے اور اس کی بات کو سنتا بھی ہے اور نبی وہ ہوتاہے جو کبھی جبرائیل کو دیکھتا ہے کبھی صرف وحی سنتا ہے، والامام ھو الذی یسمع الکلام ولا یری الشخص. (اصول کافی ج1ص231)

[5]:امام کے پاس معجزات ہوتے ہیں

ملاباقر مجلسی نے امامت کی شرائط میں یہ شرط بھی بیان کی ہے:

آنکہ معجزہ ھاازاوظاھر شود کہ دیگران ازاوعاجز باشند. (حق الیقین ص42)

[6]:امام کو احتلام نہیں ہوتا (حق الیقین ص42)

[7]:امام کی آنکھ سوتی ہے دل جاگتا ہے (حق الیقین ص42)

[8]: امام کے پاخانہ سے مشک کی خوشبو آتی ہے نیز اس کو زمین چھپالیتی ہے (حق الیقین ص42)

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ اگر چہ علی الاعلان امام کو نبی نہیں کہتے لیکن در پردہ امام میں یہ اوصاف مان کر اس کو نبی کے برابر کھڑاکردیتے ہیں بلکہ ان کی بعض کتب سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ امام کو نبی کے برابر بلکہ اس سے بڑھ کر مانتے ہیں، مثلاً:

1: وحق این است کہ درکمالات وشرائط وصفات فرق میان پیغمبر و امام نیست. (حیاۃ القلوب ج5ص18)

2: ان مرتبۃ الامامۃ کالنبوۃ ...فکما لایجوز للخلق تعیین نبی فکذا لایجوز لھم تعیین امام. (حق الیقین لعبد اللہ شبر: ص185)

3:مرتبہ امامت بالا تر از مرتبہ پیغمبر ایست. (حیوۃ القلوب ج5 ص17)

3: امام میں خدا کے اوصاف

:1 باب ان الائمۃ علیھم السلام یعلمون علم ماکان ومایکون وانہ لایخفی علیھم الشئی صلوات اللہ علیھم. (اصول کافی ج1ص319)

:2 باب ان الائمۃ علیھم السلام اذاشآءوا ان یعلموا علموا. (اصول کافی ج1ص316)

:3 باب ان الائمۃ علیھم السلام یعلمون متی یموتون وانھم لایموتون الا باختیار منھم. (اصول کافی ج1ص317)

:4 باب ان الارض کلھا للامام علیہ السلام. (اصول کافی ج1ص470)

:5 کلینی نے حضرت امام جعفر صادق کی طرف نسبت کرکے لکھا:

اما علمت ان الدنیا والآخرۃ للامام یضعھا حیث یشاء ویدفعھا الی من یشاء. (اصول کافی ج1ص472)

بارہویں امام کے خواص:

[۱]: امام غائب کا نام لینا جائز نہیں

کلینی نے اصول کافی میں باب قائم کیا: باب فی النہی عن الاسم اور اس کے تحت امام ابو الحسن علی العسکری کا قول نقل کیا کہ انہوں نے بارہویں امام کے متعلق حکم دیا:

لا یحل لکم ذکرہ باسمہ فقلت [ای داؤد بن قاسم الجعفری] فیکف نذکرہ؟فقال قولوا الحجۃ من آل محمد صلوات اللہ علیہ وسلامہ. (اصول کافی ج1ص393 کتاب الحجہ)

اس کے بعد کلینی نے امام جعفر صادق کا یہ قول نقل کیا: صاحب ھذا الامر لایسمیہ باسمہ الا کافر(اصول کافی ج1ص394)

[۲]: جب امام غائب آئے گا تو سب سے پہلے اس کی پیروی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے۔

محمد بن ابراہیم بن جعفر نعمانی نے لکھا:

عن ابی حمزۃ الثمانی قال سمعت ابا جعفر محمد بن علی علیہ السلام یقول لو قد خرج قائم آل محمد علیہم السلام... اول من یتبعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلی علیہ السلام الثانی.

(غیبت نعمانی المعروف کتاب الغیبۃ ص376 الباب الثالث عشر ماروی فی صفتہ وسیرتہ)

ملا باقر مجلسی نے اس بات کو یوں لکھا: اول کسے کہ بیعت اور کند محمد باشد وبعد ازاں علی. (حق الیقین ص 347)

[۳]: امام غائب جب ظاہر ہوگا تو بغیر گواہوں کے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرے گا

کلینی نے اس پر مستقل باب قائم کر کے حضرت امام محمد باقر کی طرف منسوب کر کے یہ روایت لکھی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

اذا قام قائم آل محمد علیہ السلام حکم بحکم داود وسلیمان لا یسئال بینۃ(اصول کافی ج1 ص461)

[۴]: باقر مجلسی نے اپنے مہدی کی ایک عجیب علامت یہ بھی بیان کی ہے:

بدن برھنہ ای درپیش قرص آفتاب ظاھر خواھد شد .(حق الیقین ص 347)

یعنی مہدی جب آئے گا تو جسم برہنہ ہوگا۔

دلائل اہل السنت علی ثبوت الخلافۃ

دلیل نمبر1:

وعد الله الذين آمنوا منكم وعملوا الصالحات ليستخلفنهم في الأرض كما استخلف الذين من قبلهم وليمكنن لهم دينهم الذي ارتضى لهم وليبدلنهم من بعد خوفهم أمنا يعبدونني لايشركون بي شيئا ومن كفر بعد ذلك فأولئك هم الفاسقون•

(سورۃ النور:55)

تفسیر:

1: علامہ محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں:

واستدل كثير بهذه الآية على صحة خلافة الخلفاء الأربعة رضي الله تعالى عنهم لأن الله تعالى وعد فيها من في حضرة الرسالة من المؤمنين بالإستخلاف وتمكين الدين والأمن العظيم من الأعداء ولا بد من وقوع ما وعد به ضرورة امتناع الخلف في وعده تعالى ولم يقع المجموع إلا في عهدهم فكان كل منهم خليفة حقا باستخلاف الله تعالى إياه حسبما وعد جل وعلا لا يلزم عموم الإستخلاف لجميع الحاضرين المخاطبين بل وقوعه فيهم كبنو فلان قتلوا فلانا فلا ينافي ذلك عموم الخطاب الجميع وكون من بيانية وكذا لا ينافيه ما وقع في خلافة عثمان وعلي رضي الله تعالى عنهما من الفتن لأن المراد من الأمن الأمن من أعداء الدين وهم الكفار كما تقدم۔ (روح المعانی:ج18ص208)

2: امام تفسیر امام نظام الدین حسن بن محمد بن حسین النیسابوري فرماتے ہیں:

قال أهل السنة : في الآية دلالة على إمامة الخلفاء الراشدين لأن قوله { منكم } للتبعيض وذلك البعض يجب أن يكون من الحاضرين في وقت الخطاب ، ومعلوم أن الأئمة الأربعة كانوا من أهل الإيمان والعمل الصالح ، وكانوا حاضرين وقتئذ وقد حصل لهم الاستخلاف والفتوح ، فوجب أن يكونوا مرادين من الآية . (تفسیر النیشاپوری: ج6ص24)

3: امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی ؒ فرماتے ہیں کہ:

’’اس آیت میں استخلاف کا ربط سابقہ آیات سے یہ ہے کہ اوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ نے کافروں اور منافقوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اپنے دلائل قدرت، وحدانیت بیان فرما کر ان کو ایمان لانے کی ترغیب دی ہے۔ یہ آیت استخلاف اس ترغیب کا تکملہ اور تتمّہ ہے کہ دیکھو! ایمان والوں کے لیے اس دنیا میں اِن اِن انعامات کا ہم نے وعدہ کیا ہے۔ اگر تم ایمان لاؤ تو ان انعامات سے تم بھی فیض یاب ہو گے۔ آیت استخلاف کے بعد خدا نے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے... اور ’’الذين امنوا وعملوا‘‘ دونوں صیغہ ماضی کے ہیں، پھر اس کے بعد لفظ ’’منکم‘‘ ہے جو ضمیر حاضر پر شامل ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جو نزولِ آیت کے وقت موجود تھے اور نزول سے پہلے ایمان لا چکے تھے۔ پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام مہدی یا خلفائے بنی اُمیّہ و بنی عبّاس وغیرہ ’’موعود لہم‘‘ نہیں ہو سکتے۔ ’’موعود لہم‘‘ وہی صحابہ کرام مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم ہیں جو نزولِ آیت کے پہلے سے ان دونوں صفتوں کے ساتھ موصوف تھے ،خلفائے اربعہ بھی ان ہی میں ہیں۔ (تحفہ خلافت صفحہ109، 110۔ مطبوعہ تحریک خدّام اہل سنت جہلم)

دلیل نمبر2:

عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من أطاعني فقد أطاع الله ومن عصاني فقد عصى الله ومن أطاع أميري فقد أطاعني ومن عصى أميري فقد عصاني. (صحیح البخاری: رقم الحدیث

(7137

دلیل نمبر 3:

عن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال اسمعوا وأطيعوا وإن استعمل حبشي كأن رأسه زبيبة.
(صحیح البخاری: رقم الحدیث693)

دلیل نمبر 4:

عن أبى ذر قال قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - : « من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه ».
(سنن ابی داؤد: باب فی قتل الخوارج)

دلیل نمبر 5:

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات مات ميتة جاهلية
(صحیح مسلم: حدیث نمبر 1848)

دلیل نمبر 6:

عن أبي هريرة يحدث عن النبي صلى الله عليه وسلم قال كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء كلما هلك نبي خلفه نبي وإنه لا نبي بعدي وسيكون خلفاء فيكثرون. (صحیح البخاری: ح 3455، صحیح مسلم: ح1842)

دلیل نمبر 7:

قال العرباض صلى بنا رسول الله -صلى الله عليه وسلم- ذات يوم ثم أقبل علينا فوعظنا موعظة بليغة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب فقال قائل يا رسول الله كأن هذه موعظة مودع فماذا تعهد إلينا فقال « أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وإن عبدا حبشيا فإنه من يعش منكم بعدى فسيرى اختلافا كثيرا فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء المهديين الراشدين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة ».
(سنن ابی داؤد: کتاب السنۃ- باب فی لزوم السنۃ)

دلیل نمبر 8:

عن حذيفة بن اليمان قلت: يا رسول الله إنا كنا بشر فجاء الله بخير فنحن فيه فهل من وراء هذا الخير شر قال نعم قلت هل وراء ذلك الشر خير قال نعم قلت فهل وراء ذلك الخير شر قال نعم قلت كيف قال يكون بعدي أئمة لا يهتدون بهداي ولا يستنون بسنتي وسيقوم فيهم رجال قلوبهم قلوب الشياطين في جثمان إنس قال قلت كيف أصنع يا رسول الله إن أدركت ذلك قال تسمع وتطيع للأمير وإن ضرب ظهرك وأخذ مالك فاسمع وأطع. (صحیح مسلم: ح 1847)

اہل تشیع کے دلائل/ شبہات کے جوابات

قبل اس سے کہ اہل تشیع کے مزعومہ دلائل کو ذکر کر کے ان کا علمی تجزیہ کیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس توجیہ کا جائزہ لیا جائے جو انہوں نے عقیدہ امامت کے صراحتاً قرآن میں نہ ہونے کے متعلق کی ہے۔ اہل تشیع کے نزدیک امامت عقائد دینیہ کا بنیادی جزء ہے جس پر ایمان لائے بغیر ایمان نامکمل ہے لیکن پورے قرآن مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس

میں امامت پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہو، یا امامت پر ایمان نہ رکھنے کو کفر و شرک قرار دیا گیا ہو، دور قریب کے معروف شیعی عالم خمینی صاحب نے اپنی کتاب ''کشف الاسرار'' میں امامت پر گفتگو کی ہے اور اس پر دلائل دینے کی کوشش کی ہے۔ قبل اس سے کہ اس کے دلائل کا جائزہ لیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خمینی صاحب کی اس توجیہ کا بھی جائزہ لیا جائے جو انہوں نے ایک سوال کے جواب میں پیش کی ہے۔ اسی کتاب کے ص105 پر ایک سوال اٹھایا کہ:

چرا خدا چنیں اصل مہم را یک بارہم در قرآن صریح نہ گفت کہ ایں ہمہ نزاع و خونریزی برسر ایں کار پیدا نشود.

ترجمہ: کیوں اللہ تعالیٰ نے اس اہم اصل (بنیاد) کو قرآن میں صراحتاً ایک بار بھی بیان نہ فرمایا تاکہ اس سلسلہ میں جو اختلاف اور خونریزی ہوئی وہ پیدا ہی نہ ہوتی؟

اس سوال کے کئی جوابات جو خمینی صاحب نے دیے، ان میں سے ایک یہ ہے:

در صورتیکہ امام را در قرآن ثبت میکردند آنہائیکہ جز برائے دنیا و ریاست با اسلام وقرآن سروکار نداشتد و قرآن را وسیلہ اجراء نیات فاسدہ خود کردہ بودند آں آیات را از قرآن بر دارند و کتاب آسمانی را تحریف کنند.

(کشف الاسرار ص114)

ترجمہ: اس صورت میں کہ امام کا قرآن میں ذکر کردیا جاتا تو وہی لوگ جو دنیا طلبی کے سوا اسلام اور قرآن سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے اور قرآن کو اپنی فاسد نیتوں کا ذریعہ بنا رکھا تھا، ان آیات کو جن میں امام کا ذکر ہوتا قرآن سے نکال دیتے اور آسمانی کتاب میں تحریف کردیتے۔

تبصرہ:

ایک طرف اہلِ تشیع کا دعویٰ ہے کہ امامت کی تعیین اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، دوسری طرف بزعم شیعہ حضرات اللہ تعالیٰ مخلوق کی مخالفت کے ڈر سے اس عقیدہ کا صراحتاً ذکر نہیں کر رہے۔ اس سے تو خدا پر یہ الزام آرہا ہے (معاذ اللہ) کہ اللہ تعالیٰ اپنے واجب کی ادائیگی سے قاصر ہے۔

دلیل نمبر1:

خمینی صاحب نے امامت کے اثبات کے لیے اس آیت سے استدلال کیا ہے، لکھتے ہیں:

اینک بذکر بعضی از آیات کہ در موضوع امامت وارد شدہ می پر دازیم واز خرد کہ فرستادہ نزدیک خدا است داوری میخواہیم.

یا أیها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولي الأمر منکم.

(کشف الاسرار ص137)

کہ ہم وہ آیات ذکر کرتے ہیں جو امامت کے موضوع پر نازل ہوئی ہیں اور عقل سے جو خدا کا قریب ترین فرستادہ ہے، انصاف چاہتے ہیں۔

خمینی صاحب کا کہنا ہے کہ ''اولی الامر'' سے بارہ ائمہ معصومین مراد ہیں۔

جواب:

1: محض عقلی قیاسات سے مذہب کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا جب کہ قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہ ہو۔ اس سے ہر شخص آیت پڑھ کر اپنا مزعومہ نظریہ قرآن سے ثابت کرنے کی جرأت کرے گا۔

2: پوری آیت کو ملاحظہ فرمائیں:

یا أیها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولي الأمر منکم فإن تنازعتم في شيء فردوه إلی الله والرسول إن کنتم تؤمنون بالله والیوم الآخر ذلك خیر وأحسن تأویلا.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تنازع اور اختلاف کے وقت اللہ اور رسول کا فیصلہ حرفِ آخر سمجھا جائے گا نہ کہ اولی الامر کا، اگر اولی الامر سے ائمہ معصومین مراد ہوتے تو ان کی رائے کو چھوڑ کر قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنے کا کیا معنی؟

دلیل نمبر2:

خمینی صاحب نے عقیدہ امامت کے اثبات پر اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے:

یا أیها الرسول بلغ ما أنزل إلیك من ربك وإن لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمك من الناس.

(کشف الاسرار مترجم عربی ص149)

خمینی صاحب کا کہنا ہے کہ آیت میں جس چیز کے پہچانے کا ذکر ہے وہ عقیدہ امامت ہے۔

جواب:

اس آیت سے استدلال باطل ہے اس لیے کہ:

1: آیت میں تبلیغ کا حکم مطلق ہے جس سے مراد شریعت ہے، اسے ایک جز کے ساتھ بغیر دلیل کے مقید کرنا باطل ہے، کیونکہ قاعدہ ہے:

’’العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب‘‘

2: آیت میں ’’ماانزل‘‘ کی تبلیغ کرنے کا حکم ہے، اور ’’تبلیغ‘‘ تصریح اور بیان کو کہا جاتا ہے۔ خمینی صاحب نے پہلے کہا کہ امامت کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا تاکہ فاسد نیتوں والے کہیں اسے قرآن سے حذف نہ کردیں، سوال یہ ہے کہ اگر’’ما انزل‘‘ سے مراد امامت ہے تو اسے اللہ نے خود مخفی رکھا ہے تو اس کی تبلیغ اور تصریح اور بیان کا حکم دینا سوائے تضاد کے اور کیا ہے؟ جب کہ قرآن تضادات سے پاک ہے۔

دلیل نمبر3:

خمینی صاحب لکھتے ہیں کہ ہم قرآنی آیات ذکر کر رہے ہیں جن کی تفسیر میں اہل السنت کے حوالہ جات سے ثابت کریں گے کہ یہ آیات امامت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں:

الیوم أکملت لکم دینکم و أتممت علیکم نعمتي و رضیت لکم الإسلام دینا.

(کشف الاسرار ص156 عربی مترجم)

اس آیت کے تحت خمینی صاحب لکھتے ہیں کہ ’’غایۃ المرام‘‘ میں باب سادس کے تحت چھ احادیث کتبِ اہلِ سنت سے ملتی ہیں جن میں یہ مضمون ہے کہ یہ آیت غدیر خم والے واقعہ کے دن نازل ہوئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے چن لیا اور ان احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا :

اللہ اکبر علی اکمال الدین وتمام النعمۃ ورضا الرب برسالتی والولایۃ لعلی.

(کشف الاسرار ص156 عربی مترجم)

جواب:

اولاً...... خمینی صاحب نے استدلال میں کتب اہل السنت کے حوالے کے ضمن میں ’’غایۃ المرام‘‘ کا حوالہ دیا جس سے موصوف کے استدلال کی ساری قلعی کھل جاتی ہے اس لیے کہ غایۃ المرام سنی عالم کی نہیں بلکہ شیعی عالم کی کتاب ہے جن کا کام علماء اہل السنت پر کذب و افتراء کے علاوہ کچھ نہیں۔

(حاشیہ کشف الاسرار ص156)

ثانیاً...... غایۃ المرام جو ہاشم بن سلیمان البحرانی الشیعی کی کتاب ہے، اس میں جن چھ روایات کا ذکر ہے جو بزعم خمینی صاحب کتب اہل السنت سے لی گئی ہیں، ان تمام کا ماخذ جوینی کی کتاب’’فرائد السمطین فی فضائل المرتضیٰ و البتول و السبطین‘‘ ہے۔ (دیکھیے غایۃ المرام ص560، 572)

’’جوینی‘‘ نام کے کئی محدث و مؤلف ہیں:

1: الجویني: الإمام الکبیر شیخ الإسلام أبو عمران موسی بن العباس الخراساني الجویني الحافظ مؤلف " المسند الصحیح " الذي خرجه کهیئة " صحیح " مسلم . توفي أبو عمران بجوین سنة ثلاث و عشرین وثلاث مئة

[سیر أعلام النبلاء للذهبي الجزء15 صفحة235]

2: الجویني: شیخ الشافعیة أبو محمد عبد الله بن یوسف بن عبد الله بن یوسف بن محمد بن حیویه الطائي السنبسي کذا نسبه الملك المؤید الجویني والد إمام الحرمین.... توفي في ذي القعدة سنة ثمان وثلاثین وأربع مئة

[سیر أعلام النبلاء للذهبي الجزء17 صفحة617]

3: الجويني: الإمام الكبير شيخ الشافعية إمام الحرمين أبو المعالي عبد الملك بن الإمام أبي محمد عبد الله بن يوسف بن عبد الله بن يوسف بن محمد بن حيويه الجويني ثم النيسابوري ضياء الدين الشافعي صاحب التصانيف. ولد في أول سنة تسع عشرة وأربع مئة.... توفي في الخامس والعشرين من ربيع الآخر سنة ثمان وسبعين وأربع مئة ودفن في داره ثم نقل بعد سنين إلى مقبرة الحسين فدفن بجنب والده.

[سير أعلام النبلاء للذهبي الجزء18 صفحة468]

یہ تین محدث ہیں جو اہل السنت کے جید ائمہ ہیں۔ ایک چوتھا آدمی بھی ''جوینی'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے حالات یہ ہیں:

الجويني (644 - 722 ھ = 1246 - 1322 م) إبراهيم بن محمد بن المؤيد أبي بكر بن حمويه الجويني صدر الدين أبو المجامع... من أهل (جوين بها رحل في طلب الحديث فسمع بالعراق والشام والحجاز وتبريز وآمل طبرستان والقدس وكربلاء وقزوين وغيرها وتوفي بالعراق ... جعله الأمين العاملي من أعيان الشيعة ولقبه بالحموئي (نسبة إلى جده حمويه) وقال: له (فرائد السمطين في فضائل المرتضى والبتول والسبطين) في طهران في 160 ورقة وقال الذهبي: شيخ خراسان كان حاطب ليل - يعني في رواية الحديث - جمع أحاديث ثنائيات وثلاثيات ورباعيات من الأباطيل المكذوبة.

[الأعلام لخير الدين الزركلي الجزء1 صفحة63]

اس سے معلوم ہوا کہ ''فرائد السمطین'' کا مصنف شیعہ ہے، شیعہ حضرات کا اسے ''شیخ الاسلام'' کے لقب سے ذکر کرنا کذب صریح ہے اس لیے کہ ''شیخ الاسلام'' تو موسی بن العباس الجويني کا لقب ہے نہ کہ ابراہیم بن محمد۔ مزید یہ کہ اس کتاب کے مطالعہ اور دیگر حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص اثنی عشری شیعہ تھا، ثبوت پیش خدمت ہے:

1: یہ عصمت غیر انبیاء کا قائل تھا۔ (فرائد السمطين ج2 ص133)

2: مختلف دلائل دے کر بارہ اماموں کا اثبات کرتا ہے۔ (فرائد السمطين ج2 ص140 الباب الثاني والثلاثون)

3: یہ اس بات کا قائل تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے بارہ ائمہ کی وصیت کی تھی۔ (فرائد السمطين ج2 ص136 الباب الثاني والثلاثون)

4: یہ عليّ بن موسی المعروف امام رضا کی عصمت کا قائل تھا اور انہیں آٹھواں امام کہتا تھا۔ (فرائد السمطين ج2 ص187 الباب التاسع والثلاثون)

5: اس کے کئی شیخ اور استاذ رافضی تھے۔ (دیکھیے: فرائد السمطين ج2 ص73 الباب السادس عشر، الذريعة لآقا بزرگ الطهراني الجزء2 صفحة442،)

6: کتب شیعہ کو بطور حجت پیش کرتا ہے۔ مثلاً

نقل من كتاب كمال الدين [فرائد السمطين ج2 صفحات 140 و 142 و 147]

نقل من كتاب عيون أخبار الرضا [فرائد السمطين ج2 صفحات 174 و179 و188 و191 و192 و200 إلخ]

7: شیعوں کا اعتراف ہے کہ یہ انہی میں سے تھا - (دیکھیے: ذيل كشف الظنون لآقا بزرگ الطهراني ص70، الذريعة لآقا بزرگ الطهراني الجزء8 صفحة126، موسوعة مؤلفي الإمامية - مجمع الفكر الإسلامي الجزء1 صفحة379 وغيره)

یہ تمام امور اس کے شیعہ ہونے پر دال ہیں۔ لہٰذا اس کو سنی کہنا اور اس کی روایت کو سنیوں پر بطور حجت پیش کرنا انصاف کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

خمینی صاحب نے سنیوں کے حوالے سے ثابت کرنا تھا کہ آیت کا شان نزول امامت علی کے بارے میں ہوا لیکن افسوس کہ یہ لوگ تو شیعہ نکلے۔

ثالثاً...... شیعی مفسرین کا یہ دعویٰ کہ یہ آیت حجۃ الوداع سے واپسی کے موقعہ پر غدیر خم پر 18ذی الحجہ کو خطبہ کے بعد نازل ہوئی، غلط ہے اس لیے کہ جمہور مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں نازل ہوئی یعنی 9ذی الحجہ بروز جمعہ شام کے

وقت۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ آیت عرفہ کی شام (یعنی 9ذی الحجہ) کو نازل ہوئی۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

عن علي قال: نزلت هذه الآية على رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهو قائم عشية عرفة{ اليوم أكملت لكم دينكم}

(تفسیر ابن کثیر: ج3 ص27)

امام بخاری حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مختلف نے روایات نقل کی ہیں کہ یہ آیت یوم عرفہ کو نازل ہوئی مثلاً:

عن طارق بن شهاب قالت اليهود لعمر إنكم تقرءون آية لو نزلت فينا لاتخذناها عيدا فقال عمر إني لأعلم حيث أنزلت وأين أنزلت وأين رسول الله صلى الله عليه وسلم حين أنزلت يوم عرفة وإنا والله بعرفة.

(صحیح البخاری: حدیث نمبر 4606 تفسیر سورۃ المائدۃ)

رابعاً...... سنی مفسرین نے اس روایت کا صراحتا رد کیا ہے۔ لہٰذا اسے سنیوں کے سر تھوپنا غلط ہے:

قال الآلوسی البغدادی: وأخرج الشيعة عن أبى سعيد الخدرى أن هذه الآية نزلت بعد أن قال النبى صلى الله عليه و سلم لعلى كرم الله وجهه فى غدير خم : من كنت مولاه فعلى مولاه فلما نزلت قال عليه الصلاة و السلام : الله أكبر على إكمال الدين وإتمام النعمة ورضاء الرب برسالتى وولاية على كرم الله وجهه بعدى ولايخفى أن هذا من مفترياتهم وركاكة الخبر شاهدة على ذلك فى مبتدأ الأمر. (روح المعانی: ج6 ص61)

کہ شیعوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ مذکورہ آیت (الیوم اکملت لکم دینکم) غدیر خم پر اس وقت نازل ہوئی جب نبی علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا:" من كنت مولاه فعلى مولاه" پھر جب یہ آیت نازل ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ اکبر علی اکمال الدین واتمام النعمۃ ورضا الرب برسالتی وولایۃ علی کرم اللہ وجہہ بعدی" یہ روایت شیعہ افتراءات کا ایک نمونہ ہے اور سند کے علاوہ اس روایت کے رکیک الفاظ بھی خود اس کے من گھڑت ہونے پر گواہ ہیں۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے دو شیعہ روایتیں نقل کر کے فرمایا:

ولا يصح هذا ولا هذا، بل الصواب الذي لا شك فيه ولا مرية: أنها أنزلت يوم عرفة، وكان يوم جمعة، كما روى ذلك أمير المؤمنين عمر بن الخطاب، وعلي بن أبي طالب، وأول ملوك الإسلام معاوية بن أبي سفيان، وترجمان القرآن عبد الله بن عباس، وسمرة بن جندب، رضي الله عنهم، وأرسله [عامر] الشعبي، وقتادة بن دعامة، وشهر بن حوشب، وغير واحد من الأئمة والعلماء.

(تفسیر ابن کثیر: ج3 ص26 تحت هذه الآیۃ)

ترجمہ: نہ یہ روایت صحیح ہے نہ وہ بلکہ حق بات جس میں ادنیٰ شک و شبہ کی گنجائش نہیں وہ یہ ہے کہ یہ آیت عرفہ 9 ذی الحجہ کو جمعہ کے دن نازل ہوئی جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نیز امام شعبی، امام قتادہ ،امام شہر بن حوشب اور دیگر ائمہ اور علماء کا یہی قول ہے۔

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اس آیت سے شیعہ کے استدلال پر بہترین رد فرمایا، لکھتے ہیں:

المسألة الثالثة : قال أصحابنا : هذه الآية دالة على بطلان قول الرافضة ، وذلك لأنه تعالى بين أن الذين كفروا يئسوا من تبديل الدين ، وأكد ذلك بقوله {فلا تخشوهم واخشون } فلو كانت إماة علي بن أبي طالب رضي الله عنه منصوصا عليها من قبل الله تعالى وقبل رسوله صلى الله عليه وسلم نصا واجب الطاعة لكان من

أراد إخفاءه وتغييره آيسا من ذلك بمقتضى هذه الآية ، فكان يلزم أن لا يقدر أحد من الصحابة على إنكار ذلك النص وعلى تغييره وإخفائه ، ولما لم يكن الأمر كذلك ، بل لم يجر لهذا النص ذكر ، ولا ظهر منه خبر ولا أثر ، علمنا أن ادعاء هذا النص كذب ، وأن علي بن أبي طالب رضي الله عنه ما كان منصوصا عليه بالإمامة.
(التفسیر الکبیر للرازی: تحت ہذہ الآیۃ)

ترجمہ:ہمارے علماء نے فرمایا کہ یہ آیت "الیوم اکملت لکم دینکم" روافض کے قول کے بطلان پر دلالت کرتی ہے، اس لیے کہ اللہ نے اس آیت کی ابتداء میں فرمایا ہے "الیوم یئس الذین کفروا من دینکم فلا تخشوھم واخشون" (آج کے دن کافر ناامید ہوگئے تمہارےدین سے، سو ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو) جس نے واضح کردیا کہ کافر دین میں تبدیلی سے مایوس ہوگئے ہیں اور یہ بھی فرمادیا کہ اب ان سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اگر حضرت علی بن ابی طالب کی امامت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے منصوص ہوتی یعنی نص واجب الطاعۃ ہوتی تو اسے چھپانے اور اسے تبدیل کرنے والے کو اس آیت کے مطابق نا امید ہوجانا چاہیے تھا یعنی صحابہ میں سے کوئی بھی اس نص کے انکار، اس کی تبدیلی یا اس کے چھپانے پر قادر نہ ہوتا، اور جب ان میں سے کوئی بات پیش نہ آئی بلکہ اس نص امامت کا ذکر ہوا نہ اس کی خبر ظاہر ہوئی اور نہ اس کی کوئی روایت آئی تو ہمیں علم ہوگیا کہ کہ اس نص کا دعویٰ محض کذب ہے اور یہ کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یقیناً منصوص بالامامت نہیں تھے۔

دلیل نمبر4:

شیعہ حضرات نے اپنے دعوی پر ایک حدیث یہ بھی پیش کرتے ہیں:

من کنت مولاہ فعلی مولاہ .

کہ جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی مولا ہے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل پر نص ہے اور عقیدہ امامت کی بنیاد ہے۔ (اسی روایت کی وجہ سے یہ لوگ قرآنی آیات میں تاویلات بلکہ تحریفات کر گزرتے ہیں)

جواب:

اس حدیث کے متعلق چند بنیادی باتیں بیان کی جاتی ہیں تاکہ اصل مفہوم واضح ہو اور شیعہ استدلال کی قلعی کھل سکے۔

پہلی بات:

روایت کی اسنادی حیثیت

یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے ، بعض صحیح اور بعض حسن درجہ کے ہیں۔

1: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واما حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ فقد اخرجہ الترمذی والنسائی وھو کثیر الطرق جدا وقد استوعبہا ابن عقدۃ فی کتاب مفرد و کثیر من اسانیدہا صحاح و حسان.

(فتح الباری: ج7س74)

2: حافظ ابن حجر مکی الہیثمی لکھتے ہیں:

وبیانہ انہ حدیث صحیح لا مریۃ فیہ وقد اخرجہ جماعۃ کالترمذی والنسائی و احمد وطرقہ کثیرۃ جدا.
(الصواعق المحرقہ ص42)

دوسری بات:

خطبہ غدیر کا وقت اور موقع محل

فتح مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہونا شروع ہوئے (کما قال تعالی: ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا) دین اسلام کی تکمیل ہورہی تھی یہاں تک کہ حجۃ الوداع جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری اور اہم سفر تھا، میں 9ذی الحجہ کو آیت "الیوم اکملت لکم

دینکم الخ“ نازل ہوئی، اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دین اسلام کے بنیادی اصولوں، امت کو پیش آنے والی گمراہیوں سے بچانے والی نصیحتوں اور ارشادات سے نوازا تاکہ امت باہمی اختلافات سے محفوظ رہ کر صراط مستقیم پر گامزن رہے۔

حجۃ الوداع سے واپسی پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ”حجفہ“ کے قریب ایک تالاب کے کنارے درختوں کے سائے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑاؤ ڈالا، یہ جگہ ”وادی خم“ اور ”غدیر خم“ کے نام سے معروف ہے، نماز کا اعلان کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر پڑھائی اور اس کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہی خطبہ ”حدیث غدیر“ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ اتوار کا دن تھا اور ذی الحجہ کی 18 تاریخ تھی۔

(السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ج4ص414)

تیسری بات:

خطبہ دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم حجۃ الوداع کے موقعہ پر 4 ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں تشریف لائے، حرم مکہ پہنچ کر عمرہ کے ارکان ادا فرمائے، اور پھر چار دن تک مکہ میں قیام فرمایا، انہی چار دنوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ (جو رمضان 10ھ سے یمن تشریف لے گئے ہوئے تھے) واپس مکہ مکرمہ پہنچے اور وہ خمس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا جسے لانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے انہیں یمن روانہ کیا تھا، اس سفر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض ساتھیوں کو آپ رضی اللہ عنہ سے چند شکایتیں ہوگئی تھیں جن کا تذکرہ ان ساتھیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے ان شکایات کے ازالہ کے لیے یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔

ان روایات کو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ”باب بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب و خالد بن ولید رضی اللہ عنہما الی الیمن“ قبل حجۃ الوداع کے تحت جمع کیا ہے۔ چند روایات یہ ہیں:

1: عن ابی بریدة قال: أبغضت عليا بغضا لم أبغضه أحدا قط، قال: وأحببت رجلا من قريش لم أحبه إلا على بغضه عليا قال فبعث ذلك الرجل على خيل فصحبته ما أصحبه إلا على بغضه عليا قال فأصبنا سبيا قال فكتب (ای حاکم الیمن خالد بن الولید) إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم أبعث إلينا من يخمسه قال فبعث إلينا عليا وفي السبي وصيفة من أفضل السبي. قال: فخمس وقسم فخرج ورأسه يقطر فقلنا: يا أبا الحسن ما هذا ؟ فقال ألم تروا إلى الوصيفة التي كانت في السبي، فإني قسمت، وخمست فصارت في الخمس، ثم صارت في أهل بيت النبي صلى الله عليه وسلم ثم صارت في آل علي ووقعت بها، قال، فكتب الرجل إلى نبي الله صلى الله عليه وسلم فقلت أبعثني فبعثني مصدقا فجعلت أقرأ الكتاب وأقوله صدق قال: فأمسك يدي والكتاب فقال: " أتبغض عليا " قال: قلت نعم ؟ قال " فلا تبغضه وإن كنت تحبه فازدد له حبا فوالذي نفس محمد بيده لنصيب آل علي في الخمس أفضل من وصيفة " قال: فما كان من الناس أحد بعد قول النبي صلى الله عليه وسلم أحب إلي من علي.

(البدایۃ والنہایۃ: ج5 ص121)

2: عن خاله عمرو بن شاس الاسلمي وكان من أصحاب الحديبية. قال: كنت مع علي بن أبي طالب في خيله التي بعثه رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى اليمن فجفاني علي بعض الجفاء. فوجدت في نفسي عليه فلما قدمت المدينة، اشتكيته في مجالس المدينة وعند من لقيته، فأقبلت يوما ورسوله الله جالس في المسجد، فلما رآني أنظر إلى عينيه نظر إلي حتى جلست إليه فلما جلست إليه قال: " إنه والله يا عمرو بن شاس لقد آذيتني " فقلت: إنا لله وإنا إليه راجعون، أعوذ بالله والاسلام أن أوذي رسول الله. فقال: " من آذى

علرلیا فقد آذاني "

(البداية والنهاية: ج5 ص121)

3: عن أبي سعرلید الخدري. أنه قال: بعث رسول الله علي بن أبي طالب إلى الرلیمن. قال أبو سعرلید، فكنت فرلیمن خرج معه، فلما أخذ من إبل الصدقة، سألناه أن نركب منها ونريح إبلنا - وكنا قد رأينا في إبلنا خللا - فأبى علرلینا، وقال: إنما لكم فرلیها سهم كما للمسلمرلین. قال، فلما فرغ علي وانطفق من الرلیمن راجعا، أمر علرلینا إنسانا وأسرع هو وأدرك الحج، فلما قضى حجته، قال له النبي صلى الله علرلیه وسلم. " ارجع إلى أصحابك حتى تقدم علرلیهم " قال أبو سعرلید: وقد كنا سألنا الذي استخلفه ما كان علي منعنا إياه ففعل، فلما عرف في إبل الصدقة أنها قد ركبت، ورأى أثر الركب، قدم الذي أمره ولامه. فقلت: أما أن الله علي لئن قدمت المدينة لاذكرن لرسول الله، ولاخبرنه ما لقرلینا من الغلظة والتضرلیرلیق. قال: فلما قدمنا المدينة غدوت إلى رسول الله صلى الله علرلیه وسلم أريد أن أفعل ما كنت حلفت علرلیه، فلقرلیت أبا بكر خارجا من عند رسول الله صلى الله علرلیه وسلم فلما رآني وقف معي، ورحب بي وساءلني وساءلته. وقال متى قدمت ؟ فقلت: قدمت البارحة، فرجع معي إلى رسول الله صلى الله علرلیه وسلم فدخل، وقال هذا سعد بن مالك بن الشهرلید. فقال: ائذن له فدخلت، فحرلیرلیت رسول الله وحرلیاني، وأقبل علي وسألني عن نفسي وأهلي وأحفى المسألة، فقلت: يا رسول الله ما لقرلینا من علي من الغلظة وسوء الصحبة والتضرلیرلیق، فاتئد رسول الله وجعلت أنا أعدد ما لقرلینا منه، حتى إذا كنت في وسط كلامي، ضرب رسول الله على فخذي، وكنت منه قريبا وقال: " يا سعد بن مالك ابن الشهرلید: مه، بعض قولك لاخرلیك علي، فوالله لقد علمت أنه أحسن في سبرلیل الله ".

قال: فقلت في نفسي ثكلتك أمك سعد بن مالك - ألا أراني كنت فرلیما يكره منذ الرلیوم، ولا أدري لا جرم والله لا أذكره بسوء أبدا سرا ولا علانرلیة. (البداية والنهاية: ج5 ص122)

4: عن يزيد بن طلحة بن يزيد بن ركانة قال إنما وجد جرلیش علي بن [أبي] طالب الذين كانوا معه بالرلیمن، لانهم حرلین أقبلوا خلف علرلیهم رجلا، وتعجل إلى رسول الله صلى الله علرلیه وسلم قال: فعمد الرجل فكسى كل رجل حلة، فلما دنوا خرج علرلیهم علي يستلقرلیهم فإذا علرلیهم الحلل. قال علي: ما هذا ؟ قالوا: كسانا فلان: قال: فما دعاك إلى هذا قبل أن تقدم على رسول الله فرلیصنع ما شاء فنزع الحلل منهم، فلما قدموا على رسول الله اشتكوه لذلك، وكانوا قد صالحوا رسول الله، وإنما بعث علرلیا إلى جزية موضوعة. (البداية والنهاية: ج5 ص123)

5: عن عمران بن حصرلین قال : بعث رسول الله صلى الله علرلیه و سلم جرلیشا و استعمل علرلیهم علي بن أبي طالب فمضى في السرية فأصاب جارية فأنكروا علرلیه وتعاقد أربعة من أصحاب رسول الله صلى الله علرلیه و سلم فقالوا إذا لقرلینا رسول الله صلى الله علرلیه و سلم أخبرناه بما صنع علي وكان المسلمون إذا رجعوا من السفر بدءوا برسول الله صلى الله علرلیه و سلم فسلموا علرلیه ثم أنصرفوا إلى رحالهم فلما قدمت السرية سلموا على النبي صلى الله علرلیه و سلم فقام أحد الأربعة فقال يا رسول الله ألم تر إلى علي بن أبي طالب صنع كذا وكذا فأعرض عنه رسول الله صلى الله علرلیه و سلم ثم قام الثاني فقال مثل مقالته فأعرض عنه ثم قام الثالث فقال مثل مقالته فأعرض عنه ثم قام الرابع فقال مثل ما قالوا فأقبل رسول الله صلى الله علرلیه و سلم والغضب يعرف في وجهه فقال ما تريدون من علي ؟ ما تريدون من علي إن علرلیا مني وأنا منه وهو ولي كل مؤمن بعدي.

(جامع الترمذی. باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله عنه)

ان مجموعہ روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مختلف حضرات خصوصاً جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفرِ یمن میں شریک تھے، ان کو حضرت علی کی طرف کچھ بد گمانی یا کدورت پیدا ہوگئی تھی، چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شمار کبار صحابہ اور السابقون الاولون میں ہے اور مزید یہ کہ آئندہ چل کر اپنے وقت میں امت کی قیادت و امامت کے فرائض بھی آپ نے سر انجام دینے ہیں اس لیے ضروری تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کی براءت ظاہر کریں بلکہ امت کو یہ حکم بھی دیں کہ وہ حضرت علی کے ساتھ محبت وعقیدت کا تعلق رکھیں۔

چوتھی بات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ غدیر خم میں کیا ارشاد فرمایا؟ مختلف روایات اس بارے میں ملتی ہیں۔ ان میں مسند احمد بن حنبل کی روایت تقریباً تمام روایات کی جامع ہے، ملاحظہ ہو:

عن البراء بن عازب قال كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر فنزلنا بغدير خم فنودي فينا الصلاة جامعة وكسح لرسول الله صلى الله عليه وسلم تحت شجرتين فصلى الظهر وأخذ بيد علي رضي الله تعالى عنه فقال ألستم تعلمون أني أولى بالمؤمنين من أنفسهم قالوا بلى قال ألستم تعلمون أني أولى بكل مؤمن من نفسه قالوا بلى قال فأخذ بيد علي فقال من كنت مولاه فعلي مولاه اللهم وال من والاه وعاد من عاداه قال فلقيه عمر بعد ذلك فقال هنيئا يا ابن أبي طالب أصبحت وأمسيت مولى كل مؤمن ومؤمنة. (مسند احمد: رقم الحديث 18479)

خلاصہ کلام: اہل تشیع کا اس روایت سے امامت اور خلافت علی بلا فصل پر استدلال باطل ہے اس لیے کہ:

[1]: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت اور موالاۃ کا اظہار محض اس لیے تھا کہ لوگوں کے دلوں میں ان کے بارے میں کوئی رنجش باقی نہ رہے، خلافت بلا فصل اور امامت کا اس میں دور دور کا تذکرہ نہیں۔

[2]: کتب اہل السنت میں جہاں حدیث غدیر خم موجود ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح اشارات بھی ہیں جن میں خلافت صدیق اکبر کا ذکر ہے یا خلفاء راشدین کی ترتیب کا ذکر ہے (گو اشارۃً ہی سہی) جس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ حدیثِ غدیر خم ایک وقتی ضرورت کے پیش نظر وارد ہوئی نہ کہ مستقلاً اصول امامت یا خلافت کے لیے۔

[3]: اگر یہ حدیث مسئلہ امامت یا حضرت علی کے خلیفہ بلا فصل کے متعلق ہوتی تو اس کا محل اور مقام حجۃ الوداع کا اجتماع تھا جہاں قرب و بعد تمام جگہوں کے مسلمان جمع تھے جو ایک عالمی اجتماع تھا، جس کا مقصد ایک عالمی نظریہ امت کو دینا تھا لیکن یہ حدیث خم کے تالاب کے پاس بیان ہوئی ہے جو اس بات کی یقینی دلیل ہے کہ اس سے مقصود آفاقی اور اجتماعی فیصلہ کا بیان کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ ایک وقتی ضرورت کا بیان کرنا تھا۔

دلیل نمبر 5:

بعض شیعہ ویب سائٹس پر کتب اہل السنت سے امامت کا ثبوت کے عنوانات سے صحیحین کی روایات کو مستدل بنایا گیا ہے، جو ان الفاظ میں ہے۔

"ہم صحیحین سے اس بارے میں نقل شدہ روایات پیش کر نے پر اکتفا ء کرتے ہیں:

عن عبد الملک، سمعت جابر بن سمرة ,قال: سمعت النبی(ص)یقول: یکون اثنی عشر امیرا، فقال کلمة، ـلم اسمعها،فقال ابی: انہ قال: کلھم من قریش•

[صحیح بخاری ج۹، کتاب الاحکام، باب(۵۲)"استخلاف" حدیث۶۷۹۶۔ صحیح مسلم ج۶، کتاب الامارۃ، باب(۱۱)" الناس تبع القریش و الخلافة فی قریش"حدیث ۱۸۲۱]

مسلم نے بھی اس حدیث کو آٹھ سندوں کے ساتھ اپنی کتاب میں نقل کیا ہے اور ا ن میں سے ایک حدیث میں اس طرح آ یا ہے:

جابر بن سمرۃ، قال:انطلقت الی رسول(ص) اللہ ومعی ابی، فسمعتہ یقول: لایزال ہذا الدین عزیزا منیعا الی اثنی عشر خلیفۃ،قال کلمۃ ،صمنیہا الناس،فقلت لابی ما قال؟ قال :کلهم من قريش۔
[صحیح مسلم ج ۶ ،کتاب الامارہ ،باب۱حدیث۱۸۲۱-(کتاب الامارۃ کی حدیث نمبر ۹)]

اس حدیث کومختلف مضامین کے ساتھ اہل سنت کی اہم کتابوں میں کثرت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور یہ حدیث مسلمانوں کے دیگر فرقوں کے بطلان اور مذہب شیعہ کے حق ہونے پر ایک محکم و مضبوط دلیل ہے، اس لئے کہ اس حدیث کا مضمون مذہب شیعہ کے علاوہ کسی اور فرقہ ٔ اسلامی کے رہنماؤں سے منطبق نہیں ہوتا،کیونکہ اہل سنت خلفائے راشدین (جو چار ہیں) کے قائل ہیں ، یا پھر امام حسن مجتبی (ع) کی خلافت کو ملا دیں توپانچ ہوتے ہیں ، لیکن حدیث میں رسول(ص) نے بارہ فرمائے ہیں ، لہٰذا ان کے مذہب سے یہ حدیث منطبق نہیں ہوتی --- لہٰذا صرف شیعہ اثنا عشریہ کے خلفاء کی تعداد سے منطبق ہوتی ہے، ان میں سر فہرست مولائے متقیان حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور آخر حضرت مہدی حجۃ ابن الحسن العسکری ارواحنا لہ الفداء ہیں ۔“

جواب :

یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ کتب اہل السنت میں آئی ہے، جن میں سے چند کتب کے الفاظ پیش ہیں تاکہ اس روایت کا مطلب واضح ہو:

صحیح مسلم(حدیث نمبر1821) میں یہ الفاظ ہیں:

لا یزال أمر الناس ماضیا ما ولیهم اثنا عشر رجلا۔

کہ جب تک بارہ خلفاء ہوں گے لوگوں کا معاملہ چلتا رہے گا۔

سنن ابی داؤد(حدیث نمبر4282) میں ہے:

لا یزال هذا الدین عزیزا إلی اثني عشر خلیفة۔

کہ یہ دین بارہ خلیفہ کے آنے تک غالب رہے گا ۔

صحیح بخاری (حدیث نمبر7222) میں یہ الفاظ ہیں:

یکون اثنا عشر أمیرا۔۔۔ کلهم من قریش۔ (کہ بارہ امیر ہوں گے، سب کے سب قریشی ہوں گے-)

اس حدیث کا معنی و مطلب:

شیعہ حضرات کااس حدیث سے اپنے مزعومہ ائمہ مراد لینا کسی طرح درست نہیں اس لیے کہ ائمہ اہل السنت نے اس حدیث کے جو مطلب بیان کیے ہیں وہ شیعہ موقف کی واضح تردید کرتے ہیں اور اصول اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جو روایت کتب اہل السنت میں ہے س کا معنی بھی اہل السنت کا بیان کردہ ہی معتبر ہو گا نہ کہ شیعہ فرقہ کا، اس لیے اس حدیث کے چند مطلب پیش خدمت ہیں:

مطلب نمبر1:

حافظ ا بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ(م 852 ھ) نے اس حدیث پر طویل گفتگو فرمائی ہے اور جس تشریح کو راجح قرار دیاہے وہ علامہ ابن الجوزی اور قاضی عیاض مالکی کی تشریح ہے، جو کہ پیش خدمت ہے:

وینتظم من مجموع ما ذکراہ (یعنی ابن الجوزی و القاضی عیاض) أوجه: أرجحها الثالث من أوجه القاضي (و ہو ان المراد ان یکون الاثنا عشر في مدة عزة الخلافة وقوة الإسلام واستقامة أموره والاجتماع علی من یقوم بالخلافة) لتأییده بقوله في بعض طرق الحدیث الصحیحة کلهم یجتمع علیه الناس۔ وإیضاح ذلك ان المراد بالاجتماع انقیادهم لبیعته والذي وقع ان الناس اجتمعوا علی أبي بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علي إلی ان وقع أمر الحکمین في صفین فسمی معاوية یومئذ بالخلافة ثم اجتمع الناس علی معاوية عند صلح الحسن ثم اجتمعوا علی ولده یزید ولم ینتظم للحسین أمر بل قتل قبل ذلك ثم لما مات یزید وقع الاختلاف إلی ان اجتمعوا

على عبد الملك بن مروان بعد قتل بن الزبير ثم اجتمعوا على أولاده الأربعة الوليد ثم سليمان ثم يزيد ثم هشام ...... فهؤلاء سبعة بعد الخلفاء الراشدين والثاني عشر هو الوليد بن يزيد بن عبد الملك اجتمع الناس عليه لما مات عمه هشام...... وانتشرت الفتن وتغيرت الأحوال من يومئذ ولم يتفق ان يجتمع الناس على خليفة بعد ذلك لأن يزيد بن الوليد الذي قام على بن عمه الوليد بن يزيد لم تطل مدته بل ثار عليه قبل ان يموت بن عم أبيه مروان بن محمد بن مروان ولما مات يزيد ولى أخوه إبراهيم فغلبه مروان ثم ثار على مروان بنو العباس إلى ان قتل ثم كان أول خلفاء بني العباس أبو العباس السفاح ولم تطل مدته مع كثرة من ثار عليه...... وانفرط الأمر في جميع أقطار الأرض إلى ان لم يبق من الخلافة الا الاسم في بعض البلاد...... ومن نظر في أخبارهم عرف صحة ذلك• (فتح البارى شرح صحيح البخارى: ج13 ص263)

ترجمہ: ابن الجوزی اور قاضی عیاض نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کی چند توجیہات کی ہیں جن میں سے تیسری توجیح راجح ہے کہ "بارہ سے مراد وہ اربابِ خلافت ہیں جو اس دور میں ہوں گے جس میں خلافت کی شان وشوکت ، اسلام کی قوت، اسلام کے امور کی طاقت عروج پر ہوگی اور لوگ ان خلفاء پر متفق اور مجتمع ہوں گے" اس مطلب کی تائید بعض طرق سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "كلهم يجتمع عليه الناس" [کہ ان خلفاء پر لوگ متفق اور مجتمع بھی ہوں گے] لوگوں کے متفق اور مجتمع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سارے لوگ ان بارہ کی بیعت کے لیے متفق ہوں گے۔ جو کچھ اتفاق اس بارے میں پیش آیا وہ یہ ہے کہ لوگ پہلے پہل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہوئے ، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہوئے ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہوئے ، پھر حضر ت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہوئے یہاں تک کہ واقعہ صفین میں حکم مقرر کرنے کا معاملہ پیش آیا جسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا نام دیا ۔ پھر لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہوئے جب حضرت حسن بن علی کی نے دستبرداری کر کے صلح کرا دی تھی۔ پھر لوگ حضرت معاویہ کے بیٹے یزید کی خلافت پر متفق ہوئے ۔ [بقول ابن الجوزی حدیث کی یہ پیشنگوئی استقامت سلطنت سے متعلق تھی باعتبار مدح خلیفہ کے نہیں تھی۔ بحوالہ كشف المشكل من حديث الصحيحين لابن الجوزى: ج1 ص289، لہذا اس سے یزید کی مدح و تعریف لازم نہیں آتی۔ از ناقل] حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ پر اتفاق ہو نہیں پایا تھا کہ آپ شہید ہوگئے ۔ جب یزید کی وفات ہوئی تو خلافت کے معاملے میں اختلاف پڑ گیا یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بعد عبد الملک بن مروان کی خلافت پر لوگ متفق ہوگئے ۔ عبد الملک بن مروان کی وفات کے بعد ان کے چار بیٹوں ولید ، سلیمان ، یزید اور ہشام کی خلافت پر اتفاق پایا گیا، تو خلفاء راشدین کی بعد یہ سات حضرات ہیں ۔ بارہواں خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک ہے اس پر لوگوں کا اتفاق اس وقت ہوا تھا جب اس کا چچا ہشام بن عبدالملک فوت ہو ا تھا (تو لوگوں نے متفقہ طور پر ولید بن یزید بن عبدالملک کو خلیفہ نامزد کر دیا) اس کی وفات کے بعد سے اب تک فتنوں کا دور دورہ رہا اور حالات ابتر رہے ۔ اس کے بعد خلیفہ کی نامزدگی پر کبھی (مجموعی) اتفاق نہیں پایا گیا۔ اس لیے کہ یزید بن ولید جو اپنے چچا ولید بن یزید پر قابض ہوا ، کی مدت حکومت زیادہ دیر نہ رہی بلکہ اس کے مرنے سے قبل اس کے باپ کا چچا زاد بھائی مروان بن محمد بن مروان اس پر مسلط ہوا ۔ جب یزید فوت ہوا تو اس کا بھائی ابراہیم تخت نشین ہوا ۔ جس پر مروان (مروان الحمار) غالب ہوا پھر مروان الحمار پر بنو العباس حملہ آور ہوتے رہے یہاں کہ وہ قتل ہوگیا ۔ بنو عباس کے پہلا خلیفہ ابو العباس السفاح تھا ، وہ بھی زیادہ مدت نہ ٹھہر سکا کیونکہ اس پر بھی فتنوں کا سیلاب امڈ پڑا اور معاملات ایسے چلتے رہے کہ صرف چند شہروں میں خلافت برائے نام رہ گئی (اس کی حکومت کا استحکام اور اتفاق عوام ویسا نہ رہا جیسا کہ بنی عبدالملک بن مروان کے ادوار میں رہا) تو جو شخص ان ادوار کے حالات میں غور کرے تو اس پر

بخوبی واضح ہو گا کہ یہ بارہ خلفاء کے تعین کے بارے میں یہ قول صحیح ہے۔

اس راجح تشریح سے واضح ہوا کہ بارہ خلفاء سے مراد وہ نہیں ہیں جن کے شیعہ قائل ہیں، لہذا شیعہ حضرات کا اس حدیث کو اپنے موقف پر دلیل سمجھنا سوائے بے خبری کے اور کچھ نہیں۔

مطلب نمبر2:

مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

ان عدد الاثنی عشر مبنی علی الاقل و لا ینافی ان یکون الخلفاء اکثر منہ• (تکملہ فتح الملہم للعلامۃ تقی العثمانی: ج3 ص285)

ترجمہ: خلفاء کی تعداد "بارہ" ہو یہ کم از کم عدد ہے بارہ سے زیادہ خلفاء ہونے کے منافی نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "بارہ خلیفہ" کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی زینت اور طاقت ان خلفاء کے وجود تک رہے گی چاہے وہ 12 ہوں یازیادہ کیونکہ12 کہنے سے زائد کی نفی نہیں ہوتی۔ یہی بات علامہ عینی نے ان الفاظ میں لکھی ہے:

أنه لم يقل لا يلي إلا اثنا عشر و إنما قال يكون اثنا عشر فلا يمنع الزيادة عليهم• (عمدۃ القاری ج35ص328)

کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے یہ نہیں فرمایا کہ "صرف بارہ خلیفہ ہوں گے" بلکہ فرمایا: "بارہ ہوں گے" (یعنی بارہ کے عدد پر منحصر نہیں کیا) اس سے پتا چلا کہ بارہ سے زائد بھی خلفاء ہو سکتے ہیں۔

خلاصہ کلام: 1: اس حدیث میں جن خلفاء کا ذکر ہے ان سے مراد وہ حضرات ہرگز مراد نہیں جن کے شیعہ قائل ہیں، اس لیے کہ اہل السنت و الجماعت (جن کی کتب میں یہ حدیث درج ہے) خود اس کی تشریح جن خلفاء سے کرتے ہیں وہی معتبر ہو گی نہ کہ شیعہ حضرات کی من چاہی تشریح، مزید یہ کہ دوسری توجیہ کے مطابق تو یہ عدد حصر کے لیے ہے ہی نہیں تو ان سے حتمی طور پر بارہ مراد لینا کیسے درست ہو گا؟ البتہ اس دوسری توجیہ کے مطابق اہل السنت والجماعت کے ہاں چونکہ ان بارہ مذکورہ حضرات کے علاوہ بھی خلفاء گزرے ہیں اس لیے ان کے ہاں "بارہ" کا عدد تکثیر کے لیے بھی ہو تب بھی ان کے خلفاء پر منطبق آتا ہے۔ لہذا شیعہ حضرات کا یہ کہنا "ان (اہل السنۃ) کے مذہب سے یہ حدیث منطبق نہیں ہوتی" باطل و مردود ہے۔

2: علماء اہل السنت و الجماعت نے ان کا مصداق جن خلفاء کو قرار دیا ہے ان کے نام ماقبل میں پیش کر دیے گئے ہیں۔

3: یہ حدیث ان خلفاء پر منطبق ہوتی ہے جن کے ہم اہل السنت و الجماعت قائل ہیں۔ تفصیل عرض کر دی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ توسل

از افادات متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

تمہید:

مسئلہ کی تفصیل سے قبل چند باتیں عرض کی جاتی ہیں:

توسل کا لغوی وشرعی معنیٰ:

لغوی معنیٰ:

1: الوَسِيلَة هي في الأصْل ما يُتَوَصَّلُ به إلى الشَّيْء ويُتَقَرَّبُ به

(النہایۃ فی غریب الاثرلابن الاثیرالجزری: ج5ص402)

کہ ”وسیلہ “دراصل اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی (مطلوبہ) چیز کی طرف پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے

2: مصباح اللغات میں ہے:

الوسیلہ: تقرب حاصل کرنے کاذریعہ

(مصباح اللغات: ص946)

3: حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”توسل“ لغت میں تقرب اور نزدیکی کو کہتے ہیں قرآن شریف میں ہے: ﴿وابتغوااليہ الوسيلة﴾ یعنی اللہ کاقرب حاصل کرو

(ملفوظات حکیم الامت ج25ص123)

شرعی معنیٰ:

شرعاً توسل کا اطلاق ان اقسام پر ہوتا ہے:

توسل بالدعاء:

التوسل ... بدعاء الرجل الصالح الحي الموجود فتقول يا شيخ ادع الله لي ونحو ذلك، كما استسقى الصحابة برسول الله صلى الله عليه وسلم.

(التوسل المشروع و الممنوع: ص17)

ترجمہ: توسل بالدعاء سے مراد یہ ہے کہ زندہ نیک آدمی کو دعا کی درخواست کرنا کہ حضرت! میرے لیے اللہ سے دعا فرمائیں، جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے بارش کے لیے دعا کی درخواست کی۔

توسل بالاعمال:

هو التقرب إلى الله تعالى بطاعته وعبادته واتباع أنبيائه ورسله وبكل عمل يحبه الله ويرضاه .

(التوصل الی حقیقۃ التوسل لمحمد نسيب الرفاعي: ص13)

ترجمہ: وسیلہ بالاعمال سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت، عبادت، اس کے انبیاء و رسل کی اتباع اور ہر اس عمل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور اللہ اس سے راضی ہو۔

توسل بالذات:

و ان يتوسل بالنبی صلی اللہ علیہ و سلم و باحد من الاولياء العظام جائز بان یکون السوال من اللہ تعالیٰ و يتوسل بوليہ و نبیہ صلی اللہ علیہ و سلم۔

(امداد الفتاوىٰ: ج6 ص327)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ و سلم اور کسی ولی کی ذات سے وسیلہ کیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ مانگا تو اللہ تعالیٰ سے جائے لیکن واسطہ ولی یا نبی صلی اللہ علیہ و سلم کا ہو۔

مندرجہ بالا تین اقسام کے پیش نظر توسل کی شرعی تعریف کچھ یوں ہے:

و التوسل شرعاً هو التقرب إلى الله تعالى بدعاء النبيين و الصالحين و الاولیاء و شفاعتہم او بكل عمل يحبه الله ويرضاه من عبادتہ کالصلاۃ و الزکوٰۃ و الصیام و غیر ذلک و اتباع أنبيائه ورسله او بجاہ النبيين و الصالحين و بحرمتہم و ببرکتہم و بحقہم علی اللہ سبحانہ و تعالیٰ سواء کان فی حیاتہم او بعد وفاتہم

ترجمہ: شریعت میں توسل سے مرد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے چاہے وہ انبیاء، صالحین اور

اولیاء سے دعا کروا کر اور ان کی شفاعت سے حاصل کیا جائے یا ہر اس عمل سے کیا جائے جسے اللہ پسند فرماتا ہے جیسے اس کی عبادت کرنا مثلاً نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، روزہ رکھنا وغیرہ اور انبیاء ،رسل کی اطاعت کرنا یا انبیاء و صالحین کی جاہ، حرمت، برکت اور ان کے (اللہ پر ہونے والے) حق(یا اس قسم کے دیگر الفاظ مثلاً بطفیل فلاں، بوسیلہ فلاں وغیرہ) سے حاصل کیا جائے چاہےاس دنیوی زندگی میں ہو یا وفات کے بعد والی زندگی میں۔

فائدہ:

توسل کی ان تین اقسام میں سے توسل بالدعاء اور توسل بالاعمال اہل السنۃ وا لجماعۃ اور فریق مخالف [مماتی اور غیر مقلدین] کے ہاں متفق علیہ ہے لیکن توسل بالذات کے اہل السنۃ و الجماعۃ تو قائل ہیں البتہ فریق مخالف اس کا منکر ہے۔ اہل السنۃ وا لجماعۃ اور فریق مخالف کا موقف پیش خدمت ہے:

مذہب اہل السنت والجماعت:

1: علامہ تقی الدین علی بن عبد الکافی ابن علی السبکی الشافعی [م756ھ] لکھتے ہیں:

ان التوسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز فی کل حال قبل خلقہ وبعدخلقہ فی مدۃ حیاتہ فی الدنیا وبعد موتہ فی مدۃ البرزخ

(شفاءالسقام للسبکی: ص358)

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کا توسل لینا ہر حال میں جائز ہے چاہے آپ کی تخلیق سے پہلے ہو، آپ کی پیدائش کے بعد آپ کی دنیوی زندگی میں ہو یا آپ کی وفات کے بعد آپ کی برزخی زندگی میں ہو۔

2: علامہ احمد بن محمد القسطلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ [م923ھ] لکھتے ہیں:

و ینبغی للزائر ان یُکثِرَ من الدعاء و التضرع و الاشتغاثۃ و التشفع و التوسل بہ صلی اللہ علیہ و سلم

(المواہب اللدنیۃ: ج3ص417 الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف الخ)

ترجمہ: زائر کو چاہیے کہ بہت کثرت سے دُعا مانگے، گڑگڑائے، مدد چاہے، شفاعت کی دعا کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑے۔

3: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (م1176ھ) فرماتے ہیں:

ومن ادب الدعاء تقدیم الثناء علی اللہ و التوسل بنبی اللہ لیستجاب. (حجۃ اللہ البالغۃ ج2ص6)

ترجمہ: اور دُعا کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کو مقدّم کیا جائے تاکہ دُعا کو قبولیت کا شرف ہو۔

4: علماءدیوبند کی اجماعی و متفقہ دستاویز ”المہند علی المفند“ میں تیسرا اور چوتھا سوال توسل کے متعلق تھا، حضرات علماء دیوبند کا متفقہ مسلک اس سوال و جواب میں ملاحظہ فرمائیں:

السوال الثالث والرابع: ھل للرجل ان یتوسل فی دعواتہ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الوفاۃ ام لا؟ ایجوزالتوسل عندکم بالسلف الصالحین من الانبیاء والصدیقین والشہداء واولیاءرب العالمین ام لا؟

الجواب: عندنا وعندمشائخنا یجوزالتوسل فی الدعوات بالانبیاء والصالحین من الاولیاء والشہداء والصدیقین فی حیاتہم وبعدوفاتہم بان یقول فی دعائہ اللھم انی اتوسل الیک بفلان ان تجیب دعوتی وتقضی حاجتی الی غیرذلک

(المہند علی المفند: ص36، 37)

ترجمہ:تیسرااورچوتھا سوال:کیا وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاتوسل لینا دعاؤں میں جائز ہے یا نہیں ؟ تمہارے نزدیک سلف صالحین یعنی انبیاء ،صدیقین ،شہداء اور اولیاء اللہ کا توسل بھی جائز ہے یا ناجائز؟

جواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعا میں انبیاء ،اولیاء، شہداءاور صدیقین کا توسل جائز ہے، ان کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی، آدمی یوں دعاکرے: اے اللہ! فلاں بزرگ کے وسیلہ سے میری دعا قبول فرما اورمیری اس ضرورت کوپورافرما۔

5: حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ [م1362ھ] لکھتے ہیں:

و الثالث دعاء اللہ ببرکۃ ھذا لمخلوق المقبول و ھذا قد جوزہ الجمہور الخ

(بوادر النوادر: ص708)

ترجمہ: اور توسل کی تیسری صورت یہ ہے کی کسی مقبول مخلوق کی برکت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگے اور اسے جمہور نے جائز قرار دیا ہے۔

لہذا اہل السنت والجماعت کے نزدیک دعامیں کسی نبی یاولی کاوسیلہ دینا مستحب ،اقرب الی الاجابت اورآداب میں سے ہے۔

مذہب اہل بدعت:

موجودہ دور کے غیر مقلدین اورمماتی حضرات توسل کے منکر ہیں اور اسے ہنود و نصاریٰ کا طریقہ کہا، شرک کے اسباب قرار دیا اور مشرکین کا عقیدہ بتلایا۔ اس کا موقف ان کی چند عبارات میں ملاحظہ ہو:

غیر مقلدین حضرات کی عبارات:

1: سید طالب الرحمن صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

کسی فوت شدہ نبی یا ولی کا وسیلہ دینا جائز نہیں کیونکہ یہ عملِ صالح نہیں۔ (آئیے عقیدہ سیکھیے: ص159)

2: محمود احمد میر پوری صاحب غیر مقلد وسیلہ بالذات کو غیر مشروع قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وسیلے کا یہی وہ غیر مشروع طریقہ ہے جو انسان کو شرک میں مبتلا کر دیتا ہے۔ (فتاویٰ صراط مستقیم: ص70)

3: محمد رئیس ندوی صاحب نے توسل بالذات کے بارے میں جس قسم کی زبان استعمال کی اور قائلین توسل پر جو گالیوں کی بوچھاڑ کی وہ صرف انہی کا حصہ ہے۔ گالیاں دیتے دیتے موصوف نے توسل کی اس قسم کو مشرکانہ توسل، دعویٰ مکذوبہ و قبیحہ، حرام وغیرہ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ (مجموعہ مقالات پر سلفی تحقیقی جائزہ از رئیس ندوی: ص856 تا 872)

مماتی حضرات کی عبارات:

1: محمد حسین نیلوی صاحب اپنی کتاب ''ندائے حق''میں لکھتے ہیں:

دراصل یہ مسئلہ (توسل) ہنود ونصاری سے چلاآرہا ہے۔ (ج2 ص349 عنوان: مسئلہ وسیلہ بالذوات وا لاموات کا اصل ماخذ)

2: محمد طاہر صاحب پنجپیری کی کتاب ''البصائر مصنفہ مولوی حمد اللہ الداجوی'' کے حاشیہ میں ہے:

قائلین توسل اور پہلے دور کےمشرکین کاعقیدہ ایک جیسا ہے۔ (حاشیہ البصائر:ص237)

3: عطاء اللہ بندیالوی صاحب لکھتے ہیں:

اسلام میں وسیلہ کاکوئی ثبوت نہیں، جواز وسیلہ پر کوئی ایک آیت ،حدیث یاصحابی کا عمل موجود نہیں۔ لہذا وسیلہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے ۔

(وسیلہ کیا ہے؟ :41، 42، 46، 64)

ایک مقام پر متوسِل کے بارے میں لکھتے ہیں:

اور وہ پاگل اپنے درخواست پیش کرنے کے لیے مخلوق میں سے وسیلوں اور واسطوں کو ڈھونڈتا پھرے۔ (شرک کیا ہے :ص19)

4: میاں محمد الیاس صاحب محمد طاہر پنج پیری صاحب کی ایک تصنیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ مولانا کی پہلی مطبوعہ تصنیف ہے اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کہ اس کا موضوع''توسل و وسیلہ'' ہے جو کہ پورے ہندوستان میں عام ہے اورشرک کے بنیادی اسباب میں سے ہے۔ (مولانا طاہر کی خدمات: ص194)

توسل بالذات کا ثبوت:

حضرات انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمۃ اللہ علیہم کی ذاتوں سے توسل کرنے کا جواز کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم، اجماع امت اور سلف صالحین کے اقوال سے ثابت ہے۔ خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ و سلم سے توسل کرنے کا جواز عقلاً و نقلاً ثابت ہے۔

عقلاً ثبوت:

1: اعمال کا وسیلہ تو مسلّم ہے حتی کہ فریق مخالف بھی اس کا قائل ہے۔ اعمال فرع ہیں اورذات اصل ہے۔ بالفاظ دیگر نماز، روزہ، زکوٰۃ ، حج وغیرہ اعمال فرع ہیں اور ذات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اصل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے نکلنے والے اعمال کا نام ’’دین‘‘ ہے۔ جب اعمال اورفرع کا وسیلہ جائز ہے تو ذات پیغمبر اور اصل کا وسیلہ بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ نیز اعمال خود نہیں آئے نبی صلی اللہ علیہ و سلم لائے ہیں۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ و سلم نہ ہوتے تو اعمال ہمیں نہ ملتے۔ تو وہ اعمال جن کے وسیلے کے تم قائل ہو ان کا وسیلہ خود حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی ذات ہے۔

2: اعمال صالحہ خداوند تعالیٰ کی جانب سے نعمت ہیں، ان کا وسیلہ جائز ہے۔ حضرت انبیاء علیہم السلام و صالحین حضرات خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تمام نعمتوں کا سرچشمہ بلکہ نعمتِ کبریٰ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ (آل عمران:64)

ترجمہ:بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا۔

توجب چھوٹی نعمتوں (اعمال صالحہ وغیرہ) سے توسل کرنا جائز ہے تو بڑی نعمتوں (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمۃ اللہ علیہم)سے توسل کرنا بدرجہ اولیٰ جائز اور درست ہوگا۔

3: اعمالِ صالحہ چونکہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں، اس لیے ان سے توسل جائز ہے تو انبیاء علیہم السلام ان سے بڑھ کر تقرب کا ذریعہ ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ایمان نہ ہو تو اعمال صالحہ سے قربِ خداوندی نہیں ملتا اور اگر ایمان ہو اور اعمالِ صالحہ بھی ہوں تو اعمالِ صالحہ سے اتنا قربِ خداوندی نہیں ملتا جتنا پیغمبر کی ذات سے ملتا ہے۔

اول کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ [سورۃ الزمر:65]

کہ اگر تم نے شرک کا ارتکاب کیا تو تمہارے سارے اعمال غارت جائیں گے اور تم یقینی طور پر سخت نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔

ثانی کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:

لا تسبوا أحدا من أصحابي فإن أحدكم لو أنفق مثل أحد ذهبا ما أدرك مد أحدهم ولا نصيفه

(صحیح مسلم: ج2 ص310 باب تحریم سب الصحابہ)

کہ میرے صحابہ کی شان میں نازیبا کلمہ نہ کہنا اس لیے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے اور یہ (صحابہ رضی اللہ عنہم) ایک جو مٹھی بھر جَوخرچ کریں تو تمہارا احد پہاڑ کے برابر سونا اِن کی مٹھی بھر جو کے برابر نہیں۔

مٹھی بھرجَو خرچ کرنا چھوٹا عمل ہے، احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنا بڑا عمل ہے۔ اب یہاں احد پہاڑ کی مثل سونا مٹھی بھر جَو کے برابر اس لیے نہیں کہ مٹھی بھرجَو کو ذاتِ پیغمبر کی صحبت ملی ہےاور ہمارے احد پہاڑ کی مثل سونے کو ذاتِ پیغمبر کی صحبت نہیں ملی۔ ثابت ہوا کہ اعمال صالحہ سے اتنا قربِ خداوندی نہیں ملتا جتنا پیغمبر کی ذات سے ملتا ہے۔

کتاب اللہ سے توسل کا ثبوت:

پہلی آیت:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہود کے بارے میں فرمایا :

﴿وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ﴾ (سورۃ البقرۃ:89)

ترجمہ: اور اس سے پہلے وہ اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ(م 1239ھ) لکھتے ہیں:

ابو نعیم اوربیہقی اورحاکم نےساتھ اسناد صحیحہ اورطرق متعددہ کے روایت کی ہے کہ یہودی مدینہ کے اوریہودی خیبر کے جس وقت ساتھ بت پرستوں عرب کے یعنی فرقہ بنی اسد اوربنی غطفان اورجہینہ اورغدرہ کے جنگ کرتے تھے، مغلوب ہوجاتے اورشکست کھاتے، لاچارہوکرطرف دانشمندوں اور کتاب اپنے کے رجوع کیا انہوں نے بعدتامل بسیار کے، یہ دعا اپنے سپاہیوں کو تعلیم

کی کہ لڑائی کے وقت میں پڑھا کریں، پھرمغلوب نہ ہوئے اورفتح پاتے تھے، دعا یہ ہے:

اللھم ربنا انا نسالک بحق احمدَ النَّبِیِّ الامی الذی وعدتَّنا ان تخرجہ لنا فی آخرالزمان وبکتابک الذی تنزل علیہ آخرماینزل ان تنصرناعلی اعدائنا ۔

(تفسیرعزیزی: ج2ص581)

ترجمہ: اے اللہ!ہم تجھ سے حضرت احمد صلی اللہ علیہ و سلم کے حق اور وسیلے سے جو نبی امی ہیں، جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ اس کو تو آخری زمانہ میں بھیجے گا، اور اس کتاب کے وسیلہ سے جس کا تو نے آخری زمانہ میں نازل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، سوال کرتے ہیں کہ آج کے دن تو ہمیں ہمارے دشمن پر غلبہ عطا فرما۔

علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ [م1270ھ] لکھتے ہیں:

وہ لوگ یہ دعا کرتے تھے:

اللهم إنا نسألك بحق نبيك الذي وعدتنا أن تبعثه في آخر الزمان أن تنصرنا اليوم على عدونا . (روح المعانی:ج1ص320)

ترجمہ: اے اللہ!ہم تجھ سے تیرے اس رسول کے حق اور وسیلے سے جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ اس کو تو آخری زمانہ میں بھیجے گا، سوال کرتے ہیں کہ آج کے دن تو ہمیں ہمارے دشمن پر غلبہ عطا فرما۔

شیخ ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی رحمہ اللہ(م1336 ھ) لکھتے ہیں:

مدینہ کے یہود بنی اسد اوربنی غطفان وغیرہ قبائل عرب سے جب شکست کھاکرعاجز ہوئے تواپنے علماءکی تعلیم سے دعاکیاکرتے تھے: اللھم ربنا انا نسالک بحق احمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجہ لنا فی آخرالزمان وبکتابک الذی تنزل علیہ آخرماینزل ان تنصرناعلی اعدائنا کہ الٰہی ہم کو ببرکت نبی آخرالزمان محمدصلی اللہ علیہ وسلم کے اورببرکت قرآن مجید کے ہمارے دشمنوں پر فتح یاب کر۔

(تفسیرحقانی: ج1ص510)

شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ(م1394 ھ) اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

حالانکہ نزولِ قرآن اورآپ کی بعثت سے پہلے ہی لوگ کافراوربت پرستوں کے مقابلہ میں آپ کے نام کی برکت سے فتح ونصرت اللہ سے مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ یہودمدینہ اوریہودخیبر کی جب عرب کےبت پرستوں سے لڑائی ہوتی تویہ دعا مانگتے:

اللھم ربنا انا نسالک بحق احمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجہ لنا فی آخرالزمان وبکتابک الذی تنزل علیہ آخرماتنزل ان تنصرناعلی اعدائنا۔

(تفسیرمعارف القرآن کاندھلوی: ج1ص233)

ترجمہ: اے اللہ!ہم تجھ سے حضرت احمد صلی اللہ علیہ و سلم کے حق اور وسیلے سے جو نبی امی ہیں، جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ اس کو تو آخری زمانہ میں بھیجے گا، اور اس کتاب کے وسیلہ سے جس کا تو نے آخری زمانہ میں نازل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، سوال کرتے ہیں کہ آج کے دن تو ہمیں ہمارے دشمن پر غلبہ عطا فرما۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ یہود مدینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل آپ کے وسیلہ سے دعا مانگتے تھے ۔

اعتراض:

اس آیت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ توسل بالذات یہود کا طریقہ تھا اور یہی کچھ مماتی حضرات کہتے ہیں۔

جواب:

اولاً---- اصول الفقہ کی مشہور کتاب ”نور الانوار“ میں ملا جیون(م 1130ھ) فرماتے ہیں:

شرائع من قبلنا شریعتنا ما لم تنسخ

(نور الانوار: ص227 بحث الفرق بین الہام النبی صلی اللہ علیہ و سلم و غیرہ)

ترجمہ: ہم سے پہلی شریعتیں جب تک منسوخ نہ ہو جائیں تونہیں بھی ہماری شریعت سمجھا جائے گا۔

علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ (م1270ھ) فرماتے ہیں:
مذهبنا في شرع من قبلنا وإن كان إنه يلزمنا على أنه شريعتنا لكن لا مطلقا بل إن قصه الله تعالى علينا بلا إنكار
(روح المعانی: ج8 ص239 تحت سورۃ کہف آیت21)
ترجمہ: پہلی شریعتوں کے بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بغیر انکار کے ہمیں بیان فرما دیں تو ہمارے لیے بھی ان کا حکم ثابت ہو گا۔
شریعت محمدیہ علی صاحبہا السلام میں توسل بالذات سے منع نہیں آیا بلکہ اس کا اثبات منقول ہے جیسا کہ آگے دلائل میں آرہا ہے۔ لہذا اس آیت سے توسل کا جواز ثابت ہوا۔
ثانیاً۔۔ اگر اسی شبہ پر توسل بالذات کا انکار کر دیا جائے کہ یہ پہلی شریعتوں کا مسئلہ ہے تو ہم ان منکرین سے پوچھتے ہیں کہ توسل بالاعمال کے آپ بھی توقائل ہیں اور اس پر جو اصحاب الغار والا واقعہ پیش کرتے ہیں تو وہ بھی اس امت کے اولیاء نہیں تھے بلکہ بنی اسرائیل کے اولیاء تھے، تو پھر اس کا انکار کر دیا جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے توسل کا تذکرہ کیا اور تردید نہیں فرمائی تو وہ اب ہماری شریعت ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے اصحاب الغاروالی حدیث بیان فرمائی اور تردید نہیں فرمائی تو وہ بھی ہماری شریعت ہے۔

دوسری آیت:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا(سورۃ النساء:64)
ترجمہ: اور جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر یہ اس وقت تمہارے پاس آ کر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا، بڑامہربان پاتے۔
اس آیت میں دو چیزیں ہیں:
1: ان لوگوں کا اپنا استغفار 2: نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کا استغفار
اللہ تعالیٰ نے صرف ان کے استغفار پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ و سلم کے استغفار کا بھی ذکر کیا۔ تو جس طرح ان کے اپنے استغفار کا ذکر کیا درمیان میں پیغمبر کی ذات کو بھی ذکر کیا۔ پیغمبر کو شامل کرنے پر دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ جَاءُوكَ ﴾ ہے کہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس آئیں۔ اگر صرف استغفار ہی کافی تھا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے پاس آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ معلوم ہوا کہ عام استغفار کے قبول ہونے میں ان لوگوں کی ذات کو دخل ہے لیکن وہ استغفار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی ذات کے قریب آکر کیا جائے اس کی قبولیت میں ذاتِ نبوت کو دخل ہے ورنہ ﴿ جَاءُوكَ ﴾ ذکر نہ فرماتے۔
امام مالک بن انس المدنی (م179ھ) اسی آیت سے جواز وسیلہ پر استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ منصور مدینہ منورہ آیا اور اس نے امام مالک سے دریافت کیا :
استقبل القبلۃ و ادعو ام استقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم؟ فقال: و لم تصرف وجہک عنہ و ہو وسیلتک و وسیلۃ ابیک آدم علیہ ا لسلام الی اللہ یوم القیامۃ؟ بل استقبلہ وا ستشفع بہ فیشفعہ اللہ۔ قال اللہ تعالیٰ: و لو انہم اذ ظلموا انفسہم الایۃ. (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ج2 ص26 الباب الثالث فی تعظیم امرہ و وجوب توقیرہ)
ترجمہ: میں قبر نبوی کی زیارت کرتے وقت دعا کرتے ہوئے قبلہ رخ ہوں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کروں ؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: اے امیر! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے منہ کیوں موڑتے ہیں حالانکہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے روز قیامت وسیلہ ہیں ، بلکہ اے امیر! آپ کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی جانب متوجہ رہیے اور حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی شفاعت کے طلب گار رہیے، اللہ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: جب ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر یہ اس وقت تمہارے پاس آ کر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا، بڑامہربان پاتے۔
علامہ تقی الدین السبکی الشافعی (م756ھ) اس آیت کو توسل بالذوات کی دلیل قرار دیتے

ہوئے لکھتے ہیں:

والاحادیث و الآثار فی ذلک اکثر من ان تحصر، و لو تتبعتہا لوجدت منہا الوفاً، و نص قولہ تعالیٰ:﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ﴾ الآیۃ صریح فی ذلک.
(شفاء السقام: ص376 الباب الثامن فی التوسل وا لاستغاثہ و التشفع بالنبی صلی اللہ علیہ و سلم)

ترجمہ: توسل بالذوات کے بارے میں احادیث و آثار شمار سے باہر ہیں، اگر آپ ان کو جمع کریں تو ان کی تعداد ہزاروں میں پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ﴾ توسل بالذوات کے جواز میں نص صریح ہے۔

تیسری آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ الایۃ

(سورۃ المائدۃ:35)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو ۔

امام ابو عبد اللہ الحاکم رحمۃ اللہ علیہ (م405ھ) نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو) کے بارے میں یہ بات بیان کی ہے:

لقد علم المحفوظون من أصحاب محمد صلى الله عليه و سلم أن ابن أم عبد الله من أقربهم إلى الله وسيلة

(المستدرک علی الصحیحین: ج3ص37 کتاب التفسیر تحت سورۃ المائدۃ)

ترجمہ: بے شک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کے اصحاب میں سے محفوظ حضرات نے جان لیا کہ ابن ام عبد اللہ (حضرت عبد اللہ بن مسعود) وسیلہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب ان حضرات میں سے اقرب اشخاص میں ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ زاہد بن الحسن الکوثری رحمہ اللہ (م1371ھ) لکھتے ہیں:

والوسیلۃ بعمومہا تَشمَل التوسل بالاشخاص، و التوسل بالاعمال-- اما شمول الوسیلۃ فی الآیۃ المذکورۃ للتوسل بالاشخاص فلیس برای مجرد و لا ہو بماخوذ من العموم اللغوی فحسب بل ہو الماثور عن عمر الفاروق رضی اللہ عنہ الخ

(مقالات الکوثری: ص286)

ترجمہ: اس آیت میں لفظ "الوسیلۃ" عموم کے پیش نظر ذاتوں کے وسیلہ کو بھی شامل ہے اور اعمال کے وسیلہ کو بھی-- آیت مذکورہ میں وسیلہ کا توسل بالاشخاص کو شامل ہونا محض رائے سے نہیں اور نہ ہی لفظ کے عمومِ لغوی کا نتیجہ ہے بلکہ یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے الخ۔

آگے علامہ کوثری رحمہ اللہ نے کئی ایک آثار ذکر فرمائے ہیں جن سے توسل بالاشخاص ثابت ہوتا ہے۔

وسیلہ ذوات واعمال دونوں کو اس لئے شامل ہے کہ وسیلہ سے مراد "قربت" ہے، جیسا کہ عامہ مفسرین نے فرمایا ہے۔

(دیکھیے تفسیر الدر المنثور، تفسیر ابن کثیر، تفسیر جلالین وغیرہ)

چوتھی آیت:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ

(سورۃ الانفال:33)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) اللہ ایسا نہیں ہے کہ اِن کو اِس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں ہے جب کہ وہ بخشش مانگتے ہوں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ(م279 ھ)نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری اُمت کے لئے دو امانتیں نازل فرمائیں:

{وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ } {وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ} إذا مضيت تركت فيهم الاستغفار إلى يوم القيامة. (جامع الترمذی: ج2 ص139 ابواب التفسیر، تحت تفسیر سورۃ الانفال)

ترجمہ: ایک امانت یہ آیت: "اور اللہ ایسا نہ کرے گا کہ انہیں تیرے ہوتے ہوئے عذاب دے"اور دوسری یہ آیت: " اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں ہے جب کہ وہ بخشش مانگتے ہوں"۔ پس جب میں (دنیا) سے چلا جاؤں گا تو ان میں استغفار کو قیامت تک کے لئے چھوڑ جاؤں گا۔

عذاب سے بچنے کے دو سبب اس آیت میں ذکر کیے گئے ہیں۔ایک سبب پہلے حصہ میں وارد الفاظ: ﴿وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ و سلم ان میں تشریف فرما ہوں اس وقت تک عذاب نہ آئے گا اور دوسرا سبب ان الفاظ: ﴿وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ سے معلوم ہو رہا ہے۔ تو یہاں پہلا جملہ ﴿وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ ذوات کے بیان کے لئے ہے اور دوسرا جملہ ﴿وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ اعمال کے بیان کے لئے ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ذوات کا وسیلہ بھی جائز ہے اور اعمال کا بھی جائز ہے۔

احادیث مبارکہ سے توسل کا ثبوت:

حدیث نمبر 1:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ

(صحیح البخاری: ج1ص137 باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

ترجمہ: جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو عمر بن خطاب، عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے دعا کرتے اور فرماتے کہ اے اللہ! ہم تیرے پاس تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ لے کر آیا کرتے تھے تو تو ہمیں سیراب کرتا تھا، اب ہم لوگ اپنے نبی کے چچا (عباس رضی اللہ عنہ) کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ہمیں سیراب کر۔ راوی کا بیان ہے کہ لوگ سیراب کئے جاتے(یعنی بارش ہوجاتی)۔

اعتراض:

اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وسیلہ بالاحیاء تو جائز ہے ، وسیلہ بالاموات جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ دیا ہے۔ اگر اموات کا وسیلہ جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ ذات کا وسیلہ نہ دیا جاتا۔

جواب:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات سے توسل کرنے کی یہ وجوہات ہیں:

1: حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسلیہ سے یہ بتانا چاہتے تھے کہ جس طرح انبیاء علیہم السلام کا توسل جائز ہے اسی طرح غیر الانبیاء کا توسل بھی جائز ہے۔

2: یہ بتانا مقصود تھا کہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صورتیں ہیں، ایک بذات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری توسل باھل قرابت النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

3: یہ بتانا مقصود تھا کہ غیر انبیاء علیہم السلام کا توسل بھی رحمت وبرکت کا باعث ہے
-

4: انسانی طبعیت کا تقاضا یہ ہے کہ محسوس ، موجود اور مبصر پر زیادہ مطمئن ہوتی ہے ۔ جیسے اگر کوئی آدمی روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جا رہا ہو تو اس کو سلام پہنچانے کا واسطہ بنایا جاتا ہے ۔ حالانکہ سلام تو فرشتے بھی پہنچاتے جن کی رفتار بھی تیز ہے اور سلام پہنچانا بھی یقینی ہے۔ اسی لیے بتقاضائے انسانی حضر ت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کا توسل لیا۔

رہا معترض کا یہ کہنا کہ ”وسیلہ بالاحیاء تو جائز ہے ، وسیلہ بالاموات جائز نہیں“ بلا دلیل وحجت ہے ۔ اس لیے کہ :

1: یہ دعویٰ نہ دلالت النص سے ثابت ہے ، نہ عبارت النص سے ،نہ اشارۃ النص ہے نہ اقتضاء النص سے۔

2: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذات سے توسل لینے میں تو توسل بالاموات کا اثبات ہوتا ہے کہ نہ انکار۔ اس لیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا”اللہم انا نتوسل الیک بنبیا فتسقینا “ اور یہ ضابطہ ہے کہ صحابی کے اس قول ”کنا نفعل کذا“ (ہم ایسا کیا کرتے تھے) کا مطلب یہ کہ ہم جوبات کہہ رہے ہیں اس قول

کے وقت تک ہمارا یہی عمل ہے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس وقت تک (یعنی قحط والے سال تک) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا وسیلہ دیتے آئے ہیں ۔ اب اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی آپ کی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کے بعد والی زندگی دونوں کا زمانہ شامل ہے۔ لہذا اس سے تو توسل بالاحیاء بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا۔

3: حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل بھی درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل تھا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ تھے ”وانا نتوسل الیک بعم نبینا“ یہاں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی جو نسبت حضو ر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے یعنی”عم“ (چچا) والی نسبت کو ذکر کیا ہے پھر وسیلہ مانگا ہے ۔ معلوم ہوا کہ صرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ نہیں بلکہ اس عباس رضی اللہ عنہ کا وسیلہ مانگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں ۔ تو حضو ر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات درمیان میں آتی ہے۔

فائدہ:

یہ جوابات اور مؤقف حضرات اکابر کی عبارات اور تصریحات سے واضح ہوتا ہے جنہوں نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے، ذیل میں ان مستدلین حضرات پیش خدمت ہیں:

مستدلین:

1: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (م 852ھ)نے فتح الباری میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی سند کے ساتھ اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

إن رسول الله صلى الله عليه و سلم كان يرى للعباس ما يرى الولد للوالد فاقتدوا أيها الناس برسول الله صلى الله عليه و سلم في عمه العباس واتخذوه وسيلة إلى الله وفيه فما برحوا حتى سقاهم الله

(فتح الباری: ج2ص641 باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

ترجمہ:” رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی نظر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا مرتبہ ایسا تھا جیسا اولاد کی نظر میں والد ہوتا ہے، اس لیےاے لوگو!حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے چچاحضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارےمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی اقتداء کرو اور ان کواللہ تعالیٰ کی جانب وسیلہ بناؤ۔“ ابھی دعا مانگ رہے ہوتے کہ دعا کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

2: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ(م 1362ھ) اس حدیث مبارک کو نقل کرکے فرماتے ہیں:

”ف: مثل حدیث بالااس سے بھی توسل کاجواز ثابت ہے اورنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو جوازتوسل ظاہرتھا ،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کواس قول سے یہ بتلاناتھا کہ غیرانبیاء سے بھی توسل جائز ہے، تو اس سے بعض کا سمجھنا کہ احیاء واموات کا حکم متفاوت ہے بلادلیل ہے ۔اول تو آپ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں، دوسرے جوعلت جواز کی ہے جب وہ مشترک ہے توحکم کیوں مشترک نہ ہوگا ؟

(التکشف: ص675 بعنوان: غیر انبیاء سے بھی توسل جائز ہے)

3: شیخ الاسلام شیخ زاہد بن حسن الکوثری رحمہ اللہ (م1371ھ)اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان قول الصحابی: ((کنا نفعل کذا)) ینصَبُّ علی ما قبل زمن القول فیکون المعنی ان الصحابۃ رضی اللہ عنہم کانوا یتوسلون بہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حیاتہ و بعد لحوقہ بالرفیق الاعلیٰ الی عام الرماد و قصر ذلک علی ما قبل وفاتہ علیہ السلام تقصیر عن ہوی و تحریف للنص و تاویل بدون دلیل

(مقالات الکوثری: ص287)

ترجمہ: صحابی کے اس قول کا کہ ((کنا نفعل کذا)) [ہم ایسا کیا کرتے تھے] مطلب یہ ہے کہ یہ فعل اس قول کے وقت سے پہلے والے زمانے میں ہوتا رہا ہے۔ لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول (إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ) کا مطلب یہ ہو گا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا توسل آپ علیہ السلام کی حیات میں اور آپ علیہ السلام کے خدا تعالیٰ کے پاس جانے کے بعد سے لے کر قحط والے سال تک کرتے رہے ہیں۔ اس توسل کو حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی وفات سے قبل والے زمانے(یعنی صرف حیاتِ دنیوی جو وفات سے پہلے وہ زمانہ ہے) کے ساتھ خاص کرنا

خواہشات کی پیروی، نصوص میں تحریف اور بلا دلیل تاویل کرنے کے مترادف ہے۔

4: شیخ الاسلام مولانا ظفراحمدعثمانی رحمہ اللہ (م 1394ھ)ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرات صحابہ کا بعدوصال نبوی علیہ الصلوۃ والسلام الی یوم القیامہ کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے استسقاء میں توسل کرنا ہرگزاس امر پردال نہیں کہ بعد وصال کے حضور سے توسل فی الدعاء ممنوع ہوگیا تھا ۔اگرکسی کو دعویٰ ہے تو دلالت النص وعبارت النص یا اشارۃ النص واقتضاء النص کے طریق سے کسی طریقہ سے ثابت کرے کہ یہ حدیث اس امر پر کیونکر دال ہے ۔بلکہ اگر غور کیا جائے تو خود اس واقعہ میں بھی توسل بسید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم تھا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: ((اَللّٰھُمَ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بِعَمِّ نَبِیِّكَ وَصِنْوِ اَبِیْہِ)) یہاں بھی در حقیقت حضور صلی اللہ علیہ و سلم ہی سے توسل تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس توسل بالنبی صلی اللہ علیہ و سلم کی تقویت کے لئے آگے کیا تھا۔

(امداد الاحکام: ج1ص133)

5: فقیہ العصر مفتی رشیداحمدلدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ(م1422 ھ) اس حدیث مبارک کو نقل کرکے فرماتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے بعض حضرات نے جوازتوسل کی تخصیص بالاحیاء کا دعوی کیا ہے جو صحیح نہیں، جب توسل ثابت ہوگیا تو احیاء و اموات میں ما بہ الفرق کیاہے؟ اگر کچھ فرق تسلیم کر لیا جائے تو مسئلہ برعکس ہونا چاہیئے کیونکہ زندہ انسان تغیراحوال سے مامون نہیں، اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ کسی کی اقتداء کرنا چاہو تو میت کی اقتداء کرو:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ: من كان مستنا فليستن بمن قد مات فإن الحي لا تؤمن عليه الفتنة الحدیث رواہ رزین (مشکوٰ: ص32)

پس جب باجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم توسل با لحی کا استحباب ثابت ہوا توتوسل بالمیت بطریق اولی مستحب ہوگا۔ علاوہ ازیں دلیل اول، ثالث اور رابع توسل بالمیت کے باب میں صریح ہیں۔

باقی رہا یہ اشکال کہ حضرت عمررضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سےکیوں توسل کیا ؟ سو اس کی چند توجیہات ہوسکتی ہیں:

۱: حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے توسل کے ساتھ آپ کی دعا بھی مقصود تھی۔

۲: اس پرتنبیہ مقصود تھی کہ توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صورتیں ہیں؛ ایک توسل بذاتہ دوسری توسل باہل قرابتہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳: یہ بتانا مقصود تھا کہ توسل بغیر الانبیاء علیہم السلام من الاولیاء والصلحاء بھی باعث برکت وجالب رحمت ہے۔

۴: طبع انسانی اپنے اندر موجود محسوس مبصر شخص پر زیادہ مطمئن ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام بھیجنے اور دعا کی درخواست پہنچانے میں انسانی وسائط کا اہتمام کیا جاتا ہے، حالانکہ ملائکہ کا واسطہ انتہائی سریع ہونے کے ساتھ انتہائی قوی بھی ہے، نہ ادائے امانت میں غفلت کا خطرہ، نہ نسیان کا اندیشہ ۔

(احسن الفتاویٰ :ج1ص 334، 335)

حدیث نمبر2:

عن عثمان بن حُنَيْف : أن رجلا ضرير البصر أتى النبي صلى الله عليه و سلم فقال ادع الله لى أن يعافيني . فقال (إن شئت أخرت لك وهو خير . وإن شئت دعوت) فقال ادعه . فأمره أن يتوضأ فيحسن وضوءه . ويصلي ركعتين . ويدعو بهذا الدعاء (اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بمحمد نبي الرحمة . يا محمد إني قد توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى . اللهم فشَفِّعْه فِيَّ)

(سنن ابن ماجۃ: ص99 باب صلوٰۃ الحاجۃ، مسند احمد بن حنبل: ج13ص315 رقم الحدیث 17175، المعجم الصغیر للطبرانی: ص183 من اسمہ طاہر، التاریخ الکبیر للبخاری: ج6ص56 رقم الترجمۃ 2191)

ترجمہ: حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک نابیناآدمی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اللہ سے میرے لئے عافیت اور تندرستی کی دعا مانگیے ۔ آپ نے فرمایا: اگر چاہو تو آخرت کے لئے دعا مانگوں، یہ تمہارے لئے بہتر ہے

اور چاہو تو (ابھی) دعا کر دوں ؟ اس نے عرض کیا: دعا فرما دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کہا کہ اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعتیں پڑھ کر یہ دعا مانگو:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْکَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِکَ إِلٰى رَبِّي فِي حَاجَتِي هٰذِهِ لِتُقْضَى اللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ

[اے اللہ ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں اور آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں رحمت والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے، اے محمد! میں نے آپ کے وسیلہ سے اپنے پروردگار کی طرف توجہ کی اپنی اس حاجت کے سلسلہ میں تاکہ یہ حاجت پوری ہو جائے، اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش میرے بارے میں قبول فرما لیجئے ۔]

تصحیح حدیث:

(1) امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ (م273 ھ)نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا:

قال أبو إسحاق هذا حديث صحيح

(سنن ابن ماجۃ: ص99 باب صلوٰۃ الحاجۃ)

ترجمہ: ابو اسحاق نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

(2) امام ابو عیسیٰ ترمذی (م279 ھ)فرماتے ہیں:

هذا حديث حسن صحيح

(جامع الترمذی:ج2ص198، ابواب الدعوات)

ترجمہ: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(3)امام ابو عبد اللہ الحاکم (م 405ھ)اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه

(المستدرك للحاکم: ج1ص621 دعاء رد البصر رقم الحديث 1221)

ترجمہ: یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کو تخریج نہیں کیا۔

(4) ناصر الدین البانی غیر مقلد(م 1420ھ)اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

صحيح. (جامع الترمذی باحکام الالبانی: رقم الحدیث3578)

کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(5) مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

اسناده صحيح. (صحیح ابن خزیمۃ: ج2ص225 باب صلاۃ الترغیب الترہیب)

ترجمہ: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

مستدلین:

1: قاضی محمد بن علی شوکانی(م 1250ھ) لکھتے ہیں:

وفي الحديث دليل على جواز التوسل برسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الله عز وجل مع اعتقاد أن الفاعل هو الله سبحانه وتعالى

(تحفۃ الذاکرین: ص208)

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا توسل پکڑنا جائز ہے، لیکن اعتقاد یہ ہو کہ فاعل (و مختار) ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

2: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ(م1362 ھ) یہ حدیث نقل کرنے کے بعدفرماتے ہیں:

”اس سے توسل صراحتا ثابت ہوا اور چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے لئے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں،اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دعا کا جائز ہے اسی طرح توسل دعا میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔“ (نشر الطیب: ص240 اڑتیسویں فصل)

3: مفتی اعظم ہند مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ(م 1372ھ) توسل کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

اکثرجواز کے قائل ہیں --- اللھم انی اتوجہ الیک بنبیک نبی الرحمۃ [الخ] حدیث میں موجود،مذکورہے جوجوازکے لئے دلیل ہے۔

(کفایت المفتی: ج2ص85)

اعتراض:

اس روایت کی سندمیں راوی ''ابو جعفر''سے مراد ''ابوجعفرعبداللہ بن مسور المدائنی'' ہے جوضعیف بلکہ وضاع ہے۔

جواب نمبر1:

یہاں ابوجعفرسے مراد''ابوجعفرعمیربن یزیدالانصاری الخَطْمِی المدنی'' ہے۔

1: امام ابوبکراحمد بن محمد المعروف بابن السنی (م364ھ)نے یہی حدیث نقل کی جس میں ''الخطمی'' کی صراحت ہے: عن أبي جعفر المدني وهو الخطمي

عمل الیوم والیلۃ: رقم الحدیث 627

2: مسند احمد کے بھی ایک طریق میں الخطمی کی صراحت ہے:

حَدَّثَنَا مُؤَمَّلٌ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ يَعْنِي ابْنَ سَلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ الْخَطْمِيُّ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ ذَهَبَ بَصَرُهُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ

مسنداحمد: رقم الحدیث 17242

3: أخبرنا حمزة بن العباس العقبي ببغداد ثنا العباس بن محمد الدوري ثنا عون بن عمارة البصري ثنا روح بن القاسم عن أبي جعفر الخَطْمِي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف رضي الله عنه أن رجلا ضرير البصر[الحديث]

المستدرک للحاکم: ج2ص213رقم1972

4: أخبرنا أبو محمد عبد العزيز بن عبد الرحمن بن سهل الدباس بمكة من أصل كتابه ثنا أبو عبد الله محمد بن علي بن زيد الصائغ ثنا أحمد بن شبيب بن سعيد الحبطي حدثني أبي عن روح بن القاسم عن أبي جعفر المدني وهو الخَطْمِي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وجاءه رجل ضرير فشكا إليه ذهاب بصره[الحديث]

المستدرک للحاکم: ج2ص213رقم1973

5: عن روح بن القاسم عن أبي جعفر الخَطْمِي المدني [الحديث]

المعجم الصغیر للطبرانی: رقم الحدیث 508

6: امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ترمذی مطبوعہ مصر میں''وهو الخَطْمِي ''کے الفاظ ہیں اورہندی نسخہ میں غالباً کتابت کی غلطی کیوجہ سے لفظ ''غیر''زائد ہوگیا۔

تسکین الصدور: ص432

چنانچہ المکتبۃ الشاملۃ میں موجودترمذی کے نسخہ میں ''وهو الخَطْمِي''کی صراحت ہے۔

جامع الترمذی: رقم3578 المکتبۃ الشاملۃ

7: وقال الترمذي هذا حديث حسن صحيح غريب لا نعرفه إلا من هذا الوجه من حديث أبي جعفر وهو غير الخَطْمِي

هكذا وقع في الترمذي وسائر العلماء قالوا هو أبو جعفر الخطمي وهو الصواب.

القاعدۃ الجلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ لابن تیمیۃ: ج2ص202

جواب نمبر2:

اس روایت کی اسناددرج ذیل ہیں :

سند نمبر1:

حدثنا محمود بن غيلان حدثنا عثمان بن عمر حدثنا شعبة عن أبي جعفر عن عمارة بن خزيمة بن ثابت عن عثمان بن حنيف

جامع الترمذی: رقم3578

سند نمبر2:

حدثنا محمد بن بشار و أبو موسى قالا حدثنا عثمان بن عمر نا شعبة عن أبي جعفر المدني قال سمعت عمارة بن خزيمة يحدث عن عثمان بن حنيف. صحیح ابن خزیمۃ: رقم 1219

سند نمبر3:

حَدَّثَنَا رَوْحٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ الْمَدِينِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عُمَارَةَ بْنَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ يُحَدِّثُ

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ

مسنداحمد: رقم الحديث 17242

سند نمبر4:

أخبرنا أبو محمد عبد العزيز بن عبد الرحمن بن سهل الدباس بمكة من أصل كتابه ثنا أبو عبد الله محمد بن علي بن زيد الصائغ ثنا أحمد بن شبيب بن سعيد الحبطي حدثني أبي عن روح بن القاسم عن أبي جعفر المدني وهو الخَطْمِي عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف

المستدرك للحاكم: ج2ص213رقم1973

سند نمبر5:

أخبرني زكريا بن يحيى قال حدثنا محمد بن المثنى قال حدثنا معاذ بن هشام قال حدثني أبي عن أبي جعفر عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه

السنن الكبرى للنسائی: ج6ص169رقم 10420

سند نمبر6:

أخبرنا محمد بن معمر قال حدثنا حبان قال حدثنا حماد قال أخبرنا جعفر[والصوب ابوجعفر] عن عمارة بن خزيمة عن عثمان بن حنيف

السنن الكبرى للنسائی:ج6ص168رقم 10419

الحاصل ان روایات میں امام ابوجعفرالخطمی کے اساتذہ یہ ہیں:

1: عمارہ بن خزیمہ 2: ابوامامہ

اورشاگردیہ ہیں:

1: شعبہ 2: روح بن قاسم 3: ہشام 4: حمادبن سلمۃ

کتب اسماء الرجال میں ان حضرات کا شمارامام ابوجعفر المدنی الخطمی کے اساتذہ اورشاگردوں میں کیا گیا ہے نہ کہ ابوجعفرعبداللہ بن مسور المدائنی کے اساتذہ و شاگردوں میں۔

عن ابی جعفر المدینی سمع عمارة بن خزيمة بن ثابت عن عثمان بن حنيف

التاریخ الکبیرلامام البخاری ج6ص210

عن ابی جعفر يزيد بن عمير أو عمير بن يزيد عن ابی امامة بن سهل رضی الله عنه عن عمه

التاریخ الکبیرلامام البخاری ج6ص210

عن روح بن القاسم: عن ابی جعفر المدينی عن ابی امامة بن سهل بن حنيف: عن عمه عثمان ابن حنيف رضی الله عنه

التاریخ الکبیرلامام البخاری ج6ص210

أبو جعفر الخَطْمِي اسمه عمير بن يزيد--- يروى عن أبيه وسعيد بن المسيب روى عنه شعبة وحماد بن سلمة

كتاب الثقات لابن حبان رقم الترجمه 10028

عمير بن يزيد بن عمير بن حبيب بن خماشة أبو جعفر الخَطْمِي بصرى ولجده صحبة روى عن ابيه عن جده وعن ابن المسيب ومحمد بن كعب وروى هو عن جده ايضاً روى عنه حماد بن سلمة سمعت ابى يقول ذلك قال أبو محمد وروى عنه شعبة بن الحجاج وهشام الدستوائى وروح بن القاسم

الجرح والتعديل للرازى ج6ص379رقم الترجمه 2099

أبو جعفر الخَطْمِي واسمه عمير بن يزيد ----وروى عنه شعبة وحماد ابن سلمة ويحيى بن سعيد القطان

الطبقات الكبرى لابن سعد ج1ص347رقم الترجمه 257

عمير بن يزيد أبو جعفر الخَطْمِي عن بن المسيب وأبي أمامة بن سهل وعنه شعبة والقطان وعدة ثقة

الكاشف لامام ذهبی ج2ص98رقم الترجمه 4290

عمير بن يزيد بن عمير بن حبيب بن خماشة ويقال ابن حباشة الانصاري أبو جعفر الخَطْمِي المدني ---روى عن أبيه وخاله عبدالرحمن بن عقبة وأبي أمامة بن سهل بن حنيف وسعيد ابن المسيب ومحمد بن كعب القرظي وعمارة بن خزيمة بن ثابت والحارث بن فضيل الخَطْمِي وعمارة بن عثمان بن حبيب.وعنه هشام الدستوائي وعدي بن الفضل وشعبة وروح ابن القاسم وحماد بن سلمة ويوسف السمتي ويحيى القطان. تهذيب التهذيب ج5ص139رقم الترجمہ 2168

جواب نمبر3:

علامہ شمس الدین الذہبی (م748ھ) میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

ورمزت على اسم الرجل من أخرج له في كتابه من الائمة الستة: البخاري،[خ] ومسلم[م]، وأبی داود،[د] والنسائي، [س] والترمذي، [ت]وابن ماجه [ق]برموزهم السائرة.

(میزان الاعتدال للذہبی: ج1 ص46 مقدمۃ المصنف)

ترجمہ: ہر راوی کے نام کے ساتھ میں نے وہ علامت لگائی ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ صحاح ستہ میں سے کس کس محدث نے ان سے روایت لی ہے یعنی امام بخاری (کے لیے علامت "خ")، امام مسلم (کے لیے علامت "م")، امام ابو داؤ (کے لیے علامت "د")، امام ترمذی (کے لیے علامت "ت")، امام ابن ماجہ (کے لیے علامت "ق")۔

اس تفصیل کے بعدعرض ہے کہ ہماری پیش کردہ روایت ترمذی اور ابن ماجہ کی ہے جن کی علامت بالترتیب "ت" اور "ق" ہے۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں "ابوجعفرالمدائنی" کے حالات ذکرکئے ہیں (تحت الرقم: 461) اوراس پرجرح بھی نقل کی ہے لیکن اس کے ساتھ علامت "ت" اور "ق"نہیں لگائی جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہماری روایت کا راوی ابوجعفرالمدائنی نہیں جو کہ ضعیف و مجروح ہے بلکہ یہ ابو جعفر عمیربن یزیدالخَطْمِی ہے جو کہ ثقہ ہے۔ اس کی ثقاہت درج ذیل ہے:

قال ابن معين والنسائي: ثقة، وذكره ابن حبان في الثقات وقال عبدالرحمن بن مهدي: كان أبو جعفر وأبوه وجده قوما يتوارثون الصدق بعضهم عن بعض.

قلت [ابن حجر]: وقال أبو الحسن ابن المديني: هو مدني قدم البصرة وليس لاهل المدينة عنه اثر ولا يعرفونه ووثقه ابن نمير والعجلي فيما نقله ابن خلفون وقال الطبراني في الاوسط: ثقة.

تہذیب التہذیب: ج5ص139رقم الترجمہ 2168

عمير بن يزيد بن عمير بن حبيب الأنصاري أبو جعفر الخَطْمِي بفتح المعجمة وسكون الطاء المدني نزيل البصرة صدوق من السادسة 4. تقریب التہذیب: ج1ص432رقم الترجمۃ 5190

حدیث نمبر3:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کی وفات ہوئی ، ان کی قبر کھودی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم وہاں تشریف لے گئے، اپنے ہاتھ سے قبر کی مٹی نکالی۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے ان الفاظ سے دعا کی:

الله الذي يحيي ويميت وهو حي لا يموت اغْفِرْ لِأُمِّي فاطمة بنتِ أسد ولَقِّنْها حُجَّتَها ووسِّعْ عليها مُدْخَلَها بحق نبيك والأنبياء الذين من قبلي فإنك أرحم الراحمين

(المعجم الکبیر للطبرانی: ج10، ص337 رقم الحدیث20324)

ترجمہ:اللہ کی ذات وہ ہے جو زندہ بھی کرتی ہے اور مارتی بھی ہے، وہ زندہ ہے اسے موت نہیں آئے گی، اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفتر فرما ، اس کو اس کی حجت (دلیل) سکھا دے (تاکہ وہ فرشتوں کو جواب دے سکے)اور اس پر اس کی قبرکو کشادہ کر دے اس حق کے وسیلے سے جو تیرے نبی کا (یعنی میرا) تجھ پر ہے اور جوان انبیاء علیہم السلام کا ہے جو مجھ سے پہلے ہیں۔

تصحیح الحدیث:

امام ابن حبان اور امام حاکم رحمہما اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کی سند میں روح بن صلاح ہے۔ امام ابن حبان اور امام حاکم رحمہما اللہ نے اس کی توثیق کی ہے۔

(مقالاتِ کوثری: ص380)

استدلال:

علامہ کوثری رحمہ اللہ (م 1371ھ)اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

و فیہ التوسل بذوات الانبیاء الذین انتقلوا الی الدار الآخرۃ

(مقالاتِ کوثری: ص380)

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہےکہ جو انبیاء علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کا توسل جائز ہے۔

وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس میں"والأنبياء الذين من قبلي "وہ انبیاء جو مجھ سے پہلے ہیں]کے الفاظ ہیں جو مذکورہ توسل پر واضح دلیل ہیں۔

حدیث نمبر4:

امام ابو عبد اللہ الحاکم نے حضرت عمربن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:

لما اقترف آدم الخطيئة قال يا رب أسألك بحق محمد لما غفرت لي فقال الله : يا آدم و كيف عرفت محمدا و لم أخلقه ؟ قال : يا رب لأنك لما خلقتني بيدك و نفخت في من روحك و رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوبا لا إله إلا الله محمد رسول الله فعلمت أنك لم تضف إلى اسمك إلاأحب الخلق فقال الله : صدقت يا آدم إنه لأحب الخلق إليّ اُدْعُني بحقه فقد غفرت لك و لولا محمد ما خلقتك

(المستدرک للحاکم: ج3ص517 باب استغفار آدم علیہ السلام بحق محمد صلی اللہ علیہ و سلم، المعجم الصغیر للطبرانی: ص82، ص83)

ترجمہ: جب حضرت آدم علیہم السلام سے خطاء صادر ہو گئی (یعنی وہ امر صادر ہو گیا جسے اس حدیث میں خطاء سے تعبیر کیا گیا ہے) توآپ نے عرض کی:اے رب! میں تجھ سے حق محمد ی کے وسیلہ سے اپنی بخشش مانگتا ہوں۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) کو کیسے پہچانا؟ جب کہ میں نے انہیں ابھی پیدا ہی نہیں کیا۔ عرض کیا: اے رب! یہ اس لئے کہ جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنی جانب سے روح مبارک کو مجھ میں ڈالا، میں نے اپنے سر کو اٹھایا تو میں نے عرش کے ستونوں پر ((لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ)) لکھا ہوا دیکھا، تب میں نے جان لیا کہ تو اپنے پاک نام کے ساتھ کسی کے نام کا اضافہ نہیں فرماتا مگر اس ذاتِ گرامی کے نام نامی کا اضافہ فرماتا ہے جو مخلوقات میں سے تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے سچ کہا،بے شک وہ مخلوقات میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اسی کے وسیلہ سے مجھ سے دعا کیجیے۔ میں نےتجھے بخش دیا ہے اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا۔

تصحیح حدیث:

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا حديث صحيح الإسناد

(المستدرک للحاکم: ج3ص517 باب استغفار آدم علیہ السلام بحق محمد صلی اللہ علیہ و سلم)

ترجمہ: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اس سے توسل بالذات کا ثبوت ہوا۔ و للہ الحمد

حدیث نمبر5:

امام ابو عبد اللہ محمدابن سعد البصری (م230ھ) نے روایت نقل کی ہے:

عن سليم بن عامر الخبائري أن السماء قحطت فخرج معاوية بن أبي سفيان وأهل دمشق يستسقون فلما قعد معاوية على المنبر قال أين يزيد بن الأسود الجرشي قال فناداه الناس فأقبل يتخطى فأمره معاوية فصعد المنبر فقعد عند رجليه فقال معاوية اللهم إنا نستشفع إليك اليوم بخيرنا وأفضلنا اللهم إنا نستشفع إليك بيزيد بن الأسود الجرشي يا يزيد ارفع يديك إلى الله فرفع يزيد يديه ورفع الناس أيديهم فما كان أوشك أن ثارت سحابة في المغرب وهبت لها ريح فسقينا حتى كاد الناس لا يصلون إلى منازلهم

(طبقات ابن سعد: ج7ص444 تحت: مائۃ رجل وسبعۃ نفر)

ترجمہ: سلیم بن عامر الخبائری سے روایت ہے کہ آ سمان سے پانی برسنابند ہوگیا، توحضرت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما اور اہل دمشق بارش کی دعا کرنے نکلے۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے توفرمایا: یزید بن اسود رضی اللہ عنہ جرشی کہاں ہیں؟راوی کہتے ہیں: لوگوں نے انہیں پکارا، تو وہ آگے بڑھتے ہوئےتشریف لائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم فرمایا تو وہ منبر پر چڑھے اور نیچے کی طرف بیٹھے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی: اے اللہ !آج ہم لوگ تیری جانب اپنے بہترین اور افضل آدمی کی شفاعت طلب کرتے ہیں، اے اللہ! ہم آپ کی بارگاہ میں یزید بن اسود الجرشی کی ذات کوپیش کرتے ہیں، اے یزید! آپ اپنے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب اٹھائیں، حضرت یزید بن اسود نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور لوگو ں نے بھی اپنے ہاتھوں کو اٹھایا۔ جلد ہی مغرب کی جانب ایک بادل اٹھا اور اسے ہوا لے (کر ہماری جانب) اڑی، تب (بارش ہوئی اور) ہم لوگ ایسے سیراب ہوئے کہ لوگوں کا اپنے مکانوں تک پہنچنا تقریباً دشوار ہو گیا۔

مستدلین:

(1) امام ابو اسحق ابراہیم بن علی (م 476ھ)نے اس روایت کو "المہذب" کے "باب الاستسقاء" میں روایت کر کے استدلال کیا ہے۔
(المہذب مع شرحہ المجموع: ج6 ص100)
(2) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ(م 676ھ) نے اس واقعہ کو ثابت اور مشہور مانتے ہوئے امام ابو اسحاق ابراہیم بن علی کی تائید کی ہے۔
(المجموع شرح المہذب: ج6 ص101)
مذکورہ احادیث وآثار سے واضح ہوا کہ ذوات سے توسل کرنا جائز ہے۔

حدیث نمبر6:

امام ابو القاسم سلیمان بن احمدطبرانی رحمۃ اللہ علیہ (م360 ھ)نے ایک روایت نقل کی ہے:
عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف : أن رجلا كان يختلف إلى عثمان بن عفان رضي الله عنه في حاجة له فكان عثمان لا يلتفت إليه ولا ينظر في حاجته فلقي عثمان بن حنيف فشكا ذلك إليه فقال له عثمان بن حنيف ائت الميضأة فتوضأ ثم ائت المسجد فصلي فيه ركعتين ثم قل اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بنبينا محمد صلى الله عليه و سلم نبي الرحمة
(المعجم الصغیر للطبرانی: ص183 من اسمہ طاہر)
ترجمہ:ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس کسی کام کے سلسلے میں آیا جایا کرتا تھا اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (غالباً کسی مصروفیت کی وجہ سے) نہ تو اس کی طرف توجہ فرماتے اور نہ ہی اس کی حاجت براری کرتے۔ وہ شخص حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور اس بات کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایاکہ وضو کی جگہ جا اور وضو کر، پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ، پھر کہہ:اللهم إني أسألك وأتوجه إليك بنبينا محمد صلى الله عليه و سلم نبي الرحمة [اے اللہ!میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور بوسیلہ محمد صلی اللہ علیہ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں جونبی الرحمۃ ہیں]
اس روایت کے آخر میں تصریح ہے کہ اس نے ایسا ہی کیا اور دعا کی برکت سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس کی تعظیم و تکریم بھی کی اور اس کا کام بھی پورا کر دیا۔

تصحیح حدیث:

1: امام طبرانی(م 360ھ) فرماتے ہیں:
و الحديث صحيح
(المعجم الصغیر للطبرانی ج1 ص184)
ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے۔
2: علامہ منذری رحمہ اللہ (م 656ھ)بھی ان کی تائیدکرتے ہیں۔
(الترغیب و الترہیب: ج1 ص272 الترغیب فی صلاۃ الحاجۃ و دعائھا)
3:علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ(م 974ھ) فرماتے ہیں:
رواه الطبرانی بسند جید
(حاشیہ ابن حجر المکی علی الایضاح فی المناسک للنووی: ص500)
ترجمہ: اس حدیث کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔

فائدہ:

یہ واقعہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا ہےحضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ اس دور میں یہ دعا سکھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا توسل سکھا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ توسل بعد الوفات بھی جائز ہے۔
بحمداللہ تعالیٰ ان دلائل سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی ذوات سے توسل کرنا ثابت ہوگیا۔ وللہ الحمد

توسل کا ثبوت اجماع سے:

اس پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور صالحین سے توسل جائز ہے۔

دلیل نمبر1:

جیسا کہ ماقبل میں گزرا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ

سے روایت کیا ہے:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ إِذَا قَحَطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ

(صحیح البخاری: ج1ص137 باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

ترجمہ: جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو عمر بن خطاب، عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے دعا کرتے اور فرماتے کہ اے اللہ! ہم تیرے پاس تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ لے کر آیا کرتے تھے تو تو ہمیں سیراب کرتا تھا، اب ہم لوگ اپنے نبی کے چچا (عباس رضی اللہ عنہ) کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، ہمیں سیراب کر۔ راوی کا بیان ہے کہ لوگ سیراب کئے جاتے(یعنی بارش ہوجاتی)۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا ذکر کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

واتخذوه وسيلة إلى الله

(فتح الباری: ج2ص641 باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا)

ترجمہ:حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے چچاحضرت عباس رضی اللہ عنہ کواللہ تعالیٰ کی جانب وسیلہ بناؤ۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی اس قول وفعل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر انکار نہیں کیا۔ گویا اس پر اجماع و اتفاق کر لیا۔

دلیل نمبر2:

اسی طرح جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اورتابعین رحمہم اللہ کی موجودگی میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے توسل کرتے ہوئے بارش کی دعا کی:

اللهم إنا نستشفع إليك اليوم بخيرنا وأفضلنا اللهم إنا نستشفع إليك بيزيد بن الأسود الجرشي

(طبقات ابن سعد: ج7ص444 تحت: مائۃ رجل وسبعۃ نفر)

ترجمہ: اے اللہ !آج ہم لوگ تیری جانب اپنے بہترین اور افضل آدمی کی شفاعت طلب کرتے ہیں، اے اللہ! ہم آپ کی بارگاہ میں یزید بن اسود الجرشی کی ذات کوپیش کرتے ہیں۔

حاضرین میں سے کسی ایک نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل مبارک پر انکار نہیں کیا۔گویا ذوات سے توسل کرنے کے جائز ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کااجماع ہو گیا۔

دلیل نمبر3:

علامہ محمد بن علی شوکانی (م1250ھ)نے اپنے رسالہ ”الدرالنضید فی کلمۃ اخلاص التوحید“ میں تصریح کی ہے:

و ثبت التوسل بغیرہ بعد موتہ باجماع الصحابۃ اجماعاً سکوتیاً .(ص20)

کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی وفات کے بعد آپ کے غیر کا توسّل کرنا اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

اقوالِ سلف اور مسئلہ توسل:

حضرات سلف صالحین مسئلہ توسل میں جواز کے قائل چلے آ رہے ہیں، ذیل میں ہم بعض حضرات کا کلام نقل کریں گے تا کہ معاندین و منکرین پر حجت پوری ہو جائے۔

خلیفۃ رابع حضرت علی کرم اللہ وجہہ (م40ھ)

عن أنس قال: "جاء أعرابي إلى النبي صلى الله عليه وسلم وشكا إليه قلة المطر وجَدُوْبَة السنة فقال: يا رسول الله لقد أتيناك وما لنا بعير نِيْطٌ ولا صبي يَصْطَبَحُ،"فمد رسول الله صلى الله عليه وسلم يده يدعو فما رد يده إلى نحره حتى استوت السماء بأرواقها وجاء أهل البُطَاحِ يَضِجُّونَ يا رسول الله الطرق، فقال: حوالينا ولا علينا، فانجلى السحاب حتى أحدق بالمدينة كالإكليل فضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى بدت نواجذه وقال: "لله در أبي طالب لو كان حيا لقرت عيناه، من ينشدنا قوله،" فقام علي بن أبي طالب فقال: يا رسول الله لعلك أردت قوله:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ***ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلأَرَامِلِ

(کنز العمال. ج8 ص204 باب صلاۃ الاستسقاء رقم الحدیث23544)

کہ حضرت انس رضی ا للہ عنہ سےروایت ہے کہ ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں آیا اور بارش کی قلت اور خشک سالی کی شکایت کی اور عرض کی یا رسول اللہ! ہم آپ کی خدمت میں اس حال میں حاضر ہوئے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی جانور نہیں رہا اور نہ کوئی آواز نکالنے والا بچہ رہا تو آپ نے دونوں ہاتھ بلند فرمائےاور اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی ۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے ہاتھ نیچے نہیں فرمائے تھے کہ بادل برسا اور کھل کربرسا۔ تو جن لوگوں کے گھر پانی میں ڈوب رہے تھے وہ آئے اور چیخ و پکار کرنے لگے اور عرض کی: یا رسول اللہ ! آمد و رفت کے راستے ختم ہوگئے تو حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے دعا کی: اے اللہ! ہم پر بارش نہ برسا قریب والوں پر برسا تو بادل کھلا اور مدینہ کو اس طرح گھیر لیا جس طرح بہت کھانےوالا (کھانے کو گھیر لیتا ہے)۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم مسکرا دیے اور آپ نے فرمایا: ابو طالب کے کیا کہنے! اگر وہ آج زندہ وہتے توان کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی ہوتیں، ہمیں ابو طالب کا شعر کون پڑھ کر سنائے گا؟اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ کی مراد ان کا یہ شعر ہے:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ***ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلأَرَامِلِ

ترجمہ: آپ سفید (گندم گوں) ہیں، آپ کے چہرہ کے وسیلہ سے بارش مانگی جاتی ہے، آپ یتیموں کے فریاد رس ہیں، آپ بیواؤ ں کے نگہبان ہیں۔

اسے سن کر رسو ل اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: ہاں میری مراد یہی تھی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (م58ھ)

عن ابی الجوزاء اوس بن عبد اللہ قال قحط اہل المدینۃ قحطا شدیدا فشکوا الی عائشۃ فقالت: انظروا الی قبر النبی صلی اللہ علیہ و سلم فاجعلوا منہ کوًّا الی السماء حتی لا یکون بینہ و بین السماء سقف قال: ففعلوا فمطرنا مطراًحتی نبعت العُشْب و سمنت الابل حتی تفتقت من الشحم فسمی عام الفتق۔

(سنن الدارمی: ج1ص56 باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ بعد موتہ، رقم الحدیث 92)

ترجمہ: حضرت ابوالجوزاء اوس بن عبد اللہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے لوگ شدید قحط سالی میں مبتلا ہوئے۔ ان لوگو ں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں درخواست پیش کی توآپ رضی اللہ عنہانے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی قبر مبارک کی طرف دیکھو(یعنی آپ کی قبر پر جاؤ)، پھر آسمان کی طرف ایک روشندان بناؤ کہ آپ کے اور آسمان کے درمیان چھت نہ رہے۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، تب بارش سے سیراب ہوئے حتیّٰ کہ سبز گھاس اگی، اونٹ اتنے موٹے ہوئے کہ گویا چربی سے پھٹے جا رہے ہوں۔ تو اس سال کو تنگی والا سال قرار دیا گیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (م179ھ)

ایک مرتبہ خلیفہ منصور مدینہ منورہ آیا اور اس نے امام مالک سے دریافت کیا :

استقبل القبلۃ و ادعو ام استقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم؟ فقال: و لم تصرف وجہک عنہ و ہو وسیلتک و وسیلۃ ابیک آدم علیہ ا لسلام الی اللہ یوم القیامۃ؟ بل استقبلہ وا ستشفع بہ فیشفعہ اللہ۔ قال اللہ تعالیٰ: و لو انہم اذ ظلموا انفسہم الایۃ

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ج2 ص26 الباب الثالث فی تعظیم امرہ و وجوب توقیرہ)

ترجمہ: میں قبر نبوی کی زیارت کرتے وقت دعا کرتے ہوئے قبلہ رخ ہوں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کروں ؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: اے امیر! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے منہ کیوں موڑتے ہیں حالانکہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے روز قیامت وسیلہ ہیں ، بلکہ اے امیر! آپ کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی جانب متوجہ رہیے اور حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی شفاعت کے طلب گار رہیے، اللہ ان کی شفاعت قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ [م204 ھ]

امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی علی بن میمون سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے سنا کہ:

اني لأتبرك بأبي حنيفة وأجيء إلى قبره في كل يوم يعني زائرا فإذا عرضت لي حاجة صليت

ركعتين وجئت إلى قبره وسألت الله تعالى الحاجة عنده فما تبعد عني حتى تقضى (تاریخ بغداد للخطیب: ج1 ص101 باب ما ذکر فی مقابر بغداد الخ)

ترجمہ: میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے وسیلے سے برکت حاصل کرتا ہوں ہر روز ان کی قبر پر زیارت کے لیے حاضر ہوتا ہوں اور اس کے قریب اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کی دُعا کرتا ہوں ۔ اس کے بعد بہت جلد میری دعا پوری ہو جاتی ہے۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ''الخیرات الحسان'' میں تحریر فرماتے ہیں: واضح رہے کہ علماء اور اہل حاجات ہمیشہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کرتے اور اپنی حاجات براری میں ان کا وسیلہ پکڑتے رہے ہیں ۔ ان علماء میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔

(الخیرات الحسان: ص129)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات اہل بیت نبوی سے توسّل کرتے ہوئے یہ شعر فرمایا ہے، جسے علامہ ابن حجر الہیثمی نے نقل کیا ہے: شعر

الٰ النبی ذریتی وھم، الیہ وسیلتی *** ارجو بھم اعطٰی غدابید الیمین صحیفتی

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کے اہل بیت اللہ تعالیٰ کی جانب میرا ذریعہ اور وسیلہ ہیں، اور میں امیدکرتا ہوں کہ ان ہستیوں کے وسیلہ سے کل (قیامت) کے دن اللہ تعالیٰ میرا صحیفہ مجھے داہنے ہاتھ میں دے گا۔ (الصواعق المحرقہ:ج2ص524)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (م241ھ)

علامہ یوسف بن اسماعیل امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں ایک روایت نقل کرتے ہیں :

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے امام شافعی رحمہ اللہ کو وسیلہ بنایا تو ان کے بیٹے عبد اللہ کو تعجب ہوا، اس پر امام احمد بن حنبل نے فرمایا: امام شافعی رحمہ اللہ لوگوں کے لیے آفتاب اور بدن کے لیے صحت کی مانند ہیں ۔

(شواہد الحق فی الاستغاثۃ بسیدالخلق: ص 166)

امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (م279ھ)

آپ رحمہ اللہ نے ذوات مسلمین سے توسّل کو جائز رکھا ہے۔ چنانچہ جامع الترمذی کے ابواب الجہاد میں سے ایک باب کا عنوان اس طرح قائم کیا ہے:

باب ما جاء في الاستفتاح بصعاليك المسلمين. (جامع الترمذی: ج1 ص299 کتاب الجہاد)

کہ یہ فقراء مسلمین کے وسیلہ سے مدد طلب کرنے کے بارے میں آئی ہوئی روایات کا باب ہے۔

پھر حضرت ابوالدرداءرضی اللہ عنہ کی اس حدیث کوروایت کیا ہے:

سمعت النبي صلى الله عليه و سلم يقول آبغوني ضعفاءكم فإنما ترزقون وتنصرون بضعفائكم

ترجمہ: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نےسنا کہ آپ فرما رہے تھے: مجھے اپنے ضعفاء میں ڈھونڈو کہ تم لوگوں کو اپنے ضعفاء ہی کی بدولت رزق دیاجاتاہے اور مدد کی جاتی ہے۔

امام محمد بن محمدالغزالی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ [م505ھ]

آپ نے احیاء علوم الدین کے " مدینہ منورّہ کی زیارت اور اس کے آداب " کے باب میں فرمایا کہ زائر جب روضہ رسول صلی اللہ علیہ و سلم پر آئے تو دیگر دعاؤں کے ساتھ یہ کلمات بھی کہے:

اللهم إنا قد سمعنا قولك وأطعنا أمرك وقصدنا نبيك متشفعين به إليك في ذنوبنا

(احیاء علوم الدین:ج1ص308)

ترجمہ۔اے اللہ! ہم نے آپ کا فرمان سنا اور آپ کے حکم کو مانااور اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی شفاعت طلب کرتے ہوئے آپ کا قصد کیا۔

امام نووی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ(م676ھ)

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ويستحب إذا كان فيهم رجل مشهور بالصلاح أن يستسقوا به فيقولوا : " اللهم إنا نستسقي ونتشفع إليك بعبدك فلان ". روينا في " صحيح البخاري " أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه ، كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب. . . . وجاء الاستسقاء بأهل الصلاح عن معاوية وغيره.

(کتاب الاذکار للنووی: ص218 باب الاذکار فی الاستسقاء)

ترجمہ: یہ مستحب ہے کہ جب لوگوں میں کوئی آدمی پاکیزگی اورتقویٰ کے لحاظ سے مشہور ہوتو

اس کے وسیلہ سے استسقاء کریں اور یوں کہیں:

اللهم إنا نستسقي ونتشفع إليك بعبدك فلان

کہ اے اللہ ! ہم تیری جانب تیرے بندہ فلاں کے وسیلہ سے استسقاء کرتے ہیں اور ان کی شفاعت کی درخواست کرتے ہیں۔

جیسا کہ صحیح البخاری میں روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے استسقاء فرمایااسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اہل خیر وپاکیزہ لوگوں کے وسیلہ سے استسقاء کرنا بھی آیا ہے۔

امام کمال الدین بن الہمام الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (م861ھ)

آپ رحمہ اللہ” باب زیارۃقبر النبی صلی اللہ علیہ و سلم “ میں فرماتے ہیں:

ثم يسأل النبي صلى الله عليه وسلم الشفاعة فيقول يا رسول الله أسألك الشفاعة يا رسول الله أسألك الشفاعة وأتوسل بك إلى الله في أن أموت مسلما عن ملتك وسنتك........ ثم ينصرف متباكيا متحسرا على فراق الحضرة الشريفة النبوية والقرب منها

(فتح القدیر: ج3 ص169 و ص174 کتاب الحج، ا لمقصد الثالث فی زیارۃ قبر النبی)

ترجمہ: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم سے شفاعت کا سوال کرے اور یہ کہے: یا رسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ و سلم سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں، یا رسول اللہ! میں آپ صلی اللہ علیہ و سلم سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ و سلم کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں کہ میں مسلمان ہونے کی حالت میں مروں اور آپ کی سنتوں پر عامل ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوں-- پھر آپ صلی اللہ علیہ و سلم کے قرب اقدس سے روتا ہوا اور جد ائی کا غم ساتھ لئے ہوئے واپس ہو۔

علامہ احمد بن محمد القسطلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ [م923ھ]

علامہ قسطلانی شافعی رحمہ اللہ نے ”المواہب اللدنیۃ“ میں لکھا ہے کہ:

و ینبغی للزائر ان یکثر من الدعاء و التضرع و الاشتغاثۃ و التشفع و التوسل بہ صلی اللہ علیہ و سلم

(المواہب اللدنیۃ: ج3ص417 الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف الخ)

ترجمہ: زائر کو چاہیے کہ بہت کثرت سے دُعا مانگے، گڑگڑائے، مدد چاہے، شفاعت کی دعا کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑے۔

مسند الہند شاہ ولی اللہمحدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م1176ھ)

اپنی مشہور زمانہ کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں فرماتے ہیں:

ومن ادب الدعاء تقدیم الثناء علی اللہ و التوسل نببی اللہ لیستجاب

(حجۃ اللہ البالغۃ ج2ص6)

ترجمہ: اور دُعا کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کو مقدّم کیا جائے تاکہ دُعا کو قبولیت کا شرف ہو۔

المہند علی المفند کا حوالہ:

علماءدیوبند کی اجماعی و متفقہ دستاویز ”المہند علی المفند“ میں تیسرا اور چوتھا سوال توسل کے متعلق تھا، حضرات علماء دیوبند کا متفقہ مسلک اس سوال و جواب میں ملاحظہ فرمائیں:

السوال الثالث والرابع: ھل للرجل ان یتوسل فی دعواتہ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الوفاۃ ام لا؟ ایجوزالتوسل عندکم بالسلف الصالحین من الانبیاء والصدیقین والشھداء واولیاءرب العالمین ام لا؟

الجواب: عندنا وعندمشائخنا یجوزالتوسل فی الدعوات بالانبیاء والصالحین من الاولیاء والشھداء والصدیقین فی حیاتھم وبعدوفاتھم بان یقول فی دعائہ اللھم انی اتوسل الیک بفلان ان تجیب دعوتی وتقضی حاجتی الی غیرذلک

(المہند علی المفند: ص36، 37)

ترجمہ:

تیسرااورچوتھا سوال:

کیا وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاتوسل لینا دعاؤں میں جائز ہے یا نہیں ؟ تمہارے نزدیک سلف صالحین یعنی انبیاء ،صدیقین ،شہداء اور اولیاء اللہ کا توسل بھی جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:
ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعا میں انبیاء ،اولیاء، شہداءاور صدیقین کا توسل جائز ہے، ان کی زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی، آدمی یوں دعاکرے: اے اللہ! فلاں بزرگ کے وسیلہ سے میری دعا قبول فرما اورمیری اس ضرورت کوپورا فرما۔

تنبیہ:
''المہند علی المفند''کی اس دور کے مکہ مکرمہ ،مدینہ منورہ ودیگرعرب ممالک کے علماءکے ساتھ ساتھ اکابرین دیوبند مثلاًحضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن ،مولانا مفتی عزیزالرحمٰن ،حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری ،مولانا محمداحمد قاسمی بن حضرت نانوتوی،مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی،مولانا عاشق الٰہی میرٹھی اورمولانا محمد یحی سہارنپوری وغیرہ نے تائیدوتصدیق فرمائی تھی۔ گویا جواز توسل پر ان تمام حضرات اکابر ومشائخ کا اجماع و اتفاق ہے۔ و للہ الحمد

مسئلہ توسل اور غیر مقلدین:

غیر مقلدین حضرات میں سے بعض حضرات نے مسئلہ توسل کا انکار کیا ہے اور بعض اس کو ثابت مانتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان کے کچھ علماء کا ذکر کرتے ہیں جو توسل کو جائز قرار دیتے ہیں۔

قاضی محمد بن علی شوکانی(م1250ھ)

غیر مقلدین کے پیشوا قاضی محمد بن علی شوکانی نے اپنی کتاب ''تحفۃ الذاکرین'' میں لکھتے ہیں:

ويتوسل إلى الله سبحانه بأنبيائه والصالحين أقول ومن التوسل بالأنبياء ما أخرجه الترمذي --- من حديث عثمان بن حنيف رضي الله عنه--- وأما التوسل بالصالحين فمنه ما ثبت في الصحيح أن الصحابة استسقوا بالعباس رضي الله عنه عم رسول الله صلى الله عليه وسلم

(تحفۃ الذاکرین:ص56)

ترجمہ: اللہ کی جانب اس کے انبیاء اور صالحین سے توسل کیا جائے گا، انبیاءعلیہم السلام سے توسل کرنے کے باب سے وہ حدیث ہے جسےامام ترمذی رحمہ اللہ وغیرہ نے حضرت عثمان بن حنیف سے روایت کیا ہے--- صالحین سے توسل کرنے کے باب سے صحیح بخاری میں یہ حدیث موجودہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے استسقاء کیا۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ والی حدیث کہ'' ایک آدمی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس بار بار جاتا تھا الخ'' کوذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وفي الحديث دليل على جواز التوسل برسول الله صلى الله عليه وسلم إلى الله عز وجل

(تحفۃ الذاکرین:ص208)

ترجمہ: اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے اللہ عزوجل کی جانب توسل کرنے کے جواز پر دلیل ہے۔

علامہ شوکانی نے اپنے رسالہ ''الدرالنضید'' میں یہ بھی کہا ہے:

ان التوسل بہ صلی اللہ علیہ و سلم یکون فی حیاتہ، و بعد موتہ، و فی حضرتہ، و مغیبہ

(الدر النضید: ص19، ص20)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ و سلم سےتوسل آپ کی حیات میں بھی ہوتا ہے، موت کے بعد بھی، آپ کے سامنے بھی، آپ کے پیچھے بھی۔

اس عبارت کو عبد الرحمٰن مبارکپوری غیر مقلد نے ''تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی'' (ج4ص282) میں بھی نقل کیا ہے۔

علامہ وحید الزمان غیر مقلد [م1338ھ]

علامہ وحید الزمان اپنی کتاب ''ہدیۃ المہدی''میں لکھتے ہیں:

وقال الشوکانی من اصحابنا: لا وجہ لتخصیص جواز التوسل بالنبی کمازعمہ الشیخ عزالدین بن عبدالسلام والتوسل الی اللہ تعالیٰ باھل الفضل والعلم ھو فی الحقیقۃ توسل باعمالھم الصالحۃ ومزایاھم الفاضلۃ، وقال فی مقام اٰخر: لاباس بالتوسل بنبی من الانبیاء او ولی من الاولیاء او عالم من العلماء والذی جاء الی القبر زائراً اودعااللہ وحدہ وتوسل بذلک المیت کان یقول: اللھم انی اسالک ان تشفینی من

كذا واتوسل اليک بهذا العبد الصالح، فهذا لاترددفی جوازه انتهیٰ مختصراً

(ہدیۃ المہدی: ص48، 49)

ترجمہ: ہمارے اصحاب میں سے قاضی شوکانی نے کہا ہے کہ "توسل کے جواز کو نبی (علیہ السلام) کے ساتھ خاص قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے جیسا کہ عز الدین بن عبد السلام نے گمان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب اہل فضل اور اہل علم کے ذریعے توسل کرنا درحقیقت ان کے اعمال صالحہ اور ان کے اوصاف فاضلہ سے توسل کرنا ہے۔" قاضی شوکانی ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ " انبیاء میں سے کسی نبی سے، اولیاء میں سے کسی ولی سے یا علماء میں سے کسی عالم سے توسل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جو بندہ قبر کے پاس آیا، اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس قبر والے سے اس طرح توسل کیا کہ اے اللہ ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ فلاں مرض سے مجھے شفاء بخش اور اہل صالح بندہ سے تیری جانب توسل کرتا ہوں، تواس کے جائز ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے "انتہیٰ مختصراً۔

منکرین توسل کے شبہات جا ئزہ

<u>شبہ نمبر1:</u>

قرآن کریم میں ہے کہ مشرکین خدا کو چھوڑ کر دیگر چیزوں کی عبادت کرنے کی وجہ یہ بتاتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلاَّ لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى

(سورۃ الزمر:3)

ترجمہ: ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔

کافروں کا بھی یہی وطیرہ تھا اور متوسلین بالذات بھی بزرگوں کا توسل اسی لیے لیتے ہیں کہ اس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کریں، تو پھر اِن میں اور اُن میں کیافرق رہا؟

<u>جواب:</u>

اس آیت کریمہ میں "نَعْبُدُهُمْ" کی تصریح ہے اور غیر اللہ کی عبادت اور ان کو مصائب وحاجات میں براہ راست بلانے کا تذکرہ ہے جو شرکیہ عقائد کو متضمن ہے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ چھوٹے چھوٹے کام جوا ن کے اختیار میں ہیں وہ خود کریں گے اور بڑے کام جو ان کے اختیار میں نہیں تو اس کےلیے ہمارے سفارشی بنیں گے اور وسیلے میں یہ باتیں نہیں ہوتیں بلکہ وسیلہ میں مشکل کشا، عالم الغیب، متصرف الامور اللہ تعالیٰ ہی کو مانا جاتا ہے اور انبیاء اور اولیاء کو قبولیتِ دعا میں محض واسطہ سمجھا جاتا ہے۔ وسیلہ کی حقیقت کو سمجھنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہمارے وسیلہ اور مشرکین کے طرزِ عمل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ارشاد: توسل کی حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ! فلاں شخص میرے نزدیک آپ کا مقبول ہے اورمقبولین سے محبت رکھنے پر آپ کا وعدہ رحمت ہے المرءمع من احب میں، پس میں آپ سے اس رحمت کومانگتا ہوں ۔ پس توسل میں یہ شخص اپنی محبت کو اولیاءاللہ کے ساتھ ظاہر کرکے اس محبت پررحمت وثواب مانگتا ہے اوراولیاءاللہ کا موجب رحمت وثواب ہونا نصوص سے ثابت ہے۔ چنانچہ متحابین فی اللہ کے فضائل سے احادیث بھری ہوئی ہیں ۔

(ملفوظات حکیم الامت: ج21ص48)

لہٰذا اس میں اور مشرکین کے طرزِ عمل میں بہت بڑا فرق ہے ۔ دونوں کو ایک سمجھنا کم علمی ہے۔

<u>شبہ نمبر2:</u>

اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں اور اس کے ذمہ کسی کا حق نہیں جیسا کہ مرقاۃ میں ہے " ولا يجب على الله شيء خلافا للمعتزلة "

(مرقاۃ ج1ص237 کتاب الایمان)

لہذا "بحق فلاں" کہنا کیسے درست ہو گا؟!

اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ويكره ان يقول فی دعائہ بحق فلان او بحق انبيائک او رسلک لانہ لاحق للمخلوق على الخالق

(ہدایہ ج4ص211)

جب کہ متوسلین "بحق فلاں" کے ذریعے توسل کے قائل ہیں

جواب :

جس طرح لفظِ "حق" وجوبی معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح "تفضلی واستحسانی" طورپر بھی استعمال ہوتا ہے، مثلاً:

1:قرآن مجید میں ہے: " ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ حَقّاً عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ " (سورۃ یونس: 103)

ترجمہ: پھر ہم (اس عذاب سے) اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچالیتے تھے(جس طرح ان مؤ منین کو ہم نے نجات دی تھی) ہم اسی طرح سب ایمان والوں کو نجات دیا کرتے ہیں یہ (حسب وعدہ) ہمارے ذمہ ہے۔

2: ایک دوسرے مقام پر ہے: " وَكَانَ حَقّاً عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ " (سورۃ الروم:47)

ترجمہ:اور ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ تھا۔

3: حدیث مبارک میں ہے :

قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من قال حين يمسي رضيت بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد نبيا كان حقا على الله أن يرضيه

(جامع الترمذی: ابواب الدعوات- باب الدعا اذا اصبح و اذا امسیٰ)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص شام کے وقت یہ دعا پڑھے: " رضيت بالله ربا وبالإسلام دينا وبمحمد نبيا" تو اللہ کے ذمہ ہے کہ اسے (قیامت کے دن) راضی کرے۔

ہمارا اہل السنت والجماعت کا نظریہ ہےکہ کوئی چیز اللہ پر واجب نہیں ۔ اس لیے ہم وسیلہ میں"حق" کو تفضلی معنیٰ استعمال کرتے ہیں نہ کہ وجوب کے معنیٰ میں۔ فقہاء کرام نے بھی جہاں اس دعا ءِ وسیلہ کو مکروہ لکھا ہے جس میں"حق" بمعنیٰ وجوبی ہے جس کی طرف "لاحق للمخلوق علی الخالق "سے اشارہ ملتا ہے ۔

لہٰذا اللہ پر حق وجوبی کا عقیدہ رکھتے ہوئے دعا میں بحق فلاں کا لفظ استعمال کرنا مکروہ ہے اور حق سے مراد غیر وجوبی یعنی تفضلی واستحسانی کے ساتھ دعا کرنا بلا کراہت جائز ہے ۔

شبہ نمبر 3:

اللہ کادربار ہر وقت کھلا ہے۔ اللہ خود فرماتے ہیں ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي﴾ [سورۃ البقرۃ: 186] لیکن قائلین توسل براہِ راست خدا سے عرض و معروض کرنے کی بجائےان بزرگوں کے واسطوں اور وسیلوں کے قائل بنتے ہیں۔

جواب نمبر1:

یہ سوال اس وقت ہو سکتا ہے جب غیر اللہ سے مانگا جائے اور وسیلہ میں غیر اللہ سے نہیں مانگا جاتا بلکہ انبیاء اور اولیا کے وسیلہ سے خدا مانگا جاتا ہے کیونکہ اس طرح دعا کی قبولیت میں اثر ہوتا ہے کہ وہ دعا جو وسیلہ سے مانگی جائے جلد قبول ہوتی ہے ۔

جواب نمبر2:

ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ توسل بالذات کے بغیر دعا قبول ہی نہیں ہوتی بلکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ توسل کو دعاکے قبول ہونے میں دخل ہے، جیسے زمان، مکان اور افراد کے بدلنے سے قبولیت دعا کی سرعت میں فرق آنا ظاہر ہے۔ مثلاً

* عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَیُّ الدُّعَائِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّیْلِ الْاٰخِرُوَدُبُرَالصَّلَوَاتِ الْمَکْتُوْبَاتِ۔

(جامع الترمذی ج 2ص187 باب بلا ترجمۃ ابواب الدعوات ،السنن الکبریٰ للنسائی ج6 ص32 ما یستحب من الدعاء دبر الصلوات المکتوبات)

ترجمہ: حضرت ابو مامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی دعا سب سے زیادہ قبول ہوتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : رات کے آخر میں اور فرض نمازوں کے بعد۔

* بیت اللہ میں دعا کرنا اجابت کے زیادہ قریب ہے بنسبت عام مسجد اور اپنے گھر میں دعا کرنے سے۔

* بنی اور ولی دعا کرے تو اس کی قبولیت بنسبت عام آدمی کے زیادہ ہے۔

جواب نمبر 3:

اگر توسل بالذات شرک ہے، جائز نہیں کیونکہ اللہ کا دربار ہر وقت کھلا رہتا ہے کسی کے واسطے کی ضرورت نہیں تو پھر ہم قائلین توسل بالدعاء و الاعمال سے پوچھتے ہیں کہ اس دلیل کی بناء پر توسل بالاعمال بھی ٹھیک نہ ہونا چاہیے کیونکہ خدا تعالیٰ کے دربار میں واسطہ جائز نہیں تو پھر اعمال پیش کرنے کی ضرورت کیا ہے؟! لہذا جس توسل بالاعمال جائز ہے اسی طرح توسل بالذات بھی جائز ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

تمہیدی گفتگو:

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ ومن تبعہ الی یوم الدین اما بعد!

اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی مقدس و محترم جماعت کا نام ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پوری امت کے درمیان اللہ رب العزت کا مقرر کیا ہوا واسطہ ہیں۔ اس کے بغیر نہ قرآن کریم ہاتھ میں آسکتا ہے اور نہ ہی قرآن کا بیان جسے ہم سنت و حدیث سے تعبیر کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے انہیں خیر امت اور امت وسط کے لقب سے نوازا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کو یہ ڈیوٹی اور ذمہ داری سونپ دی ۔فرمایا:

بَلِّغُوا عَنِّي وَلَو آيَةً. (صحیح البخاری: رقم الحدیث3461 عن عبد اللہ بن عمرو)

ترجمہ: میری طرف سے (امت کو) پہنچاؤ اگر چہ وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔

بلکہ حجۃ الوداع کے عظیم اجتماع میں اس جماعت کو مخاطب ہو کر فرمایا:

فَلْيُبَلِّغْ الشَّاهِدِ الْغَائِبَ. (صحیح البخاری: رقم الحدیث1741 عن ابی بکرۃ)

کہ حاضرین میری باتیں غائبین تک پہنچادیں۔

اس کا نتیجہ تھا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی تمام تر تعلیمات کو پوری دنیا میں پھیلایا جو ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ذمہ لگائی تھی اس کا پورا پورا حق ادا کردیا۔

ادھر دشمنان دین نے بھی سب سے پہلے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی تنقید کا نشانہ بنایا۔ ان کے مقدس کردار کو داغدار کرنے کے لیے ہر قسم کے حربے اختیار کیے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم اور امت کے درمیان کا یہ واسطہ کمزور پڑجائے اور یوں بغیر کسی محنت کے اسلام کا یہ دینی سرمایا خود بخود زمین بوس ہوجائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عناد کے اظہار اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے بھی ان دشمنان دین نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہدف تنقید بنایا۔

مدینہ طیبہ کے گورنر عبداللہ بن مصعب فرماتے ہیں کہ خلیفہ مہدی نے مجھ سے پوچھا کہ جو لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تنقیص کرتے ہیں ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا: وہ زندیق ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کرنے کی تو ان میں ہمت نہ تھی انہوں نے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص بیان کرنا شروع کردی۔ گویا وہ یوں کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم برے لوگوں کے ساتھ رہتے تھے۔ (تعجیل المنفعۃ :ص271)

خطیب بغدادی (م463ھ) نے یہی واقعہ کچھ تفصیل سے تاریخ بغداد (ج8ص220) میں بیان کیا ہے۔

اس تفصیل سے بعض صحابہ کرام اور ان کے بارے میں لب کشائی کا پس منظر واضح ہوجاتا ہے مگر دشمنان اسلام اپنی تمام تدبیروں کے باوجود اس میں کامیاب نہ ہوسکے اور اللہ کے مقرر کردہ اس طبقہ کی عدالت و صداقت کو داغدار نہ کرسکے اور محدثین عظام اور فقہاء کرام نے بیک زبان ”الصحابۃ کلہم عدول“ کی ایسی صدا بلند کی کہ اس کے مقابلے میں تمام کوششیں ہیچ ثابت ہوئیں۔

اوائل میں اسلام دشمنی کے اس محاذ پر ابن سبا کی ذریت تھی، رفتہ رفتہ اس میں بعض فرقوں نے بھی حصہ لیا۔

آخری دور میں مستشرقین اور ان کی معنوی اولاد نے بھی اس میں بھرپور کردار ادا کیامگر علمائے حق نے ہر دور میں اس فتنہ کا تعاقب کیا اور دفاع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حق ادا کیا۔

سبِّ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ممانعت احادیث و آثار کے

آئینے میں

چند روایات پیش کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلاکہنا اور انہیں تنقید کا نشانہ بنانا جائز نہیں۔

[۱]: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ اللہ فی اصحابی لاتتخذو ہم غرضا بعدی فمن احبہم فبحبی احبہم ومن ابغضہم فببغضی ابغضہم ومن آذاہم فقد آذانی. (مشکوٰۃ المصابیح: ج2ص554)

ترجمہ: میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو! ان کو میرے بعد تنقید کا نشانہ نہ بنانا کیونکہ جس نے بھی ان سے محبت کی تو یہ میری محبت کی بناء پر کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بد ظنی کی بناء پر ان سے بغض رکھا جس نے ان کو ایذاء دی تو گویا اس نے مجھے ایذا ء دی۔

[۲]: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ و سلم نے فرمایا:

دعولی اصحابی لا تسبو اصحابی. (مسند البزار: ج2 ص342)

میرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے در گزر کرو، میرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برا نہ کہو ۔

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے سب راوی صحیح بخاری ومسلم کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج10ص21)

[۳]: حضرت عائشہ رضی ا للہ عنہا سے بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تسبوا اصحابی لعن اللہ من سب اصحابی. (المعجم الاوسط للطبرانی: ج5 ص94)

میرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو برا مت کہو، اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہو جو میرے صحابہ کو برا کہتا ہے۔

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں:علی بن سہل کے علاوہ اس روایت کے سب راوی صحیح بخاری کے ہیں اور علی بن سہل بھی ثقہ ہے۔ (مجمع الزوائد ج10ص21)

[۴]: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من سب اصحابی فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین. (المعجم الکبیر للطبرانی:ج12 ص142)

جو میرے صحابہ کو براکہتا ہے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی طرف سے لعنت ہو۔

[۵]: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

احفظونی فی اصحابی. (سنن ابن ماجہ: ص172)

لوگو !میری وجہ سے میرے صحابہ کا خیال رکھو۔

بعض روایات میں ”احسنوا الی اصحابی “ کے الفاظ ہیں۔ (سنن النسائی: رقم الحدیث9175)

کہ میرے صحابہ کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آؤ۔

[۶]: حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا ذکر اصحابی فامسکو واذا ذکرت النجوم فامسکوا وذا ذکر القدر فامسکوا. (المعجم الکبیر للطبرانی: ج2 ص96)

کہ جب میرے صحابہ کا ذکر ہو تو خامو ش رہو، جب ستاروں کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو اور جب تقدیر کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو۔

حضرت ابن عباس سے یہی روایت موقوفاً ان الفاظ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا:

یا غلام ایاک وسب اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فان سبہم مفقرۃ الخ (کتاب الثقات لابن حبان ج8ص3)

کہ اے بر خوردار: صحابہ کرام کو برا کہنے سے اجتناب کرو کیونکہ ان کو برا کہنا فقر و مسکینی کا باعث ہے۔

[۷]: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

امروا ان یستغفروا لاصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسبوہم . (صحیح مسلم: ج2ص421)

لوگوں کو حکم تو دیا گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں استغفار کرو مگر لوگوں نے انہیں برا بھلا کہنا شروع کردیا۔

[۸]: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لا تسبوا اصحاب محمد فان اللہ عز وجل امرنا بالا ستغفار لہم وھو یعلم انہم سیقتلون.

(الصارم المسلول فصل نمبر5 المسئلہ الثانیہ فی استتابۃ الذمی بیروت)

کہ صحابہ کرام کو برا مت کہو ،بےشک اللہ نے یہ جانتے ہوئے کہ وہ عنقریب قتل و قتال میں مبتلا ہوں گے ہمیں ان کے بارے میں استغفار کا حکم فرمایا ہے۔

[۹]: حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ عراق سے ان کے ہاں ایک وفد آیا جنہوں نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازیبا باتیں کہیں تو آپ نے فرمایا: کیا تم مہاجرین میں سے ہو؟ انہوں نے کہا :جی نہیں ،پھر آپ نے پوچھا: کیا تم انصار میں سے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: جی نہیں۔ اس پر حضرت زین العابدین فرمانے لگے: جب تم ان دونوں میں سے نہیں ہو تو میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں سے بھی ہرگز نہیں ہو جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلاً لِلَّذِينَ آمَنُوا.

ان تمام احادیث و آثار سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بری اور ناگوار بات کرنا، ان کی مذمت یا ان کو سب شتم کرنا منع ہے اور اس کے مرتکبین کو لعنت کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ائمہ حضرات کی آراء

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ (م150ھ) کا موقف:

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی من جملہ تصانیف میں ایک کتاب ”الفقہ الاکبر“بھی ہے۔ اس کتاب میں آپ فرماتے ہیں:

تولاہم جمیعا.

ملا علی قاری رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ایک نسخہ میں آخری الفاظ یوں ہیں:

ولا نذکر احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الابخیر .

کہ ہم سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں اور کسی بھی صحابی کا ذکر بھلائی کے بغیر نہیں کرتے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ اس کے شرح میں رقم طراز ہیں:

یعنی وان صدر علی بعضہم بعض ماہو فی الصورۃ شر فانہ اما کان عن اجتہاد ولم یکن علی وجہ فساد من احرار و عناد بل کان رجوعہم عنہ الی خیر میعاد بناء علی حسن ظن بہم. (شرح الفقہ الاکبر ص153 اردو مکتبہ رحمانیہ لاہور)

یعنی گو بعض صحابہ کرام سے صورۃً شر صادر ہوا ہے مگر وہ کسی فساد یا عناد کے نتیجہ میں نہ تھا بلکہ اجتہاد کی بناء پر ایسا ہوا اور ان کا شر سے رجوع بہتر انجام کی طرف تھا ان سے حسن ظن کا بھی یہی تقاضا ہے۔

الفقہ الاکبر کے ایک اور شارح علامہ ابو المنتہی احمد بن محمد المگنیساوی لکھتے ہیں:

اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ تزکیۃ جمیع الصحابۃ والثناء علیہم کما اثنی اللہ ورسولہ علیہم وما جری بین علی و معاویۃ کان مبنیا علی الاجتہاد . (شرح الفقہ الاکبر مطبوعہ مجموعۃ الرسائل السبعہ حیدر آباد دکن 1948)

اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کی تعظیم و تکریم کی جائے اور ان کی اسی طرح تعریف کی جائے جیسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اور جو حضرت علی اور حضرت معاویہ کے درمیان لڑائی ہوئی وہ اجتہاد کی بناء پر تھی۔

امام عبداللہ بن مبارک (م181ھ) کا فرمان:

مشہور محدث، فقیہ،مجاہد اور زاہد امام عبداللہ بن مبارک اس سلسلے میں کس قدر محتاط تھے، اس کا اندازہ ان کے حسب ذیل قول سے لگایا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں:

السیف الذی وقع بین الصحابۃ فتنۃ ولا اقول لاحد منہم مفتون. (السیر ج8ص405)

کہ صحابہ کے مابین چلنے والی تلوار فتنہ تھی مگر میں ان میں سے کسی کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ وہ فتنہ میں مبتلا ہوگئے تھے۔

امام عبداللہ بن مبارک سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز میں سے کون افضل ہے؟ تو انہوں نے فرمایا:

واللہ ان الغبار الذی دخل فی انف فرس معاویۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل من عمر بالف مرۃ صلّی معاویۃ خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع اللہ لمن حمدہ فقال معاویہ رضی اللہ عنہ ربنا لک الحمد فما بعد ھذا الشرف الاعظم. (مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر58 ص32ج1)

اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں حضرت معاویہ کے گھوڑے کی ناک کی غبار عمر بن عبدالعزیز سے ہزار بار افضل ہے، حضرت معاویہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھیں آپ نے "سمع اللہ لمن حمدہ" فرمایا تو حضرت معاویہ نے "ربنا لک الحمد" کہا اس کے بعد اور بڑا فضل و شرف کیا ہوگا؟!

امام ابو جعفر طحاوی (م321ھ) کی وضاحت:

اما م ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے عقیدہ وعمل کے ترجمان ہیں، موصوف اپنی مشہور کتاب "العقیدۃ الطحاویۃ" میں لکھتے ہیں:

نحب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا نفرط فی حب احد منہم ولا نتبرا من احد منہم و نبغض من یبغضہم وبغیر الخیر یذکرہم ولا نذکر ہم الا بخیر وحبہم دین وایمان و احسان وبغضہم کفر و نفاق وطغیان .

(شرح العقیدہ الطحاویہ ص704 ج2 بیروت)

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور ان میں سے نہ کسی ایک کی محبت میں افراط کرتے ہیں اور نہ ہی کسی سے براءت کا اظہار کرتے ہیں اور جو ان سے بغض رکھتا ہے اور بغیر خیر کے ان کا ذکر کرتا ہےہم اس سے بغض رکھتے ہیں اور ہم ان کا ذکر صرف بھلائی سے کرتے ہیں، ان سے محبت دین و ایمان اور احسان ہے اور ان سے بغض کفر ونفاق ہے اور سرکشی ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ مزید اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

ومن احسن القول فی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وازواجہ الطاہرات من کل دنس وذریاتہ المقدسین من کل رجس فقد برئ من النفاق . (شرح العقیدہ الطحاویہ ص490)

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بارے میں اچھی بات کرتا ہے، ازواج مطہرات کو ہر قسم کے عیب سے پاک سمجھتا ہے اور آپ کی مقدس آل و اولاد کو ہر قسم کی آلودگی سے مبرا سمجھتا ہے وہ نفاق سے بری ہے۔

یعنی اہل السنت والجماعت ناصبیوں اور رافضیوں کے افراط و تفریط سے بچ کر سب سے محبت کرتے ہیں اور ان کے بارے میں ہمیشہ اچھی بات کہتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں صحابہ کرام شامل نہ تھے:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امام برحق تھے اور مظلوم شہید ہوئے۔ اللہ نے صحابہ کرام کو بالفعل ان کے قتل کرنے سے محفوظ رکھا، ان کو شہید کرنے والا متعنت شیطان تھا، کسی صحابی نے آپ کے قتل پر رضا مندی کا اظہار ثابت نہیں بلکہ سب صحابہ کرام سے اس بارے میں انکار ثابت ہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مسئلہ اجتہادی تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ قصاص ضرور لیں گے لیکن تاخیر سے لیں گے اسی میں مصلحت ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے یہ تھی کہ قصاص جلدی لینے میں مصلحت ہے۔ ہر ایک نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور ان شاء اللہ ان میں سے ہر ایک اجر کا مستحق ہوگا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد امام بر حق حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء تاویل کرتے تھے اور ان میں وہ صحابہ کرام

بھی شامل تھے جو معاملہ مشتبہ ہونے کی وجہ سے فریقین سے علیحدہ رہے اور کسی ایک فریق کے ساتھ ملنے سے رک گئے۔ ہر ایک نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ وہ تمام حضرات عادل تھے اور دین کو نقل کرنے والے تھے۔ نیز وہ دین پر عمل کرے والے تھے ۔ انہی کی تلوار سے دین غالب ہوا اور انہی کی زبانوں سے دین پھیلا۔ اگر ہم ان آیات کی تلاوت کریں اور ان احادیث کو بیان کریں جو ان کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں تو بات لمبی ہوجائے گی۔ یہ چند کلمات ایسے ہیں کہ جو ان کے خلاف عقیدہ رکھے گا وہ گمراہی اور بدعت میں مبتلا ہوگا دیندار آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے دل و دماغ میں اس بات کو پختہ کرے، جو واقعات (مشاجرات) صحابہ کرام کے درمیان رونما ہوئے ہیں ان سے اپنی زبان کو روکے رکھے، یہ وہ خون ہے کہ اس سے اللہ جل شانہ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک و صاف رکھا ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو اس سے آلودہ نہ کریں ۔ (تحریر الاصول مع شرح تقدیر الاصول ج2ص2260)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے جس عقیدے کی نشاندہی علامہ سبکی رحمہ اللہ نے کی ہے اس کی وضاحت پہلے بھی ائمہ کرام کے حوالے سے گزر چکی ہے البتہ علامہ نووی رحمہ اللہ کی طرح جو انہوں نے فرمایا کہ ان معاملات میں ایک تیسرا فریق بھی تھا جو معاملہ مشتبہ ہونے کی وجہ سے علیحدہ رہا محل نظر ہے۔ یہی فریق اکثریت میں تھا اور ان کی علیحدگی فتنہ سے بچنے کے لیے تھی جیسا کہ باحوالہ گزرچکا ہے ۔

امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی (م676ھ) کا فرمان:

امام محی الدین ابو زکریا یحیی بن شرف النووی المتوفیٰ 676ھ شرح مسلم میں رقم طراز ہیں :

ومذهب أهل السنة والحق إحسان الظن بهم والامساك عما شجر بينهم وتأويل قتالهم وأنهم مجتهدون متأولون لم يقصدوا معصية ولامحض الدنيا بل اعتقد كل فريق أنه المحق ومخالفة باغ فوجب عليه قتاله ليرجع إلى أمر الله وكان بعضهم مصيبا وبعضهم مخطئا معذورا فى الخطأ لأنه لاجتهاد والمجتهد إذا أخطأ لا إثم عليه وكان على رضى الله عنه هو المحق المصيب فى تلك الحروب هذا مذهب أهل السنة. (شرح صحیح مسلم ص390 ج2 کتاب الفتن باب اذا التقی المسلمان بسیفهما)

اہل سنت اور اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ سب صحابہ کرام کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے، ان کے آپس کے اختلافات میں خاموشی اور ان کی لڑائیوں کی تاویل کی جائے، وہ بلا شبہ مجتہد اور صاحب رائے تھے، معصیت اور نافرمانی ان کا مقصد نہ تھا اور نہ ہی محض دنیا طلبی پیش نظر تھی بلکہ ہر فریق یہ اعتقاد رکھتا تھا کہ وہی حق پر ہے اور دوسرا باغی ہے اور باغی کے ساتھ قتال ضروری ہے تاکہ وہ امر الہی کی طرف لوٹ آئے۔ اس اجتہاد میں بعض راہ صواب پر تھے اور بعض خطاء پر تھے اور خطاء کے باوجود وہ معذور تھے کیونکہ اس کا سبب اجتہاد تھا اور مجتہد خطاء پر بھی گنہگار نہیں ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان جنگوں میں حق پر تھے اہل سنت کا یہی موقف ہے۔

علامہ نووی نے جو کچھ بیان فرمایا ہے تھوڑی سی تفصیل سے اہل سنت کا یہی موقف انہوں نے کتاب فضائل الصحابہ کے اوائل میں بیان کیا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

حضرت علی کی خلافت بالاجماع صحیح ہے، اپنے وقت میں وہ خلیفہ تھے ان کے علاوہ کسی کی خلافت نہیں تھی۔ حضرت معاویہ عادل فضلاء اور نجباء صحابہ میں سے تھے۔ ان کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں اس کی وجہ یہ شبہ تھا کہ ان میں سے ہر ایک گروہ اپنی حقانیت کا اعتقاد رکھتا تھا۔ یہ سبھی عادل ہیں، جنگوں اور دیگر اس قسم کے معاملات میں متاول ہیں ان میں سے کوئی چیز ان میں سے کسی کو عدالت سے خارج نہیں کرتی اس لیے کہ وہ سب مجتہد تھے۔ (شرح مسلم ص272 ج2)

اکثر صحابہ قتال سے علیحدہ کیوں رہے؟

اکثر صحابہ کرام قتال سے علیحدہ اس لیے رہے کہ ان حروب میں حصہ نہ لینے کا سبب فتنہ سے بچاؤ کرنا تھا کیونکہ بہت سی نصوص میں باہمی خانہ جنگی کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اکثر صحابہ کرام اسی بناء پر اس سے کنارہ کش رہے۔ امام محمد بن سیرین سے بسند صحیح منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا : فتنہ رونما ہوا تو صحابہ کرام دس ہزار کی تعداد میں تھے، ان میں سے ایک سو بلکہ تیس کے قریب شریک ہوئے۔

ان کا یہی قول امام ابن تیمیہ نے بھی ذکر کیا ہے جس کی سند کے بارے میں وہ فرماتے ہیں:

هذا الاسناد اصح اسناد على وجہ الارض.(منہاج السنہ ص147 جز6 قطربہ الشاملہ)

کہ یہ سند روئے زمین پر سب سے زیادہ صحیح ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (م852ھ) کا فرمان:

حافظ ابو الفضل امام احمد بن علی بن محمد ابن حجر العسقلانی المتوفیٰ 852ھ فرماتے ہیں:

والظن بالصحابۃ فی تلک الحروب انہم کانوا فیہا متاولین وللمجتہد المخطی اجر واذا ثبت ھذا فی حق احادی الناس فثبوتہ للصحابۃ بالطریق الاولیٰ . (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ :ج7ص312الشاملہ)

ان لڑائیوں میں صحابہ کرام کے بارے میں گمان یہی ہے کہ وہ ان میں تاویل کرنے والے تھے۔ مجتہد اگر اجتہاد میں خطاء کرجائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ جب یہ حکم کسی ایک مجتہد کے لیے ثابت ہےتو صحابہ کرام کے حق میں یہ حکم بطریق اولیٰ ثابت ہوا۔ ا س لیے اگر کسی صحابی سے اجتہادی خطاء ہوئی تو وہ پھر بھی مستحق اجر ہے نہ کہ مستوجب مواخذہ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اسی بحث کے ضمن میں ایک مقام پر رقم طراز ہیں:

واتفق أهل السنة على وجوب منع الطعن على أحد من الصحابة بسبب ما وقع لهم من ذلك ولو عرف المحق منهم لأنهم لم يقاتلوا في تلك الحروب الا عن اجتهاد وقد عفا الله تعالى عن المخطئ في الاجتهاد بل ثبت أنه يؤجر أجرا واحدا وان المصيب يؤجر أجرين. (فتح الباری ج13ص43 کتاب الفتن باب ا اذا التقیٰ المسلمان)

اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ صحابہ کے مابین واقع ہونے والے حوادث کی بناء پر ان میں کسی ایک صحابی پر طعن و تشنیع سے اجتناب واجب ہے اگر چہ یہ معلوم ہوجائے کہ فلاں صحابی کا موقف موقف حق تھا کیونکہ انہوں نے ان لڑائیوں میں صرف اپنے اجتہاد کی بناء پر حصہ لیا اور اللہ نے مجتہد مخطی کو معاف فرمادیا ہے بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ مجتہد کے اجتہاد میں خطا ہوجائے تب بھی اسے ایک گنا اجر ملے گا اور جس کا اجتہاد درست ہوگا اسے دو گنا اجر ملے گا۔

علامہ کمال الدین ابن الہمام (م861ھ) کا فرمان:

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن الہمام المتوفیٰ 861 شرح مسامرہ میں فرماتے ہیں:

واعتقاد اہل السنۃ تزکیۃ جمیع الصحابۃ رضی اللہ عنہم وجوبا باثبات اللہ انہ لکل منہم والکف عن الطعن فیہم والثناء علیہم کما اثنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ واثنی علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما جری بین معاویۃ وعلی من الحروب کان مبنیا علی الاجتہاد لا منازعۃ فی الامامۃ . (المسامرہ بشرح المسایرہ ص259 باب الرکن الرابع الاصل الثامن)

اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ تمام صحابہ کرام کو لازمی طور پر پاک صاف مانتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا تزکیہ فرمایا ہے اور اہل سنت ان کے بارے میں طعن و تشنیع نہیں کرتے اور ان سب کی مدح و ثناء بیان کرتے ہیں جیسا کہ اللہ نے ان کی تعریف کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تعریف کی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں وہ اجتہاد پر مبنی تھیں، یہ جنگیں امامت و خلافت کے جھگڑا کی بناء نہ تھیں۔

امام الہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (م1176ھ) کا فیصلہ:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے اپنے انداز میں لکھتے ہیں:

واما آن کہ حضرت عائشہ و طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم مجتہد مخطی معذور بودند ازاں قبیل کہ من اجتہد فقد اخطا فلہ اجر واحد پس ازاں جہت کہ متمسک بودند بشبہ ہر چند دلیل دیگر ارجح ازوی بعد و موجب آن شبہ دو چیز است الخ

(ازالۃ الخفاء مترجم ج4ص521)

رہا یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم خطا کرنے والے معذور تھے اس اصول پر کہ جس نے اجتہاد کیا اور خطا کھائی تو وہ ایک اجر کا مستحق ہے تو وہ اس اعتبار سے معذور ہیں کہ انہوں نے شبہ سے استدلال کیا اگر چہ اس سے زیادہ راجح دوسری دلیل بھی موجود تھی، اس شبہ کا موجب دو چیزیں تھیں۔

اس کے بعد انہوں نے ان دو شبہات کو بیان کیا ہے اور دونوں کے قرائن و دلائل بھی بیان کیے ہیں۔ اس تفصیل کے بعد شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں: انہی شبہات کی بناء پر ہی حضرت معاویہ اور حضرت علی کے مابین جنگ صفین ہوئی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں:

واما آنکہ معاویہ مجتہد مخطی معذور بود پس ازاں جہت کہ متمسک بود بشبہ ہر چند دلیل دیگر در میزان شرح راجح تر ازاں بر آمد مانند آنچہ در قصر اہل جمل تقریر گردم باز یادات اشکال.

اور رہا یہ کہ حضرت معاویہ مجتہد مخطی اور معذور تھے تو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ شبہ کے ساتھ دلیل پکڑے ہوئے تھے اگرچہ دوسری دلیل بھی موجود تھی جو میزان شریعت میں اس سے زیادہ وزن رکھتی تھی، اسی طرح جس کی تقریر ہم اہل جمل کے قصہ میں بیان کرچکے ہیں بعض اشکال کے اضافہ کے ساتھ۔

گویا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے اہل جمل سے بھی زیادہ اشکالات تھے جن کی بناء پر وہ حضرت علی کی بیعت نہ کرسکے اور بالآخر اس کا نتیجہ جنگ صفین کی شکل میں سامنے آیا۔ ان اشکالات کی وجہ سے حضرت معاویہ بھی معذور تھے گو حضرت علی کا موقف ان سے راجح اور دلائل کے اعتبار سے زیادہ صحیح تھا۔ وہ مزید اشکالات کیا تھے اس کی تفصیل شائقین حضرات ازالۃ الخفاء میں ملاحظہ فرمائیں۔

جنگ جمل

جنگ جمل کا واقعہ نصف جمادی الاولیٰ یا عند البعض جمادی الثانی 36ھ میں پیش آیا تھا۔
شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا اور بیعت کی گئی تو اس میں حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، دیگر اکابر صحابہ اور اہل مدینہ نے بھی بیعت کی۔ جب بیعت ہوچکی تو اس وقت حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دیگر اکابر صحابہ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مطالبہ پیش کیا کہ آپ مسند خلافت پر تشریف فرماچکے ہیں اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے متعلق انتظام فرمادیں کیونکہ اگر ہم شہید مظلوم کا انتقام نہ لیں اور فسادیوں کا قلع قمع نہ کریں تو اللہ تعالیٰ کے عتاب و غضب کے مستحق ٹھہریں گے تو اس مطالبہ کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ عذر پیش کیا کہ:
ان ھولاء لہم مدد واعوان انہ لا یمکنہ ذلک یومہ ھذا. (البدایہ لابن کثیر ج7ص229 تحت ذکر بیعت خلافت علوی)
ان لوگوں کو مدد گار اور حمایتی میسر ہیں اس لیے یہ کام اس وقت نہیں ہوسکتا حالات کے سازگار ہونے کے بعد یہ ہوسکے گا۔
بہرحال اس جواب پر ان حضرات کو تشفی نہ ہوئی کیونکہ قاتلان حضرت عثمان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے پناہ لی تھی جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے:
وقاتلان بجز آنکہ پناہی بحضرت مرتضیٰ بردند با او بیعت کنند علامے نیافشند وکیف ماکان عقد بیعت واقع شد . (قرۃ العینین ص143 طبع مجتبائی دہلی)
یعنی قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ملا کہ حضرت علی کی بیعت کریں اور اس کی پناہ میں آئیں جیسا کہ یہ معاملہ ہوا بھی، بہر کیف یہ بیعت منعقد ہوئی۔
تو ان دو حضرات؛ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے عمرہ کی غرض سے مکہ کا سفر شروع کیا، جب مکہ پہنچے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اور امہات المومنین بھی عمرہ کی غرض سے مکہ پہنچ چکی تھیں۔ بعد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر حضرات مکہ تشریف لے گئے۔ یوں مکہ میں صحابہ کرام، امہات المومنین اور دیگر حضرات کا اجتماع ہوا، ان تمام کا مقصد ایک ہی تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون ناحق اور ظلماگرادیا گیا ہے اس لیے ان کے قصاص کا مسئلہ سب سے پہلے طے ہونا چاہیے اور مجروں کو جلد سے جلد سزا ملنی چاہیے۔ اس سلسلے میں مختلف آراء سامنے آئیں۔ بالآخر طے ہوا کہ اس سلسلے میں بصرہ پہنچنا چاہیے۔ منشاء یہ تھا کہ مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت اگر مطالبہ پر جمع ہوجائے تو امید ہے کہ فریق ثانی بھی اس کی طرف توجہ کرے گا اور باہمی موافقت کی صورت پیدا ہوجائے گی۔ اس سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی شامل رہنے کی درخواست کی گئی تاکہ اصلاح کی کوئی صورت پیدا ہوجائے۔ چنانچہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں:
فسارت معہم بقصد الاصلاح وانتظام الامور . (تفسیر روح المعانی ج22ص10 تحت آیت وقرن فی بیوتکن)
اس کے بعد بہت سارے حضرات ان اکابر (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ) کے ساتھ شریک ہوگئے اور بصرہ کی طرف سفر شروع کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب اطلاع ملی تو انہوں نے بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بصرہ کی طرف سفر شروع کیا۔ بصرہ کے قریب جب دونوں جماعتیں اپنے اپنے مقام پر پہنچیں تو بعض معتمد حضرات کے ذریعے مصالحت کی گفتگو جاری ہوئی۔ اسی موقعہ پر حضرت قعقاع بن عمر التمیمی حضرت عائشہ اور ان کی جماعت کے پاس آئے اور عرض کیا:
ای اُمَّہ ما اشخصک وما اقدمک ھذہ البلدۃ قالت: ای بنی! اصلاح بین الناس.(روح المعانی ج22ص9، 10 وقرن فی بیوتکن)
حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ فرمانے لگے اے ام المومنین! اس شہر میں آپ کا تشریف لے آنا کسی مقصد کے لیے ہے؟ تو ام المومنین نے فرمایا اے بیٹے !لوگوں کے درمیان اصلاح کی

صورت پیدا کرنے کے لیے۔
اس پر حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کریں تاکہ مسلمانوں میں انتشار کی یہ فضا ختم ہوجائے اور اتفاق پیدا ہوجائے تاکہ حضرت عثمان کا بدلہ لینا آسان ہوجائے۔
افہام و تفہیم کے اس بیان کے بعد حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے ارشاد فرمایا:
اصبت واحسنت فارجع الخ
یعنی آپ کی بات درست ہے ہم اس پر آمادہ ہیں۔ آپ جائیں (اور فریق ثانی کو اطلاع دیں)
فرجع الی علی فاخبره فاعجبہ ذالک واشرف القوم علی الصلح کره ذالک من کرہہ ورضیہ من رضیہ وارسلت عائشۃ الی علی تعلمہ انہا انما جاءت للصلح ففرح ہولاء وھولاء. (البدایہ لابن کثیر ج7ص239 روح المعانی ج22 ص9، 10)
مختصر یہ کہ جب یہ اطلاع حضرت علی کو ملی تو بہت خوش ہوئے اور باقی لوگ بھی صلح پر متوجہ ہوئے۔ البتہ بعض لوگوں کو یہ چیز ناگوار گزری اور بعض کو پسند آئی۔ بہرحال فریقین نے صلح ومصالحت پر اتفاق ظاہر کیا۔
اس موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک تاریخی خطبہ دیا اور اس میں یہ بھی اعلان فرمایا کہ :
الا وانی راحل غدا فارتحلوا الا ولا یرتحلن غدا احد اعان علی عثمان بشئی فی شئی من امور الناس.
(الفتنۃ وقعۃ الجمل لسیف بن عمر الضی ص147 البدایہ لابن کثیر ج7ص237)
ہم کل یہاں سے روانہ ہوں گے (اور دوسرے فریق کے پاس جائیں گے) اور خبردار جس نے بھی حضرت عثمان کے قتل پر اعانت کی ہے وہ ہم سے الگ ہوجائے، ہمارے ساتھ نہ رہے۔
جب یہ اعلان ہوا تو فتنہ انگیز پارٹی کے سربراہ شریح بن اوفیٰ، علباء بن الہیثم، سالم بن ثعلبہ العبسی، عبداللہ بن سبا المعروف بابن السوداء وغیر ہ سخت پریشان ہوئے اور انہیں اپنا انجام تاریک نظر آنے لگا۔ قابل غور بات یہ تھی کہ اس پارٹی میں ایک بھی صحابی نہ تھا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:
ولیس فیہم صحابی وللہ الحمد. (البدایہ لابن کثیر ج7ص238)
اس پارٹی نے ایک خفیہ مشورہ کے تحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا لیکن باہم اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے یہ منصوبہ ناکام رہا۔ چنانچہ شیخ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں:
فان بعضہم کان عزم علی الخروج علی الامام علی رضی اللہ عنہ وعلی قتلہ لما نادیٰ یوم الجمل بان یخرج عن قتلۃ عثمان الخ . (کتاب الیواقیت والجواہر ج2ص77)
بہرحال یہ دشمن تو اپنے اس مذموم عمل میں ناکام رہے، ادھر دونوں جماعتیں دو مقام پر جمع ہوئیں۔ حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اپنے ساتھیوں کے ساتھ ”زابوقہ“ کے مقام پر پہنچے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی جماعت کے ساتھ ”ذاقار“ کے مقام پر تشریف لائے۔ قعقاع کے میدان میں فریقین کی صلح ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلین کو شرعی سزا دینے پر راضی ہوگئے اور دوسری جماعت (حضرت طلحہ وغیرہ) بیعت پر راضی ہوگئے اور اس صلح پر کوئی شک نہ رہا۔
وہم لا یشکون فی الصلح . (الفتنۃ وقعۃ الجمل ص155 روح المعانی ج22ص9، 10)
ان حالات میں تمام حضرات نے خیر اور سلامتی سے رات گذاری لیکن مفسدین اور قاتلین عثمان پوری رات فتنہ کھڑا کرنے کی تدابیر میں مصروف رہے آخر کار تاریکی میں دفعۃ لڑائی کرادینے پر ان کا اتفاق ہوگیا۔
اس واقعہ جمل کو علامہ قرطبی نے اپنی مشہور تفسیر احکام القرآن میں سورۃ الحجرات کی آیات کے تحت اس طرح بیان فرمایا ہے:
قلت : فهذا قول في سبب الحرب الواقع بينهم. وقال جلة من أهل العلم : إن الوقعة بالبصرة بينهم كانت على غير عزيمة منهم على الحرب بل فجأة ، وعلى سبيل دفع كل واحد من الفريقين عن أنفسهم

لظنه أن الفريق الآخر قد غدر به ، لأن الأمر كان قد انتظم بينهم ، وتم الصلح والتفرق على الرضا. فخاف قتلة عثمان رضي الله عنه من التمكين منهم والإحاطة بهم ، فاجتمعوا وتشاوروا واختلفوا ، ثم أتفقت آراؤهم على أن يفترقوا فريقين ، ويبدأوا بالحرب سحرة في العسكرين ، وتختلف السهام بينهم ، ويصيح الفريق الذي في عسكر علي : غدر طلحة والزبير. والفريق الذي في عسكر طلحة والزبير : غدر علي. فتم لهم ذلك على ما دبروه ، ونشبت الحرب ، فكان كل فريق دافعا لمكرته عند نفسه ، ومانعا من الإشاطة بدمه. وهذا صواب من الفريقين وطاعة لله تعالى ، إذ وقع القتال والامتناع منهما على هذه السبيل. وهذا هوالصحيح المشهور. والله أعلم.

(تفسیر قرطبی ج16ص318، 319)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ بصرہ میں جنگ جمل کا جو واقعہ پیش آیا تھا وہ قتال کے ارادہ سے وقوع پذیر نہیں ہوا تھا بلکہ یہ صورتحال اچانک قائم کردی گئی تھی، ایک فریق یہ گمان کرتے ہوئے کہ دوسرے فریق نے بد عہدی کی ہے اپنے دفاع کے لیے قتال کررہا تھا کیونکہ ان کے درمیان صلح کی بات تو ہوچکی تھی وہ اپنی اپنی جگہ باہمی اعتماد اور رضا مندی سے ٹھہرے ہوئے تھے لیکن قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو خوف لاحق ہوا کہ یہ صلح ہوگئی تو ہماری خیر نہیں لہٰذا وہ جمع ہوئے اور مشورہ کرنے لگے، پہلے ان کا کچھ آپس میں اختلاف ہوا لیکن بعد میں اس امر پر متفق ہوگئے کہ ہم دو جماعتوں میں تقسیم ہوجائیں کچھ حضرت علی کی جماعت میں شامل ہوجائیں اور کچھ دوسرے فریق میں گھس جائیں اور علی الصباح دونوں لشکروں میں لڑائی کی ابتداء کریں، ایک فریق کی جانب سے دوسرے فریق پر تیر اندازی کریں اور جو فریق حضرت علی کے لشکر میں پہنچے وہ فریاد کرے کہ حضرت طلحہ والوں نے عہد شکنی کی ہے اور جو حضرت طلحہ والو ں کے لشکر میں ہوں وہ فریاد کریں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ والوں نے عہد شکنی کی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ یہ قتال اور دفاع دونوں فریق کی طرف سے مذکورہ نوعیت میں واقع ہوا تھا۔ یہی بات درست اور صحیح ہے۔

اس کو جنگ ''جمل'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آخر کار اس لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت غالب آگئی اور دوسرے فریق کے اکابر حضرت زبیر اور حضرت طلحہ وغیرہم شہید ہوگئے اور یہ فریق مغلوب ہوگیا۔ اس کے بعد امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے ام المؤمنین کو حفاظتی انتظام کے ساتھ لایا گیا۔ حضرت علی نے سلام عرض کیے اور خیریت دریافت کی، حضرت صدیقہ نے فرمایا: میں بخیریت ہوں، اس کے بعد چند ایام بصرہ میں گذارنے کے بعد جب حجاز کی طرف سفر کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ضروریات سفر مہیا کر کے بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ روانہ فرمایا۔ چونکہ یہ واقعہ دشمنوں کی ناپاک حرکتوں کی وجہ سے سرزد ہوا اس لیے اس واقعہ پر دونوں فریقین کی طرف سے اظہار افسوس روایات بھی منقول ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اظہار افسوس:

عن قیس بن عبادۃ قال قال علی یوم الجمل یا حسن لیت اباک مات منذ عشرین سنۃ فقال لہ یا ابہ قد کنت انہاک عن ہذا قال یا بنی انی لم ار ان الامر یبلغ ہذا. (البدایہ لابن کثیر ج2ص240)

حضرت امی عائشہ رضی اللہ عنہا کا اظہار افسوس:

فقالت انما ارید ان یحجز بین الناس مکانی قالت ولم احسب ان یکون بین الناس قتال ولو علمت ذالک لم اقف ذالک الموقف ابدا. (مصنف عبدالرزاق ج5ص475 غزوات ذات السلاسل وخیر علی و معاویہ)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا خیال تھا کہ میں اپنے مقام و مرتبہ کی بنا پر لوگوں کے درمیان جنگ و قتال سے مانع ہوں گی اور مجھے یہ گمان ہی نہ تھا کہ لوگوں کے درمیان لڑائی واقع ہوگی۔ اگر یہ بات مجھے پہلے معلوم ہوتی تو میں اس مقام پر ہرگز نہ پہنچتی۔

امی عائشہ رضی اللہ عنہا پر اعتراضات کا جائزہ:

جنگ جمل میں شرکت کی وجہ سے حضرت سیدہ ام المومنین عائشہ پر جو سطحی قسم کے اعتراضات کیے گئے ہیں ذیل میں ان میں سے کچھ اعتراضات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

اعتراض1:

قرآن پاک میں ازواج مطہرات کو اپنے گھر میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا گیا ہے حضرت عائشہ نے جنگ جمل میں شرکت کر کے قرآن مجید کے احکام کی صریح خلاف ورزی کی ہے۔

جواب:

مشہور مثال ہے "المعترض کالاعمی" یہی حال مذکورہ اعتراض کرنے والوں کا بھی ہے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت کریمہ "و قرن فی بیوتکن ولا تبرجن" میں استقرار فی البیوت کا جو حکم دیا گیا ہے وہ عام نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ایک خاص نوعیت اور کیفیت کے ساتھ ہے اور وہ جاہلیت کی رسم کے مطابق زیب و زینت کے ساتھ بغیر پردے کے گھر سے باہر نکلنا ہے۔ اعتراض کرنے والوں کے قول کے مطابق اگر امہات المومنین کو گھروں سے نکلنا منع ہوتا تو وہ درج ذیل احکام شرع پر کیسے عمل کرتیں حالانکہ بالاتفاق مندرجہ ذیل احکام ان کے حق میں بھی وارد ہوئے ہیں اور انہوں نے یہ امور سر انجام بھی دیے ہیں:

* حج و عمرہ کے لیے جانا
*غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانا
*نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے وقت اپنے حجروں سے نکل کر عیادت کے لیے حضرت عائشہ کے حجرہ مقدسہ میں جانا
*فوت شدگان کی تعزیت کے لیے جانا
* والدین اور اقارب کی ملاقات کے لیے تشریف لے جانا
*عیادت مریض کے لیے تشریف لے جانا
* حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب امہات المومنین سفر حج کے لیے جانے لگیں تو ان کے ساتھ محافظ کے طور پر سیدنا عثمان غنی اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف کو امیر المومنین سیدنا عمر فاروق نے روانہ کیا۔ (روح المعانی ج22 ص12 تحت الایہ قرن فی بیوتکن)

اس سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کا اپنے گھروں سے نکلنا مطلقا منع نہ تھا، اس لیے امہات المومنین مذکورہ بالا امور شرعیہ کو پوری زندگی سر انجام دیتی رہیں اور دینی معاملات کو پورا کرنے کے لیے تستر اور حجاب کے ساتھ گھروں سے نکلتی رہیں اور آج گئے گزرے دور میں بھی پردہ نشین عورتیں ستر وحجاب کی پابندیوں کے ساتھ سفر کے لیے نکلتی ہیں خاص طور پر وہ سفر جو دینی، ملی یا دنیاوی مصالح پر مبنی ہو جیسے حج و عمرہ اور جہاد وغیرہ

جنگ جمل کے موقع پر ام المومنین سیدہ عائشہ نے بھی ایک دینی مصلحت یعنی اصلاح بین الناس اور مطالبہ قصاص ازخلیفہ عادل کے لیے سفر اختیار فرمایا تھا جو کہ بالکل صحیح تھا اور اس کا جواز حج و عمرہ کی طرح ہے۔ چنانچہ امام المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ سفر بھی اس نوعیت کا تھا کہ مسلمانوں میں باہم رخنہ پڑگیا تھا اس کی اصلاح ہو اور امام عادل کے قتل کے قصاص کے مطالبہ میں سب مسلمان متفق اور شریک ہوں... آپ کا یہ سفر حج و عمرہ کے سفر کی مانند تھا۔

تحفہ اثنا عشریہ ص630 عالمی مجلس تحفظ اسلام کراچی

اعتراض2:

حضرت عائشہ کا یہ سفر بغیر محرم کے تھا لہذا، عند الشرع صحیح نہ تھا ۔

جواب:

یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس لیے کہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سفر ایک نیک مقصد کے لیے تھا اور شرعی محارم کے ہمراہ تھا، علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اماں جی کے ساتھ آپ کی بہنوں؛ حضرت اسماء اور ام کلثوم کے صاحبزادے اس سفر میں موجود تھے ۔ امام المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دریں سفر عبداللہ بن زبیر ہمشیرہ زادہ حقیقی وے ہمراہ وے بود وطلحہ بن عبیداللہ شوہر خواہرش ام کلثوم بنے ابی بکر وزبیر بن العوام شوہر خواہر دیگرش بود اسمائ بنت ابی بکر واولاد ایں ہر دو نیز ہمراہ بود

تحفہ اثناء عشریہ ص330 طبع لاہور در تحت جواب طعن اول

نیز عظیم مفسر سید محمود آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وکان معہا ابن اختہا عبداللہ بن الزبیر وغیرہ من ابناء اخواتہا ام کلثوم زوج طلحہ واسماء زوج الزبیر بل کل من معہا بمنزلۃ الابناء فی المحرمیۃ وکانت فی ہودج من حدید

روح المعانی ج22ص10 تحت الایۃ وقرن فی بیوتکن

خلاصہ یہ ہے کہ اماں جی رضی اللہ عنہا کا یہ سفر محارم کے ساتھ ہوا تھا۔ اس لیے یہ اعتراض ساقط الاعتبار ہے۔

اعتراض3:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے یہ قتال حضرت علی سے عناد اور عداوت کی وجہ سے کیا تھا اور اس میں ناکامی کی وجہ سے بعد میں شرمندگی کا اظہار کرتی تھیں اور رویا کرتی تھیں۔

نیز یہ اعتراض حضرت طلحہ اور حضرت زبیر پر بھی عائد ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں حضرات کو بھی حضرت علی کی خلافت سے شدید عداوت تھی، حضرت عثمان کے قصاص کا مطالبہ ایک بہانہ تھا۔

جواب :

اس اعتراض کے متعلق چند باتیں پیش خدمت ہیں:

[۱]: یہ اعتراض بھی جہلاء نے اہل بیتِ رسول سے بغض و عداوت کی وجہ سے وضع کیا ہے حالانکہ اہل بیت رسول کے ساتھ امیر المومنین سیدنا علی اور دیگر اصحاب رسول کا بہت ہی اچھا برتاؤ تھا اور اہل بیت بھی حضرت علی المرتضی اور اصحاب رسول سے محبت و مودت کا تعلق رکھتے تھے۔

[۲]: واقعہ جمل پر صرف حضرت عائشہ نے ندامت اور افسوس کا اظہار نہیں کیا بلکہ امیر المومنین محبوب المسلمین سیدنا علی سے بھی اس واقعہ پر اظہار افسوس اور متاسفانہ کلام منقول ہے ذیل میں دو حوالے درج کیے جاتے ہیں:

1: سید محمود آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فقد صح انہ رضی اللہ عنہ لما وقع الا نہزام علی من مع ام المومنین وقتل من قتل من الجمعین طاف فی مقتل القتلیٰ کان یضرب فخذیہ ویقول : یا لیتنی مت من قبل ھذا وکنت نسیا منسیا . (روح المعانی ج22ص11)

2 : امام المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت امیر قتلی را ملاحظہ فرمود، را نہائے خود را کوفتن گرفت و مے فرمود یالیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیا منسیا . (تحفہ اثناء عشریہ ص335)

مذکورہ دونوں حوالہ جات کا خلاصہ یہ ہے کہ امیر المومنین سیدنا علی نے جب جمل کے مقتولین پر نظر ڈالی تو اس وقت بے ساختہ طور پر اپنی رانوں پر ہاتھ مارتے تھے اور فرماتے تھے کہ کاش میں اس سے قبل فوت ہوگیا ہوتا اور بھلا دیا گیا ہوتا۔

کیا معترضین اب حضرت علی کے بارے میں بھی وہی کہیں گے جو انہوں نے اماں جی کے بارے میں کہاہے بلکہ اس مقام پر حضرت علی المرتضی کے کلام سے جو مراد لیا گیا ہےحضرت عائشہ کے فرمان میں بھی اسی قسم کا کلام پایا گیا ہے اور اس کا مقصد و محمل بھی وہی ہے۔

[۳]: حضرت اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کرام کا واقعہ جمل کے بعد اس پر تاسف کرنا اور پریشان ہونا خشیت الہی اور تقوی کی بناء پر تھا اور مسلمانوں کے باہم قتال اور افتراق بین المسلمین پر تھا۔ اس سے جانبین کی باہمی عداوت اور عناد کا تصور قائم کرنا اصل کلام کے محمل سے بعید تر ہے اور مقصد کلام کے خلاف ہے اور توجیہ القول بمالا یرضی بہ القائل کے قبیل سے ہے -

اعتراض4:

حضرت عائشہ نے جنگ جمل کے سفر میں نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

مخالفت کی بلکہ اس پر جمی بھی رہیں وہ اس طرح کہ اہل تشیع کی عام روایات اور اہل السنہ کی بعض روایات میں ہےکہ حضرت عائشہ کا لشکر مکہ سے بصرہ کی طرح جب عازم سفر ہوا تو راستہ میں ایک ایسے مقام سے گزرا جہاں پانی تھا تو وہاں کتوں نے بھونکنا شروع کردیا۔ حضرت عائشہ نے پوچھا کہ یہ کونسامقام ہے؟ تو محمد بن طلحہ نے جواب دیا کہ اس جگہ کو ”حوآب“ کہتے ہیں۔ یہ سن کر آپ فرمانے لگیں کہ ”ردونی“ مجھے واپس لے چلو کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنی ازواج مطہرات سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ تم میں سے اس کا کیا حال ہوگا جس پر حوآب کے کتے بھونکیں گے۔ اس پر حضرت طلحہ و زبیر اور لشکر کے دیگر نے تحقیق کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ مقام ماء الحوآب نہیں ہے۔ لوگوں کی شہادت کے بعد حضرت عائشہ نے پھر آگے سفر شروع کردیا۔

اس روایت کی بناء پر مخالفین صحابہ سیدہ پر سخت معترض ہوئے کہ انہوں نے اس فرمان نبوی کی علانیہ مخالفت کی اور بصرہ کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔

جواب:

اس اعتراض کا جواب دو طرح سے دیا جاسکتا ہے:

1: روایت کے اعتبار سے 2: درایت کے اعتبار سے۔

روایت کے اعتبار سے:

[۱]: مستند کتب احادیث میں یہ روایت نہیں ہے۔

[۲]: واقعہ کی اکثر سندوں کا آخری راوی قیس بن ابی حازم ہے جس کے بارے میں علماء رجال نے تصریح کی ہے کہ یہ شخص منکر الحدیث ہے اور اس سے کئی منکر روایات مروی ہیں جن میں سے ایک روایت ”کلاب الحوآب“ بھی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن الحجر العسقلانی تحریر کرتے ہیں:

قال ابن المدینی قال لی یحیی بن سعید: قیس بن ابی حازم منکر الحدیث ثم ذکر لہ یحیی احادیث مناکیر منہا حدیث کلاب الحوآب. (تہذیب التہذیب ج8ص388 تحت قیس بن ابی حازم)

[۳]: اس واقعہ کی بعض روایات میں عبدالرحمان بن صالح ازدی پایا جاتا ہے جس کے بارے میں علماء رجال نے تصریح کی ہے کہ یہ جلنے والا شیعہ ہے اور صحابہ کرام کے حق میں مثالب و مصائب کی بری روایات بیان کرتا ہے اور کوفہ کے مشہور غالی جلنے والے شیعوں میں سے ہے
-

(الکامل لابن عدی ج4ص1627 تحت عبدالرحمان بن صالح، العلل المتناہیہ فی الاحادیث الواہیۃ لامام ابن الجوزی ج2ص366)

[۴]: عظیم محقق مولانا محمد نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس واقعہ کی عام روایات عموما عند المحدثین سقیم پائی جاتی ہیں اور بیشتر علماء کےنزدیک اس واقعہ کی روایت منکر و مجروح ہیں۔

(سیرت سید علی المرتضی ص241)

[۵]: واقعہ حوآب مورخین کے نزدیک کوئی متفق علیہ امر نہیں ہے کہ جس کا انکار کرنا مشکل ہو کیونکہ قدیمی مورخین میں سے اکثر نے اس واقعہ کو اس مقام میں ذکر ہی نہیں کیا شہادت کے طور پر ہم فریقین کے ایک ایک مؤرخ کا فقط نام ذکر کرتے ہیں:

1: خلیفہ بن خیاط م240ھ

2: صاحب اخبار الطوال احمد بن داود دینوری شیعی م282ھ

بعض مورخین نے اس واقعہ کو ذکر کیا ہے لیکن اس کی سند انتہائی کمزور اور مجروح ہے مثلا مورخ الطبری نے اپنی تاریخ میں اپنی سند کے ساتھ اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور اس کی سند علماء فن کے نزدیک مجروح ہے۔ مثلا:

1: طبری کا استاد اسماعیل بن موسی فزاری ہے جو غالی شیعہ ہے

2: پھر اس کا استاد علی بن عابس الرزاق بالکل غیر معتبر ہے۔

3: اس کے بعد دو راوی ابو الخطاب الہجری اور صفوان بن قبیصہ الاحمسی دونوں مجہول ہیں

4: پھر ان سے اوپر والے راوی صاحب الجمل العرنی اور اس کے بعد العرش کو ایک سوار ملتا ہے العرنی اور سوار دونوں مجہول ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ طبری کی یہ روایت مذکورہ بالا کوائف کی وجہ سے بالکل بے حکم ہے، ہرگز قابل اعتماد نہیں ہے، بعد والے لوگوں نے طبری سے ہی نقل کی ہے۔

درایت کے اعتبار سے:

اگر بالفرض ''روایت حوآب ''کو درست تسلیم کر لیا جائے اور علماء کی تنقیدات سے صرف نظر کرلیا جائے تب بھی درایت کے اعتبار سے جواب یہ ہے کہ پیش کردہ روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عامر کے پانیوں سے گزرنے سے منع نہیں فرمایا اور نہ ہی اس کی طرف کوئی اشارہ پایا جاتا ہے بلکہ خود حضور صلی ا للہ علیہ وسلم نے اپنے ازواج مطہرات کو بطور پیش گوئی یہ ارشاد فرمایا تھا کہ تم میں ایک کو یہ مصیبت پیش آئے گی جو بعد میں صحیح ثابت ہوئی۔ اس حدیث سے نہی سمجھنا اور مخالفت رسول پر اصرار اور ضد کی نسبت سیدہ صدیقہ کی طرف کرنا بالکل غلط ہے اور سیدہ اس اعتراض سے بری ہیں۔

﴿جنگِ صفین﴾

بلادِشام کی مشرق جانب میں ایک مقام ہے جس کا نام ''صفین '' ہے۔ وہاں فریقین کی جماعتوں کا اجتماع ہوا۔ یہ محرم 37ھ کا واقعہ ہے ۔

فریقین کا موقف:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس مسئلہ میں موقف یہ تھا کہ فریق مقابل کے مطالبہ قصاص دمِ عثمان کی صورت یہ ہونی چاہیے کہ پہلے بیعت کریں، اس کے بعد اپنا قصاص عثمانی کا مطالبہ مجلس خلیفہ میں پیش کریں ۔ بعد ازاں حکم شریعت کے مطابق اس مطالبہ کا شرعی فیصلہ کیا جائے گا ۔ (البدایہ لابن کثیر ج8ص127تحت ترجمہ معاویہ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت میں متعدد صحابہ کرام تھے جو ملک شام میں رہتے تھے، ان کی رائے یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلماً شہید کےگئے ہیں اور ان کے قاتلین علوی جیش میں موجود ہیں، لہذا ان سے قصاص لیاجائے اور ہمارا مطالبہ صرف قصاص دم عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے خلافت کے بارے میں ہمارا نزاع نہیں ہے ۔

واما الخلافۃ فلسنا مطلبھا. (الفتنۃ وقعۃ الصفین لنصرین تراجم المنقری الشیعی ص 70)

حجۃ معاویۃ ومن معہ ماوقع معہ من قتل عثمان رضی اللہ عنہ مظلوماً ووجود قتلتہ باعیا نھم فی العسکر العراقی

(فتح الباری ج3ص246 کتاب الاعتصام بالکتاب و السنۃ)

ولیس المراد بما شجر بین علی رضی اللہ عنہ ومعاویۃ رضی اللہ عنہ المنازعۃ فی الامارۃ کما تو ھمہ بعضہم وانما المنان عنہ کانت بسبب تسلیم قتلۃ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ الیٰ عشیرتہ لیقتصوا منھم.

(کتاب الیواقیت والجواہر ج2ص27 المسامرۃ للکمال بن ابی شریف ص 158،159)

مندرجہ بالا حوالہ جات کی روشنی میں فریقین کے موقف سامنے آگئے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مطالبہ پر حضرت رضی اللہ عنہ طرف سے جو رائے تھی وہ درج ذیل ہے :

لان علیا کان رای ان تاخیر تسلیمھم اصوب اذ العبادۃ بالقبض علیہم مع کثرۃ عشائرھم واختلاطہم بالعسکر یودی الیٰ اضطراب امر الاماره. (کتاب الیواقیت والجواہر ج2ص77الصواعق المحرقۃ مع تطہیر الجنان ص216)

لہذا تعجیل کی بجائے تاخیر کرنی چاہیے ۔

فریقین کے موقف یہی تھے ۔ اور دونوں اپنے اپنے نظریات پر شدت کے ساتھ قائم رہے تاآنکہ یہ واقعہ پیش آیا۔

ایک اشکال مع جواب:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر عام اشکال یہ ہوتا ہے کہ مطالبہ کا حق وارث کو ہوتاہے ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مطالبہ کیوں کیا؟

اس کا جواب خود شیعہ کتب میں موجود ہے:

ان معاویہ یطلب بدم عثمان ومعہ ابان بن عثمان وولد عثمان رضی اللہ عنہ.
(کتاب سلیم بن قیس الکوفی الہلالی العامری الشیعی ص 153 مطبوعہ نجف)
یعنی دم عثمان کے قصاص کے مطالبہ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابان بن عثمان اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دیگر فرزند شامل تھے۔

اختلاف کو ختم کرنے کی کوششیں:

فریقین کے درمیان اس دور کے بعض اکابر حضرات کے ذریعے اس اختلاف کو ختم کرنے کی کوششیں کی گئیں اور یہ کوشش کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قیام گاہ سے حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کی وساطت سے شروع ہوئی اور دیگر حضرات کے ذریعے تخلیہ اور صفین کے مقامات پر قیام کے دوران بھی یہ کوشش جاری رہی۔ (البدایہ ج7ص258،253 سیر اعلام النبلاء للذہبی ج3ص93)

لیکن فریقین اپنے موقف سے دستبردار نہ ہوئے آخر قتال کی صورت پیش آئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فتر اسلوا فلم یتم لهم امر فوقع القتال الیٰ ان قتل من الفریقین (فتح الباری ج13ص73)

جانبین میں مر اسلت ہوئی لیکن کسی بات پر معاملہ طے نہ ہو سکا تو قتال واقع ہوا اور فریقین سے لوگ مقتول ہوئے۔

ان کی صحیح تعداد اللہ کومعلوم ہے۔ جیسے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فقتل فی هذاالموطن خلق کثیر من الفریقین لا یعلم الا اللہ. (البدایہ ج7ص271)

البتہ جن اکابر کی اس قتال میں شہادت ہوئی ہے ان میں حضرت عمار بن یاسر، حضرت خزیمہ بن ثابت، رضی اللہ عنہم وغیرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں تھےاور حضرت عبیداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہا، حضرت ذوالکفل اور حوشب رضی اللہ عنہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت میں سے شہید ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

بعض مورخین کے قول کے مطابق بدھ، جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کی رات ماہ صفر 37ھ کے اوقات اس جنگ میں مشکل ترین تھے اور ان ایام میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ (البدایہ ج7ص261)

آخر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے صلح کی دعوت ہوئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول کیا اور طے ہوا کہ ہر فریق کی طرف سے ایک ایک حکم اس مسئلے کے فیصلے کے لیے منتخب کیا جائے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمروبن العاص فیصل تسلیم کیے گئے اور طے ہوا کہ ہر دو فریق کے یہ دونوں فیصل دومۃ الجندل کے مقام پر جمع ہو کر فیصلہ کریں گے۔

(تاریخ خلیفہ ابن خیاطِ ج 1ص174،173 العبر للذہبی ج1ص43)

اعتراض:

مخالفین کی طرف سے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت پر سب وشتم اور لعن طعن کیا جاتا تھا۔

جواب:

اس اعتراض کے کئی جوابات ہیں، ان میں سے دوتین درج کیے جاتے ہیں:

1: جن روایات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فریق مقابل کو سب وشتم کرنے کا ذکر ہے وہ سب روایات قواعد فن کی رو سے درست نہیں۔ ان کے راوی اور ناقلین مجروح اور مردود الروایۃ ہیں۔ مثال کے طور پر اس قسم کی روایات کے راوی ابو مخنف لوط ،یحیی، ابو جناب یحیی بن ابی حی کلبی اور ہشام بن سائب کلبی ہیں اور یہ لوگ علماء رجال کے نزدیک کذاب، دجال، جھوٹے، مفتری، شیعہ امامیہ اور رافضی ہیں اور یہ لوگ روایات میں اپنی طرف سے ملاوٹ کرنے والے اور دروغ گوئی کرنے والے ہیں۔ اس لیے ان کی روایات

ناقابل اعتبار اور متروک ہیں۔

:2 بعض اوقات کلام میں الفاظ توسختی اور تلخ قسم کے پائے جاتے ہیں لیکن ان سے مراد گالی گلوچ نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات باہمی درشت کلامی، سخت گوئی اور تلخ نوائی کو راوی سب و شتم سے تعبیر کردیتے ہیں ایسے مواقع پر صرف فریق مخالف کے عیوب کی نشان دہی کرنا اور دوسرے کی رائے کو غلط اور اپنی رائے کو درست ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے، لعن طعن اور گالی مقصود نہیں ہوتی۔

:3 اگر بالفرض کسی جگہ روایات میں سب و شتم اور لعن طعن پایا بھی جائے تو اس کے مقابل ان روایات پر بھی نظر ڈالنے کی اشد ضرورت ہے جن روایات میں سب و شتم اور لعن طعن سے منع کیا گیا ہے۔ پھر ان متقابل روایات میں قاعدہ ''والمحرم مقدم علی المبیح'' کے مطابق تطبیق دی جائے گی اور سب و شتم اور لعن و طعن سے منع کرنے والی روایات کو اباحت والی روایات پر ترجیح دی جائے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا

از افادات: متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مذہب اہل السنت و الجماعت احناف:

نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے -(الھدایہ ج1 ص 100 ، 101)

مذہب غیر مقلدین:

نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا سنت ہے-(نماز نبوی للالبانی ص77، بارہ مسائل از عبد الرحمن خلیق ص52)

اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے نماز نہیں ہو تی -(قول حق از مولوی محمد حنیف فرید کو ٹی ص21 بحوالہ مجموعہ رسائل ج1 ص325)

فائدہ:

اہل السنت و الجماعت احناف کے ہاں ہاتھ باندھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر، انگوٹھے اور چھنگلیا سے بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑتے ہوئے تین انگلیاں کلائی پر بچھا کر ناف کے نیچے رکھتے ہیں۔ کتاب الآثار میں ہے:

قال محمد: و یضع بطن کفہ الایمن علی رسغہ الایسر تحت السرۃ فیکون الرسغ فی وسط الکف۔[کتاب الآثار بروایۃ محمد: جزء اول ص321 رقم 120]

وقال العینی: واستحسن کثیر من مشایخنا...... بأن یضع باطن کفه الیمنی علی کفه الیسری ویحلق بالخنصر و الابھام علی الرسغ۔

[عمدۃ القاری: ج4 ص389 باب وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلاۃ]

یہ موقف ان دلائل سے ثابت ہے:

1:عن سھل بن سعد رضی اللہ عنہ قال کان الناس یؤمرون ان یضع الرجل الید الیمنی علی ذراعہ الیسری فی الصلوۃ۔

(صحیح البخاری ج 1ص 102باب وضع الیمنی علی الیسریٰ)

2: عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال: لا نظرن الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف یصلی؟ قال فنظرت الیہ قام فکبر ورفع یدیہ حتی حاذتا اذنیہ ثم وضع یدہ الیمنی علی ظھر کفہ الیسری و الرسغ و الساعد ۔

(صحیح ابن حبان:ص577رقم الحدیث1860،سنن النسائی:ج1ص141،سنن ابی داؤد ج 1ص105 باب تفریع استفتاح الصلوٰۃ)

3:عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انا معشر الانبیائ امرنان نؤخرسحورنا ونعجل فطرناو ان نمسک بایماننا علی شمائلنا فی صلوتنا۔ (صحیح ابن حبان ص 555.554ذکر الاخبار عما یستحب للمرء، رقم الحدیث 1770)

4: عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوۃ تحت السرۃ۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج3 ص322،321، وضع الیمین علی الشمال،رقم الحدیث 3959)

دلائل اہل السنت و الجماعت

قرآن مع التفسیر:

روی الامام الحافظ ابو بکر الاثرم قال حدثنا ابو الولید الطیالسی قال حدثنا حماد بن سلمۃ عن عاصم الجحدری عن عقبۃ بن صبھان سمع علیا یقول فی قول اللہ عزوجل فَصل لربك وانحرْ قال: وضع الیمنی علی الیسری تحت السرۃ۔

~~(سنن الاثرم بحوالہ التمہید لابن عبد البر. ج8 ص164 تحت العنوان. عبد الکریم بن ابی المخارق)~~

توثیق رواۃ:

1:امام ابو بکر الاثرم احمد بن محمد بن ہانی (م273ھ): ثقۃ ، حافظ ، لہ تصانیف.(تقریب التہذیب ص122رقم الترجمہ 103)

2:امام ابو الولید ہشام بن عبد الملک الباہلی الطیالسی (م227 ھ): آپ صحاح ستۃ کے راوی ہیں۔" ثقۃ ، ثبت"

(تقریب التہذیب ص603،رقم الترجمہ 7301)

3:حماد بن سلمہ (م167ھ): آپ صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں۔"شیخ الاسلام الحافظ صاحب السنۃ"

(تذکرۃ الحفاظ ج1ص151،رقم الترجمہ 197)

4:امام عاصم الجحدری (م129ھ): ثقۃ. (الجرح والتعدیل للرازی ج6ص؛456،رقم الترجمہ 11176)

5:امام عقبہ بن صبہان (م75ھ او82ھ): آپ صحیح بخاری اورصحیح مسلم کے راوی ہیں ۔" ثقۃ".(تقریب التہذیب ص425 رقم 4640)

6: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: صحابی رسول وداماد رسول ہیں ۔

7:امام ابن عبد البرالمالکی (م463ھ) آپ مشہور مالکی امام ہیں۔" شیخ الاسلام حافظ المغرب" (تذکرۃ الحفاظ ج3ص217)

تو یہ روایت "ثقۃ عن ثقۃ" سے مروی ہے۔ لہذا اصول کی رو سے یہ حدیث بالکل صحیح ہے ۔

اعتراض:

امام ابن عبد البر کی ولادت تقریباً سن 370 ہجری میں ہے اور امام ابو بکر الاثرم کی وفات سن 273 ہجری میں ہے، دونوں کے درمیان تقریباً 100 سال کا فاصلہ ہے تو یہ روایت منقطع ہوئی، لہذا حجت نہیں ؟

جواب:

اولاً...... امام ابن عبد البر نے یہ روایت امام ابو بکر الاثرم کی کتاب سے نقل کی ہے اس کے لئے اتصال ضروری نہیں جس طرح آج کوئی شخص صحیح البخاری سے دیکھ کر روایت ذکر کرے ۔

ثانیاً...... امام ابن عبد البر نے اپنی کتاب "التمہید" میں کئی مقامات پر امام ابو بکر الاثرم تک سند کو ذکر فرمایا ہے۔ مثلا ایک مقام پر آپ فرماتے ہیں:

اخبر نی عبد اللہ ابن محمد یحیی قال حدثنا عبد الحمید ابن احمد البغدادی قال حدثنا الخضر بن داؤدقال حدثنا ابو بکر الاثرم الخ

(التمہید لابن عبد البر: ج1ص78 تحت باب الف فی اسماء شیوخ مالک الذین روی عنہم حدیث النبی علیہ السلام – ابراہیم بن عقبۃ)

تو امام ابن عبد البر سے لے کر امام ابو بکر الاثرم تک سند کا اتصال بھی موجود ہے۔ لہذا یہ روایت بالکل صحیح ہے ۔

احادیث مرفوعہ:

حدیث نمبر1:

حدثنا وكيع ، عن موسى بن عمير ، عن علقمة بن وائل بن حجر ، عن أبيه ، قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم وضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة٭

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج3 ص321، 322، وضع الیمین علی الشمال،رقم الحدیث 3959)

اعتراض:

اس روایت میں تحت السرہ کا لفظ مدرج ہے، احناف نے خود یہ لفظ بڑھایا ہے ابن ابی شیبہ کے کئی نسخوں میں یہ لفظ نہیں ۔

جواب:

تحت السرہ کا لفظ کئی نسخوں میں موجود ہے ۔

1:نسخہ امام قاسم بن قطلوبغا الحنفی (درہم الصرہ ص82)
2:نسخہ شیخ محمد اکرم نصر پوری(درہم الصرہ ص82)
3:نسخہ شیخ عبدالقادر مفتی مکہ مکرمہ (درہم الصرہ ص82)
4:نسخہ شیخ عابد سندھی: اس کا عکس مصنف ابن ابی شیبہ بتحقیق عوامہ ج3میں موجود ہے۔
5:نسخہ قبہ محمودیہ (در الغرۃ ص24 بحوالہ تجلیات ج4ص4)
6:امام محمد ہاشم سندھی فرماتے ہیں:

منہا لفظۃ "تحت السرۃ" وقد وجدت ہی فی ثلاث نسخ من مصنف ابی بکر بن ابی شیبۃ(ترصیع الدرۃ ص4ومصنف ابن ابی شیبہ بتحقیق عوامہ)

ترجمہ: ان میں ایک لفظ ''تحت السرۃ'' ہے، میں نے خود یہ لفظ مصنف ابن ابی شیبہ کے تین نسخوں میں پایا ہے۔

7:شیخ محمد عوامہ کی زیر نگرانی مدینہ منورہ سے 26جلدوں میں طبع ہونے والی مصنف ابن ابی شیبہ میں ''تحت السرۃ'' کے الفاظ موجود ہیں۔

(دیکھیے مصنف ابن ابی شیبۃ:ج3ص320 تا 322)

8: نسخہ شیخ محمد مرتضیٰ الزبیدی: اس کا عکس ملاحظہ ہومصنف ابن ابی شیبہ بتحقیق عوامہ ج3
9: نسخہ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ فیصل آباد: (ج1ص427رقم6باب وضع الیمین علی الشمال)

لہذا ''تحت السرۃ'' کا لفظ مدرج نہیں بلکہ ابن ابی شیبہ کے اکثر نسخوں میں ثابت ہے ۔

حدیث نمبر 2:

عن علی رضی اللہ عنہ: قال ثلاث من اخلاق الانبیاء۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم۔ تعجیل الافطار و تاخیر السحور ووضع الکف علی الکف تحت السرۃ۔ (مسند زید بن علی ص: ص219 باب الافطار. رقم الحدیث300)

فائدہ: یہ سند اہل بیت کی سند ہے ۔

حدیث نمبر 3:

حدثنا أبو معاوية ، عن عبد الرحمن بن إسحاق ، عن زياد بن زيد السوائي ، عن أبي جحيفة ، عن علي ، قال: من سنة الصلاة وضع الأيدي على الأيدي تحت السرر.

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج 3ص324 ،وضع الیمین علی الشمال، رقم الحدیث 3966)

فائدہ: صحابی جب ''سنت'' کا لفظ مطلق بولے تو مراد حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی سنت ہوتی ہے ۔ تصریحات ملاحظہ ہوں:

1: قال ابن الصلاح: وهكذا قول الصحابي : (من السنة كذا) فالأصح أنه مسند مرفوع لأن الظاهر أنه لا يريد به إلا سنة رسول الله صلى الله عليه و سلم۔ (مقدمۃابن الصلاح: ص28)

2: قال الشافعی رضی اللہ عنہ: واصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یقولون بالسنۃ والحق الا لسنۃ رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (کتاب الام ج1 ص479)

3: وقال العینی: قول علي (ان من السنة) هذا اللفظ يدخل في المرفوع عندهم وقال أبو عمر في التفصي واعلم أن الصحابي إذا أطلق اسم السنة فالمراد به سنة النبي صلی اللہ علیہ و سلم۔ (عمدۃ القاری ج4 ص389)

4: قال جمال الدين ا لزیلعی: واعلم أن لفظة السنة يدخل في المرفوع عندهم (نصب الرایۃ: ج1 ص393 باب وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلاۃ)

5: مبشر احمد ربانی غیر مقلد لکھتے ہیں: اور یہ بات اصول حدیث میں واضح ہے کہ جب صحابی کسی امر کے بارے میں کہے کہ یہ سنت ہے تو اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی ہوتی ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ج2 ص142)

شبہ:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمن بن اسحاق الکوفی ہے جو کہ ضعیف ہے۔

جواب نمبر1:

محدثین کا اصول ہے کہ اگر کسی حدیث سے مجتہد استدلال کرلے وہ حدیث صحیح شمار ہوتی ہے:

1:علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

المجتہد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا لہ• (التحریر لابن الہمام بحوالہ رد المحتار: ج7 ص83)

2: علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقد احتج بھذا الحدیث احمد و ابن المنذر وفی جزمہما بذالک دلیل علی صحتہ عندہما.

(التلخیص الحبیر لابن حجر، ج 2،ص143 تحت رقم الحدیث 807)

3: محدث و فقیہ علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فی جزم کل مجتہد بحدیث دلیل علی صحتہ عندہ. (قواعد فی علوم الحدیث ،ص58)

اس اصول کے تحت درج ذیل ائمہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے جو دلیل ہے کہ یہ روایت صحیح ہے۔

1:امام اسحاق بن راہویہ م238ھ (الاوسط لابن المنذر ج3ص94)
2:امام احمد بن حنبل م241ھ (مسائل احمد بروایۃ ابی داود ص31)
3:امام ابوجعفر الطحاوی م321ھ (احکام القرآن للطحاوی ج1ص187)
4:امام ابوبکر الجصاص الرازی م370ھ (احکام القرآن ج3ص476)
5:امام ابوالحسین القدوری م428ھ (التجرید للقدوری ج1ص479 باب وضع الیدین فی الصلاۃ)
6:امام ابوبکر السرخسی م490ھ (المبسوط للسرخسی ج1ص24)
7:امام ابوبکر الکاسانی م578ھ (بدائع الصنائع ج1ص469)
8:امام المرغینانی م593ھ (الہدایہ ج1ص86)
9:علامہ ضیاء الدین المقدسی م643ھ (الاحادیث المختارہ ج3ص387،386)
10:امام ابومحمد المنبجی م686ھ (اللباب فی الجمع بین السنۃ و الکتاب: ج1 ص247)
11:علامہ ابن القیم م751ھ (بدائع الفوائد: ج3 ص73)

جواب نمبر2:

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں: روایت کی تصحیح وتحسین اس کے ہر ہر راوی کی توثیق ہوتی ہے۔(مقدمہ جزء رفع یدین:ص14 مترجم)

ہم ان محدثین و غیرہ کا ذکر کرتے ہیں جنہوں نے ان احادیث کو ”صحیح“ یا” حسن“ کہا ہے جن میں راوی مذکورعبدالرحمن بن اسحاق ہے،تو مذکورہ قاعدہ کی رو سے یہ اس راوی کی توثیق ہو گی۔

1: امام ترمذی:حسن(جامع الترمذی رقم3563)

2: امام حاکم: صحیح الاسناد(مستدرک حاکم رقم1973کتاب الدعاء والتکبیر)

3: امام ذہبی: صحیح الاسناد(مستدرک حاکم رقم1973کتاب الدعاء والتکبیر)

4: امام ضیاء الدین مقدسی: اخرج عنہ(الاحادیث المختارہ ج3ص387،386)

تنبیہ: علی زئی صاحب کے نزدیک ضیاء مقدسی کا کسی حدیث کی تخریج کرنا اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے۔(تعداد رکعت قیام رمضان ص23)

5:ناصرالدین البانی غیرمقلد: حسن(جامع الترمذی رقم3563، باحکام الالبانی)

6: خود زبیر علی زئی نے عبد الرحمٰن بن اسحاق کی ایک روایت کو ''حسن'' کہا ہے۔ (جامع الترمذی: تحت رقم3563، باحکام علی زئی)

جواب نمبر3:

غیر مقلدین حضرات امام عبدالرحمٰن بن اسحاق پر جرح تو نقل کرتے ہیں لیکن جن محدثین نے ان کی تعدیل وتوثیق کی ہے ان کا ذکر نہیں کرتے، لیجیے ان کی تعدیل و توثیق پیش خدمت ہے:

1:امام احمد بن حنبل:صالح الحدیث۔ (مسائل احمد بروایۃ ابی داؤد ص31)

یاد رہے کہ ''صالح الحدیث'' الفاظِ تعدیل میں شمارکیا گیا ہے(قواعد فی علوم الحدیث ص249)

2:امام عجلی: ذکرہ فی الثقات۔(معرفۃ الثقات ج2ص72)

3:امام ترمذی:اس کی حدیث کو ''حسن'' کہا۔(ترمذی رقم3563)

4:امام مقدسی:اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا۔(الاحادیث المختارہ ج3ص387،386)

5:امام بزار:صالح الحدیث(مسند بزار تحت حدیث رقم696)

6:محدث عثمانی:اس کی حدیث ''حسن'' درجہ کی ہے۔(اعلاء السنن ج2ص193)

یاد رہے کہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ جس راوی پر جرح بھی ہو اور محدثین نے اس کی تعدیل وتوثیق بھی کی ہو تو اس کی حدیث ''حسن''درجہ کی ہوتی ہے۔(قواعد فی علوم الحدیث: ص75)

تو اصولی طور پر یہ راوی حسن الحدیث درجے کا ہے، ضعیف نہیں۔ لہذا یہ روایت صحیح و حجت ہے اور اعتراض باطل ہے۔

حدیث نمبر4:

عن انس رضی اللہ عنہ قال ثلاث من اخلاق النبوۃ تعجیل الافطار و تاخیر السحور ووضع الیدالیمنی علی الیسری فی الصلوۃ تحت السرۃ۔ (الجوہر النقی علی البیہقی ج2 ص32)

شبہ:

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی سعید بن زَرْبی پر جرح ہے۔ لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

جواب:

اولاً....... سعید بن زَرْبی پر اگرچہ کلام کیا گیا ہے لیکن شاہد اور مؤیدات کی بناء پر یہ روایت صحیح شمار ہوگی۔

شاہد: عن علی رضی اللہ عنہ: قال ثلاث من اخلاق الانبیاء۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم۔ تعجیل الافطار و تاخیر السحور ووضع الکف علی الکف تحت السرۃ۔ (مسند زید بن علی ص204 ،205،باب الافطار)

ثانیاً....... اس روایت کی معنوی تائید حدیثِ علی رضی اللہ عنہ اور حدیثِ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے بھی ہوتی ہے۔

(دیکھیے:مصنف ابن ابی شیبۃ،باب وضع الیمین علی الشمال،رقم الحدیث 3966،رقم الحدیث 3959)

ثالثاً....... جامع الترمذی کی ایک روایت کو ناصر الدین البانی صاحب غیر مقلد نے ''صحیح'' قرار دیا ہے اور اس میں یہی سعید بن زربی موجود ہے۔

(دیکھیے جامع الترمذی باحکام الالبانی: رقم3544، باب خلق اللہ مائہ رحمۃ، مکتبہ شاملہ)

خلاصہ یہ کہ یہ روایت مؤیدات اور شاہد کی بناء پر صحیح ہے۔ وللہ الحمد

احادیث موقوفہ:

1: حدثنا محمد بن محبوب حدثنا حفص بن غیاث عن عبد الرحمن بن إسحاق عن زیاد بن زید عن أبی جحیفة أن علیا رضی الله عنه قال السنة وضع الکف علی الکف فی الصلاة تحت السرة۔

(سنن ابی داؤد: ج1 ص117 باب وضع الیمنی علی الیسریٰ فی الصلوۃ)

2: عن ابی جحیفۃ عن علی قال ان من السنۃ فی الصلوۃ المکتوبۃ وضع الایدی علی الایدی تحت السرۃ۔

~~(الاحادیث المختارہ ج2 ص387رقم الحدیث 772)~~

3: عن ابی جحیفۃ عن علی قال ان من السنۃ فی الصلوۃ وضع الاکف علی الاکف تحت السرۃ۔
(الاحادیث المختارہ ج2 ص386،387رقم ا لحدیث 771)

4: حدثنا مسدد حدثنا عبد الواحد بن زیاد عن عبد الرحمن بن إسحاق الکوفی عن سیار أبی الحکم عن أبی وائل قال قال أبو ھریرۃ أخذ الأکف علی الأکف فی الصلاۃ تحت السرۃ.
(سنن ابی داود ج1 ص117،التمہید لابن عبد البر: ج8ص164)

احادیث مقطوعہ:

1: امام ابرا ہیم نخعی کے متعلق آتا ہے کہ:

انہ کان یضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری تحت السرۃ۔
(کتا ب الآثار بروایۃ الامام محمد: جزء1 ص323 رقم الحدیث 121، مصنف ابن ابی شیبہ ج3ص322 رقم 3960)

2: امام ابو مجلز:

حدثنا یزید بن ھارون ، قال: أخبرنا الحجاج بن حسان ، قال: سمعت أبا مجلز ، أو سألتہ ، قال: قلت: کیف اصنع ؟ قال: یضع باطن کف یمینہ علی ظاھر کف شمالہ ، ویجعلھا أسفل من السرۃ. (مصنف ابن ابی شیبہ ج3ص323 رقم الحدیث3963)

ائمہ مجتہدین:

1: امام اعظم فی الفقہاء امام ابو حنیفہ تا بعی رحمہ اللہ (کتا ب الآثار بروایت امام محمد ص24)

2: امام سفیان ثوری: ثم یضع یدہ الیمنی علی رسغ الید الیسری تحت السرۃ۔ (فقہ سفیان ثوری ص561)

3: امام ابو یوسف القاضی (احکام القرآن للطحا وی ج1ص185)

4: امام محمد بن حسن الشیبا نی فر ما تے ہیں:

ینبغی للمصلی اذا قام فی صلواتہ ان یضع باطن کفہ الیمنی علی رسغ الیسری تحت السرۃ۔ (موطا امام محمد ص160)

5: امام اسحا ق بن راہویہ (شرح مسلم للامام النووی ج1ص173)

6: امام احمد بن حنبل: وان کانت تحت السرۃ فلا با س بہ۔ (التمہید ج8ص162تحت العنوان: عبد الکریم بن ابی المخارق)

غیر مقلدین کا ایک عمومی شبہ:

احناف ناف کے نیچے ہاتھ باندھنےکو سنت کہتے ہیں لیکن ان کی عورتیں خلاف سنت نماز پڑھتی ہیں کیونکہ وہ سینہ پر ہاتھ باندھتی ہیں۔

جواب:

عورت کے بارے میں فقہاء کا اجماع ہے کہ وہ قیام کے وقت اپنے ہاتھ سینہ پر رکھے گی اور اجماع مستقل دلیل شرعی ہے۔

1: امام ابو القاسم ابراہیم بن محمد القاری الحنفی السمر قندی (م بعد907) لکھتے ہیں:

و المراۃ تضع [یدیھا] علی صدر ھا بالاتفاق. (مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق: ص153)

2: سلطان المحدثین ملا علی قاری رحمہ اللہ (م1014ھ) فرماتے ہیں:

و المراۃ تضع [یدیھا] علی صدر ھا اتفاقا لان مبنی حالھا علی الستر۔ (فتح باب العنایۃ: ج1 ص243 سنن الصلوۃ)

3: علامہ عبد الحئی لکھنوی رحمہ اللہ (م1304ھ) لکھتے ہیں:

واما فی حق النسائ فاتفقوا علی ان السنۃ لھن وضع الیدین علی الصدر لانھما استر لھا۔ (السعایۃ ج2ص156)

غیر مقلدین کے دلائل کا علمی جائزہ

[۱]: عن ابی الحریش الکلابی حدثنا شیبان حدثنا حماد بن سلمة حدثنا عاصم الجحدری عن أبیه عن عقبة بن صهبان کذا قال إن علیا رضی الله عنه قال فی هذه الآیة (فصل لربك وانحر) قال: وضع یده الیمنی علی وسط یده الیسری ، ثم وضعهما علی صدره.

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج2ص30)

جواب:

اس روایت کی سند میں ایک راوی ابو الحریش الکلابی ہے جو کہ مجہول ہے اسی وجہ سے زبیر علی زئی نے لکھا ہے:

”ابو الحریش کا ثقہ و صدوق ہونا ثابت نہیں ہماری تحقیق میں یہ روایت بلحاظ سند ضعیف ہے۔“ (الحدیث شمارہ نمبر7ص33)

[۲]: أخبرنا أبو زکریا بن أبی إسحاق أخبرنا الحسن بن یعقوب بن البخاری أخبرنا یحیی بن أبی طالب أخبرنا زید بن الحباب حدثنا روح بن المسیب قال حدثنی عمرو بن مالك النکری عن أبی الجوزاء عن ابن عباس رضی الله عنهما فی قول الله عز وجل (فصل لربك وانحر) قال: وضع الیمین علی الشمال فی الصلاة عند النحر۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ج2ص31)

جواب:

اس روایت کی سند میں کئی راوی ایسے ہیں جو سخت ضعیف و مجروح ہیں:

1: یحیی بن ابی طالب

ان کے متعلق ائمہ کے اقوال درج ذیل ہیں:

1: قال موسی بن هارون: اشهد انہ یکذب۔ (تاریخ بغداد ج12 ص203رقم الترجمہ 7513)

2: قال الآجری: خط ابو داود سلیمان بن الاشعث علی حدیث یحیی بن ابی طالب۔

(تاریخ بغداد ج12ص203،لسان المیزان ج6ص263)

2: روح بن المسیب

ان کے متعلق ائمہ کی آراء یہ ہیں:

1: قال ابن حبان: یروی عن الثقات الموضوعات ویقلب الاسانید ویرفع الموضوعات لاتحل الروایۃ عنہ۔

(کتاب الضعفاء والمتروکین ابن جوزی ج1ص289 رقم الترجمہ 1251)

2: قال ابن عدی: احادیث غیر محفوظۃ۔ (الکامل فی الضعفاء ج3ص58رقم الحدیث 664)

3: عمرو بن مالک النکری

اس کے متعلق ائمہ کی یہ آراء ہیں:

1: قال ابن عدی: منکر الحدیث عن الثقات ویسرق الحدیث ضعفہ ابو یعلی الموصلی۔

(کتاب الضعفاء والمتروکین ابن جوزی ج2ص231رقم الترجمہ 2575)

2: قال الحافظ ابن حجر: عمرو بن مالک یخطی ویغرب۔ (تہذیب التہذیب ج5ص86 ،رقم الترجمہ 6014)

3: ذکرہ الذہبی فی الضعفاء۔ (المغنی فی الضعفاء ج2ص151)

4: قال ابن عدی: ولعمرو غیرہ ذکرت احادیث مناکیر بعضها سرقها من قوم ثقات۔(الکامل لابن عدی ج6ص258-259)

لہذا یہ روایت سخت ضعیف ہے جو کہ صحیح روایات کا مقابلہ نہیں کرسکتی ۔

[۳]: أخبرنا أبو طاهر نا أبو بکر نا أبو موسی نا مؤمل نا سفیان عن عاصم بن کلیب عن أبیه عن وائل بن

حجر قال: صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و وضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری علی صدرہ.
(صحیح ابن خزیمۃ: ج1ص272،رقم الحدیث 479 باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ)

جواب نمبر 1:

اس کی سند میں ایک راوی "مؤمل بن اسماعیل" ہے جن پر بہت سارے ائمہ جرح و تعدیل نے کلام کیا ہے۔ ائمہ کی آراء ملاحظہ ہوں:

1: امام بخاری: منکر الحدیث۔
(المغنی فی الضعفاء للذہبی: ج2ص446 ،میزان الاعتدال للذہبی: ج4ص417،تہذیب التہذیب لابن حجر: ج6ص489)

2: امام ابو زرعہ الرازی: فی حدیثہ خطاء کثیر۔ (میزان الاعتدال: ج4 ص417 رقم 8445)

3: امام ابن حبان: ربما اخطاء۔ (تہذیب التہذیب: ج6ص489 رقم 2877)

4: امام ابن سعد: کثیر الغلط۔ (الطبقات الکبریٰ: ج5 ص501)

5: امام عبد الباقی بن قانع البغدادی: یخطی۔ (تہذیب التہذیب: ج6 ص 490 رقم 8277)

6: امام ذہبی: ذکرہ فی الضعفاء۔ (المغنی فی الضعفاء ج2ص446)

7: امام ابو حاتم الرازی: صدوق کثیر الخطاء۔ (الجرح و التعدیل: ج8 ص427 رقم 15016)

8: امام زکریا بن یحییٰ الساجی: کثیر الخطاء لہ اوہام یطول ذکرہا۔ (تہذیب التہذیب: ج6 ص 490 رقم 8277)

9: امام محمد بن نصر المروزی: فإن هذا حدیث لم یروه عن حماد بن زید غیر المؤمل وإذا انفرد بحدیث وجب أن توقف ویتثبت فیه لأنه كان سیئ الحفظ كثیر الغلط۔ (تعظیم قدر الصلاۃ للمروزی: ص574)

10: یعقوب بن سفیان الفارسی: أن حدیثه لا یشبه حدیث أصحابه، حتى ربما قال: كان لا یسعه أن یحدث وقد یجب على أهل العلم أن یقفوا عن حدیثه، ویتخففوا من الروایة عنه، فإنه منكر یروي المناكیر عن ثقات شیوخنا، وهذا أشد۔

(کتاب المعرفۃ و التاریخ: ج3 ص492)

11: امام دار قطنی: کثیر الخطاء۔ (سوالات الحاکم للدارقطنی: 492)

12: امام احمد بن حنبل: مؤمل کان یخطئی (سوالات المروزی: 53)

13: حافظ ابن حجر العسقلانی: صدوق سیئ الحفظ۔ (تقریب التہذیب:7029 رقم 584)

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: مؤمل بن إسماعیل في حدیثه عن الثوري ضعف۔ (فتح الباری: ج9 ص297)

کثیر الخطأ۔ (ج13 ص42)

اور یہ روایت بھی مؤمل عن الثوری کے طریق سے مروی ہے۔

14: علامہ ابن الترکمانی: دفن کتبہ فکان یحدث من حفظہ فکثر خطاءہ۔ (الجوہر النقی: ج2 ص30)

15: علامہ نور الدین الہیثمی: آپ نے مجمع الزوائد میں مختلف مقام پر مؤمل پر کلام کیا ہے، چند یہ ہیں:

ضعفه البخاري۔ (تحت ح6532 باب کراہیۃ شراء الصدقۃ لمن تصدق بہا)

ضعفه البخاري وغیره۔ (تحت ح7385 باب نکاح المتعۃ)

ضعفه الجمهور۔ (تحت ح8068 باب فی حمر الاہلیۃ)

ضعفه جماعة۔ (تحت ح8563باب ما جاء فی الصباغ)

ضعفه البخاري و غیرہ• (تحت ح8917 باب الخلفاء الاربعۃ)

علامہ الہیثمی کے اس مجموعی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مؤمل بن اسماعیل "ضعیف عند الجمہور" ہے۔

حتی کہ خود غیر مقلدین نے بھی اس پر کلام کیا یا دیگر حضرات کا کلام نقل کیا۔ چنانچہ ناصرالدین البانی صاحب نے اس پر جرح کی اور کہا:

ضعیف لسوء حفظه وكثرة خطإه• (سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: ج2 ص293)

اور اس سند کے بارے میں کہا: اسناده ضعیف لان مؤملا هو ابن اسماعیل سیئی الحفظ.

(حاشیہ ابن خزیمہ ج1ص272 باب فی الخشوع فی الصلاۃ)

نیز محمد عبد الرحمٰن مبارکپوری غیر مقلد نے امام بخاری اور حافظ ابن حجر کا کلام نقل کر کے اس کا مؤمل کا ضعیف ہونا ثابت کیا۔

(دیکھیے تحفۃ الاحوذی: ج6 ص67)

عبد الرؤف بن عبد الحنان سندھو غیر مقلد نے لکھا:

"یہ سند ضعیف ہے کیونکہ مؤمل بن اسماعیل سئی الحفظ ہے جیسا کہ ابن حجر نے تقریب (۲/ ۹۰) میں کہا ہے۔ ابو زرعہ نے کہا ہے کہ یہ بہت غلطیاں کرتا ہے۔ امام بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حافظ عالم ہے مگر غلطیاں کرتا ہے۔ میزان (۴/ ۲۲۸)"

(القول المقبول فی شرح و تعلیق صلاۃ الرسول از عبد الرؤف بن عبد الحنان غیر مقلد: ص340)

جواب نمبر 2:

اس روایت کے راوی امام سفیان ثوری ہیں جو خود ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں ۔ (فقہ سفیان الثوری ص561)

اور جب راوی کا اپنا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو وہ روایت قابل عمل نہیں ہوتی کیونکہ اصول حدیث کا قاعدہ ہے:

عمل الراوی بخلاف روایتہ بعد الروایۃ مما ہو خلاف بیقین یسقط العمل بہ عندنا• (المنار مع شرحہ ص190)

لہذا یہ روایت ساقط العمل ہے۔

[۴]: حدثنا یحیی بن سعید عن سفیان حدثني سماك عن قبیصة بن هلب عن أبیه قال رأیت النبي صلى الله علیه وسلم ینصرف عن یمینه وعن یساره ورأیته قال یضع هذه على صدره• (مسند احمد ج16ص152 رقم 21864)

جواب نمبر1:

اولا........ اس میں ایک راوی سماک بن حرب ہے جس پر بہت سارے ائمہ نے کلام کیا ہے -

1: امام شعبہ بن الحجاج: کان شعبۃ یضعفہ• (تاریخ بغداد: ج7 ص272 رقم الترجمۃ 4791)

2: امام احمد بن حنبل: سماک مضطرب الحدیث• (الجرح و التعدیل: ج4 ص279)

3: امام صالح جَزرہ: یضعف• (میزان الاعتدال ج2ص216)

4: محمد بن عبد اللہ بن عمار الموصلی:یقولون انہ کان یغلط ویختلفون فی حدیثہ• (تاریخ بغداد: ج7 ص272 رقم 4791)

5: امام عبد اللہ بن المبارک: سماک ضعیف فی الحدیث• (تہذیب الکمال: ج8 ص131، تہذیب ج3ص67)

6: امام عبد الرحمٰن بن یوسف بن خراش :فی حدیثہ لین• (تاریخ بغداد: ج7 ص272 رقم 4791)

7: امام ا بن حبان: یخطئ کثیرا• (تہذیب ج3ص67-68، کتاب الثقات: ج4 ص339)

8: امام سفیان الثوری: کان الثوری یضعفہ بعض الضعف۔ (تاریخ الثقات: رقم 621، تاریخ بغداد: ج9 ص216)

9: امام بزار: وکان قد تغیر قبل موتہ۔ (تہذیب ج3ص68)

10: امام عقیلی: ذکرہ فی الضعفاء۔ (الضعفاء الکبیر للبیہقی ج2ص178)

11: امام ذہبی: ذکرہ فی الضعفاء۔ (المغنی للذہبی ج1ص448)

12: امام ابن الجوزی: ذکرہ فی الضعفاء۔ (الضعفاء والمتروکین لابن جوزی ج2ص26)

13: امام نسائی: وسماک لیس بالقوي وکان یقبل التلقین۔ (سنن النسائی: تحت ح5693 باب ذکر الأخبار التي اعتل بها من أباح شراب السکر)

ایک مقام پر فرمایا: اذا انفرد باصل لم یکن بحجۃ لانہ کان یلقن فیتلقن۔

(میزان الاعتدال ج2ص216، تحفۃ الاشراف للمزی: ج5 ص137، 138)

14: امام ابو القاسم الکعبی م 319ھ نے سماک کو" باب فیہ ذکر من رموہ بانہ من اہل البدع واصحاب الاہواء "کے تحت ذکرکیا ہے۔

(دیکھئے قبول الاخبار ومعرفۃ الرجال ج2ص381-390)

ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ سماک بن حرب جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

ثانیاً........ علی زئی غیر مقلد نے ایک مقام پر لکھا:

”جو راوی کثیر الخطاء، کثیر الاوہام، کثیر الغلط اور سئی الحفظ ہو اس کی منفرد حدیث ضعیف ہوتی ہے۔“ (نور العینین: ص63)

اور سماک بن حرب بھی ضعیف، مضطرب الحدیث، خطا کار، لیس بالقوی (کما تقدم) ہونے کے ساتھ ساتھ بقول امام نسائی جب کسی روایت میں منفرد ہو تو حجت نہیں۔ (میزان الاعتدال ج2ص216، تحفۃ الاشراف للمزی: ج5 ص137، 138)

اور اس روایت میں یہ منفرد ہے۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف ہے اور تحت السرہ والی صحیح روایات کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

جواب نمبر2:

حدیث ھلب طائی درج ذیل کتب میں کئی طرق سے موجود ہے:

1: مصنف ابن ابی شیبہ (ج3 ص317 باب وضع الیمین علی الشمال. رقم الحدیث3955)
2: مسند احمد بن حنبل (ج16 رقم الحدیث21865، 21866، 21868، 21871، 21872، 21873)
3: مسند احمد بن منیع (بحوالہ اتحاف الخیرۃ المہرۃ: ج2 ص402 رقم الحدیث1803)
4: سنن الترمذی (ج1 ص59 باب ما جاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ)
5: مختصر الاحکام للطوسی (ص107 باب ما جاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ)
6: سنن ابن ماجہ (ج1 ص58 باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلاۃ)
7: سنن الدار قطنی (ج1 ص288 باب فی اخذ الشمال بالیمین فی الصلاۃ)
8: السنن الکبریٰ للبیہقی (ج2 ص29 باب وضع الید الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ)
9: التمہید لابن عبد البر (ج8 ص160تحت العنوان: عبد الکریم بن ابی المخارق)
10: الاستذکار لابن عبد البر (ج2 ص290)
11: شرح السنۃ للبغوی (ج2 ص193 رقم الحدیث571)
12: التحقیق لابن الجوزی (ج1 ص338 رقم الحدیث435)

لیکن ان میں کسی بھی طریق میں ”علی صدرہ“ کے الفاظ نہیں ہیں۔ ثابت ہوا کہ مسند احمد کی مذکورہ روایت میں یہ الفاظ سماک بن حرب (ضعیف) کی وجہ سے زائد ہوئے ہیں جو کہ صحیح روایات کے مقابلے میں حجت نہیں۔

[۵]:عن طاوس قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری ثم یشد بینہما علی صدرہ وہو فی الصلاۃ.

(صلاۃ الرسول از صادق سیالکوٹی. ص188، رسول اکرم کی نماز از اسماعیل سلفی.ص67بحوالہ مراسیل ابی داود)

<u>جواب نمبر1:</u>

اس کی سند میں ایک راوی ”سلیمان بن موسیٰ“ ہے۔ اس پر بہت سے ائمہ نے زبردست جرح کی ہے۔

1:امام بخاری:عندہ مناکیر• (الضعفاء الصغیر للبخاری ص55،56)

2:امام نسائی:لیس بالقوی فی الحدیث (الضعفاء والمتروکین للنسائی ص186)

3:امام عقیلی: ذکرہ فی الضعفاء• (الضعفاء الکبیر للعقیلی ج2ص140)

4: امام ابو حاتم الرازی: فی حدیثہ بعض الاضطراب• (الجرح و التعدیل: ج4 ص135 رقم 5734)

5:امام ذہبی: ذکرہ فی الضعفاء• (المغنی فی الضعفاء ج1 ص445)

6: حافظ ابن حجر: في حديثه بعض لين وخولط قبل موته بقليل (تقریب: ص289 رقم 2616)

7: امام علی بن المدینی: سليمان بن موسى مطعون عليه (الضعفاء الکبیر للعقیلی ج2ص140)

لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔

<u>جواب نمبر2:</u> (الزامی) یہ روایت مرسل ہے اور مرسل غیرمقلدین کے ہاں ضعیف ہوتی ہے۔ لہذا اس کو پیش کرنا خود غیرمقلدین کے اصول پر بھی درست نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زبیر علی زئی غیر مقلد نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے: ”ہمارے نزدیک یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔“ (نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام: ص24 از علی زئی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نماز میں صف بندی کے مسائل

از افادات متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے باجماعت نماز میں صفوں کو سیدھا رکھنے پر خصوصی توجہ دلائی ہے اور اسے ''حسن صلوٰۃ'' اور ''اتمام صلوٰۃ'' قرار دیا ہے۔ چند روایات پیش خدمت ہیں:

1: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے ارشاد فرمایا:

وَأَقِيمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ.

(صحیح البخاری: ج1 ص100 باب اقامۃالصف من تمام الصلاۃ)

ترجمہ: نماز میں صف کو درست کرو اس لئے کہ صف کو درست کرنا نمازکے محاسن میں سے ہے۔

2: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و سلم نے ارشاد فرمایا:

سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ.

(صحیح البخاری: ج1 ص100 باب اقامۃالصف من تمام الصلاۃ)

ترجمہ: تم لوگ اپنی صفیں درست رکھا کرو کیونکہ صف بندی سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے۔

3: سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ إِقَامَةَ الصَّفِّ.

(مسند احمد:22 ص346 رقم الحدیث14454)

ترجمہ: بیشک نمازکی تکمیل صفوں کی درستی سے ہوتی ہے۔

نماز کی صف بندی کے متعلق یہ مسائل پیش کیے جائیں گے:

1: قدموں کے درمیان فاصلہ

2: ٹخنے سے ٹخنا، کندھے سے کندھا، پاؤں سے پاؤں ملانے کا مسئلہ / صف سیدھی کرنے کا طریقہ

قدموں کے درمیان فاصلہ

مذہبِ اہل السنت و الجماعت:

نمازی اپنے دونوں پاؤں کے درمیان مناسب فاصلہ رکھے، جو کم از کم چار انگشت سے لے کر زیادہ سے زیادہ ایک بالشت کی مقدار ہونا چاہیے۔

فقہ حنفی:

1: وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ بين قَدَمَيْهِ أَرْبَعُ أَصَابِعَ في قِيَامِهِ

(فتاویٰ عالمگیری: ج1 ص81-الفصل الثالث فی سنن الصلاۃ و کیفیتھا)

ترجمہ:نمازی کو چاہیے کہ قیام کے حالت میں اس کے دونوں پاؤں کے درمیان چار انگشت کا فاصلہ ہونا چاہیے۔

2: وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ بَيْنَهُمَا مِقْدَارُ أَرْبَعِ أَصَابِعِ الْيَدِ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إلَى الْخُشُوعِ

(رد المحتار: ج2 ص163 باب صفۃ الصلاۃ)

ترجمہ: نمازی کے دونوں پاؤں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کا فاصلہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ خشوع کے زیادہ قریب ہے۔

فقہ مالکی:

يُنْدَب تفريجُ القَدَمين بأن يكون المصلي بحالةٍ متوسطةٍ في القيام بحيث لا يَضمُّهما ولا يُفرّجُهما كثيراً

(فقہ العبادات- مالکی: ص161)

ترجمہ:قیام کی حالت میں دونوں پاؤں کے درمیان متوسط حالت کا فاصلہ رکھنا مستحب ہے، وہ

اس طرح کہ دونوں پاؤں کو نہ زیادہ ملائے اور نہ زیادہ کشادہ کرے۔

فقہ شافعی:

1: وَيُسَنُّ ان يُفَرّق بين قدميه بِشِبْرٍ

(اعانۃ الطالبین لابی بکر الدمیاطی:ج3ص247)

ترجمہ: نمازی کے لیے اپنے دونوں پاؤں کے درمیان ایک بالشت کی مقدار فاصلہ رکھنا سنت ہے۔

2: ونَدُبَ التفريقُ بينهما ای باربع اصابعَ او بِشِبْرٍ

(اسنی المطالب فی شرح روض الطالب لزکریا الانصاری الشافعی: ج2 ص345)

ترجمہ: دونوں پاؤں کے درمیان چار انگشت یا ایک بالشت کی مقدار فاصلہ رکھنامستحب ہے۔

فقہ حنبلی:

وكان ابن عمر لا يفرج بين قدميه ولا يمس إحداهما بالأخرى ولكن بين ذلك لا يقارب ولا يباعد

(المغنی لابن قدامۃ: ج1 ص696- فصل : ما يكره من حركۃ البصر فی الصلاۃ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں قدموں کے درمیان نہ زیادہ فاصلہ کرتے اور نہ ایک دوسرے سے ساتھ لگاتے بلکہ (ان دونوں کی درمیانی حالت کو اختیار فرماتے یعنی) دونوں پاؤں کو نہ ایک دوسرے کے زیادہ قریب کرتے اور نہ ایک دوسرے سے زیادہ دور رکھتے۔

مذہبِ غیر مقلدین:

غیر مقلدین کا طرزِ عمل یہ ہے کہ حالتِ قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان کافی زیادہ فاصلہ رکھتے ہیں جن کی وجہ سے پاؤں کے اس فاصلہ کی مقدار دو بالشت سے لے کر اڑھائی بالشت تک ہو جاتی ہے۔ ”تسہیل الوصول الی تخریج صلوٰۃ الرسول صلی اللہ علیہ و سلم“ کے شروع میں جو نماز پڑھنے کی عملی مشق کی تصاویر دی گئی ہے اس سے یہ بات بخوبی معلوم کی جاتی ہے۔ نیز عبد اللہ روپڑی صاحب (تنظیم اہلحدیث) کے فتویٰ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

” قدموں میں فاصلہ اتنا ہی ہونا چاہیے جتنا کہ کندھوں میں ہے۔ تاکہ دونوں مل جائیں۔ “

(فتاویٰ علمائے حدیث:جلد3 ص 21)

دلائل اہل السنت وا لجماعت:

1: مصنف عبد الرزاق میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت نافع سے مروی ہے:

أن بن عمر كان لا يفرسخ بينهما ولا يمس إحداهما الأخرى قال بين ذلك

(مصنف عبد الرزاق : ج2 ص172باب التحريک فی الصلاۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دونوں پاں کو پھیلا کر (اور چیز کر)نہیں کھڑے ہوتے تھے اور نہ ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں سے چھوتے تھے بلکہ ان کی درمیانی حالت پر رکھتے تھے۔

2: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی کے بارے میں مروی ہے:

وكان ابن عمر لا يفرج بين قدميه ولا يمس إحداهما بالأخرى ولكن بين ذلك لا يقارب ولا يباعد

(المغنی لابن قدامۃ: ج1 ص696- فصل : ما يكره من حركۃ البصر فی الصلاۃ)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں قدموں کے درمیان نہ زیادہ فاصلہ کرتے اور نہ ایک دوسرے سے ساتھ لگاتے بلکہ (ان دونوں کی درمیانی حالت کو اختیار فرماتے یعنی) دونوں پاؤں کو نہ ایک دوسرے کے زیادہ قریب کرتے اور نہ ایک دوسرے سے زیادہ دور رکھتے۔

3: علامہ بدر الدین العینی لکھتے ہیں:

يستحب للمصلي أن يكون بين قدميه في القيام [قدر] أربع أصابع يديه ، لأن هذا أقرب للخشوع.

(شرح ابی داود للعینی:ج3 ص354 باب وضع الیمنی علی الیسریٰ فی الصلاۃ)

ترجمہ: نمازی کے مستحب ہے کہ اس کے دونوں پاؤں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کا فاصلہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ خشوع کے زیادہ قریب ہے۔

4: خالد بن ابراہیم السقبعی الحنبلی لکھتے ہیں:

رابعاً: تَفْرقتُه بين قدميه, والقاعدة هنا { أن الهيئات في الصلاة تكون على مقتضى الطبيعة, ولا تخالف الطبيعة إلا ما دل النص عليه}, والوقوف الطبيعي أن يفرج بين قدميه فكذلك في الصلاة, فما كان

علی غیر وفق الطبیعة یحتاج إلی دلیل.

(القول الراجح مع الدلیل: ج2 ص85)

ترجمہ: چوتھی سنت قدموں کے درمیان فاصلہ کرنا ہے۔ فاصلہ کرنے کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ نماز والی کیفیات انسانی طبیعت کےتقاضا کے مطابق ہوتی ہیں اور طبیعت کے تقاضے کے خلاف وہی کیفیت ہو گی جو مستقل نص سے ثابت ہو۔ چنانچہ قیام کی حالت میں طبعی تقاضا یہ ہے کہ کہ دونوں قدموں کے درمیان کشادگی ہو، لہٰذا نماز میں قیام کی حالت میں طبعی تقاضے کے مطابق قدموں کے درمیان فاصلہ ہونا چاہیے۔ پس نماز کی جو کیفیت بھی غیر طبعی ہے وہ محتاج دلیل ہے۔

5: قال الأثرم [احمد بن محمد ہانی البغدادی] : (رأیت أبا عبد الله وھو یصلي وقد فرّج بین قدمیه)... ھذا ھو الأولی ، لأن قبل ھذا الفعل یجعل القدمین علی طبیعتھا ، وحیث لم یرد نص في قدمیه حال القیام فإنه یبقیھما علی الطبیعة

(شرح زاد المستقنع للشیخ حمد بن عبد الله: ج5 ص150)

ترجمہ: امام اثرم کہتے ہیں: میں نے امام ابو عبد اللہ (احمد بن حنبل) کو نماز پڑھتے دیکھا کہ آپ نے اپنے قدموں کے درمیان فاصلہ کیا ہوا ہے۔ یہی بہتر ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے اپنے قدموں کو اپنی طبعی حالت پر رکھے، چونکہ قیام کی حالت میں قدموں کے درمیان فاصلہ کے بارے میں کوئی نص موجود نہیں ہے اس لیے ان کو اپنی طبعی حالت پر باقی رکھے۔

6: پاؤں پھیلا کر کھڑا ہونا تکبر کی علامت ہے۔ یہ بات واضح ہے۔

<u>تنبیہ:</u>

غیر مقلدین کے پاس اپنے موقف کے بارے میں نہ صریح حدیث مرفوع ہے نہ موقوف، یہ لوگ اس بات کو بنیاد قرار دینے پر مصر ہیں کہ نماز میں ٹخنے سے ٹخنہ ملانا چاہیے اس لیے قدموں کے درمیان فاصلہ خود بخود ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کا یہ موقف درست نہیں اس لیے کہ ٹخنے سے ٹخنہ ملانے کا مطلب قریب قریب کھڑا ہونا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کا استدلال باطل ہے۔ (اس کی مزید تفصیل آئندہ عنوان آ رہی ہے)

ٹخنے سے ٹخنا، کندھے سے کندھا، پاؤں سے پاؤں ملانے کا مسئلہ/
صف سیدھی کرنے کا طریقہ

<u>مذہب اہل السنت و الجماعت:</u>

اہل السنت والجماعت کے ہاں صف بنانے میں اس طرح مل کر اور قریب قریب کھڑا ہونا چاہیے کہ درمیان میں جگہ خالی نہ چھوڑی جائے۔ نیز قریب قریب کھڑے ہونے سے بھی مراد مبالغہ و مجازہے نہ یہ کہ حقیقتاً کندھے سے کندھا، پاؤں سے پاؤں اور ٹخنے سے ٹخنے ملا ہوا ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ ”الزاق“ (چپکانا، ملانا) کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

المراد بذلک المبالغة فی تعدیل الصف وسد خللہ. (فتح الباری:ج2 ص273)

ترجمہ: ”الزاق“ سے مراد صف سیدھی رکھنے اور خالی جگہوں کو پُرکرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔

علامہ سید محمد انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال الحافظ المراد بذلک المبالغة فی تعدیل الصف وسد خللہ. قلتُ: و ھو المراد عند الفقہاء الاربعة ای ان لا یترک فی البین فرجة تسع فیہا ثالث . (فیض الباری:ج2 ص236)

ترجمہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الزاق سے مراد صف سیدھی رکھنے اور خالی جگہوں کو پُرکرنے میں مبالغہ کرنا ہے“، میں کہتا ہوں کہ فقہاء اربعہ کے نزدیک بھی یہی مراد ہے یعنی درمیان میں اتنی جگہ نہ چھوڑی جائے جس میں تیسرا آدمی آ سکتا ہو۔

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وما روي أنھم ألصقوا الکعاب بالکعاب أرید به الجماعة أي قام کل واحد بجانب الآخر

(رد المحتار. ج2 ص163 بحث القیام)

ترجمہ: یہ جو روایت کیا گیاہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ٹخنوں کو ٹخنوں سے ملاتے تھے اس سے مقصود جماعت (کی کیفیت بتانا) ہے کہ ہر نمازی دوسرے کے قریب کھڑا ہو۔

مذہب غیر مقلدین:

غیر مقلدین کے ہاں صف بندی کے دوران ایک نماز دوسرے نمازی کے کندھے سے کندھا، پاؤں سے پاؤں اور ٹخنے سے ٹخنے حقیقتاً ملانا اور چپکانا ضروری ہے۔ تصریحات ملاحظہ ہوں:

1: جناب صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں:

”پیر، ٹخنے، ایڑیاں، پنڈلیاں اور مونڈھے خوب جوڑ کر کھڑے ہو ا کرو۔“ (صلوۃ الرسول: ص267)

2: محمد علی جانباز لکھتے ہیں:

بعض نادان اور کم علم صفوں میں کھڑے ہونے سے اس قدر نفرت کرتے ہیں کہ اگر کوئی محب سنت ساتھ ملنے اور پیر ملانے کی کوشش کرے تو بدکے ہوئے گدھے کی طرح دور بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں، یا غصے میں آکر پاؤں کے اوپر زور سے پاؤں مار دیتے ہیں۔

(صلاۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم: ص 282)

موصوف حدیث انس رضی اللہ عنہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث سے ثابت ہواکہ صف ایسی ہونی چاہیے جیسی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے، درمیان میں کوئی شگاف نہیں رہنا چاہیے۔(ص 283)

3: ابو حمزہ عبدالخالق صدیقی لکھتے ہیں:

مساجد میں مسلمانوں کا عجب حال ہے۔ نماز ی ایک ایک فٹ دور کھڑے ہوتے ہیں، اور باہمی قدم مل جانے کو بڑا خطر ناک تصور کیا جاتاہے۔ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز: ص 177)

مزید لکھتے ہیں:

صفیں اس صورت میں ہی مضبوط ہوسکتی ہیں جب نمازی اپنے ساتھ والے نمازی کے کندھے کے ساتھ کندھا اور قدم کے ساتھ قدم اور ٹخنے سے ٹخنہ ملاکر کھڑا ہو۔ (ایضاً: ص 176)

دلائل اہل السنت والجماعت:

دلائل اہل السنت والجماعت میں ہم دو قسم کی احادیث پیش کریں گے۔

[1]: وہ احادیث جن میں اہتمامِ صف بندی کے لیے صف سیدھی ہونے، کندھا برابر کرنے ، گردنیں ایک سیدھ میں رکھنے، خلاء پر کرنے، مل مل کر اور قریب قریب کھڑا ہونے کا تذکرہ تو ہو گالیکن کندھے سے کندھا، پاؤں سے پاؤں اور ٹخنے سے ٹخنے حقیقتاً ملانے کا ذکر نہیں ہو گا۔

[2]: وہ احادیث جن سے بظاہر ایسا سمجھا جا رہا ہو گا لیکن ان کی مراد یہ لغوی معنی نہ ہو گی بلکہ اس سے ”قرب“ والا معنی مراد ہو گا۔

احادیث قسم اول:

1: عن نعمان بن بشیر یقول: کان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ و سلم یسوی صفوفنا حتی کانما یسوی بہا القداح حتی رأی اناقد عقلنا عنہ‘ ثم خرج یوماً فقام حتی کاد ان یکبر فرأی رجلا بادیا صدرہ من الصف‘ فقال عباد اللہ الا تسوون صفوفکم او لیخالفن اللہ بین وجوہکم (صحیح مسلم:182/1)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا کرتے تھے گویا ان کے ذریعہ آپ تیروں کو سیدھا کریں گے‘ یہاں تک کہ آپ کو خیال ہو گیا کہ اب ہم لوگ سمجھ گئے ہیں کہ ہمیں کس طرح سیدھا اور کھڑا ہونا چاہئے۔ اس کے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم باہر تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لئے اپنی جگہ پر کھڑے بھی ہوگئے، قریب تھا کہ آپ تکبیر کہہ کر نماز شروع فرمادیں کہ آپ کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کا سینہ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: اللہ کے بندو! اپنی صفیں ضرور سیدھی اور درست رکھا کرو‘ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رخ ایک دوسرے کے مخالف کردے گا۔

2: عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال: اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بایدی اخوانکم ولاتذروا فرجات للشیطان ومن وصل صفّا وصلہ اللہ ومن قطع صفّا قطعہ اللہ

(سنن ابی داود.ج1 ص104 باب تسویۃ الصفوف)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ارشاد فرمایا: صفیں قائم کرو، کندھے ایک دوسرے کی سیدھ میں کرو، خلاء کو پُر کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھ میں نرم ہوجاؤ، شیطان کے لئے صفوں میں خالی جگہ نہ چھوڑو، جس نے صف کو ملایا، اللہ اسے ملائیں گے اور جس نے صف کو کاٹا اللہ اسے کاٹ دیں گے۔

3: عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال: کان رسول الله صلی اللہ علیہ و سلم یتخلل الصف من ناحیۃ یمسح صدورنا ومناکبنا ویقول لاتختلفوا فتختلف قلوبکم . (سنن ابی داود:ج1 ص104 باب تسویۃ الصفوف)

ترجمہ:۔"حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم صف میں ایک جانب سے دوسری جانب تشریف لے جاتے تھے اور صف کو برابر کرنے کے لئے ہمارے سینوں اور کندھوں پر ہاتھ مبارک پھیرتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ تم آگے پیچھے نہ ہونا ورنہ تمہارے دل باہم مختلف ہوجائیں گے۔

4: عن انس بن مالک انہ قدم المدینۃ، فقیل لہ ما انکرت منا منذ یوم عہدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال ما انکرت شیئا الا انکم لایقیمون الصفوف. (صحیح بخاری:ج1 ص100 باب اثم من لم یتم الصفوف)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بصرہ سے مدینہ تشریف لائے، تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے زمانہ کے لحاظ سے اس زمانہ میں کونسی بات ناپسند یدہ پائی ہے؟ انہوں نے فرمایا:اور تو کوئی خاص بات نہیں، البتہ یہ کہ تم لوگ صفوں کو سیدھا نہیں کرتے ہو۔

5: عن بلال رضی اللہ عنہ قال: کان النبی صلی اللہ علیہ و سلم یسوی مناکبنا فی الصلاۃ. (المعجم الصغیر للطبرانی:ج2ص81)

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نماز میں ہمارے کندھوں کو بالکل برابر کرتے تھے۔

6: وروی عن عمر انہ کان یؤکل رجلا باقامۃ الصف ولایکبر حتی یخبر ان الصفوف قد استوت، وروی عن علیّ وعثمان، انہما کانا یتعاہدان ذلک ویقولان استووا وکان علیّ یقول تقدم یا فلان، تاخر یافلان. (جامع الترمذی:ج1ص53 باب ما جاء فی اقامۃ الصفوف)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ انہوں نے صفوں کی درستگی کے لئے ایک شخص مقرر فرما رکھا تھا اور جب تک وہ شخص آپ کو صفیں درست ہوجانے کی اطلاع نہیں دیتا تھا آپ تکبیر نہیں کہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ وہ بھی اس کا بہت خیال رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ سیدھے اور برابر ہوجاؤ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: فلاں! آگے ہو، اے فلاں پیچھے ہو۔

7: عن مالک بن ابی عامر الانصاری ان عثمان بن عفان کان یقول فی خطبتہ اذا قامت الصلاۃ فاعدلوا الصفوف وحاذوا بالمناکب. (موطا امام محمد:ص88 باب تسویۃ الصفوف)

ترجمہ: حضرت مالک بن ابی عامر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے تھے کہ جب جماعت قائم ہو تو صفوں کو درست کرنا اور کندھوں کو ایک سیدھ میں برابر کر لینا۔

خلاصہ دلائل:

ان احادیث و آثار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم صفوں کی درستی کے لئے کندھے برابر کرنے کا حکم فرمایا کرتے تھے اور جب صفیں درست کراتے تو نمازیوں کے سینے اور کندھے برابر کرنے کی تاکید فرماتے تھے۔ یہی طرز عمل خلفاء راشدین نے اختیار فرمایا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صفوں کو درست کرنے اور کندھوں کو برابر کرنے کا حکم دیتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ صفوں کی درستگی کے وقت نمازیوں کو آگے پیچھے ہونے کو فرماتے تھے لیکن یہ بات واضح ہے کہ صفوں کی درستی کے وقت نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے کندھے سے کندھاملانے کا حکم فرمایا ، نہ ٹخنے سے ٹخنا ملانے کی تاکید فرمائی اور نہ ہی پاؤں سے پاؤں چپکانے کو ضروری قرار دیا اور نہ ہی حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے یہ امور بیان کیے۔

احادیث قسم دوم:

1: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: رُصُّوا صُفُوفَكُمْ وَقَارِبُوا بَيْنَهَا وَحَاذُوا بِالأَعْنَاقِ فَوَالَّذِى نَفْسِى بِيَدِهِ إِنِّى لأَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَأَنَّهَا الْحَذَفُ. (سنن ابی داود:ج1ص104 باب تسویۃ الصفوف)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: اپنی صفیں ملاؤ اور انہیں نزدیک رکھو اور گردنوں کو برابر ایک سیدھ میں رکھو‘ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ ٔ قدرت میں میری جان ہے‘ میں شیطان کو دیکھتا ہوں کہ وہ صف کی خالی جگہ میں گھس آتا ہے‘ گویا کہ بھیڑ کا بچہ ہے۔

2: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم تراصوا الصفوف‘ فانی رایت الشیاطین تخللکم کانہا اولاد الحذف. (مجمع الزوائد:ج2ص251 باب صلۃ الصفوف و سد الفرج)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا: صفوں کو ملاؤ (کوئی جگہ خالی نہ رہے) میں دیکھتا ہوں کہ شیاطین خالی جگہ گھس رہے ہیں‘ گویا وہ بھیڑ کے بچے ہیں۔

3: عَنِ النُّعْمَانَ بْنِ بَشِيرٍ يَقُولُ أَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- عَلَى النَّاسِ بِوَجْهِهِ فَقَالَ « أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ ». ثَلاَثًا « وَاللَّهِ لَتُقِيمُنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ ». قَالَ فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَرُكْبَتَهُ بِرُكْبَةِ صَاحِبِهِ وَكَعْبَهُ بِكَعْبِهِ. (سنن ابی داؤد: ج1 ص104باب تسویۃ الصفوف)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور تین بار ارشاد فرمایا: ”اپنی صفوں کو درست رکھو، اللہ کی قسم یا تو تم ضرور بالضرور اپنی صفوں کو سیدھا کرو گے یا اللہ تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کی مخالفت ڈال دے گا۔“ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (اس کے بعد)میں نے دیکھا کہ ایک شخص دوسرے کے کندھے سے کندھا ملاتا ہے، گھٹنے سے گھٹنہ اور ٹخنے سے ٹخنہ۔

فائدہ:

ان احادیث میں یہ لفظ ا ستعمال ہوئے ہیں:

(1): رُصُّوْا، تَرَاصُّوْا

(2): يُلْزِقُ

لغت میں ان کا معنی یوں ہے:

رَصَّ (ن) رَصًّا: ایک کو دوسرے سے ملانا، چمٹانا

تَرَاصَّ الْقَوْمُ: ایک دوسرے سے جڑنا، ملنا (المنجد: ص387)

اَلْزَقَہ بِہ۔ چپکانا (المنجد: ص919)

اہل السنت و الجماعت کے نزدیک ان احادیث میں ”چمٹانے، جڑنے، اور چپکانے“والا حقیقی معنی ہر گز مراد نہیں بلکہ قرب اور محاذات (برابری) والا مجازی معنی مراد ہے۔

غیر مقلدین کے ہاں ان کا حقیقی معنی مراد ہے۔

اہل السنت و الجماعت کے موقف کی توضیح و توجیہ:

اہل السنت و الجماعت کے ہاں قرب اور محاذات (برابری) والا مجازی معنی اس لیے مراد ہے کہ اگر اس کا لغوی اور حقیقی معنی لیا جائے کہ” کندھے سے کندھا، پاؤں سے پاؤں اور ٹخنے سے ٹخنے حقیقتاً چمٹاؤ اور چپکاؤ“ تو نماز میں عجیب کھینچا تانی کی کیفیت شروع ہو جائے گی۔ یہ بات عملاً بھی مشکل ہے کہ بعض دراز قد ہوتے ہیں اور بعض کوتاہ قد اور سکون صلاۃ بھی ختم ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں پوری نماز میں حقیقتاً ملائے اور چمٹائے رکھنا ممکن بھی نہیں ہے۔

مجازی معنی مراد لینے پر یہ امور موجود ہیں:

الامر الاول:

”رص“ اور ”الزاق“ سے قرب والا معنی مراد لینا

مذکورہ الفاظ سے ”قرب“ والا معنی مراد لیا جا سکتا ہے اور حضرات محدثین و محققین نے یہی

معنی مراد لیا ہے۔ توضیح پیش خدمت ہے:

"رُصُّوْا، تَرَاصُّوْا" کا لفظ دراصل "الرصاص" سے ہے بمعنی "سیسہ" اس سے مراد ایسی چیز ہوتی ہے جس میں شگاف اور فاصلہ نہ ہو لیکن بعض مرتبہ اس سےقرب والی چیز بھی مراد لی جاتی ہے اگرچہ اس میں فاصلہ اور شگاف موجود ہو۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ﴾. (سورۃ الصف: 4)

ترجمہ: اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح صف بنا کر لڑتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہوں۔

یہ بات ظاہر ہے کہ ﴿ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ﴾ جیسا ہونے کا یہ مطلب ہر گر نہیں کہ مجاہدین کی صفیں ایک دوسرے کے ساتھ باہم گتھم گتھا ہوں ورنہ تو وہ حرکت بھی نہ کر سکیں گے چہ جائیکہ دشمن کا مقابلہ کریں۔ تو یہاں قرب اور برابری والا معنی مراد ہے۔ چنانچہ علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال لکھتے ہیں:

رص البنيان والقوم فى الحرب رصًا ، إذا قرب بعضها إلى بعض ، ومنه قوله تعالى : (كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ)

(شرح صحيح البخارى لابن بطال: ج9 ص334)

ترجمہ: "رص البنیان" (عمارت کا مضبوط ہونا) اور "رص القوم فی الحرب رصا"(لوگوں کا میدان جنگ سیدھا پلائی دیوار بننا) یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب ایک شخص دوسرے کے قریب کھڑا ہو جائے۔ اسی سے اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ﴾

علامہ ابو سلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم خطابی لکھتے ہیں:

قال الله تعالى: (كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ)ومنه التراص في الصفوف وهو التقارب. (غريب الحديث للخطابى: ص634)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہوں"، اسی سے لفظ ہے : "التراص فی الصفوف" کہ صفوں میں قریب قریب کھڑے ہونا۔

محدثین و محققین حضرات نے ان الفاظ سے قریب والا معنی مراد لیا ہے کہ صف میں قریب قریب کھڑا ہونا چاہیے کہ درمیان میں کوئی جگہ خالی نہ رہے۔

[۱]: شیخ علامہ محمد بن صالح ابن عثیمین لکھتے ہیں:

المراصة نوعان الأولى يكون بها سد الخلل بان لا يبقى بين الرجل وصاحبة فرجة هذه مشروعة ومراصة شديدة تتعب المصلين فهذه مؤذية وليست هي التي أمر بها النبي - صلى الله عليه وسلم - لان إيذاء الناس وخاصة في الصلاة أمر غير مرغوب فيه بل منهي عنه فهذه مراصة أما قوله قاربوا بينها فالمعنى أن يقرب الصف الثاني من الصف الأول والثالث من الثاني

(الشرح المختصر على بلوغ المرام : ج3ص245)

ترجمہ: صف میں ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کی دوقسمیں ہیں ایک یہ کہ اس طرح ملنا کہ اس کے ساتھ دو نمازیوں کے درمیان خالی جگہ پُر ہوجائے یعنی آدمی اور اس کے ساتھی کے درمیان خالی جگہ باقی نہ رہے یہ قسم مشروع ہے دوسری قسم یہ ہے کہ اس طرح ملنا جو نمازیوں کو تھکا دے اور مشقت میں ڈال دے اس کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا کیونکہ لوگوں کو تکلیف دینا خصوصاً نماز میں کوئی پسندیدہ کام نہیں بلکہ ممنوع ہے یہ تو صفوں کے اندر نمازیوں کے ملنے کی وضاحت ہے رہا یہ حکم کہ صفوں کو قریب کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری صف، صف اول ، کے اور تیسری صف، صف ثانی کے قریب ہو۔

شیخ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

ليس المراد بالمراصة المراصة التي تشوش على الآخرين وإنما المراد منها ألا يكون بينك وبينه فرجة.

(شرح رياض الصالحين:ج1ص1448)

ترجمہ: ملنے سے ایسا مراد نہیں جو دوسروں کو پریشان کر دے صرف اس قدر ملنا مراد ہے کہ دو نمازیوں کے درمیان دوسرے نمازی کی جگہ خالی نہ رہے ۔

[۲]:حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ "الزاق" (چپکانا، ملانا) کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

المراد بذلک المبالغة فی تعدیل الصف وسد خللہ. (فتح البارى:ج2 ص211)

[۳]: علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے بھی بعینہ یہی عبارت نقل فرمائی ہے:
المراد بذلک المبالغة فی تعدیل الصف وسد خللہ. (ارشاد الساری ج2 ص 368)
[۴]: علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
واشار بہذا الی المبالغة فی تعدیل الصفوف وسد الخلل. (عمدة القاری:ج4ص360)
ترجمہ: "الزاق" سے مراد صف سیدھی رکھنے اور خالی جگہوں کو پُرکرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔
[۵]: علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:
قال الحافظ: المراد بذلک المبالغة فی تعدیل الصف وسد خللہ. قلتُ: و ھو مرادہ عند الفقہاء الاربعة ای ان لا یترک فی البین فرجة تسع فیہا ثالثا. (فیض الباری:ج2ص236)
ترجمہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "الزاق سے مراد صف سیدھی رکھنے اور خالی جگہوں کو پُرکرنے میں مبالغہ کرنا ہے"، میں کہتا ہوں کہ فقہاء اربعہ کے نزدیک بھی یہی مراد ہے یعنی درمیان میں اتنی جگہ نہ چھوڑی جائے جس میں تیسرا آدمی آ سکتا ہو۔
[۶]: علامہ عبدالمحسن عباد لکھتے ہیں :
أن كل واحد يقرب من صاحبه حتى يلتصق به، وحتى يكون متصلاً به، فلا يكون بين شخص وآخر فجوة، وإنما تكون الصفوف متراصة، ومتقاربة، ويتصل بعضها ببعض. (شرح سنن ابی داؤد عبدالمحسن عباد: ج4ص22)
ترجمہ: اپنے ٹخنے کو اپنے ساتھی کے ٹخنے ملانے سے مراد یہ ہے یعنی ہر ایک اپنے ساتھ کے قریب ہو کر کھڑا ہو تاکہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہوں ، پس دونوں کے درمیان خالی جگہ نہ اور صفیں بھی متصل اور قریب ہوں۔
[۷]: علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:
وما روي أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد به الجماعة أي قام كل واحد بجانب الآخر. (رد المحتار: ج2 ص163 بحث القیام)
ترجمہ: یہ جو روایت کیا گیاہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ٹخنوں کو ٹخنوں سے ملاتے تھے اس مقصود جماعت (کی کیفیت بتانا) ہے کہ ہر نمازی دوسرے کے قریب کھڑا ہو۔
[۸]: علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
والحاصل ان المرادھو التسویة و الاعتدال لکیلا یتاخر او یتقدم، فالمحاذاة بین المناکب و الزاق الکعاب کنایة عن التسویة. (معارف السنن: ج2 ص298)
ترجمہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس سے مراد صفیں سیدھی کرنا اور اعتدال سے کھڑا ہونا ہے تاکہ نمازی آگے پیچھے نہ رہیں۔ کندھوں کو سیدھا رکھنا اور ٹخنوں کو ٹخنوں سے ملانا صف برابر کرنے سے کنایہ ہے۔

الامر الثانی:

ظاہری معنی مراد لینے میں تکلف و مشقت ہے:

اگر ان الفاظ اور تعبیرات کا ظاہری معنی مراد لیا جائے تو اس میں تکلف، تصنع، کلفت اور مشقت پائی جاتی ہے، حالانکہ اللہ جل شانہ نے دین میں آسانی اور سہولت رکھی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:
﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾. (سورۃ الحج:78)
﴿لاَ يُكَلِّفُ اللّهُ نَفْسًا إِلاَّ وُسْعَهَا﴾. (سورۃ البقرۃ:286)
1: مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
فان الزاق الرکبة بالرکبة والکعب بالکعب فی الصلاة مشکل. (بذل المجهود:ج4 ص330)
ترجمہ: نماز میں گھٹنے سے گھٹنا اور ٹخنے سے ٹخنا ملانا مشکل ہے۔
2: شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
ولایخفی ان فی الزاق الاقدام بالاقدام مع الزاق المناکب بالمناکب و الرکب بالرکب مشقة عظیمة لاسیما مع ابقائہا کذلک آخر الصلاة کما ہو مشاہد والحرج مدفوع بالنص. (اعلاء السنن:ج4 ص360)
ترجمہ: یہ بات ظاہر اور مشاہدہ کی ہے کہ گھٹنے سے گھٹنا ملانے کے ساتھ قدم سے قدم ملانے میں بہت زیادہ مشقت ہے، جبکہ اس کو اسی طرح نماز کے آخر تک باقی رکھنا ہو اور حرج نص سے مدفوع ہے (یعنی زائل کیاگیا ہے)

3: محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فزعمہ بعض الناس انہ علی الحقیقة ولیس الامر کذلک' بل المراد بذلک مبالغة الراوی فی تعدیل الصف وسد الخلل کما فی الفتح والعمدة وہذا یرد علی الذین یدعون العمل بالسنة ویزعمون التمسک بالاحادیث فی بلادنا حیث یجتہدون فی الزاق کعابہم بکعاب القائمین فی الصف ویفرجون جد التفریج بین قدمیہم ما یؤدی الی تکلف وتصنع ویبدلون الاوضاع الطبیعیة ویشوہون الہیئة الملائمة للخشوع' وارادوا ان یسدوا الخلل والفرج بین المقتدین فابقوا خللاً وفرجة واسعة بین قدمیہم ولم یدروا ان ہذا اقبح من ذلک.

(معارف السنن:ج2 ص297، 298)

ترجمہ: بعض لوگ یہ سمجھے ہیں کہ یہ روایت اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے' حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد راوی کا صف درست کرنے اور خلاء پُر کرنے میں مبالغہ ہے' جیساکہ فتح الباری اور عمدۃ القاری میں ہے۔ اور یہ بات ان لوگوں کی تردید کرتی ہے جو ہمارے شہروں میں سنت پر عمل کے دعویدار ہیں اور تمسک بالاحادیث کا دم بھرتے ہیں۔ وہ اپنے ٹخنے صف میں کھڑے نمازی کے ٹخنوں کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنے دونوں قدموں کے درمیان کشادگی کی وجہ سے بہت چوڑے ہوکر اس طرح کھڑے ہوتے ہیں جو تکلف وتصنع تک پہنچ جاتا ہے اور وہ لوگ طبعی وضع کو بدلتے ہیں اور مناسب خشوع و ہیئت کو بگاڑ دیتے ہیں' بظاہر وہ مقتدیوں کے درمیان خلا پُر کرنا چاہتے ہیں' لیکن اپنے دونوں قدموں کے درمیان اس سے بھی زیادہ خلاء اور فاصلہ اختیار کر لیتے ہیں اور انہیں یہ خیال نہیں آتا یہ تو اس سے بھی زیادہ قبیح عمل ہے۔

الامر الثالث:

جوابات الزامی

جواب نمبر1:

کندھے سے کندھا، گھٹنے سے گھٹنا اور ٹخنے سے ٹخنہ ملانے کا قول نعمان بن بشیر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں:

وقال النعمان بن بشير رأيت الرجل منا يلزق كعبه بكعب صاحبه.

(صحیح البخاری: ج1 ص100 باب الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص دوسرے کے ٹخنے سے ٹخنہ ملا رہا تھا۔

اور حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث انس کے ان الفاظ ''وکان أحدنا یلزق'' پر لکھتے ہیں :

قوله عن أنس رواه سعيد بن منصور عن هشيم فصرح فيه بتحديث أنس لحميد وفيه الزيادة التي في آخره وهي قوله وكان أحدنا الخ وصرح بأنها من قول أنس وأخرجه الإسماعيلي من رواية معمر عن حميد بلفظ قال أنس فلقد رأيت أحدنا الخ

(فتح الباری: ج2 ص274)

ترجمہ: اس حدیث (حدیث انس رضی اللہ عنہ) کو امام سعید بن منصور نے امام ہشیم سے روایت کیا ہے اور اس میں حمید کے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح ہے۔ اس روایت کے آخر میں ایک زیادت بھی ہے اور وہ یہ ہے: ''وکان أحدنا الخ'' انہوں نے تصریح کی ہے کہ یہ حضرت انس کا قول ہے اور امام اسماعیلی معمر عن حمید کی روایت نقل کرتے ہیں جس میں حضرت انس کے یہ الفاظ ہیں: ''فلقد رأیت أحدنا الخ''

جبکہ غیر مقلدین کے نزدیک صحابی کا قول و عمل حجت نہیں ہے:

1: افعال الصحابۃ رضی اللہ عنہم لا تنتہض للاحتجاج بہا۔ (فتاوی نذیریہ بحوالہ مظالم روپڑی: ص 58)

2: صحابہ کا قول حجت نہیں۔ (عرف الجادی: ص 101)

3: صحابی کا کردار کوئی دلیل نہیں اگرچہ وہ صحیح طور پر ثابت ہوں۔ (بدور الاہلہ: ج 1 ص 28)

4:آثار صحابہ سے حجیت قائم نہیں ہوتی۔ (عرف الجادی: ص 80)

5: خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو صحابہ کرام کے آثار کا غلام نہیں بنایاہے۔ (عرف الجادی: ص 80)

6: موقوفات صحابہ حجت نہیں۔ (بدورا لاہلہ: ص 129)

جواب نمبر2:

اگر روایت کو ظاہری معنی ہی پر محمول کرنا ہے تو حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں ہے، فرماتے ہیں:

قَالَ فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَرُكْبَتَهُ بِرُكْبَةِ صَاحِبِهِ وَكَعْبَهُ بِكَعْبِهِ.

(سنن ابی داؤد: ج1 ص104 باب تسویۃ الصفوف)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ ایک شخص دوسرے کے کندھے سے کندھا ملاتا ہے، گھٹنے سے گھٹنہ اور ٹخنے سے ٹخنہ۔

مسند احمد میں یہ الفاظ ہیں:

قال فرأيت الرجل يلزق كعبه بكعب صاحبه وركبته بركبته ومنكبه بمنكبه. (مسند امام احمد:ج4 ص276)

ترجمہ: میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے اپنے ساتھی کے ٹخنے سے اپنا ٹخنا اور گھٹنے سے گھٹنا اور کندھے سے اپنا کندھا ملایا ہوا تھا۔

تو غیر مقلدین کو چاہیے کہ ظاہری معنی پر عمل کرتے ہوئے اب " گھٹنے سے گھٹنا " بھی ملائیں۔

جواب نمبر3:

یہ بات غور طلب ہے کہ غیر مقلدین نماز میں ٹخنے سے ٹخنا اور قدم سے قدم ملانے کے باعث اپنے دونوں قدموں کے درمیان جتنا وسیع اور کشادہ فاصلہ اختیار کرتے ہیں' کیا اس کا ثبوت کسی حدیث سے اور فرمانِ نبوی سے پیش کرسکتے ہیں؟ دو نمازیوں کے درمیان تو شیطان کے لئے خالی جگہ نہیں چھوڑتے لیکن اپنی ٹانگوں کے درمیان اسے محفوظ پناہ گاہ فراہم کرتے ہیں۔ یاللعجب

جواب نمبر4:

جناب عبد اللہ روپڑی (تنظیم اہلحدیث) حدیث انس رضی اللہ عنہ میں "کعب" سے قدم مراد لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

رہی یہ بات کہ ٹخنے سے مراد ٹخنہ ہی ہے یا قدم ہے تو صحیح یہی کہ قدم مراد ہے کیوں کہ جب تک پائوں ٹیڑھا نہ کیا جائے۔ ٹخنہ سے ٹخنہ نہیں مل سکتا۔ تو گویا دونوں پائوں ٹیڑھے کر کے کھڑا ہونا پڑے گا۔ جس میں کئی خرابیاں ہیں۔ ایک تو زیادہ دیر تک اس طرح کھڑے رہنا مشکل ہے دوم انگلیاں قبلہ رُخ نذہیں رہتیں۔ سوم اس لیے بار بار حرکت کرنی پڑتی ہے جو نماز میں خضوع کے منافی ہے۔ چہارم اس قسم کے کئی نقصان ہیں۔ اس لیے ٹخنہ سے ٹخنہ مراد نہیں ہوسکتا۔ بلکہ قدم مراد ہے۔

(فتاویٰ علمائے حدیث:ج3 ص21)

جب حقیقی اور ظاہری معنی پر خود غیر مقلد بھی عمل کرنے سے قاصر ہیں تو دوسروں کو ملامت کیوں؟! نیز خود غیر مقلدین پاؤں پھیلا کر انگلی سے انگلی کو ملاتے ہیں اور پاؤں پھیلانے کی وجہ سے کندھوں کے درمیان فاصلہ بھی بڑھ جاتا ہے، نہ پاؤں مل سکے نہ کندھے چپک سکے۔ بقول شاعر:

خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے

خلاصہ کلام:

صفوں کو سیدھا رکھنے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے مذکورہ ارشادات پر عمل پیرا ہونے کی کیفیت کو بطور مبالغہ بیان کرنے کے لیے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے یہ کہا کہ ہم لوگ اپنی صفوں کو اس طرح سیدھی رکھتی تھے کہ ہمارا کاندھا سے کاندھا ملا ہوا کرتا تھا، کسی نے یہ کہا کہ ہم کھڑے ہوتے تو ہمارا ٹخنہ سے ٹخنہ ملا ہوتا اور کسی نے یہ کہا کہ ہم قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہوتے اور مقصود سب کا یہی تھا کہ نماز میں ہماری صفیں سیدھی ہوا کرتی تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب